تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
عمدة المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ سوم
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''تفسیر حقانی'' کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جارہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آراہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کرسکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-776-3

اکتوبر 2009ء
محمد فیصل نے
محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

بے وقوف ابھی کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کہ جس پر وہ تھے کس نے پھیر دیا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ترکیب: سیقول فعل السفهاء فاعل من الناس اس کا بیان ماولهم مبتداء وخبر مل کر موضع نصب میں ہے۔ بسبب قول کے عن جار قِبْلَةِ مجرور مضاف هم مضاف الیہ۔ سب موصوف التی کانوا علیها ای علی تو جهها او علی اعتقادها۔ جملہ صفت عن متعلق ولی کے ہے۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے یہود اور ان کے مقلد منافقین کی ان نکتہ چینیوں کو (کہ وہ جو اسلام اور نبی علیہ السلام کی شان میں کرتے تھے) ذکر فرما کر جواب دیا تھا۔ منجملہ ان نکتہ چینیوں کے ایک بڑا بھاری اعتراض اسلام پر اور آنحضرت پر تحویلِ قبلہ کے بارہ میں کرتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔

جب نبی ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے اور اسی کو قبلہ بناتے تھے۔ مؤرخین کی روایات میں تفاوت ہے کہ کوئی کہتا ہے نو یا دس مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ کوئی سولہ یا سترہ مہینے تک کہتا ہے۔ واقدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ربیع الاول کی اول تاریخوں میں مدینہ میں تشریف لائے۔ پھر دوسرے سال کے رجب میں پندرھویں تاریخ پیر کے روز کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس تقدیر پر یہ مدت تخمیناً سترہ (۱۷) مہینے کی ہوتی ہے اور یہی ٹھیک ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت مکہ میں تھے، جب بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبے کو سامنے رکھتے تھے۔ جیسا کہ بیہقی نے سنن میں اور ابوداؤد نے ناسخ ومنسوخ میں اور ابن شیبہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی وهو بمکة نحو بیت المقدس والکعبة بین یدیه وبعد ماتحول الی المدینة ستة عشر شهرا ثم صرف الی الکعبة اور اسی لیے بعض مورخین کو شبہ ہو گیا کہ تحویلِ قبلہ دو بار واقع ہوئی حالانکہ یہ غلط ہے۔

قصہ مختصر آنحضرت ﷺ نے ایک سرِّ الٰہی کی وجہ سے چند مدت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور پھر حکمتِ الٰہی کا مقتضی ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے۔ مخالفوں کے طعن کو بیان کر کے اس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کہ جو نہ سرِ الٰہی سے واقف ہیں نہ خاصانِ خدا پر ان کا اعتقاد ہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے قبلہ بیت المقدس سے پھیر دیا جس کی طرف وہ مدت تک منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ طعن یہودِ مدینہ اور منافقین اور مشرکینِ عرب کی طرف سے ہوا تھا۔ یہود نے تو اس بنا پر کیا کہ خدا اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے۔ کیا اس کو پیشتر مصلحت معلوم نہ تھی۔ بعد میں سوجھی۔ خدا ایسا نہیں کر سکتا اور نیز ان کو یہ امر ناگوار گزرا کہ باوجود اتباعِ سلسلۂ انبیاء کے یہ نبی عربی اس کعبۂ انبیاء کو چھوڑ کر جاہلوں کے کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں کہ جس کی تورات میں موسیٰ نے خبر دی ہے (آج کل کے پادری اور ان کے مقلد بھی یہودِ مدینہ کے

پیرو بن کر اسلام پر اس لغو اعتراض کو وارد کیا کرتے ہیں) اور منافقین کے نزدیک کوئی جہت مرجح نہ تھی۔ وہ اس کو سرے سے لغو سمجھتے تھے اور مشرکین کہتے تھے کہ دیکھو آخر کار ہمارے کعبہ کی طرف منہ کیا۔ خدا تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتا ہے کہ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ مشرق اور مغرب یعنی ہر جانب اور ہر سمت خدا کے نزدیک یکساں ہے۔ ہر جگہ اس کا ظہور ہے مگر وہ کسی سر کی وجہ سے ایک جہت کو عبادت کرنے والوں کے لیے مخصوص کر دیتا ہے اور اس سر کو ہر شخص نہیں سمجھتا' ہاں وہ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

متعلقات

وجہ تعینِ قبلہ: قبلہ بروزن فعلہ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مقابلہ سے مشتق ہے۔ اومن الاستقبال اور قبلہ کو اسی لیے قبلہ کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) سو یہ قبلہ کبھی بیت المقدس اور پھر خانہ کعبہ قرار پایا۔ اس مقام پر دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

وجہ اوّل: اول یہ کہ نماز کے لیے قبلہ معین کرنے میں کیا سرِ الٰہی ہے؟ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں چند حکمتیں ہیں۔

(۱) مقدمہ: خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت عقلیہ کہ جو مجردات کا ادراک کرتی ہے۔ دوسری قوتِ خیالیہ کہ جو محسوسات میں تصرف کرتی ہے۔ بسا اوقات یہ قوت قوت عقلیہ کو معانی مجردہ کے ادراک میں مدد دیا کرتی ہے اور اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ مہندس جب مقادیر کا کوئی حکمِ کلی دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کوئی صورتِ معینہ اور شکلِ معین فرض کر لیتے ہیں تا کہ حس اور خیال اس کی اس ادراک میں اعانت کرے۔ پس جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے حضور میں بوقتِ عبادت حاضر ہونا پڑا تو اس ذاتِ مقدسہ کے لیے جو جسم اور اس کے تمام عوارض سے پاک اور احاطہ حس وخیال سے باہر ہے۔ کوئی آلہ حسی[۱] ضرور تھا کہ جو اس تجلیات کا مظہر اور اس کے جمالِ با کمال کا آئینہ ہو اور یہ بھی ضرور تھا کہ اس آئینہ میں کوئی صنمیت[۲] وغیرہ کا رنگ نہ ہو (یعنی وہ جگہ کسی کی تصویر نہ ہو ورنہ پھر توجہ عبودیت اس صاحبِ تصویر کی طرف رجوع کرے گی) تا کہ عمدہ طرح سے نظر آوے اور یہ جگہ خانہ کعبہ ہے کہ جو عالمِ ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالم ناسوت میں اب الانبیاء ورئیس الموحدین حضرت آدم وابراہیم علیہما السلام کا معبد اور خداوند تعالیٰ کے جلوہ کی کرسی ہے (جیسا کہ تورات سفر استثناء میں ہے کہ خدا فاران یعنی مکہ کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا) اور آفتابِ دینِ محمدی کا مطلع اور اہلِ اسلام کی دولت وحشمت کا منبع ہے اور اس کے بعد دوم درجہ میں بیت المقدس ہے جہاں سے نبوت بنی اسرائیل کا دریا بہا ہے۔

وجہ دوم: (۲) یہ امر تو ظاہر ہے کہ حالتِ اجتماعیہ حالتِ وحدانیہ سے قوی ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک یا دو بال میں وہ قوت نہیں کہ جو دس بیس پچاس ملا کر رسی بٹنے سے ہوتی ہے۔ پس جب نباتات و جمادات کا یہ حال ہے تو پھر انسان بالخصوص اہلِ ایمان کی حالت اجتماعیہ کا تعاکسِ انوار وظہورِ تجلیات میں بوقتِ عبادت کیا کہنا ہے؟ اس اتفاق کی بدولت اسلام شرقاً غرباً تھوڑے سے دنوں میں ابرِ رحمت کی طرح دنیا میں پھیل گیا۔ اسی کی برکت سے خدا کے نافرمان بادشاہوں کی سرسبز سلطنتیں دینداروں کے ہاتھ میں آئیں۔ اسی لیے نماز جماعت مقرر ہوئی کہ اہلِ محلہ میں اتفاق پیدا کرے اور جمعہ اور حج اس لیے مقرر ہوا کہ اہلِ شہر اور روئے زمین کے اہلِ اسلام کا باہمی میل جول ہو۔ پس جب نماز میں حالتِ اتفاقیہ شریعت کے نزدیک ایک امر ضروری تھا تو اس کے لیے ایک جہت کا مقرر ہونا بھی ضرور تھا کیونکہ اختلافِ ظاہری اختلافِ باطنی کی دلیل ہے اور وہ جہت خانہ کعبہ ہونی چاہیے کیونکہ اسلام اور توحید کا یہی منبع ہے اور اکیلے کی نماز جماعت کے تابع ہے جو اس کو ضرور

---

۱ یعنی اس کی مشق کے لیے خاکہ۔

۲ بت پرستوں اور عناصر پرستوں کی سمجھ میں جبکہ یہ نکتہ نہ آیا اور سونے اور پیتل میں تمیز نہ رہی تو ان چیزوں کو جہتِ عبادت کی آڑ بنا کے پوجا۔ (۱۲ منہ)

ہے۔اس کو بھی ضرور ہے اور یہی اسرار ہیں اختصاراً اسی پر بس کرتا ہوں۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ دو قبلہ کیوں ہوئے۔ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے بعد پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا کیوں حکم ہوا؟ اس میں بھی چند اسرار ہیں (۱) یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا دین تمام انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دین پر مبنی ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ کا ماننا موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء ﷺ کا ماننا اور قرآن مجید پر ایمان لانا تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ گویا اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اختلافِ جزئیات کو (کہ جو مصالحِ قوم اور زمانہ کی وجہ سے انبیاء کی شریعتوں میں تھا) حذف کر کے ایک اصلی مذہب بنا دیا یا یوں کہو کہ تمام پھولوں کا عطر کھینچ کر ایک جا جمع کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کے دو معبد روئے زمین پر ایسے معظم و مکرم تھے کہ جن کی عزت و عظمت تمام خدا پرست قوموں کے دلوں میں مرتسخ تھی۔ ایک کعبہ دوسرا بیت المقدس۔ پس ضرور ہوا کہ ان دونوں گھروں کو قبلہ نما بنایا جاوے تاکہ مرتبۂ جامعیت پایا جاوے مگر چونکہ نورِ نبوت اولاً کعبہ ہی سے چمکا ہے تو بیشتر صرف اس کی رعایت یا اس کے ساتھ دوسرے گھر کی بھی رعایت کرنا مناسب ہوا۔ جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے۔ پھر جب اس آفتابِ نبوت نے مدینہ میں جا کر عروج پایا اور آنِ واحد میں دونوں قبلوں کی طرف متوجہ ہونا مشکل پڑ گیا تو اس رتبۂ ترقی کے موافق بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا پڑا مگر جب تھوڑے سے ہی دنوں کے بعد دائرۂ کمالاتِ نبوت نہایت وسیع ہوا تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا' وہیں آ رہا یعنی پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) یہ کہ مکہ سے مدینہ کی طرف آنحضرت ﷺ کا ہجرت کر کے آنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ انبیاءِ بنی اسرائیل کی طرف ملتفت ہیں کیونکہ مدینہ مکہ سے شام کی جانب ہے جو انبیاءِ بنی اسرائیل کا مرکز ہے تاکہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے پیرووں اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ نبی عربی سلسلۂ انبیاءِ بنی اسرائیل موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام کے برخلاف نہیں بلکہ انہیں کا مذہب و ملت کا مہتمم و مصلح ہے جیسا کہ توریت وغیرہ کتب انبیاء میں خبر دی گئی تھی اور جس لیے اہل کتاب ایک ایسے مصلح و مجدد کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس لیے مدینہ میں تشریف لا کر ضرور ہوا کہ اتحادِ انبیاءِ بنی اسرائیل کا اظہار کیا جائے تاکہ اہلِ کتاب کو نفرت نہ ہو (اسی بات کو بعض مفسرین نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ تالیف للیہود بتائی ہے اور اظہارِ اتحادِ دلی کے لیے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے زیادہ اور کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی۔) اس لیے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا مگر بیت المقدس اور اس کے بانی اور اس کے انبیاء علیہم السلام دراصل ملتِ ابراہیمی کے تابع ہیں اور آنحضرت ﷺ ملتِ ابراہیمیہ کے اصلی مہتمم و مصلح کر کے بھیجے گئے ہیں۔ اس لیے مسجد ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہمیشہ کے لیے منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینا اس بات کا اظہار ہے کہ آپ کو اصلی و دائمی خصوصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے کیونکہ ان کے بڑے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو اپنے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خصوصیت اور خاصہ اور حقِ اکبریت فوقیت کے ساتھ حاصل ہے اور نیز اسلام کا ظہور بھی مکہ سے ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبد کعبہ کا شہر ہے اور اسلام کی اشاعت اور جہان بھر میں پھیلنے کا ذریعہ بھی عرب کی قوم میں نوشتۂ ازلی میں قرار پا چکی ہیں اور ان سب کا عبادت گاہ کعبہ تھا اور اسی کی عظمت ان کے دلوں پر جاگزیں تھی اور اسی کی طرف منسوب ہونے کو وہ ابراہیمیت کی علامت خاص جانتے تھے۔ اس لیے ہمیشہ کے لیے کعبہ ہی جہتِ نماز قرار پایا۔

(۳) اور اس میں یہ بھی سر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وصفِ جامعیت حاصل ہو جائے۔ امام القبلتین کا مرتبہ ملے۔

(۴) نیز اس میں مخلصین و غیر مخلصین کا امتحان بھی ہے۔ رسم پرست ہمیشہ اپنے رسوم و مالوفات ہی پر چلتے ہیں۔ مخلصین فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ جدھر ہادی نے موڑ دیا' مڑ جاتے ہیں اور اسی کا نام اتباعِ حقیقی ہے اور یہی محمدی ہونے کی سچی علامت اور محبتِ صادق کا خاص نشان ہے ورنہ دراصل مشرق و مغرب یعنی ہر سمت خدا کی ہے' اس کا ہر سمت جلوہ ہے

کافراں سجدہ کہ درپیشِ بتاں میکردند
ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

نہ کعبہ ہی میں خدا رہتا ہے نہ بیت المقدس میں ہی بستا ہے۔ وہ ہر مکان و ہر زماں سے پاک ہے۔ واضح ہو کہ بعض خبطیوں نے اس مقام پر وہ بے سر و پا اعتراض کئے ہیں کہ جن کو قرآن سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ اہل کتاب کے لیے کوئی جہت قبلہ ہی نہیں، پھر ان کے لیے مشرق و مغرب کو کیوں جہت کہا۔ از انجملہ یہ کہ کعبہ دیواروں کا نام ہے اور جب دیواریں نہ رہیں گی تو کیا ہو گا وغیرہ ذلک من الخرافات اس لیے اس کے بعد خدا نے یھدی من یشاء الی صراط مستقیم فرمایا کہ یہ اسرار جس کو ہم چاہتے ہیں' تلقین کرتے ہیں ورنہ بعض تو وادیٔ ضلالت و جہالت میں سر ٹکراتے ہی مر جاتے ہیں۔ اس آیت سے جس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ احکام الٰہی کا چھپانا حرام ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہاں تک حکم تحویل قبلہ کی تمہید تھی۔ اگلی آیات میں حکم دیا جا رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور (جس طرح کہ ہم نے قبلہ کے امر میں ہدایت کی) اسی طرح تم کو امتِ وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے اور وہ قبلہ کہ جس پر (اے نبی) تم تھے' بیت المقدس ہم نے اس لیے بنایا تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون (تحویل قبلہ کے وقت) رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے اور قبلہ کا بدلنا بے شک بہت شاق تھا مگر جن کو خدا نے ہدایت دی (ان پر کچھ بھی شاق نہیں) اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دیتا۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ شفیق اور مہربان ہے۔

ترکیب: وکذلک میں کاف موضع نصب میں ہے۔ صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ و مثل ہذا اتینا من نشاء جَعَلْنٰكُمْ اور جَعَلْنَا بمنزلہ صیرنا علی الناس متعلق ہے۔ شُهَدَآءَ سے قبلۃ مفعول اول ہے۔ جعلنا کا اور مفعول ثانی محذوف ہے اور التی مع صلہ اس محذوف کی صفت ہے تقدیرہ وما جعلنا القبلۃ القلبلۃ الخ من یتبع میں من بمعنی الذی موضع نصب میں ہے نعلم اے ممن ینقلب میں من متعلق ہے نعلم سے۔ ای لیفصل المتبع عن المنقلب علی عقبیہ موضع نصب میں ہے بوجہ حال ہونے کے ای راجعا وان کانت میں ان مخففہ ہے ثقلہ سے اور اسم اس کا محذوف ہے۔ اس پر سیاق دلالت کرتا ہے۔ اے وان کانت التولیۃ الا علی الذین میں علی کبیرتا سے متعلق ہے اور الا نے صرف معنی میں عمل کیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع خبر کان محذوف اور لام اس محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیرہ وما کان اللہ مریدا لان لیضع ایمانکم کوفیوں کے نزدیک لیضیع خبر ہے اور لام تاکیدی اس پر داخل ہو گیا۔ وفیہ نظر لان اللام لام الجر وان بعدہا مرادۃ۔

تفسیر: یعنی جس طرح ہم نے اے امت محمد ﷺ تم کو اور باتوں میں برگزیدہ کیا از انجملہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ کسی نبی کو مانتے' کسی کو نہیں اور تم سب کو مانتے ہو اور یہ کہ تم اپنے نبی کے سچے اور حقیقی فرمانبردار ہو جس چیز کا حکم ہوتا ہے بلا چون و چرا اس کو تسلیم کرتے ہو اور نیز یہ کہ

تمہارا قبلہ کعبہ قرار دیا گیا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے قبلہ کے کہ وہ پیچھے بنا ہے۔ اسی طرح ہر بات میں تم کو امتِ وسط یعنی پورا اور کامل بنایا تا کہ سب لوگوں کے لیے تم شہید یعنی ہر امرِ خیر میں ہادی بنو کہ جس بات کو تم اچھا یا برا کہو اس میں تم خداوند کے گواہ مانے جاؤ اور رسول تمہارا ہادی اور گواہ بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی کے دل پر القا کرے اس کو تم اوروں کو تعلیم کرو اور تحویل قبلہ کے بارے میں جو لوگ تم سے جھگڑتے اور طرح طرح کے شکوک پیش کرتے ہیں' وہ بیوقوف اس رمز سے (کہ جس کا پہلے بیان ہوا) ناواقف ہیں۔ منجملہ اور اسرار کے چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک یہ بھی سر تھا کہ پیغمبر کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں باہم امتیاز ہو جاوے۔ کس لیے کہ جو اپنے معبودِ حقیقی اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو (جس طرح دانشمند مریض اس حکیم حاذق کے نسخہ کی تبدیلی کو بلا حجت و تکرار قبول کر کے اس کی دوا کو پی لیتا ہے کہ جس کو دل سے حکیمِ حاذق مفید جانتا ہے) بے کھٹکے رسول کے حکم کو قبول کر لیتے ہیں' خواہ ان کی رسم و حمیتِ ملکی کے خلاف ہو خواہ موافق۔ وہ ہر وقت یہی کہتے ہیں

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اور جو رسم اور مذہب و ملتِ آبائی اور حبِ جاہ و مال کے جال میں گرفتار ہیں' وہ سینکڑوں نکتہ چینیاں کر کے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اور ہر چند یہ بڑی بھاری بات ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے شعائرِ مذہبیہ کو چھوڑ دے اور جن کو وہ شعائر بتائے ان کو یہ تسلیم کرے مگر جن کو خدا تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اور ان کے دلوں سے حجاب اٹھا لیتا ہے' وہ رسول کے حکم کو سب پر مقدم رکھتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو یہ توفیق عطا نہ کرتا تو وہ بھی نافرمانی اور سرکشی سے بالخصوص اس تحویلِ قبلہ کے امر میں نکتہ چینی کرنے سے ایمان زائل کر دیتے مگر خدا چونکہ بڑا مہربان اور شفیق ہے وہ کاہے کو مسلمانوں کے ایمان کو ضائع ہونے دیتا تھا' لہٰذا اس نے ان کو توفیق عطا فرمائی۔

متعلقات

امتِ وسط۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس کے معنی بہتر کے ہیں جیسا کہ کنتم خیر امة لتکونوا شھداء شہادت سے مراد گواہی ہے۔ خواہ یہ گواہی دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گیا۔ لوگوں نے اس کی مذمت کی تو آپ نے فرمایا وجبت [1] وجبت پھر دوسرا جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی مدح کی تو آپ نے فرمایا وجبت وجبت۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے دونوں کے لیے ایک ہی کلمہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کی تم نے مذمت کی اس کے لیے آتشِ دوزخ واجب ہوئی اور جس کی تم نے مدح کی' اس کے لیے جنت واجب ہوئی۔ تم خدا کے دنیا میں گواہ ہو' جس کو تم اچھا کہو' وہ اچھا ہے اور جس کو تم برا کہو وہ برا ہے (ترمذی وغیرہ) خلاصہ یہ کہ امتِ مرحومہ بحیثیت اجتماعی نبی علیہ السلام کے کمالات کا آئینہ ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا لن تجمع امة محمد علی الضلالة کہ امتِ محمدیہ گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی۔ یہاں سے اجماعِ امت کا برحق ہونا پایا گیا اور اسی لیے خدا نے فرمایا وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا کہ جو مسلمانوں سے علیحدہ راہ اختیار کرے گا۔ جہنم میں جاوے گا۔ واضح ہو کہ گواہ میں دو باتیں ضرور ہیں۔ اول یہ کہ وہ عادل ہو کیونکہ جھوٹے' بدکار کی گواہی کا کیا اعتبار۔ دوم اس کو علم بھی ہو کیونکہ جس چیز کو جب تک نہ جانے گا اس کی بابت کیا گواہی دے گا۔ پس جب امتِ محمدیہ کا شاہد ہونا ثابت ہوا تو نیک اور ذی علم ہونا بھی پایا گیا۔ اسی لیے لفظ وسط امت کی صفت میں لایا گیا۔

---

[1] واجب ہوئی ۱۲ منہ

پہلے جو خدا نے یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ فرمایا تھا تو وہ ایک عام بات تھی۔ اب اس آیت میں اس کی تشریح کر دی کہ جن کو خدا نے صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہے ان میں سے امتِ محمدیہ اور خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ اے مسلمانو! تم کو ان یہود و نصاریٰ و دیگر اقوام کی طعن و طنز کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم خدا کے شاہد ہو۔ ہر امر میں ان لوگوں کو تمہارا اقتداء کرنا چاہیے نہ کہ تم ان کا اقتداء کرو۔ تمہیں صرف اپنے رسول کا اتباع کافی ہے۔

فائدہ: ماکان اللہ لیضیع ایمانکم کی تفسیر میں بعض محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ جیسا کہ ابی امامہ اور سعد بن زرارہ اور براء بن عازب اور براء بن معرور وغیرہم کا انتقال اس زمانہ میں ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس جبکہ قبلہ کعبہ بنایا گیا تو ان کے وارثوں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ وہ لوگ تو اس حالت میں مرے کہ جو منسوخ ہو گئی اب ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

وقف لازم — وقف منزل — ع

تمہارا (انتظارِ حکم میں) آسمان کی طرف پھر پھر کر منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں (غم نہ کرو) جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پس (نماز میں) مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کر لیا کرو اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو اور بے شک جن کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہے اور اگر آپ اہل کتاب کے لیے سب نشانیاں بھی لے آویں تو بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور ان میں سے کوئی بھی کسی کے قبلہ کو نہیں مانتا ہے اور اگر آپ نے علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی (یا ان کے کہنے پر چلے) تو بے شک اس وقت آپ بھی ستمگاروں میں سے ہوں گے جن کو کہ ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اس[1] کو اس طرح جانتے ہیں کہ جس

[1] یعنی نبی آخر الزمان علیہ السلام کو۔ ۱۲ منہ

طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے کہ جو جان کر حق کو چھپاتے ہیں۔ حق تو آپ کے رب ہی کی طرف سے ہے' پس آپ شک میں نہ پڑیں۔

ترکیب: نریٰ فعل مضارع ضمیر نحن اُس کا فاعل تقلب الخ مفعول فی السماء متعلق ہے تقلب کے نولینک فعل با فاعل ک مفعول اول قبلۃ موصوف ترضٰھا صفت مجموعہ مفعول ثانی ولّ فعل انت ضمیر فاعل کی اس میں مستتر اس کا فاعل وجھک مفعول اول شطر الخ مفعول ثانی حیث ظرف ہے۔ فولّوا الخ کامن ربھم موضع نصب میں بوجہ حال ہونے کے۔

تفسیر: جب خدا تعالیٰ قبلہ کے بارے میں مخالفوں کے شکوک وشبہات رد کر چکا اور یہ بات بھی بتلا چکا کہ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ایک امتحان اور سر باطنی کے لیے تھا اور دراصل ہمیشہ کے لیے قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے تھا (ان اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر اوپر ہوا) تو اب اس آیت سے پیشتر آنحضرت ﷺ کی اس رغبت کا اظہار کرتا ہے کہ جو بوجہ ترقی مراتب کعبہ کے قبلہ بنانے میں تھے۔ اس کے بعد آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تم کو اس قبلہ کا حکم دیں گے کہ جس کو آپ کا دل چاہتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھ آپ کی امت کو عام حکم دیتا ہے کہ کچھ مکہ اور اس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو کعبہ کی طرف کہ جس کو مسجد الحرام کہتے ہیں' منہ کر لیا کرو۔ پھر اس کے بعد اہل کتاب کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اب جو کچھ اس بارے میں تم پر اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے' یہ ان کی محض حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ اپنی ان روایات سے کہ جو بطور تواتر نسل درنسل ان میں چلی آتی ہیں' کعبہ کی بزرگی اور اس کا برحق ہونا خوب جانتے تھے۔ اس کے بعد ان کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا تمہاری اس مکاری اور حق پوشی سے غافل نہیں' وہ ضرور تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

فوائد: (۱) قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء مراد دلی آرزو ہے۔ عام ہے کہ سچ مچ آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر آپ دیکھتے تھے۔ جیسا کہ اہل اللہ حالت انتظار میں دیکھا کرتے ہیں یا نہ دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ دلی آرزو کہ قبلہ کعبہ ہو حب وطن یا مشرکین مکہ کی خوشی کے لیے نہ تھی بلکہ ان اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اور جو نفوس کاملہ ہوتے ہیں' ان کو ہمیشہ کمالات کی طرف از حق شوق ہوا کرتا ہے اور کعبہ کا قبلہ ہونا آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے بڑا کمال[۱] تھا۔

(۲) مسجد الحرام کعبے کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی حرمت خدا کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یا اس لیے کہ یہاں معاصی اور قتل وظلم کی اشد حرمت اور ممانعت ہے جو کعبہ کو مسجد الحرام کے ساتھ بیان کیا تو اس میں یہ نکتہ ہے کہ یہود جو حق پوشی کر کے اعتراض کرتے تھے کہ ''کعبہ میں کیا فضیلت ہے' یہ مشرکین عرب کا معبد ہے۔'' اس سے باز آویں اور کعبہ کی حرمت وعظمت کی طرف خیال کریں کہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا معبد ہے۔ کعبہ کے کہنے میں یہ بات حاصل نہ تھی۔

(۳) شطر المسجد الحرام شطر کے معنی یہاں جانب اور طرف کے ہیں۔ گو جز کے بھی ہیں مگر کعبہ کی طرف منہ کرنے سے مراد یہاں نماز میں منہ کرنا ہے اور یہ طرف اور سمت حقیقی ہونی کچھ ضروری نہیں بلکہ تخمینی بھی کافی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک خط جنوب وشمال میں کعبہ سے نکالا جاوے اور دوسرا نمازی کے سامنے کھینچا جاوے جبکہ وہ کعبہ سے مغربی یا مشرقی جہت میں ہو اور پھر دونوں خطوں میں تقاطع ہو جاوے تو کافی ہے اور جو اندھیری رات میں یا کسی اور وجہ سے قبلہ معلوم نہ ہو تو نمازی غور کرے اور جدھر ظن غالب قبلہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ گو بعد میں غلطی معلوم ہو کیونکہ یہ امر سہولت پر مبنی ہے ورنہ دقت ہو جاوے۔

ترکیب: ولئن میں لام توطیہ قسم ہے۔ پھر یہ تمام جملہ شرط ہے اور ما تبعوا قبلتك جواب ما بلحاظ لفظ ماضی داخل ہے ورنہ تبعوا بمعنی مستقبل ہے اور ما بمعنی لا اور اسی لیے جواب میں فا نہیں آیا اور اسی طرح ولئن اتبعت الخ شرط انک جواب اذا حرف ہے اور نون اس میں اصل ہے اور یہ خاص

[۱] آیندہ کی ترقیاں اسی پر مبنی ہیں۔ ۱۲ منہ

جواب میں مستعمل ہوتا ہے۔ الَّذِیْنَ الخ مبتدا یعرفونہ الخ اس کی خبر کما صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما مصدریہ ہے الحق مبتدا من ربک خبر۔

تفسیر: چونکہ نبی ﷺ کو مخالفین کے حق پر آنے کی نہایت آرزو تھی کہ یہ کسی طرح وادیِ ضلالت سے نجات پاویں اور کاش آیات و معجزات ہی سے راہ پر آویں۔ بالخصوص تحویلِ قبلہ کے بارے میں مگر ان کا انکار ان کی شقاوت ازلی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ اسی لیے اپنے نبی کو فرماتا ہے کہ اگر آپ ان اہلِ کتاب کو سینکڑوں معجزات و آیات بھی دکھاویں گے۔ تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور اس پر کیا منحصر ہے' ان کی باہم بھی یہاں تک ضد و کد ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے سینکڑوں معجزات دکھائے مگر یہود نے ان کو نہ مانا۔ پھر نصاریٰ میں پولوس[1] نے حق پوشی کے لیے اور نصاریٰ کو ابداً حق سے محروم کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ میرے خلاف اگر کوئی آسمان کا فرشتہ بھی کہے تب بھی نہ ماننا۔ پھر اگر آپ باوجود امرِ حق ظاہر ہونے کے بفرضِ محال ان کے خواہشوں کے تابع ہوں گے تو برا کریں گے (جیسا کہ حق سے انکار میں ان کا اصرار تھا)۔ اتنا ہی آپ کے لیے ان کے اتباع سے منع کرنے میں اصرار کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی امت کو کنایۃً متنبہ کر دیا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور ان کا یہ انکار عمداً ہے کیونکہ وہ آپ کو نبیِ برحق ان علامات سے کہ جو ان کی کتابوں میں ہیں اور سینہ بہ سینہ ان کے احبار اور رہبان میں چلے آتے ہیں' اسی طرح سے جانتے ہیں کہ جس طرح اپنی اولاد کو سینکڑوں لڑکوں میں دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور بالکل اشتباہ نہیں ہوتا' اگرچہ ان کے عوام نہ جانتے ہوں مگر ایک فریق یعنی علماء تو عمداً جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں مگر ان کے اس خلاف حق ظاہر کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ حق تو وہی ہے کہ جس کو خدا ظاہر کرتا ہے۔ بس اب اے مخاطب تو کسی شک و شبہ میں نہ پڑنا۔

فوائد: (۱) وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ گو تمام عیسائیوں اور یہود کے لیے نماز میں کوئی جہتِ خاص قبلہ نہ ہو مگر عرب کے یہود عموماً بیت المقدس کو نماز میں قبلہ بناتے تھے اور نصاریٰ جہتِ شرق کو اس لیے کہ حضرت مسیح بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو یروشلم سے بجہتِ شرق واقع تھا اور ممکن ہے کہ قبلہ سے ہر مذہب کے رسوم و شعار مراد ہوں اور ہر ایک دوسرے کے رسوم کو نہیں مانتا۔ یہ طبعی بات ہے۔ (۲) فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ شک تھا بلکہ اوروں کے سنانے کو حضرت سے یہ اور لَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ فرمایا۔ (۳) ہم نے قیود کی رعایت رکھ کر تفسیر کی ہے۔ اس تقریر پر وہ سوال و جواب جو خلافِ معنی لے کر بعض مفسر کرتے ہیں' تضیعِ اوقات ہے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] چنانچہ پولوس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے اس کے پہلے باب کے درس میں یہ لکھتا ہے (۸) لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوا اس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہووے۔ ۱۲ منہ

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے کہ وہ ادھر ہی جھکتا ہے۔ پس تم تو نیکیوں کی طرف دوڑا کرو تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ سمیٹ کر لے آئے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور آپ کہیں سے بھی نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور یہی حق بھی ہے آپ کے رب کی طرف سے اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کریں اور (مسلمانو) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو اپنا منہ (نماز میں) اس کی طرف کیا کرو (بار بار اسی لیے حکم دیا گیا) کہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تو تم بھی ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو اور اس لیے بھی کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کردیں اور اس لیے بھی کہ تم سیدھے رستہ پر آجاؤ۔

ترکیب: وجهة مبتداء لکل اس کی خبر لفظ وجهة میں قیاس چاہتا تھا کہ جهة ہو مثل عدة اور زینة کے هو (ای اللہ) مبتداء[۲] مُوَلِّیهَا بکسر اللام اس کی خبر تقدیرہ اللہ مولیٰ تلک الجهة ذلک الفریق ای یا مرہ بہا امرا تکوینیا فحذف المفعول الثانی اور احتمال ہے کہ ضمیر ہو کل کی طرف رجوع کرے۔ ای ذلک الفریق مولی الجهة نفسہ۔ یہ تمام جملہ صفت وجهة کی ہو گا اَیْنَمَا ظرف ہے تکونوا کا و من حیث خرجت اس جگہ شرط کے لیے نہیں۔ پس من متعلق فول کے ساتھ ہے' وحیث ما کنتم میں دونوں احتمال ہیں۔ لئلا میں لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیرہ فعلنا ذلک لئلا الخ حجة اسم کان اور للناس اس کی خبر اور علیکم صفت حجة اصل میں مؤخر تھی مگر چونکہ مقدم ہو گئی تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوئی اور یہ جائز نہیں کہ اس کو حجت کے متعلق کیا جاوے۔ لئلا یتقدم صلة المصدر علیہ الا الذی ظلموا استثناء ہے الناس سے ای لئلا یکون لاحد من الناس حجة الا للمعاندین منہم اور ممکن ہے کہ استثنا مبالغہ کے لیے ہو جیسا کہ اس شعر میں

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم
بهن فلول من قراع الکتائب

ولاتم معطوف ہے لام سابق پر علیکم متعلق ہے لاتم سے۔

تفسیر: خدا تعالیٰ اس آیت میں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جاوے تو پھر اس کے اختیار کرنے میں کسی کی مخالفت و موافقت کا کچھ بھی پاس نہ کرنا چاہیے اور کیونکر انسان ہر ایک کو بالخصوص دینی امور میں موافق کر سکتا ہے۔ حالانکہ ہر ایک شخص کی رائے اور عقیدت اور میلِ قلبی جدا گانہ ہے۔ ع

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے

خلاصہ یہ کہ ہر ایک شخص اور قوم اور ملک کا ایک بات کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ پس تم اس خیالِ موافقت کو دل سے نکال دو اور جو نیک باتیں کہ مقصود بالذات ہوں جیسا کہ نماز اور روزہ و ذکر اور خلقِ خدا کے ساتھ نیکی کرنا اور خواہشِ نفسانی اور مقتضیات ہیولانیہ سے بری رہنا

---

[۱] نماز میں ۱۲

[۲] او مبتداء راجع لکل مولیها خبر ضمیر ہا راجع وجهة کی طرف یا ضمیر ہو راجع الی اللہ کریں پس تقدیر عبارت یوں ہے اللہ مولیها ایاہ ہو مولها ای اللہ مولی تلک الجهة قد ولیها بہر حال معنی یہ ہیں ولکل امة قبلة یتوجه الیها منکم و من غیرکم۔ ۱۲ منہ حقانی

ان میں سرگرم رہو اور استقبالِ کعبہ تو امرِ مقصود بالذات نہیں بلکہ نماز میں متبع ملتِ ابراہیمیہ کا غیر متبع سے امتیاز ہونے کے لیے حجت قرار دی گئی ہے اور یہ اختلاف جہات اور باہمی تباعد اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک روش پر جمع کر کے ہر کہیں سے لے آئے گا' ہر حالتِ خوف و رجا میں دربارِ الٰہی میں سب اس کی طرف متوجہ اور اسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ممکن ہے کہ اینما تکونوا الخ کا خطاب خاص اہلِ اسلام سے ہو۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اے مسلمانو! ہر قوم کے لیے ایک جہت خاص ہے اور تمہارے لیے حصولِ قرب و سعادت کے لیے ہر جہت ہے۔ تمہارے لیے میدانِ سعادت بڑا وسیع ہے۔ پس تم اس میدان میں دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں ادھر ادھر چلے جاؤ گے۔ باہمی اتفاق و تعاکسِ انوار نہ ہوگا کیونکہ وہ تم کو بارگاہِ قرب میں جمع کر دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان اسرار و رموز کے بعد پھر اسی حکم کی تاکید کرتا ہے کہ بلاشبہ تم نماز میں منہ کعبہ کی طرف کیا کرو تاکہ پھر کسی کا اعتراض باقی نہ رہے کہ باوجود اتباعِ ملتِ ابراہیمیہ کے اس نبی نے مسجد الحرام کو کیوں قبلہ بنایا اور نیز اس میں تمہارے لیے اے اہلِ اسلام خدا کی پوری نعمت ہے(کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کسی قدر ہم نے بیان کی ہیں)اور نیز اس میں تمہارے لیے راہِ راست کی رہنمائی بھی ہے۔ اس کے بعد جو کوئی تم پر اعتراض کرے تو وہ ناانصاف ہے اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے بلکہ خاص خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

فائدہ: اس حکم کو ایک بار تو خدا تعالیٰ ذکر کر چکا تھا مگر پھر تین بار اس آیت میں کیوں اس کو ذکر کیا؟ بظاہر یہ بات بلاغت و فصاحت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول بار تعمیم احوال کے لیے ہے اور دوم تعمیم امکنہ کے لیے اور سوم تعمیم ازمنہ کے لیے تاکہ اس حکم میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ جب بلیغ کسی دعویٰ کو کسی دلیل سے ثابت کیا کرتے ہیں تو دوبارہ جب اس پر اور دلیل لاتے ہیں تو پھر اس دعویٰ کو دلیل کے ساتھ ربط دینے کے لیے ذکر کر دیتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب کسی امرِ اہم کو بیان کرتے ہیں تو اس کی تاکید بھی ضرور کرتے ہیں اور تاکید تین بار کہنے سے حاصل ہوتی ہے مگر لطف یہ ہے کہ نیا عنوان مدنظر رکھا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

جیسا[1] کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو پاک کرتا اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور (نیز) تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے کہ جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس مجھے یاد کرو کہ میں تم کو یاد کروں گا اور میرا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کیا کرو۔

ترکیب: کما میں کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ یہتدون ہدایۃ کا ارسلنا اور اتماما کا ارسلنا اور بعض محققین کہتے ہیں فاذکرونی کما ارسلنا فعلی ہذا یکون منصوبا صفۃ للذکر اے ذکرا مثل ارسالی اور ما مصدریہ ہے منکم رسول کی صفت اور یَتْلُوْا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ حال ہے۔

تفسیر: خدا تعالیٰ نے دینِ محمد ﷺ کے منجانب اللہ ہونے پر چند وجوہ بیان فرمائیں۔ بعض ان میں سے الزامیہ ہیں کہ یہ دینِ ابراہیم علیہ السلام کا

[1] یعنی قبلہ کی رہنمائی بھی ہمارا ایک ایسا ہی احسان ہے۔ جیسا کہ رسول کا بھیجنا احسان تھا۔ ۱۲ منہ

دین ہے۔ پس اس کا قبول کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ تھا وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الخ اور بعض ان میں سے برہانیہ ہیں اور وہ یہ آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اس کے بعد خدا نے مخالفین کے دو شبہے ذکر فرما کر ان کا جواب شافی دیا۔ اوّل وقالوا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا دوسرا نسخ کے بارے میں تھا کہ شریعتِ محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے۔ بالخصوص قبلہ کی بابت ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ شریعت منجانب اللہ نہیں۔ سو یہ شبہ ان کا قوی تھا اس لیے اس کا جواب سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ سے شروع ہو کر وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ پر ختم کر دیا اور چونکہ تحویلِ قبلہ کو اتمام نعمت فرمایا تو اس کے ساتھ دوسری نعمت کو بھی یاد دلایا کہ ہم نے جس طرح کعبہ کو قبلہ بنانے میں تمہارے حال پر نعمت نازل کی ہے اور مخالف اس کی حقیقت سے ناواقف اعتراض کرتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بڑی نعمت یہ دی کہ تمہارے پاس تمہیں میں کا ایک ایسا رسول بھیجا کہ جس نے نہ صرف کلام الٰہی لوگوں کو پڑھ کر سنایا بلکہ اس نے تزکیۂ نفس اور تہذیبِ ارواح کی اور حکمتِ نظریہ اور عملیہ اور کتاب سکھائی اور بہت سی باتیں تم کو بتائیں جس کا اثر تم نے دیکھ لیا۔ عرب کی کیسی حالت خراب تھی، پھر کیسی درست ہوئی۔ پس جس طرح اس پر مخالفوں کے شبہات بیجا تھے اسی طرح اس امر میں بھی شبہات بے جا ہیں۔ اب تم میری طرف اپنا دھیان دھرو اور مجھے یاد کرو۔ میں بھی تم پر اپنی رحمت کروں گا اور میری ان نعمتوں کو مدِ نظر رکھ کر شکریہ کرتے رہو۔ کبھی ناشکری نہ کرنا اور کسی کے بہکانے میں آکر نافرمانی نہ کرنا۔

فائدہ: اقسامِ ذکر: ذکر کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ زبان سے اس کی حمد اور تسبیح اور تمجید اور تہلیل و تکبیر پڑھی جاوے اور اس کی کتاب پڑھی جاوے۔ دوم ذکر قلبی اور وہ یہ کہ اپنے لطائفِ باطنیہ کو اور اپنے جمیع قوائے ادراکیہ کو اس کی طرف متوجہ کر دے اور یہاں تک محویت حاصل ہو کہ اپنے تئیں بھی بھول جائے خواہ نفی و اثبات کر کے خواہ مراقبہ سے خواہ توجہ اور ہمتِ شیخ سے یہ بات حاصل[1] ہو۔ جب انسان کو یہ حالت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ممکنات میں ایک دوسرے کے اثر سے حال بدلتا ہے مٹی پھول کی صحبت سے معطر اور لوہا آگ میں رہنے سے انگر ہو جاتا ہے اسی طرح انسان پر آثار تقدیس فائض ہوتے ہیں۔ پھر تو اس کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی زبان اور اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتے ہیں (حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے) جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے اور پھر اس بندہ سے آثارِ عجیبہ بھی سرزد ہونے لگتے ہیں کہ جن کو معجزات و کرامات کہتے ہیں اور یہ بھی ذکرِ قلبی کی شاخ ہے کہ اس کی مخلوقات میں جو کچھ اسرار رکھے ہیں، ان میں غور و فکر کرے تاکہ اس عالم کا ہر ذرّہ اس کے جمالِ جہاں آراء کے لیے آئینہ ہو جاوے۔ اس لیے ایک عارف نے فرمایا ہے (ما رایت شیئا الا رایت اللہ فیہ) کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں تو اس میں خدا ہی نظر آتا ہے۔ ہر چیز اس کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کے لیے شاہدِ عدل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں اس ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے اور ایک جگہ لعلکم تفلحون فرمایا ہے۔ قبل اس کے کہ اس ذاکر کی روح اس خاک کے پتلے سے مفارقت کرے اسی عالم میں یہ شخص عالم قدس کے لوگوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ سوم قسم ذکرِ جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ان اعضاء کا ذکر سو وہ ان اعضاء کو اس کے حکم میں مستعمل کرنا اور منہیات سے روکنا ہے اور اس لیے اس آیت میں نماز کو بھی ذکر کہا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

---

[1] ہرگز اس شخص کا قلب قابلِ انعکاسِ تجلیاتِ الٰہی و تنویرِ ضیاء نامتناہی نہیں ہو سکتا ہے تاوقتیکہ اس کا قلب لذائذِ دنیوی و حظِ نفسانی سے پاک و صاف نہ ہو اس لیے ہمت و توجہ شیخ کی ضرورت لاحق ہے تاکہ ذکرِ قلبی سے سالک کے لطائفِ باطنیہ کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کی جڑ اول اسلام دوم ایمان سوم احسان ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ احسان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو حاضر جان اور خیال کر کہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور اگر یہ تجھے حاصل نہیں تو خیال کر کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے علیٰ ہذا ہر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں خواہ لسانی ہو یا قلبی غرض کہ اپنی ہستی کو ذاتِ باری میں فنا کر دے اسی کا نام عارف ہے۔ حقانی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ایمان والو! صبر اور نماز سے (ہر ایک سختی میں) مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے اور ضرور ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں سے اور پیداوار کے نقصان سے آزمائیں گے اور (اے نبی) ان صبر کرنے والوں کو مژدہ دے دو کہ جن پر جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اس کے ہی پاس جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا کی طرف سے (صد) آفریں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

ترکیب: بالصَّبْرِ متعلق ہے اِسْتَعِيْنُوْا سے لَا تَقُوْلُوْا فعل اَنْتُمْ اس کا فاعل لِمَنْ يُّقْتَلُ الخ جملہ مفعول من چونکہ معنی جمع ہے اس لیے اَمْوَاتٌ میت کی جمع خبر میں لانا مناسب ہوا اَحْيَاۗءٌ خبر مبتداء محذوف کی اے ہم احیاء وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ جواب ہے قسم محذوف کا مِنَ الْخَوْفِ موضع جر میں ہے کس لیے کہ یہ صفت ہے۔ بشیءٍ کی مِنَ الْاَمْوَالِ موضع نصب میں ہے کس لیے یہ صفت ہے محذوف کی تقدیرہ وَنَقْصٍ شیء مِنَ الْاَمْوَالِ لان النقص مصدر هو متعدالی مفعول وقد حذف المفعول۔ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ موضع نصب میں ہے کس لیے یہ صفت ہے صَابِرِيْنَ کی قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ جواب ہے شرط کا اُولٰۗىِٕكَ مبتداء وَصَلَوٰتٌ مبتداء ثانی اور عَلَيْهِمْ اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے مبتدا اول کی اور اولئك مبتدا هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ جملہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ ہم ضمیر فصل ہو اور المهتدون تنہا خبر ہو۔

تفسیر: خدا تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے ذکر اور شکر اور عدم کفران کا حکم دیا تھا کہ جو تمام عبادتوں اور ہر قسم کی اوامر و نواہی کا لب لباب تھا اور اس قسم کے بارگراں کے تحمل کے لیے کوئی سہارا بھی ضرور ہے کہ جس کی اعانت اور وجہ سے یہ بارگراں آسان ہو جاوے اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور اشاعتِ خیر کا بھی حکم دینا منظور تھا کہ جس پر قوم اور ملت کی عزت و آبرو کا مدار ہے۔ اسی لیے اس نے بطورِ تمہید کے اس جگہ وہ آیت نازل فرمائی کہ جو دونوں مقصدوں کو خوب پورا کر دے اور جس کو دونوں سے کامل درجہ کا ارتباط ہو۔ پس فرمایا کہ اے ایمان والو! اس بارگراں کی سہولت کے لیے صبر اور نماز پڑھنے سے کام لو۔ کس لیے کہ صبر اور نماز ایسے آلے ہیں کہ جس سے یہ کام بلکہ جہاد فی سبیل اللہ دونوں سہل ہو جاتے ہیں اور یہ اس لیے کہ صبر عقل کا اتباع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں۔ اس لیے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ عقل صرف ہے تو اس لیے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں۔ غضب اور شہوت ہے اس لیے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔ ان کی قوتِ جماعیہ جس جانور سے چاہتی جماع کرنے کا حکم دیتی ہے اور جس چیز کے کھانے پینے کو چاہتی ہے حکم دیتی ہے جس پر چاہتی ہے حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ سو وہ اس کے کہنے

سے ویسا ہی کرتا ہے۔ عقل اس کا ہاتھ نہیں پکڑتی کہ ارے ظالم کیا کرتا ہے۔ بخلاف انسان کے کہ اس کو عقل مانع آتی ہے اور اس کے کہنے سے نفس کو روکتا ہے تو نفس پر پژمردگی اور روح پر تازگی اور نورانیت طاری ہوتی ہے اور جب روح پر نورانیت آتی تو اس آئینہ میں جمالِ جہاں آرا کا جلوہ ہوا خدا کا قرب نصیب ہو گیا۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور جبکہ قرب مبداء فیاض نصیب ہوا تو اس کے اثرِ صحبت سے تمام کام دنیا و آخرت کے انجام پا گئے۔ اس لیے کسی نے فرمایا الصبر مفتاح الفرج کہ صبر فتوحات کی کنجی ہے۔ دیکھئے جنگ وقتال میں جب ہر طرح کی تکلیف پر آدمی صبر کرتا ہے تو اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور عزت و دولت و راحت اس کو آ کر سلام کرتی ہے۔ کاشتکار جب گرمی اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھا کر محنت کرتا ہے تو غلہ کاٹتا ہے۔ الغرض دنیا و آخرت کے تمام کاروبار کا صبر پر مدار ہے۔

اقسامِ صبر: واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ بدنی اور نفسانی۔ پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں فعلی جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا انفعالی۔ درد اور تکلیف کو برداشت کرنا گو اس تکلیف کے آثار بے خود مقتضی طبعی سے ظاہر ہو جائیں گے مگر یہ شخص اسی حالت میں خلافِ قانونِ عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبرِ نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔ اگر خواہشِ شکم و آلۂ تناسل کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے۔ اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔ اگر کسی کا راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اس کو رازداری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔ صبر کے فضائل قرآن و حدیث میں بکثرت ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے اس صبر ہی کی بدولت کی ہے اور اسلام نے امتِ مرحومہ کے لیے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔

فضائلِ نماز: اور نماز تو ایک عجیب تریاقِ مجرب ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعا اور اس کے آگے سر کے بل جھکنا ہے، اس میں خواہ مخواہ بندے کو اللہ سے تقرب حاصل ہوتا ہے اور یہ روح کو منور کرنے کا اعلیٰ طریقہ ہے اور اسی لیے اس کی نسبت وارد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى[1] عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ پس جب بندے کو مولیٰ سے تقرب و توصل ہوا تو اس کے سب کام انجام کو پہنچے اور چونکہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کی اصل ہے تو ہر چیز جب اس کو موانع پیش نہیں آتے تو اپنی اصل کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے یہی معنی ہیں کان النبی ﷺ اذا احزبہ امر فزع الی الصلوٰۃ (جامع الاصول) اور جبکہ خدا تعالیٰ نے صبر کی فضیلت میں یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صابرین کو معیت اور تقربِ غیب ہوتا ہے اور صبر کا اعلیٰ موقع قتل فی سبیل اللہ تھا۔ کس لیے کہ جان کے آگے مال یا کسی اور منفعت کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ نقل مشہور ہے گر جان ہے تو جہان ہے۔ پس جس قدر صبر اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے میں ہے اس قدر اور چیز کے صرف کرنے میں نہیں اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور قتل فی سبیل اللہ کا حکم ہونے والا تھا۔ اسی لیے اس صبر کا اور بھی ذکر کرنا مناسب ہوا اور سب اجروں میں بڑا اجر یہ ہے کہ اس کے عوض میں بندے کو حیاتِ ابدی عطا ہو۔ پس فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں' تم ان کو مردے نہ کہو کیونکہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

[1] نماز بے شک برائی اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے۔

بلکہ وہ زندہ ہیں کس لیے کہ ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

صرف یہ بات ہے کہ وہ تم کو نظر نہیں آتے ۔ واضح ہو کہ انسان روح یا نفسِ ناطقہ ہے اور یہ جسمِ خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے اس نفسِ ناطقہ یعنی (روحِ ہوائی کا کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے ۔ اعنی نفس ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور روحِ ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے ۔ جب کسی سبب سے اس جسمِ خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور اس ترکِ تعلق کا نام موتِ عرفی ہے) تو نفسِ ناطقہ کو جو ہر [illegible] ہے باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس و ادراک اور شعور و تمیز بھی باقی رہتے ہیں ۔ اس میں کافر و مومن شہید غیر شہید سب برابر ہیں ۔ پس اس معنی سے موت ہے تو جسم کو اور حیات ہے تو نفسِ ناطقہ کو لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسمِ خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام و شہداءِ عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے ۔ اسی طرح اس موتِ عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں ۔ اس معنی سے اور غیر شہید انبیاء و غیر انبیاء سب کو موت ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آپ بھی ایک روز مرنے والے اور وہ بھی مرنے والے ہیں ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور اس لیے ان کے بعد ان پر احکامِ موت جاری ہوتے ہیں ۔ مال میں حصے لگ جاتے ہیں ۔ اب حیاتِ شہداء و انبیاء کے یہ معنی ہیں اور آیت میں وہی مراد بھی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہو جانے کے بعد روح کو اس عالمِ قدس میں ہر قسم کا آرام اور عزت نصیب ہو اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے ۔ اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں مطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ روح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں ۔ اس لیے اس عالم میں کہ جس کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالمِ خواب کو عالمِ بیداری سے ہے ، ہر قسم کی لذات ، میوے اور عمدہ مکان انہار و حور و قصور میسر آتے اور ان سے لذت پاتے ہیں ۔ بالخصوص شہدا کو ان کو نسمہ سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس کے لیے عالمِ برزخی میں ان کے لیے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکرِ نورانی سے بارگاہِ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں طیران کر کے ترقی کرتے ہیں اور اقسام و انواع کے لذات سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث[1] میں بھی کہ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آ کر آشیانۂ عرش میں رہتے اور جہاں سے جی چاہتا کھاتے ہیں ۔ اسی طرف ایماء ہے ۔ اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتے ہیں ۔ کبھی لوگوں کو عیاناً بھی دکھائی دے جاتے ہیں مگر ان کے اس حیاتِ جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کر سکتے کہ جو اجسامِ کثیفہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اور اسی سے ایک انچ آگے بھی ان کا ادراک نہیں ۔ یہ کامرانی دراصل وہ حیات ابدی ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے ۔ اس کے برخلاف کفار و فجار کا اس عالم میں معذب ہونا موت ہے ۔ ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے ۔ دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے ۔ گو دونوں زندہ ہیں مگر اول الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے ۔ وہ تو موت سے بھی بدتر ہے ۔ زندگی تو دوسرے شخص کی ہے ۔ اس لیے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے اور اسی تعلق خاص کے سبب ان ان کے اعمالِ حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا ۔ جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے ۔ کل ابن ادم یختم علی عملہ اذامات الاالمجاھد فی سبیل اللہ فانہ یمنی لہ عملہ الی یوم القیٰمۃ (رواہ البخاری و مسلم) (ہر انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں ۱۲ منہ حقانی) لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام شریک ہیں اور اس کے درجات بھی متفاوت ہیں مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں

---

[1] اس حدیث کے یہ معنی سمجھ کر (کہ شہید طوطے یعنی حیوان بن کر درختوں پر اڑانیں مارتے پھریں گے انسانیت سے حیوانیت میں آ جاویں گے) اعتراض کرنا اور قہقہہ اڑانا ایک سخت کور مغزی ہے ۱۲ منہ

ایک خصوصیتِ خاصہ ہے اور اس لیے جناب نبی ﷺ نے شہادت کی آرزو کی ہے اور کیوں نہ ہو جو خدا کو اپنی حیاتِ مستعار سپرد کرتا ہے وہ اس کے بالعوض اس کو حیاتِ ابدی[1] عطا کرتا ہے۔ گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لیے خدا نے لاتشعرون فرمایا لاتعلمون نہ فرمایا۔

جب خدا تعالیٰ نتائجِ صبر اور اس کے فوائد بیان فرما چکا تو اس کے بعد مطلع کرتا ہے کہ ضرور تم کو دولتِ صبر سے بہرہ ور کریں گے جس لیے تم پر گونا گوں مصائب پیش آویں گے۔ مخالفوں کا خوف اور بھوک اور نقصانِ مالی و جانی اور نقصانِ ثمرات یعنی مرگِ اولاد اور باغ اور کھیت سے بے بہرہ رہنا اور اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہونا ان برائیوں میں سے تم کو آزمائیں گے۔ پھر جو اس تپاؤ کے بعد کھرا نکلا اس کو حیاتِ جاودانی اور دنیا میں بھی ہر طرح کی کامیابی، فتح و ظفر، نیکو نامی نصیب ہے۔ ان آیات میں ایمانداروں کو ثابت قدمی اور استقامت فی الدین اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دین پر قائم رہنے کی تعلیم ہے اور دراصل انسان کی ترقی دنیا و دین کی یہی برداشت و استقبال اور جان کا ہی عمدہ سیڑھی ہے جس نے اس پر چڑھنے سے انکار کیا وہ ہر طرح سے محروم رہا اور جو اس پر چڑھ گیا' وہ مراد کو پہنچا۔ اس آیت کے بعد صحابہ بلکہ خود حضرت رسالت پناہ علیہ السلام پر طرح طرح کے مصائب پیش آئے جن کا ذکر کرنے سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ مگر صد آفرین ہے ان صادقوں پر کہ انہوں نے اس تلخ جام کو کس استقلال سے پیا اور دم نہ مارا۔ یہ کوچۂ عشق ہے اس کی جانباز ہی سیر کرتے ہیں۔

سرمد غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند

ابتداءِ اسلام میں یہ صبر و استقلال اور اس کے ذریعہ سے بے حد کامیابی نبوت کا صریح معجزہ ہے۔ آخر وہ کیا لذتِ روحانی تھی کہ جس کے لیے لوگوں نے یہ مصائب اٹھائے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

البتہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو خدا قدردان ہے جاننے والا۔

ترکیب: صَفَا اور مَرْوَةَ دونوں اسم ان مِنْ شَعَائِرِ اللهِ اس کی خبر فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ الخ شرط فَلَا جُنَاحَ الخ جواب شرط اسی طرح مَنْ تَطَوَّعَ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب

تفسیر: اول آیت میں صابرین کی مدح اور صبر کے فضائل تھے (جس طرح کہ اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا ذکر تھا)۔ کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ نعمت و مصیبت اول میں شکر اور دوسرے میں صبر کرنا مقتضیٔ ایمان ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ صابرین کے صبر کا نتیجہ ذکر کرتا ہے کہ صفا اور مروہ جو خانہ کعبہ کی متصل دو چھوٹی سی پہاڑیاں ہیں۔ وہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمٰعیل کے صبر کی وجہ سے خدا کی نشانیاں اور مقدس و متبرک جگہ ہو گئیں۔ جب ہاجرہ اپنے معصوم بچے اسمٰعیل کو لے کر اس خشک میدان میں آرہیں اور مشک کا پانی ختم ہو چکا اور دھوپ کی گرمی اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے میں بیقرار ہو کر خدا کی طرف ملتجی ہوئیں اور اس حالت میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اس پہاڑی پر ظہورِ رحمتِ الٰہی کی امید میں آئیں گئیں تو خدا نے انہیں پہاڑوں پر سے تجلیِ رحمت فرمائی اور ہاجرہ کی دعا قبول کی اور خدا کے فرشتہ نے آواز

[1] مفسر نیچر نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر معتزلہ کی تقلید کر کے حیات کے معنی حیات فی الدین لیے ہیں اور کبھی آیندہ زندہ ہو جانا مراد رکھا ہے سو یہ محض ان کی کم فہمی ہے۔

دی کہ دیکھ خدا نے تیرے اور تیرے بچے کے لیے چشمہ جاری کر دیا۔ سو جب سے یہ جگہ محلِ اجابت دعا قرار پا گئی۔ پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لیے جاوے تو اس عارضی وجہ سے کہ ایامِ جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت (جو دو مرد و عورت تھے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس عین طواف میں ارادہ زنا کا کیا تھا جس سے ان کی صورت مسخ ہو گئی تھی) مشرکین نے رکھ لیے تھے اور ان کے اردگرد طواف کرتے تھے۔ ان مقاماتِ مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے۔ اگر ان پہاڑیوں کے میدان میں اسی طرح سے کہ جس طرح ہاجرہ اجابتِ دعا کے لیے طواف کرتی پھریں تھیں، کوئی طواف کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بلکہ اس کے لیے درِ اجابت مفتوح ہوتا ہے۔ یہ نیک بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا بھی اس کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ اس کی قدر دانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدر دان اور واقف بھی۔ دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گذاری ان تک نہیں پہنچتی۔

صفا اور مروہ خانہ کعبہ سے شرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ہے اور مروہ شمالی جانب میں ان کے بیچ میں تخمیناً سات سو گز کی مسافت ہے۔ صفا تو کوہ ابوقبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح ہے۔ اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے بلکہ کسی قدر ان پہاڑوں پر بھی اور صفا و مروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنا دیے ہیں اور ان کے درمیان جو فاصلہ ہے، پہلے وہاں نشیب اور ناہموار زمین تھی۔ اب تو حرم کی دیوار سے ملا ہوا ایک بازار وسط شہر میں ہے۔ وہیں حاجی سعی کرتے ہیں اور طواف بھی۔

شعائر: شعیرہ یا شعارہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور شعائر اللہ عرف شریعت میں عبادت کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکاناتِ عبادت جیسا کہ کعبہ اور عرفہ اور مزدلفہ و جمرات ثلث و صفا و مروہ و منیٰ و جمیع مساجد اور اوقات جیسا کہ رمضان اور اشہر حج و عیدین و جمعہ اور علامات جیسا کہ اذان و اقامت و نماز بجماعت اور اسی طرح دینی بزرگوں کے وہ مقامات کہ جہاں ان پر افضال الٰہی نے ظہور کیا تھا، حج کے شعائر کہلاتے ہیں۔

حج کے لغوی معنی قصد وغیرہ کے ہیں مگر شرع میں ارکانِ مخصوص کا نام ہے اور حج و عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذوالحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آ کر طوافِ کعبہ کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ نہیں۔ باقی احرام باندھنے اور طواف اور سعی صفا اور مروہ میں دونوں شریک ہیں اور عمرہ کے لیے کوئی مہینہ اور دن خاص نہیں۔

ہر چند لفظ لا جناح سے صفا و مروہ کی سعی واجب یا فرض نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ بات کہ جو سعی کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں لیکن دلائلِ شریعہ سے اس کا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پھر امام شافعی فرض کہتے ہیں کہ بغیر اس کے حج و عمرہ نہیں ہوتا نہ کوئی قربانی اس کے قائم مقام ہوتی ہے اور امام ابو حنیفہ واجب کہتے ہیں کہ اس کے نہ کرنے سے حج و عمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ قربانی سے بدل مافات ہو سکتا ہے۔

یہ ایک باریک سا فرق ہے اور دلائل ہر فریق کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر جو لوگ اس کو ضروری نہیں کہتے جیسا کہ مجاہد اور عطا تو ان کے قول صحیح نہیں۔ کس لیے کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ اس کے وجوب کو ثابت کر رہی ہیں۔ بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو امام بخاری و مسلم و مالک نے روایت کیا ہے کہ عروۃ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں۔ ام المومنین نے فرمایا تو سمجھا نہیں، اگر یوں ہوتا تو ان لا یطوف بھما فرماتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ ھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَ لَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جس کو ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو ان لوگوں کے لیے کتاب میں بھی بیان کر دیا (سو) انہیں پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی مگر وہ کہ جنہوں نے توبہ کی اور نیکی اختیار کی اور صاف ظاہر کر دیا تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں اور ہم تو بڑے ہی معاف کرنے والے مہربان ہیں۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو انہیں پر خدا کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں کی بھی۔ وہ سدا اسی میں رہیں گے نہ تو ان کے عذاب ہی میں کمی کی جاوے گی اور نہ ان کو چھٹکارا ہی ہوگا۔

ترکیب: اَلَّذِیْنَ موصول یَکْتُمُوْنَ فعل بافاعل مَآ اَنْزَلْنَا اس کا مفعول مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْھُدٰی بیان ما مِنْ بَعْدِ مَا متعلق ہے یَکْتُمُوْنَ سے فِی الْکِتٰبِ متعلق ہے بیناہ سے یہ سب مجموعہ صلہ ہوا۔ پھر موصول وصلہ اسم ان اور اُولٰٓئِکَ مبتدا یَلْعَنُھُمُ الخ جملہ اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے۔ ان کی اِلَّا الَّذِیْنَ الخ استثناء متصل موضع نصب میں ہے اور مستثنیٰ منہ ضمیر ہے یَلْعَنُھُمْ میں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ اسم ان اُولٰٓئِکَ مبتداء عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ الخ خبر جملہ خبر ان خَالِدِیْنَ حال ہے ضمیر عَلَیْھِمْ سے اور لَا یُخَفَّفُ حال ہے ضمیر خَالِدِیْنَ سے۔

تفسیر: اول تحویلِ قبلہ کے بارے میں گفتگو تھی اور اس کے ضمن میں کعبہ کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کے شکوک و شبہات کا جواب تھا کیونکہ وہ کعبہ اور حج وغیرہ امور کی نسبت یہ کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں۔ پیغمبر برحق ہوتے تو ان باتوں کو نہ کرتے۔ پھر اس کلام کو عمدہ نصیحت اور یادِ الٰہی اور شکر اور صبر کی تاکید اور اس کے عمدہ نتائج پر ختم کر کے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ہمارے پیغمبر کی شریعت اور جس قدر اس کے اصول ہیں وہ سب کتبِ انبیاء تورات وغیرہ میں مذکور ہیں اور نیز اس نبی کی بشارتیں اور فاران سے خدا کا جلوہ گر ہونا اور بنی قیدار میں خدا کا فضل و رحمت کا وعدہ سب کچھ ان کتب میں خدا تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے مگر تعصب و عناد سے اہلِ کتاب ان باتوں کو چھپاتے اور عرب کے جاہلوں اور اپنے عامیوں کو شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان چیزوں کو کہ جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے، چھپاتے ہیں اور ان کھلی باتوں اور ہدایت پر پردہ ڈالتے ہیں اور عالم کی روشنی کو بجھاتے ہیں تو ان پر خدا کی طرف سے اور تمام عالم کی طرف سے لعنت برستی ہے جس کا نتیجہ دنیا کی رسوائی اور بے برکتی اور عالمِ آخرت کا عذاب ہے مگر جو لوگ اس فعلِ بد سے توبہ کر کے نیک بختی اور خدا کی امانت کا اظہار اختیار کرتے ہیں تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں جو اسی کفر میں دمِ اخیر تک رہتے ہیں اور اسی حالت میں اس عالم سے جاتے ہیں تو ان پر ہمیشہ خدا کی طرف سے اور ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے بلکہ عالمِ سفلی کی طرف سے لعنت برستی ہے کہ جس سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کبھی ان سے کم نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کو اس سے مہلت دلا سکے گا۔

وَ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَ الْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ

فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں کہ جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے مری[1] ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادلوں میں کہ جو آسمان اور زمین میں ادھر رکھے گئے ہیں' البتہ عقلمندوں کے لیے بہت سے نشان (قدرت) ہیں۔

ترکیب: الھکم مبتداءالہ واحد موصوف وصفت خبر الا ھو مستثنیٰ موضع رفع میں ہے کس لیے کہ یہ بدل ہے موضع لا الہ سے کیونکہ محل لا کا اور جس میں کہ یہ عمل کرتا ہے رفع ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اگر مستثنیٰ موضع نصب میں ہوتا تو الا ایاہ ہوتا الرحمن بدل ہے ھو سے یا خبر مبتداء ہے اور یہ جائز نہیں کہ ھو کی صفت ہو لان الضمیر لا یوصف اور نہ یہ کہ ھو کی خبر ہو لان المستثنیٰ ھنا لیس بجملۃ فی خلق السموات الخ سب جملہ یکے بعد دیگرے خبر ہیں۔ ان کے اور لآیات الخ اسم ہے ان کا۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور اس کے احکام کے چھپانے والوں اور کفر پر مرنے والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ ان پر خدا اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے تو اس جگہ یہ خطرہ شیطانی پیدا ہوتا تھا کہ یہ دعویٰ سرے سے غلط ہے۔ کس لیے کہ اور بھی شخص ایسے ہیں کہ جن کو خدائی اختیارات ہیں یا وہ خدائی کے حصہ دار ہیں۔ اگر ایک نے نکالا تو دوسرے کی طرف ملتجی ہو جاویں گے۔ چنانچہ عموماً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا حصہ دار جانتے ہیں اور ان کو بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین قدیم وحال تو عناصر و آسمان وارواح وغیرہ سینکڑوں چیزوں کو خدائی میں شریک جانتے تھے اور جانتے ہیں اور مدینہ کے بعض بیوقوف یہود بھی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اس وسوسۂ شیطانی کو باطل کر دیا۔ اے بنی آدم تم سب کا ایک ہی معبود ہے پس

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ رفت ہیچ عزت نیافت

اور یہ اس لیے کہ اس کے سوائے عرصۂ وجود میں اور کوئی معبود ہی نہیں۔ پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں خدا تعالیٰ نے آٹھ وہ دلیلیں بیان فرمائیں کہ جن سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر صفاتِ کمالیہ اور نیز اس کا وجود معلوم ہو جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ دلیلیں اس کی انعام اور بخشش کے لیے آئینہ بھی ہیں اور یہ آٹھوں چیزیں امورِ مذکور پر ایک وجہ سے نہیں بلکہ مختلف وجوہ سے دلالت کرتے ہیں۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں۔

(۱) آسمان وزمین کی پیدائش۔ سو یہ چند طور پر دلالت کرتی ہے از آنجملہ یہ کہ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں اور باوجودیکہ طبیعت جرم علوی سب میں مشترک ہے مگر ہر ایک مختلف ہے۔ کوئی آسمان بڑا کوئی چھوٹا ہے۔ اسی طرح کوئی ستارہ بڑا کوئی

[1] یعنی خشک زمین کو جو مردہ کے مشابہ ہے زندہ یعنی ہرا کرتا ہے۔ خشک ہونے کو بیکار ہونے کے سبب مردگی سے اور تازہ ہونے اور نباتات اگانے کو کارآمد ہونے کے سبب اس کی زندگی سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا اور یہ کلام عرب میں بڑی فصاحت ہے۔ ۱۲ منہ

چھوٹا ہے اور کسی کا رنگ مائل بسرخی ہے کسی کا مائل بسفیدی اور کسی کی حرکت کسی طرف ہے اور کسی کی کسی طرف۔ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کسی قادر مختار کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں ازخود ہوتیں تو پھر باوجود اتحاد مقتضی کے یہ اختلافات کیسے؟ ازآنجملہ یہ کہ افلاک اور ستارے اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا پھر ہوا اور ہر حادث کے لیے ایک محدث قدیم و قدیر ضرور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور زمین کے مختلف حالات سے تو زیادہ تر یہ بات ثابت ہے کہ یہ کسی قادر مختار کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(۲) دنوں اور راتوں کا اختلاف کہ رات جاتی اور دن آتا ہے اور کبھی راتیں چھوٹی اور کبھی بڑی ہوتی ہیں اور اسی طرح دنوں کا حال ہے اور ایک ہی وقت میں کہیں رات ہے کہیں دن ہے آج جو ہماری رات دس یا بارہ گھنٹہ کی ہے وہی بلاد شمالیہ میں دو مہینے کی بلکہ قطب کے نیچے رہنے والوں کے لیے چھ مہینے کے برابر۔ پس یہ عجائب ازخود نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہے کہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور آفتاب کی ڈوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

(۳) کشتی اور جہاز اور آگبوٹ کی روانگی ہے۔ تمام زمین پر کرہ ماء محیط ہے یعنی ہر طرف پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں اور جو پانی کی بارش اور زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں تو ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں۔ پس اس سمندر میں سے بقدر چوتھائی زمین اٹھی ہوئی ہے کہ جس پر یہ تمام ممالک یورپ افریقہ ایشیا وغیرہ آباد ہیں اور کہیں کہیں اور بھی بڑے بڑے جزیرے یعنی ٹاپو ہیں کہ جن میں ملک بستے ہیں۔ جیسا کہ امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ اور کہیں کہیں سینکڑوں کوسوں تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ پس ان دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے اور تجارت کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب لے جاتے ہیں تو بذریعہ ہوائی اور دخانی کشتیوں کے لے جاتے ہیں۔ اب اس بے انتہا دریا میں اس طرح سے کشتی کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو عمدہ عمدہ علوم اور آلات تعلیم کرنا خاص اسی خداوند تعالیٰ و تقدس کا کام ہے اور پھر اس کو پہاڑ سی موجوں سے بچانا اور ہوا کا موافق رکھنا سب اس کے ید قدرت میں ہے۔

(۴) آسمانوں میں مینہ کا اتارنا یعنی بادلوں سے بارش کا نازل کرنا یہ بھی اس کے وجود قدرت کاملہ کی دلیل ہے۔ ہزاروں من پانی بادلوں میں بھرا ہوا ہوا کی گاڑی پر لدا ہوا ہے۔ اس کو فرشتے ادھر ادھر لیے پھرتے ہیں جہاں جس قدر ضرورت ہوتی ہے اسی قدر اس کے حکم سے نہایت سہولت سے برساتے ہیں۔

(۵) اس پانی سے زمین مردہ کو زندہ کرنا یعنی اس سے ہزار ہا جڑی بوٹیاں' اناج گھاس عمدہ عمدہ پھل پھول کے درخت اگانا یہ سب اسی کا کام ہے باوجودیکہ ایک زمین ہے اور وہی پانی اوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سرخ پھول ہیں تو کہیں سفید۔ پھر نباتات میں جو کچھ ید قدرت نے گلکاریاں کی ہیں اس کی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران و سرگرداں ہیں۔ باوجودیکہ ایک مادہ' ایک پانی' ایک ہوا' ایک آفتاب و ماہتاب کی شعاع اس پر نباتات میں یہ کچھ اختلافات۔ پس اگر یہ سب نیرنگیاں اس قادر مطلق کے ید قدرت کی نہیں ہیں کہ جو پردہ جس کے پیچھے جلوہ گر ہے تو اور کیا ہے؟ سچ تو یوں ہے کہ ہر ہر شجر بلکہ ہر برگ و بر اسی کی خداوندی کا اقرار کر رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا' حیوان کی ہزار ہا انواع و اقسام ہیں۔ ان کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے باہر ہے۔ ان کے دو قسم عام ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو توالد اور تناسل کے طریق پر پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ آدمی گھوڑا وغیرہ دوسری قسم وہ ہیں کہ جو بطریق تولید

پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ برساتی پانی سے سینکڑوں مینڈک اور ہزارہا جھینگر اور دیگر حشرات الارض مٹی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب ان میں جو اعلیٰ اور اشرف حضرت انسان ہیں انہیں کو ملاحظہ فرمائیے۔ نطفہ جو اس کی اصل ہے اسی کو غور کیجئے کہ وہ ایک تشابہ الاجزاء چیز ہے پھر وہ کون ہے جو اس نطفہ کی تقسیم کرتا ہے۔ کسی قدر کا قلب اور کسی قدر کی ہڈی وغیرہ اعضاء بناتا ہے۔ اگر کہے کہ یہ خود اس انسان کا فعل ہے تو یہ ہنوز بنا ہی نہیں، فعل کیا کرے گا اور جب یہ کامل بن کر باہر آتے اور پھر علوم وفنون میں استاد ہو جاتے ہیں تب تو ان سے ایک بال بھی نہیں بن سکتا۔ نہ ہڈی نہ چمڑا بنا سکتے ہیں تو اس حالت میں کیا کر سکتے تھے۔ اگر کہو کہ یہ طبیعتِ نطفہ کا فعل ہے تو وہ ہر جزو میں مساوی ہے۔ اس کا فعل بھی ہر جزو میں مساوی ہونا چاہیے تھا۔ غایۃ الامر اس کی شکل گول مول ہوتی ہے جیسا کہ بسائط کی شکل کروی ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کاریگری اسی قادرِ مطلق کی ہے کہ جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے۔ اب اس کی پرورش اور قوائے ظاہریہ و باطنیہ کو جو لحاظ کیجئے گا تو اس کو اسرارِ الٰہی کا مجموعہ اور اس کے جمالِ باکمال کا آئینہ کہئے گا۔

(۷) ہواؤں کا بدلنا کہ جس پر اہلِ دنیا کی زندگانی کا مدار ہے۔

(۸) ہزار ہا من پانی کے بادلوں کو زمین و آسمان میں معلق کر کے رکھنا باوجودیکہ پانی کا مقتضائے طبعی نیچے آنا ہے مگر اس کے حکم سے معلق ہے۔ پھر ان دلائل میں ایک عجیب ترتیب طبعی ہے۔ اول آسمانوں اور زمین کو ذکر کیا۔ اس کے بعد رات دن کے اختلافات کو کہ جو علویات سے متعلق ہو، اس کے بعد عناصر دریا اور ہوا اور بادلوں میں جو کچھ اس کی صنعت ہے اس کا اظہار کیا۔ اس کے بعد موالیدِ ثلثہ نباتات حیوانات جمادات کی طرف اشارہ کیا۔ سبحان اللہ عجب کلام ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ
اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ
اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا
مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ع

اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنہوں نے خدا کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ خدا سے رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو خدا ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جائے (جیسا کہ جب معلوم ہوگا) جب کہ عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت تر ہے جبکہ پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور عذاب دیکھیں گے اور آپس کے علاقے ٹوٹ جائیں گے اور پیرو کہیں گے، اے کاش پھر ایک بار ہم کو دنیا میں جانا ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح دست برداری کریں جیسی کہ انہوں نے ہم سے کی ہے۔ خدا یوں ان کے اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا حالانکہ (اس پر بھی) ان کو جہنم سے خلاصی نہیں ہونے کی۔

ترکیب: مَنْ يَّتَّخِذُ من نکرہ موصوفہ اور جائز ہے کہ بمعنی الذی ہو، يُحِبُّوْنَهُمْ موضع نصب میں ہے صفت ہے اَنْدَادًا کی اور جائز ہے کہ

موضع رفع میں ہوصفت من کی کحب اللہ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی ای حبا کحب اللہ اشد کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیرہ اشد حُبًّا لِلّٰہِ من حب ہولاء الانداد لو حرف شرطیہ ای فعل احداس کا فاعل محذوف اور ممکن ہے الذین الخ فاعل قرار دیا جاوے اور یری بمعنی علم ہو ای لو عرف الذین ظلموا اور ممکن ہے کہ الذین الخ فاعل ہو اور یری بمعنی لوشاہد الذین ظلموا ان القوۃ الخ مفعول ہے یری کا بصر ای اویرون العذاب اس کا ظرف ہے اور اذ تبرا الذین میں جواذ ہے وہ بدل ہے اس اذ سے وراءو العذاب و تقطعت وقال الذین یکے بعد دیگر معطوف ہیں۔ تبرء پر پس مجموعہ شرط اور جواب اس کالما اتخذوا من دونہ انداد امحذوف کذلک کذلک موضع رفع میں ہے ای الامر کذلک اور جائز ہے کہ موضع نصب میں ہو صفت محذوف کی ای یریہم رویۃ کذلک یریھم رویۃ العین سے ہے۔ ہم مفعول اول اعمالھم مفعول ثانی حسرات حال ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی یعلمھم ہو اور حسرات مفعول ثالث ہو۔

تفسیر: یعنی باوجودیکہ ہم (خدا) اپنے وجود اور وحدہ لاشریک ہونے پر اور اپنے صفاتِ کمالیہ پر آٹھ وہ دلائل بیان کر چکے ہیں کہ جن سے تمام نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ مینہ برسانا' اس سے اناج اگانا وغیرہ وغیرہ مگر بعض ایسے بھی بیوقوف ہیں کہ خدا کے سوا اس کی مخلوق میں سے عناصر اور فلکیات اور ارواح و ملائکہ وغیرہم کو بھی اس کی خدائی میں شریک اور نفع اور ضرر کا مبداء تصور کر کے ان سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں کہ جیسی خدا سے کرنی چاہیے تھی۔ سو یہ انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جنہوں نے خدا کو خدا ہی نہیں جانا اور سچے دل سے اس پر ایمان نہیں لائے اور ان پر نورِ ایمان کا آفتاب نہیں چمکا ورنہ جو اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں اپنی جان اور مال بلکہ اگر تمام عالم میسر آئے تو اس کو بھی اس پر قربان کرنے میں تامل نہ کریں۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پس وہ خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ بیوقوف جو غیر اللہ سے جس امید پر محبت کرتے ہیں' ان کو اصل حال معلوم نہیں کیونکہ اس امید کا انتظار شدت کے وقت ہوتا ہے اور شدت اور تکلیف کا وقت قیامت سے زیادہ کوئی نہیں۔ پس اگر ان کو وہاں کا حال معلوم ہو اور پھر ان کے خیالی معبودوں کا ان سے بیزار ہونا اور تبرا کرنا اور پھر ان کا یہ حسرت کرنا کہ اگر ہم پھر دنیا میں جاویں تو کبھی ان سے ایسی محبت نہ کریں بلکہ کنارہ کریں اور پھر وہاں ہر طرح کی امید اور باہمی علاقہ کا منقطع ہو جانا معلوم ہو تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں۔ محبتِ علماء ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اس کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت' اطاعت یا ثواب و رضا کو محبوب جانے مگر محققین کے نزدیک یہ ایک کیفیتِ اضطراری ہے یعنی روح کا میلان از خود خواہ کوئی غرض ہو یا نہ ہو اور یہ کیفیت ارادے کے علاوہ ہے اور سرّ اس میں یہ ہے کہ روح کو جمال و کمال کے ساتھ میلِ طبعی ہے جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے اور یہ میل عالم کے ہر جز میں رکھا ہوا ہے۔ اس لیے کواکب و افلاک سرگرداں ہیں۔ پس جس قدر جمال و کمال ہوتا ہے اتنا ہی دل اسی کی طرف از خود کھنچتا ہے۔ جسمانی چیزوں میں جب کوئی حسین صورت نظر پڑتی ہے' از خود اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے (اور آواز میں جب ایک اعتدالِ طبعی پیدا ہو کر حسن آتا ہے تو دل اسی کی طرف کھنچتا ہے) جب حسن اور جمالِ ظاہری کی یہ کیفیت ہے تو جمال و کمالِ حقیقی کہ جس کے جمال و کمال کا ایک ادنیٰ ظل یہ تمام جمال و کمال ہیں اعنی حق سبحانہ وتعالیٰ کا جمال تو اس کی طرف روح کو جس قدر میلِ طبعی ہو کم ہے اور جب اجسام کا یہ حال ہے کہ ہر شے اپنے اصل اور حیزِ طبعی کی طرف بغیر ارادہ بیقرار ہو کر آتی ہے تو اس اصل کل کی طرف روح کیونکر بیقرار نہ ہووے۔ ہاں جب کفر والحاد و معصیت کے حجاب درمیان آ جاتے ہیں تو جمالِ حقیقی دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے ان لوگوں کو اس کی محبت کم ہوتی ہے اور چونکہ مومنوں کے دل سے یہ حجاب مرتفع ہیں۔ اس لیے وہ

اس پر فدا ہیں اور پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔اولیاء انبیاء سب کے پیشرو ہیں۔جب محبت میں محویت ہو جاتی ہے تو پھر فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اور عشق بھی محبت کے ایک مرتبہ کا نام ہے۔

جناب سرورِ کائنات ﷺ نے جس طرح دینی و دنیاوی خوبیوں کی تعلیم فرمائی اسی طرح بنی آدم میں سب سے پیشتر عشق الٰہی کا مدرسہ بھی جاری کیا۔اس لیے اولیاء اللہ جس قدر اس امت میں گزرے کسی امت میں نہیں۔پس بعض شوخ چشم عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں محبتِ الٰہی نہیں' نہ حضرت کی تعلیم سے ثابت ہے۔بڑی ہٹ دھرمی ہے بلکہ محبتِ الٰہی کا جس قدر وجود اسلام میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے دیرپا اثر کے ساتھ پایا جاتا ہے اس کا کسی قوم بلکہ کسی مذہب میں نظیر بھی نہیں پایا جاتا جس کا نمونہ بدر کی لڑائی ہے۔اس بات کو دیکھ کر ایک عیسائی مؤرخ کہتا ہے کہ عیسیٰ کے ماننے والے اس بات کو بھی ملحوظِ خاطر رکھیں تو بہت بہتر ہو کہ عیسیٰ کے حواری جو بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے جس وقت کہ ان کے ہادی کو یہودی پکڑ کر پھانسی دینے لائے تو وہ سب تتر بتر ہو گئے۔ان کا دینی نشہ اتر گیا بلکہ شمعون پطرس نے تو شناسائی کا بھی بلفظ لعنت انکار کر دیا۔برخلاف محمد (ﷺ) کے پیروؤں کے کہ انہوں نے اپنی جان کو اپنے مظلوم پیغمبر کے لیے تہلکہ میں ڈال دیا جو نشہ کہ محمد (ﷺ) نے ان پر چڑھایا تھا۔اس کو زمانہ کی کوئی ترشی بھی آخر عمر تک نہ اتار سکی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

لوگو زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔وہ تو تم کو بری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتایا کرتا ہے اور یہ بھی کہ تم خدا پر نادانستہ باتیں بناؤ اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا نے نازل کیا ہے' اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی پیروی نہ کریں گے بلکہ ہم تو اسی پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔بھلا اگر ان کے باپ دادا محض بے عقل اور گمراہ ہوں تو بھی (ان کی راہ پر چلیں گے) اور کافروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی ان جانوروں کو پکارے[1] کہ جو بجز پکار اور آواز کے اور کچھ نہیں سنتے' وہ بہرے' اندھے' گونگے ہیں' اس لیے سمجھتے نہیں۔

ترکیب: حَلَالًا مفعول ہے کُلُوْا کا اور من متعلق ہے کُلُوْا سے اور یہ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ممکن ہے کہ من محذوف سے متعلق ہو اور حَلَالًا سے حال ہو اور طَیِّبًا صفت ہے حَلَالًا کی خُطُوَاتِ خطوہ کی جمع ہے اور خطوہ کہ خ کو بالفتح پڑھیں تو اس کے معنی مصدر کے ہیں اور جو ضمہ

---

[1] نعق۔نعیق چرواہے کا بکریوں کا پکارنا اسی طرح نعقان بالتحریک ونفاق بالضم۔حقانی

سے تو فاصلہ بین القدمین کے وان تقع لو موضع جر میں ہے کس لیے کہ اس کا عطف بالسوء پر ہے۔ بل اس جگہ اضراب کے لیے ہے۔ او عطف کے لیے اور ہمزہ استفہام کے لیے ن تبیح اور جواب لو محذوف ہے۔ تقدیرہ یتبعونہم مثل الذین الخ مبتداء کمثل الذی ینعق خبر و فی الکلام حذف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا ای مثل داعیھم کمثل الناعق بالغنم الادعا منصوب ہے یسمع سے۔

تفسیر: عرب کی قوموں نے بہت سے خیالی معبود اور تقرب الٰہی اور قضاء حاجت کے لیے بتوں اور دیگر چیزوں کو وسائل بنا رکھا تھا جن سے وہ محبت زائد رکھتے تھے (انداد سے یہی چیزیں مراد ہیں) اور پھر جس طرح ہنود کی قومیں کہیں کسی چیز کا کھانا پینا کہیں کسی چیز کا استعمال کرنا اپنے معبودوں کے لیے ترک کر دیتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی کیا تھا۔ پس خدا تعالیٰ اپنی وحدانیت اور خاص اپنی ذات سے محبت ذاتیہ رکھنے کے دلائل بیان فرما کے اور ان کی ان خیالی امیدوں کو جو ان کو اپنے معبودوں سے تھیں باطل کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح تمہاری ان سے محبت باطل ہے اسی طرح اس محبت کے وسائل کہ ناحق خدا کی پاک چیزوں کو حرام کر رکھا ہے بے سود ہیں۔ تم خدا کی پاک اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطانی دھوکے میں نہ آؤ وہ تو بے سود اور بری باتیں دل میں ڈالا کرتا ہے۔ کس لیے کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اس کے بعد ان کی بلادت اور نورِ فطرت کے زائل ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان سے کوئی تمام حجتیں ختم کر کے احکامِ الٰہی کے اتباع کو کہتا ہے تو اس کو جہالت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریق پر چلیں گے۔ فرماتا ہے کہ کیا باپ دادا احمق اور گمراہ ہوں جب بھی ان کے طریق پر چلیں گے۔ پھر ان کی اس تاریکی باطن کی مثال دیتا ہے کہ ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ویسی ہے کہ جیسا کوئی بھیڑ بکریوں کو پکارتا ہے کہ وہ اس کی آواز تو سنتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں۔ اسی طرح یہ لوگ چار پایوں کے مانند ہیں کہ کلام کو سنتے ہیں مگر کلام الٰہی ان کے دلوں میں نہیں اترتا یہ اس لیے کہ جو مبداءِ فیض سے قوائے باطنیہ عطا ہوئے تھے ان کو انہوں نے معطل کر دیا۔ اب گویا بہرے اور گونگے ہیں اس لیے ہدایت پر نہیں آتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں کھاؤ (پیو) اور اللہ کا شکر ادا کیا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ خدا نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو جو اللہ کے سوائے اور کسی نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے۔ پس جو کوئی ناچار ہی ہو جاوے عدول حکمی کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا بھی نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھانے میں بھی) کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: یا حرف ندا۔ ایھا الخ منادی کلوا کا مفعول محذوف ہے ای کلوا رزقکم اور من اخفش کے نزدیک زائدہ ہے اِنَّمَا کلمہ حصر حَرَّمَ فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے اس کا فاعل اَلْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ معطوف یکے بعد دیگرے اس کا مفعول فمن شرطیہ غَيْرَ بَاغٍ حال وَّلَا عَادٍ اس پر معطوف فَلَآ اِثْمَ جواب شرط۔

تفسیر: اول آیت میں خدا تعالیٰ نے عام لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ہماری پاک اور حلال چیزیں کھاؤ، یہاں خاص مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم

ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمت کا شکر کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے مگر جن چیزوں کو وہ لوگ پاک سمجھتے ہیں' ان میں سے صرف یہ چار چیزیں حرام و ناپاک ہیں' ان کو نہ کھانا۔ اول مردار' دوم خون' سوم سور کا گوشت' چہارم وہ جو غیر اللہ یعنی بتوں کے نام زد ہو جاوے یا ان کے نام سے ذبح کیا جاوے اور جب کوئی اس طرح بھوک کے مارے ناچار ہو جائے تو اس وقت ان چیزوں کے کھانے میں بھی گناہ نہیں بشرطیکہ سدِ رمق ہو حد سے متجاوز نہ ہو اور خدا کی عدولِ حکمی اور سرکشی بھی مقصود نہ ہو۔ خدا غفور و رحیم ہے۔ اگر تم سے کھانے میں بشریت سے کچھ زیادتی ہوگئی تو معاف کر دے گا۔ اب ہم آیت کا مطلب بیان کر کے چند ابحاث بیان کرتے ہیں کہ جو الفاظ قرآن سے متعلق ہیں اور جن پر بہت سے مسائل فقہیہ متفرع ہیں۔

بحث اول: کلوا یعنی کھاؤ۔ یہ امر اباحت کے لیے ہے یعنی طیبات کا کھانا جو فرمایا تو اس سے مقصود اجازت اور پروانگی ہے۔ فرض نہیں ہے لیکن کھانا اس وقت میں کہ خوفِ ہلاکت ہو' حفظِ جان کے لیے واجب ہو جاتا ہے اور کبھی نعماءِ الٰہی کا کھانا مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے مستحب ہوتا ہے اور اسی طرح افطاری اور ولیمہ اور مریض وغیرہ کے لیے اگر کوئی تکلف کا کھانا پکاوے تو مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت زید بن علی بن حسین علیہم السلام سے منقول ہے۔ البتہ نفس تازہ کرنے کے لیے ایسے امور کا عادی ہونا مذموم ہے۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ان لذائذ سے حتی المقدور دور رہتے تھے۔

بحث دوم: طیبات طیبہ کی جمع ہے اور طیب کے معنی پاک اور مزیدار کے ہیں کہ جس میں کچھ مضرت نہ ہو اور حلال وہ کہ جس کو شرع نے ممنوع نہ کیا ہو۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شریعت نے ان ہی چیزوں کو حرام و ممنوع کیا ہے کہ جن میں انسان کے لیے مضرت ہے' خواہ یہ مضرت اس کے بدمزہ اور ردی الکیفیت ہونے کی وجہ سے ہو کہ جس کو طبیعت قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ مردار وغیرہ اشیاء یا اس وجہ سے کہ اس کے اخلاق اور عادات میں نقصان اور برائی پیدا کرتے ہیں۔ جیسا کہ سور اور دیگر درندوں اور شکاری جانوروں کا گوشت کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بے حیائی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ غذا جزوِ بدن ہوتی ہے اور اپنا اثر کھانے والے میں پورا پورا پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ سے سود اور چوری اور غصب اور دیگر ناجائز پیشوں کی کمائی حرام کی گئی کہ ان سے اخلاقِ انسانی میں فتور پڑتا ہے۔ دیکھئے سود خوار کس درجہ کے بے رحم ہوتے ہیں کہ مفلس بھائی سے ایک کے سو لے کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتے یا اس وجہ سے کہ اس کے حواسِ سلیمہ اور عقل میں فتور برپا کرتے ہیں جیسا کہ شراب وغیرہ مسکرات اور جب طیب کے یہ معنی ہوئے تو اس لیے نبی ﷺ نے اس کی ہر ایک صورت کی مختلف عبارتوں سے تفسیر فرمائی ہے۔ کبھی طیب اس کے کسبِ حلال کو قرار دیا اور کہیں اشیاءِ غیر مضرہ کو فرمایا۔

یہ باتیں ظاہر ہے کہ طیب کے معنی میں ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر شخص کا جداگانہ خیال ہے۔ جن چیزوں کو بہت سے اہلِ عقلِ سلیم ناپاک اور مضر اور نفرت کے قابل جانتے ہیں۔ سینکڑوں ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بعض کو یہ افراط ہے کہ کوئی بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ مردار کے کیڑے بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں چہ جائیکہ برانڈی شراب اور موٹے تازے سور اور اسی طرح سود اور زناکاری کی کمائی کو بھی رفاہِ قوم اور ترقیِ ملک و دولت اور لوگوں کی حاجت براری کا باعث جان کر نہایت اچھی کمائی جانتے ہیں اور بعض کو اس تفریط نے گھیرا کہ صدہا پاک اور عمدہ چیزیں بھی حرام کر رکھی ہیں۔ جیسا کہ گوشت بالخصوص گائے کا گوشت اور ان کے پیشواؤں نے تو عمدہ کھانے اور سرد پانی اور اچھا کپڑا اور بیوی کے پاس جانا بھی حرام کر دیا۔ پس جب یہ حال تھا تو خدا تعالیٰ نے طیب کی تشریح بھی الہامِ ربانی کے اختیار میں رکھ کر پہلی آیت میں طیب کو حلال کے ساتھ مقید کیا اور یہاں من تبعیضیہ لا کر آگاہ کر دیا جن کو عوام کالانعام طیب سمجھتے ہیں وہ سب نہیں بلکہ اس میں سے وہ کہ جو در اصل طیب ہے اور میں نے اس کو تمہارے کھانے کے لیے پیدا کیا ہے ما رزقنکم (اس پر دال ہے) اور اس سے آیت میں جس طرح اس قوم اہلِ تفریط کا رد ہے کہ جس نے اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کو از خود حرام کر رکھا تھا اسی طرح اس آیت میں اس اہلِ افراط کا رد ہے کہ جو شتر

بے مہار ہو گئے تھے اور جو لوگ پاک چیزوں کو عبادت سمجھ کر نہ کھاتے تھے' ان کی یوں تسلی کہ تم ان نعمتوں کو کھا کر میرا شکر کرو۔ ایسے مزے کے وقت خدا کو یاد کرنا اور اس کا تہ دل سے شکر بجالانا بڑی عبادت ہے۔ واشکروا اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔

بحث سوم: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ الخ لفظ انما حصر کے لیے آتا ہے جس کے معنی صرف یا فقط کے ہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اور نیز سورہ انعام (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ) انہیں چند چیزوں کا ذکر ہوا ہے یعنی مردار' خون' سور کا گوشت اور جو کہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جاوے یا ان کے نام سے پکاری جاوے حالانکہ ان کے سوا اور بھی چیزیں حرام ہیں جیسا شیر و بھیڑیا' ریچھ' کتا وغیرہ درندے اور باز' چیل' کوا وغیرہ شکاری پرندے اور اسی طرح حشرت الارض سانپ' بچھو' نیولا' چوہا وغیرہ اور اسی طرح مردار خور اور نجاست کھانے والے جانور جیسا کہ گدا اور لم ڈھینگ وغیرہ اور اسی طرح قرآن میں بھی ان چار چیزوں کے علاوہ اور حرام چیزیں مذکور ہیں جیسا کہ خمیر یعنی شراب اس کا جواب بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کلمہ انما اس جگہ حصر کے لیے نہیں آیا اور ایسا اکثر زبانِ عرب میں مستعمل ہوا ہے۔ محققین یہ جواب دیتے ہیں کہ حصر اضافی ہے نہ مطلق یعنی ان چیزوں میں سے کہ جن کو تم نے از خود اپنے لیے حرام کر رکھا ہے صرف یہ چیزیں حرام ہیں۔ المیتۃ بروزن فیعلۃ اور اس کی اصل میوتۃ ہے۔ پس جبکہ واو ری جمع ہوئی اور اول ساکن تھا تو وکو ی سے بدل لیا پھر ی کو ی میں ادغام کر دیا لیکن کثرتِ استعمال سے اس کو بالتخفیف پڑھنے لگے ورنہ در اصل مشدد ہے جیسا کہ سیّد اور ہیّن۔

احکام مردار: لغت میں میتہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جاوے جس کو مردار کہتے ہیں اور اسی لیے عرب مقتول اور میت کے معنی میں فرق کرتے ہیں اور شرع میں عام معنی مراد لیے گئے ہیں یعنی جو کہ بطور معمولی ذبح نہ کیا جاوے خواہ خود بخود مر جاوے خواہ ذبح معمولی نہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا یا حلقوم بغیر نام اللہ کے کاٹا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو۔ ان سب کو عرف شرع میں میتہ یعنی مردار کہتے ہیں اور اس لیے سورہ مائدہ میں بعد لفظ میتہ کے اور چیزیں بھی جو اس کا مصداق تھیں بطور تفسیر مذکور ہوئی ہیں۔ قال تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ الآیۃ اور یہ دلیل اس پر سورہ انعام کی یہ آیت ہے وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ الآیۃ کہ جو خدا کے نام سے ذبح نہ کیا جاوے اس کو مت کھاؤ۔ اس لیے کہ اس کا کھانا بدکاری ہے۔ یہاں کچھ استثناء نہیں کہ اہل کتاب کا گلا گھونٹا جانور یا ان کا جھٹکا کیا ہوا یا یوں ہی بندوق سے مارا ہوا درست ہے بلکہ وہ سب مما لم یذکر اسم اللہ علیہ میں داخل ہے اور مردار ہے۔ پس جو اس کو درست کہتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اجماع جمہور کے بھی سراسر برخلاف ہے۔ حکمت مردار کے حرام کرنے میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے گو وہ سمیت فی الفور اپنا اثر نہیں دکھاتی مگر بارہا تجربہ میں آیا ہے اور اسی لیے ایسا گوشت بدمزہ ہوتا ہے اور بالخاصیت روح کی تاریکی میں بھی ایسی چیزوں کو اثر ہے۔ اس لیے دونوں کے لیے دو باتیں مقرر ہوئیں۔ ذبح باسم اللہ جو حمقاء اس سرّ سے واقف نہیں' وہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ خدا کی ماری حرام اور بندے کی ماری حلال یہ عجیب مسئلہ ہے۔

فوائد: (اول) نص قرآن سے میتہ کی حرمت ثابت ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ اس کے متعلق اور بہت سے مسائل ہیں کہ جو علماءِ دین نے احادیث یا اجتہاد سے پیدا کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے بحکم حدیثِ صحیح مستثنیٰ ہیں[1] احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان فالسمك والجراد واما الدمان فالكبد والطحال اور سرّ اس کا یہ ہے کہ مچھلی کا مادہ بیشتر پانی ہے کہ جو

---

[1] ہمارے لیے دو غیر مذبوح اور دو خون حلال کئے گئے ہیں دو غیر مذبوح مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۔ ۱۲

بالطبع پاک ہے اور نیز اسی لیے اس میں خون نہیں کہ جس کے نکالنے کی ضرورت ہو اور ٹڈی ہے تو الدو تناسل خود بخود پیدا ہوتی ہے اور نہ اس میں خون رواں ہے باوجودیکہ ان میں وہ مضرتیں بھی نہیں کہ جو اور جانوروں میں ہیں۔ اسی لیے ان کا ذبح کرنا ضرور نہ ہوا مگر جو مچھلی کہ پانی میں خود مر کر اوپر تیر آئے کہ جس کو طافی کہتے ہیں' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ابن عدی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے از آنجملہ یہ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے باقی اس کی کھال اور بالوں اور ہڈیوں سے نفع لینا درست ہے، اسی طرح مردار کو کتے وغیرہ جانوروں کو کھلانا درست ہے۔ ہاتھی دانت کی چیزیں اور سمور وغیرہ پوستین اور مردار جانوروں کے چمڑے بعد دباغت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مستعمل ہوتے تھے۔ آپ نے منع نہ فرمایا از آنجملہ یہ کہ جب کوئی جانور ذبح کیا جاوے اور اس کے شکم سے مردہ نکلے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ میتہ ہے' اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر زندہ نکلتا اور ذبح کیا جاتا تو درست ہوتا۔ امام شافعی اور ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ اس کا کھانا درست ہے کس لیے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے۔ تفسیر کبیر۔

احکامِ دم: (دم) سے مراد ابوحنیفہ کے نزدیک دمِ مسفوح ہے یعنی خونِ رواں اور امام شافعی کے نزدیک مطلق ہے۔ کس لیے کہ اس آیت میں کوئی قید نہیں۔ پس ان کے نزدیک جو خون گوشت پر جما ہو' وہ بھی اور جو بہتا ہو وہ بھی سب حرام ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں چونکہ دوسری جگہ دم مقید ہے بقید مسفوح (اودما مسفوحا) تو اس جگہ بھی وہی مراد ہوگا۔

عرب خون کو جما لیتے تھے' پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے اور یہ اخلاقِ انسانی کو فاسد کرتا ہے۔ علاوہ جسمانی امراض کے یہ نجس چیز کہ جس کی نجاست بالذات انسان کو سخت دل کرتی ہے' اس لیے طبائعِ سلیمہ اس سے نفرت کلی رکھتے ہیں مگر کلیجی اور تلی اگرچہ بظاہر خون بستہ ہیں مگر بحکم حدیثِ مذکورہ مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے ان کا کھانا درست ہے (لحم الخنزیر) تمام امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سور کی کل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہیں' ان کا کھانا درست نہیں مگر اس آیت میں گوشت جو ذکر کیا تو اس لیے کہ بیشتر اسی کو کھایا کرتے ہیں (کل کو بعض اجزاء کے ساتھ تعبیر کرنا عرب کی زبان میں مروج ہے' نماز کو رکوع کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں) نہ اس لیے کہ خاص گوشت حرام اور چیزیں حلال ہیں۔ اس جانور کے گوشت میں جس قدر کیڑے خوردبینوں سے حکماءِ حال نے معلوم کئے ہیں ان کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں اور نیز بعد تحقیقات اس کے گوشت میں بیشمار مضرتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس جانور میں بے حیائی اور حرص اور نجاست خوری از حد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غذا کا اثر انسان کے اخلاق تک ضرور پہنچتا ہے۔ چنانچہ حکماء نے اس مسئلہ کو خوب ثابت کر دیا ہے۔ پس ان چیزوں کا حرام کرنا عین مصلحت اور اس حکیمِ مطلق کی رحمت و حکمت کا مقتضیٰ ہے۔

بحث وما اہل بہ لغیر اللّٰہ: (وما اہل بہ لغیر اللّٰہ) اہلال آواز کا بلند کرنا پس ہر پکارنے والے کو مہل کہتے ہیں اور محرم چونکہ احرام باندھتے وقت پکار کر تکبیر کہتا ہے اسی لیے اس کو بھی مہل کہتے ہیں اور اسی لیے ذبح کرنے والے کو مہل کہتے تھے کیونکہ عرب جب جانور ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام پکار لیتے تھے اور اسی سے ہے استھل الصبی کیونکہ وہ بوقتِ ولادت چلاتا ہے اور اسی لیے چاند دیکھنے والے کو مستہل کہتے ہیں۔ اب گفتگو اس میں ہے کہ اس جگہ پکارنے سے کیا مراد ہے؟ ضحاک اور مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مراد ہے اور جمہور مفسرین کا اسی طرف میلان ہے اور اسی لیے وہ عند الذبح کی قید لگاتے ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جاوے وہ حرام ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں مفصلاً مذکور ہے لیکن ربیع رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ کوئی قید آیت میں نہیں بلکہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کا نامزد کر دینا ہی حرمت کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو کا بکرا اور سید احمد کبیر کے نام سے گائے پکاری جاتی ہے اور ہندوؤں میں دستور ہے کہ کالی بھوانی وغیرہ کے نام سے سانڈ چھوڑے جاتے ہیں۔ عرب میں بتوں کے نام سے چھوڑتے ہیں۔ پس جب یہ جانور غیر اللہ کے نامزد ہو گئے یعنی بطورِ تقرب ان کو ان کے نام سے پکارا گیا تو ان میں شرک کی

خباثت سرایت کرگئی اور یہ خبثِ باطنی اس جانور کے رگ و پے میں دوڑ گیا۔ پس جس طرح کہ سور وغیرہ کو اللہ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے اسی طرح ان جانوروں کو بھی خدا کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ احتیاط بھی اسی میں ہے اور قطعِ شرک کے لیے یہی قول مناسب ہے۔ بعض پادری پولوس کے فتوے کے بموجب کہ پاکوں کو ہر چیز پاک ہے الخ قرآن مجید پر اس قسم کے احکام سے جو حلت و حرمت اشیاء کے متعلق ہیں' اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ باتیں جسمانی شریعت کی ہیں اور ہیچ حالانکہ خود توارت کی کتاب احبار وغیرہ میں اس سے کہیں زیادہ چیزیں ہیں کہ جن کو حرام بتایا ہے۔ بالخصوص سور و مردار شراب کو اور پھر تمام انبیاءِ بنی اسرائیل حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان حرام چیزوں سے جو ہمیشہ پرہیز کرتے چلے آئے ہیں' پھر کیا وہ پاک نہ تھے۔ ان کے لیے یہ چیزیں کیوں پاک نہ ہوگئیں؟ دراصل یہ شیطانی وسوسہ ہے' پھر نفس پرست لوگوں نے اس کو اور بھی جلا دی ہے ورنہ حقائق الاشیاء کبھی نہیں بدلتیں۔ (۴) فمن اضطر اضطرار بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں۔ یہ ناچاری کئی طور سے ہوتی ہے۔

اول: کوئی حلال چیز اس کے پاس (بسبب بے مقدوری کے یا بسبب نایاب ہو جانے کے جیسا کہ بیابانوں اور ایامِ قحط اور سفرِ دریا میں ہوتا ہے) نہ رہے اور یہ شخص بھوک کے مارے چل پھر نہ سکے۔

دوم: کسی مرضِ شدید میں گرفتار ہو جاوے اور سوائے ان چیزوں کے نہ پاوے یا طبیب متدین اس کے لیے خاص انہیں چیزوں میں سے کوئی چیز بتلا دے۔

سوم: کوئی ظالم ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کرے اور کہے کہ اگر تو نہیں کھاتا تو میں تجھ کو مار ڈالتا ہوں یا تیرے کسی عزیز بیٹے بھائی وغیرہ کو مار ڈالتا ہوں یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا ہوں اور اس شخص کو یقین کامل ہو جاوے' اگر میں نہ کھاؤں گا تو یہ شخص ایسا کرے گا۔

پس ان سب صورتوں میں خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندہ کو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ سو ایسی صورت میں اس کے لیے مردار اور خون اور مذبوح لغیر اللہ بلکہ شراب مباح ہے بقدرِ رفعِ ضرورت مگر یہ شرط ہے کہ یہ شخص باغی اور عادی نہ ہو یعنی اس کھانے میں نہ اس کو لذت مطلوب ہو نہ حد سے زیادہ تجاوز کرے۔ ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں ناپاک اور گندی ہیں اور ان کی حرمت بدستور ہے مگر اس مخمصہ کی وجہ سے اجازت ہے' کھانے والے پر کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ کھانے میں اس سے کسی قدر بے اعتدالی ہو جاوے تو خدا غفور الرحیم ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ غیر باغ ولا عاد سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص سرکش اور باغی نہ ہو جب اس کے لیے یہ چیزیں حالتِ مخمصہ میں مباح ہیں ورنہ غیر مباح اس پر یہ بات متفرع ہوئی کہ جو شخص امام سے باغی ہو اس کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ اجازت نہ ہوگی اور امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ہوگی۔ پس جو امام المسلمین یعنی شاہِ اسلام سے بغاوت کر کے کہیں جاوے یا قزاقی اور راہزنی کے لیے سفر کرنے یا کسی کو ناحق قتل کرنے کے لیے سفر کرے یا چوری کے لیے جاوے اور اس کو حالتِ مخمصہ پیش آوے تو اس کے لیے شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ رخصت نہیں۔ ادلہ ہر ایک کی کتابوں میں مشرح مذکور ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

بے شک جولوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اوراس کے بدلہ میں کچھ تھوڑی سی دنیا لیتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے پیٹوں میں اور کچھ نہیں مگر انگارے بھرتے ہیں اوران سے قیامت کے روز اللہ کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اوران کے لیے عذاب الیم (تیار) ہے۔ یہ وہی لوگ تو ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے میں عذاب۔ سوان کو دوزخ کی (کیا ہی بڑی) برداشت ہے۔ یہ اسی لیے کہ خدا ہی نے کتاب برحق نازل کی تھی اور جن لوگوں نے کہ کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب: اَلَّذِیْنَ موصول یَکْتُمُوْنَ الخ جملہ صلہ مجموعہ اسم ان۔ اولٰئِكَ مبتدء یَاکُلُوْنَ الخ خبر مجموعہ خبر ان اولٰئِكَ مبتدء اَلَّذِیْنَ الخ موصول وصلہ خبر فما موضع رفع میں ہے اور یہ کلامِ تعجب ہے جس سے خدا مسلمانوں کو تعجب دلاتا ہے۔ اصبر میں ضمیر عائد ہے طرف ما کے وہ فاعل ہے ذلك مبتدء بان اللہ الخ خبر والتقدیر ذلک العذاب مستحق بما انزل اللہ فی القرآن من استحقاق عقوبۃ الکافر فالباء متعلقۃ بمحذوف۔

تفسیر: مدینہ کے یہود جانوروں کی حلت وحرمت اوران کے کھانے یا نہ کھانے میں بڑی پرہیزگاری جتلایا کرتے اور مسلمانوں پر منہ آیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود ایسے حرام کھانے میں بڑے مشاق تھے کہ جو کسی حالتِ مخمصہ میں بھی مباح نہیں۔ وہ یہ کہ احکامِ الٰہی کو چھپاتے اور کچھ روپیہ پیسہ لے کر سائل کے حسبِ مرضی فتویٰ دے دیتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جولوگ وہ احکام کہ جن کو ہم نے نازل کیا' چھپاتے اوراس سے کچھ قیمت لے کر کھاتے ہیں۔ سو یہ کھانا ان کے لیے جہنم کی آگ ہو جاوے گا اور قیامت کے دن خدا مہربانی کے ساتھ ان سے کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک اور بری کرے گا اور ان کے لیے عذابِ الیم ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایتِ فطری کھو کے گمراہی خریدی اور مغفرتِ الٰہی جو بندوں کے لیے موعود ہے' زائل کر کے عذاب مول لیا۔ جب انہوں نے عمداً اس قدر اسبابِ دوزخ کو اختیار کیا تو گویا عملاً دوزخ کو اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس آتشِ جہنم کی بڑی برداشت ہے' حالانکہ اس کی کسی کو بھی برداشت نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ بطور تعجب کے فرماتا ہے کہ ان کو اس کی کیا ہی برداشت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باتیں محض ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہیں۔ کس لیے کہ ہم نے کتابِ برحق بھیج دی اوراس میں جو کچھ موجود ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا اور جولوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور اٹکل پچو تاویلیں کرتے ہیں' وہ راہِ راست سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔

فوائد: (۱) ہر چیز پیٹ ہی میں کھاتے ہیں' پھر یہاں پیٹ کا ذکر کیا فائدہ دیتا ہے؟ **جواب**: کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ سردی کھانا گرمی کھانا۔ اس لیے اس توہم کے دفع کے لیے فی بطونہم فرمایا۔ (۲) قرآن میں یوں بھی آیا ہے کہ سب سے سوال ہوگا فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور یہاں کہا ان سے کلام نہ ہوگا۔ **جواب**: وہاں جو سب کفار سے کلام کرنا فرمایا ہے تو اس کے معنی ہیں باز پرس کے اور جو یہاں نفی کی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مہربانی کے طور سے کلام نہ کیا جاوے گا اور ہمکلامی کا شرف عطا نہ ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم دین چھپانا اور کتاب اللہ میں تاویلات کے اڑنگے لگانا حرام ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہ نہیں کہ اپنے منہ مشرق ومغرب کی طرف کرلیا کرو بلکہ نیکی وہ ہے کہ جو اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب اور (سب) نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال کو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب کوئی عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف اور جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ یہی راستباز ہیں اور یہی سچے پرہیزگار بھی ہیں۔

ترکیب: البرّ منصوب ہے کس لیے کہ یہ خبر ہے لیس کی اور اَنْ تُوَلُّوا الخ جملہ چونکہ اس سے اعراف ہے کس لیے کہ مضمر کسی طرح وصف کیا نہیں جاتا بخلاف البر کے یہ اسم ہے لیس کا اور بعض نے البر کو مرفوع پڑھا ہے۔ فاعل لیس کا مان کرو لٰکِنّ مشدد مشبہ بفعل البِرّ اسم فاعل من بریبّر ویجوزان یکون مصدر اوصف بہ مثل عدل یہ اسم لکن من امن الخ اس کی خبر علی حُبِّهٖ فی موضع نصب علی الحال اٰتی الْمَالَ محبا والضمیر یرجع الی اللہ ویمکن ان یرجع الی المال۔ والمُوْفُوْنَ معطوف ہے من امن پر والتقدیر ولکن البر المومنون والموفون والصابرین منصوب علی المدح ہے معطوف ہے ماقبل پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا اِلٰی وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کہ خدا کی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شکر بجا لاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو کہ بعض چیزوں کو از خود حرام ٹھہرا کر ان سے پرہیز کرنے کو باعث تقربِ الٰہی سمجھو بلکہ بڑھ کر حرامِ خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام کا چھپانا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح عوام کا خیالِ خام ہے کہ بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر ان کے ترک کو خدا کی رضامندی کا باعث سمجھا جاوے اسی طرح عوام کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ بعض رسوم کو جو اصولِ مذہب وملت نہیں اصولِ حسنات اور باعثِ نیکوکاری سمجھا جائے۔ عیسائی اور یہودیوں میں صرف رسوم کی پابندی باقی رہ گئی تھی۔ اصولِ حسنات چھوڑ بیٹھے تھے ان کے سوا اور مذہب میں بھی صدہا خیالاتِ باطلہ ہیں کہ جن کی پابندی کو اصولِ حسنات و باعثِ نجات وموجب رفعتِ درجات خیال کئے بیٹھے ہیں اور بعض مباحات کے ترک کو باعثِ رضائے الٰہی وموجبِ نجات سمجھ کر ان کے ترک کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ایک جہاں اس بادیۂ ضلالت میں سرگرداں ہے اس کا تصفیہ کہ دراصل کون کون امور باعثِ نجات وموجبِ ترقی درجات ہیں اور کون کون سے افعال باعثِ ہلاکت ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ نبوت اور الہام انبیاء ہی کا کام ہے جن کے ادراک میں کسی قسم کی غلطی بھی راہ نہیں پاتی۔ اسی لیے ان آیات میں اس اہم مسئلہ کا حل کردیا۔ واضح ہو کہ انسان کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں جو اس کی کمالات تک اڑ کر جانے کے دو بازو ہیں۔ اول قوتِ نظریہ یعنی تصحیح عقائد جس کو معرفت وعلم اور ہندی میں گیان کہتے ہیں۔ یہ سب میں اعلیٰ واشرف ہے۔ زیادہ تر نجات وحیاتِ ابدی کا اسی پر مدار ہے۔ اسی لیے اول اسی کو بیان فرمایا۔ اس میں مقدم مبدء یعنی ذاتِ باری اور اس کے انعاماتِ حمیدہ کا جاننا اور جائز اعتقاد رکھنا ہے۔ اسی کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا من امن باللہ کہ جو خدا پر ایمان لاوے۔ دوئم معاد یعنی اس تمام

کائنات کا فنا ہو جانا جس طرح وہ اپنے وجود میں ابتدائے طرف میں یکتا ہے جس سے اس کا خالق و مالک ہونا اور جملہ موجودات کا مخلوق و مملوک ہونا عیاں ہوتا ہے۔اسی طرح وہ انتہائے جانب بھی یکتا ہے۔ایک روز سب کا وجود ظلی سلب ہو جائے گا۔وہی رہے گا اسی لیے فرمایا والیوم الاخر کہ پچھلے دن پر ایمان لائے مگر خدا اور اس کے صفات غیر محسوس ہیں۔ان کے ادراک میں نہ حواس خمسہ مدد دیتے ہیں' نہ آلات جدیدہ کارآمد ہو سکتے ہیں۔اس لیے ان کے بتانے کے لیے روحانی لوگ درکار ہیں اور خدائے مجرد اور انسانِ مادی میں ایسے واسطہ کی ضرورت ہے اور وہ لوگ نورانی و روحانی ملائکہ ہیں یعنی فرشتے اسی لیے اس کے بعد فرمایا والملئکۃ فرشتوں پر بھی ایمان لائے اور فرشتے چونکہ روحانی ہیں' وہ ہر ایک انسان کو جو آلائش جسمانی میں آلودہ ہے نہ نظر ہی آتے ہیں نہ ان کو عالم غیب کے اسرار و حالات ہی بتاتے ہیں بلکہ وہ مخصوص بندوں کے پاس آتے ہیں جو اپنی قوتِ روحانی کے سبب وہ بھی فرشتوں جیسا تجرد رکھتے ہوں اور اس گروہِ خاص کو انبیاء کہتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کے پاس وہاں کے علوم لاتے ہیں جس کو الہام اور وحی کہتے ہیں اور جب یہ الہامات ایک جا مرتب کر لیے جاتے ہیں تو ان کو آسمانی کتاب کہتے ہیں اور دنیا سے اٹھ جانے کے بعد انبیاء کا یہ فیض باقی رہتا ہے۔اسی لیے ان دونوں میں اسی کو مقدم کر کے فرمایا والکتاب والنبین کہ وہ آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر بھی ایمان لائے۔اگرچہ انبیاء پر متعدد کتابیں مختلف فرمانوں اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئی ہیں۔چونکہ وہ علوم نظریہ ہیں' سب ایک ہی ہیں۔اس لیے کتب جمع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتاب مفرد لفظ کا جو اسم جنس ہونے کے سب کو شامل ہے اور اس قدر میں اجمالاً ان سب چیزوں پر ایمان لانے کی طرف اشارہ بھی ہو گیا جو ان برگزیدہ لوگوں نے بیان فرمائی ہے۔دوسری قوت عملیہ ہے جو اعمالِ صالح اور کرم کے نام سے موسوم ہے۔ایمان لانے کے بعد اس کے مقتضی اور ہدایات کو عمل میں نہ لانا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو اس بات کا یقین ہی نہیں جو اس کو عمل میں نہیں لاتا۔نیک کاموں میں بڑا نیک کام خدا کی مخلوق پر رحم کھانا' ان کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔زبانی اور بدنی سلوک میں سے خاص بڑے بھاری مالی سلوک کو لے لیا اور مخلوق میں بھی بنی نوع کو اور بنی نوع میں سے اہلِ قرابت کو اور ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر اہلِ حاجات کو مخصوص کیا۔اس لیے فرماتا ہے واتی المال کہ اس نے مال بھی دیا ہو مگر نہ ریاکاری اور نمود و شہرت کے لیے کس لیے کہ ایسی ہمدردی دیرپا نہیں ہوا کرتی بلکہ علیٰ حبہ بلکہ خدا کی محبت میں اور نیز حبہ کی ضمیر مال کی طرف بھی رجوع کر سکتی ہے۔تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مال کی خواہش خود کو بھی ہو اس پر اوروں کو دے اور یہ درحقیقت ایک بڑا مردانہ کام ہے ورنہ جب اپنے آپ کو کسی وجہ سے مال کی خواہش نہ رہے تب اس کا دینا کوئی بڑی بات نہیں اور مال دینے کے بڑے بڑے عمدہ یہ چھ مواقع ہیں۔اول ذوی القربیٰ اہلِ قرابت ہیں درجہ بدرجہ قرابتِ نسبی قرابتِ سببی اور قرابتِ صحبت سے مقدم ہے۔(۲) الیتامٰی یتیموں کو دے۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں کہ جس کا باپ مر جاوے' اہلِ قرابت کے یتیم غیر یتیموں سے مستحق تر ہیں۔(۳) وَالْمَسٰكِيْنَ اور مسکینوں یعنی فقیروں کو دے جو کمانے سے بسبب پیری یا بیماری کے معذور ہوں یا مصیبت پڑ جانے سے نان شبینہ کو بھی محتاج ہو گئے ہوں اور جو تندرست و جوان ایسے ہوں کہ انہوں نے بھیک مانگنا پیشہ بنا لیا ہو' وہ مساکین نہیں مگر افسوس خیرات کا زیادہ حصہ یہی گروہ زبردستی سے جھپٹ کر لے جاتا ہے کیونکہ نہ مانگنے میں ان کو شرم مانع ہے نہ غیرتِ دینی۔(۴) ابنَ السَّبِيل مسافر کو دے بشرطیکہ وہ محتاج ہو' کس لیے کہ وہ سفر میں بعض اوقات گھر کے دولتمند بھی پیسے تک کے مالک نہیں رہتے۔(۵) السَّآئِلِيْنَ۔ سائلوں کو دے مگر وہی سائل جو بوقتِ ضرورت مانگتے ہوں' خواہ اپنے لیے خواہ قومی کاموں کے لیے۔(۶) وَفِي الرِّقَابِ غلاموں کی آزادی میں صرف کرے۔یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے کہ بنی نوع کو بنی نوع کی دائمی قید سے رہا کرایا جائے۔مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کے ساتھ خالق کے نعماء کا بھی جان سے مال سے شکر گزار عبادت کنار رہنا وصولِ حسنات' اس لیے اس کا بھی ذکر فرمایا وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ کہ وہ نماز بھی ادا کرتا رہا ہے۔یہ عبادت اسلام میں روح اور جسم دونوں سے مرکب ہے۔زبان سے وہ آیات پڑھے جاتے ہیں جن میں خدا کی ثناء وصفت اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ اور اس سے دعا وغیرہ سے سر جھکایا

جاتا ہے۔ روح سے اس کا حضور تصور کر کے دلی نیاز مندی و انکساری ادا کی جاتی ہے۔ واتی الزکوٰۃ یہ مالی عبادت ہے ایک میں حصہ مال کا سال بھر میں اللہ دینا اسلام کا فرض ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ معاملات میں لوگوں کے ساتھ پورا رہنا بھی اصولِ حسنات ہے۔ اس لیے یہ فرمایا وَالْمُوفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا کہ حقیقی نیک وہ لوگ ہیں جو عہد باندھ کر اس کو پورا بھی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ جو جملہ معاملات کو حاوی ہے۔ بیع، لین دین، امانت، اجارہ وغیرہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں گونہ معاہدہ نہ ہو اور نیز جملہ شریعت کی پابندی بھی اسلام لانے کے ساتھ ضمناً معاہدہ خدا سے ہوتا ہے۔ ان تمام حسنات کے بعد انسان کا اپنے آپ کو اپنی قوائے غضبانیہ و شہوانیہ ونفسانیہ کو قابو میں رکھنا بھی بڑی نیکی ہے۔ ذرا سی بات سے آپے سے باہر ہو جانا بڑی ذلیل حالت اور اکتسابِ سعادت سے مانع ہے۔ اس کو شرع میں صبر کہتے ہیں۔ صبر کے جملہ مواقع میں سے تین سخت مواقع کا ذکر کر کے جملہ مواقع کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور وہ تین موقع یہ ہیں۔ اول تنگدستی۔ دوم مرض وغیرہ کی تکلیف۔ سوم دشمنوں کا جنگ۔ ان مواقع میں بڑے بڑے مستقل مزاج بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے صبر کو بھی اصولِ حسنات میں داخل کیا۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ کہ نیکوکار وہ ہیں جو ان تینوں حالتوں میں بھی صبر کرتے ہیں۔ اصولِ حسنات بیان فرما کر ان کی پابندی کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے۔ اُولٰئك الذين صدقوا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو صادق کہتے ہیں۔ اس میں امورِ نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ اولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی حقیقی پرہیزگار بھی ہیں۔ یہ عملیات کی طرف اشارہ ہے یعنی قوتِ نظریہ کی اصلاح سے صادق ہوتا ہے اور قوتِ عملیہ کی اصلاحِ تہذیب سے متقی ہوتا ہے۔ یہ ہیں اصولِ حسنات صرف رسومِ مذہب وملت کی پابندی میں کیا دھرا ہے نہ مشرق کی طرف منہ کرنے سے صادق بن جاتا ہے نہ مغرب کی طرف منہ کرنے سے متقی ہو جاتا ہے۔ کیا جامع کلام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

مسلمانو یہ مقتولوں کے بارے میں تم پر بدلہ لینا مقرر کیا گیا۔ آزاد[1] کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت۔ پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیے اور عمدگی سے اس کے پاس (خون بہا) پہنچانا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لیے عذابِ دردناک ہے اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے۔ اے عقل والو تا کہ تم (خونریزی سے) بچو۔

ترکیب: یا حرف ندا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا منادی كُتِبَ فعل مجہول الْقِصَاصُ مفعول مالم یسم فاعلہ عَلَيْكُمْ متعلق ہے کتب سے یہ جملہ مفسر اور

[1] خدا پاک نے اول حر کو ذکر کیا اس لیے کہ حر تمام اُن دقتوں سے بری ہے کہ جو عبد کے ساتھ متعلق ہوتی ہے پھر عبد کو بیان کیا جو حُر سے درجہ میں کم ہے مگر انثیٰ سے باعتبار الرّجال قوامون علی النساء فائق ہے عبد کے بعد پھر انثیٰ کو ذکر کیا جو لائق تاخیر ہے۔ ۱۲ منہ

الحُرّ مبتدا بالحُرّ خبر۔ ای الحر ماخوذ بالحر الخ یہ اس کی تفسیر پھر مجموعہ ندا من موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور فاتّباعٌ اس کی خبر والتقدیر فعلیہ اتباع۔ باِحْسَانٍ موضع نصب میں ہے۔ بسبب ادا کے اور یہی حال ہے بالمعروف کا اور جائز ہے کہ حال ہو ہاء سے فعلیہ اتباعہ عادلا محسنا اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس کی جزا۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں صبر کی ترغیب تھی اور تنگدستی اور مرض اور جنگ میں صبر کرنے والوں کی خوبی مذکور تھی۔ اب منجملہ مواقع صبر کے ایک بڑا موقع بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاں صبر نہ کرنے سے ایک فسادِ عظیم اور سخت خونریزی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور وہ قتل کا موقع ہے۔ جاہل قوموں میں جب کوئی ان کی قوم کے آدمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو جوش اور غصہ میں آ کر صرف قاتل ہی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ جو کوئی اس کی قوم کا ملتا تھا' خواہ قصوروار ہو یا نہ ہو سب کو قتل کر ڈالتے تھے اور نیز بڑے آدمی کے معاوضہ میں صرف قاتل کا مارنا اس کی شان کے خلاف جانتے تھے بلکہ اس کے بدلہ میں دس بیس پر بھی بس نہ کرتے تھے۔ اسی لیے ان آیات میں صبر کے مسئلہ کے بعد قتل کے احکام بیان کر دینا اس مسئلہ سے نتیجہ حاصل کرنا ہے کہ ایسے وقت جوش میں نہ آؤ بلکہ جو کچھ انسانیت کے حقوق ملحوظ کر کے ہم نے حکم دیا ہے اس کی پابندی کرو اور فرمادیا کہ اے مومنو! تمہارے لیے ہم نے مقتولوں کے بارے میں قصاص[1] مقرر کر دیا ہے یعنی برابری کا حکم دیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ ایسے وقت بھی صبر کرو اور عدالت کو ہاتھ سے نہ دو جو کوئی کسی کو قتل کرے اس کے بدلے میں اسی کو قتل کرو اگر حر کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں اس حر یعنی آزاد کو قتل کرو۔ اس کی شرافت' حسب ونسب وحسن و مالداری پر نظر نہ کرو۔ کس لیے کہ حریت میں دونوں برابر ہیں اور جو غلام کسی کو قتل کرے تو اس کے عوض میں اسی غلام کو قتل کرو۔ اس کے ساتھ اس کے آقا کو نہ مارو اور جو عورت قتل کرے تو خاص اسی کو قتل کرو۔ اس کے شوہر اور فرزند اور بھائی بندوں سے کچھ سروکار نہ رکھو اور جو مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جاویں اور دیت لینا قبول کر لیں تو چاہیے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ اس پر باوجود تنگ دستی کے فی الفور ادا کرنے کا تقاضا کریں بلکہ مہلت دیویں اور نہ کہ سختی زیادتی سے پیش آویں اور نہ یہ کہ خلاف شریعت اس کے معاوضہ میں کوئی بات طلب کریں کہ ہم کو شراب دے یا اپنی جورو بیٹی کو حوالہ کر دے یا تو اپنے بیٹے کو ہماری غلامی میں دے یا تو ہمیشہ کو ہمارا غلام ہو کر رہ اور اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسانوں کو فراموش نہ کرے۔ جو رقم قرار پا گئی ہو اس کو بلا حیلہ و بہانہ عمدہ طور سے ادا کرے اور جو کوئی اس قرارداد کے بعد پھر تعدی کرے کہ دیت لے کر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لیے عذاب الیم ہے اور اس قصاص میں اے مومنو! تمہارے لیے زندگی ہے کیونکہ جب رسم قصاص جاری ہوگئی تو وہ سفاکی جو ایامِ جاہلیت میں تھی' جاتی رہے گی اور نیز لوگوں کو عبرت ہوگی۔ پھر آئندہ ہر ایک قتل سے ہاتھ روکے گا۔

ابحاث: (۱) قصاص کے معنی پورا پورا بدلہ لینا یعنی جیسا کہ اس نے کیا ویسا ہی اس کے ساتھ کیا جاوے۔ عرب بولتے ہیں اقص فلان اثر فلان اذا فعل مثل فعلہ قال تعالیٰ فارتدا علی آثارھما قصصاً وقال وقالت لاختہ قصیہ اے اتبعی۔ اثرہ اور قصہ کو بھی اسی لیے قصہ کہتے

[1] قصاص یعنی بدلہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے جان کے بدلہ قتل عمد میں جان ہے پھر مقتول کے وارثوں میں سے کوئی اپنی مہربانی سے اپنے بھائی مسلمان قاتل کی جان عیناً معاف کر دے اور خون بہا پر کفایت کرے اور قتل شبہ بالعمد یا خطاء میں اپنی مہربانی سے رقم کا بھی کوئی حصہ معاف کر دے تو بعد میں سختی سے مطالبہ کرنا چاہیے بلکہ رواج ودستور کے موافق اور قاتل کو بھی اس کی رقم خوش معاملگی سے ادا کر دینی چاہیے۔ خون کے بدلے خون بہا لینے کا اور خون بہا میں سے بھی رقم کم کر دینے کا مسئلہ خدا کی بڑی مہربانی اور آسانی ہے کہ ایک جان تو ضائع ہوئی ہے اب دوسری بھی ضائع ہو جاتی۔ اور قصاص میں بڑی زندگی ہے قتل کرنے والے کی زندگی اس لیے وہ اس قانون کے خوف سے قصدِ قتل نہ کر کے اپنی جان بھی اور مقتول کی جان بھی بچائے گا اور نیز بدلہ لینے سے قوموں کا فتنہ فرو ہو جاوے گا یہ نہیں ہوگا کہ طرفین سے چڑھائی ہو کر طرفین سے بہت سے مارے جائیں۔ ۱۲ منہ

ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے مساوی ہوتی ہے۔ یہاں مراد مساوات ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہتِ قتل میں بھی مساوات کرنی چاہیے۔ پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو اس کو بھی ڈبو کر مارنا چاہیے اور جس نے جلا کر مارا ہے اس کو بھی اسی طرح مارنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکالنا ہے جس سے کہ عادتاً جلدی سے دم نکلتا ہو اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے لاقود الا بالسیف اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ پس یہ جو نصرانیوں میں پھانسی دینا مروج ہے، نہایت غیر مہذب طریق ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس قوم کے عقلا اس کی اصلاح کریں۔

(۲) الحر[1] بالحر وَ العبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حر حر کے بدلے میں مارا جاوے نہ غلام کے بدلے میں اور اسی طرح ظاہر آیت یہ چاہتی ہے کہ غلام کو خاص غلام کے بدلہ میں قتل کرنا چاہیے نہ حر کے اور عورت کو بھی خاص عورت ہی کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہیے نہ مرد کے۔ یعنی عورت اگر مرد کو قتل کرے یا مرد عورت کو قتل کرے تو باہم قصاص جاری نہ ہو لیکن ان سب صورتوں میں قصاص جاری ہوگا اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔ کس لیے کہ کتب علیکم القصاص ایک مستقل جملہ ہے اور پھر اس کے بعد اس عام حکم کے بعض جزئیات کو (الحر بالحر والعبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی) میں ذکر کر دیا ہے۔ اس سے اور صورتوں کی نفی نہ سمجھی گئی۔ پس ان نصوص کے عموم پر لحاظ کر کے عام حکم دیا جاوے گا یعنی حر حر کے بدلے میں بھی اور غلام اور کافر ذمی[2] کے اور عورت اور لڑکے اور بیمار اور مقطوع الاعضاء کے بدلے میں بھی قتل کیا جاوے گا اور اسی طرح غلام اور عورت اور کافر کے بدلے میں بھی۔ کس لیے کہ مماثلت اور مساوات عصمت میں ملحوظ ہونی چاہیے یعنی معصوم الدم ہونے میں اور یہ بات دیندار سے ثابت ہو جاتی ہے۔ باقی اور تفاوتوں پر نظر نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو قصاص کا دروازہ بند ہو جاوے اور فساد کا دروازہ کھل جاوے۔ جیسا کہ ایامِ جاہلیت میں تھا اور یہی امامِ اعظم کا قول ہے۔

واضح ہو کہ یہ قصاص لینا حاکم کے اختیار میں ہے نہ یہ کہ ہر شخص بطور خود آپ اس پر عمل کرے جس سے فتنہ اور فساد زیادہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جبکہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور جو خطا یا شبہ بالعمد وغیرہ سے گولی شکار پر لگا تا تھا' اتفاقاً کسی آدمی کو جا لگی یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطا ہے۔ اس صورت میں قصاص نہیں مگر خون بہا کہ جس کو دیت کہتے ہیں، ضرور دینی پڑتی ہے جس کی تعداد پوری تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اس آیت میں دو حکم ہیں۔ اول قصاص کہ برابر بدلہ لیا جاوے۔ ایامِ جاہلیت کی طرح ایک کے عوض دو چار یا زیادہ کو قتل نہ کیا جاوے نہ غلام سمجھ کر اس کا بدلہ کسی اشراف سے ترک کرنا چاہیے نہ امیر و غریب شریف و رذیل کی کچھ رعایت کرنی چاہیے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر شریف قوم کا غلام رذیل قوم کے غلام سے مارا جاتا تھا تو اس کے بدلے میں ان کے حر کو قتل کرتے تھے۔ اسی طرح شریف اور وضیع میں بھی باہم مساوات نہ سمجھتے تھے۔ نہ عورت مرد میں آیت نے ان سب میں انصافاً مساوات قصاص میں قائم کر دی۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کو وارثانِ مقتول بالکل معاف کر دیں یا چند وارثوں میں سے بعض بالکل معاف کر دے یا کل یا بعض کسی قدر روپیہ یا پوری دیت لے

---

[1] حر اس مرد آزاد کو کہتے ہیں کہ جو کسی کا غلامِ شرعی نہ ہو۔۱۲

[2] ذمی وہ کہ جو مسلمانوں کے ذمہ میں رعیت بن کر رہتا ہو۔ کس لیے کہ جو قوم کہ ذمی نہیں اور ان میں باہمی جنگ وجدال کا دروازہ کشادہ ہو تو وہاں قصاص نہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ کافروں کے ملک میں امن لے کر جاوے یا کوئی کافر دارالاسلام میں امن کے لیے آوے یا جس قوم سے باہمی معاہدہ یا مصالحتِ تجارت وغیرہ جاری ہو وہاں کسی کافر کو قتل کر دے اور اس فعلِ شنیع سے جنت کا مستحق بنے' یہ بھی حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ ہاں حالتِ جنگ میں جو باہم قتال کی رخصت ملت اور قوم کی بھلائی اور فساد کے بند کرنے کے لیے ہے تو وہ جائز ہے۔ سو وہ اور بات ہے۔ ۱۲ عبدالحق غفرلہ حقانی

کر اس کے قصاص سے درگزر کرے تو قصاص ساقط ہے مگر سختی اور خلافِ دستور کوئی بات نہ کرنی چاہیے بلکہ اتباع بالمعروف اور اس قاتل کو بھی چاہیے کہ ان کا شکریہ ادا کرے اور جو کچھ مقرر کیا گیا ہے اس کو بخوشیِ خاطر ادا کرے۔ اداء الیہ باحسان پہلا حکم کتب علیکم القصاص الخ میں مذکور ہے اور دوسرا فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف و اداء الیہ باحسان میں مذکور ہے۔

نیچر مفسر نے دیکھا کہ آج کل عیسائیوں میں اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے سے بھی قصاص معاف نہیں ہوتا ضرور اس کو پھانسی ہوتی ہے اور اس بات کو ان کی اور سب باتوں کی طرح از حد پسند کیا اور موافق عقلِ سلیم جانا تو اس آیت کی توجیہ کر دی کہ یہ بات ایامِ جاہلیت کے خونوں کی بابت ہے اور لطف یہ کہ اس کے برخلاف آیت کا سیاق اور نیز قرینہ ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ موجود ہے اور امت کا اجماع بھی ہے اور بے شمار احادیث صحیحہ ہیں مگر اس نے بلا دلیل اتنا بڑا دعویٰ کر لیا شاید شرط میں عفی ماضی کا صیغہ ہے اور اس کو ایامِ جاہلیت پر محمول کیا ہو جو خلاف قانونِ نحو ہے۔ قتل کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور قصاص محض سیاستِ دنیا کے لیے ہے اور نیز ورثاء کے معاف کرنے سے بھی دنیاوی حق معاف ہوتا ہے نہ حق آخرت۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ
بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ
اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آئے (علاماتِ موت معلوم ہوں) تو اگر کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنی چاہیے۔ خدا ترسوں پر لازمی بات ہے پھر جس نے اس وصیت کو سن کر بدل دیا تو اس کا گناہ اسی پر ہے کہ جو اس کو بدلتے ہیں۔ البتہ اللہ تو خوب سنتا جانتا ہے۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرفداری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو سو اس نے ان میں صلح کرا دی تو اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: كُتِبَ فعل مجہول الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ اِذَا حَضَرَ متعلق ہے الوصیۃ سے حضورِ موت سے مراد حضورِ اسبابِ موت ہے۔ ان ترک خیرا شرط اس کا جواب جملۂ اولیٰ سے سمجھا جاتا ہے۔ ای فلیوص۔ حقاً مفعول مطلق ہے ای حق ذلک حقا اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای ایصاء حقا فَمَنْ بَدَّلَهٗ ای الایصاء من شرطیہ ہے مبتداء کی جگہ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ الخ اس کی خبر فَمَنْ خَافَ فعل بافاعل مِنْ مُّوْصٍ متعلق ہے خاف سے شرط فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط۔

تفسیر: پہلے سے اصولِ حسنات کا ذکر چلا آتا ہے۔ اس کے ضمن میں اشد منہیات قتل اور کتمانِ حق کا بھی ذکر آ گیا تھا گویا کہ نیکی انسان کو جب نصیب ہوتی ہے کہ جب وہ ایسی بری باتوں سے بھی بچے اور چونکہ قصاص انسان کی زندگی باقی رہنے کا باعث تھا اور قتل کو بند کرتا تھا جیسا کہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اس کے بعد وصیت کا مسئلہ ذکر کیا کس لیے کہ باوجود مال و اسباب ہونے کے اپنے اقارب کو محروم رکھنا گویا ان کو قتل کر دینا ہے جس طرح قصاص حقیقی قتل کی دوا ہے اسی طرح وصیت اس مجازی قتل کی دوا ہے۔ اس لیے

فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے وصیت مقرر کر دی ہے۔ پس جب علامات موت نظر آئیں اور مال موجود ہو تو متقی پر یہ حق ضرور ہے کہ ماں باپ اور دیگر اقارب کے لیے وصیت کر دے۔ ہاں اب جو کوئی قابض مال یا گواہ خبردار ہونے کے بعد اس کو بدلے گا تو یہ گناہ اس کی گردن پر رہے گا۔ خدا سے کوئی بات مخفی نہیں اور جو کسی کو یہ معلوم ہو کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا' وہ وصیت میں بے انصافی کر کے مر گیا تو اس نے محض نیک نیتی سے موصی کو وصیت کے بدلنے کی صلاح دی یا اس کے وارثوں میں اور جن کے لیے وصیت خلافِ انصاف کر کے مر گیا ہے اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو' وصیت میں کچھ کمی زیادتی کر کے باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل و تغیر میں بھی کچھ گناہ نہیں اور اس اصلاح میں کچھ خلافِ وصیت اس سے سرزد ہو گیا تو خدا اس کو معاف کر دے گا' وہ غفور الرحیم ہے۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لیے جب تک ضرور تھا کہ جب تک آیتِ میراث نازل نہیں ہوئی تھی اور اسی لیے نبی ﷺ نے فرما دیا تھا کہ مسلمان کو لائق نہیں کہ اس پر تین شب گزریں اور اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین) کس لیے کہ تمام مال کے وارث میت کے زن و فرزند ہو جایا کرتے تھے۔ ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہ جاتے تھے۔ جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں (صحیحین) مگر حسن بصری اور علاء بن زیاد اور مسروق اور مسلم بن یسار وغیرہ علماء کبار یہ فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں۔ کس لیے کہ آیتِ میراث میں جن قرابتیوں کا حق اور حصہ ہے البتہ ان کے لیے وصیت نہیں اور جو محروم الارث ہیں جیسا کہ بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتا چچازاد بھائیوں کی موجودگی میں نواسہ یا اور مساکین و فقراء تو ان کے لیے بدستور وصیت مستحب ہے مگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے اور یہی قول صحیح [1] ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ گنتی کے چند روز دن تک (اس پر بھی) جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی پوری کرے اور جن کو اس کی طاقت ہو تو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو کھانا دینا چاہیے پھر جو (اپنی امنگ سے) نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے' اگر تم جانتے ہو۔

ترکیب: یا حرف ندا الَّذِيْنَ منادی موصول اٰمَنُوْا صلہ کُتِبَ فعل مجہول الصِّيَامُ مفعول مالم یسم فاعلہ کَمَا موضع نصب میں ہے صفت ہے

[1] جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی۔ والدین و اقارب کے لیے صاحب مال پر وصیت فرض تھی آیتِ میراث کے بعد یہ حکم غیر وارث کے لیے ثلث میں مستحب ہے۔ وصیت کے بعد جو لوگ اس میں کمی زیادتی کریں گے وہ گناہ ان پر ہو گا نہ میت پر اگر وصی سے کسی کی طرف داری یا کسی کے محروم کر دینے کا اندیشہ ہو تو باہم مصالحت کرا دینا کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲ منہ

کُتِبَ کی ای کتبنا کما کتب ایاما موصوف۔ مَعْدُوْدَاتٍ صفت یا یہ منصوب ہے صوموا مقدر سے یا الصیام سے فَمَنْ شرطیہ کَانَ کا اسم ضمیر ہے جو من کی طرف پھرتی ہے اور مَرِیضًا اس کی خبر معطوف علیہ اَوْ عَلٰی سفرٍ معطوف موضع نصب میں اے او مسافرا فَعِدَّۃٌ مبتداء والخبر محذوف ای علیہ مِنْ اَیَّامٍ اُخَرَ صفت ہے عدۃ کی۔ پس یہ مجموعہ جوابِ شرط ہے عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ جملہ خبر فدیۃ مبدل منہ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ بدل مجموعہ مبتداء جملہ معطوف بر جملہ سابقہ۔

تفسیر: قصاص اور وصیت حیاتِ دنیاوی کا سبب تھا اور کلامِ الٰہی میں جس طرح حیاتِ دنیا کی اصلاح فرمائی گئی اسی طرح حیاتِ ابدی کی بھی ضرور رعایت ہونی چاہیے۔ اس لیے یہاں اس چیز کا حکم دیا کہ جو حیاتِ ابدی کا عمدہ ذریعہ ہے یعنی روزہ کس لیے کہ انسان جب صبح سے شام تک نفس کے تینوں خواہشوں کھانے' پینے' جماع سے رکے گا اور اسی کو صومِ شرعی کہتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ اپنے دل کو ذکرِ الٰہی' تلاوت اور نماز اور مراقبہ اور اعتکاف میں لگا دے گا تو بے شک اس کی روح کو قوت ہوگی اور اس جسم کو چھوڑنے کے بعد یہی حیاتِ ابدی اور عالمِ قدس میں زندہ رہنے کا سبب ہوگا اور نیز احکامِ مذکورہ بالا کی تعمیل جسمانی خواہشوں کے خلاف ہے اور جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کا خوگر نہیں ہوتا تو اصولِ حسنات اور صبر پر بھی قادر نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی ترقی کے لیے بھی مصائب برداشت نہیں کر سکتا اس لیے روزہ کا حکم دیا تا کہ روح قوی ہو جائے جسم کی خواہش اور تیزی توڑنے کے لیے آسمانی ہدایت میں قدیم سے ریاضت کا حکم ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض ہوئے جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض ہوئے تھے تا کہ تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی ہو جاؤ اور یہ روزہ تم پر ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ چند روز اور اس پر بھی تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ اگر کوئی بیمار یا مسافر ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھے تو اس کے بدلہ میں اور دنوں میں گن کر روزہ رکھ لے اور اس پر بھی تمہارے لیے یہ رخصت ہے کہ جو لوگ تم میں سے بڑی مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں جیسا کہ بڈھا تو وہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا کہ جو اس کو دو وقت کافی ہو دیوے اور جو اپنی طرف سے زیادہ دو بہتر ہے اور جو تکلیف اٹھا کر بھی روزہ رکھ لو تو بہتر ہے۔

فوائد: (۱) کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ سے کیا مراد ہے؟ رمضان کے روزے یا اور روزے۔ معاذ اور قتادہ اور عطا وغیرہم علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد علاوہ رمضان کے اور روزے ہیں جو رمضان کی فرضیت سے پیشتر فرض تھے۔ پھر رمضان فرض ہونے سے جیسا کہ آیت آئندہ میں ہے' ان کی فرضیت جاتی رہی اور وہ ہر مہینے میں تین روزے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی تھا اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اس آیت میں جس کو طاقت روزہ رکھنے کی ہے اس کو فدیہ دینے کی رخصت ہے۔ حالانکہ رمضان کے روزوں کی نسبت یہ حکم نہیں کہ فدیہ دے کر روزہ نہ رکھے اور نیز اس آیت میں مسافر اور مریض کا حکم ہے اور اس سے پچھلی آیت میں بھی کہ جس میں رمضان کے روزے میں مسافر اور مریض کا حکم مذکور ہے، پس اگر یہاں صیام سے مراد رمضان ہو تو بے فائدہ عبارت مکرر ہو جاوے جمہور محققین کہ جن میں ابن عباس بھی ہیں' یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ صیام سے مراد رمضان ہی کے روزے ہیں مگر اولاً خدا تعالیٰ نے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ فرمایا' پھر اس کے بعد اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ اس کی تشریح کی پھر اگلی آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ میں تو خوب تعیین کر دی جس طرح کہ اس نے اولاً کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کہہ کر اطمینان دلا دیا تھا کہ یہ سلف صالحین کا قدیم دستور ہے۔ ایاماً معدودات کہہ کر یہ تسلی کر دی کہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ چند روز کے لیے پھر مسافر اور مریض کو رخصت دی اور جس سے نہایت مشقت سے ادا ہوتے ہوں' اس کو فدیہ کی اجازت دے دی اور ان کی دلیل کا یہ جواب ہے کہ یُطِیْقُوْنَہٗ کے یہ معنی ہیں کہ بہ تکلف و بمشقت روزہ رکھ سکتے ہوں۔ چنانچہ عکرمہ اور ایوب اور عطا کی قرأت میں یطوقونہ آیا ہے۔ اے یجشمونہ یعنی یکلفونہ اور یہ اس لیے کہ وسعتِ طاقت کے اوپر ایک اور شے ہے۔ اس صورت میں اب بھی رمضان کے روزوں کی نسبت اس شخص کے لیے کہ جو مشقت سے روزہ رکھ سکے' یہی

حکم ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ دیوے۔ یہ شیخ فانی کے لیے ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب روزہ رکھنے میں عاجز ہووے تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لیے فدیہ دینے کا حکم اس لیے نہیں کہ یہ پھر قضا کے روزے رکھ سکتے ہیں۔ بخلاف شیخ فانی کے یہ فدیہ کا حکم خاص اسی کے لیے ہے۔ پس آیت **یطیقونہ** کو آیت **ومن شھد منکم الشھر فلیصمہ** سے منسوخ قرار دینا بے فائدہ ہے اور اسی طرح لا مقدر ماننا اور ہمزہ کو سلب کے لیے کہنا بھی لا حاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ سے مراد مسافر اور بیمار ہیں اور ان کی دو حالت ہیں۔ ایک یہ کہ روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس کا حکم تو خدا نے فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ میں ظاہر کر دیا کہ اور دنوں میں روزۂ رمضان کی قضا ادا کرلیں۔ دوسری حالت طاقت کی ہے سو اس میں ان کے لیے یہ حکم ہے فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ کہ فدیہ دے کر چاہیں روزہ نہ رکھیں یعنی دونوں باتوں میں اختیار ہے (کبیر) تیسرا ایک اور بھی جواب ہے کہ رمضان میں ابتداءِ اسلام میں مقیم صحیح کو بھی کہ جو روزے کی طاقت رکھتے تھے اختیار تھا خواہ روزہ رکھیں خواہ فدیہ دے دیں۔ مگر اگلی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا اور مکرر ہونے کا یہ جواب ہے ابتداء میں چونکہ تندرست مقیم کے لیے فدیہ اور روزے کا اختیار تھا اور مسافر اور مریض کے لیے افطار کی رخصت تھی تو یہاں سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ مسافر و مریض پر قضا اور فدیہ نہیں کیونکہ یہ مشقت میں ہیں۔ اس لیے خدا نے مسافر اور مریض کا حال بھی بیان فرمادیا کہ ان پر قضا واجب ہے۔

(۲) کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ میں تشبیہ نہ عدد میں ہے نہ وقت میں بلکہ صرف ایجاب میں یعنی جس طرح تم پر روزے واجب ہوئے اسی طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی واجب ہوئے تھے نہ یہ کہ جس طرح تم پر تیس روزے رمضان کے واجب ہوئے ان پر بھی تیس رمضان کے واجب تھے اور مِنْ قَبْلِکُمْ سے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب کے ہاں بھی روزے واجب تھے۔ چنانچہ توارات کی تیسری کتاب کے ۶ باب درس ۲۹ اور باب ۲۳ درس ۲۷ و ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنا واجب تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جاوے گا اور اعمال حواریان کے ۲ باب درس ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چالیس روز تک کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزے رکھے جیسا کہ کتاب خروج کے ۳۴ باب سے معلوم ہوتا ہے اور کتاب دانیال کے باب دس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتے کے روزے رکھے اور اول کتاب السلاطین کے ۱۹ باب ۸ درس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام کوہ حوریب کو گئے تھے تو انہوں نے چالیس دن رات روزے رکھے۔

اور انجیل متی کے ۴ باب اور انجیل لوقا کے ۴ باب درس ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جبکہ وہ بیابان میں تھے چالیس دن رات کے روزے رکھے تھے۔ علاوہ اس کے بائبل کے مختلف مقامات سے اور بھی روزے رکھنا اہلِ کتاب کا ثابت ہے اور اسی لیے اب بھی یہود اور متدین نصاریٰ میں روزہ رکھنے کا دستور ہے۔

ہاں اب جو یورپ کا الحاد جوش زن ہے البتہ اس کی وجہ سے رسمِ روزہ و نماز عیسائیوں میں سے اٹھ گئی اور یوماً فیوماً اٹھتی جاتی ہے بلکہ ان کی تقلید میں نیچر مفسر بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۱ میں روزے کی نہایت اہانت کر رہے ہیں جس کا ایک فقرہ یہ ہے عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس رسم کو جاری رکھنے کی اجازت دی انتہی ملخصاً اور اس سے پیشتر اس صفحہ میں روزے کو بدنی ریاضت کہہ آئے ہیں اور جملہ بدنی ریاضتوں کی نسبت صفحہ ۲۳۰ میں یہ کہتے ہیں قولہ غرضکہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کی زندگی

آسائش سے بسر کرنی خدا کو پسند نہیں اور یہ ایک عجیب خیال تھا انتہی ملخصاً۔

(۳) فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ جس مرض سے روزہ کا افطار کرنا درست ہے جمہور محققین کے نزدیک وہ ہے کہ جس میں روزہ رکھنے سے ضرر جان یا زیادتی مرض متصور ہو نہ ہر مرض کیونکہ اس مقام پر جو لفظ مریض بولا گیا ہے تو اہلِ زبان اپنے قرائن سے اس سے وہی مرض سمجھتے ہیں کہ جس کا ہم نے ذکر کیا۔ نہ عام مرض۔ سفر کے معنی لغت میں کشف کے ہیں یعنی کھل جانا اور چونکہ سفر سے لوگوں اور ملکوں اور زمین کا حال کھلتا ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں اور سفیر چونکہ دو شخصوں کی پیچیدگی کھول دیتا ہے اس لیے بھی اس کو سفیر کہتے ہیں اور اسی لیے بولتے ہیں اسفر الصبح اور کتاب چونکہ معانی کھول دیتی ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں اور اسی لیے کہتے ہیں اسفار صبح کی روشنی میں آنا۔

مگر شرع میں اس جگہ سفر سے مراد اقل مرتبہ تین منزل کا سفر ہے کس لیے کہ نبی ﷺ نے مسح کے بارہ میں فرمایا ہے کہ مقیم ایک رات دن مسح کرے اور مسافر تین رات دن اس سے معلوم ہوا کہ سفر اقل مرتبہ تین رات دن کے فاصلہ سے ہوتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے سفر کو علتِ مسح قرار دیا اور مسح کو معلول بنایا اور معلول علت سے زیادہ نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سولہ فرسخ کا فاصلہ ضرور ہے اور ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہے کیونکہ ہاشم جدِ رسول اللہ ﷺ نے جب جنگل ناپا تو میل کو بارہ ہزار قدم قرار دیا اور امام مالک و احمد و اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

مگر داؤد ظاہری نے مطلق سفر مراد رکھا ہے اور اس کی تقلید سے قاضی شوکانی نے درر بہیہ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ پس ان کے مذہب میں تو کوس کیا آدھے کوس تک جانے میں بھی روزہ نہ رکھے اور یہ بالکل غلط ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

رمضان کا وہ مہینہ کہ جس میں قرآن لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل[۲] کیا گیا ہے (اور جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے پھر جو تم میں سے کوئی اس مہینے کو پاوے تو چاہیے اس میں روزے رکھے اور جو بیمار یا مسافر ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر دے۔ اللہ تو تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا (اور یہ اس لیے) تا کہ تم گنتی پوری کر لو اور تا کہ تم کو خدا نے رہنمائی کی ہے۔ اس پر اس کی بڑائی[۱] بیان کرو اور تا کہ تم (اس کی نعمت کا) شکر کرو۔

---

۱ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عیدین کے روز تکبیر کہنا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ بعض کہتے ہیں انزل فیہ القرآن سے مراد یہ نہیں ہے کہ رمضان میں قرآن اُترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اُترنا مراد ہے جیسا کہ کہتے ہیں انزل فی علی و انزل فی عمر۔ ۱۲ منہ

ترکیب: شَهْرُ رَمَضَانَ مبتداء اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ خبراور ممکن ہے کہ فَمَنْ شَهِدَ جملہ شرطیہ اس کی خبراور ممکن ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ مبتداء محذوف کی خبر ہو یعنی شہر رمضان یعنی الایام المعدودات اور بعض نے شہر کو بالنصب پڑھا ہے بدل بنایا ہے ایام معدودات سے هُدًى حال ہے۔قرآن سے اور بعض نے کہا ہے کہ مفعول لہ انزل کا وبَيِّنٰتٍ ای آیاتِ واضحات معطوف ہے ہدیٰ پر اور وَالْفُرْقَانِ معطوف ہے الهدیٰ پر ای حال کونہ ہادیا للناس وحال کونہ بینات من الهدایۃ والفرقان اے ممایفرق بین الحق والباطل فمن شرطیہ مبتداء اور اس کے بعد اس کی خبر مِنْكُمُ حال ہے ضمیر فاعل سے اور مفعول شَهِدَ کا محذوف ہے اے شہد المصر اور الشَّهْر ظرف ہے فَلْيَصُمْهُ جواب شرط وَلِتُكْمِلُوا معطوف ہے الْيُسْرَ پراور لام زائدہ ہے۔

تفسیر: یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔اول فرمایا تھا تم پر چندروز کے روزے فرض ہوئے۔اب اس آیت میں ان چندروزوں کی تشریح کر دی کہ وہ چند دن کہ جن میں تم پر روزے فرض ہوئے رمضان کا مہینہ ہے۔یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے کہ جولوگوں کے لیے ہدایت ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے بارے میں کھلی نشانی بھی ہے۔پس جو اس مہینے کو پاوے تو چاہیے کہ روزہ رکھے اور جو مسافر اور بیمار ہو تو اور دنوں میں اتنے ہی رکھ لے۔اس سے خدا نے تمہارے لیے آسانی کر دی اور نیز تعداد رمضان کی بھی پوری ہو جاتی ہے اور اس لیے کہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے ہم کو ہدایت کی اور ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرتے رہو۔ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ انوار الٰہی ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں مگر علائقِ بشریہ ان کو ارواحِ بشریہ پر ظاہر ہونے میں حجاب ہو جاتے ہیں اور ان علائقِ بشریہ کے دور کرنے میں روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور نزولِ قرآن بھی انوار الٰہی کا کامل ظہور ہے۔سو اس لیے اس کا نزول ماہِ رمضان میں قرار پایا اور یہی حکمت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبکہ کوہ طور پر ان کو توراۃ ملی اور خدا نے ان سے کلام کیا تو اول ان سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔غالباً ان کو اسی وقت انجیل عطا ہوئی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غارِ حرا میں روزے رکھے ان پر وہاں قرآن نازل ہوا۔رمضان کے مہینہ میں شب قدر میں جو تجلیِ الٰہی کا وقت ہے قرآن مجید تمام و کمال لوحِ محفوظ سے نقل ہو کر آسمانِ دنیا میں بیت المعمور ایک جگہ ہے وہاں نازل ہوا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کیا۔پس اب اس آیت میں اور اس میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وانا انزلنٰه فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ [1] کچھ بھی تعارض نہ رہا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں (تو کہہ دو کہ) میں تو پاس ہی ہوں۔جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں۔پھر لوگوں کو بھی ہمارا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے تاکہ وہ ہدایت پاویں۔

ترکیب: واِذَا سَاَلَكَ فعل عِبَادِيْ فاعل ک مفعول عَنِّيْ متعلق ہے فعل سے یہ تمام جملہ شرط فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ای فقل لہم انی قریب جواب شرط اُجِيْبُ خبر ثانی۔

تفسیر: پہلی آیت میں تکبیر اور یادِ الٰہی اور اس کی شکر گزاری کا حکم تھا جس سے احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد اور اس کی شکر گذاری کرتے ہیں آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا کہ دنیا کے امراء اور شہنشاہوں کی طرح وہاں تک رسائی اور کسی کی شنوائی ہی نہیں ہوتی!

[1] کس لیے لیلۃ مبارکہ میں رمضان ہی میں تھی اور نہ اس قولِ مشہور میں کہ قرآن شوال کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا اور نہ اس آیت میں کچھ تعارض باقی رہا۔

قطعہ:

روئے بر خاک عجزے مالم ہر سحر گہ کہ بادے آید
ایکہ ہرگز فرامشت نکنم ہیچت از بندہ یادے آید

اس آیت میں اس شبہ کو زائل کر دیا کہ جب میرے بندے اے نبی میرا حال آپ سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں جو کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ جو مجھ سے دعا کرتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس میرے بندوں کو بھی لازم ہے کہ میری اطاعت کریں اور گو میں ان کی نظر سے غائب ہوں لیکن وہ مجھ پر ایمان لاویں تا کہ مجھ تک پہنچنے کا رستہ پاویں۔

اس آیت کے شانِ نزول مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ایک بدوی نے آکر آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ ہمارا رب قریب ہو تو ہم اس سے آہستہ مناجات کریں اور اگر بعید ہو تو پکاریں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پکارنی شروع کی۔ آپ نے فرمایا' تمہارا رب بہرا اور دور نہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے قرب جسمانی نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ علاوہ اس کے جسمانی چیز سب سے مساوی درجہ پر قریب نہیں ہوتی۔ بلکہ ان دو شخصوں میں سے (جو فاصلہ پر ہیں) جس سے جس قدر قریب ہوگی دوسرے سے اتنی ہی دور ہوگی بلکہ یہ قرب علاوہ اس کے اور قرب ہے کہ جس کو کہیں [1] وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور کہیں هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو اہلِ ظاہر قرب علمی کہتے ہیں' وہ ہم سے شہ رگ تو کیا ہماری ذات اور ہمارے وجود سے بھی تو زیادہ قریب ہے مگر اس حجاب جسمانی کی وجہ سے وہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔ کبھی جو دعا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس میں کوئی حکمتِ الٰہی ہوتی ہے۔ ملحدانہ خیال کے لوگ دعا اور اس کے اثر کے منکر ہیں جس سے تمرّد پایا جاتا ہے۔ بندہ کو لازم ہے کہ ہر حاجت میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ دعا کے فضائل بے شمار ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ
وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا
وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ
فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

[1] اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

روزوں کی راتوں میں اپنی بیبیوں سے اختلاط کرنا تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشش ہو اور تم ان کی پوشش ہو۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور سے ملتے تھے سو تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر کی۔ پس (اب رات میں) ان سے ہم بستر ہو لیا کرو اور جو کچھ تمہارے لیے (اس ہم بستری سے) خدا نے مقدر کر رکھا ہے (اولاد) اس کو حاصل کرو اور جب تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممیز نہ ہو اس وقت تک کھا پی لیا کرو۔ پھر روزہ کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لیے بیٹھے ہوا کرو تو اپنی بیویوں سے اختلاط نہ کرو (یعنی رات میں بھی اختلاط نہ کرو) یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے پاس بھی نہ جانا یوں تو خدا تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

ترکیب: اُحِلَّ فعل مجہول الرَّفَثُ الخ مفعول مالم یسم فاعلہ لَیْلَةَ الصِّیَامِ ظرف ہے الرفث کا اور بعض کہتے ہیں اُحِلَّ کا۔ وفیہ نظر چونکہ رَفَثَ میں افضی کے معنی ملحوظ ہیں اس لیے اس کے صلہ میں الی آیا ب نہیں آئی۔ عَلِمَ فعل اللّٰہُ فاعل اَنَّکُمْ الخ جملہ مفعول بَاشِرُوا امر ضمیر انتم اس کا فاعل ھُنَّ مفعول اور پھر وَابْتَغُوا اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا جملہ اس پر معطوف الآن ان سب کا ظرف مِنَ الْفَجْرِ الخیط کا بیان ہے۔ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ الخ حال ہے لَاتُبَاشِرُوْھُنَّ سے۔

تفسیر: یہ آیت احکام صیام کا تتمہ ہے۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک کہ عشا نہ پڑھے اور نہ سوئے کھانا پینا جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشا پڑھ چکے یا افطار کر کے سو جاوے تو پھر اس کے لیے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح کہ اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک انصاری (کہ جس کے نام میں اختلاف ہے معاذ کہتے ہیں ابوصرمہ اور براء کہتے ہیں قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ) دن کے کام سے ہارا تھکا شام کو گھر میں آیا۔ افطار کر کے کھانا مانگا۔ کھانے میں کچھ دیر تھی سو گیا پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس لیے کہ بعد خواب کے کھانا منع تھا نہ کھایا اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف کے مارے اس کا حال تباہ ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی اور اس عرصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا کہ یا حضرت میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی ایسے ایسے واقعات بیان کئے تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر) اس آیت میں خدا نے وسعت دے کر صبح صادق تک کھانے پینے، جماع کرنے کی اجازت دے دی۔ خواہ نمازِ عشاء پڑھ کر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لاوے۔ اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ روزہ کی شب میں تمہارے لیے اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے کس لیے کہ ان سے تم سے باہم نہایت رغبتِ طبعی ہے اور ہم کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ پس ہم نے تم کو اجازت دے دی کہ تم ان سے صبح صادق تک مباشرت کر سکتے اور کھا پی سکتے ہو مگر جب اعتکاف کرنے کے لیے مسجدوں میں بیٹھو تب ان سے رات میں بھی مباشرت نہ کرو۔

رَفَثَ لغت میں فحش باتوں کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَارَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ یہاں اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو بوقتِ جماع کی جاتی ہیں اور یہاں جماع مراد ہے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا۔ اس وجہ سے کہ یہ باہم اس طرح لپٹتے اور چمٹتے ہیں کہ جس طرح لباس بدن سے لپٹا ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کو ناجائز باتوں کے روکنے میں لباس کی طرح ستر ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ جس طرح لباس مخصوص ہوتا ہے اسی طرح ان میں خصوصیت ہوتی ہے یا اس لیے کہ لباس کی طرف انسان کو رغبتِ طبعی ہوتی ہے اور وہ باعثِ زیب و زینت ہوتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ مرد عورت کا ہے۔ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ خیانت سے مراد وہ افعال ہیں کہ جو اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر بعض صحابہ سے ظہور میں آئے کہ کسی نے رات کو جماع کیا، کسی نے کھایا پیا۔ وابتغوا الخ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ جماع سے غرض اولاد ہے۔ سو اس کو طلب کرو محض قضائے شہوت مقصود نہ رکھو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ہے

کہ جو چیز جماع میں تمہارے لیے جائز کی گئی وہ لو یعنی دبر سے جماع نہ کرو اور خاص بیوی یا لونڈی سے یہ نفع لو۔ معاذ بن جبل و ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسی فعل میں شب کو تیر نہ کرو بلکہ بقدرِ ضرورت فارغ ہو کر لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ وَالْخَيْطُ الْأَبْيَضُ اور الخَيْطُ الْأَسْوَدُ سے مراد رات اور صبح صادق صبحِ صادق سے پہلے سفید ستون سا آسمان کے کنارہ سے مشرق کی جانب نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بعد سیاہی چھا جاتی ہے۔ اس کو صبحِ کاذب کہتے ہیں۔ اس وقت تک کھانا پینا سب درست ہے۔ اس کے بعد اسی سیاہی میں سے ایک سفید دھاری الٹ کر او پر تک پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر آفتاب طلوع کرآتا ہے۔ اس سفید دھاری کو صبح صادق کہتے ہیں۔ پس جب یہ دونوں دھاریاں باہم ممتاز ہو جائیں جب سے کھانا پینا' جماع ممنوع ہے کیونکہ صبح صادق سے دن شمار ہوتا ہے اور یہ ممانعت بموجب أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ غروب آفتاب تک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک سرخی غائب نہ ہو جائے تب تک بعض کہتے ہیں ستاروں کے برآمد ہونے تک ممانعت ہے۔ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں مگر جبکہ لیل عرف عرب میں غروبِ آفتاب سے گنی جاتی ہے اور نیز احادیث صحیحہ میں بھی بعد غروب کے متصلاً آنحضرت ﷺ کا افطار کرنا ثابت ہو گیا ہے تو پھر دیر کرنا تکلیفِ بے فائدہ ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ اعتکاف لغت میں کسی شے پر اپنے آپ کو مقید کرنا خواہ بھلی ہو یا بری بات۔ جیسا کہ یعکفون علی اصنام لھم میں وارد ہے لیکن شرع میں اعتکاف مسجد میں بہ نیت تقربِ الٰہی بیٹھنے کا نام ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میں دو قیدیں ٹھہراتے ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا دوسری یہ کہ کم سے کم پورے ایک دن تک بیٹھے پس بغیر روزے کے مسجد میں بیٹھنا اسی طرح روزہ بھی ہو تو دن بھر سے کم بیٹھنا اعتکاف شرعی نہ سمجھا جائے گا کس لیے کہ احادیث اور فعلِ صحابہ سے اعتکاف اسی طور سے پایا گیا ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں قیدوں کو شرط نہیں خیال کرتے کہ ان بغیر اعتکاف نہ سمجھا جائے گا۔ ہاں جو ان قیود کو مرعی رکھے تو اولیٰ ہے۔

دلائل فریقین کی ان کتابوں میں مذکور ہیں اعتکاف میں بھی اپنی بیوی سے جماع کرنا درست نہیں بغیر شہوت کے اگر ہاتھ لگ جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ معتکف سوائے حاجتِ ضروری پیشاب پاخانہ یا نمازِ جمعہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔

ابو مسلم اس آیت کے معنی میں یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں روزہ کی کوئی تشریح نہ تھی کہ کب تک کھاوے پیوے اور یہود بلکہ عیسائی اس سبب سے (کہ جہاں کہیں ان کی کتابوں میں روزہ کا حکم ہے وہاں دن رات کا روزہ سمجھا جاتا ہے) دن رات کا روزہ رکھتے تھے۔ ان کے رویہ سے مسلمان بھی یہی کرنے لگے تھے کہ رات کو بھی کچھ کھاتے پیتے نہ تھے مگر اس میں مشقت تھی اور نیز وہ آسانی کہ جو اس شریعت میں رکھی گئی ہے اس کے بھی منافی تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے صریح اجازت دے دی کہ صبح صادق تک شوق سے کھاؤ پیو یعنی رات کا روزہ نہیں۔ سو یہ سمجھنا کہ یہ آیت پہلے حکم کے لیے ناسخ ہے' غلط ہے۔ درحقیقت روزہ روح کی تازگی اور جسم کی پژمردگی کے لیے ایک عجیب نسخہ ہے اور نیز مشقت کشی کے عادی ہونے کے لیے اور تنقیۂ جسمیہ کے لیے بھی اس کے فوائد بیشمار ہیں اور اس لیے ہر ملت و مذہب میں اس کا دستور قدیم ہے اور ریاضتِ جسمانی کا مسئلہ اسلام میں ایک مہذب طریقہ پر ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ خدا نے اخیر نبی علیہ السلام کو متوسط طریق پر مبعوث کیا ہے اس لیے سحر تک کھانے پینے سے جسم کو پژمردگی مفرد محفوظ رکھا۔ کس لیے کہ افراط میں آ کر بالکل جسم کو ہلاک کرنا روح

---

۱ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ڈورے سیاہ اور سفید لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ چھوڑے۔ پس جب تک ان میں فرق نہ معلوم ہوتا تب تک کھاتے پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے اطلاع کی آپ ہنسے اور فرمایا تیرے پاس بڑے لمبے چوڑے ڈورے ہیں۔ اے صاحب ان سے مراد رات دن کے ڈورے ہیں۔ ہکذا فی صحیح البخاری۔ ۱۲ منہ

کو اس کے کمالات حاصل کرنے سے محروم کر دینا ہے اور لیکن پہلی امتوں کے نفوس چونکہ زیادہ سرکش تھے اور ان کے قوائے بہیمیہ بھی تیز تھے اس لیے بقاعدہ دوا بقدر مرض ان کو دن رات کے روزے کی ضرورت تھی۔ اسی طرح شتر بے مہار ہو کر ہر طرح کی لذات میں مستغرق رہنے سے بھی منع کر دیا۔ اسی لیے اسلام میں سحری کھانا مسنون قرار پایا۔ تسحروا فان فی السحور برکۃ کہ سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طور پر نہ کھا جایا کرو اور نہ اس کو حکام رسی کا ذریعہ بناؤ (رشوت میں دے کر) تا کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ ناجائز طور پر جان بوجھ کر کھانے لگو۔

ترکیب: لَاتَاْكُلُوْا فعل اَنْتُمْ فاعل اَمْوَالَكُمْ[1] مفعول بَيْنَكُمْ ظرف ہے تَاْكُلُوْا کا لان المعنی لا تَاْكُلُوْا بالباطل موضع نصب میں ہے بسبب تَاْكُلُوْا کے وتُدْلُوْا مجزوم ہے بسبب معطوف ہونے کے تاکلوا پر لتاکلوا کا لام تدلوا سے متعلق ہے فریقاً مفعول تاکلوا کا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ اس کا بیان وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جملہ حال ہے تاکلوا کے فاعل سے۔

تفسیر: گذشتہ آیات میں روزہ کا حکم اور اس میں مباح چیزوں کے بھی وقتِ معین تک کھانے پینے کی ممانعت تھی جو نفسِ سرکش کے زیر کرنے کے لیے بڑی عمدہ ریاضت ہے۔ ان آیات میں معنوی روزہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے ناجائز طور پر مال نہ کھا جایا کرو۔ وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں کسی کا غصب، رشوت، چوری، دغابازی، خیانت، حیلہ سازی یا معصیت کے ذرائع سے پیدا کردہ مال کھانا اور مال کو حکام رسی کا رشوت دے کر ذریعہ بنا کر لوگوں کے مال اڑا جانا مخل تمدن اور روسیاہی کا بھی باعث ہے۔ ان گناہوں سے خصوصاً پرہیز کرنا بھی ایک قسم کا روزہ ہے اور نیز روزوں کی راتوں کو کھانے کی اجازت تھی۔ اس جگہ بتا دیا کہ کھاؤ تو مال حرام نہ کھایا کرو۔ اس مناسبت سے اس مسئلہ کا بھی ذکر ہوا اور اس کے بعد اور بھی ممنوع چیزوں کا ذکر ہوتا ہے اور مفید اعمال کی تاکید فرمائی جاتی ہے تا کہ معنوی روزہ کی تکمیل ہو جائے۔

تدلوا ادلا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کنوئیں میں ڈول ڈالنا قال تعالیٰ فادلی دلوہ مگر اس سے مراد بذریعہ رشوت حکام سے ربط پیدا کرنا تا کہ لوگوں کے مال ناحق مارے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ

[1] اموالکم کے بظاہر معنی اپنا مال ہے۔ پھر اپنے مال کو بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ سے کھانے کے کیا معنی! اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ اَمْوَالَكُمْ سے مراد اپنے لوگوں کا مال ہے جو ایک معنی سے اپنے بھائیوں کا مال اپنا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اَمْوَالَكُمْ کے ساتھ تعبیر کرنا شفقت دلانا مقصود ہے کہ یہ بھی تمہارا ہی مال ہے اس کو بے دریغ ناجائز حیلوں سے نہ کھا جایا کرو۔ دوم اپنا مال بھی باطل طریقوں سے کھانا درست نہیں۔ اسراف، فضول خرچی، عیاشی، کھیل تماشے، لہو ولعب میں صرف کرنا ناجائز طریقوں سے کھانا ہے۔

پہلی صورت ناجائز طریقہ سے کھانے کی یہ صورتیں ہیں دغا فریب دے کر کھانا رشوت اور سود میں دینا لینا۔ رمل، جفر، نجوم وغیرہ شعبدوں سے مال لینا، جھوٹے، ٹوٹکے، فال وغیرہ سے حاصل کر لینا، فتووں رشوت لینا حکام اور اس علامت کا رشوت لینا دھوکے سے لینا سب باطل مال کھانا ہے جو اس آیت سے حرام ہے۔

أَبْوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

(اے نبی) آپ سے ہلالوں (چاندوں) کی حقیقت پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ یہ تو لوگوں کے معاملات اور حج کے اوقات بتلانے کے لیے ہیں اور یہ تو کچھ بھی نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے آیا کرو لیکن نیکی تو اس کی ہے کہ جو پرہیز گاری کرتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ترکیب: يَسْئَلُوْنَ فعل فاعل كَ مفعول عَنِ الْاَهِلَّةِ متعلق ہے يَسْئَلُوْنَ سے هي مبتداء مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ معطوف عليه وَالْحَجِّ معطوف مجموعہ خبر الْبِرُّ اسم لَيْسَ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوت اس کی خبر۔

تفسیر: جبکہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو چاند کے حساب سے رمضان اور شوال کا اور نیز حج کے مہینوں کا حساب وشمار عرب کے قدیم عادت کے موافق ایک ضروری بات ہو گئی۔ اس لیے بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے ہلالوں سے سوال کیا کہ اس میں کیا سِرّ ہے کہ اول راتوں میں چاند باریک خمدار ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے۔ آخر پھر وہی باریک خمدار ہو جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ علمِ ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان ان پڑھ لوگوں کو لیاقت نہ تھی' مفت الجھن میں پڑ جاتے۔ اس لیے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا کہ یہ لوگوں کے معاملات اور اوقات بتاتے ہیں۔ چاندوں سے مہینے اور مہینوں سے سال و برس بنتے ہیں۔ عرب کے نزدیک صاف اور موٹا حساب جس کو ہر ایک سمجھ سکے چاندوں ہی سے تھا اور اب بھی ہے۔ اس جواب سے دو باتوں کی تعلیم ہو گئی۔ اول یہ کہ جن اشیاء کے حقائق و اسرار سمجھنے کی لیاقت نہ ہو ان سے سوال کر کے اپنا اور مجیب کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ بیکار باتوں میں مصروف ہونا تضیعِ اوقات ہے۔ دوم یہ کہ اگر کوئی اس قسم کا سوال کرے بھی تو جہاں تک اس کے مفید مدعا ہو بتلا دینا چاہیے' زجر و توبیخ کرنا خلافِ اخلاق ہے۔

ہلال اول رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اہلہ آتی ہے۔ چونکہ یہ ذکر جواب میں آ چکا کہ حج کا وقت بھی بتلاتے ہیں اس مناسبت سے حج جیسی عمدہ عبادت میں جو کچھ عرب کے جاہلوں نے تعریف کر رکھی تھی اور لطف یہ کہ اس کو نیکی سمجھے ہوئے تھے اور اصلی نیکی سے بے خبر تھے۔ اس لیے اس کی تعریف اور جملہ نیکیوں کے اصل الاصول کو بتا دیا۔ احرام باندھنے کے بعد جو عرب کے لوگوں کو گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی تھی تو پسِ پشت سے آتے تھے تا کہ دروازے سے آنے میں حج سے اعراض نہ پایا جاوے۔ فرما دیا یہ کچھ بھی نیکی نہیں آؤ تو دروازوں سے آیا کرو واتوا البیوت من ابوابھا حکمت کا ایک بیش بہا گوہر ہے جس میں اشارہ ہے کہ جس کام کو کرو اس کے رستے سے کرو' اسبابِ عادی کو اور اس کے مناسب تدابیر کو عمل میں لاؤ۔ یہ دنیا و دین کے سب کاموں کو حاوی ہے۔ اصلی نیکی کیا ہے اتقوا اللہ خدا سے ڈرنا اور پرہیز گاری کرنا جملہ ممنوع امور سے الگ رہنا خواہ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال ہوں اور اسی پر فلاحِ دارین وابستہ ہے لعلکم تفلحون سعادت کے گھر کا یہی دروازہ ہے۔ یہ بھی معنوی روزہ کا تتمہ بیان تھا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ

ل واتوت البیوت من ابوابھا کلامِ حکمت ہے جو بہت سے معانی جلیلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے از انجملہ یہ کہ جو کام کرو اس کے قاعدہ اور دستور سے کرو خلاف کام کرنا گھر میں پس پشت سے آنا ہے۔ گھر سے مقصود کی طرف اور دروازہ سے اُس کے رستہ اور قاعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۗ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور (اے مسلمانو!) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں لڑو اور زیادتی نہ کرو۔ خدا ہرگز زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکال دو کہ جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے) اور[1] فساد تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور ان سے خانہ کعبہ کے پاس نہ لڑو۔ جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔ کافروں کو ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجاویں تو خدا غفور رحیم ہے اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور سب[2] اللہ کا دین ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی جائز نہیں۔

ترکیب: قاتلوا فعل انتم اس کا فاعل فی سبیل اللہ اس کے متعلق الذین یقاتلونکم جملہ مفعول ولا تعتدوا معطوف ہے قاتلوا پر اللہ اسم ان لایحب الخ خبر واقتلوا فعل انتم فاعل ھم مفعول حیث متعلق ہے اقتلوا سے وقس علیہ اخرجوھم والفتنۃ مبتدا اشد الخ خبر حتی بمعنی کے اور ممکن ہے کہ بمعنی الی ان ھو لا تکون کان تامہ اور یکون میں بھی کان تامہ اور جو دونوں کو ناقصہ کیا جاوے تو للہ خبر عدو ان اسم لا الاعلی الظالمین خبر لا۔

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ نیکی گھروں میں پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ نیکی تقویٰ ہے اور تقویٰ کی بڑی شاخ اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر زمین کو کفر و معاصی اور دیگر فساد سے پاک کرنا ہے جس کی بھلائی اور جس کا عام فائدہ آئندہ نسلوں تک باقی رہتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد کا حکم دیا۔ نبی ﷺ صحابہ کبار کے ساتھ بارادہ حج مدینہ سے کوچ کر کے مکہ کی طرف چلے اور جب مقام حدیبیہ[3] آئے تو کفار قریش نے آپ کو روک دیا اور کئی روز تک آپ وہاں ٹھہرے رہے اور آخر واپس چلے آئے۔ پھر اگلے سال حج کی تیاری کی اور صحابہ کو خوف ہوا کہ قریش بجنگ پیش آئیں گے اور ان مہینوں میں صحابہ جنگ کرنے کو نہایت مکروہ جانتے تھے۔ اس کشمکش میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں خدا تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی رخصت دی اور بوقت ضرورت تلوار اٹھانے کی اجازت دی کہ اے مسلمانو! خدا کی راہ میں جنگ کرو مگر زیادتی نہ کرو بچوں اور عورتوں اور بڈھوں کو نہ مارو سبز درختوں کو نہ کاٹو عہد شکنی نہ کرو۔ کس لیے کہ خدا کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں اور جب تم میں اور ان میں کوئی عہد قائم نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور جس طرح انہوں نے تم کو مکہ سے باہر نکال دیا ہے تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے ان کو مقام مقدس میں قتل کیا اور وہاں سے نکالا کیونکہ وہ وہاں فتنہ اور فساد کرتے ہیں اور فتنہ تو قتل سے بڑھ کر ہے جس کا نتیجہ خرابی بلاد اور پریشانی عباد ہے۔ مگر مسجد الحرام کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب

---

[1] یعنی اگر وہ تم پر مسجد الحرام کے پاس قتال کرنے کا الزام لگا کر بے ادبی کعبہ کا طعنہ دیں تو وہ خود اس کے مرتکب ہیں کیونکہ مسجد الحرام میں فتنہ اٹھا رکھا ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی دنیا پر سب احکام الٰہی چلنے لگیں رکاوٹ اٹھ جائے سرکشوں کے قتل اور مغلوب کرنے سے۔ ۱۲ منہ

[3] مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ ۱۲ منہ

تک کہ وہ وہاں تم سے جنگ نہ کریں اور اگر وہ وہاں حرمتِ خانہ کعبہ ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے جنگ کریں تو تم وہیں ان کو قتل کرو۔ کس لیے کہ خدا کے دشمنوں کی یہی سزا ہے اور جو وہ باز آ جاویں اور توبہ کرلیں تو خدا بھی غفور الرحیم ہے اور کفار سے لڑتے رہو جب تک کہ دنیا پر فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور احکام الٰہی پر بے روک وٹوک عمل درآمد ہونے لگے۔

متعلقات

فتنہ کے لغوی معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں اور اسی لیے نعمت اور مصیبت کو بھی فتنہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں صبر وشکر کے بارہ میں آزمائش ہوتی ہے مگر اس جگہ مراد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کفر وشرک ہے کیونکہ اس سے زمین پر فساد اور خرابی پھیلتی ہے جس سے ظلم اور باہمی قتال وجدال پیدا ہوتا ہے جو موضعِ آزمائش ہے اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فساد اور ظلم وغیرہ قبائح ہیں اور شرک وکفر بھی اس میں شامل ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اولاً یوں فرمایا کہ جو تم سے لڑے تو تم بھی اس سے لڑو اور مسجد الحرام کے پاس حتی المقدور جنگ سے اولاً باز رہو گویا یہ جنگ بحالتِ مدافعت ہے مگر زمین کا ہر قسم کی برائی اور جور وظلم سے پاک کرنا عالم بالا کا اصل منشا تھا اور اس لیے خدا تعالیٰ نے عرب کے ملک میں وہ نبی برپا کیا کہ جس کی اجمالی خبر کتبِ مقدسہ بالخصوص ۵۰ زبور[1] میں ہے اور جس کی معرفت زمین پر آسمانی سلطنت کا ظاہر ہونا مقدر تھا اور ان شریر لوگوں کی گوشمالی اور سزا علمِ الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ جن سے تورات ودیگر صحائف[2] میں خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ بدوں کو بھوسی[3] کی طرح چھانٹے گا اور آتشی شریعت سے بت پرستی اور شرارت کو مٹادے گا اور یہ کام بعد موسیٰ علیہ السلام کے پورا پورا سرانجام پانا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر مقدر تھا کہ آپ خدا کے نائب بن کر زمین پر ہر قسم کی نیکی پھیلائیں۔

اسی لیے حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فرما کر حکم دیا وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ قرآن مجید میں یہ اول آیت ہے کہ جس میں جہاد وقتال کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کفارِ قریش نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مسلمانوں پر نہایت ظلم وستم کیے تھے۔ یہاں تک کہ مکہ سے نکال دیا اور بہت لوگ ملک حبش میں چلے گئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو ادائے فرائض اور عباداتِ الٰہی سے روک دیا تھا۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی۔

مخالفینِ اسلام کے جہاد پر اعتراضات: مخالفینِ اسلام محض تعصب وعناد سے جہاد کے بارے میں یہ اعتراض کر کے اسلام پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ بردباری اور فروتنی اور باہمی محبت اور عفو کا مسئلہ جو اور کتبِ انبیاء بالخصوص انجیل میں ہے (کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ

---

[1] ۵۰ زبور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے یہ لکھا ہے اے پہلوان تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کر کے اپنی گردن پر لٹکا۔ ۱۲ منہ

[2] ہمارا بادشاہ آوے گا اور چپ چاپ نہ رہے گا آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے گرداگرد شدت سے طوفان ہوگا وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تاکہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے مطابق ہیبت اور شوکت سے ظہور ہوا اور دنیا میں کامل عدالت بھی کی۔ ۱۲ منہ

[3] انجیل متی کے ۳ باب میں ہے توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ (۱۱) وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے قابل نہیں۔ اس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو کہتے ہیں جمع کرے گا پھر بھوسی کو اُس آگ میں جو کبھی نہیں بجھتی (دوزخ) میں جلا دے گا۔ ۱۲ منہ

مارے تو اس کی طرف دوسرا گال کر دے اور جو تیرے لیے برا چاہے تو اس کی بھلائی چاہ) قرآن و اسلام اس سے خالی ہے بلکہ برخلاف ہے۔

(۲) برخلاف تمام انبیاء سابقین کے لوگوں پر بزور شمشیر اسلام میں لانے کی تاکید ہے اور جو اسلام نہ لاوے اس کو بے رحمی سے قتل کرنا اور اس کی جورو اور معصوم بچوں کو لونڈی و غلام بنانا اور اس کے گھر بار کو لوٹنا عام دستور اہلِ اسلام کا ہے۔

(۳) اس جہاد کے مسئلہ نے مسلمانوں کو ہر ایک قسم کے ظلم و زیادتی کی غیر مذہب والوں کے ساتھ اجازت دے دی یہاں تک کہ جو مسلمان غیر مذہب بادشاہوں کے ملک میں امن پا کر رہتے اور ان کے سایۂ حفاظت میں پرورش پاتے ہیں ان کے ساتھ بدعہدی کرنا اور جس غیر مذہب والے پر قابو پانا اس کو مار ڈالنا اور بادشاہ کے ساتھ بغاوت کرنا' بدخواہی کرنا اسلام میں باعثِ ثواب ہے حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو نہ الہام قبول کرتا ہے نہ عقل تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ امور تمدن کے بھی صریح برخلاف ہیں۔ پھر ایسی باتوں کے مروج کو کیونکر نبی کہا جاوے؟ اور اسی لیے اس وقت کے جس قدر روشن دماغ ہیں وہ بھی انتظامِ مملکت میں شریعت کو دخل نہیں دیتے اور جو اس پرانے وحشیانہ قانون پر چلتے ہیں تو ان کے ملک بھی برباد اور تنزل پذیر ہیں۔ مخالفین بالخصوص یورپ کے ملحد اور ان کے مرید مشنری ان اعتراضات پر بڑے نازاں ہیں۔ (۱) واضح ہو کہ علمِ اخلاق کے احکام دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ جن کی پابندی ہر شخص کے لیے ضروری ہے' دوسری وہ کہ جن کی پابندی کے مستحق خاص خاص لوگ بوجہ حصول مزید درجات ہیں۔ عام لوگوں سے ان پر عمل ہو نہیں سکتا مثلاً جو کوئی کسی کو قتل کرے یا چوری یا غصب سے کسی کا مال لے لیوے اور کسی قسم کی تعدی کرے اس کا معاف کر دینا خاص لوگوں کا کام ہے لیکن کوئی شریعت اور کوئی نبی اس حکم کو عام نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں ظلم و ستم کا دروازہ کھل جاوے۔ کبھی ایسی باتوں پر عمل کیا ہے! ہرگز نہیں بلکہ یہ مکارمِ اخلاق خاص لوگوں کا خاص وقت میں دستور العمل ہو سکتا ہے قانونِ عام نہیں ہو سکتا۔

ہندو اپنے مذہب کو بڑا ہی رحیم کہتے ہیں۔ آدمی تو کیا کسی جاندار کا قتل کرنا بھی روا نہیں رکھتے۔ پھر کوئی دھرماتما ہندو یہ بتلا سکتا ہے کہ اس قانون کا فائدہ اور اثر سوا اس کے صرف زبانی جمع خرچ ہو اور بھی کچھ کسی زمانہ میں ہوا ہے؟ جن زمانوں کو یہ ست جگ اور دواپر کہہ کے ان کے متبرک ہونے پر بڑی خوشی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ان میں ان کے انہیں بزرگوں کے ہاتھوں سے کہ جن کے یہ مقولے ہیں سینکڑوں آدمیوں کی جانیں تلف نہیں ہوئیں؟ مہابھارت سے کوئی ہندو ناآشنا نہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ ایسی عفو اور رحمدلی اور بردباری کی باتیں جس مذہب میں ہیں وہ خاص لوگوں کے لیے ہیں نہ یہ کہ عموماً قوم کے لیے قرآن مجید میں بھی یہ مکارمِ اخلاق بہت کچھ مذکور ہیں۔ سورہ حم سجدہ میں فرماتا ہے وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ''بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں تو برائی کے جواب میں بھلائی کر پھر جو تیرا دشمن بھی ہے وہ بھی نہایت دوست ہو جاوے گا یہ خصلت صابرین اور بڑے نصیبے والوں کو نصیب ہوتی ہے''۔ اب دیکھئے اس میں بلا لحاظ مومن و کافر ہم قوم و غیر قوم و بلا قید یگانہ و بیگانہ کس قدر رحمدلی و بردباری اور عفو کی تعلیم ہے کہ جو دوسرے گال پھیر دینے کے اندر نہیں کیونکہ اس میں تو دشمن کے ساتھ بجائے صبر کے نیک سلوک کی بھی تعلیم ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ تم عدل و انصاف کرو اور اسی پر بس نہ کرو بلکہ بلا قید مومن و کافر یگانہ و بیگانہ سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر نیک سلوک میں کوئی قید نہیں بلکہ عام رکھا ہے ایک جگہ فرمایا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ اس آیت میں بلا قید مومن و کافر اپنے بیگانوں سب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ اور اسی طرح بیشمار آیات ہیں اور

احادیثِ صحیحہ اس بارہ میں بکثرت ہیں۔ علاوہ اس کے جناب پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحم دلی اور فروتنی اور بردباری اور مخالفوں کے ساتھ قدرت پا کر نیک سلوک کرنا ضرب المثل ہے۔ ایسے صدہا واقعات فنِ سیرت میں موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ اسلامی رحم دلی اور خود پیغمبر علیہ السلام کی نرم دلی' بردباری' تواضع وعفو کا کچھ انتہا نہ تھا۔ آپ کے جانشینوں کے اخلاق و عادات بھی باوجودیکہ وہ بڑی بڑی سرسبز اور عالیشان سلطنتوں کے مالک ہو گئے تھے' نہایت رحیمانہ عفو و حلم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی بے نظیر فتوحات کا جوان کو قرنِ اول میں نصیب ہوئیں' یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔ الحاصل جس نے قرآن و احادیث کو پڑھا ہے وہ مکارمِ اخلاق سے جو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر ہو' قرآن اور اسلام کو خالی رہنے کا الزام نہیں لگا سکتا مگر اس کے ساتھ قوانینِ معدلت اور سرکشوں اور گمراہوں اور گمراہ کنندوں کے سرنگوں کرنے کا مسئلہ بھی ضرور قرآن میں ہے جس کا سلسلۂ انبیاء ہمیشہ سے خوشخبری دیتا آیا ہے اور جسکی بلحاظ ادا کرنے فرضِ منصبی مذہب کو از حد ضرورت ہے۔

(۲) اسلام میں کہیں بزورِ شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس حکم ہے تاکید نہیں بلکہ علانیہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں گمراہی اور ہدایت میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ زبردستی مسلمان ہو جاوے۔ زنا[1]' شراب خواری' قمار بازی وغیرہ رسوم کو کیوں بزور مٹایا اور کیوں بت پرستی کو جرم قرار دیا تو یہ محض بیہودہ اعتراض ہے۔ کیا اس وقت کے روشن دماغ جرائم کو بزور نہیں مٹاتے؟ اور بعد جنگ کے مخالفوں کے مال و اسباب ضبط نہیں کرتے۔ ان کو قید میں نہیں ڈالتے۔ اسی طرح اسلام آسمانی باغیوں کے ساتھ کرتا ہے اور ان کو قیدِ غلامی کی سزا دیتا ہے۔ اگر اس پر اعتراض ہے تو پھر دیندار عیسائی انبیاءِ بنی اسرائیل پر بھی اعتراض کریں کہ جنہوں نے زن و بچہ بلکہ جانوروں تک بھی مخالفوں کا زندہ نہ چھوڑا تورات اور کتاب یوشع وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) اسلام نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی' قتل و بدعہدی کی ہرگز اجازت نہیں دی نہ جس بادشاہ کے امن میں آرام پائیں اور نہ فرائضِ مذہبی کو بہ آزادی ادا کریں اس کے ساتھ بدعہدی اور بدخواہی کی رخصت دی ہے بلکہ عہد پورا کرنے کی نہایت تاکید ہے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ ابھی آیت سابقہ میں آچکا ہے اور متعدد مواضع میں آیا ہے اور احادیث میں بکثرت وارد ہے۔ ہرقل شاہِ روم اور دیگر مخالفینِ اسلام شاہوں کے ملک میں جب صحابہ تجارت یا کسی کام کو گئے انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور جو یہ اعتراض کرتا ہے وہ اسلام اور قرآن پر بہتان باندھتا ہے یا ناواقف ہے۔

جہاد کے مواقع: اسلام صرف ان چند صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے اور حسبِ ضرورت تاکید بھی فرماتا ہے۔ اول یہ کہ مخالفینِ اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ احزاب کا واقعہ۔ دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمانوں اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہیں اور پھر کفار ان کو ادائیگیِ مراسمِ مذہبیہ سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم و تعدی کرنا شروع کریں جیسا کہ کفارِ قریش نے مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسمِ اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر کسی دارالاسلام میں چلے جاویں اور اس کو ہجرت کہتے ہیں۔ یہ ایسی حالت میں فرض ہے جیسا کہ صحابہ اور خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ اس صورت میں باہر جا کر جمعیت بہم پہنچا

---

[1] پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے جانشینوں نے مصلحتِ ملکی' مذہبی کے لحاظ سے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ غیر مذہب جزیرۂ عرب میں رہنے نہ پائے باہر چلا جائے اس کے سوا اور ممالک میں مسلمان اور مشرک غیر مذاہب کے لوگ سلطنت کے مطیع رہ کر مساوی درجوں پر بود و باش کے مجاز تھے پر عرب سے باہر کرنے کو اگر کسی نے بزورِ شمشیر اسلام لانے پر مجبور کرنا سمجھ لیا ہے تو یہ اُس کی خوش فہمی ہے اسلام بے قصور ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

کر ضرور مخالفین کو مغلوب کریں جس طرح کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے آ کر مکہ فتح کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت و شوکت اور سامان حرب و قتال بہم پہنچا کر اپنے آس پاس کے بادشاہوں اور قریب و بعید کے ملکوں کو دینِ حق کی منادی کریں اور بت پرستی اور دیگر رسومِ قبیحہ ترک کرنے اور امورِ فطرت کے اختیار کرنے کا حکم دیویں (کس لیے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے راستی اور آسمانی سلطنت قائم کرنے کے لیے جناب نبی ﷺ کو بھیجا ہے جیسا کہ کتبِ مقدسہ سے بھی ثابت ہے اور آپ کے بعد الی یوم القیامۃ آپ کے جانشین اس کام پر مامور ہیں)۔ اگر وہ لوگ امرِ حق اختیار کرلیں اور فساد سے باز آویں تو ان سے کچھ نہ کہیں اور نہ ان کو ماتحتیِ اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو اخیر درجہ جس طرح آج کل مہذب گورنمنٹیں دفعِ فساد کے لیے فوج کشی کرتی ہیں، شاہِ اسلام لشکر کشی کرے جیسا کہ شام و ایران وغیرہ بلاد پر صحابہ نے لشکر کشی کی مگر لڑکے، عورتوں، بڈھوں کو نہ مارے کھیتیاں نہ اجاڑے۔ پس ان صورتوں میں جبکہ طرفین سے جنگ قائم ہوئی ہے تو سوائے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کے اور کیا ہوتا ہے؟ جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں میں ہے اور انہیں کے لیے قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور انہیں میں مارے جانے سے شہادت ملتی ہے اور انہیں کے اجر و ثواب قرآن مجید میں جا بجا مذکور ہیں۔ باقی اور سب صورتوں میں وہی رحمدلی اور عفو ورنہ عدل و انصاف اب فرمائیے کونسا اعتراض ہے؟[1]

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

---

[1] اور جو نا انصاف یہود و نصاریٰ اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں اور ملحدانہ طور سے کہیں کہ قرآن نے ریلجس لبرٹی اور کانشنس کا ستیاناس کر دیا اور مذہبی آزادی کو باقی نہ رکھا اور آسمانی حقوق کے لیے کیوں تلوار اٹھائی اور کیوں کافروں پر قہر و غضب ظاہر کیا۔ تو اس سے پیشتر وہ بائبل اور اپنے دینی پیشواؤں پر بھی اعتراض جماویں کہ جنہوں نے مذہبی جنگ قائم کی اور جنہوں نے کفار سے عہد باندھنے کی بھی سخت ممانعت کردی۔ چنانچہ توریت سفر خروج کے ۲۲ باب ۱۸ ادرس میں ہے تو جادوگرنی کو جینے مت دے جو کوئی چار پائے سے مباشرت کرے مارا جائے جو کوئی خدا کے سوا اور معبود کے لیے قربانی کرے مارا جاوے عذاب دے کر پھر ۱۷ باب میں قوم عمالیق سے جنگ کی اور نسل در نسل ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر ۲۳ باب میں خدا کا کفار سے دشمنی رکھنا اور تمام کفار کی ہلاکت کا وعدہ کرنا اور ان سے معاہدہ کرنے کی سخت ممانعت مذکور ہے۔ پھر ۳۲ باب میں بسبب گوسالہ پرستی کے بھائی کو بھائی اور دوست کو دوست کے ہاتھ سے قتل کرنے کا حکم اور نیز ہزاروں کا قتل ہونا بھی مندرج ہے۔ پھر کتاب استثناء کے ۲ باب میں جسوں کے بادشاہ موری سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ پھر ۳ باب میں عوج کو اس کی تمام قوم سمیت قتل کرنا مذکور ہے جس میں ان کی عورتیں اور معصوم بچے بھی بحکم خدا قتل کئے گئے۔ اسی طرح سینکڑوں مقامات ہیں۔ پھر کتاب یشوع کو دیکھئے کہ اس میں کافروں کے ساتھ کیا بے رحمانہ برتاؤ لکھا ہے اور زن و مرد جانداروں تک نبی نے تہ تیغ بے دریغ کیا ہے۔ اب عیسائیوں کے بزرگوں کی طرف آیئے قسطنطین اعظم نے عیسوی چوتھی صدی میں مذہبی قتل عام کیا۔ پھر ایرین چرچ نے مقلدین اتاسیس کو کس بے رحمی سے افریقہ میں قتل کیا اور روس چرچ کرنے جرمن و برطانیہ و فرانس میں اور اٹلی کے شمال میں الپس کے پہاڑوں میں دریائے خون خاص مذہب کے لیے بہائے۔ آسٹریا میں تیس برس تک مذہبی جنگ رہی۔ ملک فرانس میں چارلس نہم عیسائی نے تین لاکھ پراٹسٹنٹ کو بے رحمی سے قتل کیا بلکہ کوئن میری اور لوئیس چہار دہم نے کیسا قتل عام مذہب کے لیے کیا اور ہنری ششم شاہ انگلستان نے کاتھولیک لوگوں کو قتل کر کے مذہب پراٹسٹنٹ پھیلایا۔ پھر انگلستان میں ایک سو تیس برس تک پراٹسٹنٹوں نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لیے کیسے کیسے ظلم و ستم کئے۔ پھر جان کالوں نے شاہ سرویس کو ترغیب دی کہ جو ہمارے مذہب کو نہ مانے قتل کیا جاوے۔ پھر اسپین میں مسلمانوں پر پادریوں نے کیا کچھ جور و ستم نہ کئے۔ ہندوؤں میں ویدیوں اور بدھ مذہب والوں میں سالہا سال تک کیسے کیسے قتلِ عام ہوئے۔ پس اگر مذہبی آزادی خدائی حکم ہے تو یہ ان رحم دل لوگوں نے کیوں کیا اور اب روشن دماغ گورنمنٹیں دنیاوی حقوق کے لیے اور محض انسانی آزادی مٹانے اور بنی نوع کو غلامی کی قید میں لانے کے لیے کیسی کیسی خونریزی کیا کرتے ہیں اور کیسی کیسی مکر و فریب اور بدعہدی و بے رحمی کا استعمال کرتی ہیں جو انسانی سیرت کے لیے بدنما دھبہ ہے۔ ۱۲ حقانی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ مع

حرمت والے[1] مہینے کا بدلہ حرمت والا ہے اور سب قابلِ تعظیم باتوں کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر (اسی قدر) زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کا ساتھی ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی سے پیش آؤ۔ بے شک خدا نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترکیب: الشھر الحرام مبتدا بالشھر الحرام ای مقابل بالشھر الحرام خبر والحرمات جمع حرمۃ ما منع من انتہا کہ والقصاص المساوات فمن اعتدی شرط فاعتدوا الخ جواب بمثل میں بعض کہتے ہیں۔ ب زائد ہے بعض کہتے ہیں تھلکۃ تفعلہ من الھلاک۔

تفسیر: عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ ذی القعدہ اور ذی الحج وغیرہا چند مہینوں کی نہایت تعظیم و حرمت کرتے تھے۔ ان مہینوں میں باہمی قتال وجدال کو بھی سخت مکروہ جان کر ترک کرتے تھے اور اسی لیے ان مہینوں کو اشہر الحرام کہتے تھے۔ پس جبکہ مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت ہوئی اور آنحضرت ﷺ مع لشکر ہجرت کے ساتویں سال ذی العقدہ میں مکہ حج وغیرہ کے لیے چلے اور سال گذشتہ میں بمقام حدیبیہ کفار نے روک دیا تھا تو صحابہ کو جنگ کا یقین ہو گیا مگر شہر حرام کی وجہ سے دل میں خیال پیدا ہوا اسی لیے اس آیت کو خدا نے نازل فرما کر شبہ حل کر دیا کہ جس طرح انہوں نے شہر حرام میں اگلے سال تم کو روک دیا تھا۔ اسی طرح تم بھی اس سال شہرِ حرام میں ان پر چڑھے دونوں برابر ہو گئے۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہما) یا یوں کہو اگر وہ شہرِ حرام کا اور حرمات یعنی تعظیم کی چیزوں کا (جیسا کہ مہینہ حج کا اور شہرِ مکہ اور مسجدِ حرام) لحاظ اور ادب کریں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی لحاظ و ادب کر کے ان سے نہ لڑو۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں میں اور ان مقامات میں تم پیش دستی نہ کرو۔ ہاں اگر وہ ابتداء کریں تو تم پر بھی ان پر اسی قدر تعدی کرو لیکن حد سے زیادہ نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور اس کو خوب سمجھ رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کا ساتھی ہے۔ اگر تم پرہیز گاری کرو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا' تم فتح پاؤ گے۔ پھر جب دفعِ شر و فساد کے لیے جہاد کا حکم دیا تو اس کے ساز و سامان بہم پہنچانے کا بھی حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں مال صرف کرو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آ جاویں گے۔ اس صورت میں گویا تم نے آپ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالا سو ایسا نہ کرو یا یہ معنی کہ خدا کی راہ میں صرف کرو نہ ایسا کہ بالکل محتاج ہو جاؤ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ یا یہ معنی کہ گو ہم نے جہاد کا حکم دیا ہے مگر بغیر ساز و سامان یوں ہی اپنے سے قوی تر لوگوں سے لڑ کر نہ مر جاؤ کیونکہ اس سے مقصودِ شرع جو دفعِ فساد ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سورما کیا کر سکتا ہے! جہاد کے حکم کو احسان کے ساتھ ختم کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ قتال و جہاد اپنے موقع پر ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمہ وقت خونخوار بنے رہو بلکہ نیکی اور احسان کی عادت پیدا کرو۔

---

[1] یعنی اگر وہ حرمت والے قابلِ تعظیم مہینے کا لحاظ اور پاس کریں تو اسلام کی طرف سے بھی ادب اور لحاظ ہے۔ قتال ممنوع ہے۔ اسی طرح اور جس قدر قابلِ تعظیم چیزیں ہیں جیسا کہ حرم اور مسجد الحرام ان کا بھی اگر وہ ادب ملحوظ رکھیں اور قتال وجدال نہ کریں تو مسلمانوں کو بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اگر وہ ادب نہ کریں تو اس مہینے اور ان قابلِ تعظیم چیزوں کو آڑ بنا کر مسلمانوں پر ظلم اور قتال کا وہ موقع حاصل نہیں کر سکتے۔ حرمت والا مہینہ حج کا مہینہ ہے اس کی تعظیم ایامِ جاہلیت میں بھی عرب کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی یہ بات ان میں باقی تھی۔ ۱۲ منہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴ ۸

اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔ پس اگر تم روکے جاؤ (راستہ میں) تو جو کچھ قربانی میسر آئے (ذبح کردو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے پس جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جاوے یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈادے) تو اس کے بدلہ میں روزے یا صدقہ یا قربانی لازم ہے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کرنی چاہیے اور (قربانی) نہ پائے تو اس کو تین روزے ایام حج میں رکھنے چاہییں اور سات جبکہ وطن میں واپس آؤ یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ اس کے لیے ہے کہ جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا بھی ہے۔

ترکیب: اَتِمُّوا امر انتم اس کا فاعل الحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مفعول لِلّٰهِ کا لام متعلق ہے اتموا سے فان اُحْصِرْتُم شرط فما موضع رفع میں ہے بسبب ابتداء کے اور خبر محذوف ہے فَعَلَيْكُمْ یہ تمام جملہ جواب شرط ہے محلہ ظرف مکان اور زمان دونوں ہو سکتا ہے فَمَنْ كَانَ الخ شرط فَفِدْيَةٌ الخ جواب فَاِذَا موضع نصب میں ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ شرط موضع ابتداء میں فَمَا اسْتَيْسَرَ جواب پس فَمَنْ اور اس کا جواب جملہ شرطیہ جواب ہے۔ اِذَا کا فمن شرط فَصِيَامُ الخ جملہ جواب۔

تفسیر: اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا تھا تو اس کی شانِ نزول میں آپ جان چکے ہیں کہ یہ حکم جب نازل ہوا تھا کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حج و عمرہ کے لیے مکہ میں آنا چاہتے تھے۔ کفار نے بمقام حدیبیہ آپ کو روک دیا تھا۔ پھر اگلے سال آپ نے عمرہ ادا کیا۔ پس چونکہ حج و عمرہ کا بیان تھا تو اس کے مانع کو دفع کرنے کے بعد احکام حج و عمرہ کا بیان شروع فرمایا۔ کس لیے کہ یہ بھی ایک بڑی عمدہ عبادت ہے۔ چنانچہ اس کے اسرار اور فوائد ہم آگے چل کر بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ حج و عمرہ کے بارے میں یہ سب سے اول آیت ہے اور پھر دیگر مقامات میں بھی اس کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ میں اسی مقام پر اور پھر آل عمران میں اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الخ اس آیت میں حج کی فرضیت ہے، پھر سورہ مائدہ کے اول میں فرماتا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ الآیہ کہ تمہارے لیے وہ مویشی حلال کئے گئے کہ جو حرام ہونے سے مستثنیٰ ہیں مگر حالتِ احرام میں شکار نہ کرو اور خدا کی نشانیوں اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیوں کو اور حج کرنے والوں کو بے حرمت نہ کرو۔ پھر سورہ مائدہ کے بارہویں رکوع میں یہ فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ

قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ الآیۃ اس آیت میں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ہے اور جو کوئی شکار کرے تو اس کے بالعوض اور جانور ویسا ہی کعبہ کو قربانی کے لیے بھیجے یا مسکین کو کھانا کھلائے ورنہ روزہ رکھے اور دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت دیتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ کعبہ بیت الحرام ہمیں نے بنایا ہے اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیاں جو کچھ جا کر ذبح ہوتی ہیں اور حرمت کا مہینہ ہمارے حکم سے مقرر ہوا ہے۔ پھر سورہ حج کے تیسرے رکوع میں حج اور قربانی خانہ کعبہ کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ○ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ○ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ○ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ان آیات میں خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان دے دو' پھر تمہارے پاس ہر جانب سے لوگ حاضر ہوں گے (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی) تا کہ وہ اپنے منافعِ دنیا و آخرت دیکھیں اور ایام تشریق تک خدا کے لیے تکبیر کہیں کہ اس نے ان کے لیے چار پائے بنائے۔ ان چار پایوں کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی دو۔ پھر اس قربانی کے بعد (جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے) اپنا احرام کھول کر میل کچیل دور کرو اور اپنی نذریں پوری کرو (قربانی مانی ہو تو جانور قربانی کرو) اور کعبہ کا طواف کرو (اس کو طواف زیارت کہتے ہیں) الخ ہم نے تمہارے لیے مواشی میں منافع رکھے ہیں۔ ان سے ہر طرح کا کام لو' پھر آخیر یہ کہ اس کو کعبے کی قربانی کے لیے بھیجتے ہیں الخ اور اونٹوں میں ہم نے تمہارے لیے بہتیرے اور فوائد رکھے ہیں۔ وہ ہماری قدرت کا نمونہ ہیں۔ اس کے پاؤں باندھ کر تکبیر کہو پھر جب وہ زمین پر گر پڑے تو اس کو خود بھی کھاؤ اور محتاج' بے سوال کو اور سوالی کو بھی دو۔ الخ اور خدا کے پاس نہ اس کا خون جاتا ہے نہ گوشت بلکہ صرف تمہارا تقویٰ۔

اب ہم آپ کو سورہ بقرہ کی اس آیت کا جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں' پیشتر صاف صاف مطلب سمجھاتے ہیں۔ پھر اور ابحاث شروع کرتے ہیں۔ فرماتا ہے اے مسلمانو! خدا کے لیے حج و عمرہ پورا کرو یعنی شروع کر کے ناتمام نہ چھوڑو اور ان کے شروط و ارکان میں بھی کچھ کمی نہ کرو اور نیت بھی اس کے لیے کرو اور جو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں روکے جاؤ خواہ بسبب مرض کے یا بسبب دشمن کے جیسا کہ اس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقامِ حدیبیہ قریش نے روک دیا تھا یا کوئی اور سبب پیش آوے جیسا کہ دریائی سفر میں جہاز والوں کو پیش آتا ہے۔ ان صورتوں میں ایک قربانی خواہ بکری خواہ اونٹ جو میسر آوے کعبہ کو بھیج دو جب جانو کہ وہاں ذبح ہوگئی ہوگی تو احرام کھول دو اور سر منڈ والو۔ اس حج و عمرہ کو آئندہ برسوں میں ادا کر دو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو ذبح وہیں کرے جہاں وہ روکا گیا ہے اور احرام کھول دے کیونکہ محل کے معنی ان کے نزدیک یہی ہیں اور جو بعد احرام کے کوئی مرض لاحق ہو یا سر میں جوئیں اس طرح سے پڑ جائیں کہ بہت تکلیف ہو

یا اور کوئی وجہ ایسی پیش آوے کہ جس میں سر منڈانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈ واے لیکن اس کے بدلہ میں قربانی کرے[1]۔ ورنہ مساکین کو کھانا کھلائے اور جو مقدور نہ ہو تو روزہ رکھ دے اور جو کوئی حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے تو اس کو جو قربانی میسر آوے ذبح کرنی چاہیے اور جس کو مقدور نہ ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دس روزے رکھ دے تین تو ایامِ حج میں دسویں تاریخ تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے اپنے گھر جا کر رکھے۔ اذا رجعتم کے ان کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ یہ یعنی حج کا عمرہ سے ملانا اس کو درست ہے کہ جو مکہ یا میقات کے اندر کا رہنے والا نہ ہو بلکہ باہر کا رہنے والا ہو۔ کس لیے کہ اہلِ مکہ یا جو اس کے آس پاس رہتے ہیں پھر جب چاہیں عمرہ جداگانہ کر سکتے ہیں۔ ایامِ حج میں اس کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ذلک یعنی یہ قربانی یا اس کے بدلہ میں روزہ رکھنے کا حکم اس کے لیے ہے کہ جو اہلِ مکہ نہ ہو یا اس کے آس پاس کا نہ ہو کیونکہ یہاں کے لوگوں پر تمتع میں نہ قربانی لازم ہے نہ روزہ۔ پس ذلک کا اشارہ اس کی طرف ہوا۔ یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہوا اس میں یہ چار حکم تھے۔

متعلقات

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ حج لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور حِج بالکسر برس کو ثمانیہ حج اور شرع میں افعالِ مخصوصہ کو کہتے ہیں جس میں ارکان اور واجبات اور مستحبات ہیں جن کی تشریح ہم سب آیاتِ حج کے بعد کریں گے۔

عمرہ: صرف طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام ہے یعنی حل سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کرنا پھر سر منڈا کر احرام کھولنا اور عمرہ میں یہ قید نہیں کہ حج کے ایام میں ہو بلکہ تمام سال عمرہ جائز ہے۔ البتہ عرفہ کے دن اور دسویں تاریخ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ اتموا کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج و عمرہ شروع کیا ہو تو اس کو پورا کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداءً حج و عمرہ کرنا مراد ہے۔ دلائلِ فریقین ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج و عمرہ دونوں واجب ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج واجب ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الآیۃ سے اور عمرہ سنت ہے۔ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ احصر کے معنی رکنے اور بند ہو جانے کے ہیں۔ عام ہے کہ مرض کی وجہ سے راستہ میں حاجی احرام باندھنے کے بعد رک جائے۔ جیسا کہ ابی عبیدہ اور ابن السکیت اور زجاج وغیرہم اہلِ لغت کہتے ہیں اور خواہ کسی دشمن نے روک دیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دشمن نے اس کو روکا ہو کیونکہ احصار سے مراد یہاں یہی ہے الھدی جمع ھدیۃ کما تقول تمر و تمرۃ لیکن اہلِ حجاز اس کو بغیر تشدید اور بنو تمیم بالتشدید پڑھتے ہیں۔ ہدی میں اعلیٰ اونٹ اور ادنیٰ درجہ میں بکری ہے۔ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ محل ظرف زمان و مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مراد مکان ہے یعنی حرم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں زمان خواہ حرم میں ذبح کی جاوے خواہ حل میں۔

پس آیت کا مطلب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہوا کہ جو کوئی احرام باندھنے کے بعد دشمن یا مرض سے راستہ میں رک جائے اور حج کو نہ آسکے تو اس کو لازم ہے کہ ایک قربانی (ہدی) مکہ کو روانہ کر دے جب جانے کہ وہاں پہنچ گئی اور ذبح ہو گئی تو سر منڈا کر احرام کھول دے اس

---

[1] اگرچہ آیت میں روزہ اور طعامِ مساکین کی کچھ تشریح نہیں مگر حدیثِ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ میں کہ جس کو اہلِ صحاح ستہ نے روایت کیا ہے تصریح آ گئی ہے۔ وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعب کے پاس سے گزرے اور وہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور سر میں سے جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تجھ کو یہ تکلیف دے رہی ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اچھا تو سر منڈوا دے اور تین روزے رکھ لے ورنہ تین صاع کا ایک فرق یعنی ٹوکرا چھوہاروں کا چھ مسکینوں کو دے ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ ان تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کر۔ ۱۲ منہ

کی قضا پھر ادا کر دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو دشمن کی وجہ سے یہ حالت پیش آئے تو جہاں رک گیا ہے وہیں قربانی ذبح کر کے احرام کھول دے اور آیندہ قضا پوری کرے۔ ہدی کو حرم میں بھیجنا کچھ ضرور نہیں اور جو وقت پر ہدی میسر نہ آوے تو قیمت ہدی مساکین کو دینا کافی ہے۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا جمہور مفسرین کے نزدیک یہ جدا جملہ ہے جس کا حکم محصر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اسی طرح بعد احرام کے جو کسی کو مرض کی وجہ سے خوشبو لگانے یا احرام کے برخلاف کپڑوں کے پہننے کی ضرورت پڑے' اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس فدیہ میں قربانی کرے یا کھانا کھلاوے یا تین روزے رکھے۔ سر میں جوئیں یا مرض کی صورت میں سر منڈانے فدیہ دینے کی اجازت پر یہ بھی قیاس کئے گئے ہیں۔ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ واضح ہو کہ حج کی تین قسم ہیں۔ اول افراد یعنی ایامِ حج میں مواقیت یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے اور مکہ میں پہنچ کر پہلے طوافِ قدوم کرے یعنی سات بار کعبہ کے گرد پھرے اور فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے متصل دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور پھر احرام نہ کھولے۔ یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو مقامِ منیٰ میں شب باش ہووے اور پھر نویں کی صبح کو بمقامِ عرفات جاوے اور شام تک وہاں رہے اور بعد غروب کے وہاں سے چل کر مزدلفہ میں آرہے اور بڑے تڑکے اٹھ کر دسویں کو پھر منیٰ میں آوے اور تینوں جمروں میں سے پہلے اس جمرہ کو کہ جو مکہ کی طرف ہے' سات کنکریاں مار کر قربانی کرے اور سر منڈا کر احرام کھول دے اور عورتیں کسی قدر سر کی لٹ کتریں۔ اس کے بعد سوا جماع کے سب باتیں حلال ہو گئیں۔ پھر اس روز یا اگلے روز یا تیسرے روز کعبہ کا جا کر طواف کرے اور اس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ اب اس کو جماع بھی حلال ہو گیا۔ اگر اسی روز طواف زیارت کو گیا تھا تو لوٹ کر پھر منیٰ آجاوے اور اقل مرتبہ دو روز تک بعد زوالِ آفتاب تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مارے اور ابتداء اس سے کرے کہ جو عرفات کی جانب ہے' بس حج تمام ہو گیا۔

دوم قرآن یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی نیت کرے اور مکہ میں آکر پیشتر عمرہ کرلے مگر احرام نہ کھولے اور پھر آٹھویں تاریخ حج کے افعال شروع کرے۔ باقی سب باتیں وہی ہیں مگر اس پر نویں تاریخ قربانی واجب ہے اور اس قربانی کو دمِ قرآن کہتے ہیں اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ تین نویں تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔

سوم تمتع کہ حج و عمرہ دونوں کی جداگانہ نیت کرے اور پہلے عمرہ تمام کر کے احرام کھول دے۔ پھر آٹھویں تاریخ کو کہ جس کو یوم الترویہ کہتے ہیں' مسجد الحرام یا حرم کی عام جگہ سے احرام باندھ کر حج کے تمام افعال ادا کرے اور اس کو بھی نویں تاریخ قربانی کرنی واجب ہے اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ اس آیت میں خدا تعالیٰ حج اور عمرہ دونوں سے ثواب حاصل کرنے والوں کو قربانی اور روزے کا حکم دیتا ہے یہ قران اور تمتع دونوں کو شامل ہے۔ اونٹ سے لے کر گائے بیل دنبہ بکری جو میسر آئے اللہ کے نام سے ذبح کر دے بمقامِ منیٰ۔ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے مراد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاص اہلِ مکہ ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو مسافتِ قصر نماز کے اندر ہیں وہ بھی مسجد الحرام کے حاضرین میں شمار ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بلکہ وہ لوگ کہ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں واللہ اعلم۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اس لیے فرمایا کہ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ سے یہ نہ سمجھ لے کہ وجمع کے لیے نہیں بلکہ تخییر کے لیے جیسا کہ مثنیٰ وثلث ورباع میں ہے کہ خواہ کوئی تین روز ایامِ حج میں روزہ رکھ لے یا سات بعد حج کے رکھ لے۔ پس جب تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ کہا کہ یہ پورے دس ہوئے تو یہ احتمال جاتا رہا۔ کس لیے کہ جب تک سات کو تین کے ساتھ ملایا نہ جاوے۔ گنتی میں دس پورے نہیں ہوتے اس کے علاوہ اور بھی اس میں حکمتیں ہیں۔ اب ہم دوسری آیتِ حج کی تفسیر کرتے ہیں تاکہ پھر سب کے بعد مجموعۂ حج کی صورت بیان کر کے اسرار بیان کریں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

(حاشیہ: النصف)

حج کے معلوم مہینے ہیں پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو (احرام باندھنے کے بعد سے اخیر حج تک) نہ اس کو فحش بات کرنی چاہیے نہ بدکاری نہ حج میں لڑائی کرنی چاہیے اور جو کچھ نیکی کرو گے خدا کو معلوم ہو جائے گی اور (حج میں) توشہ بھی ساتھ لیا کرو۔ پھر بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرا کرو (یہ بڑی پرہیزگاری اور عمدہ توشہ ہے)۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (ایامِ حج میں) اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے پھر و تو اللہ کا ذکر کیا کرو۔ مشعر الحرام کے پاس اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تم کو بتائی ہے اور اس سے پہلے تم تو گمراہوں میں سے تھے۔ پھر [1] تم بھی وہیں سے لوٹ کر آیا کرو کہ جہاں سے سب لوٹ کر آتے ہیں اور خدا سے بخشش مانگو بے شک وہ غفور رحیم ہے۔ پھر جب

[1] مکہ سے عرفات کا میدان جہاں کہ نویں ذوالحج میں جانا اور دعا کرنا حج میں فرض ہے تقریباً سات میل شمال و مشرق کے رخ ہے۔ ایامِ جاہلیت میں قریش اس خیال سے کہ ہم کعبہ کے خادم ہیں وہاں تک نہیں جاتے تھے رستے ہی سے واپس آجاتے تھے۔ اس بات کو اس آیت میں منع کر کے حکم دیتا ہے کہ سب کو عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ اور مکہ کی طرف واپس آنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

تم ارکانِ حج سے فارغ ہو چکو تو اللہ کو اس طرح سے یاد کرو کہ جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو تو جو کچھ دینا ہے دنیا میں دے چک حالانکہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتری دے اور آخرت میں بھی نعمت عطا کر اور ہم کو آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچانا یہی ہیں وہ لوگ کہ جن کو ان کی کمائی کا حصہ ملنا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور اللہ کو گنتی کے دنوں میں یاد کیا کرو (ایامِ تشریق میں تکبیر کہا کرو) پھر جس نے کوچ کرنے میں جلدی کی دو دن کے اندر تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ یہ خدا سے ڈرنے والے کے لیے ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

ترکیب: الحَجُّ مبتداء اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ خبر والتقدیر الحج اشہر ویمکن ان یقال اشہر۔ الحج اشہر فَمَنْ فَرَضَ مبتداء متضمن شرط فَلَا رَفَثَ والعائد محذوف ای فلا رفث وَلَا فُسُوْقَ بَعْدَہٗ وَمَا تَفْعَلُوْا الخ قد مر ترکیبہ فی ما ننسخ من آیۃ الخ اَنْ تَبْتَغُوْا موضع نصب میں ہے علی تقدیر فی ان تبتغوا اور ممکن ہے کہ موضع رفع میں ہو۔ جناح کی صفت ہو کر مِنْ رَّبِّکُمْ متعلق ہے تبتغوا سے پس مفعول بہ ہوگا اور فضل کی صفت بھی ہو سکتا ہے فاذا شرط فاذکر اللہ الخ جملہ جواب عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ظرف ہے وَاذْكُرُوْا كَمَا هَدٰكُمْ کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی اور ممکن ہے کہ کاف بمعنی علی ہو تقدیرہ فاذکر اللہ علی ماہدا کم وان کنتم میں ان مخففہ ہے مثقلہ سے والتقدیر ان کنتم من قبلہ لمن الضالین واؤ اس جگہ تخییر یا اباحت کے لیے ہے اَشَدَّ ذِكْرًا میں اگرچہ لوگوں نے بہت قیل وقال کی ہے مگر صاف قول یہ ہے کہ اشد منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور یہ حال ذکراً سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو اور ذکرا تمیز ہے اشد کی یہاں ایک اشکال اور اس کا جواب ہے جس کا ذکر باعثِ تکدرِ فہم سامع ہے۔

تفسیر: یعنی حج کے چند مہینے مقرر ہیں شوال ذی القعدہ دس دن ذی الحجہ کے پس جو کوئی ان دنوں میں حج کے لیے احرام باندھے تو اس کے بعد نہ اپنی بیوی سے اختلاط کرے اور نہ کوئی بات فحش اور نہ شہوت انگیز کام کرے اور نہ کسی سے لڑائی تکرار کرے اور جو کچھ نیکی ہو سکے نہایت کوشش کر کے عمل میں لاوے۔ کس لیے کہ ایامِ تقرب میں ملاءِ اعلیٰ کو ان ایام میں بندہ کی طرف نہایت التفات ہوتا ہے۔ یعلمہ اللہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ حج میں جس طرح سفرِ ظاہری اور ایک دن ایک جگہ اجتماع عام ہوتا ہے اس سے سفرِ آخرت اور وہاں قیامت کے روز[1] خدا کے پاس جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس سفر کے لیے بھی توشہ لو اور عمدہ توشہ پرہیزگاری ہے اور ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ سفرِ حج کے لیے کچھ زادِ راہ لے کر چلا کرو اور اس قدر زادِ راہ بہتر ہے کہ جس سے سوال سے بچو۔ چنانچہ اس کے شانِ نزول میں منقول ہے کہ یمن کے لوگ بغیر زادِ راہ سفرِ حج کرتے تھے اور خرچ ساتھ لینا مکروہ جانتے تھے۔ پھر لوگوں سے سوال کر کے حاجیوں کو دق کرتے تھے۔ جیسا کہ ہندوؤں میں دستور ہے کہ بعض قومیں تیرتھ بھیک مانگ کر کرنا ثواب جانتی ہیں۔ اس لیے اس کو خدا تعالیٰ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ان دونوں مطلبوں کے لیے وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ نہایت چسپاں ہے۔ توشۂ آخرت میں بھی خدا کا خوف بڑی پونجی ہے اور سوال بندوں سے کرنا اور اس پر توکل نہ کرنا یا توشۂ راہ ناجائز کمائی کا لینا بھی محلِ خوفِ خدا ہے۔

عرب کی قومیں ایامِ حج میں تجارت کو برا سمجھتی تھیں۔ حالانکہ یہ کچھ برائی نہیں بلکہ ایسے مجامع میں کاروبارِ خرید وفروخت[2] بند ہونا

---

[1] الیہ تحشرون میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

[2] مسلمانوں کی اصلاحِ دنیا کا بھی حج ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتفاق اور خاص خاص تجاویز پر عمل کرنے کا باہمی معاہدہ کر سکتے ہیں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی انجمن ہو نہیں سکتی جہاں مشرق ومغرب کے مسلمان ہر طبقہ کے موجود ہوتے ہیں اور دینی برادری کا کمال ظاہر ہوتا ہے مگر مسلمانوں نے اس قومی آلہ کو بیکار کر رکھا ہے۔ صرف ادائے فریضہ کا کام لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ایک طرح کی مسافرانِ باخدا کے لیے تکلیف ہے اور نیز بقول شخصے دست بکار دل بیار اسلام کا شیوہ خاص ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم ان ایام میں روزی کہ جو فضلِ ربی ہے تلاش کرو یعنی تجارت کے لیے کچھ مال لاؤ تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہ توشۂ سفر حج کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اس لیے اس کو بھی اس کے ساتھ بیان فرما دیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس سے فضائل ومحامد حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایسے پاکبازوں کے مجمع سے حاصل ہو سکتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ اہلِ اسلام کے باہمی میل وجول اور ترقیِ علوم وفنون اور برکاتِ باطنیہ حاصل ہونے کا یہ عمدہ سبب ہے۔ اس کے بعد پھر بترتیب حج کو بیان فرماتا ہے کہ جب تم عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آکر شب کور ہو اور صبح کو منیٰ جانے لگو تو مشعر الحرام کے پاس کو جو مزدلفہ میں ایک مقدس پہاڑ ہے کہ جس کو قزح بھی کہتے ہیں۔ تکبیر وتہلیل کے ساتھ خدا کو یاد کیا کرو کیونکہ مقاماتِ متبرکہ میں یادِ الٰہی باعثِ نورانیتِ روح ہے اور اس میں ایک سِرّ روحانی ہے کہ جس کو ہم اکثر جگہ بیان کر آئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکرِ الٰہی کیا اور دعا مانگی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اس کے بعد قریش کی اس تحریف کو مٹاتا ہے کہ جو انہوں نے ملتِ ابراہیمیہ میں رکھی تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ اور بعض دیگر قبائل کہ جن کو حمس کہتے تھے اس خیال سے کہ ہم تو کعبہ کے زیرِ سایہ رہتے ہیں ہم کو عرفات جانا کیا ضرور ہے؟ مزدلفہ ہی تک آیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے لوٹ کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور ان کو فرماتا ہے جہاں سے اور لوگ لوٹ کر آتے ہیں اعنی عرفات سے تم بھی وہیں جا کر آیا کرو اور اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگو کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور یہ تحریف ایک گناہ ہے۔

پھر اصل مطلب کو ذکر کرتا ہے کہ تم جب منیٰ میں آکر اپنے تمام ارکانِ حج پورے کر چکو تو جس طرح کہ ایامِ جاہلیت میں تین روز تک منیٰ میں عرب کی قومیں بعد فراغ حج اپنے باپ دادا کے محامد اور بہادریوں کے شعر پڑھتے اور فخر کیا کرتے تھے اور مجمعوں میں بڑے زور کے قصائد پڑھتے تھے اسی طرح تم اے مسلمانو اپنے خدا کی یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تم اس کی خاص جماعت ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ ایسے مواضع میں بعض لوگ کوتاہ نظر خاص دنیا ہی کے لیے دعا کرتے ہیں اور اسی کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔ دارِ آخرت پر ان کا یقین نہیں لیکن جن پاکبازوں کے سامنے آخرت کھڑی ہے وہ جس طرح اپنی حوائجِ دنیا کے لیے دعا کرتے ہیں اسی طرح اس جہان کی خوبیاں بھی اپنے پروردگار سے مانگتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی کوشش اور سعی کارگر ہوتی ہے اور ان کو دونوں جہان میں بھلائی کا حصہ پہنچتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ منیٰ میں جس نے دو ہی روز تک رمی جمار کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ جو تین روز تک ٹھہرے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ جیسا کہ ایامِ جاہلیت میں سمجھتے تھے۔

متعلقات

الحج اشھر معلومات اس آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ حج کے لیے چند مہینے معلوم ہیں مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان مہینوں میں جب چاہے حج کے تمام ارکان ادا کر کے خواہ شوال میں خواہ ذی القعدہ میں خواہ چوتھی پانچویں ذی الحجہ ہی کو فارغ ہو جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مہینوں میں کہ حج شروع کیا جاوے اور پھر وہ تمام کیا جاوے اس کے لیے ایک موسم اور وقت مقرر ہے کہ اس سے پہلے اور پیچھے کوئی کام حج کا نہ کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں۔ آنب کے چار مہینے ہیں یعنی ان کا موسم یہ ہے کہ بور آنے سے لے کر انتہا تک یہ دن ہیں نہ یہ کہ ان چار مہینوں میں سے اول مہینے کے اول ہی روز آنب موجود ہو جاتے ہیں۔ پس حج کا احرام باندھ کر جب تک کہ اس کو ختم کیا جاوے اس کے لیے شوال ذی قعدہ ذی الحج کے دس روز ہیں۔ پس اول تاریخ شوال سے افعالِ حج شروع ہوتے ہیں اور دسویں ذوالحجہ کو تمام ہو جاتے ہیں۔

اشہرِ معلومات میں باتفاق جمہور مفسرین شوال اور ذی القعدہ تو پورے پورے داخل ہیں مگر ذی الحج میں اختلاف ہے۔ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سارا مہینہ اشہرِ حج میں شمار ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ ان کے قول پر اگر کوئی طواف زیارت کو اخیر مہینے ذی الحج میں بھی کرے گا تو درست ہوگا اور دلیل ان کی یہ ہے کہ لفظ اشہر جمع ہے اور عرب کی زبان میں جمع کے لیے کم سے کم تین ہونے چاہییں۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور نخعی اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ اول عشرہ یعنی دس روز لیتے ہیں اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کس لیے کہ تمام ارکانِ حج طوافِ زیارت وغیرہ آج ہی تمام ہو چکتے ہیں اور عرب میں جز کو کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر دس روز کو مہینہ قرار دے کر لفظ جمع بولا گیا۔ امام شافعی کہتے ہیں نو دن اور دسویں تاریخ کی رات نہ دسواں دن مراد ہے۔ کس لیے کہ عرفات میں ٹھہرنا جو بڑا رکن اعظم ہے اسی دن ہوتا ہے مگر ہنوز آیت کے معنی میں ایک اشکال باقی رہ گیا وہ یہ کہ اس آیت سے تو مدتِ حج دو مہینے دس روز مراد لیے گئے حالانکہ خدا تعالیٰ چاندوں کو فرماتا ہے قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اور نیز صحابہ میں مشہور تھا کہ عمدہ حج وہ ہے کہ جس کے لیے گھر سے احرام باندھ کر چلے اور بعض لوگوں کے گھر چار یا چھ مہینے کی راہ ہوتے ہیں۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ ھی مواقیت للناس والحج کے معنی یہ نہیں کہ ہر چاند میں حج کے افعال درست ہیں بلکہ یہ کہ ہر چاند کو سلسلہ وار حسابِ حج میں دخل ہے اور صحابہ کا قول غالباً ان عرب کی نسبت ہے کہ جن کے گھر دو مہینے کی راہ سے کم ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور مالک اور سفیان ثوری جو اشہرِ حج سے پیشتر احرام باندھنے کو ان وجوہِ اشکال کو تسلیم کر کے جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ احرام تو صرف التزامِ حج ہے جیسا کہ نیت پس جس طرح نیت حج کی اشہرِ حج سے پیشتر کرنی درست ہے اسی طرح احرام کا بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں جو امور مہتم بالشان[1] حج کے ہیں وہ اشہرِ حج ہی میں ادا ہونے چاہییں اور گو موسمِ حج یہی ہے مگر بعض باتیں بفرطِ شوق قبل موسم ہو گئیں تو مضائقہ نہیں۔ وفیہ نظر۔ اب ہم پیشتر حج کے ارکان و ہیئت بیان کر کے پھر اس کے اسرار اور مخالفوں کے طعن کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ احرام میقات سے باندھنا پھر مکہ میں آ کر طوافِ قدوم کرنا پھر سعی بین الصفا والمروہ۔ پھر اس کے بعد آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا پھر نویں کو عرفات میں ٹھہرنا۔ پھر شام کو وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا۔ پھر صبح کو وہاں سے اٹھ کر دسویں کو منیٰ میں واپس آ کر رمی جمار یعنی منارہ کو کنکریاں مارنا۔ قربانی کر کے سر منڈوانا یا بال کتروانا پھر خانہ کعبہ کا جا کر طواف کرنا کہ جس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں پھر وہاں سے منیٰ میں آ کر دو روز یا تین روز تک رمی جمار کرنا۔ ان چیزوں میں سے بعض رکن ہیں اور بعض واجب اور باقی سنت ہیں۔ احرام اور عرفات میں ٹھہرنا (دعا کے لئے) اور طوافِ زیارت بالاتفاق رکن ہیں۔ ان کے فوت ہونے سے حج نہیں ہوتا اور سعی بین الصفا والمروہ اور حلق و قصر یعنی سر منڈانا یا کتروانا اور رمی جمار اور مزدلفہ میں شب کو دعا کے لیے قیام کرنا اور ایامِ تشریق تک منیٰ میں رہنا اور رمی جمار کرنا اور ان ارکان کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ باقی چیزیں سنت ہیں یا کفارہ ہیں۔ احرام اور طواف اور دیگر امورِ حج کی تشریح پھر ان کے کفارات کی تشریح کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ کعبہ کے ہر طرف چند مقامات مقرر ہیں کہ جو ادھر سے اندر آوے تو کعبہ کی تعظیم کے لیے احرام باندھ کر آوے خواہ نیتِ حج و عمرہ سے آوے خواہ تجارت یا کسی اور ضروری کام کے لیے آوے۔ یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس حدیث سے لایجاوز حد المیقات الامحرما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی اور امام شافعی وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ احرام خاص اس وقت باندھنا لازم ہے کہ جب حج و عمرہ کی نیت سے آنا چاہیے ورنہ نہیں جیسا کہ ان مقامات کے رہنے والوں کے لیے بالاتفاق اس صورت میں احرام کی کچھ ضرورت نہیں۔ میقات کہ جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے یہ ہیں: اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق اور اہلِ شام کے لیے جحفۃ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے قرن ہے اور یمن والوں کے لیے اور جو اس راستے سے آویں جیسا کہ ہندوستان کے لوگ تو ان کے لیے یلملم ہے۔ احرام یہ ہے کہ جب ان مقامات کی حد پر پہنچے تو

[1] کہ جن کے فوت ہونے سے دم یعنی قربانی کرنی پڑی ہے۔

غسل یا صرف وضو کر کے دو کپڑے ایک تہبند اور دوسری چادر بے سلی پہنے اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ کہے اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی بعد اس کے لبیک پکار کر پڑھے لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لك لبیك ان الحمد والنعمة والملك لك لا شریك لك اس کے بعد سے یہ محرم ہو گیا۔ اس کے لیے شکار کرنا اور لڑنا جھگڑنا' عورتوں سے مخالطت کرنا سب ممنوع ہو گیا۔ کمامر۔ یہ احرام قرآن سے ثابت ہے۔ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث الآیۃ ولا تقتلوا الصید وانتم حرم اور ان مقامات کو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اس کی ہیئت اور سلا کپڑا نہ پہننا اور سر نہ ڈھانکنا پستی و بلندی پر تہلیل و تکبیر کہنا تلبیہ پکارنا سب باتیں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ گو ان میں سے کوئی کوئی بات ایامِ جاہلیت میں بھی باقی رہ گئی ہو مگر آنحضرت علیہ السلام نے اس سنتِ ابراہیمیہ کو از سرِ نو زندہ کیا اور اس میں تحریفات ہو گئی تھیں سب کو دور کر دیا۔ احرام میں سر منڈانے کی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ طواف بھی قرآن سے ثابت ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ○ سات بار پھرنا اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا سب احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے سعی بین الصفا والمروہ بھی قرآن مجید سے سمجھی جاتی ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا عرفات میں جانا اور وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا اور مشعر الحرام کے پاس یادِ الٰہی کرنا بھی قرآن سے ثابت ہے۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ منیٰ میں رہنا بھی قرآن سے ثابت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ رمی جمار احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔

حج میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ تین طرح کی ہے۔ ایک حج و عمرہ ملانے پر ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ یہ واجب ہے دوسری وہ کہ جب حج کو چلتے ہیں تو قربانی ساتھ لے جایا کرتے ہیں کہ وہاں جا کر ذبح کریں گے۔ اس قسم کی قربانیوں کو ہدی اور قلائد کہتے ہیں۔ ان کے گلے میں کچھ ڈالتے تھے کہ راستہ میں کوئی تعرض نہ کرے یا کچھ خفیف خراش سا اس کے کوہان پر کر دیتے تھے اور وہیں سے خرید کر بھی بہ نیت تقرب ذبح کرتے تھے۔ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا الآیۃ۔ تیسری قسم وہ کہ جو کفارات میں ذبح ہوتی ہے جن کو دم جنایات کہتے ہیں ان کا ذکر احادیث میں ہے۔

حج کے بارے میں مخالفین کا اعتراض: مخالفینِ اسلام یہود اور عیسائی اور ہندو حج کے بارے میں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ عرب کے جاہلوں کا میلہ ہے جو بغرضِ تجارت قائم ہوا تھا۔ چنانچہ نیچر مفسر بھی ص ۲۴۹ میں کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بغرضِ آبادی مکہ اور ترقیِ تجارت کے لیے لوگوں کو جمع کی ترغیب دی۔ پس نبی علیہ السلام نے انہیں رسمیات کو (کہ جو بعید از عقل ہیں اور صرف جسمانی باتیں ہیں) کہ ننگا سر کر کے ایک چوکھونٹی مکان کے گرد گھومو اور وحشیانہ وضع بناؤ' تہبند باندھو پھر دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانوں کی طرح ہیرے پھیرے کرو بے فائدہ منیٰ اور عرفات میں رہو۔ پتھر کے میناروں کو کنکریاں مارو' سر منڈواؤ۔ ناحق جانوروں[2] کو ذبح کر کے جنگل کو سڑاؤ فرض واجب بنا دیا ہے۔

جوابِ الزامی: اس کا جواب بہت سہل ہے۔ اہلِ کتاب کہ جو توارت کو مانتے ہیں ان کے لیے تو یہ اعتراض کرنا شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر مخالف پر پتھر پھینکنا ہے کیونکہ بائبل بالخصوص توارت سفر احبار میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کے لیے خدا نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت وہ احکام

---

۱ اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں

۲ نیچر مفسر کا یہ کہنا (ص ۵۔ ۲۵) حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ خشک بیابان تھا اناج غلہ کم تھا اس لیے خوراک کے لیے لوگ جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ الخ) قرآن مجید سے ناواقفیت پر دلیلِ صریح ہے۔ ۱۲ منہ

فرض کئے ہیں کہ جو بظاہر عقل میں نہیں آتے بلکہ صریح فضول معلوم ہوتے ہیں پھر جو ان پر اعتراض کرے حج کے بارے میں بھی منہ کھولے۔ دیکھئے کتاب خروج کے ٣٥ باب میں موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ خداوند کے لیے سونا اور چاندی اور رنگ برنگ کی چیزیں لاویں جس سے بطلی ایل اور اہلیاب جو بڑے کاریگر تھے خداوند کے لیے (١١) مسکن اور خیمہ اس کا گھٹاٹوپ اس کا اور آنکڑے اس کے اور تختے اس کے اور ستون اس کے اور پائے اس کے صندوق اور چوبیں اس کی اور سرپوش اس کا اور پردہ اس کا میز اور چوبیں اس کی اور سب برتن اس کے اور نذر کی روٹیاں شمعدان روشنی کے لیے اور اس کے سرانجام اور اس کے چراغ اور جلانے کا تیل اور قربان گاہ بخور کے لیے اور چوبیں اس کی اور ملنے کا تیل اور بخور خوشبو مصالح کا اور پردہ مسکن کے دروازہ کا اور مذبح سوختنی قربانی کا اور اس کے لیے پیتل کا آتش دان اور چوبیں اس کی اور حوض و کرسی اور پردہ صحن کے دروازہ کا اور میخیں مسکن کی اور صحن کی میخیں اور ڈوریاں ان دونوں کی اور خدمت کا لباس مقدس میں عباد کے لیے اور مقدس لباس ہارون کاہن کے لیے اور لباس اس کے بیٹوں کا کاہنوں کے لیے بنایا اور پھر ہر ایک کے اندر جو جو قیدیں لگیں کہ ایسا رنگ ہو اور اتنا طول اور اتنا عرض اور ایسا خیمہ اور کروبیوں کی تصویریں پیتل کی اور کاہن کا لباس ایسا اور ایسا اور چناں اور چنیں پھر ان احکام کی ایسی سخت تاکید کہ جو کوئی ذرا بھی سرتابی یا خلاف کرے تو بیچارا مارا جائے۔ اب اگر حج کے ارکان کہ جن کی وجہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں فضول ہیں تو یہ بکھیرا کیا معقول ہے؟ پھر اگر اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کے کتابِ الٰہی ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا تو قرآن اور نبی آخر الزماں علیہ السلام کی نبوت میں کیوں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں؟ لطف یہ کہ ارکانِ حج میں تو سراسر روحانیت ہے اور ان میں محض جسمانیت پھر ان سے اعراض کر کے ان پر منہ مارنا عجب بات ہے۔ علاوہ اس کے اور جو کچھ سوختنی قربانی اور اس کا خون چھڑکنا اور تیل کا پکوان پکانا وغیرہ احکام مندرج تورات عجیب حیرت انگیز ہیں۔ طرفہ یہ کہ عیسائیوں کے ہاں باوجودیکہ شریعت سے مطلقاً آزادی ہے مگر عشاءِ ربانی کہ جس میں خمیری روٹیاں مسیح کا گوشت تصور کر کے کھائی جاتی ہیں اور پھر بپتسمہ کہ حوض میں تمام گناہوں سے پاک ہو جانے کے لیے غوطہ دلایا جاتا ہے کیا نامعقول چیز ہے اور پھر اس کو دین کا اصول قرار دینا کیا امرِ فضول ہے۔

پادری صاحب ان باتوں کی کوئی معقول وجہ بیان فرمائیں ورنہ غیروں پر طعن کرنا تو کچھ بڑی بات نہیں اور وید اور شاستر اور پوران تو پوجا پاٹ سے بھرے پڑے ہیں۔ جن میں عناصر اور آفتاب و ماہتاب اور اندر دیوتا اور دیگر لوگوں کے پرستش کے عجائب طریقے لکھے ہیں اور بلدان اور یگ کا دستور کہ یوں آگ جلاویں اور کرچھی میں فلاں چیز کا عرق چواویں اور صبح و شام یوں کریں اور سینکڑوں باتیں بعید از عقل سلیم ان کی کتبِ مسلمہ میں موجود ہیں اور عام دستور گنگا جمنا کا اشنان اور ایک تھیلے میں پوجا کے آلات کہیں چھوٹی چھوٹی پیالیاں اور صندل گھسنے کا پتھر اور بتوں کو پانی پلانے کے چھوٹے پیتل اور تانبے کے چمچے اور بجانے کا سنکھ ہر مہاراج کی بغل میں بھان متی کا پٹارا دابا ہوا ہوتا ہے۔ آریہ جو آج کل نئے محقق نکلے ہیں اور اپنے پوچ مذہب کو عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جو نہیں مطابق ہوتا تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ بایں معنی تاویل کرتے ہیں۔ وہ اپنی وید اور اس کے اپنشدوں اور شاستروں کی تو خبر لیں مگر بیچارے ناواقف ہیں کسی قدر انگریزی پڑھ لی چلو شوامی جی مہاراج کی تقریریں کر وید اور شاستروں گو عام خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے ڈھٹائی کے زور سے مقدس اور پاک مذہب پر منہ آنے لگے۔ اب ہم ملحدوں کے مقابلہ میں اسرارِ ارکان حج بیان کرتے ہیں۔ اگر عقلِ سلیم کے تابع ہیں تو ضرور ہمارے قول کی تصدیق کریں گے ورنہ تعصب کا کچھ علاج نہیں۔

اسرارِ حج: ہم اول بیان کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ اس خدائے پاک کی تجلی اور ظہورِ انوار کی جگہ ہے کہ جو جسم اور مکان سے پاک ہے نہ وہاں کسی کی صورت ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا استھان ہے بلکہ ایک چوکھونٹا اونچا سا مکان ہے گویا اس کے نشان نے اپنے عاشقوں کے لیے دنیا میں ایک نشان قائم کر دیا ہے اور اس کو اپنے دیدارِ فیض آثار کی کھڑکی قرار دیا ہے اور جمال با کمال کا آئینہ بنایا ہے (اور ثبوت اس کا پہلے

بدلائل ہو چکا ہے) اور نیز اس معبد کو رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی عبادت خاص کے لیے اپنے ہاتھ سے تعمیر کیا ہے۔ جیسا کہ تواریخِ مخالفین سے بھی ثابت ہے اور تمام روئے زمین پر اکثر اسی بابرکت کی نسل سے انبیاء پھیلے ہیں۔ اس وقت کیا بلکہ ہر زمانہ کی خداپرست قومیں انہیں کو سرِ دفترِ توحید تسلیم کرتی چلی آئی ہیں۔ بالخصوص اخیر زمانہ میں جناب محمد ﷺ انہیں کی نسل سے ہیں جو تمام بنی آدم کے ہادی اور سب کے رہنما ہو کر اس باخدا کے اصول مذہب کو از سرِ نو زندہ کرنے کو دنیا میں تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بمقام عرفات خداپرست لوگوں کو توحید کا جلوہ دکھانے کے لیے آواز دے کر بلایا۔

وجہ اوّل: اس لیے تمام خداپرستوں پر فرض ہوا کہ عمر بھر میں بشرطِ استطاعت فرمان والاشان کو قبول کر کے دربارِ خاص میں آویں اور ایک مجمع خداپرستوں کا ایک خاص دن میں (کہ جس روز اس نے تجلیِ باطنی اور برکت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے) اس معبد میں حاضر ہو کر اپنی فرمانبرداری اور ملتِ ابراہیمیہ کی پابندی کا اظہار کریں اور حسبِ استعدادِ باطنی اس کے جمالِ باکمال سے بہرہ یاب بھی ہوں اور اس معشوقِ حقیقی کے انوار اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ کریں۔

وجہ دوم: اور یہ بھی ہے کہ جس طرح دنیا میں بت پرستوں کے میلے اور غیر اللہ کے لیے مجمعے ان کی عظمتِ شان کے لیے ہوتے ہیں جس سے ان کی عظمت و عزت لوگوں کے دلوں میں مرسوخ ہو جاتی ہے اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کا بازار گرم ہوتا ہے اسی طرح حکمتِ الٰہی میں (جبکہ خداپرستی اور نورِ توحید عالم پر ظاہر کرنے کا منشا تھا) ضرور ہوا کہ خاص موحدین کا بھی ایک مجمع عام روئے زمین کے لوگوں کا اژدہام خاص خدا کے لیے اور اس کے لیے اس کی تہلیل و تکبیر و تقدیس و نیز یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوتا کہ لوگوں میں خداپرستی کی شوکت ظاہر ہو اور ہر ایک خداپرست دوسرے سے مل کر اکتسابِ خیر و برکت بھی کرے اور روئے زمین کے خداپرستوں میں ایک میل جول اور اتحادِ قلبی قائم ہو جاوے اور اس کے ضمن میں علوم و فنون و تجارت و صنعت کے متعلق و فوائد اور تبادلۂ خیالات بھی ہو۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے لیشھدوا منافع لھم۔ الآیہ

وجہ سوم: اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں توحید پھیلانے والے اور موحدین کے بزرگ مانے گئے ہیں۔ پس اس بزرگ کی یادگاری پر کوئی مجمع توحید کی ترقی کے لیے ہونا بالخصوص اس مقام پر کہ جہاں اس کی بیوی اور معصوم بچے کے ہاتھ سے بھی اس خداپرستی کی بدولت خرقِ عادات کا ظہور ہوا ہو اور جہاں اس کا پوتا اخیر نبی پیدا ہوا خصوصاً ان مقامات پر کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے بھی سب سے پیشتر خدا کی یاد کی ہو اور جن پہاڑوں اور میدانوں میں اس کی قدرت کے عجائب ظاہر ہوئے ہوں اور جس جگہ سے کہ اسلام کی روشنی نکل کر دنیا کے پرلے کناروں تک پھیلی ہو۔ ضرور اور پر ضرور ہے اور یہی حج ہے۔

اسرارِ ارکانِ حج: اسی لیے ان دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس پہن کر کہ جو احرام ہے اور نیز تکلفات و تزئینات دور کر کے اس کے دربار میں فطرتی حالت اور عاشقانہ ہیئت بنا کے حاضر ہونا اور ایک فاصلہ معین سے اس گھر کا ادب ملحوظ رکھ کر ہیئت بنانا اور اسی وقت سے اس کی تہلیل و تکبیر و لبیک پکارنا اور اس گھر کا ادب اور اس حالت کا لحاظ رکھنا' شکار نہ کرنا' فحش اور لڑائی جھگڑوں سے باز رہنا' پھر جب خاص اس مسجد کے پاس آویں تو اس کے شوق میں اس کے گرد قربان[1] ہونا کیونکہ اس سے دل پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے پھر جس طرح کہ ہاجرہ دو

---

[1] یہ کہنا قولہ ص ۲۵۱ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے الخ اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوتے (انتہی) صریح رندانہ پن ہے اور نیز قرآن و حدیث بلکہ حقیقتِ حج سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بیچارے اپنی خو سے ناچار ہیں۔ جبلی اور ابتداء عمر کا الحاد اور بے دینی اور دنیاپرستی نخوت و غرور دل میں بھرا ہوا ہے۔ وہ بے ساختہ منہ سے اگل پڑتا ہے۔ سینکڑوں رندوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ وہ خدا اور رسول اور ہر امرِ دین سے تمسخر کرتے ہیں اور زبان میں لگام نہیں رکھتے بعد مردن حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ

پہاڑیوں میں دوڑتی پھری تھیں اسی حالت کے یاد کرنے کے لیے ویسا ہی کرنا اور پھر عرفات میں جس میدان میں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر خدا کی تجلی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو وہاں سے بلایا تھا' جا کر دن بھر خدا کی تکبیر و تہلیل کرنا پھر منیٰ میں آ کر جہاں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے لیے اپنے پیارے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا قربانی کرنا اور جس طرح تین بار شیطان نے نمودار ہو کر انہیں بہکانا چاہا تھا اور انہوں نے اس کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا اسی طرح ان مقامات پر جو منارے ہیں ان پر کنکریاں مارنا جس سے نفس بد پر تین بار خاک ڈالنے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہاں سے آ کر اس مقدس مسجد میں وہی نمازِ عاشقاں یعنی طواف کرنا سراسر معقول اور اسلام میں رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عاشقانہ جذبات کا اظہار ہے جس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ قوم کو بری و بحری سفر کا تجربہ کرانا اور محنت کش اور پختہ کار بنانا اور ایسے متبرک مقام کا دکھانا جو ہمیشہ سے توحید و حق پرستی کا سرچشمہ رہا ہے اور نیز ان خدا پرستوں کی عظمت بھی دلوں میں مرسوخ کرانا اور اس ملک کے باشندوں کو مالی فائدہ پہنچانا بھی مقصود ہے جس کی وہ سلف صالحین کی یادگار و متوکل قوم ہر طرح سے مستحق بھی ہے اور یہی بیشمار اسرار ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

۲۵ ع ۱۴

اور بعض ایسے بھی (منافق) ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ (سخت دشمن) سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور مواشی کو برباد کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اللہ کو فساد

پسند نہیں آتا اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت بری ہی جگہ ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔ مسلمانو! اسلام میں پورے پورے آ جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ بھی زبردست حکمت والا ہے کیا وہ اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے خدا بدلیوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتہ بھی آ جاویں اور کام پورا ہو جائے (یعنی کیا قیامت برپا ہو جانے کے منتظر ہیں) اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دیے تھے اور جو کوئی خدا کی نعمت[1] پا کر اس کو بدل ڈالے تو اللہ بھی سخت عذاب دیتا ہے۔

ترکیب: مَنْ یُّعْجِبُکَ میں من نکرہ موصوفہ ہے فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا متعلق ہے قول سے والتقدیر فی امور الدنیا اور ممکن ہے کہ یعجبک کے ساتھ متعلق ہو۔ وَیُشْھِدُ اللّٰہَ جملہ حال ہے۔ ضمیر یعجبک سے الْخِصَامِ جمع خصم ہے اور ممکن ہے کہ مصدر ہو بمعنی اسم فاعل اور افعل اس جگہ مفاضلۃ کے لیے ہے۔ تقدیرہ ہو شدید الخصومۃ لِیُفْسِدَ لام متعلق سعی سے ہے اَخَذَتْ فعل مفعول اَلْعِزَّۃُ فاعل بِالْاِثْمِ میں ب سببیہ ہے ای اخذتہ العزۃ بسبب الاثم فَحَسْبُہٗ مبتدا جَھَنَّمُ حسب کا فاعل ہو۔ کافۃ من الکف کانہم کفوا ان یخرج منہم احد باجتماعہم۔ حال ہے فاعل اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ سے ای فی السلم من جمیع وجوہہ فَاِنْ زَلَلْتُمْ شرط فَاعْلَمُوْا الخ جملہ جواب فِیْ ظُلَلٍ جمع ظلۃ یہ ظرف ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو مِنَ الْغَمَامِ صفت ہے ظلل کی۔ سَلْ فعل اَنْتَ اس کا فاعل بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ مفعول اول کَمْ استفہامیہ اٰتَیْنَا فعل با فاعل ھم مفعول اول اور کم مِنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ اس کی تمیز مجموعہ مفعول ثانی پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوا سل کا محلا یہ جملہ منصوب ہے اور یہ سوال بطور تہدید کے ہے یہ خطاب صرف آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ ہر مخاطب ہے۔

تفسیر: اول آیت میں ذکر تھا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو حج کے ایام اور ایسے مواضع میں صرف دنیا خدا سے مانگتے ہیں کس لیے کہ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ان کو یقین ہی نہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو دنیا و آخرت دونوں کا سوال کرتے ہیں۔ اب یہاں ان دونوں گروہوں کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ جو دنیا ہی مانگتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو بڑے شیریں کلام، خوش گو، بڑی باتیں بناتے، بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور باطن ان کا خراب ہے۔ قابو پاویں تو فساد مچاویں اور جو کوئی منع کرے تو غرور اور تکبر میں آ کر اور بھی گناہ میں اڑ جاویں۔ سو ان کے لیے جہنم کافی ہے اور جو دنیا و آخرت مانگتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان کو خدا کی خوشنودی کے لیے فروخت کر دیا ہے سو ان پر بھی خدا مہربانی کرتا ہے۔ بعض مفسرین قرآن کے ایسے عام الفاظ سے اشخاصِ خاص مراد لیا کرتے ہیں اور پھر ان کے حال بیان کرنے کو شانِ نزول کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی عبارت مربوط ہے۔ اس میں قصداً اس طرح سے ٹکڑے کرنا بے ضرورت بات ہے مگر اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ ان عبارات کا مصداق اس وقت میں پایا گیا ہے چنانچہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ کی تفسیر میں چند اقوال منقول ہیں از انجملہ یہ کہ اس سے مراد اخنس بن شریق منافق ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر بڑی باتیں بناتا تھا کہ واللہ میں سچا مسلمان، خداترس، آپ سے دلی محبت رکھنے والا ہوں اور ایک روز جو آپ کے پاس سے گیا تو باہر جا کر غریب دینداروں کی کھیتی جلا دی اور ضد اور تکبر میں آ کر مویشی ہلاک کر دیے اور من یشری نفسہ سے مراد صہیب بن سنان اور عمار بن یاسر اور بلال اور خباب بن ارت اور ابوذر وغیرہم رضی اللہ عنہم مہاجرین ہیں۔ ان لوگوں کو مشرکین نے قید کر لیا تھا اور ان سے کفر اور بے دینی کرانا چاہتے تھے کہ اگر تم اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم قتل کر دیں گے اور عذاب دے کر ماریں گے لیکن ان حضرات نے نہ مانا، سب مصیبتیں سہیں، جو کچھ اپنے پاس تھا دیا، مار کھائی، فاقہ کھینچے مگر اسلام پر قائم رہے اور

---

[1] نعمت سے مراد یا توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ اہلِ کتاب نے ان کو حاصل کرنے کے بعد بدل دیا۔ یا ہر ایک نعمتِ الٰہی مراد ہے۔ ناشکر بندے اس کی قدر نہیں کرتے اور اس کو ناشکری سے بدلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ان کے ہاتھ سے خلاصی پا کر مدینہ میں آئے۔ پس ان کے حق میں خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لیے فروخت کر دیا ہے۔ یہ اس کے انعام و فضل کے مستحق ہیں۔ الغرض بدوں اور نیکوں کی معہ نتیجہ تصویر کھینچ دی۔

اگلی آیت میں ذکر تھا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کا ظاہر حال اچھا معلوم ہوتا ہے مگر در پردہ برے ہیں۔ اب اس آیت میں خدا تعالیٰ خطاب تو مومنوں سے کر رہا ہے مگر سب کو سنا رہا ہے کہ یہ دو رنگی کچھ نہیں' ہماری اطاعت میں پورے پورے آؤ۔ ظاہراً و باطناً خدا کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ یہ نہیں کہ جس کو دل نے چاہا مانا ورنہ نہیں کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے۔ تم اس دشمن کی پیروی نہ کرو اس کے بعد امر حق پر ثابت رہنے کی تاکید فرماتا ہے کہ ہماری آیات عقلیہ و معجزات نبویہ اور دیگر آثار قدرت کے دیکھنے اور غور کرنے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو ہمارا کچھ نقصان نہ کرو گے۔ ہم تم کو تمہارے افعال کی سزا دے سکتے ہیں۔ زبردست ہیں اور اگر عذاب میں دیر ہو تو دلیر مت بنو۔ اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ ہم حکیم ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے کفار و اے مشرکین وائے سخت دل یہود و نصاریٰ باوجودیکہ تم سب کچھ آیات دیکھ چکے ہو اور پھر ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلہ و بہانہ کرتے ہو سوا اب اور کیا باقی ہے مگر یہ کہ خدا اور اس کے فرشتے تمہارے اعتقاد کے موافق تمہارے روبرو آویں تب تم مانو جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ کے عہد میں بادلوں میں سے دھواں اور کڑک اور شعلہ معلوم ہوا اور خدا کا جلوہ دکھائی دیا۔ سو تم اسی بات کے منتظر ہو؟ ہم قادرِ مطلق ہیں بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے کیا نشانیاں دکھائی ہیں مگر انہوں نے ان کے بعد اس نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی ہے۔ جس پر ہم نے ان کو ہلاک کیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ اِلَّا الَّذِينَ اُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

(وقف لازم)

کافر دنیا کی زندگانی پر ریجھ گئے ہیں اور وہ ایمانداروں سے تمسخر کیا کرتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن پرہیزگار ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی گروہ کے تھے (بعدہ اختلاف ہوا) تو خدا نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے لیے فیصلہ کر دیا کرے (پر) جن کو کہ کتاب دی گئی تھی وہی اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کر بیٹھے پھر دینِ حق کی کہ جس میں وہ اختلاف کر چکے ہیں' خدا نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو رہنمائی کر دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ترکیب: زُيِّنَ فعل مجہول لِلَّذِينَ كَفَرُوا متعلق ہے زین کے الحَيٰوةُ الدُّنْيَا صفت و موصوف مفعول مالم یسم فاعلہ اور زین کہا زینت نہ کہا

کس لیے کہ زین اور الحیوۃ الخ میں فاصلہ آ گیا۔ دوم یہ کہ مونث حقیقی نہیں ہے ویسخرون معطوف ہے زین پر۔ والذین اتقوا مبتداء وفوقھم خبر القیامۃ ظرف سے مبشرین و منذرین حال ہے النبیین سے وانزل موضع حال میں ہے کتاب سے بالحق بھی ہے ای مشتملا علی الحق لیحکم ای الکتاب اور لام متعلق ہے انزل سے فیہ ای الحق او توہ ای الکتاب من بعد الخ جملۃ متعلقہ ہے اختلف سے بغیًا مفعول لہ ہے اختلف کا من الحق حال ہے ضمیر فیہ یاما سے باذنہ حال ہے الذین آمنوا سے ای ماذونا لہم

تفسیر: پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ کفار دلائل و معجزات پر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ عیاناً خدا اور فرشتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر اس کے سبب کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ساری باتیں دنیا اور دیگر نعماء کے نشے کی وجہ سے ہیں۔ انہوں نے نعمتوں کو بدلا شکر کی جگہ کفر کیا۔ اب یہاں دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے وقعتی اہلِ ایمان کے سامنے دکھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتیں بے ثبات ہیں ان پر کافر ہی ریجھتے ہیں اور انہیں کی آزمائش کے لیے خدا نے بے حد سامان دیے کہ جن کا عالم آخرت پر یقین نہیں اور دنیا کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ ایمان والوں پر کہ وہ عالم آخرت کی وجہ سے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے اور یادِ الٰہی میں رہتے ہیں۔ ان کو بیوقوف اور مفلس سمجھ کر قہقہے مارتے ہیں۔ حالانکہ یہ اہل اللہ قیامت کے روز ان سے بالاتر ہوں گے اور اس فراغ دستی پر ان کا غرور بے جا ہے۔ خدا اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بیشمار رزق و روزی عطا کرتا ہے اس میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں، پھر دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھنا کہ ہم خدا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہیں محض غلط ہے اور یہ کفر جب دنیا کی وجہ سے انسان کے لیے ایک عارضی بات ہے کس لیے کہ یہ سب لوگ بدء الخلقۃ میں فطری طور پر خدا کے وجود اور اس کے لاشریک ہونے کے قائل تھے۔ پھر جب نوعِ انسانی پھیلی اور ان پر طبیعت و لذات کے حجاب پڑتے گئے حقیقی نور کم ہوتا گیا اس لیے گمراہی کے رستوں پر بھی چلنے لگے۔ ان کے وہم و خیال نے ان کی کمزور عقل کو ڈگمگانا شروع کر دیا۔ اوہام پرستی و شہوت رانی شروع ہوگئی تو اس رحیم و کریم نے انبیاء بھیجنے شروع کر دیے۔ وہ حقائق الاشیا کے واقف تھے ہر ایک نیک و بد کے نتیجہ کی خوشخبری اور ڈر سنایا کرتے اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری کہ ہر اختلافی بات میں وہ کتاب آسمانی فیصلہ کر دیا کرے لیکن جن پر گمراہی اور نفسانیت کا رنگ غالب تھا وہ اس کتاب میں بھی آیات و بینات دیکھنے کے بعد بھی مخالف رہے اور اختلاف کرتے رہے مگر اس نے اپنے فضل و کرم سے ایمانداروں کو اخلاقی باتوں میں امرِ حق کی ہدایت کر دی اور وہ مختار ہے جس کو چاہے ہدایت کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ پس کفار یہ سمجھ کر خوش نہ ہوں کہ ہمارا طریق قدیم ہے اور پیغمبروں کی باتیں باہم مختلف اور نئی ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾

(مسلمانو!) کیا تم خیال کر بیٹھے کہ (مفت) بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں کی سی حالت نہیں پہنچی ہے کہ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان پر ایسی سختیاں اور مصیبت پڑی تھیں کہ وہ ہلا دیے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کہ خدا کی مدد کا کونسا وقت ہے (جس پر ان کو تسلی دی گئی کہ) سنبھلو خدا کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

ترکیب: ام بمنزلہ بل اور ہمزہ استفہام یعنی منقطعہ حَسِبْتُمْ فعل با فاعل اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ سارا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ولما الخ جملہ مستانفہ ہے۔ شرح احوال کے لیے اور ممکن ہے کہ قد مضمر مان کر حال قرار دیا جاوے الرَّسُوْلُ فاعل یقول وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس

پر معطوف معه متعلق ہے یقول کے اور ممکن ہے کہ آمنوا کے ہو مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ جملہ مقولہ۔

تفسیر: پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ دنیا اور اس کی زینت کفار کو دی گئی اور وہ مسلمانوں سے ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو صبر اور توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دیتا ہے تا کہ اسلام میں جس قدر مصیبتیں اور تکالیف اور تنگدستی اور ناامیدی اور دنیا کی ناکامی اور دشمنوں سے ہر قسم کی تکلیفیں پیش آویں ان پر ثابت قدم رہیں کس لیے کہ امرِ حق اور طلب مولیٰ اور استحقاقِ دارِ آخرت بغیر برداشت کرنے شدائد کے نصیب نہیں ہوتا اور بالخصوص صحابہ کو ہمت بندھاتا ہے جبکہ وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آرہے اور ان پر طرح طرح کی مشکلیں پیش آئیں۔ خصوصاً جنگ احد میں کہ جس کی نسبت فرماتا ہے وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرُ کہ اے مسلمانو! صرف ایمان لانا ہی بس نہیں کرتا بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبتوں کی برداشت کرنا چاہیے اور تم سے پہلے انبیاء اور ان کے مطیع ایماندار کیا کچھ مصیبتیں نہ اٹھا چکے ہیں' آروں سے چیرے گئے جلتی آگ میں ڈالے گئے۔ ان کے گھر بار لوٹ لیے گئے مگر تب بھی وہ دینِ حق پر ثابت قدم رہے بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ رسول اور مومنوں کو باوجودیکہ مددِ غیبی کے آنے کا یقینِ کامل تھا مگر بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ وہ کب آئے گی جس پر غیب سے ان کو مژدہ دیا گیا کہ مددِ الٰہی عنقریب آتی ہے۔

انسان کا مقتضائے طبعی ہے کہ وہ نہایت سختی کے وقت بے قرار ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ مشکل کشائی ہوگی مگر پھر بھی ایک قسم کی مایوسی طاری ہو جاتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ حَتّٰیٓ اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا الآیۃ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ رسول کو وعدۂ الٰہی میں شک ہو گیا غلطی ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو مددِ الٰہی کا وقت دریافت نہ کرتے بلکہ یوں کہتے کہ آیا مدد آوے گی یا نہیں؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ
عَلِيْمٌ ۝٢١٥ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَھُوْا شَـيْـــًٔـا
وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٢١٦ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ
قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ
الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ
اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ
فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

ع ١٠

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کے لئے) کیا دیا کریں کہہ دو کہ جو کچھ بہتر چیز خرچ کرو تو ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کو دیا کرو اور جو کچھ نیکی کرو گے سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔ (مسلمانوں) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو برا معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری معلوم ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بدتر ہو اور وہی (ہر چیز کا انجام) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (اے نبی) آپ سے حرمت کے مہینے میں لڑائی کرنے کو پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روک دینا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکال دینا تو خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ برپا کرنا تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ (کفار) تو تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے تاوقتیکہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر کے رہیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور وہ دوزخی ہوں گے۔ اس میں سدا رہا کریں گے البتہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت بھی کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑتے بھی رہے سو وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: يَسْئَلُوْنَ فعل با فاعل ك مفعول يُنْفِقُوْنَ فعل با فاعل ماذا اس کا مفعول اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لیے ہو بمعنی ای شی اور ذا بمعنی الذین اور يُنْفِقُوْنَ اس کا صلہ اور عائد محذوف پس ما مبتدا اور ذا مع صلہ کے اس کی خبر پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوگا۔ يَسْئَلُوْنَ کا وقیل تفسیرہ ما شرطیہ اَنْفَقْتُمْ الخ شرط فَلِلْوَالِدَيْنِ الخ جواب شرط پھر یہ تمام جملہ محلاً منصوب ہے قل کا مفعول ہو کر اور ممکن ہے ما بمعنی الذی ہو اور مبتداء قرار دیا جاوے اور من خیر حال ہو محذوف سے فَلِلْوَالِدَيْنِ خبر۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ مومنوں کو دنیا کی بے ثباتی بتا چکا اور آخرت کے لیے صبر اور استقلال کی تاکید فرما چکا کہ اس کے لیے جان و مال بھی دریغ نہ کرنا چاہیے پھر اس کے بعد چند احکام بیان فرماتا ہے اس آیت سے لے کر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ تک کس لیے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ توحید کے ساتھ پند و نصائح اور احکام ملا کر بیان فرماتا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ملال نہ آوے اور ایک کو دوسرے سے تقویت ہو جاوے لیکن ان احکام میں بھی باہم ایک عجیب ربط ہے۔

پہلا حکم اس آیت میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کہ جو احد کی لڑائی میں مقتول ہوا ایک نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار شخص تھا۔ اس نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت! ہم اپنا مال کس کو للہ دیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سب سے اول ماں باپ کا حق ہے پھر اور اقارب پھر یتیم اور فقیر اور مسافر کو للہ دینا اور ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے ماذا ینفقون کے معنی بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کونسا مال خرچ کریں۔ یہ سوال تھا۔ خدا پاک نے اس کا جواب بھی ضمناً من خیر کے ساتھ دے دیا کہ فائدہ کی چیز ہو، خواہ کپڑا ہو خواہ اناج ہو، خواہ نقد ہو اور اس کے ساتھ مال کے مصارف (یعنی وہ لوگ کہ جن کو دینا چاہیے اور جن کا پوچھنا سائل کو ضروری تھا)۔ بیان کر دیے اور اخیر میں عموماً ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے ایک جملہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ایسا کہہ دیا کہ جو سب کو شامل ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیتِ میراث سے کہ جو آگے آتی ہے، منسوخ ہو گیا یعنی یہ حکم والدین اور اقارب کے دینے کا جب تک تھا جب تک ان کے حصہ اور میراث قائم نہ ہوئے تھے۔

جمہور محققین فرماتے ہیں یہ قول غلط ہے کس لیے کہ یہ حکم اپنی زندگی میں بطور خیرات کے دینے کے ہے۔ اس کو میراث سے کیا علاقہ؟ اور نیز جس طرح مسافروں اور یتیموں کو تبرعاً اب دینے کا حکم ہے اسی طرح اپنی زندگی میں ماں باپ اور اقارب کے ساتھ ہر ایک قسم

کے سلوک کرنے کا حکم بھی ہنوز باقی ہے۔

ترکیب: کُتِبَ فعل مجہول القِتَالُ ذی الحال وَھُوَ کُرۃٌ لَّکُمْ جملہ حال مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ عَسٰی فعل اَنْ تَکْرَھُوا جملہ بتاویل مصدر اس کا فاعل وَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ صفت شیئا اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ قِتَالٍ فِیْہِ بدل ہے الشَّھْرِ سے بدل الاشتمال لان القتال یقع فیہ اور فیہ قتال کے متعلق ہے اور جائز ہے کہ اس کی صفت ہو قتال فیہ مبتداء کبیر خبر صد مبتداء عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اس کے متعلق یا صفت و کفر بہ صد پر معطوف والمسجد الحرام مجرور معطوف ہے۔ سبیل اللہ پر مدخول ہے عن کا ای صد عن المسجد الحرام وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ منہ معطوف ہے صد پر ان تینوں کی خبر اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ اِنِ اسْتَطَاعُوا شرط ولا یَزَالُوْنَ دال بر جزا۔ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ شرط منکم موضع حال میں ہے من سے فیمت معطوف ہے یرتدد پر فاولٰئک جزا۔

تفسیر: خرچ کرنے کا حکم تھا مگر مال کے خرچ کرنے سے اللہ کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے اور نیز قوام ملت وقوم کے لیے ان دونوں عزیز چیزوں کا خرچ کرنا اصل الاصول ہے اس لیے موجب رضائے الٰہی بھی ہے۔ اس لیے اس کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں صرف صبر و برداشت کا حکم تھا پھر جب کفار کے ظلم سے مدینہ میں تشریف لائے تو اجازت ہوئی کہ جو تم سے لڑے اور تم پر ظلم کرے تو تم اس سے بدلہ لو' پھر اس پر بھی مخالفین جور و ظلم سے باز نہ آئے اور ایمان والوں کو ہر جگہ ستانا شروع کیا تو بموجب انہیں بشاراتِ کتبِ مقدسہ کے اس فتنہ وفساد اور شر والحاد کے دفع کرنے کو عموماً جنگ کی اجازت دی بلکہ حکم دیا کہ یہ تم پر فرض ہو گیا اور چونکہ اپنی جان کو ہاتھ پر رکھنا اور اپنے بیگانہ کا کچھ لحاظ نہ رکھنا البتہ انسان کی طبیعت کو ناگوار اور شاق معلوم ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے۔ خدا ہی جانتا ہے تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر اس کے نتائج اچھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کج طبع شریر لوگوں کو کتنا ہی وعظ و پند کرو۔ کتنی ہی خرقِ عادات و معجزات دکھاؤ مگر وہ کبھی فساد اور فتنہ سے باز نہیں آتے۔ جب تک کہ سیاست سے کام نہ لیا جاوے۔ دنیاوی سلطنتوں کی بھی یہی سیاست باعثِ رونق ہے۔ ہر چند آدمیوں کو گھر میں بیٹھا رہنا' عورتوں سے مخالطت کرنا' ہر قسم کا عیش کرنا' سفر اور جنگ کی مصیبتوں سے بچنا بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے نتائج بربادیِ ملک و دولت' دشمنوں کا غالب آ کر مقہور کرنا' دین و ملت کو خراب کرنا وغیرہ برے پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح جفاکشی اور مخالفوں کی مصائب پر برداشت کرنے کے بھی نتائج بہت عمدہ تجربہ میں آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہر ایک قسم کی راحت وعزت نصیب ہوتی ہے۔ آج کل جو اہلِ اسلام کا تنزل اور یورپ کے لوگوں کا عروج دنیاوی ہے تو اسی وجہ سے ہے۔ باقی علم و ہنر سب اقبال کے تابع ہیں۔ صحابہ کی بے نظیر فتوحات کا یہی سبب تھا۔

عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ رجب اور ذی قعدہ اور ذی الحج اور محرم میں باہم جنگ وجدال نہ کرتے تھے اور ان میں کوئی کسی پر چڑھائی نہ کرتا تھا[1] بلکہ اس کو سخت معیوب جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی قتال و جہاد جائز ہے؟ جواب آیا کہ ہر چند ان مہینوں میں لڑائی سخت اور بری بات ہے مگر ان مہینوں میں لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا جیسا کہ کفار کرتے ہیں اور خدا سے انکار کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں کے باشندوں کو ناحق نکال دینا جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو نکال دیا تھا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور ان کا فتنہ کہ وہ ہر جگہ ایمان والوں کو ستاتے پھرتے ہیں قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس جب انہوں نے ان مہینوں کی رعایت نہ کی تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر سے دو مہینے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بمقام بطن نخل کہ جو طائف کے قریب ہے کفارِ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سو انہوں نے جا کر ان کو گرفتار کر لیا لیکن اسی روز جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ

---

[1] اس لیے ان کو شہر حرام کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

تھی مگر انتیسویں کا چاند ہوگیا تھا' پر صحابہ کو معلوم نہ تھا اس پر کفار نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی لڑتے ہیں۔اس کا جواب بھی اس آیت میں دیا گیا۔(کبیر)

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہرِ حرام کا حکم اس آیت وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ سے منسوخ ہو گیا۔اسلام نے ہر زمانہ میں دفع فساد کے لیے کفار سے جنگ کی اجازت دے دی۔بعض کہتے ہیں ابتداء نہ کرے اور جو کفار چڑھ کر آ دیں تو مدافعت ضرور ہے کس لیے کہ ظلم ہر مہینہ میں ممنوع ہے اور بدلہ لینا ہر وقت درست ہے۔خواہ شہرِ حرام میں خواہ مسجد الحرام کے پاس۔یہ دوسرا سوال اور دوسرا حکم تھا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

(اے پیغمبر!) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس قدر دیا کریں۔کہہ دو جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔خدا یوں احکام تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور و فکر کرو۔

ترکیب: يَسْئَلُوْنَكَ فعل بافاعل ک مفعول عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ متعلق فعل سے اِثْمٌ كَبِيْرٌ مبتداء فيهما خبر وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ معطوف ہے اثم پر ای فیہما منافع للناس۔العفو منصوب ہے بفعل مضمر تقدیرہ انفقوا العفو کذلك موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی ای یبین مثل ہذا التبین۔

تفسیر۔شراب اور جوئے کی ممانعت: قوام ملت و قومیت بیان فرما کر قوم و مذہب کو برباد کرنے والے کام بھی جواب سوال کے پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں تا کہ قانونِ سعادت کی تکمیل ہو جائے۔ازانجملہ جوا اور شراب ہے۔عرب میں شراب نوشی کا مدت سے دستور تھا جس چیز کو شریعت نے منع نہ کیا تھا۔صحابہ اس کو اپنے دستور کے موافق استعمال میں لاتے تھے۔چنانچہ مکہ میں اس کا استعمال ہوتا رہا۔جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو بتدریج [1] شراب اور قمار کو حرام کر دیا بلکہ ایک مدت تک شراب کے برتنوں کا بھی استعمال منع رہا۔

الخمر یعنی شراب اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے مسکر اور خمر دونوں لفظ ایک ہی معنی لیے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زبانِ عرب میں خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنتی تھی یعنی انگور کا شیرہ جب گاڑھا ہو جاوے اور اس میں جھاگ اٹھنے لگیں۔دلائل دونوں کے ان کی کتابوں میں مندرج ہیں۔اس اختلاف کا یہ ثمرہ ہوگا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک مسکر کو حرام قطعی کہا جاوے گا اور اس کے تھوڑے بہت کا استعمال کرنا ممنوع ہوگا۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ خاص شراب تو

---

[1] یہ چار آیتیں اس کی تحریم میں نازل ہوئی ہیں۔اول میں ذرا سا ممانعت کی طرف اشارہ ہوا پھر دوسری میں کچھ اور اور تیسری میں کچھ اور چوتھی میں صاف ممانعت کر دی۔اول آیت ومن ثمرات النخیل والاعناب الآیۃ دوسری فیہما اثم کبیر و منافع للناس تیسری لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری چوتھی انما الخمر والمیسر الآیۃ۔۱۲ منہ۔

قطعی حرام ہوگی اور اس کا ایک قطرہ بھی مگر اور مسکرات کو جو حرام کہا جائے گا تو اس پر قیاس کر کے اور ان مسکرات کا اس حد میں استعمال منع ہوگا کہ جس قدر سے نشہ پیدا ہو۔ المیسر یعنی قمار یا جوا یہ الیسر کا مصدر ہے۔ جیسا کہ موعد اور مرجع اور اس کا ماخذ یسر ہے یعنی جوئے میں چونکہ آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کو میسر کہنے لگے (کبیر) بعض کہتے ہیں حصہ مقرر کرنے کے معنی اس میں ملحوظ[1] ہیں۔ ایامِ جاہلیت میں دستور تھا کسی جانور کو بالاشتراک لے کر ذبح کرتے اور اس کا گوشت یوں تقسیم کرتے تھے۔ دس تیر لے رکھے تھے اور ان کے نام مقرر کر رکھے تھے۔ ان کو ازلام اور اقلام بھی کہتے تھے۔ مسبل، معلیٰ، نافس، منیح، سفیح، وعذ فذ، توام، رقیب، علس۔ ہر ایک کے متفاوت حصہ لگے ہوئے تھے۔ بعض میں خالی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ سب کو جمع کر کے ایک تھیلی میں بند کر دیتے اور ہاتھ ڈال کر نکالتے جس کے نام سے جو نکل آتا اور جو جیت جاتا تو وہ گوشت فقیروں کو دے دیتا اور بڑا خوش ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کا نفع تو یہی ہے کہ مفت مال ہاتھ آتا ہے اور بدن فربہ ہوتا ہے مگر نقصانِ عقل جو جوہرِ لطیف ہے اور باہمی عداوت زیادہ تر ہے اس لیے ان کو منع کیا اور پھر مال خرچ کرنے کا لوگوں نے سوال کیا کہ کس قدر دیں فرمایا۔ جو حاجت سے زیادہ ہو دو۔ اس سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

ع ۲۷ / ۱۱

اور (پھر) آپ سے یتیموں کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ جس میں ان کی بھلائی ہو وہ بہتر ہے اور اگر ان کو اپنے شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تو مفسد کو مصلح سے الگ جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر دشواری ڈال دیتا۔ اللہ غالب تدبیر والا ہے اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے ایماندار لونڈی بہتر ہے۔ گو وہ تم کو بھلی معلوم ہوا کرے اور مشرک مردوں کے نکاح میں (مسلمان عورتیں) نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور ایماندار غلام بہتر ہے مشرک سے گرچہ وہ تم کو بھلا ہی معلوم ہو۔ یہ مشرک تو تم کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے تم کو بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنا حکم لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ یاد رکھیں۔

ترکیب: اِصْلَاحٌ مبتداء لَّهُمْ اس کی صفت خَيْرٌ خبر وان تُخَالِطُوْهُمْ شرط فھم اخوانکم جزا ولو شرط شاء فعل اللہ فاعل مفعول اعنتکم محذوف لا عنتکم جواب شرط ولو بمعنی ان۔

تفسیر۔ یتیموں کے حقوق کا بیان اور کافروں سے نکاح کی ممانعت: از آنجملہ یتیموں کی حق تلفی ہے۔ اس کے متعلق اول

---

[1] شرع میں انہیں پر منحصر نہیں رکھا بلکہ جس میں دو طرفہ شرط ہو جیسا کہ نرد اور کعتین وغیرہ۔

آیت میں بیان ہے۔ از آنجملہ مشرکوں سے مناکحت ہے کیونکہ اس سے زہر آلود اختلاط ہوتا ہے مشرکوں کی عادات اور خصائل رواج پا کر نہ قومیت باقی رہتی رہے نہ دین خالص' جس کی نظیر ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی گئی جب خدا نے یتیموں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ تو لوگوں نے احتیاطاً یتیموں کا کھانا پانی گھر میں الگ رکھنا شروع کیا اور ان کے مال کو تجارت وغیرہ منافع میں بھی لگانے سے دست کشی کی یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کا بچ رہتا تو وہ سڑ بس کر خراب جاتا۔ اس میں یتیموں کا حرج تھا اور یتیموں کی پرورش کرنے والوں کو بھی دقت تھی۔ اس لیے یہ آیت نازل فرمائی اور چند کلماتِ جامع کہہ کر تمام باتیں ختم کر دیں۔ فرمایا کہ یتیموں کی اصلاح خواہ مال کے معاملہ میں' خواہ ان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہتر ہے۔ ان کے لیے بھی اور دنیا و آخرت میں تمہارے لیے بھی۔ پھر فرمایا اگر ان کو ملا لو خواہ ان کا کھانا پینا' خواہ تجارت میں مال' خواہ ان سے نکاح بیاہ کر کے تو وہ تمہارے بھائی واجب الرحم ہیں۔ اس کے بعد ظاہراً و باطناً خدا ترسی اور دلی نیک نیتی کی طرف اشارہ کیا کہ خدا کو بھلائی چاہنے والا اور برائی کرنے والا معلوم ہے۔ پھر نعمت جتلاتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام کی مشقت میں تم کو ڈال دیتے مگر نہ ڈالا اور آسانی ملحوظ رکھی۔ یتیموں کی پرورش اور اصلاح اور خدا ترسی زیادہ گھر کی بیویوں سے متعلق ہے کیونکہ مرد اپنے کاروبار میں اندر باہر آتا جاتا رہتا ہے اور نیز جزئیاتِ امور پر اس کی نظر بھی نہیں رہتی۔ اس لیے خانہ داری کی اصلاح بھی ضرور ہوئی۔ پس فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو کس لیے کہ اس میں دیانت نہیں' پھر خدا ترسی اور حقوق پر نظر کجا؟ اور نیز تمہاری معاش و معاد میں بھی خلل پڑے گا۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہے جو باہمی محبت پر مبنی ہے۔ اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت نہ ہوئی تو روز کے جھگڑے پیدا ہوئے اور جو محبت ہوئی تو اس کی رسوم شرک و کفر پر چشم پوشی کرنی پڑی جس سے دین برباد[1] ہوا اور اسی طرح سے مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کی ممانعت کر دی اور فرمایا کہ مشرک سے غلام بہتر ہے اور مشرک سے لونڈی افضل ہے۔ نکاح سے یہاں مراد عقد ہے مگر اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے اصل معنی وطی[2] کے ہیں اور مجازاً عقد پر اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس کہتے ہیں المشرکات سے مراد سوا اہل کتاب کے اور بت پرست عورتیں ہیں یا جو خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو حصہ دار سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بحکم آیت سورۂ مائدہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب حلال ہے مگر المشرکین سے بالا جماع اہلِ کتاب وغیرہ سب کافر مراد ہیں پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا۔ اس کے بعد ممانعت ہوگئی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا

[1] اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ
[2] جماع یعنی صحبت کرنا۔ ۱۲ منہ

اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّکُمۡ مُّلٰقُوۡہُ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۲۳﴾

اور (اے رسول!) وہ آپ سے حیض کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو وہ نجاست ہے۔ پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو لیں۔ پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے خدا نے تم کو حکم دیا ہے ضرور خدا پسند رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے ستھرائی والوں کو۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں پھر اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آئندہ (یعنی عاقبت) کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے اور خوشخبری سنادو ایمانداروں کو۔

ترکیب۔ اَلۡمَحِیۡضِ موضع الحیض وتحتمل ان یکون نفس الحیض والتقدیر یسئلونک عن الوطی فی زمن الحیض مِنۡ حَیۡثُ اَمَرَکُمُ مِن اس جگہ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی فی ہو۔ پس یَسۡئَلُوۡنَ فعل ھُمۡ خبر فاعل ک مفعول عن المَحِیۡضِ فعل کے متعلق ہو کر جملہ خبریہ ہوا ھو مبتداء اذی خبر جملہ مقولہ ہوا قل کا فَاعۡتَزِلُوۡا امر حاضر معروف وانتم اس کا فاعل النساء مفعول بہ فی المحیض متعلق ہے فعل سے جملہ انشائیہ معطوف علیہ ولا تقربوا الخ اس پر معطوف فاذا حرف شرط تَطَھَّرۡنَ مخفف اور مثقل دونوں طرح پر ہے۔ اس کی اصل تتطھرن تھا۔ ت کو ساکن کر کے ط سے بدلا اور دوسری ط میں ادغام کر دیا۔ یہ جملہ شرط فَاۡتُوۡھُنَّ جواب شرط مِنۡ حَیۡثُ متعلق ہے فاتوھن سے نساء کم مبتداء حَرۡثٌ لَّکُمۡ خبر اَنّٰی شِئۡتُمۡ ای کیف شئتم۔

تفسیر: احکامِ حیض: از آنجملہ معاشرت کے طریقوں میں خرابی اور اس میں اپنی عورت سے خلافِ فطرت پیش آنا یعنی حیض میں صحبت کرنا جو طرفین کی تندرستی کو بھی مضر ہے اور انسانی پاکیزگی کے بھی۔ ان آیات میں اس مسئلہ کا بیان ہے۔ اس مسئلہ میں بعض اقوام افراط بعض تفریط کرتی ہیں۔ اسلام نے درمیانی طریقہ ارشاد فرمایا۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو جدا مکان میں رکھتے تھے نہ اس کے ہاتھ کا پکا کھاتے تھے نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے تھے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں میں کوئی بھی قید نہ تھی۔ مجامعت سے بھی چنداں حذر نہ کرتے تھے۔ مدینہ میں ہر ایک قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس مجتمع تھے۔ وہ اپنی اپنی عادت کے موافق کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس مسئلہ میں لوگوں کو خلجان پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا حیض ایک ناپاکی ہے۔ اس لیے عورتوں کے پاس نہ جاؤ یعنی ان سے جماع نہ کرو جب تک کہ وہ خوب پاک نہ ہو جاویں ان سے صحبت نہ کرو۔ پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ لذتوں ہی میں مستغرق نہ رہو کچھ آگے کی بھی فکر کرو کیونکہ تم کو خدا سے ملنا ہے۔ سو تقویٰ اور پرہیزگاری کرو خدا سے ہر امر میں ڈرا کرو۔ حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں اور حوض میں چونکہ پانی ادھر ادھر سے بہہ کر آتا ہے اس لیے اس کو حوض کہتے ہیں اور واو اوری ایک دوسرے کی جگہ کلامِ عرب میں آیا کرتا ہے۔ لفظ محیض مصدر بھی ہے اور اس سے ظرف بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی حیض کی جگہ حیض عورتوں کے رحم سے ہر مہینے میں خونِ فاسد برآمد ہونے کو کہتے ہیں۔ اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے اور بدبودار اور گاڑھا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیض میں عورتوں کے پاس جانے کی علت ناپاکی بیان کی ہے۔ سو یہ اس خون میں نہیں پائی جاتی کہ جو بیماری سے عورتوں کو آیا کرتا ہے جس کو استحاضہ کہتے ہیں اس لیے اس میں جماع منع نہیں۔ قرآن میں حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی کہ کب سے کب تک رہتا ہے عرفِ عام پر چھوڑ دیا۔ لیکن علماء نے احادیث اقوالِ صحابہ اور دیگر دلائل اور قرائن سے مدت مقرر کی ہے۔ سو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم ایک رات دن زیادہ پندرہ روز ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآن مجید میں حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت ہے باقی اور

احکام کہ حیض میں نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، مسجد میں نہ جاوے، قرآن مجید کو نہ چھوئے، طواف نہ کرے اور نیز نفاس[1] کے احکام اور اس کی مدت اور یہ کہ نماز کی قضا لازم نہیں، روزہ کی ہے۔ احادیث سے ثابت ہیں تطہرن کو جو تشدید سے پڑھا جاوے تو اس کے معنی نہا دھو کر پاک ہونا اور جو بغیر تشدید پڑھا جاوے تو صرف حیض سے پاک ہونا۔ اس پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکم دیا کہ اگر دس رز سے پہلے حیض منقطع ہوا ہے تو جب تک وہ غسل نہ کرلے یا اتنا عرصہ نہ گزر جاوے کہ جس میں غسل کر سکے اس سے صحبت نہ کرے اور جو بعد دس روز کے خون بند ہوا ہے تو اسی وقت جائز ہے۔ امام شافعی اور اوزاعی اور مالک اور ثوری رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں بغیر غسل کئے صحبت درست نہیں بلحاظ قراءتِ تشدید اس کے بعد خدا نے عورت کے پاس جانے کی اجازت دی اور عورت کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح زمین میں تخم ڈالتے ہیں اور اس سے کوئی چیز اگتی ہے اسی طرح عورت کا رحم بمنزلہ زمین اور منی بمنزلہ تخم کے ہے اور اولاد درخت ہے۔ اس سے نہایت تہذیب کے ساتھ اس کی طرف اشارہ ہے کہ پاخانہ کی راہ سے جماع نہ کرو اور اس لیے مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ کہا اور يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اور يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ فرمایا۔ بعض شیعہ کہتے ہیں درست ہے کیونکہ عام اجازت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ (کہ اللہ کے نام کی قسم کا بہانہ کر کے) نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو اور اللہ (خوب) سنتا جانتا ہے اللہ تم کو تمہاری قسموں میں بے ہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا ہے لیکن تم سے ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے کہ جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں (پورا نہ کرنے کی صورت میں) اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے (اسی عرصہ میں) اگر وہ ملاپ کرلیں تو اللہ غفور رحیم ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک خدا (خوب) سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَبَرُّوْا موضع نصب میں ہے ای مخافۃ ان تبروا اور اہل کوفہ کہتے ہیں لئلا تبرو تقدیر ہے، فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ متعلق ہے بِاللَّغْوِ سے اور جائز ہے کہ حال ہو اس سے تقدیرہ باللغو کائنا فی ایمانکم بِمَا كَسَبَتْ ما مصدریہ ہے لِلَّذِيْنَ صلہ و موصول ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے تربص الخ کی فان فَآءُوْ ای رجعوا شرط فَاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب و قس علیہ۔

تفسیر: قسم کے مسائل: از آنجملہ بے موقع قسم کھانا ہے اور قسم کو نیکی سے باز رہنے کے لیے آڑ بنانا اور بیوی جیسی جلیس سے جس پر معاشرت و تمدن مربوط ہے کسی بات پر خفا ہو کر اس کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھنا بہت مروج ہے۔ اس لیے اس مسئلہ کو بھی مسئلہ مناکحت کے بعد طے کر دیا۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی بات پر خدا کی قسم کھائی جائے خواہ وہ اچھی ہو یا بری یا کسی چیز کے ترک پر خواہ

[1] بچہ جننے کی حالت یعنی مجا۔۱۲

اچھی ہو یا بری تو ضرور اس پر قائم رہنا چاہیے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو اب کچھ نہ دیا کروں گا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا اور اسی طرح اور لوگ بھی قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے باپ سے یا ماں سے نہ ملوں گا یا فلاں شخص میں صلاح نہ کروں گا۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا کہ میرے نام کو کیوں آڑ بناتے ہو؟ اس کے ساتھ سمیع فرمایا یعنی اگر قسم کھاؤ گے تو وہ سنتا ہے اور جو اس کے نام کی عزت کر کے ترک کرو گے تو وہ علیم یعنی جانتا ہے۔ اس کے بعد قسم کا مسئلہ بیان فرمایا کہ تم سے لغو قسموں پر کچھ مؤاخذہ نہ کرے گا۔ عرضۃ بروزن فعلۃ المفعول کالقبضۃ والغرفۃ پس یہ اس چیز کا اسم ہے کہ جو روکنے والی ہو جس کو ہندی میں آڑ اور اڑتلہ کہتے ہیں۔ ایمان یمین کی جمع ہے جس کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں۔ اور عرف شرع میں اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو اللہ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جاوے جیسا کہ واللہ' باللہ' تاللہ عربی میں اور اللہ کی قسم یا بخدا اردو میں اور اسی کو حلف کہتے ہیں۔ چونکہ خدا کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یمین کہتے ہیں۔ یمین تین طرح پر ہوتی ہیں۔ ایک غموس[1] یہ وہ کہ جو کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے جیسا کہ واللہ فلاں شخص آیا تھا اور جانتا ہے کہ وہ نہیں آیا' اس میں بڑا گناہ ہے۔ اس پر بحکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم آخرت کا مؤاخذہ ہے۔ دنیا میں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بما کسبت قلوبکم میں داخل ہے اور پھر سورہ مائدہ میں اس کو بما عقدتم الایمان سے تعبیر کیا ہے اور وہاں اس مؤاخذہ کی تشریح ہے کہ کفارہ دینا ہوگا۔ دوسری منعقدہ وہ یہ کہ آیندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا کی قسم کھائے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم اس کے گھر نہ جاؤں گا پس جو کسی گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے کہ واللہ میں نماز نہ پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کروں گا یا اللہ نہ دوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا من حلف علی یمین ورائ غیرھا خیرا منھا فلیأت بالذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ رواہ البخاری'' کہ جو کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف کرنے میں بہتری جانیں تو اس کام کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے'' اور اس آیت میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے کہ تم خدا کے نام کو نیکی سے باز رہنے میں اڑتلہ نہ بناؤ اور جو ایسی باتوں پر قسم نہیں تو اس کو پورا کرنا چاہیے اور اگر خلاف کرے گا تو پھر عام ہے کہ اچھی بات پر قسم تھی یا بری بات پر۔ تو اس کو بالاتفاق کفارہ دینا ہوگا جس کا اشارہ یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم میں ہے اور تشریح سورہ مائدہ میں ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ الآیہ کہ خدا تم سے ان قسموں پر کہ جن کو تم نے منعقد کیا ہے' مؤاخذہ کرتا ہے سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا[2] کھلانا یا کپڑا[3] پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے اور اگر مقدور نہ ہو تو تین روزے[4] رکھنا۔ تیسرے یمین لغو اس کی تفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور مجاہد اور نخعی اور زہری اور سلیمان بن یسار اور قتادہ اور سدی اور مکحول اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں یمین لغو یہ ہے کہ کسی گذشتہ بات پر یہ جان کر کہ یہ یوں ہے قسم کھاوے اور اصل وہ یوں نہ ہو جیسا کہ کوئی کہے واللہ پرسوں بارش ہوئی تھی اور اس کو گمان غالب ہے کہ ہوئی تھی اور دراصل یہ غلطی پر تھا۔ یا کہے کہ واللہ یہ فلاں چیز ہے اور دراصل اس کا خیال غلط ہے۔ چونکہ اس نے عمداً جھوٹ نہیں بولا۔ یہ معاف ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور شعبی اور عکرمہ اور امام شافعی

[1] غمس کہتے ہیں ڈوبنے کو چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لیے اس کو غموس کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] دو وقت ورنہ ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے اور ایک صاع چھوہارے اور جو وغیرہ اور صاع کا وزن تخمیناً ساڑھے چار سیر ہے۔

[3] کپڑا ہر شخص کو ادنیٰ مرتبہ اس قدر پہناوے کہ جس سے نماز ادا کر سکے اور زیادہ کا اختیار ہے۔

[4] روزہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پے در پے رکھے اور آئمہ کے نزدیک یہ قید نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں یہ یمین لغونہیں کیونکہ اس میں قصد پایا گیا۔ اس پر کفارہ لازم ہوگا بلکہ لغو یہ ہے کہ بلا قصد یوں ہی بات بات پر واللہ باللہ کا استعمال کیا جاوے چونکہ اس میں قصد نہیں یہ لغویت معاف ہے' خدا دل کو دیکھتا ہے۔

ایلاء کا مسئلہ: عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا سو وہ قسم کے مارے نہ اس کے پاس آتے تھے نہ طلاق دیتے تھے۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ اس قسم کی قسم کو شرع میں ایلا کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایلا کے لیے مدت چار مہینے کی مقرر کر دی۔ پس اگر چار مہینے کے اندر اندر پھر ملاپ ہو گیا تو صرف اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ کفارہ بھی دینا پڑے گا کس لیے کہ اللہ غفور رحیم آیا ہے مگر یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ ہر قسم میں جو اللہ کے نام سے کھائی جائے حانث ہونے پر یعنی پورا نہ کرنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم ہے دوم غفور رحیم باعتبارِ عذابِ آخرت کے ہے اور جو چار مہینے گزر گئے اور باہم ملاپ نہ ہوا تو ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خود بخود طلاق مدت گزرنے پر نہ ہوگی بلکہ عورت کو مجاز ہوگا کہ حاکم کی طرف رجوع کرے اور حاکم یا ملاپ کرا دے یا طلاق دلا دے۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایلا جب پایا جاوے گا کہ جب شوہر چار مہینے یا زیادہ مدت لگا کر قسم کھاوے گا یا مطلق کہے گا یا ہمیشہ کا لفظ بولے گا مگر چار مہینے سے کم مدت پر قسم کھانے میں ایلا نہ ہوگا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ع ۲۸/۱۲

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے نفس کو تین حیض[1] تک روکے رکھیں اور ان کو حلال نہیں کہ جو کچھ خدا نے ان کے پیٹ میں پیدا کر رکھا ہے (حمل) اس کو چھپائیں بشرطیکہ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتی ہوں اور ان کے خاوند اگر اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس عرصہ میں ان کو واپس لے لینے کے زیادہ مستحق ہیں اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت بھی ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَالْمُطَلَّقَاتُ مبتداء یتربصن خبر معناً امر ہے ثَلٰثَةَ قروء ظرف ہے یَتَرَبَّصْنَ کا لَا یَحِلُّ فعل لَهُنَّ اس کے متعلق اَنْ یَّکْتُمْنَ جملہ بتاویل مصدر فاعل ان کن شرط جملہ لا یُحِلّ دال بر جزا بُعُوْلَتُهُنَّ مبتدا اَحَقّ الخ خبر بُعُوْلَتُهُنَّ متعلق ہے احق کے فِیْ ذٰلِكَ ای وقت التربص۔

تفسیر: چونکہ ایلا کا حکم آچکا تھا جو ایک قسم کی طلاق یا طلاق کے مبادی میں سے ہے اور معاملات کے مسائل کا بیان فرمانا سعادتِ انسانی کی تکمیل ہے۔ اس لیے طلاق کا مسئلہ ان آیات اور اگلی آیات میں بیان فرمایا۔ ایام جاہلیت میں عدۃ کے بارے میں بھی بڑا جھمیلا تھا۔ کبھی ایسا

[1] یعنی تین حیض تک عدتِ طلاق ہے اگر کسی سے نکاح کریں تو اس کے بعد کریں۔ ۱۲ منہ

بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دے کر برس چھ مہینے کے بعد بھی پھر اس عورت پر دعویدار ہو جاتا تھا اس لیے اس سے اور شخص نکاح نہ کرتا تھا نہ وہ خود اس کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس میں عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان کی اور اس عدت میں مرد کو پھر اس عورت سے ملاپ کرنے کی اجازت دی۔ بشرطِ نیتِ اصلاح اور عورتوں کو بھی تاکید کر دی کہ عدت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا اول خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں کس لیے کہ اس میں بڑی خرابی ہے اور ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جاتی اور نسب میں فرق پڑتا ہے اور یہ بھی جتلا دیا کہ عورت و مرد کے ایک دوسرے پر حقوق مساوی ہیں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور بزرگی ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ
لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ
اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا
افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ
اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

وہ طلاق (کہ جس کے بعد رجوع کر سکتے ہو) دو ہی ہیں (اس میں) یا تو دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے اور جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تم کو حلال نہیں مگر جبکہ دونوں کو ڈر ہو کہ ہم احکامِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے سو اگر تم کو (اے حکام) یہ خوف ہو کہ وہ دونوں خدا کے حکم پر قائم نہ رہیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دے کر پیچھا چھوڑا لے یہ خدا کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو خدا کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں سو وہی ظالم ہیں۔

تحقیقات: (١) مطلقہ عرفِ شرع میں اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق دی گئی ہو۔ اگر یہ عورت ایسی ہے کہ صرف نکاح ہوا ہے مگر اس سے صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کے لیے عدت نہیں۔ کما قال تعالیٰ اِذَا نَكَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَـكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا الآیۃ اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہو تو وہ یا حاملہ ہے یا غیر حاملہ اگر اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی جب تک حمل ہے عدت باقی ہے اور شخص اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ الآیہ اور اگر حمل نہیں اور صغر سنی کی وجہ سے اس کو حیض نہیں آتا ہے تو اس کی عدت صرف تین مہینے ہیں۔ وَالّٰٓـىِٕـىۡ يَٮِٕسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآٮِٕكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ الآیۃ اور جو اس کو حیض بھی آتا ہے لیکن وہ لونڈی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہیں۔ احادیثِ صحیحہ و آثارِ قویہ سے اور جو لونڈی نہیں تو اس کی عدت اس آیت میں ہے یعنی تین حیض یا تین طہر (٢) قروء قرء کی جمع ہے جس کے معنی حیض اور طہر دونوں کے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حیض لیتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طہر۔

ترکیب: اَلطَّلَاقُ ای عدد الطلاق (الذی یجوز معہ الرجعۃ) مبتداء مَرَّتٰنِ خبر اِمۡسَاكٌ موصوف بِمَعۡرُوۡفٍ صفت دونوں مبتداء عَلَيۡكُمۡ اس کی خبر محذوف او تَسۡرِيۡحٌ معطوف ہے امساک پر لَا يَحِلُّ فعل۔ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا بتاویل مفرد فاعل شَيۡـًٔا مفعول مِمَّآ اسکی صفت مقدم من تبعیض کے لیے اور ما بمعنی اَلَّذِیۡ اٰتیتمو فعل ھن مفعول اول ایاہ مفعول ثانی محذوف اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَا ان اور فعل دونوں موضع نصب میں

ہیں حال ہونے کی وجہ سے والقدیر الا خائفین الَّا یُقِیْمَا موضع نصب میں ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر تھا، اس آیت میں اس کو کھول دیا کہ کب تک خاوند کو رجوع پہنچتا ہے۔فرمایا دو طلاق تک پھر تیسری طلاق کے بعد بالکل علاقہ منقطع[1] ہو جاتا ہے مگر جاہلیت میں مرد کے رجوع کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ تین بلکہ دس بیس طلاق دینے کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز تک مرد کا عورت پر دعویٰ رہتا تھا۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ چنانچہ ایک عورت نے آ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی شکایت کی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو رجوع کر لے اور حسنِ معاشرت سے میاں بیوی مل کر رہیں ورنہ اچھی طرح سے چھوڑ دے یعنی رجوع نہ کرے۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے یا تیسری طلاق دے کر منقطع ہی کر دے جو کچھ ہو خوش معاملگی سے ہو۔ عورت کو دق نہ کرے نہ اس کے عیوب بیان کرتا پھرے نہ جو کچھ مہر اور زیور اور کپڑا وغیرہ اس کو بخش دیا ہے اس کو واپس لے مگر ایک صورت میں اور وہ خلع ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ اب میاں بیوی کی ہرگز نہ بنے گی اور بیوی اپنے آپ کو اس کے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتی تو بیوی[2] مہر یا جو کچھ لیا ہے اس کو سب یا قدرے دے کر طلاق لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے باہم ساتھ رہنے میں روزمرہ کی تکا فضیحتی اور خدا رسول کی نافرمانی ہے۔

فوائد: (۱) مدینہ میں ایک عورت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی شکلیہ تھی اور اس کا خاوند ثابت بن قیس بن شماش بدشکل تھا جس قدر یہ اس کو چاہتا تھا۔ اسی قدر اس عورت کو اس سے نفرت تھی۔ اس لیے ہر روز باہم بدمزگی اور رنجش رہتی تھی۔ آخر الامر جمیلہ نے آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا حضرت میرا دل اس سے از حد نفرت کرتا ہے اور خوف ہے کہ حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو۔ اس لیے آپ مجھ کو اس سے جدا کر دیجئے۔ آپ نے بہت کچھ فہمائش کی مگر جب دیکھا کہ باہم اتفاق مشکل ہے' ثابت سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بہتر مگر میں نے اس کو باغ دیا ہے۔ یہ اس کو واپس کر دے۔ جمیلہ نے کہا باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لے کر مجھے چھوڑ دیجئے۔ حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ صرف باغ لے کر چھوڑ دے سو اس نے باغ واپس کر کے اس کو چھوڑ دیا۔ یہ اول خلع ہے جو اسلام میں واقع ہوا۔ سنن ابی داؤد سے ثابت ہے کہ اس عورت کا نام حفصہ بنت سہل تھا۔ (۲) ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع جب درست ہے کہ جو مرد و عورت کو خوف ہو کہ ہم سے حقوق زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے چنانچہ زہری اور نخعی اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے مگر جمہور مجتہدین حالت خوف اور غیر خوف دونوں میں درست کہتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا کہ جو کچھ اپنی خوشی سے مہر میں سے وہ عورتیں تم کو دے دیں تو تم کو درست ہے۔ پس جب بلا معاوضہ دینا درست تھا تو خلع کی صورت میں کہ اس کے بدلہ میں آزادی حاصل ہوتی ہے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اور الا ان یخافا میں استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع جیسا کہ اس آیت میں وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ای لکن ان کان خطاء فدیہ۔

فائدہ: خوف اگر عورت کی جانب سے ہو کہ وہ سرکشی اور نافرمانی کرتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق مال لے کر چھوڑ دینا درست ہے اور اگر صرف خاوند کی طرف سے ہو کہ وہ عورت کو مارتا پیٹتا' بری طرح سے پیش آتا ہے اور تنگ کر کے اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ

---

[1] دو طلاق تک مرد کو زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے۔ تیسری طلاق کے بعد اختیار نہیں اس کا حکم بعد میں بیان ہوتا ہے۔

[2] یعنی مہر میں یا چڑھاوے میں جو کچھ مرد نے دیا ہے وہ عورت کا مال ہو چکا۔ طلاق کے سبب مرد کو جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ واپس لے۔ صرف خلع کی صورت میں جائز ہے اور وہ یہ کہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اب ان دونوں میں سلوک سے نہ گزرے گی مرد کو دو طلاق کے بعد بھی زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے۔ بشرطیکہ عدت نہ گزر گئی ہو ایسی حالت میں مرد کو عورت اس کے عطیہ میں سے کل یا جز و واپس دے کر پیچھا چھڑا لے تو مضائقہ نہیں، اس کو شرع میں خلع کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اس سے طلاق لے اور مہر جو کچھ دیا ہے واپس دے' سو یہ بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اور اگر دونوں جانب سے خوف ہو تو بھی عنداللہ مرد کو یہ مال لینا درست نہیں گو بظاہر عدالت شریعت دلوا دے اور اگر دونوں جانب سے نہیں تو یہ وہی صورت اختلافی ہے کہ جس میں زہری وغیرہ ایک طرف اور اکثر مجتہدین ایک طرف ہیں۔ (۳) فَاِمۡسَاكٌ ۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ ۢ بِاِحۡسَانٍ کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو طلاق کے بعد رجوع کر لے یا رجوع نہ کرے عدت گزر جانے دے اور یہی تسریح باحسان ہے یعنی اچھی طرح سے چھوڑ دینا۔ بعض کہتے ہیں کہ تسریح سے مراد تیسری طلاق ہے کہ پھر بالکل ہی جھگڑا پاک ہو جاوے چنانچہ اگلی آیت فان طلقھا میں اس کا بیان ہے۔ (۴) مرتان دو دفعہ کر کے طلاق دینا ہے اثنان میں یہ بات نہیں بلکہ صرف دو طلاق عام ہے کہ ایک بار دی گئیں یا دو بار بطریق اولیٰ مرتان کا اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ گو حالت مجبوری میں طلاق بغیر چارہ نہیں مگر جہاں تک ہو سکے اس رشتہ کو قائم رکھے اس لیے ایک بار دو طلاق دینا شارع علیہ السلام نے مذموم قرار دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ایک طلاق کے بعد شاید مرد کا غصہ یا رنج جو باعث طلاق ہو' جاتا رہے اور مہر و محبت اور خانہ داری کی مصلحت معلوم ہو جائے تو پھر مل سکتے ہیں۔ داؤد اور ابن حزم وغیرہ ظاہری تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین طلاق ایک بار دے گا تو ایک ہی واقع ہو گی کیونکہ اس سے شارع نے منع کیا ہے اور ممنوع کا وجود شرعاً معتبر نہیں مگر آئمہ اربعہ و جمہور اہل سنت و جماعت اس کے برخلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں ممنوع فعل کے وجود کا انکار کرنا محسوس کا انکار کرنا ہے۔ زنا چوری ہر چند ممنوع مگر جو ان کو عمل میں لائے گا اس پر زنا اور چوری کی ضرور سزا شرعاً واقع ہو گی۔ احادیث صحیحہ سے بھی پایا گیا ہے کہ تین طلاق ایک بار دینے سے وہ تین ہی سمجھی گئیں اور حلالہ بغیر چارہ نہ ہوا اور لفظ فان طلقھا مرتان کے بعد اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ (۵) خلع یعنی مال لے کر طلاق دینا کیا ہے؟ حضرت علی و عثمان و ابن مسعود رضی اللہ عنہم و حسن بصری و شعبی و نخعی و عطار و ابن مسیب و شریح و مجاہد و مکحول و زہری و سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ اور ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے کہ یہ طلاق بائن ہے اور اس کو طلاق علی المال کہیں گے۔ اس میں پوری عدت لازم ہو گی مگر ابن عباس اور طاؤس اور عکرمہ اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ خلع فسخ ہے یعنی نکاح کو ادھیڑ دینا اس میں ایک حیض تک عورت کو روکنا لازم ہے تا کہ حمل کا حال معلوم ہو جاوے پھر نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے گی۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پہلے خاوند اور اس عورت پر باہم ملاپ کرنے میں کچھ بھی گناہ نہیں اگر وہ (یہ) جانیں کہ ہم حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں گے اور یہ خدا کے احکام ہیں وہ ان کو سمجھنے والوں کے لیے بیان کرتا ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھی طرح چھوڑ دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روک رکھو کہ ان پر زیادتی کرے اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور خدا کے احکام سے مسخرا پن نہ کرو اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں اور یہ احسان بھی (یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی کہ جس سے تم کو سمجھایا جاتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو (اور) وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب ان کو اپنے (پہلے) خاوند سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ جبکہ وہ باہم دستور کے موافق راضی ہو جاویں۔ تم میں سے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے اور (اس کی مصلحت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ترکیب: فَاِنْ طَلَّقَهَا شرط فَلَا تَحِلُّ فعل ضمیر ھی راجع عورت کی طرف فاعل لہ متعلق لا تحل من بعد متعلق فعل مذکور حتّٰی غایۃ لا تحل تَنْكِحَ فعل ضمیر ہی۔ فاعل زَوْجًا مفعول موصوف غَيْرَهٗ صفت یہ تمام جملہ جواب شرط فَاِنْ طَلَّقَهَا ای الزوج الثانی جملہ شرط فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ ای المرۃ والزوج الاول اَنْ يَّتَرَاجَعَآ فی محذوف جملہ جواب شرط اِنْ شرطیۃ ظَنَّآ فعل الزوجان فاعل اَنْ يُّقِيْمَا الخ جملہ مفعول پھر یہ سب شرط اور فَلَا جُنَاحَ دال بر جزاء تِلْكَ مبداء حُدُوْدُ اللّٰهِ خبر موصوف يُبَيِّنُهَا الخ جملہ صفت وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ شرط فَاَمْسِكُوْهُنَّ الخ جواب ضرارًا مفعول لہ تُمْسِكُوْهُنَّ وما معطوف ہے نعمت اللہ پر اَنْ يَّنْكِحْنَ ای من ان ینکحن۔

تفسیر: اس آیت میں طلاق کے متعلق پانچواں حکم بیان فرماتا ہے وہ یہ کہ اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجوع کرنے کا حق اول خاوند کو باقی نہ رہا۔ بالکل اس کے اختیار سے باہر ہوگئی۔ اب جو یہ شخص اس عورت سے ملاپ کرنا چاہے تو اس کو یہ اس وقت حلال ہوگی کہ جب اور شخص سے نکاح کرے گی اور وہ اس سے صحبت کر کے (جیسا کہ صحیحین میں حدیث[1] زن رفاعہ سے ثابت ہے) طلاق دیوے سو اب اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم باہم سلوک و محبت سے گزران کریں گے اور حقوقِ زوجیت پر قائم رہیں گے تب رجوع کرنا یعنی بعد عدت کے پھر نکاح کرنا درست ہے مگر یہ شخص جس سے کہ حلالہ کے لیے نکاح ہوا شرط نہ کرے کیونکہ حضرت ﷺ نے ایسی صورت میں دونوں پر لعنت کی ہے بلکہ اس شخص کو اختیار ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اس میں سر یہ ہے تاکہ خاوند اول تین طلاق دینے کی پوری سزا پا کر پھر کبھی ایسی

---

[1] بخاری اور مسلم کی روایت ہے آنحضرت ﷺ کے پاس رفاعہ کی بیوی نے آ کر عرض کیا کہ یا حضرت مجھ کو رفاعہ نے طلاق دی تھی پھر میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا مگر یہ ست نکلا۔ آپ نے فرمایا تو یہ چاہتی ہو کہ پھر رفاعہ کے پاس جاوے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوگا جب تک کہ تیرے مزے سے وہ اور تو اس کے مزے سے واقف نہ ہو لے یعنی باہم جماع نہ ہو لے۔ ۱۲

لغو حرکت کا قصد نہ کرے۔

واضح ہو کہ دو طلاق دینے کے بعد عورت کے تین حال ہیں۔ (۱) یہ کہ مرد اس سے رجوع کر لے یعنی عدت کے اندر ملاپ کر لے سو اس کو فامساک بمعروف میں بیان فرمایا۔ (۲) یہ کہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جاوے اور بالکل جدائی ہو جاوے اس کو تسریح باحسان میں ظاہر فرمایا۔ (۳) یہ کہ تیسری اور طلاق دے کر بالکل انقطاع کر دے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا فان طلقہا الخ الطلاق مرتان کے بعد فان طلقہا متصل ہے اور ان دونوں آیتوں کے بیچ میں ولا یحل لکم الخ آیت خلع بطور جملہ معترضہ آ گئی ہے۔

اس کی شانِ نزول میں یوں منقول ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو اس کے خاوند جمیل بن عبداللہ بن عاصم نے طلاق دی اور عدت کے بعد پھر پشیمان ہو کر اس سے نکاح کی درخواست کی، عورت نے منظور کر لیا مگر معقل بن یسار نے خفا ہو کر روک دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب معقل نے کہا میں خدا کے حکم پر راضی ہوں۔ رواہ الحاکم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب عورت ایک مدت ایک مرد کے پاس رہ کر مباشرت کر چکی ہو گو کسی سبب سے باہم طلاق کی نوبت پہنچ گئی ہو مگر باہم ایک تعلق باقی رہتا ہے۔ اس لیے اول خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے کا اشارہ ہوا اور اس کی حکمت کو اشارتاً ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ میں بیان فرمایا۔ پھر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ میں اور بھی توضیح کر دی۔

مخالفینِ اسلام طلاق کے بارے میں بھی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ شریعت نے ایسے مکروہ مسئلہ کو جائز رکھا کہ جو باہمی محبت اور تمدن کے برخلاف ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق مکروہ چیز ہے اور اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ خدا کے نزدیک نہایت ناپسند ہے اور جو عورت بغیر کسی لاعلاج ضرورت کے طلاق لے گی اس پر جنت کی بو بھی حرام ہو گی مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی کو تمام عمر مل کر گذارنی پڑتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خود خصلت کا موافق آنا ضروری بات نہیں علاوہ اس کے سینکڑوں ایسی سخت ضرورتیں درپیش ہو جاتی ہیں کہ جن کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس شریعت نے نہ یہود کی طرح افراط کو دخل دیا کہ خوامخواہ بھی ذرا سی بات پر طلاق[1] دینے کی اجازت دی ہو بلکہ اول یوں فرمایا کہ عورتوں کی کج خلقی پر صبر کیا کرو ان کے ساتھ نہایت سلوک و احسان کے ساتھ پیش آیا کرو اور عورتوں کو سمجھایا کہ تم پر مردوں کی اطاعت اور حفظِ ناموس اور خیر خواہی ضرور ہے۔ اس کے بعد اشد ضرورت کے لیے طلاق کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ بھی یہ باتیں ملحوظ رکھیں تا کہ پھر ملاپ ہو جاوے۔ اول یہ کہ طہر میں طلاق دے شاید حیض کے وقت کسی بات سے دل پر نفرت آ گئی ہو۔ دوم ایک بار تین طلاق نہ دے شاید پھر بیچ میں ملاپ ہو جاوے اور غصہ فرو ہو کر سمجھ آ جاوے۔ سوم عدت کے بعد بھی ملاپ کا رستہ رکھا اور نہ عیسائیوں کی طرح تفریط کو کام فرمایا کہ عورت کیا ہوئی بلائے جان ہو گئی۔ کچھ ہی کرے بغیر زنا کے اور کسی سبب سے طلاق نہ دے۔ جس کے برے نتائج مشاہدہ میں رات دن آتے رہتے ہیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق

[1] اسی بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذموم فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو کامل دو برس تک دودھ پلائیں اور اس شخص کی اولاد کے لیے جو تین طلاق کے بعد بھی اسی عورت سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق لازم ہے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی گنجائش ہو نہ تو ماں ہی کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر دیا جاوے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور اسی قدر اس کے وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ بڑھانا چاہیں تو ان پر کچھ بھی گناہ نہیں اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا ہے اس کو دستور کے موافق دے دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: وَالْوَالِدٰتُ مبتدا یُرْضِعْنَ الخ خبر اَوْلَادَهُنَّ مفعول یرضعن حَوْلَيْنِ موصوف کَامِلَيْنِ صفت یہ ظرف لِمَنْ اَرَادَ الخ ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ذلک لمن اراد۔ رزقھن معطوف علیہ و کِسْوَتُهُنَّ معطوف دونوں ذی الحال بالمعروف حال اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں یہ سب مبتدا علی المولود لہ موصول وصلہ خبر پھر یہ جملہ معطوف ہے اول جملہ اسمیہ پر لَا تُكَلَّفُ فعل مجہول نَفْسٌ مفعول مالم یسم فاعلہ اِلَّا وُسْعَهَا مفعول ثانی لَا تُضَارَّ فعل مجہول اصل میں لَا تُضَارَرْ صیغہ نہی اور رکو متحرک التقاء ساکنین کی وجہ سے کیا اور فتح مجانست الف کی وجہ سے دیا اور بعض نے رکو مرفوع بھی پڑھا ہے۔ وَالِدَةٌ مفعول مالم یسم فاعلہ بِوَلَدِهَا اے بسبب ولدھا ولا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ معطوف ہے والدۃ پر ای لایضار مولود لہ بولدہ۔

تفسیر: یہ دسواں حکم رضاعت کا ہے۔ طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی دشمنی اور نفرت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور ایسی حالت میں بالخصوص جبکہ عورت کو کسی اور سے نکاح کرنا مدِنظر ہوتا ہے تو خوامخواہ بچہ سے بے التفاتی ہوتی ہے اور اس کے دودھ پلانے میں بھی تکرار کرتی ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو اور کبھی مرد یہ چاہا کرتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور اس بیچارے کو اس کے فراق سے تڑپائے۔ اس لیے اس کے بعد اس امر میں بھی بچہ پر رحم کھا کر فیصلہ کر دیا کہ بچہ کی مائیں کامل دو برس تک اپنے بچہ کو دودھ پلائیں اور ان کا باپ اس کے معاوضہ میں دستور کے موافق ان کو روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے حسبِ مقدور نہ ماں کو کسی نوع کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے کہ اس سے بچہ چھین لیا جاوے یا دستور سے کم اس کو نان ونفقہ دیا جاوے اور نہ باپ کو تکلیف دی جائے کہ اس کے مقدور سے زیادہ اس سے طلب کیا جاوے اور بچہ کو اس کے پاس پھینک کر چلی جاوے اور جو باپ نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارثوں پر بھی نان ونفقہ اسی طرح لازم ہے اور جو باہمی مشورہ کر کے اور مصلحت سمجھ کر دو برس سے پیشتر دودھ بڑھانا[1] چاہیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو کسی مصلحت سے یہ منظور ہو کہ اور عورت سے بچہ کو دودھ پلوائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں مگر جو کچھ تنخواہ مقرر ہو جاوے تو

[1] دودھ بڑھانا بچوں کا دودھ چھڑانا۔۱۲ منہ

اس کو دے دینا چاہیے۔

فوائد: (۱) بظاہر یہ حکم طلاق دی ہوئی عورت کے لیے ہے کہ اس قدر مدت دودھ پلائے اور اس کو روٹی کپڑا دیا جاوے الخ مگر حکم عام ہے کہ بیوی کو بھی یہی حکم ہے اور اگر دودھ پلانے کی وجہ سے اس کو کچھ دیا جاوے تو اس کو حقِ زوجیت مانع نہیں۔

(۲) حولینِ کاملین یعنی پورے دو برس کی مدت تک دودھ پلانا کوئی ضروری بات نہیں بلکہ اگر ضرورت پیش آوے تو اس سے پہلے بھی فطام ہوسکتا ہے یعنی دودھ بڑھ سکتا ہے جس کو فصال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور دو برس کی مدت اس لیے مقرر ہوئی ہے کہ اگر اس سے پہلے باہمی مشورہ کے بغیر مرد یا عورت دودھ بڑھائے تو نہ بڑھا سکے اور یہ بھی ہے کہ جو احکام رضاعت کے متعلق ہیں کہ دودھ سے بھائی بہن ہو جاتے ہیں وہ اسی مدت کے اندر معتبر ہیں اس کے باہر نہیں۔ پس ظاہر آیت سے امام شافعی اور علقمہ اور شعبیؒ اور زہری رحمہم اللہ نے دو برس رضاعت کی مدت قرار دی ہے اور یہی رائے حضرت علی اور ابن مسعود اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم کی ہے اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ڈھائی برس کی مدت ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ وحملہ وفصالہ ثلثون شھر کہ حمل[1] اور فصال کی مدت ڈھائی برس ہے اور اس آیت میں جو دو برس کامل مذکور ہیں تو صرف اجرتِ رضاعت کے لیے اور آئمہ اس آیت کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کی مستقل مدت نہیں بیان کی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت جس نے حمل کی ادنیٰ مدت چھ مہینے اور رضاعت کی دو برس۔

(۳) عورت پر بچہ کا دودھ پلانا عموماً واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور یرضعن سے بھی یہی مراد ہے اور اس لیے دوسری جگہ اس کی تصریح آگئی ہے۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری اور جو تنگدستی ہو تو اور سے دودھ پلوالو مگر بچے کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی ماں کا دودھ پیوے کس لیے کہ جو شفقت اس کو ہوگی وہ اور کو کب ہوسکتی ہے اور نیز اس کا دودھ زیادہ تر موافق پڑتا ہے اور اس نے ماں کو بچہ پر رحم دلانے کے لیے اولادھن فرمایا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور باپ کو شفقت دلانے کے لیے مولود لہ کہا اور جب بچہ سوائے ماں کے اور کا دودھ نہیں پیتا یا والد کو اور سے دودھ پلانے کی بالکل طاقت نہیں تب ماں ہی پلانا واجب ہے۔

(۴) اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ پلائی کی اجرت اسی وقت سپرد کرنی واجب نہیں بلکہ جو قرارداد ہو جاوے اور جس طرح سے ہو جاوے مدت تمام ہونے کے بعد دی جائے لیکن اسی وقت دینے سے دل خوش ہو جاتا ہے اس لیے یہ لفظ آیا۔ سب کے بعد خدا نے ان حقوق کی رعایت رکھنے کے لیے ایک ایسا کلمہ ذکر کیا کہ جس سے ہر ایماندار کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ وہ یہ کہ اول فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اس کے بعد یہ فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ حقیقت میں ان باہمی حقوق کی رعایت بغیر خدا ترسی کے ممکن نہیں۔ عدالتِ دنیاوی اور حکام کہاں تک بندوبست کر سکتے ہیں اور اسی لیے جب تک دنیا میں خدا ترسی اور انبیاء اور ان کے جانشینوں کے ذریعے سے تنفیذِ احکام

---

[1] حمل سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک حمل شکمی نہیں بلکہ رضاعت کے ایام میں بچہ کا گود میں اٹھانا اور کبھی الگ کر دینا گویا حمل وفصال رضاعت ہے۔ اگر حمل سے مراد حمل شکمی اور فصال سے مراد دودھ بڑھانا لیا جائے تو ہر واحد کی خبر ثلاثون شہرا ہے یعنی اڑھائی برس انتہا مدت حمل کی ہے اور اڑھائی برس انتہا رضاعت کی ہے۔ یہ نہیں کہ دونوں کی مدت اڑھائی برس ہے۔ کلام کی صاف دلالت اسی معنی پر ہے۔ ۱۲

ف یعنی طلاق کے بعد اگر کوئی مطلقہ کے بچے کو اسی سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو عورت کو انکار نہ کرنا چاہیے کس لیے کہ بہ نسبت اور عورت کے اس کو بچہ پر جو اس کے پیٹ کا ہے نہایت شفقت ہوتی ہے مگر بچہ کے باپ پر دستور کے موافق نہ بہت زیادہ نہ بہت کم دودھ پلانے والی کا خواہ یہ مطلقہ ہو یا کوئی اور ہو روٹی کپڑا یا اس کے اندازہ سے کوئی تنخواہ دینی ضرور ہے اور اگر باہمی مصلحت سے دو برس سے پہلے ہی دودھ بڑھا دینا چاہیں تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اگر بچہ کا باپ مر جائے تو اس کے وارثوں پر یہ تنخواہ لازم ہوگی۔ ۱۲ منہ

ہوتی رہیں۔ انتظامِ عالم بھی صداقت سے ہوتا رہا مگر جب صرف قانونِ حکومت رہ گیا تو بدمعاشی اور جعل سازی نے ظہور پکڑا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

ربع

اور جو تم میں سے مرجاویں اور وہ بیویاں چھوڑ مریں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس روز تک اپنے نفس کو روکنا چاہیے (یعنی عدت کو پورا کرنا چاہیے) پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو (اے وارثو!) تم پر اس کام میں جو وہ اپنے لیے دستور کے موافق کر لیں کچھ بھی برائی نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے اور نہ تم پر اس بات میں کچھ گناہ ہے کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام بھیجوایا (اس کو) دل میں پوشیدہ رکھو' خدا جانتا ہے کہ تم کو ان عورتوں کا خیال پیدا ہوگا (سو اس کا مضائقہ نہیں) لیکن مخفی طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو (ہاں اگر کوئی دستور کے موافق بات کہو تو حرج نہیں) اور جب تک کہ (خدا کی طرف سے) میعادِ نوشتہ (یعنی عدت) پوری نہ ہولے اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

ترکیب: وَالَّذِيْنَ الخ مبتدا یَتَرَبَّصْنَ خبر مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ یہ جار مجرور موضع حال میں ہے بِہٖ سے سِرًّا مفعول بہ ہے کیونکہ یہ بمعنی نکاح ہے ای لَا تُوَاعِدُوْھُنَّ نکاحًا اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو ای مواعدۃ سرا و قیل تقدیرہ فی سر۔ سو یہ ظرف ہے اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا استثناء مفرغ ہے مدلول نہی سے ای لا تواعدوھن مواعدۃ ما الا مواعدۃ معروفۃ۔

تفسیر: پہلی چار آیتوں میں عدتِ طلاق مذکور تھی اس لیے عدتِ وفات کا بھی حکم بیان کر دیا۔ یہ گیارہواں حکم ہے۔ اللہ فرماتا ہے جو لوگ بیویاں چھوڑ مریں تو ان کی بیوی کو چار مہینے دس روز تک چاہیے کہ نکاح نہ کریں نہ جو چیزیں نکاح کے اسباب ہیں ان کو عمل میں لاویں۔ زیب و زینت' سرمہ کاجل وغیرہ اور نہ بغیر ضرورت اس گھر سے باہر جاویں یہ سب باتیں یتربصن سے سمجھی جاتی ہیں اور خود نبی علیہ السلام نے تشریح کر دی ہے۔ اگر بیوہ کو حمل ہے تو اس صورت میں جب تک ہے عدت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور عدت کے بعد جو کچھ وہ دستور کے مطابق کریں خواہ نکاح ثانی کریں یا زیب و زینت تو ان کو منع نہ کرو۔ اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ عورتوں کو نکاح اور اس کی داعی سے روکا تو مردوں کو بھی منع کیا کہ عدت سے پہلے تم نہ ان کو صراحتاً نکاح کا پیغام دو اور نہ خفیہ نکاح

کا وعدہ کرو کیونکہ اس قسم کی تحریک اور لگاوٹ سے عورت کے دل میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جس سے عدت میں فرق پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے اور قیام عدت نکاح سابق کی عزت و حرمت کا ملحوظ رکھنا عورت کو بیوفائی اور بیگانوں کی آشنائی سے محفوظ رکھنا ہے جو تمدن کے لیے ضرور ہے اس کا مضائقہ نہیں کہ اشارتاً اپنا ارادۂ نکاح ظاہر کر دیا جاوے کہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے[1]۔ ان سب باتوں کے بعد فرمایا کہ وہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ اس سے ڈرتے رہا کرو۔ خطبۃ بالکسر منگنی اور پیغام نکاح کو کہتے ہیں اور بالضم خطبہ پڑھنا یعنی کوئی ترغیب و ترہیب کا مضمون بیان کرنا جیسا کہ جمعہ اور عیدین اور دیگر اوقات میں ہوتا ہے آگے ایک آیت ہے کہ جس میں عدتِ وفات برس روز کی ہے اس کا حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ عدت عظمت نکاح اول کے لیے اور نیز حمل اور نسب کی تمیز کے لیے مقرر ہوئی ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تم پر اس بات سے (بھی کوئی) گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا ان کے لیے مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو (ہاں اس صورت میں) ان کو کچھ سامان دینا چاہیے مقدور والا اپنی حیثیت سے اور تنگدست اپنے مقدور کے موافق دے (جو کچھ بھی ہو) دستور کے موافق سامان دینا نیک لوگوں پر (ایک لازمی حق ہے) اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہے اور ان کے لیے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر معین دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے کہ جس کے اختیار میں نکاح باندھنا تھا اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو کیونکہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ ما مصدریہ اور زمان اس کے ساتھ محذوف ہے تقدیرہ فی زمن ترک مسھن اور بعض کہتے ہیں ما شرطیہ ہے اِنْ لَّمْ تَمَسُّوْهُنَّ فَرِيْضَةً فعیلۃ بمعنی مفعولۃ مفعول بہ ہے وَمَتِّعُوْهُنَّ معطوف ہے محذوف پر تقدیرہ فَطَلِّقُوْهُنَّ وَمَتِّعُوْهُنَّ۔ عَلَى الْمُوْسِعِ خبر ہے مبتداء محذوف کی مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ اور پھر یہ جملہ موضع حال میں ہے فاعل سے اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو مَتَاعًا اسم مصدر ہے اور مصدر تمتع

[1] یعنی عدتِ وفات چار مہینے دس روز تک ہے۔ خاوند کے مر جانے کے بعد اتنے عرصے تک عورت نکاح نہ کرے اگر اس کے بعد دستور کے موافق کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ وارثوں کو اس سے ان کو منع نہ کرنا چاہیے اور ایامِ عدت میں ان سے نکاح کا پیغام دینا یا وعدہ کرنا کہ ہم تم سے بعد عدت نکاح کریں گے، ممنوع ہے کس لیے کہ عدت حرمت و عزتِ نکاح کے لیے قائم ہوئی ہے۔ پیغام دینے یا مخفی طور سے پکی کر لینے میں اس احترام نکاح میں فرق آتا ہے۔ گویا یہ بے وفا عورت اس کا مرنا ہی چاہتی تھی۔ ہاں مرد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ عدت کے بعد اس سے ہم نکاح کریں گے یا یہ کہلا بھیجنا کہ مجھے نکاح کی طرف رغبت ہے یعنی اشارتاً منشاء ظاہر کرنا بعض مصلحتوں کے سبب کچھ ممنوع نہیں۔ ۱۲ منہ

ہے۔ حَقًّا مفعول مطلق ای حق ذلک حقا۔ وَقَدْ فَرَضْتُمْ موضع حال میں ہے اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ ان اور فعل موضع نصب میں ہے وَالتَّقْدِیْرُ فَعَلَیْکُمْ نِصْفُ مَافَرَضْتُمْ اِلَّا فِیْ حَالِ العفو۔

تفسیر: یہ بارھواں حکم ہے۔ واضح ہو کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں۔ قسم اول یہ کہ ان کا مہر بھی معین ہو اور پھر ان کو خلوت کر کے طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہیے اور تنگ کر کے ان سے کچھ واپس لینا نہ چاہیے اور ان کی عدت تین حیض ہے۔ قسم دوم وہ کہ ان کے لیے مہر معین نہ ہوا اور نہ ہنوز ان سے خلوت ہوئی ہو بلکہ صرف نکاح کر کے طلاق دے دی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں لاجناح سے لے کر حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ تک بیان ہے۔ وہ یہ کہ ان کے لیے مہر نہیں بلکہ دستور کے موافق متعہ یعنی خرچ دینا چاہیے۔ کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر۔ قسم سوم وہ عورتیں ہیں کہ جن کا مہر تو معین ہو مگر خلوت نہ ہوئی ہو اور طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ وان طلقتموھن[1] من قبل ان تمسوھن الآیہ وہ یہ کہ ان کو آدھا مہر دے۔ ان دونوں قسموں میں عورت پر عدت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں فرماتا ہے اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ۔ چوتھی قسم یہ کہ عورت سے نکاح کر کے صحبت بھی کی ہو لیکن اس کا مہر معین نہ کیا ہو۔ پھر اس کو طلاق دے دی تو اس کا حکم اس آیت میں ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اجورھن کہ ان کو مہر مثل دینا چاہیے یعنی جو مہر کہ اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے وہ ملے گا۔ متعہ اور متاع لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے فائدہ حاصل ہو اور اسی لیے دنیا کو متاع کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہاں خرچ ہے جس کی تعداد کچھ نہیں۔ ادنیٰ مرتبہ عورت کے کپڑے اور زیادہ مقدار نصف مہر اور یہ واجب ہے اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ سے مراد حضرت علی اور سعید بن المسیب اور بہت سے تابعین اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کا میاں ہے کہ اس کے ہاتھ میں نکاح ہے۔ پس اگر یہ معاف کرے یعنی آدھا اور بھی دے دے تو پورا ہو سکتا ہے اور امام شافعی اور حسن اور مجاہد اور علقمہ کہتے ہیں اس سے مراد ولی ہے یعنی عورت کا سرپرست کس لیے کہ نکاح کرنا اس کے ہاتھ میں تھا۔ پس یا عورت معاف کر دے یا اس کی اجازت سے ولی معاف کر دے نصف بھی ساقط ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾

[1] ان آیات میں دو قسم کی طلاق کا حکم بیان فرماتا ہے کیونکہ عورت کو یا ہاتھ لگانے یعنی خلوت کرنے سے پہلے طلاق دی جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کے لیے کچھ بھی مہر معین نہ ہوا تھا ایسی صورت میں متعہ دینا یعنی ضروری سامان حسب مقدور مرد پر لازم ہے۔ جس کی کوئی تعداد بیان نہیں ہوئی مگر کم سے کم ایک جوڑا کپڑوں کا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر معین ہو چکا تھا تو نصف لازم ہے ہاں اگر عورت کم سن ہے تو اس کے ولی معاف کر دیں اور معاف کر دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں طرفین سے کوئی متمتع نہیں ہوا ہے آپس کی فضیلت عورت کے والی کا اختیار قائم رکھتا ہے کہ جو کچھ اس نے کر لیا ہے عورت منظور کر لے سرکشی نہ کرے ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدت بھی لازم نہیں۔ ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دینے کا مسئلہ پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر مہر معین تھا تو کل اور اگر معین نہ ہوا تھا تو مہر مثل لازم ہے اور اس عورت کو عدت لازم ہے اور اس کے لیے ایک سے لے کر تین طلاق دی جا سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

نمازوں کی محافظت کیا کرو (اور خاص کر) بیچ کی نماز کی اور اللہ کے سامنے نیاز مندی سے کھڑے ہوا کرو پھر اگر تم کو (دشمن کا) ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لیا یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لیا کرو) پھر جب تم امن پاؤ تو اللہ کو (اس طرح سے) یاد کیا کرو جس طرح اس نے تم کو (وہ طریقہ) بتایا کہ جس کو تم نہیں جانتے تھے اور جو تم میں سے مرنے کو ہوں اور بیویاں بھی چھوڑ مریں تو ان کو اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے لیے گزارہ کے لیے وصیت کرنی چاہیے۔ گھر سے باہر کیے بغیر پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو تم پر اس بات میں کہ جو وہ اپنے لیے دستور کے موافق کر لیں کچھ بھی گناہ نہیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے خرچ دینا دستور کے موافق پرہیزگاروں پر لازم ہے اور تمہارے لیے اپنے احکام یوں صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھو۔

ترکیب: رِجَالًا حال ہے محذوف سے تقدیرہ فصلوا رجالا جمع رجل۔ كَمَا عَلَّمَكُمْ کاف موضع نصب میں ہے اے اذکروا مثل ما علمکم۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مبتداء خبر محذوف ای یوصون مَتَاعًا مصدر اس لیے کہ یوصون بمعنی یمتعون ای یمتعون متاعا غَيْرَ اِخْرَاجٍ حال ہے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ خبر متاع مبتداء حَقًّا مفعول مطلق۔

تفسیر: پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے تقویٰ اور احسان کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپس کی بزرگی کا لحاظ رکھو۔ اس موقع پر بطور جملہ معترضہ خدا تعالیٰ اپنی بزرگی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔ خدا کی بزرگی ملحوظ رکھنا نماز پر مداومت کرنا ہے۔ اس لیے نمازوں کی محافظت کا ذکر اور اس کے ضمن میں حالت خوف میں نماز ادا کرنے کا مسئلہ بھی ذکر فرما دیا کہ نمازوں کی محافظت کرو یعنی نہایت خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے ادا کرو۔ بالخصوص بیچ کی نماز کی محافظت کرو اور خدا کے روبرو ادب سے کھڑے ہوا کرو۔ نماز میں باہم اشارہ اور کلام نہ کرو۔ اس آیت سے پہلے اہلِ کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ممانعت ہوگئی (وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ نماز میں صحابہ یا خود حضرت ﷺ نے کوئی اشارہ کیا یا بات کی یا چلے۔ سو یہ سب اس آیت سے پہلے کی باتیں ہیں) پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کو دشمن کے مقابلہ میں خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں تو ہم پر حملہ کر دے گا تو تم سوار یا پیدل جس حال میں ہو بلا لحاظ رکوع و سجود کے و بلا لحاظ جہت کعبہ کی طرف منہ کیوں نہ ہو نماز پڑھو اس کو نہ چھوڑو پھر جب امن ہو تو جس طرح تم کو خدا نے نماز کی تعلیم کی ہے اسی طرح پڑھو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت نماز کی تاخیر کر دے دوسرے وقت میں ادا کرے جیسا کہ صحابہ اور حضرت ﷺ نے جنگِ احزاب میں کیا تھا۔ الصلوٰۃ الواسطی کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض ظہر بعض نماز صبح کہتے ہیں مگر احادیث قویہ سے عصر کی نماز معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ الوسطیٰ سے روک دیا۔ خدا ان کی قبر آگ سے بھرے اور یہ واقعہ جنگِ احزاب میں نمازِ عصر کا ہے۔ صلوٰۃ خوف کہ جس کا ذکر سورہ نساء میں ہے وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ الآیہ وہ اس فَرِجَالًا اور رُكْبَانًا سے غیر ہے۔ اس کے بعد پھر احکامِ عدت اور طلاق کو ذکر فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ سے جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ ابتداءِ اسلام میں بیوہ عورت کی عدت ایک برس[1] تک تھی اور جب اس کے لیے میراث بھی نہ تھی تو خاوند کو حکم تھا کہ مرض الموت میں برس بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے۔ پھر یہ حکم اس آیت سے جو پہلے آئی ہے اربعۃ اشہر وعشرا منسوخ ہو گیا دو باتیں تھیں ایک خرچ سال بھر کا دوسرے مکان سال بھر رہنے کیلئے۔ اب آیت میراث نے جبکہ بیوہ کا حق آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر کر دیا۔ وصیت کرنا بھی جاتا رہا اور اسی طرح[2] مکان دینا بھی امام

[1] سال بھر خاوند کے گھر میں رہے اور کسی سے نکاح نہ کرے مگر اس کو اختیار تھا چاہے خاوند کے گھر میں عدت گذارے خواہ نکل کر اور جگہ لیکن جب وہ گھر سے نکلتی تھی تو اس کو خرچ نہ ملتا تھا۔ ۱۲ کبیر منہ

[2] مطلقہ کے لیے عدت میں خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی نفقہ اور مکان ملنا چاہیے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ اگر ←

ابوحنیفہ[1] کے نزدیک ضرور نہ رہا۔ امام شافعی[2] کے نزدیک مکان دینا چاہیے۔ ابی مسلم اصفہانی اور مجاہد وغیرہ ہما کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لیے برس بھر کے خرچ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر دے اور عورت برس سے پہلے نکل کر (بشرطیکہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر چکی ہو) برخلاف وصیت شوہر دستور کے موافق نکاح کر لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ وصیت لازم نہیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لازم تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جو موت سے ڈر کر باوجودیکہ وہ ہزاروں تھے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ پھر تو خدا نے ان سے کہا کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا۔ بے شک خدا تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے۔

ترکیب: اَلَمْ استفہام تقریری کے لیے تَرَ فعل اصل میں ترئ مثل تدعی کے تھا مگر عرب مستقبل میں ہمزہ حذف کر دیتے ہیں جب ہمزہ حذف ہوئی تو الف منقلبہ اخیر باقی رہ گیا جو جزم کے وقت حذف ہو گیا۔ ضمیر انت اس کا فاعل اَلَّذِيْنَ متعلق ہے فعل سے۔ وَهُمْ اُلُوْفٌ جملہ حال ہے فاعل خَرَجُوْا سے حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول لہ خَرَجُوْا سے۔

تفسیر: پیشتر خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفوں سے خدا تعالیٰ کی جماعت بن کر جہاد کرنا باہمی اتفاق پر مبنی ہے اور زیادہ تر اتفاق میں خلل ڈالنے والی باتیں جو روزمرہ پیش آتی ہیں میاں بیوی کا جھگڑا اور میراث وصیت کے متعلق امور ہیں۔ اس لیے بیچ میں چند احکام ان جھگڑوں کے دفع کرنے والے ذکر فرما کر پھر جہاد کی ترغیب دلاتا ہے اور اس سے پیشتر بنی اسرائیل کے ایک واقعۂ عبرت خیز کو یاد دلاتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک نبی کے عہد میں مخالفوں سے ڈر کر سینکڑوں ہزاروں بنی اسرائیل ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے اور نبی کے برخلاف ہو گئے۔ جنگ میں ثابت قدم نہ رہے، آخر ان پر دشمن غالب آئے جس سے وہ سب مارے گئے۔ پھر نبی کی دعا سے زندہ ہوئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے کوئی حیلہ کرو وہ ٹلتی نہیں پھر نامردی اور بزدلی کرنا عبث ہے۔ دوم بزدلی اور بھی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے۔ آدمی جانتا ہے کہ میں بزدلی سے بچ جاؤں گا مگر اس سے دشمن کو اور بھی قتل کرنے میں جرأت ہوتی ہے۔ سوم اس سے خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہے کہ وہ قادر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے حشرِ اجساد بھی اس کے نزدیک کوئی بات نہیں پھر جب مر کر وہاں جانا اور جزاء و سزا پانا ہے تو کیوں خدائے قادر پر توکل کر کے مخالفوں سے جنگ نہیں کرتے اسبابِ ظاہرہ پر کیوں سہارا کرتے ہو۔

← مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک اور حمل نہیں تو تین حیض تک۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں طلاق بائن میں نفقہ نہیں بدلیل حدیث فاطمہ بنت قیس قالت طلقنی زوجی ثلثا فلم یفرض لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکنی ونفقۃ (اخرجہ الجماعۃ الا البخاری) مگر یہ استدلال صحیح نہیں کس لیے کہ اس حدیث کو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا کہ ایک عورت کے کہنے سے ہم کیونکر کتاب اللہ اور سنت نبوی کو چھوڑ دیں گے کیا معلوم سچی ہو یا جھوٹی۔ بھول گئی ہے یا یاد (رواہ ابوداؤد و مسلم والترمذی والنسائی وغیرہم)

[1] حضرت علی اور ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور مزنی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت عمر اور عثمان اور ابن مسعود اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور امام مالک اور سفیان ثوری اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

متعلقات

(۱) قرآن مجید سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں گزرا ہے اور گھر سے موت سے ڈر کر دشمن کی وجہ سے نکلے تھے یا دباؤ کی وجہ سے۔ علماء مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح اور قابلِ اعتماد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر گزرا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور کتاب حزقیل کی سینتیسویں (۳۷) فصل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بنی اسرائیل پر فلسطین کے لوگ غالب آ گئے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ ایسے موقع میں کسی نبی نے ان کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا ہو اور وہ ڈر کر گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے' پھر قتل کیے گئے ہوں جس کو فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا سے تعبیر کیا ہے اور پھر وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو گئے ہوں جس کو ثُمَّ اَحْيَاهُمْ سے تعبیر کیا ہے اور اس بات کا ذکر کتاب حزقیل کے فصل مذکور میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ اس کے بعض فقرات یہ ہیں''اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھے مجھے اتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا اور وے وادی کے میدان میں بہت تھیں (وَهُمْ اُلُوْفٌ) اور نہایت سوکھی تھیں اور اس نے مجھ سے کہا اے آدمی زاد کیا ہڈیاں جی سکتی ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوداہ تو ہی جانتا ہے پھر اس نے مجھ سے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ اے سوکھی ہڈیو! تم خداوند کا کلام سنو' خداوند یہوداہ ان ہڈیوں کو فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر روح داخل کروں گا اور تم جیو گے الخ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا الخ اور ان مقتولوں پر پھونک کہ جی اٹھیں۔ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھی اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔

(۲) مخالفین اس مقام پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ استفہام تقریری ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کو دیکھا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ان میں اور آنحضرت ﷺ میں سینکڑوں برس کا زمانہ فاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تری کے ساتھ جب الی ملا دیتے ہیں تو اس سے اکثر رویتِ قلبی مراد لیا کرتے ہیں یعنی علم سو آپ کو اس واقعہ کا علم یقینی تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود میں آنحضرت ﷺ کے عہد تک ایسا مشہور تھا کہ گویا آنکھوں کے سامنے تھا اور فصیح بلیغ ایسے واقعات کو بمنزلہ محسوسات کے قرار دے کر کلام کیا کرتے تھے۔ سو آنحضرت ﷺ کیا بلکہ اس زمانہ کے سب لوگ اس واقعہ کو اور ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور اسی لیے عبرت کے لیے اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب حال ہوا۔

دوسرا یہ کہ مردہ کا زندہ کر دینا ناممکن بات ہے۔ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں۔ الہامی کتابوں میں ایسی باتوں کا ہونا تعجب کی بات ہے۔ اس کا جواب بہت سے مقامات میں ہم دے آئے ہیں اور دہریوں اور ملحدوں کو ساکت کر آئے ہیں کہ یہ چیزیں محالِ عقلی نہیں اور جو دعویٰ کرے تو دلیل پیش کرے اور جب ممکن ہیں تو ان کے وقوع میں بطور خرقِ عادت کیا تعجب ہے؟ بالخصوص مخبرِ صادق نے خبر دی تو پھر کیا تردد ہے؟ رہا خلافِ عادت ہونا سو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ معتزلہ اور ان کے بھائی نیچری یہ جواب دیتے ہیں کہ موت سے نامردی اور بزدلا پن مراد ہے اور احیاء کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہو جانا مراد ہے۔ چونکہ مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے۔ آخر جدعون نے ان کو جنگ پر آمادہ کیا اور اس ذلت سے رہائی دی۔ پس خدا مسلمانوں کو بتلاتا ہے کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے جو موت کے برابر تھی پھر اللہ نے ان کو ہمت و جرأت سے زندہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بزدلی اور نامردی جو موت کے برابر ہے' نہ کرنی چاہیے اور قصہ حزقیل فرضی اور غلط ہے۔ ہمارے مفسروں نے غلطی سے آیت کو اس پر چسپاں کر دیا ہے۔ ص ۲۷۲

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اور اللہ کی راہ میں لڑتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ کوئی ہے[1] کہ جو اللہ کو خوشدلی سے قرض دے تا کہ خدا کئی گنا کر کے بہت بڑھا کر اس کو (واپس) دے اور خدا ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف چلے جا رہے ہو۔

ترکیب: وَقَاتِلُوْا معطوف ہے محذوف فاطیعو پر۔ مَنْ استفہامیہ موضع رفع میں ہے بسبب مبتداء ہونے کے اور ذا اس کی خبر ہے اور اَلَّذِیْ اس کی لغت یا بدل ہے یُقْرِضُ جملہ الذی کا صلہ قَرْضًا مفعول مطلق حَسَنًا یہ اسم مصدر ہے اور وہ اقراض ہے فَیُضٰعِفَهٗ معطوف ہے یقرض پر یا جملہ مستانفہ ہے اَضْعَافًا جمع ضِعف اور ضُعف بفجہ عین مصدر نہیں کیونکہ مصدر اضعاف ہے یا مضاعفتہ اس تقدیر پہ یہ یُضَاعِفُهٗ کی ہا سے حال ہوسکتا ہے اور معنیً مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر: ان تمام مسائل کے بعد پھر خدا کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی تاکید شروع ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی قوم قوم نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس قوم میں اپنے ناموس اور مذہب محفوظ رکھنے کی قدرت نہ ہو۔ خاص وہ مذہب کہ جو تمام دنیا پر پھیلنے والا ہو جس کی توحید اور روشن احکام دنیا بھر کے شریروں کے خلاف نہ ہوں جس سے نہ صرف احتمال بلکہ یقین ہو کہ اس مذہب کے لیے اس کے گھر اور ملک میں بھی سخت سخت رکاوٹیں پیش آنی شروع ہوں گی بلکہ ہوگئیں۔ پھر آگے چل کر تو کیا کچھ نہ ہوگا اس لیے حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں لڑ و جو رکاوٹ پیش آئے اس کو تلوار کی دھاروں سے مٹا دو مگر نیت نیک اور دلی خلاص بھی ملحوظ رکھو۔ صرف خون ریزی اور بنی نوع کا قتل کرانا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ جہاد ایسا ہے جیسا مریض کے لیے فصد و فاسد مادہ کا اخراج وقطع برید ایسے معاملات میں دلی اخلاص و نیک نیتی ضرور ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ دشمنوں سے لڑائی اور ان پر چڑھائی بے ساز وسامان کے عادتاً مشکل ہے۔ اس کے لیے روپیہ پیسہ بھی ضرور ہے۔ اس لیے اپنے بندوں کو خدا کی راہ میں مال صرف کرنے کی بھی کس عمدہ طور سے ترغیب دی ''کہ کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے تا کہ اس کے بالعوض دنیا وآخرت میں خدا اس کو دگنا تگنا بلکہ بیشمار عنایت فرمادے'' اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے' اس کو کوئی حاجت اور ضرورت نہیں وہ غنی اور حمید ہے اور اس کے قبضہ میں آسمان وزمین کے خزانے ہیں وہی بندوں کو فراغ دستی اور تنگدستی دیا کرتا ہے مگر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو بطور استعارہ کے قرض دینے سے تعبیر کیا۔ اس بات کے جتانے کے لیے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا موجبِ اطمینان اور نتائج ومنافع کا باعث ہے اسی طرح اللہ کی راہ میں دیا رائیگاں نہیں جاتا۔ وہ مع نفع چندر چند ملتا ہے ہم اس کے ضامن ہیں۔ گویا وہ ہم کو دیتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی سنا دیا کہ تنگدستی وفراخ دستی سب ہمارے قبضہ میں ہے جو ہماری راہ میں صرف نہیں کرتے وہ اس بات پر گھمنڈ نہ کریں کہ ہماری دولت باقی رہے گی۔ خدا ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگدستی کر سکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بلا نازل ہوگی کہ مخالفین غالب آ کر تمام ملک و دولت چھین لیں گے اور جو صرف کرتا ہے وہ تنگدستی سے نہ ڈرے۔ دنیا میں غنائم اور فتوحاتِ ملک ان کے حصہ میں آویں گے۔ آخرت میں کہ جو سامنے کھڑی ہے جس کو الیہ ترجعون سے تعبیر کیا بیشمار نعمتیں ملیں گی جیسا کہ صحابہ کو ملیں۔

[1] یعنی اللہ کی راہ میں دینا خدا کو دینا ہے۔ خدا قرض لینے سے پاک اور غنی ہے مگر دینے والے کی ترغیب اور اس کے اطمینان کے لیے کہ اس کا اجر کئی گنا ضرور ملے گا اس دینے کو اللہ کے قرض دینے سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا کیونکہ جو کوئی غنی اور صادق الوعد کو دیتا ہے تو اصل اور فائدہ کے حاصل ہونے کا اطمینان ہوتا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ خدا محتاج ہے بندوں سے قرض مانگتا ہے صریح بدفہمی ہے جس کا کوئی اب تک قائل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًاؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کی طرف غور نہیں کیا کہ موسیٰ کے بعد جبکہ انہوں نے اپنے نبی (سموئیل) سے کہا کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اس کے زیر حکم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ نبی نے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بھی بعید نہیں کہ تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں۔ حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے بھی دور کئے گئے ہیں' پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو (خوب) جانتا ہے اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے (تمہاری نئی درخواست کے موافق) تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ کہنے لگے اس کے لیے ہم پر کیونکر بادشاہی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو تو کچھ مال میں بھی کوئی فراغ دستی[1] نہیں دی گئی ہے۔ نبی نے کہا بے شک اللہ نے اسی کو تم پر سرداری کے لیے منتخب کیا ہے اور علم اور صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا' جاننے والا ہے۔

ترکیب: مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ محذوف سے متعلق ہے کس لیے کہ یہ حال ہے ای کائنات مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ مِنْۢ بَعْدِ متعلق ہے ثابت کے اِذْ بدل ہے مِن بعد سے کس لیے کہ دونوں زمانہ کے لیے ہیں نُقَاتِلْ جمہور اس کو جزم سے پڑھتے ہیں جواب امر قرار دے کر عَسَيْتُمْ فعل اَلَّا تُقَاتِلُوْا اس کی خبر اِنْ كُتِبَ الخ شرط جملہ معترضہ درمیان آ گیا۔ مَا استفہام کے محل رفع میں ہے۔ مبتداء ہونے کی وجہ سے لنا اس کی خبر اور ربط یاقبل کے لیے آیا ہے وَقَدْ اُخْرِجْنَا جملہ موضع حال میں اور عامل اس میں نقاتل ہے وَاَبْنَآئِنَا معطوف ہے دیارنا پر تقدیرہ ومن بین ابنائنا۔

تفسیر: ان آیات میں خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ سناتا ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو برس پہلے گزرا ہے۔ اس قصہ میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب پر برداشت کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور خالص ایمانداروں کا توکل پھر اس پر ان کی امداد غیبی کرنا سناتا ہے۔ اس قصہ میں چھ باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی

[1] سعۃ کی اصل وسعۃ بفتح واو ہے اور حق اس کا کسرہ ہے لیکن چونکہ مستقبل میں حذف کیا گیا مصدر میں بھی حذف ہوا اور مستقبل میں اصل کسرہ تھا لیکن حرف حلق کی رعایت سے فتح دیا گیا ورنہ وعد یعد عدۃ کے طور پر کسر کا تھا۔ ۱۲ منہ

درخواست کرنا پھر اس پر سموئیل علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر ساول کہ جس کو طالوت[1] کہتے ہیں بادشاہ مقرر کرنا (۲) بعض لوگوں کا طالوت کے افلاس اور ظاہری حال سے انکار کرنا کہ یہ بادشاہی کا مستحق نہیں اور پھر نبی علیہ السلام کا اس کی بادشاہ کی علامت صندوقِ شہادت کا کہ جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں۔ دشمنوں کے ہاں سے خود بخود آجانا معین کرنا۔ (۳) طالوت کا لشکرِ عظیم لے کر فلسطینیوں کے مقابلہ میں نکلنا اور آگے چل کر ان میں سے دریاءِ شورق پر بہادروں اور غیر بہادروں کا امتحان کرنا کہ جو اس کا پانی نہ پئے۔ وہ میرے ساتھ آئے اور جو سوائے چلو کے پئے وہ حملۂ دشمن کی برداشت نہیں کرے گا۔ میرے ساتھ نہ آئے۔ پھر پیاس کے غلبہ میں بجز تخمیناً کئی سو آدمیوں کے ہزاروں بنی اسرائیل کا پانی پینا۔ (۴) طالوت کے لشکر کا جالوت کے مقابلہ میں جا کر خدا سے دعا کرنا۔

تفسیر: (۵) لشکر طالوت[2] کا لشکر جالوت پر فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ جالوت فلسطینی کا قتل ہونا۔ (۶) داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور علم و حکمت عطا کرنا یہ باتیں توراۃ کی اول کتاب سموئیل میں نہایت مشرحاً مذکور ہیں لیکن مجملاً بیان ان کا یہ ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ
سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا
فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ
هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ

ع ۳۲

[1] طالوت اس کا لقب تھا۔ ۱۲ منہ

[2] طالوت کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک بہت بھیڑ بھاڑ دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلی۔ طالوت نے آگے جو پانی کا نالہ آنے والا تھا اس سے ان کے صبر و برداشت کی آزمائش کرنی چاہی کہ جو اس پیاس کی تاب نہ لائے گا وہ آبِ شمشیر کی کیونکر تاب لائے گا۔ اس پر بھی ہاتھ سے چلو میں لے کر پینے کی اجازت دیدی تھی مگر جب وہ بھیڑ بھاڑ اس نہر پر پہنچی تو بجز چند لوگوں کے سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب یہ بھیڑ آئی اور انبوہ جالوت فلسطین کے بڑے قدآور بادشاہ اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو ڈر گئے اور کہنے لگے کہ ہم میں ان سے مقابلہ کی کیا طاقت ہے لیکن ان چند صبر کرنے والوں نے ڈھارس بندھائی کہ خدا کے ہاتھ فتح و شکست ہے۔ قلت و کثرت پر موقوف نہیں۔ بارہا خدا کے حکم سے چند لوگوں نے بڑے لشکروں کو شکست دے دی ہے پھر یہی جماعت مقابلہ میں سامنے آئی اور خدا سے صبر و استقلال اور نصرت کی دعا کی اور ان سپاہیوں میں داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا۔ بنی اسرائیل میں ان کی شہرت ہوگئی اور طالوت نے ان سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور طالوت کے بعد یہی بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے اور خدا نے ان کو الہام اور نبوت عطا کی۔ حکمت کے اسرار تعلیم فرمائے۔ یہ تمام قصہ بنی اسرائیل کا مسلمانوں کو جہاد پر قائم رہنے کے لیے سنا کر جہاد کی حکمت بھی ظاہر فرماتا ہے کہ انتظامِ عالم ہے۔ خدا نے اس پر مربوط کیا ہے کہ وہ بعض کی شوکت بعض سے برباد کرا دیتا ہے۔ ظالم قوموں کو دوسری قوموں سے غارت نہ کرے تو انتظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ ۱۲ منہ

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

اوران کے نبی نے ان سے کہا طالوت کی بادشاہ کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندق آجاوے گا کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے ہیں۔ اس کو فرشتہ اٹھالائیں گے۔ بے شک اس میں تو تمہارے واسطے (پوری) نشانی ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو۔ پھر جب طالوت (سردار قرار پاکر) جنگ کے لیے لشکر لے کر چلا تو کہہ دیا کہ بے شک اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کیا چاہتا ہے پھر جس نے اس (نہر) کا پانی پی لیا تو وہ میرا نہیں اور جو کوئی اس کو نہ چکھے تو وہ میرا ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ سو ان میں سے سوائے چند لوگوں کے سب نے پی لیا۔ پھر جب طالوت اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے (اس نہر) سے پار ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم کو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں لیکن جن کو یقین تھا کہ ضرور ہم کو اللہ سے ملنا ہے وہ بولے کہ (ایسا) بہت دفعہ ہوا ہے کہ تھوڑے سے لوگ بڑی جماعت پر حکم اللہ سے غالب آگئے ہیں اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے رب! ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے پاؤں جمادے اور ہم کو کافروں کی قوم پر غالب کر۔ پھر انہوں نے ان کو (دشمنوں کو) اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا اور اگر اللہ بعض لوگوں کے توسل سے بعض کو پست نہ کرتا رہے تو ملک کا انتظام بگڑ جائے لیکن اللہ تو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَنْ يَّاْتِيَكُمُ جزان۔ التَّابُوْتَ اصل وزن اس کا فاعول ہے فِيْهِ سَكِيْنَةٌ جملہ موضع حال میں ہے اور اسی طرح تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ مِنْ رَّبِّكُمْ صفت ہے سکینۃ کی وبقیۃ اصل اس کی بقیۃ ہے لام کلمہ ہی ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ استثناء ہے جنس سے اور ممکن ہے کہ اول مِنْ سے ہو اور یہ محل نصب میں ہے غُرْفَةً غین کے فتح اور ضمہ دونوں سے جائز ہے۔ یہ مصدر ہے اور بعض کہتے ہیں بالفتح کے معنی ایک بار چلو بھرنا اور بالضم کے معنے چلو۔ اِلَّا قَلِيْلًا منصوب ہے کیونکہ استثناء ہے۔ موجب سے لا کا اسم طَاقَةَ اس کا عین کلمہ واو ہے لانہ من الطوق وھوالقدرۃ لَنَا اس کی خبر اَلْيَوْمَ اور جَالُوْتَ میں عامل معنی استقراء ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ کم اس جگہ خبریہ ہے اور موضع اس کا رفع ہے۔ بسبب مبتداء ہوئے کے اور غَلَبَتْ اس کی خبر اور من زائدہ ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ موضع حال میں ہے۔ والتقدیر باذن اللہ لہم وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ دفع مصدر مبنی للفاعل مضاف ہے فاعل کی طرف اور الناس مفعول اور بَعْضَهُمْ بدل ہے الناس سے بدل بعض بِبَعْضٍ مفعول ثانی ہے اس کی طرف فعل بواسطہ حرف جر متعدی ہوا ہے۔

تفسیر: حضرت سموئیل علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا بلکہ کاہن یعنی امام یا اس کے نائب قاضیوں کے طور پر فیصلہ کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام جو وقتاً فوقتاً ان میں پیدا ہوتے تھے۔ وہ شریعت موسیٰ اور توارت کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل آس پاس کی مشرک قوموں کی طرح جب بت پرستی اور زنا کاری کرنی شروع کرتے تھے تو ان پر قہر خدا نازل ہوتا تھا جس سے وہ ان قوموں سے شکست کھا کر ان کی رعیت ہو جاتے تھے اور طرح طرح کی ذلت و پریشانی اٹھاتے تھے پھر جب توبہ کرتے تھے تو خدا ان پر اپنا فضل کرتا تھا چنانچہ جب عیسدون سردار اسرائیلی تین سو بہتر سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مر گیا تو بنی اسرائیل نے پھر بت پرستی اور بے دینی اختیار کی جس سے ان پر فلسطین[1] کے لوگ غالب آگئے اور چالیس برس تک ان کی حکومت رہی۔ پھر شمسون کے عہد میں خلاصی ملی۔ شمسون بیس برس تک سلطنت کرتا رہا۔ آخر اس پر پھر اہل فلسطین غالب آگئے اور اس کو پکڑ کر لے گئے اور بنی اسرائیل کا بڑا ابتر حال ہو گیا۔ پھر تخمیناً چار سو بیالیس برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ایک شخص عیلی نام کاہن ہوا۔ اس کے عہد میں کوہستان افریم میں ایقانہ ایک شخص ہر سال سیلا میں قربانی اور سجدہ کرانے آتا تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام فنینہ دوسری کا نام خنہ مگر خنہ کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس لیے وہ غمگین رہتی تھی۔ ایک بار اس نے جب ہیکل میں قربانی کرنے آئی تھی تو رو کر خدا سے دعا مانگی کہ تو مجھ کو فرزند عطا کرے تو میں اس کو تیرے لیے نذر گزاروں گی۔ سو خدا نے اس کی مراد دی۔ اس کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سموئیل رکھا جس کے معنی عبرانی میں خدا سے مانگا ہو یا اللہ دیا ہوتے ہیں۔

جب سموئیل کا دودھ بڑھ چکا تو اس کی ماں اور باپ اس کو اپنے شہر رامہ سے سیلا میں خداوند کے گھر لائے اور وہ لڑکا بہت ہی چھوٹا تھا۔ تب انہوں نے ایک جوان بیل کو ذبح کیا اور لڑکے کو عیلی کے پاس لائے اور وہ عیلی کاہن کے آگے خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ عیلی کے بیٹے بد چلن تھے جس سے عموماً بنی اسرائیل ناراض تھے اور سموئیل خداوند اور آدمیوں کے آگے مقبول ہوتا چلا۔ اس عرصہ میں سموئیل نے عیلی کے بیٹوں کی بابت رات کو خواب دیکھا کہ جس میں خدا نے عیلی کے خاندان برباد کرنے کی خبر سموئیل کو دی۔ صبح کو یہ خبر عیلی اور بنی اسرائیل نے سنی اور سموئیل کی تمام بنی اسرائیل میں نبوت اور بزرگی تسلیم ہونے لگی۔ پھر بنی اسرائیل فلسطیوں سے لڑنے نکلے اور ابن عزر کے پاس خیمے لگائے اور فلسطیوں نے افیق میں اپنے خیمے قائم کیے اور باہم صف بندیاں ہو کر مقابلہ شروع ہوا تو بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور قریب چار ہزار آدمی کے مارے گئے۔ پھر لشکر گاہ میں بنی اسرائیل نے آ کر یہ تجویز کی کہ آؤ ہم خدا کے عہد کا صندوق سیلا سے اپنے پاس لاویں کہ اس کی برکت سے فتح پاویں اور جب وہ صندوق لشکر گاہ میں آ پہنچا اور اس کے ساتھ عیلی کے دونوں بیٹے قیحاس اور حفنی بھی آئے تو بنی اسرائیل نے اس زور سے للکارا کہ زمین لرز گئی۔ جب فلسطیوں کو حال معلوم ہوا تو آپس میں عہد کیا کہ مردانگی اور مضبوطی سے جنگ کریں گے۔ سو فلسطی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور تیس ہزار بنی اسرائیل مارے گئے اور خداوند کے صندوق کو بھی لوٹ کر لے گئے اور عیلی کے دونوں بیٹے بھی مارے گئے۔ تب بنی بنیامین کا ایک شخص کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک اڑاتا ہوا اسی روز سیلا میں پہنچا اور عیلی کرسی پر بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا اور اس کا دل صندوق شہادت کے لیے کانپ رہا تھا اور جونہی اس شخص نے شہر میں پہنچ کر خبر دی تو سارا شہر چلایا اور عیلی نے جو شور کی آواز سنی تو کہا' یہ شور کیا ہے۔ سو اس شخص نے عیلی سے سب ماجرا کہا اور جونہی اس نے یہ خبر سنی کرسی پر سے پچھاڑ کھا گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا کہ وہ بوڑھا تھا' یہ چالیس برس بنی اسرائیل کا قاضی رہا (اول کتاب سموئیل۔ باب ۴)

[1] فلسطین ملک شام کا وہ ٹکڑا ہے کہ جو مغرب اور جنوب کی طرف بحر روم سے ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم نے نقشہ میں دکھایا ہے یہاں کے لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ بنی اسرائیل سے جنگ و جدل کیا کرتے تھے۔ کبھی غالب کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں بالکل مغلوب ہو گئے تھے۔ ۱۲ منہ

یہ وہ واقعہ ہے کہ جس میں تابوت سکینۃ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جاتا رہا اور فلسطی لوگ اس کو اپنے ملک میں لے گئے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سموئیل علیہ السلام بزرگ مانے جاتے تھے۔ ان کی نصیحت سے بنی اسرائیل نے بت پرستی اور بدفعلی ترک کی اور اس حادثہ کے تخمیناً بائیس برس بعد بمقام مصفاہ سموئیل نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے فلسطیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ آخر الامر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور عقرون سے لے کر جات تک جس قدر بستیاں ان کے قبضہ میں آ گئی تھیں پھر بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئیں (باب ۷) پھر جب سموئیل بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر سموئیل سے کہا' دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے یوایل اور ابیاہ تیری راہ پر نہیں چلتے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے ہیں۔ اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہمارے لیے لڑائی کرے۔ (۸ باب) تب سموئیل نے مصفاہ میں خداوند کے حضور لوگوں کو بلایا اور کہا خداوند اسرائیل کا ایسا فرماتا ہے کہ میں اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اب تم نے بادشاہ کی درخواست کی۔ سو ایک ایک فرقہ کر کے ہزار ہزار سب کے سب خداوند کے آگے حاضر ہو جاؤ اور جب سب حاضر ہوئے تو قرعہ بنیامین کے فرقے کے نام پر پڑا' پھر ان میں سے مطری کے گھر کا نام نکلا اور قیس کے بیٹے ساول کا نام نکلا جو خوب جوان تھا اور بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا' یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا اور شہر جبعہ کا رہنے والا تھا مگر بنی بلعال نے اس کی تحقیر کی کہ یہ کس طرح ہم کو بچائے گا۔ سموئیل نے کہا کہ اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوقِ شہادت آ جاوے گا۔ پس ساول کی بادشاہت قائم ہو گئی اور سموئیل کی صلاح سے فلسطیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور فلسطی روز بروز دبتے چلے گئے اور وہ صندوق جو لوٹ کر لے گئے تھے جہاں اس کو رکھا وہیں ان پر بیماری وغیرہ سخت بلائیں نازل ہوئیں اور یہ بھی سمجھے کہ بنی اسرائیل کی لڑائی ہم سے جب تک کہ یہ صندوق ہمارے ہاں رہے گا' موقوف نہ ہو گی۔ اس لیے انہوں نے اس کو ایک گاڑی میں رکھا اور اس کے ساتھ ایک صندوق میں کچھ سونے کی تصویریں بھی بند کر کے رکھ دیں اور اس گاڑی کو بیت شمس کی طرف جو کہ بنی اسرائیل کا شہر ان کے حد سے ملتا تھا چھوڑ دیا۔ اس گاڑی کو فرشتے ہانک کر بیت شمس میں ایک شخص یشو کے کھیت میں لے آئے۔ ان لوگوں نے بڑی خوشی کی اور صندوق کو گاڑی سے اتار لیا اور پھر قریہ یعاریم کے لوگوں کو کہلا بھیجا' وہ آ کر اس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اس کے واپس آنے سے بنی اسرائیل میں نہایت خوشی پیدا ہوئی۔ اس عرصہ میں کئی باتوں میں ساول یعنی طالوت نے سموئیل علیہ السلام کی نافرمانی کی جس سے وہ ناخوش ہوئے جس پر خدا نے سموئیل کو کہا تو کب تک ساول کی بابت غم کھاتا رہے گا تو بیت اللحم میں جا اور یسی کے بیٹوں کو بلا۔ ان میں سے جس کو میں بتلاؤں اس کو منتخب کر۔ چنانچہ سموئیل وہاں گئے اور یسی کے بیٹوں کو بلایا کسی کو بھی پسند نہ کیا۔ پھر پوچھا کہ تیرے یہی لڑکے ہیں؟ اس نے کہا سب سے چھوٹا ایک اور ہے۔ وہ بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔ سموئیل نے کہا اسے بلا بھیج۔ سو اس نے بلایا وہ سرخ رنگ اور خوش چشم اور دیکھنے میں اچھا تھا۔ تب سموئیل نے تیل لے کر داؤد پر ملا اور پھر سموئیل رامہ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر فلسطیوں نے جنگ کے ارادہ سے اپنی فوجیں جمع کیں اور یہوداہ کے شہر شوکہ میں فراہم ہوئے اور شوکہ اور عریقہ کے درمیان افسدیم میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے مقابلہ میں طالوت نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے ایلہ کے قریب خیمے لگائے (یہ وہ لڑائی ہے کہ جو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے)۔ ان دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا۔ فلسطی اس کے جنوبی طرف میں تھے اور بنی اسرائیل شمالی طرف میں۔

چونکہ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کا حوصلہ بڑھ گیا تھا اس لیے بنی اسرائیل کے عام و خاص بہادر غیر بہادر سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور تجربہ کاروں کے نزدیک عام بھیڑ بھاڑ لڑائی میں اکثر شکست کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔ اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر جبکہ لشکر میں گرمی اور تشنگی تھی۔ انتخاب کرنا چاہا اور ان سے پیشتر مدیانیوں کے مقابلہ میں جدعون اسی طرح کا انتخاب کر چکا تھا اور حکم دیا کہ

جو اس کا پانی پی لے میرے ساتھ نہ آوے مگر چلو بھر کے زبان تر کر لینے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ سو اس عام بھیڑ میں سے ان دل چلوں اور بہادروں نے نہ پیا کہ جو اپنے جوش اور حمیت سے جنگ میں شریک ہوئے تھے ورنہ سب نے پی لیا۔ پھر جب ان بہادروں کا فلسطیوں سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے ایک شخص جالوت نام جو بڑا اقد آور تھا اور پیتل کی زرہ پہنے ہوئے اور سر پر پیتل کا بڑا بھاری خود دھرے ہوئے تھا سب سے پہلے صف میں نکل کر اپنا مقابل مانگنے لگا۔ بنی اسرائیل میں سے کسی کی جرأت اس کے مقابلہ کے لیے نہ ہوئی۔ داؤد سے بادشاہ نے بڑے انعام واکرام کا وعدہ کیا تو داؤد علیہ السلام اس کے مقابلہ کو چلے اور اپنا لٹھ ہاتھ میں لیا اور پانچ پتھر چکنے چکنے اپنے واسطے چن لیے اور جھولے میں ڈالے اور فلاخن لے کے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ جالوت نے داؤد کو حقیر جان کر کہا کیا میں کتا ہوں جو تو لٹھ لے کر مجھ پر آیا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا تو تلوار ڈھال برچھا لے کے میرے پاس آیا ہے۔ میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں۔ جالوت نے حملہ کیا' داؤد نے پھرتی کر کے ایک پتھر فلاخن میں دھر کر جالوت کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ حال دیکھ کر فلسطی بھاگ نکلے اور ہزاروں مارے گئے۔ تب داؤد علیہ السلام اس کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم ہوگئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کا داؤد سے بیاہ کر دیا مگر دل میں رشک اور حسد پیدا ہو گیا۔ داؤد کے قتل کی بہت سی تدبیریں کیں مگر کوئی پیش نہ چلی۔ آخرالامر طالوت اور اس کے بیٹے ایک عرصہ کے بعد فلسطیوں کی لڑائی میں مارے گئے اور بنی اسرائیل کی تمام سلطنت داؤد علیہ السلام کو ملی (کتاب اول سموئیل) عیسائی مورخ ان آیات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں (۱) یہ کہ تابوتِ سکینہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے سے پہلے آگیا تھا جیسا کہ کتابِ سموئیل سے ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں خود تعارض ہے۔ اس کے ۱۵ باب ۲۹ درس میں ہے یعنی خداوہ انسان نہیں کہ پچھتاوے۔ پھر اسی باب کے ۳۵ درس میں ہے اور خداوند بھی پچتایا کہ اس نے ساول کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کیا۔ پھر اسی کتاب کے ۱۶ باب درس ۲۱ میں ہے کہ داؤد کو ساول نے اپنے پاس بلایا اور وہ آیا اور اس نے پیار کیا اور اپنا سلح بردار کیا جس سے معلوم ہوا کہ ساول داؤد اور ان کے باپ سے خوب واقف تھا۔ پھر ۱۷ باب ۳۱ درس سے ۳۹ تک یہ ثابت ہے کہ ساول داؤد سے واقف نہ تھا۔ اس وجہ سے خود عیسائی مورخ یہ کہتے ہیں کہ قصہ الٹ پلٹ ہو گیا بلکہ بعض اسباب کو الحاقی کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی تحقیق نہیں کہ یہ کتاب کس کی تصنیف ہے۔ کوئی خود سموئیل کی کہتا ہے کوئی ناتن نبی کی کوئی یرمیاہ کی پھر جب اس کے لکھنے والے مختلف لوگ ہوں تو الٹ پلٹ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں جس سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن میں بیان ہے وہی صحیح ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کتاب سموئیل میں لشکر کا پانی سے آزمایا جانا نہیں پایا جاتا اور نہ بوقتِ مقابلہ دعا کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ باتیں واقع نہیں ہوئیں۔ کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ تمام باتیں کتاب سموئیل میں مندرج ہوگئی ہیں! تابوتِ سکینہ کہ جس کو خداوند کا صندوق کہتے ہیں اس میں کچھ من اور وہ لوحیں کہ جو موسیٰ کو کوہ طور پر ملی تھیں اور ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے بعض کپڑے اور عصا رکھا ہوا تھا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

ع ۳۳

(اے نبی) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک آپ بھی رسولوں میں سے ہیں۔ان رسولوں میں کبھی ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے اور روح القدس [1] سے ان کو مدد بھی دی اور اگر اللہ چاہتا تو ان (انبیا) کے بعد والے اپنے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے آپس میں نہ لڑتے لیکن آپس میں اختلاف کر بیٹھے پھر بعض تو ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض منکر ہو گئے اور اگر خدا چاہتا تو وہ نہ لڑ مرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے (سو) کرتا ہے۔

ترکیب: تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ مبتداء نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ خبر اور نَتْلُوْا حال ہے تِلْكَ مبتداء الرُّسُلُ خبر اور ممکن ہے تِلْكَ الرُّسُلُ مبتداء فَضَّلْنَا خبر ہو۔مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ بدل ہے محل فضلنا سے دَرَجَاتٍ حال ہے بَعْضَهُمْ سے اور ممکن ہے کہ فی مقدر ہو مِنْ بَعْدِ الخ بدل ہے مِنْ بَعْضِهِمْ سے مع اعادۃ حرف جر وَلٰكِنْ استدراک ہے مضمون ماقبل سے۔

تفسیر: اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے طالوت و جالوت اور ان کے باہم مقابلہ اور ایمانداروں کے استقلال کا ذکر کر کے جہاد کے مشروع ہونے کی وجہ بیان فرمائی تھی کہ اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیا کریں اور یہ انبیاءِ اولو العزم کا قدیم معمول ہے۔ پھر آپ پر اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں بلکہ آپ بھی انہیں رسول میں سے ہیں جو ایسا کام کرتے آئے ہیں اور اس لیے طالوت و جالوت کا قصہ بیان کیا گیا۔اب یہاں یہ بات جتلاتا ہے کہ شر کے دفع کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں جو درجات میں مختلف ہیں۔جیسا کہ بنی اسرائیل میں اول سرگروہ موسیٰ علیہ السلام تھے جن کی طرف مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ کے ساتھ اشارہ کیا اور اخیر بنی اسرائیل میں بڑے اولو العزم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے فضائل وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کے ساتھ بیان ہوئے اور ان کے درمیان حضرت سموئیل اور داؤد اور الیاس اور نحمیاہ اور یرمیاہ اور دانیال وغیرہم علیہم السلام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی اصلاح کرنے والے گزرے ہیں اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ بھی رسول برحق ہیں۔اس بات کی طرف تلك آیات اللہ الخ میں اشارہ کیا یعنی باوجود یکہ آپ نبی امی ہیں نہ تورات کو دیکھا نہ انجیل کو۔ پھر بنی اسرائیل کے صحیح صحیح اور جزئیات احوال کا اس طرح بیان کرنا (کہ جو مطابق واقع ہوں۔ حالانکہ بائبل کے علماء بھی اس طرح بیان نہیں کر سکتے۔خود بائبل میں تعارض اور غلطیاں ہیں) آپ کا کام نہیں بلکہ ہم آپ کو یہ باتیں ٹھیک ٹھیک جبرئیل کی معرفت سناتے ہیں۔اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی کہ پہلے زمانوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو بنی اسرائیل کے سرکشوں نے نہ مانا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر انکار کیا۔اگر آپ کا انکار اور آپ

---

[1] روح القدس سے بعض کہتے ہیں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں بعض کہتے ہیں وہ روح کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں پر نازل ہوئی تھی جس کی وجہ سے معجزات و کرامات دکھاتے تھے اور یہی اُن کی مؤید تھی۔ف کوئی یہ شبہ نہ کرے (کہ یہاں تو خدائے تعالیٰ کلم اللہ فرماتا ہے کہ خدا نے کلام رسولوں سے کیا اور سورہ شوریٰ میں یہ فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا الآیہ کہ کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے یا حجاب سے یا فرشتے کے ذریعہ سے پس تعارض پایا گیا) کس لیے کہ یہاں جو کلام کرنا فرمایا ہے اس سے مراد اسی طرح کا کلام کرنا ہے جو سورۂ شوریٰ میں بیان ہوا یعنی بذریعہ وحی یا حجاب یا فرشتے کے ذریعہ سے کس لیے کہ دو بدو بالمشافہ جیسا کہ انسان باہم کلام کرتے ہیں اس طرح اس سے کوئی نہیں کر سکتا پس تعارض نہ رہا۔

کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو کچھ نئی اور تعجب کی بات نہیں۔ نہ یہ رسالت کا قصور ہے۔ اس کے بعد مفسد اور سرکشوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ الآیۃ کہ یہ انکار راہِ حق میں اختلاف اور قتال کہ کوئی ایمان لایا کوئی کافر ہو گیا۔ سب تقدیرِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اس میں ان نادانوں کے اعتراض کا بھی جواب ہے جو کہتے ہیں خدا کیوں لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور کیوں انبیاء بھیج کر ہدایت پر مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ہماری تقدیر سے ہوتا ہے لیکن ہم ہر حال میں اتمامِ حجت کرنے کے لیے اسبابِ ہدایت دکھاتے ہیں وَلٰكِنَّ اللّٰہَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ایمان والو اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ کچھ خرید و فروخت ہوگی نہ یاری اور نہ سفارش کام آئے گی۔ ہمارے دیے میں سے دے لو اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ (ہمیشہ) زندہ قائم ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت بغیر ان کے حضور میں (کسی کی) سفارش کر سکے۔ اگلے اور پچھلے سب حالات کو وہی جانتا ہے اور اس کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جس قدر اس نے چاہا اس کی کرسی (حکومت) نے آسمانوں اور زمین کو گھیر لیا ہے اور وہ ان کی حفاظت کرنے سے نہیں تھکتا اور وہ عالیشان (بڑی) عظمت والا ہے۔

ترکیب: اَنْفِقُوْا۔ اس کا مفعول شیئاً محذوف ہے مِمَّا میں ما بمعنی الَّذِی اور عائد محذوف ہے ای رزقنا کموہ۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ جملہ صفت یوم وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ معطوف ہے بیع پر اَللّٰهُ مبتداء لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جملہ خبر اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ خبر ثانی لَا تَاْخُذُهٗ الخ جملہ متانفہ اور ممکن ہے کہ خبر ہو حی کی سِنَةٌ اصل میں وسنۃ مثل وعد یعد عدۃ۔

تفسیر: پہلے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور قاتلوا فی سبیل اللہ فرمایا تھا جس طرح اس کی تائید اور فوائد ظاہر کرنے کے لیے طالوت کا قصہ سنایا تا کہ ترقیِ دارین دل پر جم جاوے۔ اس کے بعد اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی تاکید کی تھی کہ من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً اسی طرح اس حکم کی تائید کے لیے پھر یہ آیت انفقوا الخ نازل فرمائی کیونکہ جان و مال کا صرف کرنا نفس پر گراں گزرتا ہے اور یہ بات بتلا دی کہ آج جو کچھ نیکی کرنی ہو سو کر لو کل یعنی روزِ حشر نہ کوئی عمل مول مل سکتا ہے نہ وہاں کسی کی دوستی کام آ سکتی ہے نہ سفارش۔ پھر جو کچھ کافروں پر عذاب اور سختی ہوگی وہ انہیں کے ہاتھوں سے ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں سعادت حاصل نہ کی۔ سو یہ ظلم ان کے نفسوں پر انہیں کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی صفات کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے۔ کس لیے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ علمِ توحید اور

علم احکام اور علم قصص کو بڑی خوبی سے ملا کر بیان کرتا ہے۔ ہر ایک قصہ یا واقعہ کو ایسے موقع پر لا کر بیان کرتا ہے کہ جس سے اس کی توحید و صفاتِ کاملہ کا ثبوت ہوتا ہے یا احکام پر نفس کو رغبت ہوتی ہے اور یہ بیان کا نہایت عمدہ طریق ہے تا کہ طبیعتِ سامع کو ملال نہ ہو اور جب وہ ایک بیان سے دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے کی سیر کرتا ہے جس سے دل پر فرحت پیدا ہوتی ہے۔ سو اس سے اس نے یہ آیت اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کہ جس کو آیۃ الکرسی کہتے ہیں' نازل فرمائی۔ اس میں ان جملہ عیوب واعتراضات کی کہ جو جہاد کے بارے میں جاہل لوگ خدا پر کرتے ہیں نفی کر دی گئی۔ اس آیت کے مضامین کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ تمام کتبِ الہامیہ میں اس قدر مطالب اس کی ذات وصفات کے متعلق نہیں ہیں۔ اس لیے احادیث صحیحہ میں اس کے فضائل بیشمار آئے ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں جو چاہے مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کتابوں میں دیکھ لے۔

متعلقات

(۱) اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ منصبِ نبوت کا یہ پہلا کام ہے کہ اس کی ذات کا ثبوت کر کے جس قدر بیوقوفوں نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں۔ ان کی نفی کر کے اس کی صفاتِ کاملہ کا ثبوت کرے اور جو کچھ قوتِ متوہمہ نے مخلوقات ومحسوسات پر قیاس کر کے اس بیچوں وبیچگوں میں عیوب ثابت کر رکھے ہیں' ان کو مٹا دے۔ اس لیے سب سے مقدم لفظ اللہ کو ذکر کیا کہ جو ایسی ذات کا نام ہے کہ جس میں تمام خوبیاں ہوں اور وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہ ہو اور پھر سب نقصان کی باتوں سے پاک ہو۔ سو جب عاقل اس مضمون کو خیال کر کے تمام کائنات کی طرف دیکھے گا تو سب کو حادث اور فانی اور مستعار الوجود جان کر ضرور یقین کرے گا کہ اس عالمِ حسی کے پردہ میں ضرور کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی طرف سب کے وجودات کے سلسلے منتہی ہوتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں سب کی ڈوریاں ہیں یا جس کے نور کی سب شعاعیں ہیں۔ اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے اس کی وحدانیت ثابت کی اور عالم وجود میں اس کے وجود کے آگے سب کو پست کر دیا۔ اس کے بعد اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کہہ کر اس کی حیاتِ حقیقی اور اس کا واجب الوجود ہونا ثابت کر دیا۔ القیوم بروزن فیعول من قام قیّوم پھر جب واوی جمع ہوئے اور اول ساکن تھا تو دوی کر کے ی میں ادغام کر دیا۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہر چیز پر قائم کے ہیں یعنی ہر شخص کے رزق وروزی وغیرہ امور کی تدبیر کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں۔ دائم الوجود۔ قوی یہ ہے کہ اس کے معنی واجب الوجود کے ہیں۔ سو یہ لفظ تمام صفاتِ کمالیہ کا سرچشمہ ہے اور تمام عیوب ونقائص سے پاک ہونے کا منبع۔ اس کے بعد پھر کسی صفت کی تشریح اجمال کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ سے یہ بات ثابت کر دی کہ وہ جمیع نقائصِ ممکنات سے بری ہے۔ پھر جب ایسا ہے تو مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ تمام آسمان وزمین اسی کے ہیں۔ اس کے آگے اور کون ہے جو ہمسری کا دعویٰ کرے یا اپنی وجاہت اور دھمکی سے کسی کی سفارش کر سکے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ جب تمام ممکنات اس کی معلول اور وہ سب کی علت ہے تو ہر چیز کا علم اس کو حاضر ہے۔ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ بخلاف اور ممکنات کے کہ ان کو دوسری ممکنات سے یہ علاقہ نہیں۔ پھر کون ہے کہ جن چیزوں کو وہ جانتا ہے وہ بھی جانے لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ ہاں جس قدر چیزیں اس نے اپنے بندوں کو خواہ بذریعہ حواس خواہ بذریعہ الہام وحی بتلائی ہیں اسی قدر بندے جان سکتے ہیں۔ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

(۲) وسع کرسیہ۔ کرسی کے لغوی معنی ایک چیز کا دوسرے سے ملنا (والکرس ابوال الدواب وابعارہا بتلبد بعضھا فوق بعض ومنہ الکراسۃ لترکب بعض اور اقھا علی بعض تفسیر کبیر) اور کرسی کو بھی اسی لیے کرسی کہتے ہیں کہ اس کی لکڑیاں باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ علماء محققین کہتے ہیں وہ کرسی اور تخت پر بیٹھنے سے پاک ہے یہ الفاظ بطور استعارات اس کی ذاتِ مقدسہ کے لیے قرآن میں

مستعمل ہوئے ہیں۔ اس جگہ اس کے معنی سلطنت اور قدرت کے ہیں کہ جو ہر چیز کی ایجاد کے لیے اصل ہے والعرب یسمون اصل کل شیء الکرسی اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قدرت آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں اور یہ قرین قیاس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ بندوں سے ان کی عادت و عرف کے موافق کلام کرتا ہے۔ سو جس طرح بندے بادشاہ کے لیے تخت اور کرسی تصور کرتے ہیں اسی طرح یہ الفاظ اس نے اپنی ذات پاک کے لیے بولے۔ اس سے ظاہری معنی مراد نہیں۔ اہلِ حدیث یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے جو معنی ہیں اس کی ذات کے لیے ثابت ہیں مگر ہم اس کی حقیقت و کیفیت نہیں جانتے اور ظاہر یہ اور ان کے مقلد نہایت غلو کر کے اس کے لیے عرش پر بیٹھنا اور دیگر خواصِ جسمانیہ صرف خبرِ احاد اور ظاہر الفاظ کے زور پر ثابت کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قرآن میں جس طرح حقیقت کا استعمال ہوا ہے اسی طرح مجاز اور کنایہ اور استعارہ اور تشبیہ کا بھی۔

(۳) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اس سے معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس سے تو شفاعت کا ثبوت ہوتا ہے۔ غایۃ الامر یہ کہ شفاعت اس کے اذن پر موقوف ہے۔ سو اس نے اپنے حبیب کو اذن دے دیا ہے اور پھر قیامت کو اس کو تازہ کرے گا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ شافعِ اکبر ہیں۔ بنی آدم حضرت ﷺ کے دامن تلے پناہ لیں گے۔ آپ ایمانداروں کو پناہ دیں گے۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

دین میں (کوئی) زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت خود متمیز ہو چکی ہے پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کر دیا اور اللہ کو مان لیا تو اس نے ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا کہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے۔ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا رہا ہے اور جو منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں (وہ) ان کو نور سے نکال کر اندھیروں میں لا رہے ہیں یہی دوزخی بھی ہیں وہ دوزخ میں سدا رہیں گے۔

ترکیب: اِكْرَاهَ اسم لا فِی الدِّیْنِ خبر لا تَبَیَّنَ ای تمیز فعل اَلرُّشْدُ فاعل مِنَ الْغَیِّ موضع نصب میں مفعول ہو کر تمام جملہ علت ہے۔ لَاۤ اِكْرَاهَ کی فَمَنْ یَّكْفُرْ الخ شرط طَاغُوْتِ اس کی اصل طیغوت ہے کیونکہ یہ طغیت تطغی کا مصدر ہے مثل ملکوت اور رہبوت کے یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ الخ جزا اَلْوُثْقٰى مونث ہے اوثق کا مثل اوسط و وسطے لَا انْفِصَامَ لَهَا جملہ حال ہے ضمیر وثقی سے یا عُرْوَةِ سے اَللّٰهُ مبتدا وَلِیُّ الَّذِیْنَ الخ خبر یُخْرِجُهُمْ جملہ حال ہے اللہ سے وقس علیہ الباقی۔

تفسیر: جہاد کی غرض زبردستی اسلام پھیلانا نہیں: گرچہ پہلی آیات میں خدا تعالیٰ جہاد کی علت فرما چکا تھا۔ ولولا دفع اللہ الناس الآیہ اور معترضوں کو جواب شافی دے چکا تھا مگر وہ جواب اشارۃً تھا اس لیے اس کی تشریح اور تفسیر کر دی کہ جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو

زبردستی مسلمان کیا جاوے اور بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاوے جیسا کہ مخالفینِ اسلام کج فہمی سے یہ تصور کر کے اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ خدا نے اپنے نبی برحق کی معرفت وہ معجزات و آیاتِ بینات ظاہر کئے کہ جن سے حق و باطل میں رات دن کی طرح امتیاز ہو گیا پھر اب جو کوئی غیر اللہ کی عبادت و شانِ الوہیت کا انکار کر کے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہے تو وہ ایک ایسے قوی وسیلہ کو پکڑتا ہے کہ جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اور اللہ خلوصِ دل اور زبانی باتیں سب کو سنتا اور جانتا ہے۔

ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کو کفر اور طبیعت اور رسوم کی اندھیریوں سے نکال کر نور میں داخل کرتا ہے اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتے ان کے محب اور مددگار شیاطین ہیں کہ جو ان کو نورِ فطرت سے نکال کر کفر اور اخلاقِ رذیلہ اور شہوات و حبِ جاہ و مال کی اندھیریوں میں ڈالتے ہیں جو موت کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوں گی اور جس طرح ان اندھیریوں سے ان کو عمر بھر رستگاری نہ ہوئی وہاں بھی نہ ہوگی اس لیے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

پس جہاد سے یہ غرض نہیں جو مخالفین سمجھتے ہیں بلکہ دنیا سے شر و فساد کا دفع کرنا اور قبیحات کا مٹانا اور دنیا کے ناپاک کرنے والوں کی شوکت کا توڑنا سو یہ عین مقتضائے رسالت اور نتیجۂ سلطنت آسمانی ہے جس کے ظہور کی حضرت یحییٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام خبر دیتے آئے ہیں۔ اس پر اعتراض کرنا عقلِ سلیم پر پتھر پھینکنا ہے۔ طاغوت سے مراد سرکش ہیں جن کا مصداق بعض نے شیاطین جن و انس قرار دیا ہے یعنی ان کے گروہ اور سرگروہ جو کفریات کی تعلیم کرتے تھے بعض نے بت مراد رکھے ہیں واللہ اعلم عُرْوَۃٌ اس کی جمع عُرا آتی ہے اس کے معنی دستہ وغیرہ کے ہوتے ہیں جیسا کہ لوٹے اور پیالی سے لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کا استعارہ ہے کہ جوامرِ معقول کو محسوسات کے پیرایہ میں بیان کیا کرتے ہیں جو شخص دینِ الٰہی قبول کرتا ہے گویا ایک نہایت مضبوط دستۂ غیبی کو پکڑتا ہے۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے اس کو بھی دیکھا[1] کہ جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے معاملہ میں حجت کی تھی (اس غرور میں آ کر) کہ اس کو خدا نے سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی تو جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالا کرتا ہے سو تو اس کو مغرب کی طرف سے نکال دے تب تو کافر حیران رہ گیا اور خدا نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ترکیب: اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ یہ جملہ موضع نصب میں ہے سیبویہ کے نزدیک اور خلیل کے نزدیک موضع جر میں ہے تقدیرہ لان اتاہ اللہ۔ مِنَ الْمَشْرِقِ اور مِنَ الْمَغْرِبِ فعل سے متعلق ہیں۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا ذکر آیت الکرسی میں کیا اور علم التوحید کی بحث شروع فرمائی تو اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب اور مؤید ذکر کئے جن کو فی الجملہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ سے بھی ایک لطیف مناسبت ہے۔ (۱) قصہ ان آیات میں حضرت ابراہیم

[1] یعنی اس کے معاملہ کو بھی دیکھا ۱۲۔

علیہ السلام اور نمرود کا ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کے اثبات کے لیے برہانِ قاطع ہے۔ (۲) اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ سے شروع ہوتا ہے۔ (۳) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دونوں قصہ اثباتِ حشر کے لیے ذکر ہوئے ہیں تا کہ مبداء و معاد کا کامل یقین ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل کے قریب پیدا ہوئے تھے جب وہاں ان کی خدا پرستی کا شہرہ ہوا اور بت پرستی کی مذمت لوگوں میں مشہور ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود بن کوش[۱] نے کہ جو جبار[۲] اور سخت بے دین اور ملحد تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ رب کون ہے اور کہاں ہے؟ اگر ہے تو مجھ کو دکھا بلکہ دنیا میں ہر ایک چیز اپنے اسباب کے پیدا ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے پھر آپ ہی فنا ہو جاتی ہے (یہ سب باتیں اس کی بادشاہی اور دولت کے نشہ سے تھیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل بیان کی کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں کہ جو کسی کے قبضہ قدرت میں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل کوئی اور قوی قادر ہے جو اپنی لطافت[۳] کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا اور وہ فعل مارنا اور جلانا ہے جس طرح کوئی شخص کسی تخت یا صندوقچہ کے اس کاریگر کا وجود کہ جواب ہم کو دکھائی نہیں دیتا یوں ثابت کرے کہ آخر کوئی ہے کہ جس نے ان لکڑیوں میں تصرف کیا اور چھیل تراش کر ایک طور پر جمع کر دیا اسی طرح مارنا جلانا تمام مخلوقات میں ایک قوی تصرف ہے جو کسی کے قبضہ میں نہیں۔ نہ کوئی از خود زندہ ہو سکتا ہے نہ کسی کو زندہ کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے اس کے جواب میں نمرود نے کہا اگر یہ فعل بلا توسطِ اسباب ہے تو میں اس کا قائل نہیں اور اگر اسباب کے ذریعہ سے ہے تو میں بھی بذریعہ اسباب مار سکتا جلا سکتا ہوں۔ ہم جماع کرتے ہیں اس نطفہ کے سبب سے آدمی بن جاتا ہے' زہر کھلانے تلوار مارنے سے مرجاتا ہے انا احی و امیت اس کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ گو دنیا میں اس کے کاروبار عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب کس کے قبضہ میں ہیں۔ منجملہ اسبابِ عالم کے گردشِ افلاک اور آفتاب کا وتیرہ خاص پر طلوع و غروب کرنا ہے۔ اچھا آپ اس میں تو کوئی تصرف کر دیجئے۔ آفتاب کو مغرب کی طرف سے تو نکال کر دکھائیے۔ یہ سن کر وہ حیران اور بھونچکا ہو گیا مگر ایسے بے انصاف راہ پر نہیں آتے بلکہ شرمندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا جس میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو سلامت رکھا اور پھر ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ملک شام میں آئے۔ پادری اور ان کے مقلد اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ قصہ تورات میں نہیں۔ اس لیے غلط ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا تورات کے دس بارہ ورق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام وقائع عمر یہ مندرج ہیں بلکہ ہزاروں باتیں نہیں پھر کیا وہ سب غلط ہیں اور خدا کا بیان فرمانا ان کی صداقت کے لیے کافی نہیں!

اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا ج قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا ج فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ط قَالَ کَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ ج وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضحاک کی طرف سے حاکم تھا۔
۲۔ جیسا کہ تورات کتاب پیدائش کے باب ۱۰ میں مذکور ہے۔ ۱۲ منہ
۳۔ دیکھئے ہوا باوجودیکہ جسم ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور جو جسم کی کثافت سے بھی بری ہے تو وہ کیونکر محسوس ہو سکے۔ ۱۲ منہ

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا جیسا کہ وہ شخص جو ایک ایسے شہر پر سے گزرا جو چھتوں سمیت ڈھا پڑا تھا۔ اس نے (دیکھ کر) کہا کہ اس کی ویرانی کے بعد اس کو خدا کیونکر آباد کرے گا تب اس کو خدا نے سو برس تک مردہ پڑا رہنے دیا پھر اس کو اٹھا کر پوچھا کہ تو کب تک پڑا رہا' اس نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم پڑا رہا۔ (خدا نے) کہا (نہیں) بلکہ تو سو برس پڑا رہا۔ پھر تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ ابھی تک بسا بھی نہیں اور اپنے گدھے کو (بھی) دیکھ (کہ بالکل گل گیا) ہم تجھ کو لوگوں کے لیے قدرت کا نمونہ کیا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کو (بھی) دیکھ کہ کس طرح سے ہم ان کو جوڑتے ہیں پھر (کیونکر) اس کو گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس کو (یہ قدرت) معلوم ہوئی تو کہہ اٹھا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: اَوْ تفصیل کے لیے کَالَّذِیْ میں کاف زائد ہے جیسا کہ کمثلہ میں۔ بعض نے کہا زائد نہیں تب اس کا موضع نصب ہے التقدیر ارایت مثل الذی وَھِیَ خَاوِیَۃٌ جملہ موضع جر میں ہے صفت قریہ کی عَلٰی عُرُوْشِھَا متعلق ہے خَاوِیَۃٌ سے انی بمعنی کیف یا بمعنی متی نصب میں ہے یُحْیِی سے مِائَۃَ عام ظرف ہے اَمَاتَہٗ کا کَمْ لَبِثْتَ ظرف ہے لبثت کا لَمْ یَتَسَنَّہْ اس میں ہا زائدہ وقف میں اصل فعل تیسنن جیسنا کہ حماء مسنون آیا ہے چونکہ تین نون جمع ہو گئے تھے اخیر کو ی سے بدلا پھر ی کو الف سے اور الف جزم کی وجہ سے حذف ہو گیا۔ بعض ہا کو اصلی کہتے ہیں وَلِنَجْعَلَكَ محذوف پر معطوف ہے تقدیرہ ارینا ک ذلک لتعلم قدرتنا ولنجعلک میں بعض کہتے ہیں وزائد ہے۔

تفسیر: یہ دوسرا قصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً[1] چھ سو برس پیشتر ملک شام میں بمقام ایلیا گزرا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ پچھلے حملہ میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہزار ہا بنی اسرائیل کو قتل کیا اور شہر یروشلم کو جلا کر برباد کر دیا۔ بیت المقدس کو ڈھا کر اور جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا اور ستر (۷۰) ہزار کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور ستر برس تک بنی اسرائیل وہاں اس کی قید میں رہے مگر حضرت یرمیا علیہ السلام یہیں رہے تھے۔ ایک بار وہ اس شہر کے پاس سے گزرے۔ اس کی یہ حالت اور ملک اور قوم کی بربادی دیکھ کر دل بھر آیا۔ حسرت کے طور پر کہنے لگے کہ اب اس شہر کو خدا کیونکر آباد کرے گا۔ خدا نے ان کو اپنی قدرتِ کاملہ کا تماشا دکھایا۔ وہ یہ کہ حضرت یرمیا نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرہ کا برتن اور روٹیوں کا تھیلا درخت سے لٹکا کر سو رہے۔ خدا نے ان کی روح قبض کر لی۔ یہاں تک کہ سو برس کا عرصہ ان پر گزر گیا۔ گدھے کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئیں۔ اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں کا دور دورا ہو گیا۔ تخششانی بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے ملک میں واپس جاویں اور پھر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں سو تخمیناً بیالیس ہزار بنی اسرائیل کہ جن میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے ملک شام میں آئے اور بیت المقدس اور شہر کو از سرِ نو تعمیر کرنا شروع کیا۔ پھر کسی نے بادشاہ کو بہکا دیا اور لوگ بھی مانع آئے۔ آخر دارا شاہ کے عہد میں بنی اسرائیل کی واپسی کے بیس برس بعد یروشلم اور بیت المقدس پھر از سرِ نو تعمیر ہوا۔ جیسا کہ دوم کتاب تاریخ اور کتاب عزرا اور کتاب نحمیا سے ثابت ہے۔ اس عرصہ میں خدا نے حضرت یرمیا کو زندہ کیا اور ان سے بطور الہام پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے۔ چونکہ وہ صبح کو سوئے تھے عصر کے وقت زندہ ہوئے' یہ کہا کہ ایک دن یا کم پڑا رہا ہوں وہاں سے جواب آیا کہ سو برس تک پڑا رہا ہے۔ گدھے کو دیکھ۔ دیکھا تو اس کی ہڈیاں سفید پڑی چمک رہی تھیں اور کھانے پینے کو دیکھا تو ویسا ہی تھا۔ پھر خدا نے ان کے روبرو گدھے کو زندہ کیا اور شہر میں آ کر سب شہر اور بیت المقدس کو آباد دیکھ کر کہا' مجھے یقین ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے' مردے کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ سو حشر اور بعد مُردن تمام خلق کو زندہ کر کے حساب لینا بھی اس کی قدرت میں ہے۔

[1] حضرت عیسیٰ سے تخمیناً پانچ سو برس پہلے۔ ۱۲ منہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

۳۵ ع ۳

اور (اے نبی! اس واقعہ کو بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیم نے کہا کہ اے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا (خدا) نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کیوں نہیں لیکن اپنے دل کا اطمینان کرنا چاہتا ہوں (خدا نے) فرمایا اچھا چار پرندے لو پھر ان کو ساتھ ہلا لو۔ پھر ان میں سے ہر ایک کا ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بے شک خدا زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِذْ کا عامل محذوف ہے تقدیرہ اذکر پس یہ مفعول بہ ہے نہ مفعول فیہ قال فعل اِبْرٰهٖمُ فاعل رَبِّ اَرِنِیْ الخ جملہ مقولہ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی جملہ مفعول ہے اَرِنِیْ کا ای کیفیۃ احیاء الموتی لِیَطْمَىِٕنَّ کا لام محذوف سے متعلق ہے تقدیرہ وسلتک لیطمئن من الطیر صفۃ ہے اربعۃ کی مِنْهُنَّ حال ہے جزء سے سَعْیًا مصدر موضع حال میں اور مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر: یہ تیسرا واقعہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ملک بابل سے ہجرت کر کے ملک شام میں آنے کے بعد گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر چند خدا کے فرمانے کی وجہ سے یقین تھا کہ آدمی مر کر گو اس کے اجزاء مخلوط ہو جائیں۔ ہوا میں ہوا اور خاک میں خاک اور پانی میں پانی آگ میں آگ مل جائے مگر اس کو زندہ کرے گا اور اس کے اجزاء کو جمع کرے گا لیکن بمقتضائے بشریت یہ بات گونہ عجب معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے خدا سے سوال کیا کہ مجھ کو دکھا تو کس طرح سے مردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا تجھ کو یقین نہیں۔ عرض کیا یقین تو ہے لیکن اطمینانِ قلبی کے لیے سوال کرتا ہوں کہ اس امر کا مشاہدہ بھی کرلوں تاکہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ خدا نے فرمایا تو چار پرندے لے کر ان کو اپنے پاس رکھ پھر سب کا قیمہ کر کے تھوڑا تھوڑا پہاڑ کے مختلف ٹیلوں پر رکھ دے اور پھر ہر ایک کو بلا۔ تیرے پاس ہر ایک جانور دوڑ کر چلا آوے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مور اور کبوتر اور مرغ اور کوا لیا اور اسی طرح کیا۔ پھر جس کو پکارا اور اس کے اجزاء مجتمع ہو کر زندہ ہوا اور ابراہیم کے پاس دوڑتا ہوا چلا آیا۔ اس امر کے مشاہدہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یقین کامل ہو گیا۔

اگرچہ ان چار پرندوں کے لینے کی وجہ اور ان کے نام کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتے مگر علماء کے اقوال سے یہ نام جو اوپر گزرے ثابت ہوتے ہیں اور چار پرندوں کے لینے اور ان کے بلانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بشتر انسان کے جسم کے لیے چار عنصر، آگ پانی، ہوا، مٹی جزو غالب ہیں اور دنیا میں یہ چار پرندکہ جو ہر ایک دوڑ کر اپنی حیزِ اصلی کی طرف اڑ جانا چاہتا ہے آپس میں ملے ملے رہتے ہیں اور ایک روز یہ پھر جدا ہو جاویں گے اور قیامت کو اس قادرِ مطلق کے حکم سے پھر ملیں گے۔ ہر ایک دوڑتا چلا آوے گا۔ اس امر کے مشاہدہ کے لیے ان کا نمونہ اور ان کے مناسب چار پرند جانور مختلف الطبائع لینے کو کہا اور ان کو بلانے کو فرمایا کہ پہچان رہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ یہ اور جانور ہیں۔

فائدہ۔ اول قصہ میں چونکہ حضرت یرمیاہ نے ادب ملحوظ نہ رکھا اور اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا کہا تو خدا نے قرآن میں ان کا نام نہ لیا اور خود انہیں پر امتحان ہوا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے رَبِّ اَرِنِیْ کہا اور کیفیتِ احیاءِ موتی پوچھی ان کا ذکر آیا۔

فائدہ دوم۔ نیچر مفسر نے ان دونوں قصوں کا انکار کیا ہے اور اپنی عادتِ قدیمہ کے موافق مفسرین پر اعتراضِ بیہودہ کر کے ایک لغو توجیہ کی ہے کہ کالذی سے مراد کانہ مرعلی قریۃ یعنی خواب میں یہ واقعہ گزرا ہے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب کا ہے۔ چونکہ بجز تقلیدِ ملحدین اور کوئی دلیلِ عقلی یا نقلی اس شخص نے اپنے دعویٰ پر قائم نہیں کی اور توجیہ کو کوئی نحوی یا اہلِ زبان تسلیم نہیں کرتا اور نیز ان کے کلام میں باہم تعارض بھی ہے۔ اس لیے میں لفظ لفظ جواب دینا مناسب نہیں جانتا۔ بعض عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ مردے دنیا میں زندہ نہیں ہوتے خود بائبل کے برخلاف ہے۔ دیکھو کتاب حزقیل میں سینکڑوں مردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے۔ اور ۲ کتاب تاریخ کے تیرہویں باب ۲۱ درس میں ہے کہ یسع نبی کی قبر میں لوگوں نے ایک مردہ کو ڈال دیا اور جب وہ شخص گر گیا اور الیسع کی ہڈیوں سے لگا تو وہ جی اٹھا اور پاؤں پر کھڑا ہوا انتہی دراصل ایسی باتیں ملحد بنایا کرتے ہیں جو کہ سوا محسوسات کے معقولات کے منکر ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرت اور اس کے افعالِ خوارقِ عادت سب کے منکر ہیں۔ ان کی نظر بہائم کی مانند ہے جو محسوسات سے تجاوز کر کے معقولات تک نہیں پہنچتی اور یہ کہنا کہ یہ قصہ تورات میں کیوں نہیں یا الٹ پلٹ کر وہاں سے نقل کئے گئے ہیں۔ خیالِ خام ہے اس کا جواب بارہا ہم دے چکے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

مثال ان کی جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس دانے کی سی ہے کہ جو سات بالیں نکالے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دو چند کر دیتا ہے اور اللہ وسعت والا خبردار ہے جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں ان کے لیے ان کا بدلہ خدا کے پاس ملے گا اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔ اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے سائل کو ایذا پہنچے اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔

ترکیب: مَثَلُ الَّذِيْنَ الخ جملہ مبتدا ای مثل انفاق الذین الخ كَمَثَلِ حَبَّةٍ الخ خبر۔ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ الخ جملہ موضع جر میں صفت ہے حَبَّةٍ کی مِّائَةُ حَبَّةٍ مبتداء فی كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ خبر یہ جملہ صفت ہے سَنَابِلَ کی اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ صلہ وموصول مبتدا لَهُمْ اَجْرُهُمْ الخ خبر قول معروف موصوف وصفت مبتدا خَيْرٌ الخ خبر يَتْبَعُهَآ اَذًى جملہ صفت ہے صَدَقَةٍ کی۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور عالمِ آخرت کا ثبوت قطعی کر چکا تو اب عالمِ آخرت کے لیے ساز و سامان کی ترغیب دیتا ہے کہ وہاں کے لیے کچھ دیا کرو وہ ضائع نہیں جاتا۔ وہ خدائے قادر کہ جو مردہ کو زندہ کرتا ہے اور جس کے اوصاف مذکور ہوئے اس خیرات کے اجر کو عالمِ مثالی میں قائم کرتا ہے جس طرح کوئی یہاں ایک دانہ زمین میں ڈالے اور اس سے گیہوں یا باجرہ وغیرہ کا کوئی پیڑ اگے اور اس میں سات

خوشہ پیدا ہووے اور ہر خوشہ میں سو دانہ ہوں تو ایک دانہ کے سات سو دانہ زمین میں مخفی کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو پانی دیا جاوے اور آفات سے محفوظ رکھا جاوے۔ اسی طرح جو کوئی خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے تو اس کو عالم مثالی کی زمین میں مخفی کرتا ہے۔ اس کا وہاں ایسا درخت اگتا ہے اور ایسے ثمرات پیدا ہوتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور خلوص کا پانی دیا جاوے اور احسان جتلانے اور سائل کو ایذا دینے کی بلاؤں سے بچایا جاوے ورنہ سائل کو زبان سے نیک بات کہنی اور اس کے الحاح پر درگزر کرنا یا عموماً ہر شخص سے نیک بات کہنی اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے۔

فائدہ ۱:۔ یہ مثال ایک ذہنی الوجود چیز کے ساتھ ہے۔ اس کے لیے یہ کچھ ضرور نہیں کہ خارج میں کوئی ایسا پیڑ بھی پایا جاوے کہ جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشہ میں سو دانہ ہوں۔ **فائدہ ۲:** لاخوف علیہم میں تعمیم ہے نہ دنیا میں ایسے لوگوں کو افلاس کا خوف و غم ہو گا نہ آخرت میں۔ **فائدہ ۳:** مال انسان کو بہت عزیز ہے اس کے صرف کرنے والے کے لیے واسع علیم فرمایا کہ ہم وسعت اور فراخی عطا کرتے ہیں اور خلوصِ دل سے آگاہ ہیں اور موذی ریاکاروں کے لیے غنی حلیم فرمایا کہ ہم کو کچھ پروا نہیں اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵

ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح برباد مت کرو کہ جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر۔ سو اس کی مثال ایسے چکنے پتھر کی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ پڑ جائے اور اس کو صاف کر جائے جو کچھ انہوں نے کمایا تھا سب گیا گزرا ہوا اور اللہ (ازلی) کافروں کو ہدایت نہیں کیا کرتا اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلی اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں ایک ایسے باغ کی سی ہے جو نرم زمین پر ہو اس پر زور کا مینہ برسے تو دو چند پھل لائے۔ پھر اگر اس پر مینہ نہ پڑے تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا خوب دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: کَالَّذِیْ کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ ابطالا کابطال الذی ینفق رِئَآءَ النَّاسِ مفعول لہ ہے ینفق کا ریاء کی پہلی ہمزہ نفس کلمہ ہے کہ یہ رای سے ہے اور لغیر بدل ہے ی سے صَفْوَانٍ جنس ہے وقیل جمع صفوانۃ علیہ تُرَابٌ جملہ موضع جر میں صفت ہے صفوان کی اِبْتِغَآءَ مفعول لہ ہے ینفقون کا اور تَثْبِیْتًا اس پر معطوف ہے اور یہ مصدر ہے فعل متعدی کا ای یثبتون اعمالہم باخلاص النیۃ اور ممکن ہے کہ بمعنی ثبت ہو۔ رُبْوَۃٍ بضم الراء و فتحہا بلندی یا پھولی ہوئی نرم زمین اَصَابَهَا وابل جملہ صفت ہے جَنَّۃٍ کی وَابِلٌ وبل

سے مشتق ہے یقال اوبل فہو موبل۔ اُکُل سکون کاف اور ضمہ دونوں طرح جائز ہے۔ یہ جمع ہے واحد اس کا اکلۃ ہے بمعنی ماکول ضِعفین حال ہے ای مضاعفا فطلٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اس کے معنی شبنم ہیں اور خبر بھی محذوف کی کہہ سکتے ہیں۔

تفسیر: پہلی آیات میں خیرات دے کر احسان جتلانے اور فقیر کو بدزبانی یا طعن و تشنیع سے ایذا دینے سے منع فرمایا تھا۔ یہاں اس کے اجر ضائع ہونے میں منافقوں سے مثال دیتا ہے کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے نہ ان کو اجر آخرت کا یقین ہے بلکہ محض نام آوری کے لیے مال خرچ کرتے ہیں یعنی منافق سو تم ایسا نہ کرو ان کو کچھ بھی اجر نہیں اسی طرح تم کو بھی نہ ملے گا۔ کس لیے کہ عالم مثال میں جس طرح شجرِ خیرات کو احسان جتلانا اور ایذا دینا برباد کرتا ہے اسی طرح ایمان نہ لانا اور ریاکاری کرنا بھی برباد کرتا ہے۔ پھر ان منافقوں کے حال ظاہر کرنے کے لیے مثال دیتا ہے کہ ایمان اور خلوصِ نیت بمنزلہ ربوۃ یعنی نرم اور بلند زمین کی ہے جو اپنے پیڑوں اور درختوں اور جڑی بوٹیوں کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے اعنی عمدہ زمین اور کفر اور ریاکاری بمنزلہ سخت پتھر کے ہے کہ جس پر کوئی چیز نہیں اگتی اور اس پر کسی قدر مٹی پڑی ہو یعنی ظاہری اسلام پس جو منکر اور ریاکار خیرات کرتے ہیں تو گویا اس پتھر پر کسی قدر مٹی دیکھ کر کچھ بونا چاہتے ہیں اور جب اس پر سخت بارش پڑ جاتی ہے تو سب کو بہا دیتی ہے۔ کچھ بھی ان کے قبضہ میں نہیں رہتا۔ اسی طرح جب موت اور مرورِ دہر کا مینہ پڑے گا ان کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ وہ ظاہری نیکوکاری جو غبار تھی اڑ جاوے گی اور جو مومن مخلصین خدا کی خوشنودی اور خلوص دل سے حسنات و خیرات کرتے ہیں تو اس عمدہ زمین پر (عالم مثالی میں) باغ لگاتے ہیں جس پر زور کا مینہ برستا ہے تو دگنا پھل آتا ہے اور چونکہ زمین عمدہ ہے اگر زور کا مینہ نہیں برستا تو کسی قدر ترشح اور شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے یعنی موت کے بعد تو بے شمار اجر حاصل ہوگا اور دنیا میں بھی اس کا کچھ پھل اس کو ملے گا۔

فائدہ: ان دونوں مثالوں میں جو کچھ باریکیاں ہیں ان کو میں اس مختصر میں بیان نہیں کر سکتا مفرد اور مرکب کے لحاظ سے ہر پہلو میں اعجاز ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۷﴾

ع

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے لیے کوئی کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ ہو کہ جس میں نہریں بہتی ہوں اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے بھی ہوں اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے بال بچے بھی ننھے ننھے ہوں پھر اس باغ پر ایسا لو کا جھونکا چل جاوے کہ جس میں آگ ہو جس سے وہ جل جائے اللہ یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم غور کرو۔ ایمان والو اپنی کمائی میں سے پاک چیزیں اور نیز وہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لیے

زمین سے اگائی ہیں وہ دیا کرو اور ایسی بری چیز کے دینے کا تو ارادہ بھی نہ کرنا کہ جس کو تم خود بھی بغیر چشم پوشی کئے لے نہیں سکتے اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا خوبیوں والا ہے۔

ترکیب: مِنْ نَخِيْلٍ صفت جنت کی کہ تجری اور لَہٗ فِیْھَا الخ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ جملہ بحذف قد حال ہے احد سے وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ حال ہے اصابہ کی ضمیر سے وَلَا تَيَمَّمُوا ای لا تقصد وا لفعل۔ اَلْخَبِيْثَ مفعول مِنْهُ جار مجرور متعلق تُنْفِقُوْنَ سے اور تقدیم تخصیص کے لیے پس یہ جملہ اعنی تُنْفِقُوْنَ مِنْهُ حال ہے الخبیث سے وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ الخ جملہ حال ہے فاعل تُنْفِقُوْنَ سے۔

تفسیر: یہ ایک اور مثال اس شخص کے لیے بیان کی گئی کہ جو خیرات وصدقہ خلوص نیت سے نہیں دیتا یا دے کر احسان جتلاتا اور سائل کو طعن اور عار کی باتوں سے ایذا دیتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے پاس ایک ایسا عمدہ باغ ہو کہ جس میں اکثر کھجور اور انگور ہوں اور اس میں نہریں بھی ہوں یعنی آبِ رواں اور علاوہ اس کے اس میں ہر قسم کا میوہ ہو اور مالک باغ کا بڈھا ہو کہ علاوہ اس عمدہ باغ کی آمدنی کے اور کوئی وجہ معاش نہ رکھتا ہو نہ اور فنونِ کسبِ معاش پر قادر ہو اور اس پر طرہ یہ ہو کہ اس بے کسی کی حالت میں اس ضعیف کے ننھے ننھے بال بچے بھی ہوں کہ جن کا خرچ اور پرورش سب اس کے ذمہ ہو۔ پھر اس حالت میں اس باغ پر کوئی آفت آسمانی ایسی پڑ جائے کہ جو اس کو جلا کر نیست و نابود کردے۔ پھر دیکھئے کہ اس شخص پر کس قدر صدمہ اور کیا بے کسی اور حیرت اور حسرت طاری ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کا صدقہ وخیرات عالم غیب میں نہایت عمدہ باغ کی صورت میں کہ جس کے صفات مذکور ہوئے ظہور کرتا ہے اور عالم آخرت میں انسان بڈھے کی طرح حسنات اور اعمالِ صالحہ کرنے سے معذور و مجبور ہوتا ہے اور اس کو اپنی اس کمائی اور انہیں اعمالِ صالحہ کی طرف توقع کی نظر ہوتی ہے اور اس کا احسان جتلانا اور ایذا دینا اور خلوصِ نیت نہ ہونا بمنزلہ بگولے کے ہے کہ جس میں لو اور آگ ہو کہ جو اس کے اس تر و تازہ باغ کو خاکِ سیاہ کر دیتی ہے۔ فرماتا ہے آیا کوئی تم میں سے ایسا جانتا ہے کہ ایسا چاہتا ہے کہ ایسا باغ ایسی حالت میں تباہ ہو جاوے۔ یعنی کوئی نہیں چاہتا پھر تم کیوں اپنے اس تر و تازہ باغ کو تباہ کرتے ہو! اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ کیسی چیزیں خیرات وصدقہ میں دینی چاہییں۔ آیا دل سے اتری ہوئی کہ جن کو با ہم بھی کوئی بجز کراہت اور ناخوشی کے نہیں لیتا یا عمدہ اور مرغوب چیزیں۔ حکم دیتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں دو اور نیز طیبات ما کسبتم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز تم نے حلال اور جائز طور سے حاصل کی ہے اس کو دو۔ اسی کو خدا قبول بھی کرتا ہے، حرام اور ناجائز کمائی کی خیرات اس کے نزدیک قبول نہیں ہوتی اور جو چیزیں کہ اناج میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی دو اور جن چیزوں کو تم خرچ کرتے ہو ان میں سے ان بری چیزوں کے دینے کا تو صدقہ بھی نہ کرنا کہ جن کو تم بھی خوشی سے نہیں لیتے۔ کس لیے کہ خدا بے پروا ہے۔ بری نذریں قبول نہیں فرماتا۔ تغمضوا اغماض آنکھ بند کرنا اور اس کی اصل غموض یعنی چھپانا ہے اسی لیے کلامِ خفی کو غامض کہتے ہیں مگر یہاں مراد مصالحت ہے کیونکہ آدمی جب کوئی ناپسند چیز دیکھتا ہے تو آنکھ بند کر لیتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ

اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ

مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

شیطان تو تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بری باتوں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فراخی کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا خبردار ہے۔ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے اور جس کو دانائی دی گئی تو اس کو سب کچھ دیا گیا اور سمجھتے بھی وہی ہیں جو عقلمند ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم خیرات کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو بے شک اس کو اللہ جانتا ہے اور ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہیں۔ اگر خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔

ترکیب: اَلشَّیْطٰنُ مبتداء یَعِدُکُمُ الخ جملہ خبر، وَاللّٰہُ مبتداء یَعِدُکُمْ خبر، مِنْهُ صفت ہے مَغْفِرَۃً کی جو مفعول ثانی ہے یَعِدُ کا۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ جملہ صفت ہے عَلِیْمٌ کی۔ وَمَا اَنْفَقْتُمْ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰہَ الخ جواب اِنْ تُبْدُوا شرط فَنِعِمَّا هِيَ جواب کے لیے نِعِمَّا اصل میں نعم ما تھا باہم ادغام کر دیا ہے مبتداء موخر نعم فعل ما نکرہ بمعنی شے اس کا فاعل مجموعہ خبر اور یوں بھی ہے کہ هِيَ مخصوص بالمدح خبر مبتداء محذوف کی ہو تقدیر الکلام نعم الشیء شیئا ھی۔

تفسیر: خیرات وصدقات سے اکثر خیالاتِ فاسدہ منع کیا کرتے ہیں کہ مال جا کر پھر کہاں سے آئے گا۔ تمہارے بال بچے ہیں، آیندہ کیا کیا ضرورتیں پیش آنی ہیں جن کا منشاء انسان کا طبعی بخل ہے۔ شیطان ان خیالاتِ فاسدہ کو دل میں ڈالتا ہے مگر ایمانداروں کے دلوں میں خدا کی طرف سے ایک روحانی سلسلۂ الہام بھی قائم ہے۔ اس کے ذریعہ سے خدا اس صدقہ وخیرات پر مغفرت اور فضل یعنی کشائش وفراخدستی و برکت کا وعدہ کرتا ہے۔ کس لیے کہ واللہ واسع علیم خدا بڑی کشائش دینے والا اور خبردار ہے۔ انسان اپنے ذرائع معاش اور کوشش کو وسعت کا سبب جانتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے کس لیے کہ بارہا ایک دو نہیں تو سینکڑوں عاقلوں کی کوششیں اور باریک بینیں بیکار ہو جاتی ہیں بجائے فائدہ اور دولت کے افلاس اور نقصان پیش آتا ہے۔ یہ اسرار اور حکمت ہر ایک کو نصیب نہیں۔ ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا مگر انہیں کے فہم کو رسائی ہوتی ہے کہ جن کو خدا نے حکمت یعنی دانائی دی ہے اور جس کو دانائی دی گئی اس کو سب کچھ دیا گیا۔ کس لیے کہ انسانی سعادت خواہ دنیاوی ہو یا اخروی ہو سب علم وحکمت ہی پر مبنی ہے۔ اس خزانۂ غیبی کے آگے دولت ومال واسبابِ کامرانی کیا چیز ہیں ممکن ہے کہ خدا کا وعدۂ مغفرت وکشائش انبیاء کی معرفت ہوا ہو جو ہر ایک شریعت میں متوارث ہے۔ شیطان صدقہ وخیرات کرنے پر تنگدستی ہی سے نہیں ڈراتا بلکہ فحش کا بھی حکم دیتا ہے۔ سائلوں کو گالیاں دینا اور نیک کاموں کی مذمت کرنا، شہوات ولذات اور نمود کے کاموں میں روپیہ اڑانا، شراب خواری اور زناکاری، قمار بازی اور سب بازیوں میں بے دریغ روپیہ اٹھانا، شہرت کے لیے مجامع کرنا، رقص وسرود کی مجلسیں بیاہ شادی میں کرنا، بلا حاجت مکانات بنانا وغیرہ جملہ فحش شیطانی الہام ہے جس کا بدیہی نتیجہ افلاس اور رسوائی ہے۔ عجب ہے کہ ان کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے تو افلاس سے ڈراتا ہے مگر شیطانی کاموں میں بے دریغ اڑانے سے افلاس سے نہیں ڈراتا حالانکہ رات دن دیکھا جاتا ہے کہ شیطانی کاموں میں صرف کرنے سے افلاس آتا ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے امراء زادے موجود ہیں اور نیک کاموں میں صرف کرنے سے اب تک کوئی بھی محتاج نہیں دیکھا گیا بلکہ برکت اور فراغ دستی دیکھی جاتی ہے مگر شیطانی الہام نے کیسا برعکس معاملہ سمجھایا ہے۔ اس کے بعد حکم دیتا ہے کہ جب تمہارے دل میں اخلاص ہو تو تم کو اختیار ہے مخفی طور سے دو یا ظاہر دو۔ پھر خلوصِ نیت پر آمادہ رہنے کے لیے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

(اے نبی!) آپ کا ذمہ نہیں کہ ان کو راہِ راست پر لائیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لاتا ہے اور تم جو کچھ بھی اچھی چیز خیرات کرتے ہو تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتے ہو اور تم تو صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا کرتے ہو اور جو کچھ تم خیرات کرو گے تو پوری پوری تم کو ملے گی (یعنی اس کا ثواب) اور تمہارا کوئی حق رکھا نہ جائے گا (خیرات تو) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہوں۔ ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ ناواقف تو ان کو قناعت کے سبب غنی سمجھتا ہے (تو اے مخاطب!) ان کی صورت (وشکل) سے ان کو خوب جان سکتا ہے۔ وہ کسی سے چمٹ کر نہیں مانگتے اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے سو اس کو اللہ جانتا ہے جو رات اور دن چھپے اور کھلے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔

ترکیب: لِلْفُقَرَآءِ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای الصدقات المذکورۃ للفقراء پھر فقراء کے اُحْصِرُوْا الخ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس پانچ وصف بیان فرمائے اول بطور صفت اور باقی بطور حال وفیہ سر لا یسعہ المقال۔ الذین موصول وصلہ مبتداء فلهم اجرهم جملہ خبر اور ف اس لیے آئی کہ مبتداء میں بوئی شرط تھی۔

تفسیر: یہ خیرات کی بابت چوتھا حکم ہے جس طرح پہلی آیتوں میں خیرات میں دینے کے قابل چیزوں کا بیان تھا اس میں ان لوگوں کا بیان ہے کہ جن کو خیرات دینی چاہیے۔ صحابہ یا خود آنحضرت ﷺ مشرکین اور بت پرستوں کو دینے میں کوتاہی کیا کرتے تھے۔ ان کی بت پرستی سے نفرت کر کے اس پر حکم آیا کہ تم ہر ایک محتاج کو دو خواہ مومن ہو خواہ کافر بدکار ہدایت پر لانا آپ کا ذمہ نہیں کہ آپ ان کو ایسی باتوں سے مجبور کر کے مسلمان کریں۔ ایمان اور ہدایت اس کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے نصیب کرتا ہے۔ تم شوق سے دو تم کو ان کی بت پرستی سے کیا؟ تم تو خاص اللہ کی رضامندی کے لیے دیتے ہو۔ اب جو کچھ تم دو گے پاؤ گے ان کو کیا دیتے ہو اپنے لیے جمع کرتے ہو۔ یہ سب خدا تم کو واپس دے گا' کچھ نہ لے گا۔

اس کے بعد جو لوگ خیرات کے لیے زیادہ مستحق ہیں ان کو بیان کرتا ہے کہ ان صدقات کے زیادہ مستحق وہ فقراء ہیں کہ جن میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں (۱) یہ کہ وہ خدا کی راہ میں بند کئے گئے ہوں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے تعلیم پانے اور شب و روز یادِ الٰہی میں بہت سے صحابی گھر بار چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر[1] رہتے تھے جن کے فیض نے آنحضرت ﷺ کے بعد تمام عالم کو منور کیا سوان کا دینا علاوہ عام ثواب کے تائید و تقویتِ اسلام بھی ہے اس لیے ہر زمانہ میں طلباء و علماء و خادمانِ دین کی خدمت ضروری سمجھی گئی۔ (۲) یہ کہ وہ ان وجوہ سے پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہیں تجارت یا سوال کے لیے نہیں جا سکتے۔ (۳) اس فقر و فاقہ پر بھی اس کشادہ پیشانی اور خرمی سے گزارتے ہیں کہ ناواقف ان کو اس بے اعتنائی اور بے سوالی سے غنی سمجھتا ہے۔ (۴) جس سے ان کے چہروں پر انوارِ تقدیس ایسے چمکتے ہیں کہ جن کو ہر ایک صاحبِ بصیرت پہچان لیتا ہے کہ یہ خاصانِ خدا اور محبوبانِ کبریا ہیں۔ (۵) ان میں صفتِ توکل غالب ہے۔ عام سائلوں کی طرح سے در بدر بھیک مانگتے اور رستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں (جیسا کہ آج کل چرس بھنگ پی کر گدائی کرنا ولایت اور کمال احمقوں میں سمجھا جاتا ہے) اس کے بعد زیادہ خیرات دینے کی ترغیب دیتا ہے کہ جو اپنا مال رات دن خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں نہ ان کو اس مال کے خرچ کرنے سے رنج ہوگا نہ ان کو کچھ آخرت میں خوف ہوگا۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

وقف لازم

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت میں) کھڑے نہ ہوں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے کہ جس کو بھوت چمٹ کر دیوانہ کر دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ سودا کرنا بھی تو سود ہی جیسا ہے حالانکہ خدا نے سودے کو تو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے پھر وہ باز آجائے تو جو کچھ لے چکا وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور جو پھر بھی سود لے تو یہ لوگ دوزخی ہیں جو اس میں سدا رہا کریں گے۔ خدا سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کو کوئی بھی ناشکر گنہگار پسند نہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام کئے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔

ترکیب: اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الخ مبتداء لَا یَقُوۡمُوۡنَ الخ جملہ خبر کَمَا کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ اِلَّا قِیَامًا

[1] یہ مہاجرین کے گروہ میں سے ایک خاص فرقہ تھا جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے۔

مثل قیام الذی الخ ذٰلِکَ مبتداء بِاَنَّھُمْ الخ خبر مِنَ المَسِّ متعلق ہے یَتَخَبَّطُہٗ سے فَمَنْ جَاءَ شرط فَلَہٗ مَا سَلَفَ جواب وَاَمْرُہٗ معطوف جواب پر وَمَنْ عَادَ شرط فَاُولٰٓئِکَ جواب اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسم اَنَّ لَھُمْ اَجْرُ خبر۔

تفسیر: صدقہ وخیرات کے بعد سود کی برائیاں بیان کرنا اور اس کو حرام کر دینا گویا صدقہ وخیرات کے بیان کو پورا کر دینا ہے۔ کس لیے کہ جس طرح صدقہ وخیرات میں رحمدلی اور مسکینوں اور غریبوں کی دستگیری ہے اسی طرح سود میں سخت دلی اور حاجت مندوں پر سخت گیری ہے۔ یہ اس کی پوری ضد ہے۔ ہم پہلے الفاظ آیت کی تفسیر پھر مسئلہ ربوا کی تشریح اور اس کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

فرماتا ہے جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس فعلِ بد کی سزا میں عذاب الٰہی کی دہشت سے بدحواس ہوں گے۔ جیسا کہ کوئی خللِ آسیب سے بدحواس ہو جاتا ہے (چونکہ دنیا میں محتاجوں کو ان کی سخت گیری سے دہشت اور حیرانی ہوتی تھی ان کا یہ فعل اس عالم میں ان پر آسیب بن کر سوار ہوگا) اور یہ اس لیے ہوگا کہ ان سودخوروں نے یہ بات بنائی ہے کہ سود میں اور بیع میں کیا فرق ہے جس طرح ایک روپیہ کی چیز کو دس روپیہ میں بیچنا درست ہے اسی طرح بوقتِ حاجت کسی کو دس روپیہ دے کر پندرہ لینا اپنے روپیہ کا نفع حاصل کرنا ہے کہ جس سے اتنی مدت میں ہم نفع حاصل کرتے‘ اس کا جواب دیتا ہے یہ تمہارا قیاس غلط ہے کیونکہ بیع میں ایک چیز معاوضہ میں دی جاتی ہے اور سود میں اصل روپیہ لے کر اس پر زیادتی کونسی چیز کا معاوضہ ہے۔ رہی یہ بات کہ اس سے ہم نفع حاصل کرتے تو یہ یقینی بات نہیں۔ اس تقریر کی طرف اجمالاً اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا میں اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کی ممانعت سے پہلے جو کچھ کسی نے لے لیا وہ اس کا ہو گیا۔ دنیا میں اس پر کچھ مطالبہ نہیں‘ آخرت میں خدا چاہے تو معاف کرے۔ چاہے حساب لے۔ وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ لیکن باوجود حکم ممانعت آنے کے پھر جو کوئی سود لے گا اور خدا کے حکم کو حقیر جانے گا تو جہنمی ہوگا۔ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سودخور نازاں نہ ہوں کہ ہم نفع حاصل کر رہے ہیں بلکہ نقصان کر رہے ہیں کیونکہ خدا کے نزدیک یہ روپیہ نہایت مکروہ ہے۔ اس عالم میں اس سے کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اس عالم میں خدا اس کو مٹاتا ہے گو بظاہر زیادتی معلوم ہو مگر باطن میں بربادی ہے۔ برخلاف صدقہ وخیرات کے ظاہر میں مال گھٹتا ہے لیکن باطن میں بڑھتا ہے اس لیے احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوصِ نیت سے خدا کی راہ میں کوئی تھوڑی سی چیز بھی دیتا ہے تو خدا اس کو عالمِ باطن میں بڑھاتا ہے اور زیادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعد مرنے وہ تھوڑی سی چیز اس کو پہاڑ کے برابر اجر میں معلوم ہوگی۔ وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ چونکہ سودخور چند مدت کی مہلت کا معاوضہ لیتا ہے اور یہ خدا کی نعمتِ دولت کی ناشکری ہے۔ سو اس کو کوئی ناشکر گنہگار نہیں بھاتا بلکہ وہ نفرت کرتا ہے جس کی نفرت کا پرتو اس عالم میں یہ ہوتا ہے کہ سودخور کو لوگ بنظرِ حقارت دیکھتے اور مکروہ جانتے ہیں اور سخی کی عزت اور اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس وعید کے بعد ایمانداروں کو (کہ جو خیرات وزکوٰۃ دیتے ہیں) خوشخبری سناتا ہے کہ یہ ان کا مال برباد نہیں جاتا بلکہ اس کے پاس جمع ہوتا ہے۔ اس عالم میں سب کا اجر ملے گا کہ ان کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ عالم قدس میں شاداں رہیں گے کیونکہ انہوں نے میرے محتاج بےکسوں کے دل خوش کئے تھے لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ربواء یعنی سود (بیاج) لغت میں زیادتی کا نام ہے۔ کہتے ہیں ربی الشیء یربو ومنہ قولہ تعالیٰ اھتزت وربت ای زادت۔ ربوا کی دو قسم ہیں ربا النسیہ‘ ربا الفضل اول قسم کا ربوا ایامِ جاہلیت میں جاری تھا اور وہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کو کسی میعاد پر قرض دیا کرتا تھا اور اس پر کچھ ماہواری مقرر کر لیتا تھا۔ پھر جب میعاد پر وہ روپیہ مدیون سے ادا نہ ہوتا تھا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر مہلت دیتا تھا اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے پھر اس پر سود لگایا کرتا تھا جس کو اضعافاً مضاعفاً اور سود کہتے ہیں۔ سودخواروں کا عموماً دستور ہے۔ قسم دوم یہ ہے کہ گیہوں یا جو وغیرہ کسی چیز کو اسی کی جنس سے ڈیڑھ یا دگنے پر فروخت کیا جاوے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اول میں یہ رائے تھی کہ اول قسم کا ربوٰ حرام ہے اور قسم ثانی درست ہے مگر انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا لیکن

جمہور آئمہ دونوں قسم کے سود کو حرام کہتے ہیں۔ اول کی حرمت قرآن کی انہیں آیات سے ثابت ہے اور قسم دوم کا حرام ہونا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے ایک حدیثِ صحیح ہے کہ جس کو عمر بن الخطاب اور عبادہ بن صامت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے اصحاب الصحاح نے روایت کیا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثلٍ سواءً بسواءٍ یداً بیدٍ فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بیدٍ۔ رواه مسلم۔

احکامِ ربواء: اس حدیث میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں میں برابر اور دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں سونا چاندی، گیہوں، جَو، چھوہارے، نمک۔ پس جب سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے اور گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو سے اور چھواروں کو چھواروں سے اور نمک کو نمک سے فروخت کریں تو کمی زیادتی نہ کریں اور اسی وقت دیویں تو اسی وقت لیویں۔ اگر سیر دے کر دو سیر لے گا یا دوسرے وقت سیر بھر ہی لے گا تو یہ ربوا ہوگا۔ پھر علما ظاہر یہ کہتے ہیں کہ صرف انہیں چھ چیزوں میں ربوٰ ہے باقی اور چیزوں میں نہیں۔ ۱سیر بھر باجرہ جوار دے کر دو سیر خواہ اسی وقت لو خواہ پھر مگر مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ علاوہ ان کے اور چیزوں میں بھی انہیں پر قیاس کر کے حکم جاری ہوگا مگر جب کسی چیز کو کسی چیز پر قیاس کرتے ہیں تو دونوں میں ایک وصفِ مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصولِ فقہ میں علت کہتے ہیں۔ اس علت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قدر و جنس ہے یعنی تلنی اور پنپنے میں آتی ہوں۔ تول اور ماپ کو قدر کہتے ہیں۔ پس اگر یہ چیز بھی تل کر بکتی ہے اور دوسری بھی جیسا کہ چاندی سونا پھر اگر دونوں ایک جنس ہیں تو بیع میں کمی زیادتی بھی منع ہوگی اور ادھار بیچنا بھی اور اگر صرف قدر میں شریک ہیں اور جنس غیر ہیں جیسا کہ گیہوں اور جو کہ دونوں نپ کر عرب میں بکتے ہیں مگر جنس الگ الگ ہیں۔ اس صورت میں زیادہ لینا دینا تو درست ہوگا مثلاً سیر گیہوں دے کر دو سیر جو خرید لے مگر ادھار کرنا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح جنس ایک ہو مگر قدر میں شریک نہ ہوں جیسا کہ پشاور کی ایک لنگی کو دو کے ساتھ فروخت کرے تو وہاں پر بھی فضل جائز ہے۔

فسیۃ حرام: بخلاصہ یہ کہ اگر قدر و جنس دونوں متحد ہوں گے تو فضل اور نسیہ دونوں حرام ہوں گے اور ایک بات میں اتحاد ہوگا تو صرف نسیہ یعنی ادھار بیچنا حرام ہوگا۔ فضل یعنی زیادہ لینا درست ہوگا اور جو دونوں میں اتحاد نہیں تو فضل نسیہ دونوں درست ہوں گے جیسا کہ روپیہ سے غلہ خریدنا بیچنا۔ اب رہی یہ بات کہ امام صاحب نے ان دونوں چیزوں کو علت کیوں قرار دیا؟ اس کے ادلہ کتبِ حنفیہ میں مذکور ہیں۔

دوسرا قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ وہ یہ کہ چار چیزوں میں علت ربوٰ کے حرام ہونے کے لیے طعم ہے یعنی کھانے میں آنا اور چاندی سونے میں نقدیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔ وہ یہ کہ علت قوت ہے یعنی غذا ہونا یا جو اس کی اصلاح کرے جیسا کہ نمک چوتھا قول عبدالمالک بن ماجشون رحمہ اللہ کا ہے یعنی قابلِ نفع ہونا۔

انہیں باتوں پر نظر کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ آیت ربوٰ مجمل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ربوٰ کے مسائل ہنوز ہم نے حل نہیں کئے۔ اس مجمل کی تفسیر آئمہ نے خوب کر دی ہے۔ اب جو کوئی خواہ مخواہ اس آیت کی تخصیص کر کے کہ صرف غریبوں سے سود لینا حرام ہے اور دولت مندوں سے درست ہے اور گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ کی آمدنی بھی درست ہے

---

۱ یعنی معاملات بمعاوضہ قیمت ان کا جاری ہونا دیکھو جو کچھ لین دین ہوتا ہے تو روپیہ اشرفی سے ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلون وغیرہ ان چیزوں میں کہ جو وزن اور پیمانہ سے نہیں فروخت ہوتیں بڑھوتری ربوٰ کا حکم نہیں رکھتیں۔ اسی طرح امام شافعی کے نزدیک جو چیزیں مبادلہ میں سوا چاندی سونے کے دی جاتی ہیں جیسا کہ لوہا تانبا پیتل اور کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری میں ربوٰ نہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک سونا چاندی سونے کے اور جس قدر چیزیں کھانے میں نہیں آتیں نہ ذخیرہ ہوسکتی ہیں جیسا کہ سبز ترکاری اور تانبا لوہا وغیرہ ان میں بھی ربوٰ نہیں اور اس سلسلہ کی تعریفات کتب فقہ میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

اور رفاہ عام کے سرمایہ کا سود لینا بھی درست ہے اور ریل وغیرہ امور تمدن میں بھی سود کے لیے روپیہ دینا درست ہے اس کا کیا اعتبار ہے؟ پھر اس پر دہلی کے علماء پر بہتان باندھنا کہ انہوں نے ایسا فتویٰ دیا تھا' صریح غلط ہے اور یہ کہنا یہ مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سدِّ راہ ہے۔ سخت بیوقوفی اور ابلہ فریبی ہے۔ حق یہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں اور اس پر چار وعید نازل ہیں۔

اول: تخبط اور اس کے بعد حرم الربوٰ۔ دوم وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہ سود کو جائز کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ سوم يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا۔ چہارم فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ سود خواروں کو اللہ اور رسول سے لڑائی کرنے پر مطلع کر دو۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں اس کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب اور شاہد سب پر لعنت آئی ہے اور سر اس کا یہ ہے:

سود کی حرمت کی وجہ: (۱) ہر فعل کی روح پر رنگ کی طرح پیوست ہو جاتا ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سود خوری سے دل پر سختی اور روپیہ کی محبت اور بزدلی اس درجہ کی طاری ہوتی ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں اور یہ تینوں اوصاف نہایت درجہ کے خراب ہیں۔ دیکھئے سود خور کیسے سخت دل ہوتے ہیں کہ کیسا ہی غریب و مفلس کیوں نہ ہو اس کی خانہ بربادی کر کے اپنا بھلا کرنے میں دریغ نہیں کرتے اور بزدلی ان کی مشہور ہے اور اسی لیے آپ تاریخوں کے ورق الٹ جائیے کبھی کسی سود خور قوم کو آپ نہ پاویں گے کہ اس نے اولوالعزمی کی ہو یا فاتح الملک ہوئی ہو بلکہ پیشتر یہ ناجائز روپیہ جمع کیا ہوا دلیروں کے ہاتھ لگا کرتا ہے۔ یہ تاثیر دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور عالم باطن میں اس کے یہ اخلاقِ رذیلہ ہمیشہ اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے لوگوں کے دلوں پر صدمہ پہنچایا۔ (۲) سود خوری سے ملک کی ترقی اور علوم و فنون اور کارخانوں اور تجارت کی طرف (کہ جو قوم اور ملک اور سلطنت کی رونق کا باعث ہیں) توجہ نہیں رہتی اور کاہلی اور بدنیتی آجاتی ہے۔ آپ سود خوروں کے ملک کو کبھی سرسبز نہیں دیکھیں گے بلکہ صرف انہیں چند مردار خوروں کو۔ (۳) صلہ رحمی اور ہمدردی انسانی اور مروت کا دروازہ اس سے بند ہو جاتا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود لینا باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم (سچے) مومن ہو پھر اگر (یہ) نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہاری اصل رقم پہنچ سکتی ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کو فراخی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر (مناسب) سمجھو تو معاف ہی کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے اور اس دن سے ڈرتے رہا کرو کہ جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جس کسی نے جو کچھ کمایا تھا اس کو پورا پورا دیا جائے گا اور کسی کا کوئی حق دبا نہ رکھا جائے گا۔

ترکیب: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ شرط جملہ مقدم دال بر جزا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا شرط فَاْذَنُوْا الخ جواب وَاِنْ شرطیہ کَانَ تامہ ذُوْعُسْرَةٍ اس کا اسم فَنَظِرَةٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالحکم نظرۃ الخ۔ یہ تمام جملہ جواب شرط وَاتَّقُوْا فعل اَنْتُمْ فاعل يَوْمًا مفعول بہ تُرْجَعُوْنَ الخ جملہ اس کی صفت۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اور سود سے باز آؤ اور جو کچھ ممانعت سے پیشتر لے لوا چکے ہو وہ تمہارا ہے۔اس پر خیال پیدا ہوتا تھا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود قرضہ دار کے ذمہ پر چڑھا ہوا ہے وہ بھی ہمارا ہے اس کو لینا چاہیے۔اس خیال کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ جو کچھ سود قرضداروں کے ذمہ پر باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر سچا ایمان رکھتے ہو اور جو تم باز نہیں آتے تو تم کو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا اشتہار دیا جاتا ہے کس لیے کہ باوجود ممانعتِ شدید اور تاکید مزید کے پھر سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنا ہے۔ہاں اگر تم اس فعلِ بد سے توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہارا اصل مال پہنچتا ہے نہ سود لے کر تم کسی پر ظلم کرو نہ اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جاوے

جبکہ سود کی سخت ممانعت ہوگئی اور ذمہ پر چڑھا ہوا سود لینا بھی حرام ہوا تو قرض خواہ کا قرضدار کو تنگ کر کے جلدی وصول کرنا بھی ایک طبعی بات ہے کس لیے کہ جو امید نفع کی تھی جس کی وجہ سے مہلت دے رہا تھا وہ تو منقطع ہوگئی مگر جو قرضدار تنگ دست ہیں ان کے لیے اس میں بڑی دقت ہے۔وہ کہاں سے لا کر ان کو دیں ادھر قرض خواہ ہے کہ تقاضوں کے مارے اس کو پیسے ڈالتا ہے' بے آبرو کر رہا ہے۔قید میں ڈلوانے کی فکر کر رہا ہے۔اس لیے خدا تعالیٰ نے ان بے کسوں کے حال زار پر رحم کر کے اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ اگر قرض دار تنگ دست ہے یعنی سردی گرمی کے کپڑوں اور دو ایک دن کے کھانے اور خرچ عیال کے علاوہ نہ کوئی جائیداد رکھتا ہے کہ اس کو فروخت کر کے ادا کرے نہ نقد مال ہے کہ دے کر پیچھا چھڑائے تو اس کو مہلت دینی چاہیے یہاں تک کہ اس کو قرض ادا کرنے کا مقدور حاصل ہو جائے۔اتنے عرصہ میں اس کو تنگ کرنا یا قید کرانا حرام ہے۔اسلام میں سراسر رحم دلی ہے۔اول ربوالفضل کو بھی اسی لیے حرام کیا تھا کہ اگر مثلاً کسی غریب کو اچھے گیہوں کی ضرورت پڑی تو برابر سرابر کسی سے بدلہ لے اس تفاوت قلیل پر نظر نہ کی جائے اسی طرح ربوالنسیہ کو حرام کیا باہم احسان اور صلہ رحمی کے طور پر دوسرے بھائی کی حاجت قرض دے کر روا کر دینا چاہیے۔پھر فرماتا ہے اگر تم بالکل معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ خزانہ الٰہی میں جمع ہو کر تمہیں آخرت میں نفع دے گا۔اس کے بعد اس صلہ رحمی اور رحم دلی اور اس سخت گیری کے لیے ایک کوڑا سا غافلوں کی پشت پر مار دیا کہ اس دن سے ڈرو کہ جس میں تم پھر خدا کے پاس واپس جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا۔اس میں اشارہ ہے کہ تم پر بھی خدا تعالیٰ کے سینکڑوں مطالبات ہیں۔پھر جب تم سخت گیری کرتے ہو تو اپنے لیے اس کا روز رحم کی کس بھروسہ پر امید رکھتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ

رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ۚ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۚ وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۚ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا
تَكْتُبُوْهَا ۚ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۚ وَاِنْ
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرُهُنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۚ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۚ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ۷

ایمان والو جب تم ادھار پر کسی میعادِ معین تک لین دین کیا کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تم میں سے کوئی کاتب پورا پورا لکھے اور لکھنے والے کو انکار نہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اس کو خدا نے سکھایا ہے لکھ دے۔ پس اس کو لکھ دینا چاہیے اور مضمون وہ بتائے کہ جس پر مطالبہ ہو اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں کوئی کسر نہ رکھ جائے۔ پھر جس پر مطالبہ ہے اگر وہ بیوقوف یا معذور ہو یا وہ مضمون نہیں بتا سکتا تب اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف سے مضمون بتائے اور اپنے لوگوں میں سے دو مرد گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ جن کو تم گواہوں میں پسند کرتے ہو کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اس کو یاد دلائے گی اور گواہوں کو انکار نہ کرنا چاہیے جبکہ وہ طلب کیے جائیں اور معاملہ میعادی لکھنے میں کاہلی نہ کرو خواہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ خدا کے نزدیک منصفانہ بات ہے اور گواہی کے لیے بھی مضبوطی ہے اور زیادہ قرینِ عقل ہے کہ تم کو شبہ نہ پڑے مگر جبکہ وہ معاملہ دست بدست تجارت کا ہو کہ جس کو باہم لیتے دیتے ہو تب تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں اور جب سودا کرو تو گواہ کر لیا کرو اور نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور جو ایسا کرو گے تو یہ تمہاری بدکاری ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خدا (تو) تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض خواہ کے ہاتھ میں کوئی چیز گروی کر دو اور جو تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت سپرد کرے تو اس کو چاہیے کہ اس کی امانت واپس کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور گواہی نہ چھپایا کرو اور جو اس کو چھپاتا ہے تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا سب کو جان رہا ہے۔

ترکیب: یا حرف ندا اَیُّھَا الَّذِیْنَ الخ صلہ و موصول منادیٰ اِذَا کلمہ شرط تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ متعلق ہے فعل سے۔ یہ جملہ شرط فَاکْتُبُوْہُ جواب بِالْعَدْلِ متعلق ہے وَلْیَکْتُبْ سے۔ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی۔ وَلْیُمْلِلْ اس

کی ماضی اہل ہے مِنْ رِجَالِکُمْ صفت ہے شَهِیْدَیْنِ کی مِمَّنْ تَرْضَوْنَ موضع رفع میں صفت ہے رَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ کی۔ مِنَ الشُّهَدَآءِ بدل ہے مِنْ سے جو مِمَّنْ میں ہے۔ اَنْ تَضِلَّ ان مصدر یہ ناصبہ فعل ہے اور یہ مفعول لہ ہے تقدیر یہ لان تضل۔ فَتُذَكِّرَ منصوب ہے معطوف ہے تضل پر۔ اِحْدٰهُمَا فاعل الْاُخْرٰی مفعول اَنْ تَكْتُبُوْهُ بتاویلِ مصدر مفعول ہے لَا تَسْاَمُوْا کا صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا دونوں حال ہیں تَكْتُبُوْهُ کی ہٗ سے عِنْدَ اللّٰهِ ظرف ہے اَقْسَطُ کا اور لام لِلشَّهَادَةِ میں اقوم سے متعلق ہے اَنْ لَّا تَرْتَابُوْا موضع نصب میں ہے وتقدیرہ لئلا ترتابوا۔ تِجَارَةٌ موصوف حَاضِرَةٌ صفت مجموعہ خبر۔ تَكُوْنَ اور اسم اس کا ضمیر ہے یَکُوْنَ میں جو المعاملۃ کی طرف پھرتی ہے تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ ای نقبضونها جملہ صفت ثانیہ ہے تِجَارَةٌ کی رِهٰنٌ موصوف مَقْبُوْضَةٌ صفت مجموعہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے الوثیقہ رہان۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں صدقہ وخیرات کا حکم دیا۔ اس کے بعد سود کو منع کیا جس سے بظاہر مال میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد مال کی حفاظت اور ترقی کی تدبیران آیات میں بیان کی۔ لکھنے اور بیع السلم کا حکم دیا۔ یہ اس لیے کہ مال سے انسان بہت سے نیک کام کر سکتا ہے اور سوال اور ذلت سے بچتا رہے۔ بفراغت دل عبادت کر سکتا ہے اور اسی لیے بیجا صرف کر کے مال برباد کرنے سے بھی بڑی تاکید سے منع فرمایا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا یا یوں کہو جبکہ خدا نے سود سے منع کیا تو اس کے بدلہ میں ایک اور جائز آمدنی یعنی بیع السلم کو جائز کیا کیونکہ بعض مفسرین نے اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى سے بیع السلم مراد لی ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوتا ہے۔ فرماتا ہے اے مسلمانو! جب تم باہم کچھ قرض کسی میعاد پر لو دو تو اس کو لکھ لیا کرو اور کوئی لکھنے والا حق حق لکھے کمی زیادتی نہ کرے اور قرض لینے والا خود بتاتا جاوے اور جو وہ کم سنی یا بیوقوفی وغیرہ کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتا یا مضمون تمسک نہیں بتا سکتا تو اس کے ولی وارث بتائیں اور لکھوائیں اور پھر دو شخصوں کو کہ جو معتبر ہوں گواہ بنالو اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی میں کافی ہیں تاکہ ایک بھولے تو دوسری یاد دلائے اور جب وقت پڑے تو گواہوں کو لازم ہے کہ پوری گواہی دیں۔ اس کو ہرگز نہ چھپائیں۔ ہاں اگر نقد بنقد تجارت ہو تو اس کا لکھنا کچھ ضرور نہیں اور جو باہم بیع کرو تو کسی کو اس پر گواہ بنا لیا کرو اور جو سفر کی وجہ سے لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز رہن کر دینی چاہیے اور جو کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو لازم ہے کہ پھر اس کی امانت واپس کر دے۔ خدا سے ڈرے۔ یہ آیت کا خلاصۂ مطلب ہے اب ہم اس میں جس قدر احکام ہیں ان کی تفصیل کرتے ہیں اور اس میں اقوال مفسرین بھی بیان کرتے ہیں تاکہ آیت کے مطالب پر بخوبی آگاہی ہو جاوے۔ (۱) اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جبکہ نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ چھوہاروں کی دو برس تین برس کے وعدہ پر بیع کیا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو کوئی بیع سلم کرے تو وزن اور وقت اور پیمانہ معین کر لیا کرے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اور بھی اس آیت میں اس بیع کی حفاظت کر دی کہ ان سب باتوں کو لکھ لیا کرو۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ سے بیع سلم مراد ہے اور اس کے لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وزن اور پیمانہ اور وقت لکھ لیا جاوے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بیع چار طور سے ہو سکتی ہے۔ اول نقد بنقد یعنی ابھی دام دینا اور ابھی چیز لینا جس کو تجارۃ حاضرۃ سے تعبیر کیا ہے سو وہ اس جگہ مراد نہیں کیونکہ وہاں دین نہیں اور تداین تفاعل ہے۔ دین سے اور تَدَایَنْتُمْ بِتَبَایَعْتُمْ بِدَیْنٍ دوم ادھار کو ادھار سے فروخت کرنا کہ ہم تم کو پرسوں اتنے روپیہ دیں گے تم ہم کو اس قدر چیز دینا سو یہ بیع باطل ہے۔ یہ بھی اس آیت میں داخل نہیں۔ تیسرے کسی چیز کو ادھار سے فروخت کرنا یعنی بیع العین بالدین جیسا کہ کوئی کہے ہم نے یہ شے اتنے روپیہ سے خریدی مگر روپیہ دو مہینے میں دوں گا۔ چوتھی بیع الدین بالعین یعنی روپیہ تو اسی وقت دے دیا جاوے اور مال کے لیے کوئی مہلت مقرر ہو جاوے۔ مثلاً کوئی کہے کہ ہم نے تم سے سو من گیہوں اس نرخ سے خریدے اور فلاں مہینے میں ہم تم سے لے لیں گے۔ اس کو بیع السلم[1] اور بیع السلف کہتے ہیں۔ اس آیت میں تیسری اور چوتھی قسم مراد ہے اور یہی قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے قرض دینا مراد ہے کہ

[1] بیع السلم جمہور آئمہ کے نزدیک جائز ہے جس کو ہمارے عرف میں بدنی کہتے ہیں مگر اس میں چند شرطیں ہیں، مال جو لیا جاوے گا اس کی ناپ تول مقرر ←

اگر کوئی کسی کو قرض دے تو اس کو لکھ لے لیکن اس میں ضعف ہے کیونکہ لغت میں قرض اور چیز ہے دین اور چیز ہے قرض میں مدت مقرر کرنا درست نہیں دین میں ہے۔ قرض روپیہ پیسہ وغیرہ کسی کو بشرطِ واپسی دینا دین کسی حق کی بابت کوئی چیز اس پر لازم ہونا اور کبھی دونوں ایک معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ پس آیت میں دین کا ذکر ہے نہ قرض کا۔

(۲) فاکتبوہ جمہور محققین کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے یعنی لکھنا اس معاملہ کا فرض و واجب نہیں بلکہ بہتر ہوتا کہ باہم نزاع اور کسی شرط پر جھگڑا نہ ہو۔ (۳) وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ کاتب پر بھی اس کا لکھنا بقولِ جمہور فرض واجب نہیں۔

(۴) وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ بلکہ اسی لیے متاخرین نے کاتب کے لیے اجرتِ کتابت لے کر لکھنا جائز قرار دیا ہے اور مستحب یہ ہے کہ کاتب بلا اجرت اس شکریہ میں کہ خدا نے اس کو لکھنا سکھایا یا ثواب جان کر لکھے۔ جیسا کہ اہلِ اسلام کے اور سب کار اجرِ آخرت پر ہوتے ہیں۔ والیہ یشیر بقولہ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ۔ (۵) وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ املال اور املاء دونوں کے لغت میں بتانے اور پڑھ کر سنانے کے معنی ہیں۔ قال تعالیٰ فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی جس پر دین ہے اور اس نے اپنے ذمہ پر لے لیا ہے کہ میں فلاں مہینے میں اس شے کو کہ جس پر بیع واقع ہوئی دوں گا۔ وہ اقرار کر لے اور لکھوائے اور کچھ کم زیادہ نہ کرے اور جو یہ خود لکھوا نہیں سکتا یا خود لکھ نہیں سکتا تو اس کا ولی انصاف سے یہ کام کرے۔

(۶) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ گواہ بنانا بھی امرِ استحبابی ہے مِنْ رِّجَالِكُمْ اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ سے شہادت کے متعلق چند مسائل مستفاد ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ سوائے شہادتِ زنا کے ہر امر کی شہادت کے لیے دو آدمی کافی ہیں۔ لانہ قال شہیدین اور زنا کے معاملہ میں چار شخصوں کی گواہی معتبر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ وقال ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ کیونکہ یہ کام مرد اور عورت دونوں سے متعلق ہے۔ ہر ایک کے دو دو گواہ چاہییں اور نیز پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔ پھر سوائے زنا کے اگر حدود و قصاص کا معاملہ ہے تو اس میں صرف دو مرد ہوں، عورتیں نہ ہوں کیونکہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زہری سے روایت کی ہے۔ مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده ان لاشهادة للنساء فى الحدود کہ حضرت ﷺ کے عہد سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک حدود (وقصاص) میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جاتی تھی۔ اس کے سوائے اور سب معاملات میں خواہ مالی ہوں خواہ غیر مالی دو مردوں کی گواہی اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد[1] اور دو عورتوں کی کافی ہے۔ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں کیونکہ ان کے مزاج میں برودت ہے جس سے نسیان پیدا ہوتا ہے دو میں اگر ایک بھولے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں قبول ہوگی اور غیر مالی میں مرد کا ہونا ضروری بات ہے۔ (دوم) مِمَّنْ تَرْضَوْنَ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر شخص گواہی کے قابل نہیں بلکہ عمدہ آدمی ہو۔ اب اس کی تفسیر بالتفصیل علماءِ امت نے احادیث اور قیاس سے یوں کی ہے کہ گواہ میں دس شرطیں ہونی چاہییں۔ اول حر ہو یعنی کسی کا غلام نہ ہو۔ دوم بالغ ہو کم سن لڑکا نہ ہو۔ سوم مسلمان ہو جیسا کہ من رجالکم سے سمجھا تا ہے۔ کافر نہ ہو البتہ کافر مستامن کی گواہی دوسرے کافر مستامن پر درست ہو سکتی ہے نہ مسلمانوں پر۔ واضح ہو کہ یہ شرطیں ان باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف اہلِ عقل و تمیز

← ہونی چاہیے اور یہ کہ کب لیا جاوے گا اور کہاں لیا جاوے گا۔ وغیرہ ذلک تا کہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خواہ وقت مقررہ پر وہ چیز ارزاں ہو خواہ گراں بائع کو دینی پڑے گی اور اس کا نفع مشتری کو درست ہوگا۔ ۱۲ منہ

[1] امام بخاری وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ ۱۲ منہ

کا قول معتبر ہوگا‘ خواہ حر خواہ غلام خواہ مسلمان ہو۔ خواہ کافر جوان ہو یا عقل و تمیز والا لڑکا کس لیے کہ معاملات کثیر الوقوع ہیں اگر ان میں یہ قیدیں معتبر ہوں تو حرج ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ کی کتاب الکراہتہ میں لکھا ہے ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی الدیانات الاقول العدل ووجه الفرق ان المعاملات یکثر وجودها فیما بین الناس فلو شرطنا شرط زائدا یودی الی الحرج فیقبل قول الواحد فیها عدلا کان وفا سقا کافرا کان او مسلما عبدا کان او حرا ذکرا کان او انثی دفعا للحرج۔ معاملات کی مثال شراء اور اذنِ تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ دیانات کی مثال نجاستِ آب کی خبر دینا یا اور کوئی حل و حرمت کے متعلق خبر دینا۔ چہارم عادل ہو فاسق نہ ہو۔ پنجم جس چیز کی گواہی دیتا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔ ششم اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ہفتم اس سے کوئی اس کی مضرت دفع نہ ہو۔ ہشتم غلط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ نہم بے مروت‘ لالچی نہ ہو۔ دہم جس پر گواہی دے رہا اس میں اور اس میں کوئی عداوت نہ ہو۔

(سوم) وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۚ وَلَا تَکْتُمُوا الشَّھَادَۃَ سے گواہوں پر فرض واجب ہو گیا کہ جب ان کو عدالت میں طلب کیا جاوے تو ایمانداری سے سچی شہادت دیویں اور اس میں سے ہرگز کوئی بات مخفی نہ کریں نہ اس کو بدل کر کہیں‘ خواہ اپنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو۔ اگر گواہ کا کوئی خرچ وادائے شہادت میں سفر کرنا پڑے تو جب درس تدریس وعہدۂ قضا کے لیے اجرت لینا متاخرین نے جائز رکھا ہے تاکہ یہ دروازہ بند ہو جائے تو اسی طرح گواہ کو خرچ و خوراک بھی دینا جائز ہو سکتا ہے جس کی طرف وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ میں اشارہ ہے۔ (چہارم) وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَۃٌ جمہور محققین کہتے ہیں کہ یہ قید (اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تب کوئی چیز رہن کر دو) ایک امر کثیر الوقوع کے بیان کے لیے ہے کیونکہ سفر میں اکثر ایسا ہوتا ہے مگر اس سے یہ غرض نہیں کہ وطن میں باوجود کاتب ہونے کے رہن نہ کرو بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی درع[1] کو کسی قدر جو لے کر رہن کیا تھا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (پنجم) فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا الآیہ۔ چونکہ کبھی اس طرح سے بھی بیع ہوتی ہے کہ نہ مشتری سے نقد روپیہ لیا جاتا ہے نہ معتبر اور امین سمجھ کر تمسک لکھوایا جاتا ہے‘ نہ کوئی شے زرِ ثمن کی عوض میں رہن کی جاتی ہے۔ گویا اس مشتری کو امین تصور کیا جاتا ہے۔ اس امر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو ایسا سمجھے تو اس کو لازم ہے کہ اس پر جو کچھ آتا ہے خدا سے ڈر کر حسبِ وعدہ دے دے‘ انکار نہ کرے اور نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز کسی کے پاس رہن کی گئی ہے‘ وہ مرتہن کے پاس رہن رکھنے والے کی امانت ہے۔ اس کو واپس دے دے جبکہ قرضہ ادا کر دیا جائے۔ اس سے بہت سے مسائل رہن کے ثابت ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ اس چیز پر جو کچھ صرف ہو‘ اس کے مالک کو حساب میں لگے اور جو کچھ اس کی آمدنی ہو وہ بھی مالک کی ہے۔

منجملہ ان کے یہ کہ اگر امانت کسی آسمانی یا زمینی حادثہ سے تلف ہو جاوے تو امانت ہے۔ اس کا معاوضہ نہیں اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یوں بھی کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو واپس دینا لازم ہے۔ یہ بھی حفظِ مال کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور حفظِ مال کے لیے یہ آیات بیان ہو رہی ہیں۔ ان آیات میں جس قدر احکام اشارتاً مذکور ہیں اور پھر جو کچھ الفاظ میں اسرار رکھے گئے ہیں اور بلاغت مرعی ہے وہ ایک بحرِ زخار ہے جس کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ

[1] مگر وہ معاملات جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے وہاں صرف ایک عورت کی بھی شہادت کافی ہے جیسا کہ بکارت ولادت اور عورتوں کے خاص عیب ہدایہ۔۱۲ منہ

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور ایمان والے یقین لے آئے۔ ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا کہ ہم کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے اور کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا تیری مغفرت چاہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار! اور تیرے پاس پھر کر جانا ہے۔ اللہ بھی کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس نے اچھے کام کیے تو اپنے لیے اور جس نے برے کام کیے تو اپنے لئے۔ (اس کا وبال بھی اسی پر ہے) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول چوک جائیں تو ہم کو نہ پکڑنا۔ اے ہمارے رب! اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال دینا جیسا کہ ہم سے پہلوں پر ڈال دیا تھا اور اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بارگراں نہ رکھ دینا کہ جس کی ہم کو طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر مہربانی کر تو ہمارا کارساز ہے۔ پس ہم کو کافروں پر فتح یاب بھی کر۔

ترکیب: مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ مبتداء لِلّٰهِ خبر وَاِنْ تُبْدُوْا شرط يُحَاسِبْكُمْ جزا فَيَغْفِرُ مرفوع' جملہ متانفہ اور جو مجزوم پڑھا جاوے تو یہ يُحَاسِبْ پر معطوف ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف ہے۔ الرَّسُوْلُ پر کل مبتداء اٰمَنَ بِاللّٰهِ الخ خبر بعض کہتے ہیں الْمُؤْمِنُوْنَ مبتداء اور یہ جملہ اعنی مبتداء وخبر اس کی خبر۔ غُفْرَانَكَ ای نَسْئَلُ غفرانک۔

تفسیر: پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ ''گواہی نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا'' اور نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ ''کسی کو مضرت نہ پہنچاؤ'' اور یہ بھی کہ ''امانت کو گواس پر کوئی گواہ نہ ہو واپس دو'' اور ایسا ہوتا ہے کہ بعض ظاہر میں تو گواہی دیتے ہیں مگر اس میں ایسی گول گول باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جس سے مضرت ہوتی ہے یا کوئی حیلہ کر کے اور شرع اور قانون کو آڑ بنا کے مضرت پہنچاتے ہیں یا بدنیتی سے کوئی ایسا کام کرتے ہیں کہ جو بظاہر اچھا ہے مگر درپردہ اس میں خیانت ہے۔ جس پر حکام ظاہری کچھ مؤاخذہ نہیں کر سکتے۔ ان سب باتوں کے لیے جب تک خوف خدا نہ ہو اور یہ بات دلنشین نہ ہو جائے کہ وہ ظاہر و باطن سب کچھ جانتا ہے ہر خطرۂ قلبی بھی اس کے سامنے موجود ہے۔ وہ بدنیتی اور باطن کے فریبوں اور حیلوں پر عذاب دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اور کوئی علاج نہیں۔ اس لیے یہ آیت لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ نازل فرمائی تا کہ خدا کا علام الغیوب اور قادر مطلق ہونا دل پر نقش ہو جائے۔ صفات کمالیہ میں سب سے بڑھ کر علم وقدرت ہے۔ اس لیے لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ میں تو اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر کر دیا اور وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِكُمْ الآیۃ سے کمال علم کو تعبیر کیا کہ اس کو ہر

بات معلوم ہے۔اس سے فرمانبرداروں کو پوری تسلی ثواب اور جزاءِ خیر ملنے کے لیے ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کو پوری پوری تہدید اور تنبیہ ہے اور اسی لیے سورہ بقرہ میں نماز' زکوٰۃ' حج' روزہ' قصاص' جہاد' نکاح' طلاق' مہر' ایلاء 'خلع' رضاعت' بیع' ربوٰ' رہن وغیرہ احکام متعلقہ بحقوق العباد اور حقوق اللہ کو بیان کر کے اس آیت پر کلام کو تمام کر دیا۔

واضح ہو کہ انسان کے افعال کی دو قسم ہیں۔ایک وہ کہ جو خاص قلب سے متعلق ہیں جیسا کہ محبتِ الٰہی' رحم دلی' اللہ اور اس کے رسولوں پر اور قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس سے ڈرنا اور معبودِ حقیقی اور مولیٰ حقیقی سمجھ کر محبت رکھنا یا کینہ' حسد بغض' نفاق' دل میں رکھنا اور اس کی ذات و صفات اور قیامت اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کا انکار کرنا ان سب کو اعتقادیات اور نظریات کہتے ہیں۔دوسرے وہ کہ جن کا ظہور ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ اعضاء سے متعلق ہے جیسا کہ نماز' زکوٰۃ صدقہ وخیرات وغیرہا یا زنا' چوری اور جھوٹ بولنا' گالی دینا وغیرہ ان کو عملیات کہتے ہیں اور یہ باتیں امورِ ظاہرہ میں شمار ہوتی ہیں۔قسم اول میں بھی نیک و بد باتیں ہیں اور قسم دوم میں بھی۔قسم دوم کو اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ سے تعبیر کیا اور قسم اول کو اَوۡ تُخۡفُوۡہُ سے تعبیر کیا مگر نیک لوگوں سے بھی کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے اور دل میں بھی کبھی بے اختیار خطراتِ بد پیدا ہوتے ہیں۔اگر گرفت ہو تو بڑی مشکل پیش آوے اس لیے فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ بھی فرما دیا مگر بری باتوں کے لیے وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ سے تہدید کر دی۔

اور جبکہ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ فرما دیا جس میں اشارہ تھا کہ انسان کی بعض باتیں مغفرت و رفعتِ درجات کا سبب اور بعض عذاب کا سبب ہیں۔عام ہے کہ دنیاوی ہوں یا اخروی یا دونوں ہوں۔اس لیے اس کے بعد موجباتِ رحمت و مغفرت کو بالخصوص ان کو جو علم و معرفت سے متعلق ہیں کس لیے کہ انسان کی سعادت کا زیادہ تر مدار اعتقادیات و معارف ہی کی درستی پر ہے اس لیے فرمایا و آمن الرسول بما انزل الیہ الآیہ۔اس میں یہ بھی بات ظاہر ہوگئی کہ اول سورہ میں جو ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ الآیہ آیا اور متقین کا حال بیان فرمایا اس سے یہی لوگ مراد ہیں تاکہ ابتدائے کلام اور انتہائے کلام میں وہ ربط ہو جاوے جو کہ دعویٰ اور دلیل کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔یہ کمالِ بلاغت ہے اور نیز یہ بات بھی بتلا دی کہ وصفِ تقویٰ امت محمد ﷺ کو حاصل ہو گیا۔

یہ بات ہم مقدمۂ کتاب میں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا اور بندوں میں بہت سے وسائط ہیں۔پاکباز بندوں یعنی رسولوں میں اور اللہ میں واسطہ فرشتہ ہے کہ تجرد زیادہ رکھتا ہے۔پھر اور آدمیوں کے لیے واسطہ رسول ہیں۔کس لیے کہ ملائکہ پر تو عالمِ ملکوت خود ظاہر ہے ان کو بجز یقین کرنے کے چارہ نہیں۔ہاں انسانوں سے بچشم ظاہر مخفی ہے۔اس لیے ان کا ایمان لانا زیادہ تر ضروری ہے۔سب سے اور پیشتر ان کے ہادی اور مرشد رسول کو اس عالم کا یقین ہونا پر ضرور ہے تاکہ اس کی صداقت اور ایمان کا پرتو امت کے دلوں پر پڑے اور اسی لیے جناب نبی علیہ السلام کو شبِ معراج میں مختلف اوقات میں اس عالم کا مشاہدہ کرا دیا اور سب کچھ دکھا دیا۔اس لیے فرماتا ہے اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ اس کے بعد وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ کا ذکر کیا اور پھر سب کو جمع کر کے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ میں علی ترتیب ذکر فرمایا اور مومنوں کی طرف سے یہ بھی ظاہر کر دیا لَا نُفَرِّقُ[1] بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ کہ ہم کو اس کے کسی رسول کا بھی انکار نہیں۔حقیقت میں خدا کی

---

[1] اسی لیے مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو برحق جانتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ان پر بالتفصیل ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہیں بموجب اس آیت کے وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ' وَلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ۔ان کو اجمالاً برحق جانتے ہیں۔یہاں سے یہ بات بھی پیدا ہوئی کہ ہندوستان' ایران چین وغیرہ بڑے آباد ملکوں میں ضرور خدا کے انبیاء اور ہادی آئے ہوں گے۔بعد میں بمرورِ زمانہ ان کے مذہب و ملت میں تحریف ہو کر صورت بگڑ گئی۔اس لیے ان کے مذاہب میں بعض بعض باتیں حقانی بھی ملتی ہیں اور اسی لیے ان کے مشاہیر کی بابت سکوت بہتر ہے۔سوءِ ادبی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ رسول ہوں۔ان کے پیرووں کی غلط تاریخ اور غلط کاری سے وہ ملزم نہیں ہو سکتے۔حقانی

فرمانبرداری کے یہی معنی بھی ہیں کہ اس کے کسی برگزیدہ یا رسول کا انکار نہ کیا جاوے۔ سو یہ بات بھی خاص اہلِ اسلام کو حاصل ہے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں۔ عیسائی انہیں لچر وجوہ سے کہ جن سے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کسرِ شان پر استدلال کرتے ہیں۔ جناب محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں جن کے انکار کی وجہ نہ توراۃ سے ثابت ہے نہ انجیل سے۔ نہ وہ ان حضرات انبیاء کے برخلاف ہے بلکہ ان کی مصدق علاوہ اس کے صدہا معجزات اور سب سے بڑھ کر معجزہ عرب جیسی جاہل اور وحشی قوم کو خداپرست اور نیکوکار ہوتے اور کایا پلٹتے بھی دیکھ چکے ہیں اور ان کی بشارت بھی کتبِ مقدسہ میں ہے۔ اس کے بعد اہلِ ایمان کی سیرت اور روبہ کو بیان کرتا ہے۔ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ یہ آپ بھی جان چکے ہیں کہ انسان کا کمال اس کی قوتِ نظریہ اور عملیہ کی تکمیل پر منحصر ہے۔ قوتِ نظریہ کی تکمیل اعتقادیات کو درست کرنا اور اس کے رسولوں پر قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ سو اس کی طرف کل اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ الخ میں اشارہ تھا اور قوتِ عملیہ کی تکمیل اس کی اطاعت کرنا اور اس کے احکام پر کان دھرنا ہے۔ سو اس کو اس آیت قَالُوْا سَمِعْنَا الخ میں واضح کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ انسان کے تین حال ہیں۔ اول وہ جو گزر گیا۔ گزشتہ اور پہلی باتوں کے علم کو علم المبداء کہتے ہیں۔ دوسرا حال موجودہ اس کے علم کو علم الحاضر[1] کہتے ہیں کہ اس عالم میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ تیسرا حال آیندہ کے مرنے کے بعد اس پر کیا گزرے گا اور کیا پیش آوے گا۔ اس کو علم المعاد کہتے ہیں۔ قرآن چونکہ کتابِ الٰہی ہے اس میں ان تینوں علموں کی طرف ضرور اشارہ ہوتا ہے اور انہیں کی تعلیم کے لیے انبیاء دنیا میں آئے اور کتابیں لائے ہیں۔ اس لیے اخیر سورہ بقرہ میں ان تینوں علوم کو بیان فرمادیا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تک تو علم المبداء کی طرف اشارہ ہے کہ اول سب سے وہ ذاتِ باری ہے اور پھر ملائکہ مخلوقات میں مظہر اول ہیں۔ پھر آسمان و زمین جن و انس ان کی ہدایت کے لیے کتابیں اور رسول آئے اور علم الوسط کی طرف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا میں اشارہ ہے کیونکہ بجز طاعت و فرمانبرداری کے دنیا میں انسان کے لیے فلاح و نجات کا اور کون ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اس کو دنیا میں ہی کرنا چاہیے۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ میں علم المعاد کی طرف اشارہ ہے کہ مرکر عالمِ قدس میں جانا اور خدا کے پاس حاضر ہونا ہے جہاں سوائے مغفرت کے اور کوئی عمدہ چیز نہیں۔ لَا يُكَلِّفُ[2] اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ یہ تتمہ ہے کلامِ مومنین اور رسول کا اور قالوا کا مقولہ ہے یعنی مومنوں نے جبکہ یہ کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا تو اس کے ساتھ خدا کی مدح میں یہ بھی کہا کہ ہم کیونکر اس کی اطاعت نہ کریں۔ حالانکہ وہ کسی کو طاقت سے زیادہ کوئی حکم ہی نہیں دیتا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ خدا کی طرف سے اس بیان میں بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوا ہے کہ و: جو میری اطاعت کرتے ہیں، بجا کرتے ہیں۔ میں بھی ایسا نہیں ہوں کہ جو کسی کو کوئی حکم طاقت سے زیادہ دوں اور طاعت میں میرا کوئی فائدہ نہیں۔ نافرمانی میں نقصان نہیں بلکہ بندوں کا ہی نفع اور نقصان ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا یہ ایمانداروں کی طرف سے ہے کہ الٰہی ہرچند ہم تیری طاعت میں سرگرم ہیں مگر جو کچھ مقتضائے بشریت سے بھول چوک ہو جاوے تو معاف کیجیو۔ یہ اس لیے ذکر کیا کہ عابدوں کو اپنی عبادت پر غرور نہ ہو جائے۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا الخ یہ دعا کی دوسری قسم ہے۔ اِصْرًا لغت میں سختی اور بوجھ کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد احکام کی سختی اور بھاری پن ہے یعنی ہم پر وہ سخت احکام فرض نہ کرنا جو باعثِ دقت ہوں جیسا کہ بنی اسرائیل پر تھے جو

---

[1] اور اس کو علم الوسط بھی کہتے ہیں۔۱۲

[2] بعض علماء نے اس سے یہ بات پیدا کی ہے کہ خدا کو اختیار ہے کہ بندہ کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کا حکم دے۔ اس پر بہت کچھ قیل و قال ہوئی ہے مگر جب طاقت و قدرت سے وہ مراد لی جائے کہ جس سے بآسانی و سہولت کام کرسکے تو جو کام مشکل اور دقت سے ہوسکے عرفِ عام میں اس کو طاقت و قدرت سے باہر کہتے ہیں۔ کونسا اشکال ہوسکتا ہے۔ اس سے ناممکن کام کا حکم دینا ثابت کر کے پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے ارتکابِ عبث و ظلم کا جوابدہ ہونا ایک فضول بات ہے۔ حقانی

کتاب احبار وغیرہ تورات کے حصوں میں اب تک موجود ہیں یا یہ مطلب کہ ہم پر دنیا میں سخت تکلیفیں اور غیر قوموں کی غلامی کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ بنی اسرائیل پر پڑا۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ حمل اور تحمیل میں فرق ہے۔ حمل آپ اٹھانا تحمیل اٹھوانا۔ یہ تیسری قسم دعا کی ہے کہ ہم پر کوئی ایسی افتاد نہ پڑے جس سے ہم کو وہ باتیں برداشت کرنی پڑیں جو ہماری طاقت سے باہر ہوں وَاعْفُ عَنَّا عذاب اور مکافاتِ اعمالِ سیئہ سے درگزر کرنا وَاغْفِرْ لَنَا پردہ پوشی بھی کر بلکہ اس سے بڑھ کر وَارْحَمْنَا اپنے کرم سے نعماءِ دنیا وآخرت نصیب کر اور وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ اور ہم کو دشمنانِ دین پر فتح یاب بھی رکھیو۔ یہ چوتھی قسم کی دعا تھی۔ حقیقت میں غیر ملت کی حکومت میں رہنا پوری غلامی ہے۔ مخالفوں پر فتح یابی بھی ایک عجیب نعمت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

اللہ اس کے سوا (اور) کوئی معبود نہیں وہ زندہ (اور) عالم کا کارساز ہے (اے نبی!) اس نے آپ پر کتاب برحق نازل کی جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے تورات اور انجیل (بھی) نازل کر چکا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اس نے حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا (قرآن) بھی اتارا جو لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں ان کے لیے (تو بڑا ہی) سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: الٓمّٓ کی ترکیب بیان ہو چکی اَللّٰهُ مبتداء لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جملہ اس کی خبر اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ موصوف وصفت خبر ثانی نَزَّلَ عَلَيْكَ الخ جملہ یا خبر ثالث ہے یا مستانفہ ہے۔ بِالْحَقِّ حال ہے مفعول سے یا فاعل سے ای نزلہ محقا نی تنزیلہ او متلبا بالحق۔ مُصَدِّقًا حال ہے کتاب سے لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ جملہ مفعول ہے مُصَدِّقًا کا اور لام کی ہے تقویۂ عمل کے لیے هُدًى لِّلنَّاسِ خبر نصب میں ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے۔

تفسیر: یہ سورۂ مدینہ ہے۔ اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ آلِ عمران کا اس میں ذکر ہے اس لیے اس کا نام آلِ عمران ہوا۔

اس کی شانِ نزول میں محمد بن اسحاق نے یوں روایت کی ہے اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے گو وہ روایات بقاعدہ محدثین فرادی فرادی کم درجہ کی ہیں۔ وہ یہ کہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور دینِ حق کی روشنی کے چمکارے اطراف و جوانب میں پھیلے اور مدینہ کے آس پاس کے یہود حجتِ حق سے ملزم ٹھہر گئے تو نجران[1] کے عیسائیوں کی ایک جماعت مناظرہ کے لیے آئی جس میں تخمیناً ساٹھ (۶۰) آدمی تھے۔ ان میں ان کا سردار عبدالمسیح اور اس کا وزیر مشیر ایہم اور ان کا بڑا پادری کہ جس کو وہ حبر اور اسقف کہتے تھے ابو حارثہ بن علقمہ قبیلہ بن بکر بن وائل کا بھی موجود تھا۔ اس پادری کی روم کے بادشاہ اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور اس کو بطور انعام واکرام جاگیر بھی دے رکھی تھی اور کلیسائے عرب کا سردار بھی کر رکھا تھا۔ جب یہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز نے کہا' جہاں کے لیے جا رہے ہیں وہ بڑا کمبخت ہے۔ ابو حارثہ نے کہا تو

[1] نجران مدینہ سے چند منزل کے فاصلہ پر ایک شہر عیسائیوں کا تھا۔ ۱۲ منہ

کم بخت ہے۔ اس نے کہا بھائی صاحب یہ کیوں اس نے کہا واللہ وہ شخص کہ جس کے پاس ہم جا رہے ہیں وہ نبی ہے کہ جس کا حضرت مسیح علیہ السلام اور یوحنا کے عہد سے اب تک انتظار تھا اور جس کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی مصلوبی کے وقت بشارت دے گئے ہیں۔ کرز نے کہا جب آپ یہ جانتے ہیں تو پھر اس کے دین کو قبول کیوں نہیں کر لیتے؟ ابو حارث نے کہا بھائی اگر میں ایسا کروں تو جو کچھ بادشاہوں نے ہمیں دے رکھا ہے' سب واپس لے لیں' عزت جاتی رہے۔ دنیا بھی رکھنی ضرور ہے۔ یہ لوگ الوہیت مسیح کے قائل تھے اور ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے بھی قائل تھے۔

تثلیث اور الوہیت مسیح کا رد: آخر جب یہ مدینے آئے تو آنحضرت ﷺ سے مناظرہ شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے بڑے قوی دلائل سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بندہ ہونا ثابت کیا کہ خدا اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں نو مہینے پرورش پائے اور پھر باہر آ کر اور بندوں کی طرح کھائے پیے اور بقول نصاریٰ صلیب پر کھینچا جائے۔ تڑپ تڑپ کر جان دے اور بیٹا باپ کا مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مماثل اور مشابہ نہیں۔ میدانِ وجود میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کجا مساوی ہونا جب وہ لاجواب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا' اچھا اگر اب بھی تمہارے دل میں کوئی کھٹکا ہے تو آؤ ہم تم اپنی اولاد کو لے کر باہر نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر لعنتِ خدا نازل ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ارے بھئی یہ شخص بلا شک خدا کا سچا رسول ہے۔ اگر ہم اس کے مقابلہ میں یوں مباہلہ کریں گے ہم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑے گا۔ اپنے گھر چلے چلو۔ اس اثناء میں یہ سورۃ نازل ہونے لگی۔ سو وہ واپس نجران میں آئے۔ اس سورہ میں بیشتر نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا رد ہے اور نہایت عمدہ دلائل سے ان کی تسکین کی گئی ہے۔

الم اس کی تشریح سورہ بقرہ میں ہو چکی۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ ان عیسائیوں کے مقابلہ میں ان کے تینوں عقیدے بطلان کے لیے یہ ایک چھوٹا سا جملہ بیشمار دلائل اور براہین کا مجموعہ ہے۔ ان کے تین عقیدے یہ تھے۔ اول تثلیث کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا بعض حضرت مریم علیہا السلام کو تیسرا اقنوم قرار دیتے تھے۔ دوم حضرت عیسیٰ خدا ہے' انسان کی شکل میں خدا نے ظہور کیا تھا۔ سوم حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ آج کل کے عیسائی بھی بجز چند فرقوں کے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کو باطل کر دیا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ صرف اس توحید سے تینوں عقائد کا ابطال ہو گیا۔ اول کا اس لیے کہ جب خدا' تثلیث اور توحیدِ حقیقی میں صریح تضاد ہے۔ اگر ہر ہر جز کو خدا مستقل مانا جائے تو تین خدا ہوتے ہیں۔ اگر تینوں سے مرکب کو خدا کہا جائے تو وہ مرکب اعتباری واحد ہے نہ حقیقی طور پر علاوہ اس کے وہ حادث بھی ہوگا' پھر وہ قیوم نہیں ہو سکتا کیونکہ قیومِ حقیقی وہی ہے جس نے سب کو قائم و موجود کیا ہو۔ اس کو کسی نے موجود نہ کیا ہو اور حادث کے لیے محدث قیوم ہونا ہے۔ دوسرے کا ابطال اس طور سے کہ اگر عیسیٰ کو بھی خدا مانا جائے تو دو خدا ہو جاتے ہیں۔ توحید نہیں رہتی۔ اسی طرح سے تیسرے عقیدہ کا ابطال بھی ظاہر ہے کہ بیٹا قیوم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے باپ قیوم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ ایک ہے اس کی کیا دلیل؟ اس کی دلیل یہ ہے اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حی کے معنی زندہ کے ہیں جس واجب کو الوجود کہتے ہیں اور اس کے سوا جو کچھ ممکن الوجود ہے اس کی ذات کے لحاظ سے وہ معدوم ہے نہ حی ہے نہ قیوم ہے۔ اس جملہ میں اور جملہ مذاہبِ باطلہ کا بھی ابطال ہو گیا کس لیے کہ جس قدر مشرک گروہ ہیں وہ جو غیر اللہ کو پوجتے ہیں ضرور ان کو حی و قیوم سمجھتے ہیں۔ خدائی کارخانہ میں نفع و نقصان کا مالک و مختار بھی جانتے ہیں۔ عرب کے مشرک بتوں کو ارواحِ غیر مرئیہ کو جنوں کو ایرانی عناصر اور سیارات کو بعض فرشتوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو پوجتے پکارتے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اسی اعتقاد سے کہ وہ کارساز ہے۔ جب آیت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہی حی یعنی زندہ ہے تو یہ جملہ اشیاء مرتبۂ ذات میں سرے سے موجود ہی نہیں معدوم ہیں۔ پھر

جب معدوم ہیں تو کیونکر قیوم یعنی کارساز ہیں۔

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کا ثبوت: جب خدا تعالیٰ ان کے عقائد مذکورہ کو باطل کر چکا اور توحید خوب ثابت ہو چکی تو اب آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کرتا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یہاں کتاب یعنی قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہم نے اس کو آپ پر اے نبی نازل کیا ہے۔ یہ کتاب برحق ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ دو گواہ کتاب الٰہی ہونے کے لیے خدا نے بیان فرمائے جیسا کہ پہلے مطالب کے لیے دو گواہ الحی القیوم بیان کئے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک شخص ایسے ملک کے باشندے سے کہ جس میں علوم وفنون کا مطلق چرچا نہ ہو اور خاص اس شخص نے نہ کبھی کچھ لکھا پڑھا ہو نہ کسی اہل علم یہودی یا نصرانی یا مجوسی کی صحبت پائی ہو۔ نہ جہان کی سیر کی ہو بلکہ چالیس برس کا وہ حصہ (کہ جس میں اکتساب علوم کیا جاتا ہے) ایک ریگستانی ملک کے دو خشک پہاڑوں میں گزارا ہو پھر اس پر دنیا کی تنگدستی اور عزیز واقارب کے روزمرہ کے جور وظلم اور بھی مزید ہوں پھر اس سے ایک ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس میں یہ دو وصف ہوں بلاشک معجزہ ہے۔ وہ کتاب آسمانی اور وہ شخص نبی ہے۔ وصف اول برحق ہونا اس کی یہ صورت ہے کہ قرآن مجید کے مطالب عالیہ (ذات وصفات مبداء معاد انسان کی سعادت وشقاوت قصص گذشتہ اخبار آیندہ قوانین ملت دستور العمل سیاست ملک میراث بیع وشراء حلت وحرمت طہارت ونجاست علم اخلاق رحمدلی راستبازی بردباری خداترسی دنیا سے دل برداشتگی وغیرہ وغیرہ) کس عمدہ اور پاکیزہ عبارت میں مبالغہ شاعرانہ اور تخیلات جاہلانہ سے خالی ایسے ہیں کہ جن میں سے کوئی بھی عقل سلیم کے برخلاف نہیں۔

دوسرا وصف تصدیق کرنا کتب الٰہیہ کا۔ سو یہ بھی ایک بڑی بھاری بات ہے۔ قرآن میں اور کتب سابقہ تورات وانجیل وزبور کے مضامین مذکورہ بالا میں سرمو تفاوت نہیں اور جو امور جزئیات فرعیات میں کچھ فرق ہے تو بلحاظ ملک وزمانہ ہے۔ اس لیے کہ انبیاء ہر زمانہ میں لوگوں کے مناسب احکام میں کمی زیادتی کیا کرتے ہیں۔ یہ بات بغیر اس کے کہ سب کا مبداء الہام ربانی واحد مانا جاوے۔ ممکن نہیں بالخصوص اس شخص کے لیے کہ جس نے وہ کتابیں آنکھ سے بھی نہیں دیکھیں چہ جائیکہ ان کو یاد کیا ہو۔ پس جب اس قرآن میں یہ دو وصف ہیں تو اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کیا شبہ ہے اور جب یہ کتاب الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ نبی برحق ہیں۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ الآیہ۔ یہ دوسری دلیل ہے اس دعویٰ کے لیے یعنی یہ بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس سے پیشتر خدا نے تورات وانجیل نازل کی تھی۔ اب بتلاؤ ان کے کتاب الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جو دلیل ان کے لیے ہے وہی قرآن کے لیے ہے۔ مبدءِ فیاض نے اپنی اسی رحمت سے اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ قرآن نازل فرمایا۔ پھر باوجود ان آیات بینات کے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو کوئی خدا کی آیات کا انکار کرے گا ان کو عذاب شدید ہے وہ خدائے رحیم جس نے اپنے فضل سے کتابیں نازل فرمائی ہیں عزیز زبردست بھی ہے۔ ذو انتقام بدلہ لینے والا بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞

اور اللہ سے تو کوئی چیز (بھی) پوشیدہ نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ وہی جس طرح چاہتا ہے (ماں کے) پیٹ میں تمہاری صورتیں بنایا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے (اے نبی ﷺ) وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی کہ جس میں سے کچھ آیتیں تو محکم[1] ہیں کہ جو کتاب کے اصول ہیں اور کچھ دوسری (ایسی بھی ہیں) کہ جن کے کئی کئی معنی ہیں۔ پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کتاب کی انہیں آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ جن کے کئی کئی معنی ہیں تاکہ تا فتنہ برپا کریں اور ان کی تاویل کریں۔ حالانکہ ان کی تاویل تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ (ہی جانتا ہے) اور وہ جو علم میں ثابت قدم ہیں (یہی) کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لائے کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور (سمجھانے سے تو) عقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں۔

ترکیب: ھُوَ مبتداء الذی الخ خبر فِي الْاَرْحَامِ متعلق ہے یُصَوِّرُ سے۔ کَیْفَ ظرف ہے یَشَآءُ کا یہ کل جملہ موضع حال میں ہے فاعل یَشَآءُ سے تقدیرہ یصورکم علی مشیتہ ای مریدا منہ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ حال ہے کتاب سے۔ اس جملہ میں اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ صفت وموصوف مبتدا اور مِنْهُ خبر۔ هُنَّ مبتداء اُمُّ الْكِتٰبِ خبر لفظ ام گرچہ مفرد ہے لیکن معنی جنس کے دیتا ہے اس لیے جمع کی خبر ہوگیا۔ اُخَرُ جمع ہے اُخْرٰی کی جو مونث ہے۔ آخر فعل تفضیل کا معطوف ہے اٰیٰتٌ پر مُتَشٰبِهٰتٌ اس کی صفت ہے مَا بمعنی الذی تَشَابَهَ مِنْهُ صلہ مجموعہ مفعول ہے۔ یَتَّبِعُوْنَ کا ابْتِغَآءَ مفعول لہ یَتَّبِعُوْنَ کا الْفِتْنَةِ مضاف الیہ اور اسی طرح ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مبتداء یَقُوْلُوْنَ الخ خبر اور بعض کہتے ہیں وَالرّٰسِخُوْنَ معطوف ہے لفظ اللہ پر اور یَقُوْلُوْنَ حال ہے۔

تفسیر: پہلے خدا تعالیٰ نے عقائد باطلہ کے ابطال میں اپنے وصف میں الحی القیوم ذکر فرمایا تھا اور حی قیوم وہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی حاجات پوری کرے اور ان کی ضروریات کا خبر گیراں رہ کر تدبیر وتصرف کرے اور یہ بات دو وصف چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کو ہر ایک بات کا علم بھی ہو۔ انجام آغاز پر نظر ہو۔ بے سوال کئے بھی حاجت کو جانتا ہو۔ دوسری یہ چیز کہ ہر چیز پر قادر بھی ہو۔ جو چاہتا وہ کرسکتا ہو۔ اس لیے صفتِ علم کے اثبات کے لیے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ فرمایا کہ اس کو ہر چیز معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ دوسرے وصف کے ثابت کرنے کو هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ فرمایا کہ اس کا تصرف اشرف المخلوقات انسان پر بھی ماں کے پیٹ اور اندھیری کوٹھڑی میں کس نظم ونسق کے ساتھ ہے کہ عقل حیران ہے۔ جس کی کسی قدر کیفیت کتبِ طبیہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اول وصف ان اللہ الخ بھی گویا ایک دعویٰ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ دلیلِ قاطع ہے کیونکہ جو ارحام میں ایسی تصرفات کرتا ہے اس پر کوئی چیز کب مخفی رہ سکتی ہے؟ یا یوں کہو پہلی آیات میں نصاریٰ کے عقائدِ فاسدہ تثلیث اور الوہیت مسیح وغیرہ کا رد تھا اور بیشتر عیسائی ان خیالاتِ باطلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم وقدرت سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ علم سے یوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے اور جو کوئی گھر میں کچھ کھا کر آتا اس کو بھی ظاہر کر دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا تھے کہ خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا تھا یا خدا کے بیٹے تھے کہ جو باپ کی طرح علم مغیبات رکھتے تھے۔ قدرت سے اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے' کوڑھیوں اندھوں کو تندرستی دیتے تھے ہوا کو ڈانٹتے اور جنوں کو نکالتے تھے۔ یہ بھاری کام انسان کے نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا یا اس کے بیٹے تھے۔ گرچہ پہلی آیتوں میں اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ فرما کر ان شبہات کو رد کر دیا تھا لیکن یہاں تتمہ کے طور پر اور بھی ان شبہات کا دلائلِ قطعیہ سے رد کر دیا۔

[1] محکم یعنی صاف صاف اصولِ دین بیان کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

پہلے شبہ کا جواب اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی الخ میں دیا کہ خدا کی شان علام الغیوب ہونا ہے۔ سو یہ بات سوائے ذاتِ باری اور کسی کو حاصل نہیں اور جو کسی نبی یا فرشتہ کو کوئی بات معلوم ہو تو وہ بھی اس کی طرف کا فیضان ہے اور جو عیسیٰ خدا ہوتے تو ضرور ان پر بھی کوئی بات مخفی نہ ہوتی۔ حالانکہ ان پر بہت سی باتیں مخفی تھیں۔ چنانچہ انجیل لوقا کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے پھرا اور روح کی رہنمائی سے بیابان میں گیا جب غیر کی رہنمائی ہوئی تو علام الغیوب کہاں رہا؟ علاوہ اس کے اسی کتاب کے آٹھویں باب میں ہے کہ ایک عورت نے کہ جس کا بارہ برس سے خون جاری تھا چپکے سے آ کے پیچھے سے مسیح کی پوشاک چھولی جس سے اس کا خون بند ہو گیا مگر مسیح کو وہ نہ معلوم ہوئی۔ لوگوں سے پوچھا آخر اس عورت نے اظہار کیا اور بہت سے مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے شبہ کا جواب هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ میں دیا کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات کب حاصل تھی، وہ خدا سے دعا مانگتے تھے۔ چنانچہ اسی انجیل کے چھٹے باب ۱۲ ورس میں ہے کہ (وہ مسیح) پہاڑ پر دعا مانگنے گیا اور خدا سے دعا مانگنے میں رات کاٹی۔ اس کے علاوہ بقول نصاریٰ جب ان کو سولی دینے یہود لے چلے اور سولی پر چڑھا دیا تو انہوں نے خدا سے فریاد کرنی شروع کی کہ مجھے کہاں چھوڑ دیا اور بڑی سختی سے چیخ چیخ کر جان دی۔ جیسا کہ انجیل متی کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔

اور نیز هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو وہ عورت کے رحم میں آ کر آدمی کی شکل کیوں قبول کرتے۔ خدا تو اوروں کی شکلیں رحم میں بناتا ہے۔ اس کے بعد پھر کلمۂ توحید کا اعادہ کرتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اس میں بھی لفظ عزیز سے قدرتِ کاملہ کی طرف اور حکیم سے علم حقیقی کی طرف اشارہ ہے۔ جب نصاریٰ کو دلائلِ عقلیہ سے عاجز کر دیا جاتا ہے تو وہ اس مسئلہ میں کہنے لگتے ہیں کہ کتبِ سماویہ میں ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور خدائی کے الفاظ بھی ان کی نسبت بولے گئے ہیں اور قرآن میں بھی ان کو روح اللہ وکلمۃ اللہ کہا ہے تو ہم اس بات کو عقل وادراک کے احاطہ سے باہر جان کر صرف کلامِ الٰہی کا اتباع کر کے خدا اور اس کا بیٹا کہتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی عیسائیوں نے یہی تقریر کی تھی اور اب بھی عاجز آ کر یہی کہا کرتے ہیں۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے ان جملوں میں دیا ھوالذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات کہ خدا کے کلام میں وہ آیات (کہ جن پر احکام شریعت اور امورِ اخلاقیہ اور تذکیر آخرت کا مدار ہوتا ہے جن کو ام الکتاب یعنی اس کی بنیاد کہتے ہیں)، صریح اور کھلی کھلی ہوتی ہیں اور کہیں کسی رمز اور مصلحت سے ایسے جملہ بھی ہوتے ہیں کہ جن کے کئی معنی اور پیچیدہ مطلب ہوتا ہے اور اس کلام کا دوسرا پہلو بھی ایک پہلو کا ہمسر ہوتا ہے جن عبارات سے ان کا استدلال ہے وہ از قسم متشابہات ہیں۔ ابن کا لفظ حقیقی بیٹے پر بھی بولا جاتا ہے اور پیار میں نوکر اور غلام اور بندہ کو بھی کہہ دیتے ہیں اور اس کے برعکس لفظ خداوند ذاتِ باری پر اور بادشاہ اور ذی مرتبہ لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پس جو کجرو گمراہ لوگ ہوتے ہیں وہ ان کی تاویل اپنی خواہش کے موافق کر کے ایک مطلب گھڑ لیتے ہیں جیسا کہ عیسائی اور جو اہلِ کتاب اور باخدا ہیں وہ ان ظاہر الفساد معنی کو ترک کر کے اس کلام کی اصلی مراد کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اس کو وہی جانتا ہے اور یہ بات کتبِ سابقہ ہی پر منحصر نہیں بلکہ قرآن میں جو اے نبی! آپ پر نازل ہوا ہے اس میں یہی بات[1] ہے۔ پھر ان عقائدِ فاسدہ کو ان متشابہات سے ثابت کرنا اور وہ معنی لینا کہ جو دیگر آیات کے برخلاف ہیں صریح گمراہی ہے یا یوں کہو قوم کے لیے دو باتیں ضرور ہیں۔ اول مصالحِ جسمانیہ کا پورا کرنا شکل و صورت بنانا اس کو ھوالذی یصورکم میں بیان کیا۔ دوم مصالحِ روحانیہ اعنی علم والہام سے بہرہ ور کرنا اس کو ھوالذی انزل الخ میں بیان کیا۔

---

[1] انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات میں یہ بات بتائی ہے کہ جس طرح قرآن میں یہ بات ہے اسی طرح پہلی کتابوں میں بھی تھی۔ کس لیے کہ مبداءِ فیض ہر ایک کا واحد ہے اور زبانِ الہام میں ایسے اسرار ہوتے ہیں جو عقولِ عامہ پر مخفی ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ

فائدہ: محکم اور متشابہ کے معنی لغت میں مضبوط اور ملتے جلتے کے ہیں۔ عرب محکم مضبوط بنیاد کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزیں آپس میں ملتی جلتی ہوں ان کو متشابہ کہتے ہیں اور اسی لیے قرآن کو کتابا متشابہا فرمایا کہ حسن و خوبی میں باہم ہر ایک آیت دوسرے سے برابر ہے۔ ان معنی کے لحاظ سے تمام قرآن پر متشابہ کا اطلاق ہوسکتا ہے اور محکم کے معنی لغوی مضبوط اور حق ہونے کے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام قرآن کو محکم بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے الر کتاب حکمت آیاتہ یہ دونوں لغوی معنی باہم کچھ منافات نہیں رکھتے مگر بعض ناسمجھ پادری اس نکتہ کو نہ سمجھے۔ انہوں نے ان میں تعارض ثابت کر کے قرآن پر اعتراض کر دیا۔ البتہ اس آیت میں محکم اور متشابہ کے اصطلاحی معنی میں منافات ہے جو محکم ہے متشابہ نہیں اور جو متشابہ ہے اس کو محکم نہیں کہہ سکتے اور وہ معنی یہ ہیں، محکم ممنوع کو کہتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال کے سوا دوسرا احتمال منع کیا گیا ہے۔ اس کا گزر نہیں اور اسی لیے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو منع کرتا ہے اور حکمت چونکہ لایعنی باتوں سے روکتی ہے۔ اس لیے اس کو حکمت کہتے ہیں اور متشابہ وہ کلام کہ جس میں چند احتمالات مساوی ہوں اور اس معنی سے جو محکم ہے وہ متشابہ نہیں۔ علماءِ اصول نے کلام کی یوں تقسیم کی ہے کہ جو کلام کسی معنی کے لیے موضوع ہو اگر اس میں دوسرا احتمال نہیں تو اس کو نص کہتے ہیں اور جو ہو تو پھر اگر وہ دونوں احتمال برابر ہیں تو اس کو مشترک کہتے ہیں اور بالتعین ہر احتمال کے لیے مجمل اور جو ایک احتمال قوی ہو اور دوسرا ضعیف احتمال قوی کے لحاظ سے اس کو ظاہر کہتے ہیں اور ضعیف کے لحاظ سے ماؤل۔ ان میں سے نص اور ظاہر پر لفظ محکم بولا جاوے گا اور مجمل اور ماؤل کو متشابہ کہیں گے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ تقسیم یوں ہونی چاہیے جو کلام کہ کسی معنی پر ظاہراً دلالت کرتا ہے اور اس میں دوسرے احتمال کی گنجائش بھی ہے۔ پس اگر یہ معنی نفس الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں تو اس کو ظاہر کہیں گے اور جو سیاق بھی اس کے لیے ہے تو اس کو نص کہیں گے اور کبھی عموماً ہر آیت وحدیث کو نص کہہ دیتے ہیں اور جس میں دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں اگر احتمالِ نسخ ہے تو اس کو مفسر کہتے ہیں اور اگر یہ بھی احتمال نہیں تو اس کو محکم کہتے ہیں اور جو ظاہراً دلالت نہیں کرتا اور اس میں پوشیدگی ہے۔ اگر وہ پوشیدگی کسی عارضی وجہ سے ہے تو اس کو خفی کہتے ہیں اور اگر نفس الفاظ میں ہے پھر اگر وہ قرائن کی مدد سے دور ہوسکتی تو اس کو مشکل کہتے ہیں اور جو قرائن سے بھی دور نہیں ہوتی مگر متکلم سے انکشاف کی امید ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور اگر امید بھی نہیں تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔ وہی اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔

لَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور حسن اور مالک بن انس اور کسائی اور فراء اور امام ابوحنیفہ وغیرہم علماء یہ کہتے ہیں کہ الا اللہ پر کلام تمام ہوگیا اور یہاں وقف لازم ہے اور وَالرّٰسِخُوۡنَ جدا کلام ہے وعطف کے لیے نہیں بلکہ ابتداءِ کلام کے لیے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ متشابہات سے جو کچھ مراد ہے اس کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہی ٹھیک ہے کس لیے کہ اسرارِ غیب کو عقل جب تک جسم کے ساتھ مقید ہے اس کی تاریکی کی وجہ سے نہیں دریافت کرسکتی اور مجاہد اور ربیع بن انس اور اکثر متکلمین اور جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ کا اللہ پر عطف ہے یہاں وقف نہیں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ علماءِ ربانی بھی متشابہات کو جانتے ہیں کیونکہ بندوں سے جب کلام کیا گیا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کو کوئی بھی نہ سمجھے ورنہ اس کے نازل کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۹﴾ ع اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

(اور وہ یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دیجئے گا اور خاص اپنے پاس سے ہمارے لیے رحمت عطا فرما کیونکہ تو بڑا ہی دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو ایک دن کہ جس کے آنے میں کوئی بھی شبہ نہیں سب کو جمع کرے گا (کیونکہ) خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا بے شک جن لوگوں نے انکار کر دیا ہے نہ تو ان کے مال ہی ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولاد ہی (کچھ کام آئیگی) اور یہی تو ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ ان کی بھی فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں جیسی حالت ہے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جس پر خدا نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ کی مار بھی بڑی ہی سخت ہے۔

ترکیب: بَعْدَ ظرف ہے لَا تُزِغْ کا مِنْ لَّدُنْکَ صفت ہے رَحْمَۃً کی یا حال۔ لِیَوْمٍ لام بمعنی فی ای فِیْ یَوْمٍ لَارَیْبَ فِیْہِ جملہ موضع جر میں ہے صفت ہے یوم کی اَلَّذِیْنَ موصول وصلہ اسم ان لَنْ تُغْنِیَ الخ اس کی خبر۔ مِنَ اللّٰہِ موضع نصب میں ہے۔ تقدیرہ من عذاب اللہ ای لا یدفع اَمْوَالُھُمْ وَ لَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا مفعول بہ ہے لَنْ تُغْنِیَ کا اور حال بھی ہوسکتا ہے۔ کَدَاْبِ کاف موضع نصب میں ہے۔ لغت ہو کر مصدر محذوف کی ای کفروا لقرا کعادۃ آل فرعون اور ممکن ہے کہ خبر ہو مبتداء محذوف کی ای دابہم کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔

تفسیر: یہ بھی راسخین فی العلم کا مقولہ ہے یعنی وہ متشابہات کو علم الٰہی کے حوالہ کر کے اس پر ایمان لا کر یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے رب! تو نے ہم کو ہدایت دی اور فہم سلیم عطا کیا ہے اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل کجی کی طرف میلان کر جاویں کیونکہ استقامت تیرے ہی ہاتھ میں ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں۔ جدھر چاہتا ہے پھرا[1] دیتا ہے) داعیۂ خیر اور داعیۂ شر قلب میں اس کی طرف سے پیدا ہوتا ہے اور دلی استقامت کے بعد ہم کو اپنی رحمتِ خالصہ بھی عطا کر۔

فائدہ: رحمت کی چند قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ دل میں نورِ ایمان و توحید حاصل ہو۔ دوم یہ کہ اعضاء پر اطاعت اور خدمت کے انوار ظاہر ہوں۔ سوم یہ کہ دنیا میں رزق اور اسبابِ معاش سہل ہو جاویں اور تندرستی اور امن و عافیت حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ شدتِ موت اور اس کے بعد قبر اور حشر میں رستگاری ہو۔ پنجم یہ کہ عالم سرور میں اس کا دیدار اور نعماء بیشمار حاصل ہوں۔ لفظ رحمت ان سب کو شامل ہے۔ اس کے بعد کافروں کا حال ذکر کرتا ہے کہ وہ جو دنیا میں اولاد و مال کے لیے خدا سے غافل ہیں۔ یہ آخرت میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ وہ دوزخ میں جلیں گے جس طرح کہ فرعون کے لوگ اور ان سے پہلے منکر لوگ اولاد و مال میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول گئے اور اس کی آیات کو جھٹلانے لگے۔ ہر چند انبیاء نے ان کو سمجھایا لیکن نہ مانے۔ آخر الامر خدا نے ان پر ان کی بدکاری کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔ داب عادت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ وقود بالفتح ایندھن اور بالضم آگ جلانا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۚ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

[1] مشکوۃ ۱۲

مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

(اے نبی!) کافروں سے کہہ دو کہ تم بہت جلد مغلوب کئے جاؤ گے (اور مرنے کے بعد) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (دوزخ) کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ تمہارے لیے ان دو لشکروں میں جو (بدر کے دن) باہم مقابل ہوئے تھے قدرت کی بڑی نشانی تھی۔ ایک (لشکر) تو خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافروں کا (گروہ) تھا جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دو چند دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے فتح دیتا ہے۔ بے شک اس (واقعہ) میں ان کے لیے جو آنکھ رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے۔

ترکیب: اٰیَةٌ اسم کَانَ لَکُمْ خبر فِیْ فِئَتَیْنِ موصوف الْتَقَتَا صفت مجموعہ صفت ہے آیۃ کی اور ممکن ہے فِیْ فِئَتَیْنِ خبر ہو اور لکم کان سے متعلق ہو فِئَةٌ موصوف تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صفت مجموعہ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای احدٰھا فِئَةٌ الخ وَاُخْرٰی لغت ہے مبتداء محذوف کی ای وَفِئَةٌ اُخْرٰی۔ کَافِرَةٌ خبر یَرَوْنَهُمْ اس کا فاعل الْمُسْلِمُوْنَ وقیل الکفار مِثْلَیْهِمْ ای مثل مسلمین او مثل عسکرھم مفعول ثانی رَاْیَ الْعَیْنِ مفعول مطلق یہ جملہ محل نسب میں ہے کیونکہ صفت ہے فِئَتَیْنِ کی۔

تفسیر: نیک اور بد بندوں کی سیرت بیان فرما کر اس مقام سے کچھ حال بدوں کا بیان فرماتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہی ایک جرم کیا تھا کہ آیات اللہ کی تکذیب کی تھی بلکہ نیک بندوں کے ساتھ طرح طرح سے بدسلوکیاں بھی کی تھیں جس لئے ان پر اس عزیز ذوانتقام کا غصہ بھڑکا اور ان کو ذلت سے ہلاک کیا۔ اس لیے ہلاک ہونے سے پہلے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ اے رسول کافروں اور آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو پہلے سے مطلع کر دو کہ تم اپنے زور و کثرت پر گھمنڈ نہ کرو۔ عنقریب دنیا میں مغلوب کئے جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جمع کئے جاؤ گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیغامِ الٰہی پہنچا دیا مگر وہ کب باور کرنے والے تھے، تمسخر میں اڑایا۔ آخر ان پر اس مغلوبی کا وہ وقت آیا جس کی ابتداء اس جملہ سے ہوتی ہے قَدْ کَانَ لَکُمْ آیۃ الخ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مکہ سے ہجرت کر کے نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کفار مکہ جب بھی اہلِ اسلام کو امن و امان نہ دیتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ ہجرت سے اگلے سال رمضان کے مہینے میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر لگی کہ ابوسفیان ایک قافلہ لے کر شام سے مکہ کو آتا ہے جس میں تجارت کا مال ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی بشارتِ الٰہی کے اطمینان پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ گرچہ لوگوں کی یہ خوشی تھی کہ قافلہ کو لوٹ لیجئے کیونکہ اس میں نفع اور آسانی تھی مگر خدا کو یہ منظور تھا کہ کفر کی شوکت توڑے۔ اس لیے یہی بات پیش آئی کہ ابوسفیان کو بھی کہیں یہ خبر مل گئی، وہ قافلہ کو دوسرے راستہ سے لے کر مکہ کی طرف لے نکلا اور کہلا بھیجا کہ جلد میری مدد کو پہنچو ورنہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب میرے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے تعاقب میں مکہ سے کئی منزل بدر کے قریب تک آ پہنچے اور ایک میدان میں کہ جس کو بدر کہتے ہیں پانی دیکھ کر ڈیرا کر دیا۔ حضرت ﷺ کے ساتھ تقریباً تین سو تیرہ آدمی تھے جو محض بے سامان تھے۔ جن میں صرف دو سوار تھے اور چند زرہ پوش تھے اور اسی (۸۰) کے پاس تلواریں تھیں باقی لٹھ پتھر لیے ہوئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں مکہ کے لوگ نکلے۔ ابوجہل اور عتبہ اور عباس وغیرہ بڑے بڑے سردار تھے۔ ان کی تعداد ہزار کے قریب تھی۔ ان کے پاس ساز و سامان بھی خوب تھا۔ سوار بھی بہت تھے۔ انہوں نے بھی اسی میدان میں ایک طرف ڈیرا کر دیا اور پھر باہم صف بندی ہو کر مقابلہ شروع ہوا۔ اب یہاں سے تائیداتِ غیبیہ کا ظہور ہونا شروع ہوا۔ اول یَرَوْنَهُمْ الخ کہ کفار کو مسلمان لشکر جو بہت قلیل تھا اپنے سے دو چند نظر آنے لگا جس سے ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا۔ پھر کیا تھا جو کچھ ہے دل ہی تو ہے۔ اس بات کا ثبوت خود اس جماعت کے بہت سے لوگوں سے بھی ہوا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ کے یہی معنی ہیں مگر بعض نے یَرَوْنَ کا فاعل مسلمانوں کو بتایا ہے کہ مسلمان ان کو دو چند دیکھ رہے تھے۔ اس پر خدا نے تائیدِ غیبی کا اظہار کیا۔ آخر کفار نے بڑی شکست

کھائی۔ وہ بشارت صادق ہوئی۔ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے کفر کے سردار مارے گئے۔ ستر گرفتار کئے گئے' کچھ بھاگ نکلے۔

واضح ہو کہ کَفَرُوْا کا اطلاق مشرکینِ عرب پر بھی ہوتا ہے جن کے مغلوب ہونے کا حال معلوم ہو گیا اور یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ فرقوں پر بھی اس لیے عموماً اس پیشین گوئی کا روئے سخن سب ہی کی طرف ہے جو اس زمانہ پر لحاظ کرنے والوں کے نزدیک ایک امر محال کی پیشین گوئی تھی۔ کس لیے کہ مسلمانوں کی مدینہ میں بہت ہی تھوڑی جماعت تھی جس کا غلبہ قریشِ مکہ اور دیگر قبائل عرب پر بھی جو بڑے بہادر اور جنگجو تھے بظاہر محال تھا۔ اس کے سوا دو سلطنتیں ایسی زبردست زور آور تھیں کہ جنہوں نے دنیا پر احاطہ کر رکھا تھا۔ ایک مجوسی سلطنت کسریٰ شاہانِ ایران کی جن کے ماتحت ہندوترکستان وغیرہ ملک تھے۔ دوسرے عیسائی قیصروں کی سلطنت جس کا اقتدار تمام یورپ اور ایشیائے کوچک اور شام اور بعض ممالکِ افریقہ پر مسلم تھا مگر آسمانی تائید کے بھروسے پر سب میں بآواز بلند پکار دیا گیا سَتُغْلَبُوْنَ کہ تم جلد مغلوب کئے جاؤ گے۔

کس لیے کہ عرب کی زبان میں سین زمانہ استقبال میں قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک صدی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ اگر یہ منجانب اللہ کوئی علامت پیغمبر علیہ السلام کے برحق ہونے کی نہیں تو اور کیا تھا؟

اس لیے خدا فرماتا ہے وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کہ یہ تائید الٰہی ہے وہ جس کو چاہے اسے فتح یاب کرے۔ ظاہری سامان و اسباب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتے جس کا اب بھی تجربہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات بڑے غور و فکر کے لائق ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ کہ اس میں چشم بصیرت والوں کے لیے خدا پر اور اس کی آیات پر ایمان لانے اور ایمان لا کر رسولوں کے رستہ پر چلنے کے لئے ایک بڑی عبرت ہے۔ اس لیے کہ یہ بات عالمِ اسباب کے مخالف ہے۔ پھر اس کا ظہور اگر خاص خدا کی طرف سے نہیں تو اور کیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

لوگوں کو مرغوب چیزوں کی خواہش بھلی معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کی اور اولاد کی اور سونے چاندی کے چنے ہوئے ڈھیروں کی اور پلے ہوئے گھوڑوں کی

اور چار پایوں اور کھیتی کی یہ سب زندگی دنیا کا سامان ہے اور عمدہ ٹھکانا تو اللہ ہی کے یہاں ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دیجئے کہ (کہو تو) میں تم کو اس سے بھی بہت بہتر چیز بتاؤں (وہ یہ کہ) پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہیں اور نیز ان کے لیے خدا کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے (یہ ان کے لیے ہے) جو کہ کہا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیو۔ وہ جو صبر کرتے اور سچ بولتے اور بندگی میں لگے رہتے اور خرچ کرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقتوں میں استغفار کیا کرتے ہیں۔

ترکیب: زُیِّنَ فعل مجہول لِلنَّاسِ اس کے ساتھ متعلق حُبُّ الشَّهَوٰتِ مفعول مالم یسم فاعلہ مِنَ النِّسَآءِ الخ اس کا بیان ذٰلِكَ مبتداء مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خبر وَاللّٰهُ مبتداء عِنْدَهٗ جملہ الخ خبر قُلْ فعل اَنْتَ اس کا فاعل اَؤُنَبِّئُكُمْ جملہ مقولہ بِخَيْرٍ موضع نصب میں ہے اُنَبِّئُكُمْ سے مِنْ ذٰلِكُمْ موضع نصب میں ہے بسبب خبر کے تقدیرہ بما یفصل ذلک۔ جَنّٰتٌ موصوف تَجْرِيْ الخ صفت مجموعہ مبتداء لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا خبر خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حال ہے محذوف سے اَزْوَاجٌ معطوف ہے جنّات پر۔ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ موضع صبر میں صفت ہے لِلَّذِيْنَ کی اَلصّٰبِرِيْنَ الخ موضع جر میں صفت ہے لِلَّذِيْنَ کی۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ ان عجائب قدرت میں اہلِ بصیرت کو عبرت کا مقام ہے جس سے عاقل کے نزدیک یہ دنیا اور اس کے تنزیہات ایک ناچیز اور فانی معلوم ہوتے ہیں اور عالمِ باقی کے آگے خواب سا معلوم ہوتا ہے مگر اس چشمِ حقیقت بین پر لذاتِ دنیا اور اس کے سامان کی محبت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جس سے وہ عالمِ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے رہا ہے اور چند روزہ عیش کے لیے کفر و الحاد میں آ کر آخرت اور عالمِ باقی کی خوبیوں سے بے خبر ہے اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس کا بیان نہیں۔ یا یوں کہو کہ خدا کی منزل کتابوں کے منکروں کا دنیا و آخرت میں جو انجام ہوگا اس کو بیان فرما کر ان کی غفلت اور اندھے پن کا سبب ذکر کرتا ہے کہ وہ مال و زن فرزند کی محبت اور فریفتگی ہے جو فانی ہیں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ سے دارِ آخرت کی نعمتیں جو نیکوں کو ملیں گی ان کا ذکر فرماتا ہے اور نیکی کے اصول بھی ذکر کرتا ہے۔ لذائذِ دنیا کہ جن پر ہر انسان تفاخر کرتا اور ان کی رغبت کا دم بھرتا ہے سات چیزیں ہیں۔ اول عورت اس سے جس قدر مرد کو لذت اور انس ہے وہ کس چیز سے ہے؟ اسی کی محبت انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے مرد میں اور اس میں ایک جذبِ مقناطیسی رکھا ہوا جیسا کہ فرمایا ہے خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اس کے بعد بیٹا ہے جس کو انسان اپنا نائب اور قائم مقام سمجھ کر جو بات اپنے لیے چاہتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے لیے چاہتا ہے اور نیز اس کا ہر وقت میں قوتِ بازو اور معین و مددگار بھی ہوتا ہے۔ اس سے بھی انسان کو بڑا فخر اور نہایت خوشی ہوتی ہے اس کے مال دولت روپیہ اشرفی بالخصوص توڑے چنے ہوئے یہ بھی ایک عجیب چیز ہے جمیع حاجات کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے اس کا غرور اور سرور بھی انسان کو اندھا کر دیتا ہے خدا اور رسول سے بغاوت پر آمادہ کرا دیتا ہے خدائی دعویٰ کرانے لگتا ہے۔ پھر کوتل گھوڑے پھر گائے بیل اونٹ وغیرہ مواشی پھر باغ کھیتی ان چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ یہ بات جتلاتا ہے کہ یہ چیزیں صرف زندگیِ دنیا کا سامان ہیں مگر خدا کے پاس اس سے زیادہ اور عمدہ لذائذِ روحانیہ و جسمانیہ موجود ہیں مگر بتقاضی آب و گل انہیں محسوس اور فانی چیزوں پر فریفتہ ہے اور یہ اس کی جبلی بات ہے کیونکہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی کو عمدہ عالم سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب باہر آتا ہے تو رو رو کر غل مچاتا ہے پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو اس عالم پر غش ہو جاتا ہے سدا یہیں رہنا پسند کرتا ہے یہیں کی ان چیزوں پر جم جاتا ہے۔ آخر جب اس عالمِ باقی میں جاتا ہے تو اس عالم کو وہاں کے نعماء اور وسعت کے مقابلہ میں ایسا تنگ و تاریک و پُر الم سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا میں ماں کے پیٹ کو اور وہاں کے رہنے اور واپس جانے کو یہ چیزیں دل لگانے کے قابل نہیں کیونکہ یہاں کا ہر عیش و ہر چیز فانی وہاں کی باقی اور جاودانی ہے۔ یہاں ہر عیش تلخی پر مبنی ہے اور پھر راحت

کے بعد تلخی ہے جب تک کہ پیاس اور دھوپ کا رنج نہ اٹھاوے سایہ اور سرد پانی کا کبھی مزہ نہ آوے۔ اس عالم باقی میں یہ باتیں نہیں اس لیے خدا نے مجملاً وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ کا لفظ کہہ کر اس عالم کا شوق دلا دیا۔ اس کے بعد اور بھی کلام کو بلند کیا اور نبی سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ کہو تو میں تم کو دنیا کی ان چیزوں سے عمدہ چیزیں بتلاؤں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ پرہیز گاروں کے لیے اس عالم میں (عندربہم) باغ ہیں کہ جن میں نہریں بہتی ہیں (جہاں تمام جگہ خوشبودار رنگ برنگ کے پھول و پھل اور طائرانِ خوش الحان اور نہایت تکلف کے مکانات ہیں) ان میں بیویاں ہیں کہ جو صورت و سیرت کی تمام برائیوں سے مبرّا حسن و خوبی میں یکتا اس پر دوام اور بقاء۔ یہاں تک تو جنتِ جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا اس کے بعد جنتِ روحانیہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی خدا کی رضامندی آنحضرت علیہ السلام نے گویا صحابہ کو اس عالم کو دکھا دیا تھا جس سے ان کی نظروں میں دنیا اور اس کے تنزیہات گرد ہو گئے تھے یہ کیا کم معجزہ ہے؟ اس کے بعد ان نعماء کے مستحق لوگوں کا بھی عجب لطف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی پرہیز گاروں کے لیے یہ عام لفظ ہے پھر اس کے بعد اس کی اور بھی تشریح ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن میں یہ چھ وصف پائے جاتے ہیں۔

(۱) یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا الخ کہ وہ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم تجھ پر ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور عذاب النار سے بچائیو (۲) صبر کرنے والے صبر کہتے ہیں محنت کا نفس پر برداشت کرنا خواہ عبادات قائم کرنے میں خواہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنے میں (۳) صادقین سچ بولنے والے اور ہر بات کو سچ کر دکھانے والے (۴) خدا کی عبادت کرنے والے (۵) منفقین یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے خواہ بذریعہ صدقۂ نافلہ خواہ بذریعہ زکوٰۃ اپنوں کو دے خواہ بیگانوں کو (۶) سحر کے وقت خدا سے استغفار کرنے والے۔ اس وقت شب کی ظلمت دور ہو کر نور پھیلتا ہے رات کا مردہ زندہ ہوتا ہے یہ وقت جودِ عام اور فیضِ تام کا وقت ہے اور کچھ عجب نہیں کہ عالمِ قدس کی صبح کا پرتو اس عالم کی صبح ہو۔ دوم یہ خواب و غفلت کا وقت ہے ایسے وقت اس طرف متوجہ ہو کر استغفار کرنا اور اس مبدءِ فیاض سے اپنی مغفرت کا سوال کرنا بلاشک عالمِ سرور میں پہنچنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور اسی لیے صحابہ اور صالحینِ امت بلکہ اگلے انبیاء اور ان کے تربیت یافتہ اس وقت عبادت و استغفار کرتے تھے اور اسی لیے اس وقت سونا نشہ میں پڑا رہنا نحوست اور بربادی کا باعث ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

اللہ اور فرشتے اور علم والے عدالت کے ساتھ گواہی دے چکے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں کوئی بھی خدا نہیں مگر وہی (ایک) زبردست حکمت والا۔ بے شک دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا ہے تو صرف یہ معلوم ہو جانے کے بعد (محض) آپس کی ضد سے اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ بھی بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب: شَهِدَ فعل اللّٰهُ فاعل اَنَّهٗ یہ جملہ بیان شہادت وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ معطوف ہے لفظ اللّٰهُ پر قَآئِمًا بِالْقِسْطِ حال ہے فاعل شَهِدَ سے اَلدِّیْنَ اسم اِنَّ الْاِسْلَامُ خبر عِنْدَ اللّٰهِ ظرف وَمَنْ مبتدا یَكْفُرْ خبر اور ممکن ہے کہ مَنْ شرطیہ یَكْفُرْ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰهَ جزا۔

تفسیر: اس بیان کو تمام کر کے پھر مسئلہ توحید کی طرف رجوع کیا جاتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ دنیا اور اس کے نعماء فانی ہیں اور دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتیں باقی ہیں اور وہ نعمتیں ان کے لیے ہیں جو کہتے ہیں رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا الخ یعنی جن کی قوت نظریہ ایمان کامل توحید اور اس کی صفات پر یقین ہے اور قوتِ عملیہ بھی کامل ہے جیسا کہ الصابرین الخ میں اشارہ ہے اب یہاں اس بات کو ظاہر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان لانا جو نجات کا مدار ہے کوئی خلاف واقع اور بے اصل بات نہیں جیسا کہ بے عقل لوگ جو صرف محسوسات ہی کا وجود مان کر اور چیزوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بات بہت واضح اور کھلی ہے خدا نے خود آسمان و زمین اور ان کے اندر کی کائنات کو اپنے وجود اور توجہ کے لیے شاہد بنا رکھا ہے جس طرح کوئی نقش پاؤں رکھنے والے کے وجود پر بغیر اس کے کسی نے اس کو آنکھ سے دیکھا ہو با آواز بلند گواہی دے رہا ہے اسی طرح ہر چیز مخلوقِ الٰہی بزبانِ حال اس کے وجود و وحدت کو بیان کر رہی ہے۔

ففی کل شیء له شاهد   یدل علی انه واحد

شهد الله الخ کے یہ معنی ہیں اس کے علاوہ یوں بھی خدا تعالیٰ کتبِ الہامیہ میں شہادت دے رہا ہے اور نیز وہ ملائکہ سے اور ملائکہ انبیاء سے کہتے ہیں وہ علماء سے فرماتے ہیں وہ عامہ خلائق کو سناتے ہیں وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب عقل نورِ الہام کی روشنی سے آنکھ اٹھا کر عالمِ ہستی میں دیکھتی ہے تو اس مخلوقات کو اس کا مظہر اور ظل جان کر سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں پڑتا۔

ع بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست   ۔   لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مگر بسبب لطافت کے وہ عزیز حکیم حسِ بصری سے محسوس نہیں ہو سکتا اور جبکہ یہ عقائد اور یہ اعمالِ صالحہ وہ ہیں کہ جن کا تسلیم کرنا عقلِ سلیم کے نزدیک ضرور ٹھہرا تو یہی مذہب حقانی اور مقبول عند اللہ ہوا اور مذہب اسلام اسی کا نام ہے تمام انبیاء اور ہر بنی آدم کا فطرتی مذہب یہی ہے حضرت محمد ﷺ اس کے مجدد ہیں نہ موجد اور اب جو یہود اور نصاریٰ اور دیگر مذاہب اختلاف کرتے ہیں تو یہ سب دلائلِ حقہ سے اعراض کر کے محض ضد اور نفسانیت سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد مذہب اسلام کا عجیب لطف سے برحق ہونا ثابت کر کے اہلِ کتاب سے مناظرہ شروع فرماتا ہے اور ان کو ان کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ کاسدہ پر اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تک الزام دیتا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی فرماں برداری کرنا اور شرع میں ایمان اور اسلام سے ایک معنی مراد ہیں، ہاں کبھی لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا تب ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی اور اسلام سے انقیادِ ظاہری لی جاتی ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۗ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

ع ۱۱ / ۲

(اے نبی!) پس اگر وہ آپ سے حجت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے تو اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور آپ اہلِ کتاب اور ان پڑھوں سے پوچھئے کہ کیا تم بھی سر جھکاتے ہو۔ اگر وہ بھی سر جھکائیں تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر نہ مانیں تو آپ پر صرف (حکم) پہنچا دینا ہی ہے (اور بس) اور اللہ تو اپنے بندوں کو آپ دیکھ رہا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق (ناروا) مار ڈالتے ہیں اور ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو (اے نبی!) ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمل دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ترکیب: وَمَنِ اتَّبَعَنِ من موضع رفع میں ہے عطف ہے اَسْلَمْتُ کی ت پر وَاتَّبَعَنِ کی ی حذف ہوئی ہے رُءُوْسُ الْاٰیٰتِ کی مشابہت سے اور قائم بھی کی جاتی ہے کیونکہ اصل ہے۔ اَلَّذِیْنَ موصول وصلہ مع معطوف اسم اِنَّ فَبَشِّرْھُمْ اس کی خبر اور ف اس پر اس لیے داخل ہوئی کہ الذین کا صلہ فعل تھا تا کہ معلوم ہو یہ بشارت جزائے کفر ہے اور ان اس کو مانع نہیں۔

تفسیر: جبکہ بدلیلِ قوی ثابت کر دیا گیا کہ دینِ برحق عند اللہ اسلام ہے اور جو کچھ اختلافات لوگوں نے پیدا کئے ہیں۔ وہ ضد اور تعصب سے ہیں اس پر بھی ناانصاف حجت کئے چلے جاتے ہیں تو ان کی تمام بیہودہ گفتگو اور کل شکوک شبہات کا عجیب لطف کے ساتھ جواب اپنے نبی کو تعلیم فرماتا ہے کہ جس کے آگے منصف مزاج کو سوائے تسلیم کے اور کچھ بن ہی نہیں آتا۔ وہ یہ کہ دنیا میں دو قسم کے اہلِ مذہب ہیں۔ ایک وہ کہ جو کتابِ الہامی اور کسی نبی کے اتباع کا ادعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہود اور عیسائی وغیرہم۔ دوم وہ کہ جو ایسے نہیں جن کو ان پڑھ اور بے علم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب۔ ان سب سے کہہ دو کہ حقانی اور آسمانی مذہب خدا تعالیٰ کی حقیقی فرمانبرداری ہے کہ جس کو تم بھی مانتے ہو۔ سو میں نے اور میرے متبع لوگوں نے فرمانبرداری کی بلکہ اس کے آگے گردن جھکا دی۔ خواہ اعتقادیات لو خواہ عملیات' سب میں تسلیم ہے۔ خدا کو وحدہ لاشریک اور جمیع صفاتِ عمدہ سے متصف اور بری صفتوں سے پاک جاننا اور قیامت پر ایمان لانا اور اس کے تمام انبیاء کو بلا تفریق برحق سمجھنا ہمارا عقیدہ ہے۔ پنجگانہ نماز میں طہارتِ ظاہری و باطنی حاصل کر کے اپنی روح اور جسم کو اس پر نثار کرنا کہ جس کو نماز کہتے ہیں۔ اپنے مال میں سے علاوہ اور خیرات کے ایک حصہ معین دینا' مخلوقِ الٰہی پر رحم کرنا' بلا وجہ کسی کے ایذا سے باز رہنا اور اس کی عزت و توحید پھیلانے میں اپنی جانِ عزیز کو بھی قربان کر دینا' شہوات و لذاتِ بیجا کی پیروی نہ کرنا ہمارا شیوہ خاص ہے۔

کارِ ما عشق است و بارِ ما عشق است
حاصلِ روزگارِ ما عشق است

یہ باتیں تمام شریعتوں کا عطر اور عقلِ سلیم کا مسلّم مسئلہ ہیں۔ پس اگر تم بھی ایسا کرتے ہو تو تم نے بھی ہدایت پائی اور یہی اسلام ہے اور جو نہیں تو اب تمہارے گمراہ ہونے میں کیا کلام ہے۔ اب نبی کا ذمہ خبر دینا ہے' اس کی سزا عالمِ آخرت میں خود پائیں گے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے وہ خصائلِ بد کہ جو ان میں پائے جاتے تھے مجملاً بیان کر کے عذابِ آخرت سے ڈراتا ہے۔ وہ خصائلِ بد یہ تھے۔ عقائد میں آیاتِ الٰہی کا انکار کرنا' اعمال میں انبیاء کو اور دیگر کلمۃ الخیر کہنے والوں کو ناحق قتل کرنا اس پر نجات کا امیدوار رہنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ اللہ کی طرف اس لیے بلائے جاتے ہیں کہ وہ کتاب ان کا جھگڑا فیصل کردے (اس پر بھی) انہیں کا ایک فریق منہ موڑ کر پھرا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ہم کو ہرگز دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز تک اور ان کو ان کے مذہبی ڈھکوسلوں نے مغرور کردیا ہے۔ پھر اس دن کہ جس کے آنے میں کچھ بھی شبہ نہیں' کیا حال ہوگا اور (اس دن) جس نے جو کچھ کیا ہے اس کا اس کو پورا (پورا) بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر (کچھ بھی) ظلم نہ کیا جائے گا۔

ترکیب: يُدْعَوْنَ موضع حال میں ہے اَلَّذِيْ سے اور هُمْ مُّعْرِضُوْنَ جملہ موضع رفع میں ہے' صفت ہے فریق کی یا حال ہے ضمیر مجرور سے۔ ذٰلِكَ مبتداء بِاَنَّهُمْ خبر فَكَيْفَ موضع نصب میں ہے اور عامل اس میں محذوف ہے تقدیرہ کیف یصنعون۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ جملہ صفت ہے یوم کی وَوُفِّيَتْ اس پر معطوف والعائد محذوف۔

تفسیر: یہ ان اہل کتاب کی ایک خصلت بد بیان کی جاتی ہے اور اس کا سبب بھی بتایا جاتا ہے کہ مذہب انبیائی میں تحریف کر کے انہوں نے چند ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں جن کے اعتماد پر وہ ایسا کرتے ہیں۔ خصلت بد یہ تھی کہ جب ان کو باہمی منازعات کے فیصلہ کے لیے کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا کہ جو کتاب اللہ کہہ دے' اس کو مانو تو وہ روٹھ کر چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے یہ ہوا کہ یہود میں ایک مرد وعورت شریف اور دولتمند نے زنا کیا اور ان کے علماء نے بلحاظ دولتمندی اصلی حکم جاری کرنے میں حیلہ بہانہ کیا اور باہم جھگڑا ہونے لگا تو وہ لوگ فیصلہ کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن صوریا یہودی عالم بھی آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' حکم الٰہی ان کے لیے کتاب اللہ یعنی قرآن میں یہ ہے کہ ان کو پتھروں سے مارا جاوے (جس کو رجم کہتے ہیں) اور یہی حکم تورات[1] میں بھی ہے۔ عبداللہ نے کہا نہیں ہے' آپ نے فرمایا' اچھا تورات لاؤ جب لائے اور اس مقام کو نکالا تو عبداللہ نے اس جگہ انگلی رکھ کر چھپانا چاہا مگر عبداللہ[2] بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اس کا اٹھا کر وہ آیت پڑھ دی۔ تب آنحضرت ﷺ نے رجم کا حکم دیا جس پر یہود اور ان کے علماء آنحضرت ﷺ سے اور بھی زیادہ ناراض ہو گئے اور اکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کا اس کتاب کی نسبت بھی کہ جس کو یہ برحق سمجھتے ہیں' یہ حال ہے تو پھر قرآن کی نسبت کیا ٹھکانا ہے؟ اور اس بے دینی اور بے باکی کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیر و مرشد نے چند ڈھکوسلے ان کے دل میں بٹھا دیے تھے یہ کہ بجز چند روز کے یہود کو نسل ابراہیم ہونے کے سبب عذاب نہ ہوگا جس پر وہ مغرور تھے۔ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کہ جس میں کوئی بھی شبہ نہیں جب ہم ان کو جمع کریں گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا و سزا ملے گی تو پھر ان کو ان خیالات خام کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ دراصل اب بھی سینکڑوں فرقے مذہبی ڈھکوسلوں پر نازاں ہیں۔ ہندوؤں کے پنڈتوں نے ہزاروں ایسے مسئلے بنا رکھے ہیں۔ عیسائیوں نے یہ بات بنا رکھی ہے کہ مسیح جملہ گناہوں کا کفارہ ہیں۔

فائدہ: يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ کس لیے کہ جب ان پر حجت قائم ہو چکی تب کتاب اللہ کی طرف بالخصوص اس فیصلہ کے لیے بلانا کہ جس کو وہ بھی تسلیم کرتے تھے' بہت ٹھیک تھا اور یہ بھی

---

[1] کتاب احبار کے باب ۲۰ ورس ۱۰ میں تصریح ہے۔ ۱۲ منہ۔

[2] عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ پہلے ان کا نام حصین تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبدالسلام رکھا۔ تورات کے بڑے عالم تھے۔ ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

ممکن ہے کہ عموماً توراۃ وانا جیل و دیگر صحف مراد ہوں کیونکہ اپنے زعم میں وہ سب کو کتاب اللہ کہا کرتے تھے۔ پھر جب ان کی بشارات کی طرف کہ جو آنحضرت ﷺ کی شان میں تھیں (اور کچھ اب ہیں) ہدایت کی جاتی تھی تو ہرگز نہیں مانتے تھے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

(اے نبی!) آپ (یہ) کہئے کہ اے ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں (سب) بہتری ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو مردوں سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ایمان والوں کو نہ چاہیے کہ ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور جو ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے کسی حمایت میں بھی نہیں' ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہتے ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے۔

ترکیب: اَللّٰھُمَّ میم مشددہ قائم مقام یا کے ہے مَالِكَ الْمُلْكِ ندا ثانی ہے ای مالک الملک تُؤتِی الْمُلْکَ اور اس کے بعد کے جملہ جو اس پر معطوف ہیں' خبر ہیں مبتداء محذوف کی ای انت۔ بِیَدِكَ الْخَیْرُ جملہ مستانفہ ہے بعض کہتے ہیں اس کا حکم پہلے جملوں کا سا ہے۔ بِغَیْرِ حِسَابٍ صفت ہے مصدر محذوف کی ای رزقا غیر قلیل لَایَتَّخِذِ نفی ہے بمعنی نہی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ موضع نصب میں ہے صفت ہے اولیاء کی لَیْسَ کا اسم ضمیر ہے فِیْ شَیْءٍ خبر مِنَ اللّٰہِ حال ہے فِی شَیْءٍ سے ای لیس فی ولایۃ اللہ فی شیء۔

تفسیر: منجملہ ان کے خصائل بد کے یہ بات بھی ان میں تھی کہ وہ دنیا اور اس کے اسباب پر مغرور تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو بسبب ان کے فقر و افلاس کے بچشم حقارت دیکھتے تھے اور نیز یہود کو اپنے خاندانِ اسرائیلی پر بھی بڑا فخر تھا اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ جو مبعوث ہوگا تو اسی انبیائی خاندان میں سے ہوگا نہ عرب کے جاہلوں مشرکوں میں سے۔ ان سب کا ابطال ان آیات میں کیا جاتا ہے اول کا اس آیت میں قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ اِلٰی قَدِیْر کہ سلطنت و دولت' عروج و نزول' عزت و ذلت کسی کی موروثی نہیں جس کو چاہے خدائے قادر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اس میں ان کے اس طعن کا بھی جواب ہے جو وہ سَتُغْلَبُوْنَ کی بشارت پر کیا کرتے تھے کہ بایں ذلت و خواری اہل کتاب پر غالب ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ جن کے پاس یہ زور و سلطنت ہے اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ سلطنت و عزت عنقریب گروہ خدا پرست اسلام کو دی جائے گی اور ان سرکشوں سے لی جائے گی جس کا ظہور بہت جلد ہوا اور دوسری بات کا جواب اس

جملہ میں دیا جاتا ہے تُولِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ کہ تم رات دن اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ رہے ہو کہ دن[۱] میں رات داخل ہوتی ہے اور رات میں دن، رات جو بڑھتی ہے وہ اس قدر وقت کو لے لیتی ہے جو گرمیوں میں دن کے لیے تھا۔ اسی طرح گرمیوں میں دن جو بڑا ہوتا ہے تو رات میں داخل ہو جاتا ہے کہ جاڑے کی رات کا جو وقت تھا۔ اب اس میں آ گیا اور نیز رات آتی ہے دن کا وقت لے لیتی ہے اسی طرح رات کے بعد دن آتا ہے اسی طرح وہ مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔ مرنے کے بعد جانداروں سے زندہ بچہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مٹی جو ایک جرم مردہ ہے اس سے زندہ حیوان پیدا ہوتا ہے، مادۂ بے جان سے صدہا زندہ حیوان پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندہ حیوان سے مردہ بچہ یا منی مردہ پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا زندہ اور انبیائی خاندانوں سے نالائق لوگ بھی پیدا کرتا ہے جو مردوں سے بدتر ہیں اور جاہل خاندانوں سے جو بمنزلہ مردہ ہیں ایسے روشن آفتاب پیدا کر دیتا ہے جو روشنی اور حیاتِ ابدی کا باعث ہوتے ہیں جیسا کہ عرب بالخصوص خاندانِ قریش خصوصاً بنی ہاشم سے کیسے زندہ لوگ پیدا کئے کہ جنہوں نے ملکِ عرب بلکہ روئے زمین کو دوبارہ زندگی بخشی اور زندہ خاندانوں سے یہود اور نصاریٰ پیدا ہوئے جن میں حیات ابدی کا کچھ اثر نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے اور جبکہ یہ بات خدا نے ظاہر فرما دی کہ یہ سب باتیں ہمارے قبضۂ قدرت میں ہیں اور دنیا کی ظاہری طمطراق بے اصل و بے حقیقت ہے تو اب مسلمانوں کو یہ تعلیم فرماتا ہے کہ اپنے لوگوں کو ترک کر کے خدا کے دشمنوں سے ان کی شوکتِ ظاہری پر نظر کر کے دوستی اور محبت نہ کرنا چاہیے اور جو ایسا کرے گا تو وہ خدا کے طرفداروں اور دوستوں میں کچھ بھی شمار نہ ہوگا۔ البتہ اگر کچھ خوفِ جان و مال ہو تو ظاہرداری کا کچھ مضائقہ نہیں۔[۲]

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ع ۱۱

۱ رات دن گھٹتے بڑھتے ہیں جس قدر دن گھٹتا ہے وہ رات میں شامل ہو جاتا ہے اور جس قدر رات گھٹتی ہے دن میں شامل ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ مردہ عورت میں سے زندہ بچہ پیدا کرتا ہے اور کبھی زندہ عورت سے مردہ بچہ پیدا ہوتا ہے یا یہ مراد کہ نالائقوں سے لائق اور لائقوں سے نالائق پیدا کرتا ہے۔ یہ سب قادرِ مختار کی قدرت کے عیاں ہونے کی دلیلیں ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

۲ واضح ہو کہ کفار سے ایمانداروں کی محبت کے تین طریق ہیں (۱) یہ کہ ان کے ملت و مذہب کی وجہ سے خوش ہو کر ان سے محبت رکھے۔ سو یہ حرام قطعی ہے بلکہ جو ایسا کرے گا قطعی کافر ہوگا۔ (۲) یہ کہ ان کی ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر معاملاتِ دنیا میں خوش اسلوبی اور رحمدلی سے پیش آتا ہے۔ سو یہ ممنوع نہیں۔ (۳) ان دونوں کے درمیانی حالت وہ یہ کہ کفار کے ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر بمقابلہ اہلِ اسلام قرابت، محبت یا کسی دنیاوی نوکری وغیرہ کی غرض سے ان کی مدد کرتا ہے۔ یہ کفر نہیں لیکن سخت گناہ ہے۔ انجام اس کا کفر ہو جاتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں اور دیگر آیات لاتتخذ واعدوی وعدوکم اولیاء ولاتتخذ والیہود والنصاریٰ اولیاء میں اسی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے شانِ نزول میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارادہ کا حال کفارِ مکہ کو لکھ بھیجا تھا جس پر ان سے سخت باز پرس ہوئی۔ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ سے یہ مراد ہے کہ اگر کفار سے مضرت کا سخت اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ظاہرداری کا کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ دین میں کوئی قباحت نہ آوے۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ یہ بات کہ کفار سے دلی دوستی نہ کرو آسمانی قانون کا قدیم مسئلہ ہے۔ تورات میں بھی جیسا کہ پہلے گزرا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور عقلِ سلیم بھی یہی فتویٰ دیتی ہے۔

(اے نبی! ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دل کی کوئی بات چھپاؤ گے یا اس کو ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان ہی لے گا اور (وہ) جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ جانتا ہے اور اللہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے۔ اس دن کو (یاد کرو) کہ جس نے جو کچھ نیکی کی ہے اس دن اس کو موجود پائے گا اور (نیز) جو کچھ برائی کی ہے (اس کو بھی پائے گا) تو چاہے گا کہ کاش برائی میں اور اس میں بڑی دور کا فاصلہ ہو جائے اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

ترکیب: اِنْ تُخْفُوْا شرط یَعْلَمْهُ اللّٰهُ جزا اور اس کا ترتب باعتبار علم تفصیلی کے ہے۔ یَوْمَ ظرف منصوب اس کے ناصب میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن انباری کہتے ہیں اَلْمَصِیْرُ سے متعلق ہے۔ بعض کہتے ہیں اذکر محذوف ہے۔ بعض کہتے ہیں تَوَدُّ سے۔ وَمَاعَمِلَتْ ما بمعنی الذی اور عملت اس کا صلہ اور یہ معطوف ہے۔ ما اول پر لَوْ اَنَّ الخ یہ جملہ ممکن ہے کہ تَوَدُّ کی صفت ہو تقدیرہ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ الذی تَوَدُّ لو اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗ اَمَدًا بَعِیْدًا (کبیر) اور ممکن ہے کہ حال ہو امدا اسم ہے اَنَّ کا۔

تفسیر: جبکہ مومنوں کو کفار سے محبت کرنے کی ممانعت کر دی اور بشرطِ ضرورت ظاہرداری کی اجازت دی تو ان آیات میں اس بات پر تنبیہ کر دی کہ دیکھو دل کا حال کوئی مخفی نہیں۔ اس پر زمین و آسمان کا حال منکشف ہے۔ پھر اگر کفر کی محبت کو دل میں جگہ دو گے تو وہ تم کو سزا دے گا۔ وہ ہر چیز اور ہر قسم کی سزا پر قادر ہے۔ پھر روزِ حساب کا ذکر کر کے شامتِ اعمال کے نتیجہ سے ڈراتا ہے کہ اس روز جس نے جو کچھ کیا ہے اس کو موجود پائے گا اور برائی کو دیکھ کر آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ سے بہت ہی دور رہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا تم کو اپنے سے ڈراتا ہے کہ اس میں شانِ قہر بھی ہے۔ باوجود اس کے وہ بندوں پر مہربان بھی ہے اور عواقبِ امور سے متنبہ کرنا بھی اس کی بڑی مہربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (تاکہ) خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے اور اللہ تو بخش دینے والا مہربان ہے (اور) کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کیا کرو۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کو بھی منکروں سے کچھ محبت نہیں۔ بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا پر برگزیدہ کیا تھا جو ایک دوسرے کی اولاد سے تھے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ شرط فَاتَّبِعُوْنِیْ جواب شرط یُحْبِبْكُمُ اور یَغْفِرْ لَكُمْ مجذوم ہیں اِتَّبِعُوْا امر کے جواب میں آ کر ذریۃ منصوب ہے یا اس وجہ سے کہ یہ بدل ہے نُوْحًا کا ما عطف علیہ سے اور ممکن ہے کہ ان اسماء سے حال بھی ہو اور عامل اس میں اَصْطَفٰی ہو۔ بَعْضُهَا مبتداء مِنْ بَعْضٍ خبر یہ جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے ذُرِّیَّةً کی۔

تفسیر: جب توحید ثابت کر دی گئی تو مشرکین کے پاس بجز اس کے اور کوئی حیلہ نہ رہا کہ ہم ان کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ مقصود خدا اور اس کی محبت ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو اس کے رسول کے کہنے پر چلو۔ اس نادیدہ خدا کی محبت کے وہی عمدہ طریق بتا سکتا ہے کہ جس سے وہ راضی ہو اور تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی بخش دے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

تمہارے خیالاتِ فاسدہ باعث محبت نہیں ہو سکتے۔ خدا کی محبت اس کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے وابستہ ہے کیونکہ خدا کا فروں سے جو خدا اور رسول کے نافرمان ہیں، محبت نہیں کرتا۔ رسول کی اطاعت پر محبت کے منحصر کرنے سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ بندے بندے سب برابر ہیں، ان کی اطاعت کس لیے! اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ خدا نے ان کو برگزیدہ کرلیا ہے جن میں سے اول برگزیدہ آدم ہیں، پھر نوح، پھر ابراہیم اور عمران کا خاندان موسیٰ و ہارون علیہم السلام وغیرہ۔ یہ خدا نہ تھے نہ فرشتے تھے، آدمی تھے۔ جو ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور برگزیدگی اس کے علم و حکمت پر منحصر ہے کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ اس میں قریش کے شبہ کا بھی جواب ہے۔ وہ کہتے تھے محمد (ﷺ) اپنی اطاعت کراتا ہے حالانکہ ہم ہی میں کا ایک شخص ہے۔ جواب یہ ہوا کہ سلسلۂ نبوت قدیم سے چلا آتا ہے اور نوح ابراہیم وغیرہ بھی اسی طرح برگزیدہ قابلِ اطاعت تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور یہ برگزیدگی خدا کے ساتھ ان کا ارتباطِ خاص تھا جس کے سبب وہ ان امور سے مطلع کیے جاتے تھے جن سے تم نہیں کیے جاتے۔ اس لیے ان اسرار کی تعلیم کے سبب وہ مقتداء قابلِ اطاعت تھے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

جبکہ عمران کی بیوی نے (یہ) کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ آزاد ہے اس کو میں نے تیرے لیے نذر کیا سو تو مجھ سے قبول کرلے کیونکہ تو ہی سنتا جانتا ہے۔ پھر جب اس نے لڑکی جنی اور اللہ ہی خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا تھا تو کہنے لگی کہ اے رب! میں نے (یہ) لڑکی جنی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا کاہے کو ہونے لگا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، پھر تو اس کو اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کرلیا اور اس کو عمدہ اٹھان اٹھایا اور زکریا نے اس کی کفالت کی جب زکریا اس کے پاس حجرے میں جاتے تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتے (پھر مریم سے) پوچھا کہ اے مریم یہ کھانا تیرے پاس کہاں سے آتا ہے۔ مریم نے (جواب میں) کہا یہ خدا کے ہاں سے آتا ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

ترکیب: اِذْ اس کا عامل اذکر ہے محررا حال ہے مَا سے جو بمعنی اَلَّذِیْ ہے اُنْثٰی حال ہے وَضَعْتُهَا کی تا سے یا بدل نَبَاتًا بمعنی اِنْبَاتًا مفعول مطلق ہے فعل مذکور سے، كَفَّلَ کا فاعل اللہ ھَا مفعول اول زَكَرِیَّا مفعول ثانی۔ كُلَّمَا کلمہ شرط دَخَلَ عَلَیْهَا اس کے متعلق زَكَرِیَّا فاعل اَلْمِحْرَابَ مفعول فیہ دَخَلَ کا وحقہ ان یتعدی بفی او بالی لکنہ اتسع فیہ فاوصل بنفسہ الی المفعول یہ جملہ شرط۔ وجد کا فاعل زَكَرِیَّا عِنْدَهَا ظرف رزقا مفعول تمام جملہ جواب شرط قال یَا مَرْیَمُ جملہ مستانفہ۔

تفسیر: چونکہ ابھی خدا کی محبت اور اس کی طاعت کا ذکر تھا اس لیے مناسب ہوا کہ خدا کے محبوبوں اور حقیقی مطیعوں کے واقعات ترغیب کے لیے اجمالی طور پر بیان فرمائے جاویں جس سے روح کو اس کا ذوق اور ان پاکبازوں اور راست بازوں کے اتباع کا شوق دل میں پیدا ہو۔ سب سے اول قصہ آل عمران کا عبرت انگیز حضرت مریم اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے پھر اس کے ضمن میں حضرت زکریا کی دعا اور التجا پر رحم فرما کر ان کے ہاں فرزند سعادت مند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد کا ہے کہ جن کو یوحنا بھی کہتے ہیں۔ان آیات میں خدا تعالیٰ مریم کی والدہ کا نذر کرنا اور پھر بجائے لڑکے کے مریم کا پیدا ہونا اور ان کا حضرت زکریا علیہ السلام کے زیرِ حفاظت محراب یعنی مسجد کے حجرے میں پرورش پانا جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں اور پھر بطورِ خرقِ عادت مریم کے پاس بے موسم کے میوے دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کا متعجب ہو کر پوچھنا اور مریم کا جواب دینا بیان فرماتا ہے۔

اگرچہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفوں اور حواریوں کے خطوط مسلمہ نصاریٰ میں عمران اور اس کے باپ اور مریم کی ماں کا نام مع التفصیل مذکور نہیں مگر مؤرخینِ اسلام نے اپنی تحقیقات سے بیان کیا ہے۔ یہ عمران وہ عمران نہیں کہ جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد تھے بلکہ یہ ماتان کے بیٹے ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' یہ حضرت زکریا بن اذن کے عہد میں تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو خدا کی نذر مانا کرتے تھے جب اس کا دودھ بڑھ جاتا تو اس کو ہیکل یعنی اس مسجد میں کہ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے شہر یروشلم میں بنایا تھا جس کو اہلِ اسلام بیت المقدس کہتے ہیں' کاہن یعنی امام کے پاس لا کر چھوڑ جاتے تھے اور وہ وہاں مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا جیسا کہ سموئیل کو نذر مانا تھا۔عمران جب مر گئے تو ان کی بیوی حنہ حمل سے تھیں۔اس نے خلوص نیت سے بدستور بنی اسرائیل یہ نذر مانی کہ الٰہی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے' میں نے سب کاموں سے محرر[1] یعنی آزاد کر کے تیرے لیے نذر مانا ہے۔سو جب جنی تو لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی ہیکل کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ یہ سمجھ کر نہایت حسرت سے جناب باری میں عرض کی کہ الٰہی میں نے لڑکی جنی اور لڑکی لڑکے کے برابر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ تیری نذر کے قابل چیز پیدا نہیں ہوئی' کیا کروں؟ چونکہ وہاں تو خلوص اور محبت پر نظر ہے وہاں لڑکی اور لڑکے کی کچھ پروا نہیں۔اس لیے خدا تعالیٰ نے بطور جملہ معترضہ کے یہ فرما دیا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا یعنی وہ لڑکی لڑکوں سے بہتر ہے اور اسی لیے ایک جگہ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ فرمایا ہے اور اس تقدیر پر اگر وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى کے خدا کی طرف کا جملہ ہو کر یہ معنی قرار دیے جاویں کہ اس لڑکی کے برابر کوئی لڑکا نہیں تو ممکن ہے حنہ نے اس کا نام مریم رکھا اور جب اس کا دودھ بڑھ چکا تو بدستور بنی اسرائیل اس کو ہیکل میں کاہنوں کے پاس بھیج دیا۔ان میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو رشتہ میں مریم کے خالو ہوتے تھے۔مریم کی خالہ الیساع جس کو الیسابات بھی کہتے ہیں' زکریا کی بیوی تھی۔کاہنوں میں باہم گفتگو ہوئی کہ اس لڑکی کی کون پرورش کرے؟ زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں مستحق ہوں۔اس کی خالہ اس کے حال کی خوب نگراں رہے گی اوروں نے نہ مانا۔اس پر قلم ڈالنے یعنی چٹھی لکھ کر ڈالنے کی قرعہ کے طور پر نوبت پہنچی اور قرعہ میں بھی زکریا کا نام نکلا۔تب زکریا کے مریم سپرد ہو گئیں اور انہوں نے ان کے لیے جداگانہ جگہ ہیکل کے متعلق تجویز کر دی۔مریم کو خدا نے نذر میں خوش ہو کر قبول کر لیا تھا اور خدا غیب سے اس کے خورش کے سامان مہیا کرتا تھا۔اس عرصہ میں مریم جوان ہو گئیں۔خدا کی قدرت حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اس بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ تھی۔ ہر چند دعا کرتے تھے رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ان ایام میں کئی بار مریم کے پاس جب ان کے حجرے میں گئے تو بے موسم کے پھل اور میوے

[1] محرر اس نر کو یعنی لڑکے کو کہتے تھے جو دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے مسجد میں دینی خدمات کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔لڑکی پیدا ہونے سے وہ امید جاتی رہی کہ کس لیے کہ لڑکی لڑکوں کے برابر کیا خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔ یہ ان کی ماں کے حسرت کے کلمات ہیں جو جنابِ باری میں مریم کی ولادت کے وقت لڑکی کو ناچیز سمجھ کر کہے تھے۔خدا کو ان کا نیاز و خلوص پسند آیا اور اس کو قبول کیا اور لڑکوں سے عمدہ ثمرہ حضرت مسیح علیہ السلام ان سے ظہور پذیر ہوئے۔

دھرے پائے جس سے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا خدا کے یہاں سے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زکریا علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور دل میں خیال گذرا کہ خدا تعالیٰ مجھ کو بھی بے موسم پیری میں پھل دے سکتا ہے۔ خدا سے نہایت عاجزی کے ساتھ اولاد کی دعا کی۔ ہیکل میں کھڑے ہوئے عبادت میں مصروف تھے اور یہی ان کی نماز تھی کہ فرشتے نے ان پر ظاہر ہو کر یہ بشارت دی کہ دیکھ خدا نے تیری دعا قبول کی۔ وہ تجھ کو ایک ایسا فرزند دیا چاہتا ہے کہ جس کا ہم نام تیرے خاندان میں کوئی نہیں۔ وہ بنی اسرائیل کا سردار ہوگا اور اس قوم کی خراب حالت کی اصلاح کرے گا اور حصور ہوگا یعنی خدا کی طرف سے نفسانی خواہشوں اور گناہوں سے روکا جاوے گا۔ اس کو ان چیزوں کی طرف از خود رغبت نہ ہوگی اور نبی ہوگا اور پاک باز لوگوں میں سے ہوگا اور وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیح کی تصدیق کرے گا۔ یہ مژدہ سن کر زکریا علیہ السلام نے کہا' الٰہی میں بوڑھا ہو گیا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ یہ کیونکر ہوگا؟ فرشتے نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے۔ اس پر کوئی بات مشکل نہیں۔ بغیر اسبابِ ظاہرہ بھی وہ اپنے افعال ظاہر کر دیتا ہے۔ زکریا نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی علامت یا نشانی دینی چاہیے جس سے مجھ کو یہ معلوم ہو۔ فرشتے نے کہا تیرے لیے یہ علامت ہے کہ تو تین روز تک بغیر اشارے کے کسی سے کلام نہ کر سکے گا۔ گویا یہ ایک روزہ تھا۔ بنی اسرائیل میں عبادت کی عبادت علامت کی علامت۔ اس کے بعد زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس گئے وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ دوسرا قصہ ہے جو مریم کے قصہ میں ضمناً مذکور ہوا۔ پھر اگلی آیات میں مریم کے قصہ کو تمام فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیٹ ہی میں تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو جب کہ وہ اپنے حجرہ میں غسلِ حیض سے فارغ ہو کر بیٹھیں' آدمی کی شکل میں جبرئیل دکھائی دیے اور کہا خدا تجھ کو ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ مریم نے کہا نہ میں کسی مرد کے پاس گئی نہ میں بدکار ہوں۔ پھر لڑکا کیونکر ہوگا؟ جبرئیل نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے۔ پھر جبرئیل نے قریب آ کر ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک دیا جس سے وہ حاملہ ہوگئیں اور کچھ عجب نہیں کہ ایسی حالت میں چرچا پھیلا ہو۔ مریم اپنے چچازاد بھائی یوسف کے ساتھ بیت المقدس سے ناصرہ کو چلی گئی ہوں اور پھر اسم نویسی کو ہیرودیس کے عہد میں یروشلم میں آئی ہوں اور بیت اللحم میں کسی گوشہ میں کہ جہاں کوئی کھجور کا درخت تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ہوں اور اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام پر یہود نے تہمت لگا کر کہ یہ حمل ان کا ہے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے۔ اہل کتاب یوسف کو مریم کا شوہر کہتے ہیں' کچھ عجب نہیں کہ حمل ظاہر ہونے کے بعد یا ولادت کے بعد ان سے شادی ہوئی ہو۔ یہ بات صرف جاہلوں کے طعن دور کرنے کو اس وقت مشہور کر دی ہو۔ قرآن میں اس کا کچھ ذکر نہیں۔ والعلم عند اللہ۔ الغرض جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی برکت سے خشک کھجور میں چھوارے نمودار ہوئے تو یہود گروہ کے گروہ مریم کو ملامت کرنے آتے تھے کہ تیرے ماں اور باپ تو ایسے پاک دامن تھے تو نے یہ کیا کیا؟ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا اسی لڑکے سے پوچھو' لوگوں نے کہا شیر خوار لڑکا کیونکر بات کر سکتا ہے؟ اس میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ میں خدا کا برگزیدہ نبی ہوں اور میری ماں پاکدامن ہے۔ اس سے سب کو تعجب ہو گیا۔ پھر اور بھی معجزات لڑکپن[1] میں لوگوں نے دیکھے۔ اس کے بعد حاکمِ وقت کے خوف سے کہ مبادا ان کو مار ڈالے یوسف مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملک مصر میں لے گیا اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوشیار ہوئے۔ جوان ہو کر (جب ہیرودیس بادشاہِ یہود یہ کی موت کی خبر سنی) تو ملک شام میں آئے۔ ادھر حضرت یحییٰ زکریا کے بیٹے جوان سے کئی مہینے پہلے پیدا ہو چکے تھے' جوان ہو گئے تھے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتے تھے۔ آخر بادشاہِ وقت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملکِ یہود کے جلیل اور یروشلم وغیرہ شہروں میں وعظ فرماتے' معجزات دکھاتے رہے لیکن یہود کو ہر روز ان سے عداوت بڑھتی گئی۔ باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی تصدیق کی اور شریعت موسوی کی بحسبِ وقت ترمیم کی کیونکہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ زمانہ کے مقتضیات کا ضرور

---

[1] جیسا کہ گارے کے پرند جانور بنا کر ان میں پھونک مارنا اور پھر ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا۔ ۱۲ منہ

اثر ظاہر ہوا جو ترمیم کی حاجت پڑی چنانچہ انہوں نے وہ جو سبت کے روز بے حد قیدیں تھیں کہ یوں نہ کرے اور یوں کرے یا اور ایسے ہی مسائل تھے ان میں بحکمِ الٰہی تخفیف کر دی اور ان ممنوع حرام باتوں کو درست کر دیا جس کی پوری تفصیل کتاب احبار اور اناجیلِ اربعہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتی ہے اور معجزات بھی دکھائے اور بہت کچھ یہود کی بداقبالیوں اور ناشائستگیوں کی اصلاح کرنی چاہی مگر اس قوم کی حسِ باطنی جاتی رہی تھی۔ یوں تو مسیحا نے کئی مردہ زندہ کیے مگر یہود کا اقبالِ مردہ زندہ نہ ہو سکا۔ آخر جب ان کی سرکشی دیکھی تو فرمایا کہ کون خدا کی حمایت میں آتا ہے؟ بارہ شخص کہ جن کو حواری (یعنی خدا کی طرف رجوع کرنے والے یا روشن دل) کہتے ہیں اور ان کے یہ نام ہیں حضرت کے صدق دل سے مرید اور شاگرد خاص ہو گئے۔ شمعون جس کو پطرس بھی کہتے ہیں۔ اندریاس شمعون کا بھائی یعقوب بن زبدی یوحنا ان کا بھائی فیلسوس برتھولما تھوما متی یعقوب بن حلفا لبی جس کو تہدی بھی کہتے تھے۔ شمون کنعانی یہودا اسکریوتی اب ایک دینداروں کی جماعت قائم ہو گئی۔ آخر کار یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکام سے شکایتیں کر کے پلاطوس حاکم کو ان کے قتل پر آمادہ کیا اور جاسوس دوڑ گئے۔ حضرت کو ایک جگہ سے گرفتار کر کے لائے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں اور بہت کچھ مکر و داؤ ان کے قتل کے لیے کیا مگر خدا کا داؤ سب پر غالب ہے۔ اس نے یہ کیا کہ انہیں یہودیوں میں سے ایک کو حضرت مسیح کی صورت میں کر دیا اور مسیح علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر لے گئے۔ یہود نے مسیح سمجھ کر اس شخص کو سولی دی اور بڑی اذیت سے مارا۔

فائدہ: فرشتوں نے مریم سے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت یہ تمام حال بیان کر دیا تھا کہ وہ ایسے اور ایسے ہوں گے۔ (۱) ان کا نام عیسیٰ مسیح ابن مریم ہوگا (۲) وہ دنیا و آخرت میں معزز اور خدا کے مقربین میں سے ہوں گے۔ (۳) لڑکپن اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے یہ کلام کریں گے برخلاف اور لوگوں کے کہ وہ شیر خوارگی میں کلام نہیں کرتے۔ (۴) ان کو خدا کتاب اور حکمت توریت و انجیل سکھائے گا۔ (۵) وہ لوگوں سے کہیں گے کہ میں خدا کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہوں جن کا بعد میں بیان ہے (۶) میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اس کا مصدق ہوں نہ مکذب۔ (۷) میں تم پر سے سخت احکام کا بوجھ بھی ہلکا کرنے آیا ہوں جو چیزیں بنی اسرائیل پر ان کی سخت دلی سے حرام کر دی گئی ہیں بعض کو مباح کر دیتا ہوں۔ ان سب باتوں کے بعد اصلی بات بھی کہی کہ خداوند میرا اور تمہارا سب کا خدا ہے۔ اس کی عبادت کرو نہ میری نہ کسی اور مخلوق کی۔ یہ ہے راہ راست۔ مگر بنی اسرائیل سخت دل کا ہے کو ماننے والے تھے۔ حضرت نے ان کے انکار و مخالفت کو معلوم کر کے کہا کوئی ہے کہ خدا کے لیے میرا مددگار بنے؟ حواری بول اٹھے کہ ہم خدا کے دین کے مددگار اور ہم خدا پر ایمان لائے۔ پھر دعا کی کہ الٰہی ہم کو گواہوں میں لکھ لے ہم رسول کے مطیع ہو گئے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں کو ترغیب دلائی جاتی ہے۔ پھر کس خوبی سے قصہ کو تمام کرتا ہے کہ یہود نے ان سے بڑی بدسلوکی کی جس پر خدا نے بھی ان سے بدسلوکی کی کہ رومی بادشاہ ان پر چڑھ آئے اور مار کر ستیاناس کر گئے۔ ان کی بدسلوکی کو اور اس کے بدلہ کو بطور استعارہ مکر سے تعبیر کیا۔ ۱۲ منہ

ابحاث: اب ہم یہاں چند ابحاث بیان کرتے ہیں تاکہ ان آیات کا مطلب ناظرین کے بخوبی سمجھ میں آجاوے اور پھر آئندہ سورہ مریم وغیرہا میں اعادہ کی کچھ حاجت نہ رہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

بحث اول: مفردات الفاظ کی تشریح۔ المحراب اونچی اور عمدہ جگہ اصمعی کہتے ہیں۔ بالاخانہ بعض کہتے ہیں اس جگہ مراد مسجد ہے اس لیے کہ یہ بسبب عبادت کے شیطان سے لڑائی کی جگہ ہے جو حرب سے مشتق ہے۔ حصور احصر سے مشتق ہے جس کے معنی بند ہونے اور رکنے کے ہیں۔ کہتے ہیں حصر الرجل اعتقل بطنہ یہ فعول بمعنی مفعول ہے یعنی شہوات سے روکا گیا جس کو محفوظ اور معصوم کہنا چاہیے۔ عاقر عقر سے مشتق ہے جس کے معنی منقطع ہونے کے ہیں یعنی اولاد سے منقطع ہو گئی جس کو بانجھ کہتے ہیں۔ رمز کے معنی حرکت کے ہیں۔ چونکہ دریا میں تموج ہوتا ہے اس لیے اس کو عرب راموز کہتے ہیں۔

یہاں مراد اشارہ ہے جو ہاتھ پاؤں یا آنکھ بھوں کی حرکت سے ہوتا ہے۔ العشی دن ڈھلے سے غروب تک کا وقت والا بکار نئی اور اول چیز اور اسی لیے باکورہ نئے پہلوان کو کہتے ہیں اور نئی نا کتخدائی کو بکر کہتے ہیں۔ اس سے مراد طلوع آفتاب سے دو پہر تک کا وقت ہے۔ بعض نے ابکار بالفتح پڑھا ہے۔ سو یہ اشجار کی طرح جمع ہوگا۔ انباء نباء کی جمع ہے جس کے معنی خبر ہیں۔ انصار اور حواری کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔

بحث دوسری: اس مقام پر عیسائی نکتہ چین قرآن مجید پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح اور مریم کے اور اسی طرح یوحنا یعنی یحییٰ کے قصہ میں چند غلطیاں قرآن میں بیان ہوئیں جو تاریخی واقعات سے علاقہ رکھتی ہیں (۱) یہ کہ مریم کی ماں کا نذر ماننا اور پھر مریم کو ہیکل میں بھیج دینا اور وہاں کاہنوں میں باہم ان کی پرورش کی بابت گفتگو ہو کر زکریا کے نام قرعہ نکلنا اور زکریا کا مریم کو بے موسم کے پھل کھاتے دیکھ کر اپنے لیے اولاد کے واسطے دعا کرنا انجیل سے ثابت نہیں۔ اس لیے یہ باتیں غلط ہیں۔ (۲) قرآن میں لکھا ہے کہ زکریا تین روز تک بغیر اشارہ کے کسی سے کلام نہ کریں گے۔ حالانکہ انجیل لوقا کے اول باب درس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کو یوں فرشتہ نے کہا کہ تو جب تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں گونگا ہو جاوے گا' کسی سے بول نہ سکے گا اور اسی باب کے ۶۴ درس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یحییٰ پیدا ہوئے اور آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا اور ان کا نام یحییٰ رکھا گیا تب ان کی زبان کھلی جس کی مدت تخمیناً دس مہینے ہوتے ہیں۔ قرآن نے باوجود دعوائے الہام اور تصدیقِ انجیل کے کتنی غلطی کی۔ (۳) لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور پھر پرندوں کا معجزہ کہ مٹی کے جانور بنا کر ان میں پھونک مارنا اور ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا کہیں سے ثابت نہیں۔ قرآن نے اس کو کہاں سے لیا۔ ان اعتراضات کا جواب یہ ہے' اول سوال کا جواب یوں ہے۔ اگر تاریخی باتیں انجیل اربعہ کے مصنف نے اپنی مختصر تاریخوں میں نہ لکھیں تو اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امور غلط ہیں۔ دیکھو زکریا کا فرشتہ سے بشارت پانا اور یحییٰ نام رکھنا وغیرہ باتیں صرف لوقا نے لکھی ہیں۔ اوروں نے نہیں۔ پھر کیا اس وجہ سے یہ غلط ہو سکتی ہیں؟ اسی طرح مسیح کے پیدا ہونے کے دنوں میں مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دینا اور اس کا ان کے آگے آگے چلنا سوائے متی کے اور کسی نے نہیں لکھا۔ اسی طرح ان چاروں مؤرخوں کا باہم سینکڑوں باتوں میں تفاوت بیان پایا جاتا ہے۔ یہی تیسرے اعتراض کا بھی جواب ہے اور تائید اس کی یہ ہے کہ یوحنا اپنی انجیل کے سب سے اخیر میں یہ لکھتا ہے کہ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سماتیں۔ پھر کیا مسیح نے یہی چند باتیں اور یہی چند کام کئے ہیں جو اناجیل اربعہ میں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ اس کے یہودی مورخوں اور دیگر اناجیل سے بھی ان باتوں کا پتا لگتا ہے اور ان اناجیل کے زیادہ معتبر ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سب تاریخی واقعات غلط ہوں۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لوقا نے نہ زکریا کو دیکھا نہ یحییٰ کو نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مورخ سنی ہوئی باتیں لکھتا ہے جس پر گمان ہو سکتا ہے کہ یا راوی نے غلطی کی یا خود لوقا سے سہو ہو گیا یا نسخہ میں اور غلطیوں کی طرح یہ بھی واقع ہوئی اور جو تطبیق کر دو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ عدد زبانِ عرب میں انحصار کے لیے نہیں ہوتا۔ ہمارے عرف میں کہتے ہیں۔ دو دن کی زندگی میں آدمی کیا کرتا ہے۔ مراد تھوڑی زندگی ہے اسی طرح تین روز سے یہ قلیل مدت مراد ہے جو تخمیناً دس مہینے مورخ نے بیان کئے۔ قرآن انجیل لوقا کی تصدیق کا مدعی نہیں۔

تیسری بحث: ان سے بڑھ کر دہریے اور ان کے مقلد نیچر ان آیات کے صاف اور سیدھے مطلب کو اسی قاعدۂ فاسدہ پر کہ خرقِ عادت محال ہے' عجب تاویلیں کر کے الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ چنانچہ نیچر مفسر نے اس مقام پر حضرت مریم کو غیب سے روزی پہنچنے کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ کے پیدا ہونے کا انکار کیا اور یہ تاویل کی ہے کہ حضرت یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے۔ صرف یہ بات تھی کہ رخصت کر کے لے جانے سے پہلے یوسف مریم سے ہم بستر ہو گئے تھے۔ چونکہ یہ بات یہود میں مذموم تھی جو دونوں کو شرم و حجاب کا موجب

ہوا ہو اور زکریا اور بی بی مریم نے جو فرشتوں سے باتیں کیں وہ ان کا خیال مجسم یا خواب تھا اور چونکہ اس مذہب کا یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان میں ایسی باتیں ہمیشہ سے باعثِ بزرگی سمجھی جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ حکیم افلاطون کا حمل بھی بے باپ کے ان میں مشہور تھا۔ اس غرض سے عیسائی معلموں نے یہ بات مشہور کر دی اور اسی مشہور بات کو مفسروں نے قرآن کی تفاسیر میں لکھ دیا اور اسی طرح لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور مٹی کے جانور بنا کر ان میں پھونک مار کر زندہ کر دینا اور مردہ کو زندہ کر دینا ہے جس سے دلِ مردہ کو زندہ کرنا مراد ہے اور چشمِ باطن کے اندھے کو ہدایت دینا اور بیمارِ مرضِ قلب کو شفا دینا اندھے اور کوڑھی کے اچھا کرنے سے مراد ہے اور ایسے محاورات حضرت عیسیٰ کی تقریروں میں بیشتر پائے جاتے ہیں۔ یہ ان کی تمام تقریروں کا خلاصہ ہے۔ چونکہ اس لغو گفتگو کا مدار وہی تین چار فاسد عقیدے ہیں کہ جن کا ابطال ہم مقدمہ میں خوب کر چکے ہیں۔ اس لیے اس بارے میں دوبارہ قلم اٹھانا فضول سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان کہلانے کے لیے قرآن مجید کی فضول تاویلیں کر کے اپنا مضحکہ اڑاتے ہیں اور تاریخی واقعات کو غلط کہہ کے محققوں میں حقیر بنتے ہیں مگر ان کو سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دینا تھا۔ اس زمانہ میں اسلام سے کیا دنیا ملتی ہے؟

چوتھی بحث: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ان واقعات کا اس طور پر مخالفوں کو بتانا آنحضرت ﷺ کے لیے بڑا معجزہ ہے۔ نہ آپ نے تورات پڑھی تھی نہ انجیل نہ کوئی کتاب اور عمر کا اکثر حصہ مکہ میں گذرا جہاں کوئی بھی ذی علم نہ تھا۔ اہل کتاب کا تو کیا ذکر پھر مدینہ میں آ کر باوجود مخالفتِ یہود و نصاریٰ کے یہ کیونکر ممکن تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے کچھ پڑھنے سیکھنے جاتے اور اگر ایسا ہوتا تو نصاریٰ اور دیگر اہلِ اسلام کے روبرو یہ دعویٰ کس طرح سے کرتے کہ میں غیب کی خبریں بطور الہام بیان کرتا ہوں؟ باوجود اس کے پھر ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا بالخصوص اہلِ کتاب کے علماء کے سامنے اس طرح سے کہ جن کو کوئی پڑھا ہوا بھی بیان نہ کر سکے۔ اگر اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ گرچہ بعض باتیں بعض کے لیے خرقِ عادت نہیں مگر دوسرے کے لیے خرقِ عادت سمجھی جاتی ہیں۔ کلام کرنا جوان تندرست کی نسبت کچھ بھی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ شیر خوار لڑکے کا کلام کرنا تعجب ہے۔ اسی طرح کسی گذشتہ حال کا اس کے دیکھنے والے یا تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے کو تعجب نہیں اور کے لیے ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

اس وقت تو زکریا نے (بھی) اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو بھی اپنی جناب سے اولاد عطا کر۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔ پھر اس کو

فرشتے نے آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تم کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ (کے پیدا ہونے کی) تصدیق کرے گا خدا کے ایک [1] کلمہ کی اور سردار ہوگا اور کنوارا رہے گا اور نیک نبی ہوگا (زکریا نے) کہا اے رب میرے کہاں سے لڑکا ہوگا اور مجھ پر تو بڑھاپا آ گیا اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے (فرشتے نے کہا) اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے (زکریا نے) کہا اے میرے رب میری کوئی نشانی معین کر دیجئے۔ کہا تیرے لیے نشانی ہے کہ تو تین روز تک لوگوں سے بجز اشارہ کے بات نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام و صبح تسبیح کیا کر۔

ترکیب: هُنَا دراصل ظرف مکان کے لیے ہے مگر یہاں ظرف زمان مراد ہے۔ لَکَ سے اس میں بعد ہو گیا۔ یہ دعا سے متعلق ہے مِنْ لَّدُنْكَ هَبْ لِیْ متعلق ہے۔ پس من ابتداء غایۃ ہبہ کے لئے ہے نادت فعل الملئکۃ فاعل بہ ضمیر مفعول ذی الحال وَهُوَ قَآئِمٌ جملہ حال یُصَلِّیْ ضمیر قائم سے حال ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جملہ بیان ندا ہے مُصَدِّقًا اور سَیِّدًا اور حَصُوْرًا اور نَبِیًّا یحییٰ سے حال ہیں لِیْ خبر یَكُوْنُ کو غلام اسم وَاَنّٰی بمعنی کیف اٰیَتُكَ مبتداء ان لَّا تُكَلِّمَ الخ جملہ خبر۔ عَشِیّ مفرد ہے بعض کہتے ہیں عشیہ کی جمع اور اِبْكَار بروزن افعال مصدر ہے ای وقت ابکار۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ

[1] خدا کا کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو ان کے کلمہ کن کے کہنے سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کی جب خوشخبری فرشتے نے دی تو ان کے اوصاف بھی بیان کر دیے کہ وہ عیسیٰ کلمۃ اللہ کی تصدیق کریں گے۔ (ہنوز عیسیٰ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) سردار ہوں گے۔ معصوم و محفوظ ہوں گے۔ نبی ہوں گے۔ نیکو کار ہوں گے یعنی فرزند بھی دیتے ہیں تو ایسا نہ کہ نالائق و ناہنجار۔ ۱۲ منہ

مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ
اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ
الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَطِیْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾
فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ
الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور (یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے کہا اے مریم! تم کو خدا نے برگزیدہ کر لیا اور پاک کر دیا اور تم کو دنیا کی عورتوں پر فضیلت دی۔ اے مریم! اپنے رب کی عبادت کرتی رہو اور نمازیوں کے ساتھ سجدہ اور رکوع کیا کرو۔ یہ غیب کی خبریں ہیں' ہم ان کو (اے نبی!) آپ کی طرف الہام کرتے ہیں اور آپ کچھ ان کے پاس موجود ہی نہ تھے جبکہ وہ قرعہ ڈال رہے تھے کہ ہم میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا اور نہ آپ اس وقت بھی موجود تھے جبکہ وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔ جب فرشتے نے کہا' اے مریم! اللہ تم کو ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح[1] عیسیٰ ابن مریم جو دنیا اور آخرت میں بڑا باوقار (اور صاحبِ مرتبہ) اور خدا کے مقرب لوگوں میں سے ہوگا اور لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا (مریم نے) کہا اے رب! میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھ کو تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا' فرمایا یوں ہی اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے جائیں گے (وہ کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے گارے سے پرندوں کی مورتیں بنا کر ان میں پھونکتا ہوں۔ وہ خدا کے حکم سے اڑنے لگتے ہیں اور میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا چنگا کر دیتا ہوں اور میں خدا کے حکم سے مردوں کو بھی زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں باقی رکھ کر آتے ہو سب کو بتا دیتا ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم میں ایمان ہے اور (میں) اپنے سے اگلی (کتاب) توریت کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں اور میں اس

---

[1] یہود میں قدیم دستور تھا کہ وہ جس کو سردار یا برگزیدہ کرتے تھے تو اس وقت کا نبی یا کاہن اس شخص پر زیتون کا تیل مسح کر دیتا یعنی مل دیتا تھا۔ اس لیے اس شخص کو مسیح کہتے تھے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی مقبولیت کا تیل ملا گیا اور اسی قدیم عزت پر ان کا لقب مسیح مشہور ہوا اور یشوع عبرانی تھی' ان کا نام ہے جو عربی میں عیسیٰ کہتے ہیں۔ چونکہ لقب زیادہ مشہور تھا اس لیے اس کو نام سے پہلے ذکر کیا۔ ۱۲ منہ

لئے بھی آیا ہوں (کہ) جو چیزیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں ان میں سے بعض کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے خدا کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو۔ یہ ہے سیدھا راستہ۔ پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار معلوم کر لیا تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کرے۔ حواریوں نے کہا ہم ہیں خدا کے طرف دار ہم خدا پر ایمان لائے اور (آپ اس پر) گواہ رہیں کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی۔ اے ہمارے رب جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی پیروی اختیار کر لی سو ہم کو بھی گواہوں میں لکھ رکھ اور (یہود نے) داؤ کیا اور خدا نے ان سے داؤ کیا۔ اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

ترکیب: ذٰلِكَ مبتداء مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ خبر نُوْحِیْهِ الیك خبر ثانی۔ اِذْ یُلْقُوْنَ اذ ظرف ہے کَانَ کا اور ممکن ہے کہ استقرار کا ظرف ہو کہ جس سے لَدَیْهِمْ متعلق ہے۔ اَقْلَامَ جمع قلم بمعنی مقلوم مبتداء یَكْفُلُ مَرْیَمَ خبر جملہ موضع نصب میں ہے ای یقترعون ایھم عامل اس میں وہ ہے جو یُلْقُوْنَ سے سمجھا جاتا ہے۔ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ کا حال اِذْ یُلْقُوْنَ کا سا ہے اِذْ قَالَتْ بدل ہے اذ سابق سے مِنْهُ صفت ہے كَلِمَةٍ کی اِسْمُهٗ مبتداء الْمَسِیْحُ خبر عیسیٰ بدل یا عطف بیان ہے اس سے ابْنُ مَرْیَمَ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای هُوَ وَجِیْهًا اور مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ اور یُكَلِّمُ احوال مقدر ہیں معنی کلمة سے ما یکون سے فی المھد حال ہے ضمیر یکلم سے۔ رسولا کو اگر صفت مانا جاوے تو یہ بھی حال ہے پھر الی بنی الخ اس سے متعلق ہے۔ مصدقا حال ہے معطوف ہے بآیة پر انی جئتکم بآیة ومصدقا من التورات بیان ہے ما بین یدی کا' ولاحل معطوف ہے محذوف پر ای لاخفف عنکم۔ فلما کلمہ شرط احسن کا فاعل عیسیٰ الکفر مفعول منھم متعلق ہے احس یا کفر کا حال قال من جواب انصاری۔ انصار نصیر کی جمع ہے جیسا کہ شریف واشرف۔ الحواریون اس کا مفرد حواری ہے۔ جو حور سے مشتق ہے جس کے معنی روشنی اور سفیدی یا رجوع کے ہیں۔ چونکہ ایسے لوگ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے دل روشن ہوتے ہیں اس لئے حواری کہلاتے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾

اس وقت کو (یاد کرو) کہ اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کے بہتان) سے پاک کر دوں گا اور تمہارے ماننے والوں کو تمہارے منکروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا۔ پھر میرے ہی پاس تم کو پھر کر آنا ہے سو جس بات میں تم اختلاف کر رہے تھے۔ اس میں ہم تمہارا فیصلہ کر دیں گے پھر جنہوں نے انکار کیا سو ان کو تو میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو اللہ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے گا اور خدا کو ناانصاف پسند نہیں آتے۔ یہ

آیتیں ہیں کہ جنہیں ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور (یہ) حکمت کا تذکرہ بھی ہیں۔

ترکیب: اِذْ کا یا وہی عامل ہے اعنی اذکر یا وقع ذلک۔ مُتَوَفِّيْكَ اور رَافِعُكَ اور جَاعِلٌ الخ سب خبر ہیں اِنِّی کی فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مبتداء فَاُعَذِّبُهُمْ خبر ذٰلِكَ مبتداء نَتْلُوْهُ خبر۔

تفسیر: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے۔ یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گرچہ وعظ و نصیحت کی وجہ سے عداوت تھی مگر جبکہ سبت وغیرہ احکام میں تغیر کیا تو یہود کو الزام لگانے کا ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ ملک شام میں اس وقت یہود کی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی سلطنت تھی اور قیصرِ روم کی طرف سے وہاں ایک حاکم رہتا تھا جس کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کو ساتھ لیے ملک شام کے شہروں میں معجزے دکھاتے اور وعظ فرماتے پھرتے تھے۔ ہر شہر میں سینکڑوں مرد و عورت حضرت کے دین میں آتے تھے اس پر اور بھی یہود کو حسد اور شک ہوتا تھا۔ جب یہود کی دشمنی بڑھ گئی اور وہ حضرت کے قتل کا موقع تلاش کرنے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دن کو شہر یروشلم میں آ کر ہیکل یعنی بیت المقدس میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ شام کو زیتون کی پہاڑی میں کسی درخت کے تلے بیٹھ کر دعا و عبادتِ الٰہی میں رات تمام کرتے تھے۔ اس عرصہ میں یہود کی عید فطیر جس کو عید فسح کہتے ہیں' قریب آئی اور سردار کاہن اور فقیہ اس فکر میں تھے کہ ان کو مار ڈالیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک شخص یہودا نامی نے جا کر ان سے کچھ روپیہ لے کر خبر دی پھر تو یہودیوں کی ایک جماعت ہتھیار باندھ کر اس پہاڑی پر پہنچی۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے گریہ وزاری کر کے یہ کہہ رہے تھے کہ اے خداوندا اگر تیری مرضی ہو تو یہ پیالہ مجھ سے دور کر دے اور اپنے حواریوں کو آمادہ کر رکھا تھا۔ ان کے پاس صرف دو تلواریں تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حال معلوم ہو گیا تھا کہ ان سے کچھ مقابلہ نہ ہو گا۔ الغرض شبا شب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے ان کے منہ پر طمانچے مارتے اور ٹھٹھا کرتے ہوئے شہر میں لائے۔ صبح کو تمام یہود جمع ہوئے اور ان سے پوچھا اگر تو وہ مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے (جس طرح اہلِ اسلام امام مہدی کے منتظر ہیں۔ اسی طرح یہود میں مسیح کا انتظار تھا بلکہ اب بھی ہے کہ وہ ان کو پھر بادشاہت دے گا) آپ نے فرمایا اگر میں کہوں بھی تو تم کب یقین کرو گے۔ آخر الامر سب لوگ ان کو پلاطوس کے حاکم کے پاس لے گئے کہ یہ لوگوں کو قیصر کے محصول دینے سے منع کرتا اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتا ہے۔ حضرت نے انکار کیا' اس نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی جرم مستوجب قتل نہیں۔ پلاطوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی حالت میں ہیرودیس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے پھر اسی کے پاس بھیجا اور چھوڑنا چاہا تو یہود نے غل مچا دیا کہ ایسا نہ کرنا۔ تب اس نے کہا کہ تمہارے کہنے سے میں اس کو سولی دیتا ہوں مگر اس کا گناہ تم پر اور تمہاری اولاد پر۔ یہود نے کہا منظور۔ حضرت کے حواری سب بھاگ گئے۔ اس وقت حضرت پر ایک عجیب حالت طاری تھی جس میں خدا نے حضرت مسیح علیہ السلام سے خطاب کر کے یہ جملہ فرمائے جو ان آیات میں مذکور ہیں کہ اے عیسیٰ! کچھ غم نہ کرو۔ میں تم کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہوں اور جو کچھ یہ لوگ تم پر بہتان لگاتے ہیں کہ تو نے خدائی دعویٰ کیا اور خدا کا بیٹا بنا (انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۶۹) اس سے میں نبی اخیر کی معرفت تم کو پاک کر دوں گا۔ جیسا کہ انجیل برنباس سے ثابت ہے اور اب جو مخالفین کی جماعت تم کو غالب دکھائی دیتی ہے۔ میں ان کو قیامت تک تمہارے ماننے والوں کے ماتحت کر دوں گا۔ یہ دنیا کی سزا ہے اور آخر تو ہر شخص ہماری طرف رجوع کرتا ہے۔ ہم نیکوں کو پورا بدلہ نیک دیں گے اور بدوں کو سخت عذاب دیں گے۔ آخر کار خدا نے ایک شخص مفسد شمعون اقراینی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کر دیا۔ لوگوں نے اسی کو عیسیٰ سمجھ کر اس پر صلیب دھر کر شہر کے باہر لے گئے اور سولی دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔ عیسائی کہتے ہیں بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا اور انہوں نے چیخ چیخ کر جان دی اور پھر ایک شخص یوسف نامی پلاطوس سے حضرت کی لاش مانگ کر لے گیا اور اس نے قبر میں دفنایا اور اوپر پتھر کی چٹان دھر دی۔ یہ جمعہ کی شام کا واقعہ تھا۔ اتوار کو حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے اور آسمان پر چڑھ گئے اور پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ احادیث

صحیحہ سے بھی قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت ہوتا ہے۔

بحث مسلوبی مسیح پر: اس مسئلہ کی ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں کہ حق کس کی جانب ہے اور یہ تحقیق ان چند ابحاث کے ضمن میں آتی ہے۔

(۱) اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ الخ توفی کے معنی لغت میں کسی چیز کا پورا کر دینا ہے اور چونکہ مردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پالیتا ہے۔ اس لیے اس کو بھی متوفی کہتے ہیں اور انہیں اعتبارات سے اس کے معنی قبض کرنے کے بھی آتے ہیں اور کبھی متوفی بمعنی مستوفی بھی آتا ہے۔ اگر یہاں اس سے مراد موت لی جاوے تو پھر اس آیت میں (وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ۔ (نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ ان پر اشتباہ پڑ گیا) بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض پادریوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے (ہدایت المسلمین صفحہ ۳۵۵) اس کا جواب بہت سہل ہے (۱) یوں کہ یہاں متوفی بمعنی مستوفی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا کہ تجھ کو ان کے قتل سے بچا کر آسمان پر چڑھا لوں گا' پھر تو اپنے وقتِ معہود پر مرے گا (بیضاوی) اب دونوں آیتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

(۲) یوں کہ اس کے معنی قبض کے ہیں جس سے آیت کے یہ معنی ہوئے کہ میں تجھ کو زمین سے اپنے قبضہ میں لا کر آسمان پر پہنچا دیتا ہوں (بیضاوی) اب بھی کچھ اختلاف باقی نہ رہا (۳) وفات سے مراد قوائے بہیمہ اور آثارِ جسمانیہ سے ہلکا کر دینا ہے جو آسمان کی طرف عروج کو مانع ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں تیرے آثارِ جسمانیہ کو پست کر کے تیری روحانیت کو غلبہ دے کر تجھے آسمان پر چڑھا دیتا ہوں۔

(۴) وہب کہتے ہیں کہ تین ساعت وفات رہی' پھر خدا نے ان کو زندہ کر کے آسمان کی طرف اٹھا لیا جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں مگر یہ وفات یہود کی سولی دینے سے واقع نہ ہوئی تھی۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ بلکہ آثارِ جسمانیہ کے ہلکا کرنے کے لیے خدا نے وفات دی ہوگی اور یہود نے جس کو قتل کیا اور سولی دی وہ شمعون افرائنی یا کوئی شخص ان کا شبیہ تھا جس سے ان کو اشتباہ واقع ہوا (تفسیر کبیر) اس تقدیر پر بھی دونوں آیتوں میں کچھ تعارض باقی نہ رہا۔ خلاصہ یہ کہ آیت وماقتلوہ میں جو نفی ہے تو یہود کے قتل کرنے کی نفی ہے۔ اب رہی یہ بحث کہ آیا دراصل یہود نے مسیح کے ہمشکل کو سولی دی اور مسیح کو نہیں دیا۔ جیسا کہ آیت وماقتلوہ الخ سے پایا جاتا ہے۔ سو اس کی تحقیق یوں ہے کہ گو دوسری صدی بلکہ پہلی صدی ہی سے عیسائیوں بالخصوص پولوس کے مریدوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی اور وہ تیسرے روز زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے۔ پھر آسمان پر چڑھ گئے اور اسی قصہ پر ان کا کفارہ جو اصول مذہب ہے مبنی ہے۔

مگر تاریخی واقعات پر بنظرِ انصاف غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے لے چلے تھے اس وقت ان کے حواری اور دیگر مرید لوگ اس خوف سے کہ مبادا ہم نہ پکڑے جاویں سب تر بتر ہو گئے تھے۔ کوئی بھی ساتھ نہ تھا جیسا کہ لارڈ ولیم میور کی تاریخ کلیسا سے مستفاد ہوتا ہے۔ پھر اب جو حواریوں نے یا اور مریدوں نے سنا ہوگا تو خاص انہیں یہود یا پلاس کے نوکروں سے سنا ہوگا جن کی نسبت خیال ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ناکامیابی چھپانے کے لیے مشہور کر دیا ہو کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا۔ سولی دیدی۔ اس کے علاوہ ہم کو صحیح طور پر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان لوگوں کا اس امر میں کیا بیان تھا؟ نہ کوئی یہودی تاریخ اس کی خبر دیتی ہے اور نہ کوئی حواری اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے۔ اناجیل اربعہ میں سے لوقا اور مرقس تو پولوس کے شاگرد ہیں جو اس واقعہ میں شریک ہی نہ تھے۔ سو یہ ظاہر ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں کہتے ہیں۔ رہے یوحنا اور متی وہ بھی وہاں نہ تھے صرف چند عورتیں دور سے دیکھتی تھیں اور کچھ عجب نہیں کہ یہودیوں کو وہاں شک پڑا ہو کہ یہ فلاں شخص ہیں اور فلاں کہاں ہے؟ مگر ان کا یہ شبہ اور تردد ہم تک کیونکر منقول ہوسکتا ہے جس میں ان کی سبکی تھی۔ برخلاف اس کے خود عیسائیوں میں سے دو گواہ قوی شہادت دے رہے ہیں۔ اول برنباس حواری کی انجیل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر عیسائیوں میں مشہور و معروف تھی جس کی عبارت یہ ہے۔ تب فرشتوں نے باکرہ سے کہا کیونکر یہودا عیسیٰ کی شکل میں مبدل ہوگیا الخ تب عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا' اے برنباس! میری بات کا یقین کر کہ ہر ایک گناہ کی خدا سزا دیتا ہے۔ چونکہ میری ماں اور میرے ایماندار شاگرد

مجھے زمینی محبت کے اختلاط کے سبب پیار کرتے تھے خدائے صادق انہیں اس محبت پر سزا دینے پر راضی ہوا تا کہ بعد از اں دوزخ کے شعلوں میں عذاب نہ پاویں اور میں گرچہ دنیا میں بے عیب زندگی بسر کرتا رہا' تاہم چونکہ لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے خدا نے عدالت کے دن مجھے شیاطین کے ٹھٹھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاہا کہ میں اسی دنیا میں یہودا (جس نے گرفتار کروایا تھا) کی موت سے ندامت اٹھاؤں اور سب لوگوں کو یقین ہوا تھا کہ حقیقۃً میں سولی دیا گیا۔ پس یہ ملامت محمد (ﷺ) کے آنے تک رہے گی جو دنیا میں آ کر سب کو خدا کی شریعت پر ایمان لانے میں غلطی سے بچائے گا۔ انتہٰی (جونس) اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی نہیں دیے گئے بلکہ اور شخص چنانچہ اس غلطی سے عالم کو حضرت محمد ﷺ نے آگاہ کر دیا۔ عیسائی اس گواہ پر یہ جرح کرتے ہیں (۱) انجیل برنباس ہمارے نزدیک الہامی کتاب نہیں بلکہ ایسی ہے جیسی کہ محمدیوں میں حدیث کی کتابیں (۲) یہ عبارت اس میں کسی محمدی نے یا کسی ملحد نے محمدیوں سے لے کر ملا دی ہے (۳) مسیح کا مصلوب ہونا الہامی کتابوں میں چشم دید گواہوں کی معرفت قلمبند ہوا۔ پھر اس کے برخلاف کیونکر تسلیم کیا جاوے (۴) یوسیفس یہودی مؤرخ جو اسی زمانہ میں ہوا ہے وہ یہی کہہ رہا ہے۔ **جواب** انجیل برنباس کو الہامی نہ کہنا جو حواری تھا اور بیچارے لوقا کی تاریخ کو الہامی کہنا اگر تقلیدِ قوم نہیں تو اور کیا ہے مانا کہ بمنزلہ کتبِ حدیث ہے تو پھر کیا ان سے استدلال نہیں کرتے؟ اگر کسی محمدی نے یہ عبارت اس میں ملا دی تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص نے اس کتاب میں ہر کتب خانہ میں جا کر الحاق کر دیا ورنہ کوئی اصل نسخہ دکھلاؤ کہ جس میں یہ عبارت نہ ہو اور وہ ملحد بھی کہاں کا کراماتی تھا کہ جس نے آنحضرت ﷺ سے پہلے آپ کا نام لکھ دیا اور پھر روئے زمین کے نسخوں پر اس کا قابو چل گیا۔ مسیح کا مصلوب ہونا چشم دید گواہوں سے کہیں بھی قلمبند نہیں ہوا۔ ہاں سنی سنائی بات پولوس کے مریدوں میں چلی آتی ہے۔ یوسیفس نے ہرگز اس کی گواہی نہیں دی ہے، محققین نصاریٰ خود مقرر ہیں کہ یہ عبارت اصل نسخہ یوسیفس میں نہیں ہے بلکہ یہ پادری صاحبان کی چالاکی ہے۔

دوسرا گواہ لوقا اور متی اور مرقس کی انجیل ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی پر رکھ کر صلیب دینے کے لیے چلے تھے اور یہ دستور تھا کہ جو شخص صلیب دیا جاتا تھا وہ اپنی صلیب آپ اٹھاتا تھا (تفسیر سکاٹ ۲۷ متی ۳۲) گرچہ انہیں مؤرخوں نے اسی تقلید سے یہ بھی کہہ دیا کہ مسیح کو صلیب پر کھینچا مگر ان کی یہ تحریر اصل واقعہ کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے۔ انہیں وجوہ سے خود عیسائیوں کے چند فرقے جو اسلام سے پیشتر تھے مسیح کے سولی دیے جانے کا انکار کرتے تھے جیسا کہ فرقہ ماسلیدی۔ سرنتی۔ کارپوکراتی۔ دوسیٹی۔ گناستی۔ ناصری' پوئی ان کی تشریح جسکو منظور ہو وہ تاریخ کلیسا دیکھے۔ اس پر بعض پادریوں کا یہ کہنا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اور زندہ ہونا اسی وقت سے عیسائیوں میں مسلم الکل ہو گیا تھا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (۲) وَرَافِعُكَ الی گرچہ خدا جہت اور مکان سے پاک ہے مگر جہتِ علوی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اب جس طرح آسمان کو اس کا مکان قرار دینا غلط ہے۔ اسی طرح نیچریوں کا آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا انکار کرنا لغو ہے اور تاویلاتِ رکیکہ ہیں جن کا کوئی اہل مذہب بھی اعتبار نہیں کر سکتا یا صرف روح کی رفعت مراد لینا اور یہ کہنا کہ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں بھی روح مراد ہے محض بیکار تاویل ہے کس لیے کہ کوئی بھی کسی کی روح کو قتل نہیں کر سکتا نہ یہود کو اس کا دعویٰ تھا نہ فخر۔ پھر روحانی رفعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے۔ (۳) وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اول تو حواری اور ان کے تلامذہ تھے پھر جملہ عیسائی اور جملہ مسلمانان ہیں۔ سو یہ خدا کی بشارت پوری ہوئی۔ اس دن سے اب تک اور قیامت تک محمدی اور عیسائی ان کے منکر یہود پر غالب رہے اور رہیں گے انشاء اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تخمیناً چالیس برس بعد طیطوس رومی بادشاہ یہود پر چڑھ آیا اور شہر یروشلم کو ڈھا کر تباہ کر دیا اور بیت المقدس کو بھی مسمار کر دیا اور لاکھوں بنی اسرائیل کو قتل کر دیا اور ہزاروں کو پکڑ کر لے گیا اور غلام بنایا۔ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ یہ کچھ پیش آوے گا وہی پیش آیا۔ اس دن سے اور بھی رہی سہی یہود کی عزت و شوکت

خاک میں مل گئی۔ پھر اس دن سے لے کر آج تک وہی حال ہے کہ ان کی حکومت اور سلطنت نہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَ مَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۶۳﴾ ع

اس میں[1] کچھ بھی شبہ نہیں کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ ایسے ہیں کہ جیسے آدم جن کو مٹی سے بنایا پھر ان کو کہا ہو جاؤ سو وہ ہو گئے۔ حق تو وہی ہے جو آپ کے خدا کی طرف سے ہے۔ سو آپ کہیں شک میں نہ پڑ جائیں۔ پھر علم آ جانے کے بعد بھی اس میں جو کوئی آپ سے حجت کرے تو کہہ دیجئے کہ لو آؤ ہم اور تم اپنی اپنی اولاد کو بلائیں اور اپنی اپنی عورتوں کو بھی (بلائیں) اور خود ہم بھی اور تم بھی (جمع ہو جائیں) پھر بہت گڑگڑائیں پھر جھوٹوں پر خدا کی مار ڈالیں۔ بے شک حق بیان تو یہی ہے اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے پھر (اس پر بھی) اگر نہ مانیں تو اللہ مفسدوں کو خوب ہی جانتا ہے۔

ترکیب: مَثَلَ عِیۡسٰی ای صفۃ عیسٰی اسم ان کَمَثَلِ اٰدَمَ خبر خَلَقَہٗ جملہ تفسیر ہے مثل کی۔ فِیۡہِ کی ضمیر عیسیٰ یا ان کے قصہ کی طرف راجع ہے مَنۡ شرطیہ ہے ماضی بمعنی مستقبل۔

تفسیر: قصہ مباہلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرما کر عیسیٰ پرست قوم کی طرف یعنی نصاریٰ کی طرف (جو ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لیے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے) روئے سخن کیا جاتا ہے اور ان کے عقیدہ کا ابطال فرما کر ان کو مباہلہ کے لیے بلایا جاتا ہے کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا ویسا ہی حال یعنی پیدا کرنا ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کا تھا۔ ان کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کو بھی بلکہ آدم کے تو ماں بھی نہ تھیں ان کو مٹی سے پیدا کر دیا تھا اور وہ پیدا کرنا کیونکر تھا صرف کن کہا تھا وہ ہو گئے (ثم تراخی ذکر کے لیے ہے اور جملہ قال لہ کن فیکون اس کا بیان ہے) بات یہی ہے نہ یہ کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔ اے مخاطب! تو ان کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے شبہ میں نہ پڑ جانا اور یہ اس کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔ سینکڑوں حشرت الارض بارہا مٹی سے پیدا ہوتے اور مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ اس پر بھی اے پیغمبر! اگر آپ سے کوئی حجت کرے اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے تو صاف کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اپنی صداقت پر بھروسہ ہے تو آؤ مباہلہ[2] کر لیں۔ دنیا ہی میں جھوٹے پر خدا کی

---

[1] یہاں بھی نیچری مصنف نے بہت ہاتھ پاؤں مار کر مسیح کا یوسف نجار سے پیدا ہونا ثابت کرنا چاہا تھا مگر نہ ہو سکا۔

[2] اس قصہ کو حاکم نے بسندِ صحیح اور ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے دلائل میں جابر سے نقل کیا ہے۔ ۱۲ منہ

مار پڑ جائے گی اور مباہلہ کس طرح کریں کہ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کو لاؤ ادھر ہم بھی لیں اور خود تم بھی شریک ہو اور ہم بھی۔ پھر ہر ایک شخص نہایت عاجزی سے دعا کرے کہ الٰہی جھوٹوں پر خدا کی مار۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس نجران کے نصاریٰ تحقیقِ حق کے لیے حاضر ہوئے جب وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا[1] کہنے سے باز نہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے مباہلہ[2] کی درخواست کی جس پر وہ بھی تیار ہو گئے۔ جب آنحضرت ﷺ [3] امام حسن و حسین اور بی بی فاطمہ اور علی رضوان اللہ علیہم کو ساتھ لے کر قسم کھانے کے لیے نکلے تو نصرانیوں پر ان کے باخدا چہروں کا ایک اثر پڑا تو مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کی اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ نورانی چہرے یہ دعا کریں کہ پہاڑ ٹل جائے تو بے شک ٹل جائے۔ پھر فرماتا ہے کہ صحیح بیان عیسیٰ کی نسبت یہی ہے جو بیان ہوا اور یہ کہ خدا ایک ہی خدا ہے اور اللہ زبردست ہے۔ اس کو بیٹے بیوی کی کوئی حاجت نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمتِ بالغہ سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اگر اس پر بھی نہ مانیں تو خدا مفسدوں سے خوب واقف ہے اس جرم کی سزا دے کر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

(اے نبی!) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! لاؤ ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ کہ جس کو ہم اور تم دونوں برابر مانتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بھی عبادت نہ کریں اور ہم کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو خدا کے سوا (اپنا) مالک بنائے۔ پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ (اس بات پر) گواہ رہو کہ ہم نے تو گردن جھکا دی‘ اے اہل کتاب! تم کس لیے ابراہیم کے معاملہ میں جھگڑتے ہو اور تورات و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔ دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ جس بات میں تم کو کچھ علم بھی تھا اس میں تو تم نے جھگڑا بھی کیا پر جس میں تم کو کچھ علم بھی

---

[1] الوہیت مسیح۔ تثلیث۔ کفارہ ہونا ۱۲ منہ

[2] جب کسی منکر پر حق ثابت کرنا ہوتا ہے تو مباہلہ کیا جاتا ہے جس میں ہر ایک اپنے عزیز اولاد اور عورتوں کو ساتھ لے کر نہایت عاجزی سے دعا کرتا ہے کہ الٰہی جو گروہ جھوٹا ہو اس پر تیری مار وہ غارت ہو جائے۔

[3] کس لیے کہ انفسنا سے اپنے تنکے لوگ مراد ہیں نہ یہ کہ وہ خود نفس پیغمبر ہیں کیونکہ یہ محال ہے یا خود قسم میں آپ کا شریک ہونا مراد ہے۔ ۱۲ منہ

نہیں اس میں کیوں جھگڑتے ہو اور (اس معاملہ کو) اللہ ہی (خوب) جانتا ہے اور تم (مطلق) نہیں جانتے (لوسنو) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ایک طرفہ فرمانبردار تھے اور نہ وہ مشرک ہی تھے۔

ترکیب: اَنْ لَّا نَعْبُدَ جملہ موضع خبر میں ہے بدل ہے کَلِمَةٍ سے ھا تنبیہ کے لیے اَنْتُمْ مبتداء ھٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر حَاجَجْتُمْ جملہ مستانفہ جملہ اولی کا مبین فِیْمَا ما بمعنی الذی عِلْمٌ مبتدا لَکُمْ خبر۔

تفسیر: تقلید آئمہ بروایت ودرایت: اہل کتاب کے عقیدۂ فاسدہ کا ابطال فرما کر اب ایک دوسرے عنوان سے کلام شروع ہوتا ہے کہ مقابل کو اس کے تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اپنے اور اس کے مسلمات سے دلیل لائی جائے اور اگر مقابل نہ مانے تو اس کو خود کہنا پڑے کہ میں خطا کار ہوں۔ وہ یہ کہ نصاریٰ بھی اس بات کو مانتے تھے کہ عبادت خالص اللہ ہی کی کرنی چاہیے اور اس کا کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے۔ توحید پر قائم رہنا چاہیے اور اس کے سوا کسی کو رب نہ بنانا چاہیے کہ جو کچھ وہ کہے خوامخواہ ماننا ہی جاوے۔ یہ تین باتیں ہیں کہ جن کو ہم اور تم دونوں مانتے ہیں۔ پس اگر تم بھی ان پر قائم ہو تو خیر اور جو نہیں مانتے تو تم کو گواہ کرتے ہیں کہ بانا مسلمون ہم تو تسلیم کرتے ہیں جس سے صاف ثابت ہوا کہ تم برسر باطل ہو۔ یہ تین باتیں اس لیے ذکر فرمائیں کہ نصاریٰ کا ان تینوں کے برخلاف عمل اور عقیدہ تھا کس لیے کہ وہ تثلیث کے قائل تھے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدا ہوا۔ پس جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدائی کا حصہ دار بنایا تو پہلی اور دوسری بات کا خلاف پایا گیا اور آنحضرت ﷺ سے پہلے سے لے کر پیچھے تک عیسائیوں میں پوپ اور دیگر مشائخ ومولوی اس مرتبہ پر مانے جاتے تھے اور اب بھی مانے جاتے ہیں کہ اگر وہ سراسر کوئی بات خلاف عقل ونقل بھی کہیں تو بے چون وچرا ماننی چاہیے۔ یہی مذہبی تقلید حرام ہے کیونکہ یہ مرتبہ تو خاص خدا اور اس کے رسول کا ہے جو ملہم ہے کہ بے چون وچرا ان کے قول کو مانا جائے ان کے بعد جو کسی کی بات واجب التسلیم ہے تو محض اس لیے ہے کہ وہ یا تو خدا اور اس کے رسول سے روایت کرتے ہیں یا اس میں درایت سے حکم دیتے ہیں جیسا کہ مجتہدین کیونکہ اس طرح سے ان کا قول تسلیم کرنا گویا خدا اور رسول کا قول تسلیم کرنا ہے۔ پھر جس طرح ان کی تقلید کو ارباب بنا کر حرام کہنا زیادتی ہے اسی طرح ان کی غلطی ظاہر ہو جانے پر بھی ان کے قول پر اڑنا اور نصوص کو چھوڑ دینا بھی زیادتی اور پھر ان کو ارباب بنالینا ہے۔ عیسائی ویہودی مذہب کی حکمرانی کا بھی باعث ہوا ہے۔ اس سے حق پرستی زائل ہو جاتی ہے۔ یہود ونصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی مانتے تھے۔ پھر ہر ایک شخص اپنے مذہب کے برحق ہونے کے لیے یہ کہہ دیتا تھا کہ ابراہیم کا یہی طریق تھا۔ گویا وہ ان کو یہودی اور نصرانی سمجھتے تھے۔ خدا نے اس کا بھی جواب دیا کہ توریت اور اسی طرح انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہے پھر وہ یہودی یا نصاریٰ کیونکر ہو سکتے تھے بلکہ ان کا طریق یہی تھا کہ جس کے زندہ کرنے کو قرآن نازل ہوا وہ تثلیث کے قائل تھے نہ سبت کے نہ وہ تمہاری طرح مشرک تھے۔ اس میں عرب پر بھی تعریض ہے کس لیے کہ وہ بھی ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۗ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

بے شک سب سے زیادہ ابراہیم سے انہیں کو یگانگت ہے جو اس کے پیرو ہیں اور اس نبی (محمد ﷺ) اور ایمانداروں کو بھی اور اللہ ایمانداروں کا حامی ہے۔ اہل کتاب کے ایک گروہ کی تو یہی آرزو ہے کہ وہ تم کو گمراہ کر کے رہیں اور گمراہ تو وہ اپنے آپ ہی کو کر رہے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں۔ اے اہل کتاب! کس لیے اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہو۔ حالانکہ دل میں تم قائل ہو۔ اے اہل کتاب! کس لیے حق بات میں جھوٹی بات ملاتے ہو اور (کیوں) جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے شروع دن میں تو اس پر ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کر دو تاکہ مسلمان بھی (تمہارے ساتھ) پھر جائیں (اور یہ بھی کہا) کہ بجز اس کے کہ جو تمہارے دین پر چلے کسی کو نہ مانو (اے نبی!) کہہ دو ہدایت تو اللہ ہی کی طرف کی ہدایت ہے اس لیے اس (حد) سے کہ جیسا (دین) ان کو دیا گیا تھا اور کسی کو (کیوں) دیا جاتا ہے یا (اس خوف سے) کہ مسلمان ان کو خدا کے روبرو ملزم نہ ٹھہرائیں۔ فضل و کرم تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے دے اور اللہ کی رحمت فراخ ہے (وہ) سب کچھ جانتا ہے رحمت سے مختص کرتا ہے اور اللہ بڑا افضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَوْلٰی اسم تفضیل ہے ولی یلی بمعنی قریب شدن سے یہ اسم اِنَّ کا بِاِبْرٰهِیْمَ متعلق ہے اَوْلٰی سے لَلَّذِیْنَ مع معطوف خبر اِنَّ لَوْیُضِلُّوْنَ میں لَو مصدریہ ہے بمعنی آن۔ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ استثناء ہے ماقبل سے ای لاتقروا الالمن پس لا زم زائد نہیں اور ممکن ہے کہ زائد اور محمول علی المعنی ہو۔ ای احجدوا کل احد الامن۔ اَنْ یُّؤْتٰی میں تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ موضع جر میں ہو تقدیر یہ ولا تومنوا بان یوتی احد الخ (۲) نصب حرف جر کو حذف مان کر ان صورتوں میں یہ تتمہ کلام یہود کا ہو گا کہ تم اے یہود کسی غیر سے یہ نہ کہو کہ ہماری کتاب اور ملت کے مانند کسی اور کو بھی ملا ہے (او یحاجوکم کا عطف ان یوتی پر ہو گا اور او بمعنی و) ایسا نہ ہو کہ مسلمان تم کو عند اللہ الزام دیں۔ اس تقریر پر ایمان بمعنی اقرار ہے قل ان الہدی الخ جملہ معترضہ ہو گا خدا کی طرف سے جیسا کہ کفر کی بابت نقل کرتے وقت نعوذ باللہ کہتے ہیں (۳) یہ خدا کی طرف سے جملہ ہو جو بمعنی مفعول لہ ہے یعنی اے یہود تم اس حسد سے یہ باتیں کرتے ہو کہ تمہاری طرح اوروں کو کتاب ملی یا اس خوف سے کہ مسلمان تم کو الزام دیں گے سو یہ تمہارا خیال لغو ہے ہدایت اور فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ مختار ہے جس کو چاہے دے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ ہر فریق ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اب فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا واسطہ نسل اور اولاد ہونے سے نہیں بلکہ اتباع سے کسی بزرگ کے ساتھ محبت و اختصاص اس کے اتباع سے مربوط ہے۔ رسمی باتوں سے کوئی ثمرہ نہیں اصلی متبع ابراہیم کے یہ نبی یعنی

رسول کریم اوران کی امت ہے جو اصولِ ملت کے پیرو ہیں۔اس کے بعد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے مکر ذکر فرما کر ایمانداروں کو ہوشیار کرتا ہے تا کہ ان کے داؤ میں نہ آجاویں کیونکہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام سے برگشتہ کر کے اپنی طرف پھیرلیں۔ منجملہ ان کے مکروں کے یہاں چند مکر ذکر کرتا ہے۔ (۱) یہ کہ حضرت ﷺ کے معجزات کو سحر کہتے تھے اوران بشارتوں کو جو کتبِ سابقہ میں ہیں باوجود شہادت دینے کی تاویلیں کر کے انکار کرتے تھے۔اس کو لم تکفرون الخ میں ظاہر کیا جان بوجھ کر احکامِ الٰہی میں تحریف کرتے اور اسلام سے اس کو دوسرے طور پر کچھ ملا کر دکھاتے تھے تا کہ ایک دوسرے میں تصدیق اور مطابقت نہ ہو جس سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو لم تلبسون الخ (۲) یہ کہ چند لوگوں سے کہا جاؤ تم اول دن میں مسلمان ہو جانا پھر شام کو انکار کر دینا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کوئی ایسی ہی بات اسلام میں دیکھی ہوگی جو یہ اس سے پھر گئے جس سے مسلمان بھی پھر جاویں وَقَالَتْ طَائِفَةٌ (۳) یہ کہ کوئی کچھ ہی کہے اپنے دین کے سوا کسی کو نہ ماننا کیونکہ ہماری مثل اور کون ہے کہ جس کو کتاب ملی ہے۔اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے یہ اس کا فضل ہے، کچھ یہود ہی پر خاص نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اہلِ کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس خزانہ بھی امانت رکھیں تو تم کو واپس دے دیں اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ کے پاس ایک دینار کہیں امانت رکھیں تو وہ بغیر اس کے کہ آپ ان کے سر پر کھڑے رہیں آپ کو کبھی واپس نہ دیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ جاہلوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ ہاں جو کوئی اپنے عہد کو پورا کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو بے شک خدا بھی ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں سے قدرے قلیل مال حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں (کوئی) حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف (نظرِ رحمت) سے دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا بلکہ ان کو عذابِ الیم ہوگا اور ان میں ایک ایسا فریق بھی ہے کہ جو کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتا ہے تا کہ تم اس کو بھی کتاب سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور وہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

ترکیب: مَنْ اِنْ تَامَنْهُ مبتداء مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ خبر اور شرط اور جواب کا مجموعہ صفت ہے مبتداء کی کیونکہ وہ نکرہ ہے۔ بِقِنْطَارٍ بمعنی فی یا علی ہے اِلَّا مَا دُمْتَ موضع نصب میں ہے کیونکہ ظرف ہے الا مدة قیامک دائما اور حال بھی ہوسکتا ہے۔ سَبِیْلٌ اسم لَیْسَ فِی الْاُمِّیّٖنَ خبر یَلْوُنَ صفت ہے فَرِیْقًا کی جو اسم ہے ان کا اور مِنْهُمْ اس کی خبر ہے۔

تفسیر: یہود کی سرزنش کے بعد یہ بتانا کہ سب یکساں نہیں کچھ ان میں ایماندار خداترس بھی ہیں، پوری حق گوئی ہے۔ یہ بات کہ انسان کتابِ الٰہی اور احکامِ دینیہ میں خیانت نہ کرے، حق میں باطل نہ ملاوے، کامل ایمانداری اور پوری دیانت پر موقوف ہے اور جس کو دنیاوی باتوں میں دیانت نہیں پھر اس قوم کا دین اور کتاب کی حفاظت اور تحریف نہ کرنے میں کیا اعتبار ہے؟ اگرچہ یہود میں خداترس لوگ بھی تھے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ اگر ان کے پاس کوئی بے شمار خزانہ بھی سپرد کردے تو کبھی خیانت نہ کریں۔ اس لیے ان لوگوں نے تورات و زبور کی بشارتوں میں سے کہ جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا۔ خیانت نہ کر کے اسلام قبول کیا لیکن پیشتر تو ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار یعنی اشرفی سپرد کی جائے تو کبھی نہ دیں، پھر ان کا دینی شہادتوں میں کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟ چونکہ یہود کا ستارۂ اقبال غروب کر چکا تھا اکثر ان میں ایسی ایسی خباثتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی سے پیدا ہو چکی تھیں۔ حادثہ پر حادثہ پیش آتا تھا مگر وہ خوابِ خرگوش سے بیدار نہ ہوتے تھے بلکہ اپنی اسی ذلیل حالت اور بدمعاشیوں میں مست تھے۔ منجملہ بدمعاشیوں کے ایک یہ بات تھی کہ وہ کہتے تھے ہم اہلِ کتاب ہیں اور باقی تمام دنیا جاہل ہے۔ بنی اسرائیل کو ان سے خیانت کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور اسی طرح دیدہ دانستہ بہت سی جھوٹی باتیں بنا رکھی تھیں۔ جیسا کہ برہمنوں نے ہندوؤں کے بہکانے کے لیے بنا رکھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ غلط بلکہ جو کوئی ہو خواہ بنی اسرائیل ہو یا نہ ہو برہمن، سید، پیرزادہ ہو یا نہ ہو خدا سے ڈر کر اس کے عہدِ شریعت کو پورا کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا اور جو اس کے برعکس کرے گا وہ قیامت میں عذابِ الیم پاوے گا اس کی طرف خدا عنایت کی نظر بھی نہ کرے گا۔ از انجملہ ایک بدمعاشی یہ تھی کہ لوگوں کے بہکانے کے لیے زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے اور اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے حکم ہے حالانکہ وہ اس کی طرف سے نہ ہوتا تھا اور ایسی جھوٹی باتیں عمل میں لایا کرتے تھے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ
كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ
اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

کسی بشر کا بھی یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے (یہ) کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) تم خدا پرست ہو کر رہو (اس لیے کہ) تم کتاب پڑھاتے اور خود بھی پڑھتے رہے ہو اور اللہ یہ بھی نہ کہے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو کیا (یہ ممکن ہے کہ) تم کو اسلام لانے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا؟ اور (اس وقت کو یاد کرو) کہ جب اللہ نے (لوگوں سے) نبیوں کی بابت عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی دوں پھر جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کے لیے کوئی رسول تمہارے پاس آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا۔ سب نے (بالاتفاق) کہا ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا پھر تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں پھر جو اس (مضبوطیِ اقرار) کے بعد پھر جائیں تو وہی نافرمان ہیں۔

ترکیب: بِمَا كُنْتُمْ صفت رَبَّانِيِّيْنَ کی اور ممکن ہے کہ رب سببیہ ای ہو کُوْنُوْا بهذا السبب تب یہ کَانَ سے متعلق ہوگا اور مَا مصدریہ ای بتعلیمکم الکتاب۔ لما اتیتکم اگر بکسر لام پڑھا جاوے تو یہ لازم یا اخذ سے متعلق ہوگا ای اخذ لهذا المعنی مگر مضاف محذوف ہوگا ای لرعایۃ ما اتیتکم یا مِيْثَاقَ سے متعلق ہوگا۔ ای یوثقنا علیهم لذلک اور ما یا موصولہ موصوفہ ہوگا اور عائد محذوف اس سے مِنْ كِتَابٍ حال ہوگا اور جو لام کو بالفتح پڑھا جاوے تب مَا بمعنی الذی مبتداء ہوگا اور لام تاکید قسم کے لیے ہوگا اور خبر یا مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ہوگی یا لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ اور یا مَا شرطیہ اور لام قسم کے لیے ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ اس کی شرط اور لام جواب قسم میں واقع ہے اور بعض نے لما بالتشدید پڑھا ہے جو ظرف زماں ہے۔

تفسیر: جب عیسائی الوہیت مسیح اور تثلیث وغیرہ عقائدِ فاسدہ میں ہر طرح سے ملزم قرار دیے جاتے ہیں تو عاجز ہو کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ باتیں گو دلائلِ عقلیہ سے ثابت نہیں مگر نقل سے ثابت ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے تئیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور وہ کلمات بھی ذکر کیے ہیں کہ جن سے ان کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے اور روح القدس کا بھی شریکِ الوہیت ہونا پایا جاتا ہے۔ ان کے فرمانے سے ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ وہ بشر تھے اور ان کو کتاب و نبوت سے سرفرازی ہوئی تھی۔ پھر ایسا برگزیدہ بشر کسی کو حکم دے سکتا ہے کہ بجائے خدا کے مجھ ہی کو خدا سمجھ کے پوجو؟ ہرگز نہیں وہ یہی حکم دیتا ہے کہ تم اپنی کتاب کی تعلیم و تدریس کے موافق ربانی یعنی رب پرست یعنی رب کو ماننے والے خدا پرست ہو رہو نہ وہ یہ حکم دے گا کہ تم ملائکہ روح القدس اور انبیاء کو رب بنا لو۔ ان کی پرستش کرو' کیا وہ تم کو اس کے بعد کہ تم مسلمان خدا کے فرمانبردار موحد تھے' کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے تھے کفر کا حکم دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یہود و نصاریٰ اپنے ہادیوں کی تعلیم اور ان کی کتابوں کے برخلاف خدا پرستی چھوڑ کر انبیاء و ملائکہ پرستی کیا کرتے تھے۔ ان پر الزام دیا جاتا ہے کہ یہ تمہارے انبیاء نے ہرگز نہیں فرمایا تھا۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ کا جو وہ انکار کرتے تھے اس کی بابت ان پر سرزنش کی جاتی ہے کہ تم اس عہد کو بھی تو یاد کرو جو تم سے آنے والے انبیاء کی بابت لیا گیا تھا۔ اس وقت تم کو کتاب اور حکمت دی گئی تھی کہ جب تمہارے پاس کوئی رسول اصولِ ملت کا مصدق آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد بھی کرنا اس پر خدا نے تم سے پوچھ بھی لیا تھا کہ تم کو اقرار ہے اور تم اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو؟ تم نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے اقرار کر لیا تب خدا نے فرمایا تھا کہ دیکھو تم بھی گواہ رہو اور میں بھی گواہ ہوں۔ باوجود اس عہدِ مؤکد کے پھر تم نے کیا کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے بعد جبکہ تلافیِ مافات کا وقت باقی تھا' محمد ﷺ کا انکار کیا اور اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر جو اپنے ایسے عہد سے پھرے تو وہ فاسق نہیں تو اور کون ہے؟ اس عہد کا پتا توریت سفر استثناء سے بھی لگتا ہے کہ اسرائیلیوں کو جمع کر کے موسیٰ نے آنے والے نبی کی بابت وصیت کی تھی۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ آسمان والے اور زمین والے چار و ناچار اسی کے حکم بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (اے نبی!) کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملا سب پر ایمان لائے۔ ہم ان میں کچھ بھی فرق نہیں کرتے اور ہم نے اسی (ایک خدا) کے آگے سر جھکا دیا ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا سو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ (شخص) آخرت میں خسارہ (اور نقصان) میں رہے گا۔

ترکیب: غَیْرَ منصوب ہے یَبْغُوْنَ کی وجہ سے وَمَنْ یَّبْتَغِ ابتغاء سے مشتق ہے جس کے معنی تلاش کرنا یہ شرط غَیْرَ الْاِسْلَامِ منصوب ہے صفت ہو کر دینا کی جو مقدم ہونے سے حال ہو گیا وَھُوَ الخ جواب۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں تھا کہ جو نبی تمہارے دین کی تصدیق کرنے والا آئے تو تم پر ضرور ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس پر یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ مسلم لیکن یہ نبی ہمارے دین اور کتاب کا مصدق نہیں کیونکہ الوہیت مسیح اور تثلیث ہمارے دین کا اصل الاصول ہے۔ سو یہ اس کا رد کرتے تھے۔ پھر ہم کیونکر ان پر ایمان لاویں (چنانچہ اب بھی پادری یہی اعتراض کیا کرتے ہیں) اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں تمہارے دین کے اصول نہیں بلکہ یہ افراط و تفریط انبیاء علیہم السلام کے بعد تمہارے دین میں پیدا ہوئی ہیں جس کے دور کرنے کے لیے اس اخیر نبی کی ضرورت ہوئی ورنہ انبیاء سے باوجود مرتبۂ شہود کے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی خلافِ فطرت باتیں کہیں اور کسی کو شریکِ خدائی ٹھہرائیں کیونکہ وہ مقامِ شہود میں دیکھ رہے ہیں کہ آسمان و زمین کی ہر چیز ملائکہ و بنی آدم اہل ایمان تو از خود اور حجر و شجر و کفار جبراً اس ہی کے آگے سرنگوں ہیں۔ ہر انسان زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ دراصل الٰہِ حق وہی ہے جو مجھ کو مجبورانہ میدانِ وجود میں کھینچے لا رہا ہے۔ بے اختیار جوانی پر بڑھاپا مرض و تندرستی آتی ہے۔ اسی طرح ہر چیز عالمِ ہستی سے پھر اسی کی طرف چلی جا رہی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو حق نہیں کہ وہ معبود بنایا جائے۔ یہی دین اصل ہے اس کے برخلاف دینِ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ غیر دینِ الٰہی مانا جاوے؟ دین اللہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جملہ انبیاء پر ایمان لایا جاوے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل کے انبیاء خصوصاً موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر جو کچھ نازل ہوا اور ہم پر جو کچھ نازل ہوا سب پر ایمان لائے۔ کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم خدا کے جملہ احکام

ماننے کے لیے بھی گردن جھکائے ہوئے ہیں اور اسی کا نام مذہب اسلام ہے پھر جو کوئی اس دین کے خلاف جو تمام سلسلۂ انبیاء کا مذہب ہے دوسرا دین اختیار کرے گا۔ ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ گو دنیا میں وہ اس غلط مذہب پر اعتماد کر کے اس میں ہزار کوشش کرے مگر آخرت میں کامیاب نہ ہوگا بجائے نفع کے خسارہ اٹھاوے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ع ۹ ۱۱ ۱۷

خدا ایسی قوم کو کیوں ہدایت دینے لگا تھا جو ایمان لا کر اور رسول کے برحق ہونے کی شہادت دے کر جو ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا منکر ہو گئے اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی یہی سزا ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی ایسی لعنت ہو کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں۔ نہ ان کے عذاب میں کمی ہو اور نہ ان کو مہلت ہی ملے مگر جنہوں نے کہ اس کے بعد توبہ کر لی اور سدھر گئے تو بے شک اللہ غفور الرحیم بھی ہے البتہ جو ایمان لا کر کافر ہو گئے پھر اور بھی کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی گمراہ بھی ہیں۔ بے شک جو کافر ہوئے اور کفر ہی میں مر گئے تو وہ اگر تاوان میں زمین بھر کر بھی سونا دیں تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ انہیں لوگوں کو عذاب الیم ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

ترکیب: کَیْفَ حال ہے اور عامل اس میں یَھْدِیْ ہے شَھِدُوْٓا حال ہے ضمیر کَفَرُوْا سے اُولٰٓئِکَ مبتداء جَزَآؤُھُمْ مبتدا ان اور اس کا اسم و خبر مجموعہ خبر پھر یہ تمام جملہ مبتداء اول کی خبر ہوا خٰلِدِیْنَ حال ہے ضمیر عَلَیْھِمْ سے اور عامل اس میں جار یا اس کا متعلق ہے ذَھَبًا تمیز ہے مِلْء سے اور بہٖ کی ضمیر اسی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ منکروں کے لیے ہر قسم کے بیان شافی ذکر فرما چکا اور پھر بھی وہ ہدایت پر نہ آئے تو جس طرح طبیب علاج کر کے جب صحت نہیں دیکھتا تو یہی کہتا ہے کہ تم کو کس طرح تندرستی ہو تم ایسی ایسی بدپرہیزی کرتے اور کر چکے ہو اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے تیرہ باطن اور سیاہ قلب لوگوں کو کیونکر ہدایت ہو کہ جو قبل ظہور نبی علیہ السلام ان کی کتب سابقہ میں بشارتیں دیکھ کر ان پر ایمان رکھتے تھے اور اس رسول کے برحق ہونے کی گواہیاں بھی دیا کرتے تھے (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہم نے بیان کیا ہے) باوجود اس کے حضرت ﷺ کے بیشمار معجزات بھی دیکھ چکے ہیں لیکن پھر عناد سے منکر ہو گئے۔ سو ایسے ازلی بدبختوں کو ہدایت نہیں ہوتی۔ ان کی سزا دنیا میں خدا کی اور فرشتوں اور

سب خدا شناس لوگوں کی پھٹکار اور آخرت میں عذابِ الیم ہے۔ کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ وہ ایک جو صدقِ دل سے توبہ کر لیتے ہیں ان کے حق میں اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا الخ فرمایا[1] کہ خدا ان کو معاف کرتا ہے۔ دوم وہ جو صدقِ دل سے توبہ نہیں کرتے اور باوجود اس کے ہمیشہ پیغمبر کا مقابلہ کر کے کفر میں زیادہ بڑھتے جاتے ہیں جیسا کہ یہودِ مدینہ ان کے لیے لَنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ فرمایا کہ ان کی ہرگز توبہ قبول نہ ہوگی یعنی اس کی ان کو توفیق ہی نہ ہوگی تاکہ توبہ قبول ہو۔ تیسرے وہ جو سرے سے توبہ ہی نہیں کرتے اور حالتِ کفر ہی میں مرجاتے ہیں۔ ان کی نسبت تین باتیں فرمائیں (۱) اگر وہ بالفرض زمین بھر کر سونا بھی تاوان میں دیں تو ہرگز آخرت میں قبول نہ ہوگا۔ (۲) ان کو عذابِ الیم ہوگا (۳) کوئی ان کا مددگار اور سفارشی نہ ہوگا اس مرضِ روحانی کا یہی نتیجہ بد ہے۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

(لوگو) تم کو ہرگز نیکی نہ ملے گی جب تک کہ تم کچھ اپنی دل پسند چیز میں سے خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو سو اس کو خدا خوب جانتا ہے۔ ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کو حلال تھا۔ مگر وہ کہ جو (خود) اسرائیل (یعقوب) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (اے نبی!) کہہ دو تورات لا کر پڑھو تو سہی اگر تم سچے ہو۔ پھر جو کوئی اس کے بعد بھی خدا پر جھوٹ باندھے تو وہی بے انصاف ہیں۔

ترکیب: مِمَّا بمعنی الذی یا نکرہ موصوف ہے اور مصدر یہ نہیں ہو سکتا، بہ کی ضمیر ما یا شیء کی طرف رجوع کرتی ہے اِلَّا مَا حَرَّمَ موضع نصب میں ہے کس لیے کہ یہ استثناء خبر کان سے ہے۔ مِنۡ قَبۡلِ متعلق ہے حَرَّمَ سے مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ متعلق ہے اِفۡتَرٰى سے۔ اَلطَّعَامِ بمعنی المطعومات والمراد اکلہا اور حل مصدر ہے اس میں جمع اور واحد مذکر مونث سب یکساں ہیں۔

تفسیر: اگلی آیت میں ذکر تھا کہ قیامت میں کفار اگر زمین بھر کر بھی سونا دیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اس مناسبت سے دنیا میں اللہ کی راہ میں صرف کرنے کا ذکر آ گیا کہ تم کو بر یعنی نیکی اور جزائے کامل اور ابرار لوگوں کا مرتبہ جب ہی ملے گا کہ جب تم اپنی دل پسند چیز کو صرف کرو گے۔ یہ کہ ایک ایسے پاکیزہ الفاظ میں مطلب ادا کیا ہے کہ جس میں ہزاروں اسرار کی طرف اشارہ ہے مثلاً اول انسان کی محبوب چیز اس کی جان ہے۔ اس کا صرف کرنا یہ کہ روح کو اس کے مشاہدۂ جمال میں محو کر دے پھر اس کا بر وصالِ حقیقی ہے یا اس کو اللہ کے دین اور اشاعتِ خیر میں صرف کر کے شہید ہو جائے پھر اس کی حبِ جاہ اور رنگارنگ کی طبعی اور بہی بیجا خواہشیں ہیں ان کا صرف کرنا ان کو چھوڑ دینا ہے اور بعد

ف: الملء بالکسر مقدار ما یملاء الشیء والملء بالفتح مصدر والمعنی مقدار ما یملاء الارض

[1] جیسا کہ حرب بن سوید انصاری مرتد ہو گیا تھا مگر اس نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوگئی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا یہ قصہ شانِ نزول قرار دیا ہے (ک)۔ ۱۲ منہ

اس کے اس کا مال[1] اور اس کے عمدہ عمدہ علوم اور فائدہ بخش کام ہیں۔ ان کو بھی اس کی راہ میں صرف کرے۔ اسی طرح غصہ میں دشمن سے انتقام لینا بھی بڑی مرغوب چیز ہے اس کو بھی صرف کرے تا کہ مجلسِ ابرار اور عالم قدس میں رتبہ پاوے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت میرے پاس مرغوب مال صرف ایک باغ بیرحاء نامی ہے۔ آپ اس کو خدا کی راہ میں جیسا مناسب جانیں صرف کر دیں (بخاری) اس وقت عرب کی قوم نے سب سے اول اس مسئلہ پر عمل کر کے دنیا اور دین کی سلطنت حاصل کی تھی اور اسی لیے خدا پرست لوگ ہمیشہ لذائذ اور قوائے بہیمہ کو جوش میں لانے والی چیزوں کو صرف کرتے اور ان کا کھانا ترک کر دیتے تھے جیسا کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور بعض چیزیں جو شرعاً ملتِ ابراہیمیہ پر حلال تھیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور یہ معاملہ تورات سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ ان کی تقلید سے بنی اسرائیل میں بھی ان کی حرمت چلی آتی تھی جس پر مدینہ کے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے لگے کہ آپ ملتِ ابراہیمیہ کے مدعی ہو کر یہ چیزیں کیوں کھاتے ہیں؟ خدا تعالیٰ نے اس کے ضمن میں ان کو جواب دیا کہ اونٹ کا گوشت اور یہ بعض چیزیں ہرگز ابراہیم پر حرام نہ تھیں تم جو تورات کا حوالہ دیتے ہو تو اچھا تورات[2] لا کر اس میں دکھاؤ کہ یہ چیزیں خدا نے ابراہیم پر حرام کی تھیں؟

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

وقف جبرئیل علیہ السلام

کہہ دو اللہ نے سچ فرما دیا ہے پس (اس کے فرمانے کے بموجب) ابراہیم کے طریقہ پر چلو جو ایک طرفہ تھے اور (وہ) کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے بے شک (سب سے) اول گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا وہ گھر جو مکہ میں ہے وہ مبارک اور دنیا بھر کے لیے رہنما ہے۔ اس میں بہت سی نشانیاں ظاہر ہیں (منجملہ ان کے) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو کوئی اس میں چلا جاتا ہے تو امن پاتا ہے اور لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ کے لیے اس گھر کا حج کریں ان پر کہ جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جو کوئی نافرمانی کرے[3] تو اللہ کو بھی مخلوقات میں سے کسی کی کچھ پروا نہیں۔

ترکیب: حَنِيْفًا حال ہے اِبْرٰهِيْمَ سے اور ممکن ہے کہ مِلَّةَ سے بھی ہو کیونکہ مِلَّةَ بمعنی دین ہے پھر حال اور ذوالحال دونوں مذکر ہیں وُضِعَ

[1] کل الطعام سے وہ کل طعام مراد ہیں کہ جن میں بحث تھی جیسا کہ اونٹ کا گوشت۔ اس سے ہر قسم کا کھانا مراد لے کر قرآن پر یہ اعتراض کرنا (کہ ہر قسم کا کھانا کب بنی اسرائیل کو حرام تھا) لغو بات ہے۔

[2] فاتو بالتورات ان کے ادعا کے موافق فرمایا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موسیٰ کی اصلی تورات بلا تفسیر موجود تھی۔ ف النیل ادراک الشی والمحوفة یقال نالنی من فلان معروف وای وصل الی والنوال العطاء یقال نوانہ تنویلا والتناول یقال علتہ انوار (۱۳) کس لیے کہ ماسوائے اللہ کے جب ایک حجاب اکبر ہے اس کا صرف کرنا یعنی مقصود کا حاصل کرنا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی باوجود استطاعت کے حج بیت اللہ نہ کرے بلانے سے اس کے دربار میں نہ آئے تو اس کو بھی کسی کی پروا نہیں۔ ۱۲ منہ

موضع جر میں صفت بیت کی اور لِلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اُن کی خبر بَکَّۃَ یعنی مکہ ہے م اور ب کا بدلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ لازب اور لازم بعض کہتے ہیں مکہ شہر اور بکہ مسجد الحرام ہے۔ مُبٰرَکًا اور ھُدًی دونوں ضمیر وضع سے حال ہیں۔ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مبتدا فیہ خبر مَقَامُ اِبْرٰھِیْمَ مبتداء اور خبر محذوف ای منہاج البیت بالفتح والکسر بعض کہتے ہیں بالکسر اسم مصدر ہے مبتداء عَلَی النَّاسِ حبر للّٰہ متعلق علیٰ[1] سے متعلق ہے مَنِ اسْتَطَاعَ الناس سے بدل بعض ہے۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے پہلی گفتگو کا کہ اللہ نے سچی بات کہہ دی۔ اب اسی پر فیصلہ ہے کہ جو دین ابراہیم کا ہے چلو اس کو اختیار کرو اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں دو وصف تھے۔ ایک یہ کہ وہ حنیف تھے یعنی ادھر ادھر بھٹکتے نہ تھے ایک طرف کے ہو رہے تھے سب کو ترک کر کے اللہ کی ذات پر تکیہ لگا رکھا تھا۔ حنیف ایسا عام وصف ہے کہ جس کی شاخیں خلت' توکل' رضا' قناعت' صبر' دنیا سے نفرت کر کے عالم آخرت کی طرف رغبت' سچ بولنا' وغیرہ خصائلِ حمیدہ ہیں اور دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ مشرک نہ تھے نہ شرک جلی (کہ کسی کو خدا کے سوا الوہیت میں شریک کیا جائے) ان کا شیوہ تھا نہ شرک خفی یہاں تک کہ اپنے جمیع کاروبار اور تمام عالم کا سلسلۂ احتیاج اس کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ اب غور کرو کہ ان اصل اصول باتوں میں سے اے اہل کتاب کونسی بات ابراہیم علیہ السلام کی تمہارے پاس ہے۔ اے یہود کیا ختنہ کرنا اور سبت کا ماننا اور بعض چیزوں کی حلت و حرمت جو حسبِ مصلحت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی اصل اصول ملت ابراہیمیہ ہے؟ اور عیسائیو! کیا عشائے[2] ربانی اور بپتسمہ[3] اور مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا جاننا اور اس اعتقاد پر کہ وہ ہمارے گناہ اٹھا کر لے گئے۔ خداوند تعالیٰ کی تمام شریعت کو لغو سمجھنا بلکہ بقول پولوس شریعت پر عمل کرنے والے کو لعنتی خیال کرنا اصولِ ملتِ ابراہیمہ ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو تمہارے مشائخ کی قلعی چڑھائی ہوئی اور نفس اور وہم کی ملونی ہے۔ انہیں ضرورتوں کے لیے تو سب سے اخیر ایک نبی عربی کے بھیجنے کی ضرورت پڑی جس کی خبر اب تک تورات و زبور وغیرہ کتبِ سابقہ میں پائی جاتی ہے۔ بالخصوص یسعیاہ نبی کی کتاب بیالیسویں (۴۲) باب میں تصریح ہے۔ ان دونوں لفظوں سے یہود اور عیسائیوں اور مشرکینِ عرب کو کس لطف کے ساتھ ملتِ ابراہیمیہ سے مخالف ہونے پر الزام دیا ہے۔

عدمِ ضرورتِ قرآن کا جواب: ایک پادری نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں جا بجا ثابت کر کے کہ قرآن کی فلاں بات تورات سے ماخوذ ہے' فلاں یہودیوں کی تاریخوں سے' فلاں طالمود[4] سے فلاں جگہ سے' فلاں مشنا سے' فلاں مشرکین عرب سے' فلاں عیسائیوں کی معتبر اور غیر معتبر انا جل سے۔ خیالی پتھر پھینکے ہیں۔ پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ منجملہ اعتراضات کے ایک اعتراض ملتِ ابراہیمہ کی پابندی پر کیا ہے۔

> "قولہ تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دین (ابراہیمی) کا خیال پیشتر بھی تھا اور وہیں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس تعلیم کے مشاہدہ کرانے پر آمادہ ہوا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر حنیفہ کر کے ایک گروہ تھا وہ اپنے تئیں ابراہیمی صابئین کہتے تھے اور شروع میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے تئیں ان میں سے ایک قرار دیا تھا ان کا طریق یہودی عیسویت کی صورت رکھتا تھا۔ وہ ایک خدا کو مانتے تھے۔ ان کے پاس توریت اور انجیل اور ابراہیم اور موسیٰ کی روایتیں تھیں اور یہ روایتیں یہودیوں کی کتب مدارس میں پائی جاتی تھیں۔ جو پریوں اور فرشتوں کے قصہ تھے۔ اس فرقہ میں کئی مشہور آدمی تھے۔ ان میں سے ایک عمایہ مشہور شاعر تھا جو

---

[1] ای استقر اللہ علی الناس ۱۲ منہ

[2] ایک روز پادری لوگ بڑے اہتمام سے روٹیاں یہ تصور کر کے کھاتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت ہے۔ ۱۲ منہ

[3] عیسائی ہوتے وقت حوض میں غوطہ دینا یا رنگ ڈالنا بعض صرف چھڑ کنا ہی کافی جانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[4] یہود کے مذہب اور تاریخ کی کتابوں کے نام ہیں۔ ۱۲ منہ

محمد (ﷺ) کی ہجو کیا کرتا تھا اور چار شخص محمد (ﷺ) کے رشتہ دار تھے اور ورقہ بھی ان میں سے تھا اور زید بھی۔ مکہ میں بت پرستی اور دختر کشی کی ممانعت اور توحید کی تعلیم دیا کرتا تھا اور محمد (ﷺ) بھی اس کا شاگرد ہو چکا تھا پھر چونکہ طالمود میں ابراہیم پر لفظ مسلم بولا گیا ہے جس کے معنی راستبازی کے ہیں' وہی محمد (ﷺ) نے بھی قرآن میں بولا اور پھر جگہ جگہ یعنی طالمود کے تاریخی حصہ میں جو کچھ مذہب ابراہیم کی تشریح ہے کہ وہ ایک خدا کو مانتا تھا اور رحم دل تھا اور خدا سے محبت رکھتا تھا اور نمرود نے ان کو آگ میں ڈالا لیکن وہ صحیح سلامت نکل آئے وغیرہ باتیں تحریر ہیں۔ وہی محمد (ﷺ) نے سیکھ کر قرآن میں لکھ دیں اور دعویٰ کیا کہ مجھ کو الہام ہوا ہے انتہا ملخصا۔

جواب پادریوں کو: پادری لوگ جس طرح راست بازی اور انصاف سے بے بہرہ ہیں اسی طرح تاریخ عرب سے بھی بے بہرہ ہیں۔ اول تو ورقہ اور زید ہرگز صابئی نہ تھے بلکہ مؤحدین میں سے تھے اور صابئی ستارہ پرست قوم تھی۔ دوم صابیوں کا کوئی فرقہ تورات اور انجیل اور ان کی روایتوں کو نہیں مانتا نہ ان کا طریق یہودیت اور عیسویت کے ساتھ تھا اور ورقہ خاص رومن کیتھولک مذہب کا عیسائی تھا جو اخیر میں حضرت نبی ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لایا تھا اور زید اور آنحضرت ﷺ میں زمانۂ تعلیم و تعلم پایا نہیں گیا۔ وہ ایک مؤحد شخص تھا جو آپ سے کہیں پہلے مر گیا۔ پھر شاگردی کا الزام لگانا محض دروغِ بے فروغ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ طالمود میں اور یہودیوں کی دیگر کتابوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصوں کا قرآن کے مطابق پایا جانا سو یہ منافیِ الہام نہیں۔ کیا الہامی بات کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ تمام تاریخی کتابوں کے برخلاف ہو؟ پھر اگر یہی ہو تو اناجیلِ اربعہ میں سے جو سب سے اول ہے اس کے علاوہ سب غلط اور غیر الہامی ہیں کیونکہ وہ تاریخی کتاب یا لوگوں کے حوالہ سے لکھی گئیں۔ اسی طرح بائبل کی کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل کو غلط کہنا پڑے گا۔ علاوہ اس کے حضرت کے پاس طالمود اور مدارس وغیرہ کتابوں کا جاننے والا کون تھا اور وہ کتابیں اب تو مشہور ہی نہیں جب کہاں تھیں اور اگر کوئی یہودی تھا تو اس پر کیا مصیبت تھی کہ جو اپنے شاگرد پر ایمان لاتا۔ اگر آپ سے پہلے کسی نے ملتِ ابراہیمیہ کا دعویٰ کیا تو آپ کے نبی مصلح دین ہونے میں کیا فرق آیا۔ کیا حضرت عیسیٰ سے پہلے دینِ موسوی کے مدعی اور مصلح نہیں گذرے ہیں بلکہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے استاد موجود تھے جن سے انہوں نے خود تعلیم پائی اور پھر وہی لفظ بولے جو ہمیشہ بولتے آئے ہیں۔ پھر کہیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں اور ان کی کتابوں کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن خود مدعی ہے کہ اصل اصول انبیاء علیہم السلام کا تحریفات دور کر کے زندہ کرنے والا ہے۔ پھر اگر وہ اصول صابیوں' مجوسیوں' عربوں' یہودیوں' عیسائیوں میں بھی کچھ باقی رہ گئے تھے اور ان کی تحریف دور کر کے قرآن نے اپنے جواہر کو لے لیا تو کیا یہ سرقہ ہے۔ پھر کیا قرآن ان کا سرے سے انکار کرتا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد بناتا جیسا کہ جعلی پیشوایانِ مذہب نے کیا ہے۔

فضائلِ کعبہ: اب ہم تفسیرِ کلامِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہود کا جس طرح اونٹ کے گوشت اور دودھ کھانے پینے کی بابت آنحضرت ﷺ پر اعتراض تھا اسی طرح وہ کعبہ کی بابت اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ نے تمام انبیاء کا قبلہ اور سب سے قدیم بیت المقدس ترک کر کے جاہلوں کا کعبہ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ذکر بھی آ گیا تھا اس لیے کعبہ کا بھی آیا کہ اے یہود جو گھر دنیا میں خدا کی عبادت اور رہنمائی اور برکت کے لیے بنائے گئے ہیں ان سب سے اول وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اس کو خاص آدم نے پھر ان کے بعد ابراہیم نے بنایا ہے اور بیت المقدس کو سلیمان نے جو ان کی ذریت میں اور ان سے سینکڑوں برس بعد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ہزاروں برکتیں اور خدا کی نشانیاں اب تک موجود ہیں۔ سوائے روحانی برکت کے یہاں ظاہری برکات بھی بہت سی ہیں۔ منجملہ ان کے مقام[1] ابراہیم اور یہ کہ جو وہاں بصدقِ دل جاتا ہے دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے نجات اور امن[2] پاتا ہے۔ اس لیے آج تک کسی بادشاہ قاہر کی

---

[1] مقام ابراہیم کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس پتھر کو کہتا ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں چنی تھیں۔ وہ یادگار اب تک موجود ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تمام حرم مقامِ ابراہیم ہے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے مقام کیا تھا۔ حقانی

[2] یعنی وہاں جانے سے امن عذاب اخروی سے ہوتا ہے۔ ۱۲

یہ مجال نہیں ہوئی کہ وہ کعبہ پر چڑھ آیا اور اس کو گرادیا ہو اور لوگوں کو قتل کیا ہو اور جو کوئی آیا جیسا کہ ابرہہ شاہ حبش تو اس کو خدا نے غارت کر دیا۔ برخلاف بیت المقدس کے کہ اس کو بارہا بخت نصر وغیرہ بادشاہوں نے ڈھایا اور وہاں کے زن و مرد کو قتل کیا۔ اس لیے جو کوئی زادِ راہ رکھتا ہو اس پر وہاں عمر بھر میں ایک بار جانا ضرور ہو یعنی فرض ہے اور جو کوئی اس کے دربار میں حاضر ہونے سے سرتابی کرے تو خدا کو بھی کسی کی پروا نہیں ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

(اے نبی!) کہہ دو اے اہل کتاب کس لیے اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہو اور اللہ کے روبرو ہے جو کچھ بھی تم کر رہے ہو (اور) کہہ دو اے اہل کتاب کیوں ایمان لانے والوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہو۔ جان بوجھ کر اس میں کجیاں پیدا کرتے ہو اور تم گواہ ہو اور خدا تو تمہارے کام سے ہرگز غافل نہیں۔ ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب میں سے کسی گروہ کا بھی کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر ہی بنا کر چھوڑیں گے اور تم کیونکر کافر ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول بھی موجود ہے اور جو کوئی خدا پر پورا بھروسہ کر لیتا ہے وہ بے شک راہِ راست کی طرف ہدایت کیا گیا ہے۔

ترکیب: لِمَ تَكْفُرُوْنَ سے متعلق ہے اسی طرح لِمَ تَصُدُّوْنَ سے عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَصُدُّوْنَ سے متعلق ہے مَنْ اٰمَنَ تصدون کا مفعول تَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سَبِيْل کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ مذکر اور مونث ہے۔ عِوَجًا حال ہے۔

تفسیر: جبکہ اہلِ کتاب کے اعتراضوں کا جواب دیا گیا اور دلائل تمام ہو چکے تو اب بطور نتیجہ کے ان کو فرماتا ہے کہ تم خدا کی آیاتِ معجزات اور بشارات کا کہ جواب تک پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں کیوں انکار کرتے ہو اور ایسے لغو شبہات سے بشارات میں تاویل کر کے کس لیے ایمانداروں کو خدا کی راہ سے روکتے ہو اور کیوں دینِ حق میں عیب لگاتے ہو حالانکہ دل میں برحق جان رہے ہو تمہاری اس حیلہ بازی اور مکاری سے خدا غافل نہیں تم کو ضرور سزا دے گا۔ جب یہودِ مدینہ ہر طرح سے عاجز آ گئے اور مسلمان ان کے دھوکے میں نہ آئے تو ایک اور تدبیر نکالی وہ یہ کہ مدینہ میں حضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنی اوس اور بنی خزرج دو قبیلوں میں ایک سو بیس برس سے باہم عداوت

چلی آ رہی تھی، باہم لڑائیاں اور سخت خونریزیاں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی برکت سے ان میں ملاپ اور محبت ہوگئی اور اخوتِ اسلامی قائم ہوگئی۔

بعض یہودیوں نے ایک روز ان کی مجلس میں جا کر جاہلیت کی لڑائی کا ذکر چھیڑ کر پرانے زہر آلود وقائع یاد دلا دیے اور ہر ایک قوم کے دل میں پھر وہ حرارت جوش مارنے لگی۔ قریب تھا کہ پھر باہم تلوار چلے اتنے میں حضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ آپ نے ان کو سمجھایا اور پھر ہر ایک کو گلے ملا دیا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہلِ کتاب میں سے اگر کسی کا بھی کہنا مانو گے یا ان کے اعتراضِ بیہودہ کی طرف متوجہ ہوگے تو تم کو وہ دین سے برگشتہ کر دیں گے اور تعجب ہے کہ تم باوجود آیاتِ الٰہی سننے کے اور رسول کی محبت پانے کے کفر اختیار کرو گے۔ سوتم کو لازم ہے کہ یقینِ کامل دل میں اور عقیدتِ خاص پیدا کر کے رحمتِ الٰہی کا دامن ہاتھ میں مضبوط تھام لو تا کہ سیدھے رستہ پر چلے جاؤ۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ قوی ایمان کس کا ہے؟ کہا غریب بڑھیوں کا کہ جن کا بلا دلیل خدا کی ذات پر ایمانِ کامل ہے۔ سو ایسے لوگ کسی کی اگر مگر میں نہیں آتے نہ شیطان کے وسوسۂ توہمات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کی شمشیرِ یقین تمام شبہات وشکوک شیاطین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ حقیقت میں یہ خوب ایمان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مسلمان ہی رہ کر مرنا اور سب مل کر خدا کے دین کی رسی کو پکڑے رہو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ اور خدا کا احسان یاد کرو جو تم پر ہے (وہ یہ کہ) جب تم میں باہم دشمنی تھی تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اب تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔ حالانکہ تم [1] جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ پھر اس نے تم کو اس سے بچالیا اور تم سے اپنی آیتیں اس طرح سے بیان کیا کرتا ہے تا کہ تم

[1] قبل از اسلام قبیلہ بنی اوس وخزرج انصار مدینہ کے دو گروہوں میں صدیوں سے لڑائی چلی آتی تھی۔ طرفین کے ہزار ہا لوگ باگ مارے گئے تھے۔ اس کو کنایۃً کنتم علی شفا حفرۃ من النار سے تعبیر کر کے بتایا گیا جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ کے برکتِ قدوم سے ان میں بھی میل ملاپ ہوگیا اور اس میں ایسی سخت خونریز قوم بھائی بھائی بن گئے۔ خدا تعالیٰ اس نعمت کو یاد دلاتا ہے جس کے سبب سے دینی و دنیوی برکات نازل ہوئیں۔ اتفاقِ باہمی نفسانی خواہشوں سے جاتا رہتا ہے۔ نبوت نے روحانی اثر سے نفسانیت کو بالکل نیست و نابود کر دیا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک بین وبدیہی معجزہ تھا کہ صدیوں کے نفاق کو رفع کر کے ان میں بھائی چارہ کرا دیا۔ حقانی

ہدایت پاؤ اور تم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور نیک باتیں بتایا کرے اور بری باتوں سے منع کیا کرے اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں۔

ترکیب: اِخْوَانًا خبر ہے اَصْبَحْتُمْ کی اور یہ جمع اخ کی ہے کُنْتُمْ کا اسم ضمیر عَلٰی شفا الخ خبر شفا بالفتح اس کے معنی کنارہ کے ہیں۔ اس کا تثنیہ شفوان آتا ہے ولتکن کان تامہ منکم اس کے متعلق امۃ اسم یَدْعُوْنَ الخ اس کی صفت۔

تفسیر: باہمی نقیض و عداوت کے اسباب کا قلع وقمع کر کے اتفاق اور باہمی محبت کی تاکید کرتا ہے اور اس نا اتفاقی کے زمانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جہنم کا گڑھا تھا اور جس کے کنارے پر لوگ پہنچ گئے تھے۔ قریب تھا کہ گر کر ہلاک ہو جائیں لیکن خدا نے اس سے نجات دی۔ نبی علیہ السلام کی برکت سے آپس میں ایسی محبت ہوگئی کہ بھائی بھائی ہوگئے۔ پھر اس کے خیر و برکات دنیا اور دین میں بے شمار ظہور میں آئے۔ دنیا کی تمام سرسبز سلطنتیں ان بھوکے ننگے عرب کے اونٹ بکری چرانے والوں کے ہاتھ میں آگئیں اور دین میں بھی تمام بنی آدم کے ہادی اور رہنما بن گئے۔ اس نعمت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیتا ہے کہ اس کو یاد کرو کہ تمہاری کیا حالت تھی کیا ہوگئی؟ یہ اتفاق بلکہ تمام عرب بلکہ روئے زمین کے نیک لوگوں کا اتفاق اس لیے قائم ہوا کہ نبی علیہ السلام کی برکت سے ان پر تجلی ذاتی ہوئی۔ سب کا مقصود اور مشرب وصالِ معبودِ حقیقی متحد ہوگیا اور جب تک کہ سب کو کوئی ایک غرض مجتمع نہیں کرتی۔ اتفاق نہیں ہوتا۔ سو یہ آنحضرت ﷺ کا بڑا معجزہ ہے کہ تمام درندوں کو بھائی بنا دیا۔ پھر آیندہ اس سلسلۂ برکت کے جاری رکھنے کے لیے تمام امت کو بطور فرض کفایہ حکم عام دیتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی رہنا چاہیے کہ جو لوگوں کو نیک باتوں کی تعلیم کیا کریں۔ بری باتوں سے منع کیا کریں، اچھی باتوں کا حکم دیا کریں۔ یہ خاص لوگوں کا گروہ ہے جو نبی علیہ السلام کے نائب ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی محنتیں اٹھا کر دور دراز تک دین پھیلا دیا[1] تھا مگر صحابہ نے اس سے بھی بڑھ کر دکھایا جس کی تواریخ شہادت دے رہی ہیں۔ اس آیت میں چند حکم ہیں (۱) یہ کہ جہاں تک اس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرو۔ اول سیڑھی یہی ہے محققین کے نزدیک حق ڈرنے کا یہ ہے کہ اس کی ذات میں اپنی ذات کو اور صفات میں صفات کو نیست کر دے۔ (۲) یہ کہ مرتے وقت تک اسلام پر قائم رہنا (۳) سب مل کر خدا کی رسی کو پکڑ لو۔ رسی سے مفسرین نے مختلف معنی مراد لیے ہیں۔ کسی نے عہدِ ازلی کسی نے قرآن کسی نے دینِ اسلام مدعیٰ واحد ہے۔ (۴) یہ کہ اختلاف نہ کرنا اختلاف سے تائیدِ ربی دور ہو جاتی ہے۔ (۵) تم میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا قائم رہے جو لوگوں کو دین کی رہنمائی کیا کرے۔ بری باتوں سے منع کرے۔ اس لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کا شیوہ ہے جب تک یہ رہا دین میں ترقی رہی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۚ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا

[1] علماءِ امتِ محمدیہ پر فرض ہے کہ حضرت ﷺ کا نائب بن کر دنیا میں دین پھیلائیں۔

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ع ۱۱ ۸/۲

اور تم ان جیسے نہ ہو جانا کہ جو متفرق اور مختلف ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس (روشن) آیتیں آ چکی تھیں اور انہیں کو عذابِ عظیم بھی ہے جس دن کہ کچھ منہ تو سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ ہو جائیں گے سو جن کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جاوے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے (لو اب) کفر کرنے کے بدلہ میں عذاب کا مزا چکھو اور جن کے منہ سفید ہوں گے سو وہ رحمتِ الٰہی میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ تو جہاں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا (اور یوں تو) جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۔[1]

ترکیب: يَوْمَ ظرف ہے عظیم کا یا لہم کا یا اذکر محذوف کا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ جواب اما کا محذوف ای فیقال لَهُمْ اَكَفَرْتُمْ اور أ توبیخ کے لیے ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔

تفسیر: اختلاف باہمی اور تفریق حرام ہے: جبکہ اگلی آیت میں باہمی اتفاق کا حکم دیا اور اس اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے ایک جماعتِ ناصحین کا قائم ہونا فرض کیا تو اس جگہ اختلاف سے تاکیداً منع فرمایا جس طرح اس حکم کو اولا اتقوا اللہ کہہ کر محکم کیا تھا اسی طرح بعد میں لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور آخرت میں سیاہ روئی سے ڈرایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے اجتماع میں خدا نے برکت رکھی ہے۔ دیکھئے جب چند بالوں کو باہم ملا لیتے ہیں تو وہ کمزور بال مل کر مضبوط رسہ بن جاتے ہیں اور جب متفرق اینٹ پتھروں کو باہم مجتمع کر لیا جاتا ہے تو کیسی مضبوط دیوار بن جاتی ہے پھر سب سے اشرف المخلوقات انسان پھر ان میں سے اہلِ ایمان کے اتفاق کے تو کیا کہنے ہیں جن کی مجتمع روشنی عالم کو کس قدر منور کرتی ہے۔ چونکہ صحابہ نے پورا پورا اس حکم پر عمل کیا تھا ان کے مقدس مذہب کی روشنی تھوڑے سے دنوں میں دنیا کے کناروں تک پھیل گئی جس سے خدا کی نافرمان سلطنتیں اور سرسبز حکومتیں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔ (اب اختلاف کا بدنتیجہ بھی دیکھ لیجئے) دنیا کی ذلت وخواری، آخرت میں عذاب الیم پھر اس کو کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ بیان سے باہر ہے یعنی اے ایماندارو تم یہود و نصاریٰ کی طرح باہم مختلف نہ ہو جاؤ جن کے پاس خدا کی آیتیں اور ہدایتیں آئیں۔ باوجود اس کے اپنی خواہشِ نفسانی سے دین میں اختلاف کیا اور سینکڑوں فرقے ہو گئے۔ ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگا جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد انجیل جاتی رہی اور یہی حال یہود کا ہوا۔ پھر انجام نوبت کفر تک پہنچی جس کا ثمرہ ان کے لیے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہو گا جس روز کہ کچھ لوگوں کے منہ منور ہوں گے اور کچھ سیاہ ہوں گے۔ یعنی قیامت کے روز پھر جن کے منہ منور ہوں گے وہ ہمیشہ رحمت یعنی جنت میں رہیں گے اور کفار روسیاہ سے جہنم میں ملائکہ پوچھیں گے کہ تم کو خدا نے نورِ بصیرت عطا کیا تھا پھر مطلوبِ حقیقی کو چھوڑ کر کیوں کفر میں پڑے۔ اپنے اپنے مقاصدِ شہوانیہ کو کیوں مطلوب بنایا لو اب اس کا مزہ چکھو۔ یوں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں خدا کی مملوک ہیں وہ جو چاہے کرے مگر وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اپنے کئے کا ثمرہ اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ احکامِ الٰہی ہیں جن کو فرشتہ اے نبی آپ کو سناتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

---

[1] ہر کام کا سلسلۂ اسباب اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

(مسلمانو!) تم اچھی جماعت پیدا کیے گئے ہو (اس لیے کہ تم) لوگوں کو اچھی باتیں بتایا کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کیا کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بھی بھلا ہوتا (مگر) کچھ تو ان میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر (یہی کہ) کچھ ستائیں اور اگر تم سے لڑیں گے بھی تو تم کو پیٹھ ہی دیں گے پھر ان کو فتح نصیب نہ ہوگی ان پر ذلت ڈال دی گئی ہے جہاں کہیں پائے جائیں گے تو صرف اللہ اور لوگوں کے پناہ سے پائے جائیں گے اور وہ خدا کا غضب حاصل کر چکے ہیں اور ان پر مفلسی ڈال دی گئی ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ناحق (ناروا) نبیوں کو مار ڈالتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا بدلہ ہے۔

ترکیب: كُنْتُمْ اسکا اسم انتم خَيْرَ اُمَّةٍ خبر ای فی علمی وقیل حرتم کان زائدہ ہے ای اَنْتُمْ خَيْرُ اُمَّةٍ اخرجت الخ امت کی صفت اَلَّا اَذًى کا استثناء اشیاءِ محذوف سے ہے۔

تفسیر: **پیشین گوئی**: اول فرمایا تھا کہ جن کے منہ روشن ہوں گے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ یہاں اس کی وجہ اور علت فرماتا ہے کہ یہ نورانیت تم کو اس لیے حاصل ہوئی کہ تم دنیا میں کمال اور درجۂ سعادت حاصل کر چکے ہو۔ برخلاف اہل کتاب کے کہ ان کو یہ سعادت نصیب نہیں۔ گرچہ کسی قدر ان میں ایماندار ہیں مگر اکثر تو فاسق و فاجر ہیں۔ سو اس اتفاق کی بدولت وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر کچھ زبانی طعن و تشنیع سے دل شکنی کریں تو کریں اور جو تم سے لڑیں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بالخصوص یہود تو ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ دنیا میں ان کو بغیر پناہِ[1] الٰہی یعنی ذمی بننے کے اور بغیر امن لوگوں کے چارہ نہ ہوگا۔ یہ ان کی سرکشی اور نافرمانی اور کفر اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا۔ چنانچہ قرونِ سابقہ میں ہر قوم پر اسلام نے غلبہ پایا۔

اجماعِ امت دلیلِ شرعی ہے: یا یوں کہو کہ انسان جس طرح باہم صورتوں میں مختلف ہیں اسی طرح اختلافِ آرا و اختلافِ خواہش ان کی فطرت میں خمیر کیا گیا ہے جس کی اصلاح کے لیے دنیا میں انبیاء علیہم السلام آئے۔ اپنے عہد میں سب کے سربند آنحضرت ﷺ تھے۔ بعد میں قیامت تک اپنا قائم مقام اجماعِ امت قائم کیا کہ جس طرف جمہورِ امت ہو وہ حق اور سب کا مرکز ہے۔ تمام اختلاف کا فیصلہ اسی پر ہے اور اس لیے نبی علیہ السلام نے احادیثِ صحیحہ میں جماعت سے الگ ہونے والے کے لئے سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال ڈالی۔ (مشکوٰۃ) اور اجماعِ امت کے برحق ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ امت میں کوئی

[1] حبل (رسی) خدا کی رسی سے مراد اسی کی طرف کا امن ہے جو ماتحت اسلام کو حاصل ہے اور لوگوں کی رسی وہ عہد و پیمان جو لوگ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں۔

خوبی اور عصمت ہو۔اس لیے فرمایا کہ تم اے امت محمد اچھی امت ہو۔علاوہ اپنی تکمیل کے تم اوروں کے بھی ہادی اور معلم خیر ہو تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر میں قوۃ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے وتومنون باللہ میں قوت نظریہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور یہ کہ میری امت کبھی گمراہ نہ ہوگی (رواہ ابن ماجہ)

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

وہ سب برابر نہیں (کیونکہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے رستہ پر بھی ہے جو اللہ کی آیتیں رات بھر پڑھتے اور سجدہ کرتے رہتے۔اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھی باتیں بتلاتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی نیک بھی ہیں اور وہ جو کچھ نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ پرہیز گاروں کو (خوب) جانتا ہے۔بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ سے کچھ بھی نہ بچا سکے گی اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

ترکیب: لَیْسُوْا کا اسم ضمیر سَوَآءً خبر امۃ موصوف قَآئِمَۃٌ صفت مجموعہ مبتدامِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ خبر یَتْلُوْنَ اور یُؤْمِنُوْنَ وغیرہ حال بھی ہو سکتے ہیں اور جملہ مستانفہ بھی یُکْفَرُوْہُ اس کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہے یعنی حرمان کی وجہ سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں اہل کتاب کی نسبت یہ تھامِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَکْثَرُھُمُ الْفَاسِقُوْنَ یہاں اس جملہ کے زیادہ تر تشریح فرماتا ہے تا کہ اہل کتاب کو بھی خدا کی فرمانبرداری کی طرف رغبت ہو کہ سب اہل کتاب بھی برابر نہیں' ان میں بھی ایک گروہ ایسا ہے کہ جو سیدھے رستہ پر ہے۔وہ رات بھر آیات الٰہی پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور ان کا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے اور وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع بھی کیا کرتے ہیں (جیسا کہ یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ اور اس کے ارکان دولت اور کلیسیا عرب کے عیسائی اور وہ نیک بات میں جلد دوڑ پڑتے ہیں۔اس کے اختیار کرنے میں ان کو رسم اور حب مال و جاہ مانع نہیں آتی۔چنانچہ ان لوگوں نے جب اسلام کے انوار کی تجلی دیکھی اسی وقت بصدق دل اس کو قبول کرلیا) سو یہی لوگ نیک اور دیندار ہیں۔آیندہ جو کچھ وہ نیک کام کریں گے یا جو کچھ کر چکے ہیں خدا تعالیٰ ان کی ناقدری نہ کرے گا ضرور جزائے خیر دے گا اور جو ان اوصاف حمیدہ سے خالی ہیں گو وہ برائے نام عیسائی یا موسائی یا مجاور خانہ کعبہ قریش ہی کیوں نہ ہوں ان کا مال اور ان کی اولاد بھی ان کے کچھ کام نہ آوے گی۔ان کو بڑا غرور اور ناز ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل کتاب کا اصل طریق منجانب اللہ اور الہامی ہے سو تمام قوم کبھی ایسی نہیں ہوتی کہ جن کو دینداری اور

پرہیز گاری کا خیال نہ ہو بالخصوص ان میں سے باخدا لوگ تو ضرور شب بیداری اور نیک کاموں میں کوشش کرنا اور خدا اور قیامت پر ایمان لا کر دنیا اور اس کے تجملاتِ فانیہ پر دل نہ دھرنا اپنا شیوہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی اہلِ کتاب میں ایسے خداترس لوگ موجود تھے جنہوں نے حضرت ﷺ پر ایمان لانے میں کوئی حیلہ و حجت نہ کی اور یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے۔ باانصاف طبیعتوں اور اسلام میں ایک جذبِ مقناطیسی ہے۔ اس لیے چندروز میں بیشمار قومیں اس مذہب میں آ گئیں اور آتی جاتی ہیں۔ آج کل کے عیسائی بالخصوص پراٹسٹنٹ تو شب بیداری اور عبادت و ریاضت اور دعا کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کا دستور تھا سب کو ترک کر بیٹھے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

جو کچھ کہ وہ اس زندگانی دنیا میں خرچ کرتے ہیں (اس کی) مثال اس ہوا کی سی ہے کہ جس میں بڑی ٹھر ہو وہ ان لوگوں کی کھیتی پر پڑ کر کہ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے برباد کر دے اور اللہ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ اے ایمان والو کسی غیر کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کچھ کمی نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی آفت آئے ان کے منہ سے عداوت ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت ہی بڑھ کر ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو تمہارے لیے ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ دیکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر انگلیاں چباتے ہیں' کہہ دو اپنے غصہ میں مر رہو بے شک جو کچھ دلوں میں ہے خدا اس کو خوب جانتا ہے۔

ترکیب: مَثَلُ مبتدا کَمَثَلِ رِيْحٍ خبر اَصَابَتْ الخ صفت ہے رِيْحٍ کی بِطَانَةً مفعول ہے لَا تَتَّخِذُوْا کا مِنْ دُوْنِكُمْ فعل سے متعلق ہو کر صفت ہے بِطَانَةً کی اسی طرح لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا تمیز ہے عَلَيْكُمْ مفعول عَضُّوْا الْاَنَامِلَ مفعول ثانی۔

تفسیر: بطانۃ کفار حرام ہے: پہلی آیت میں تھا کہ کفار کو ان کا مال کچھ نفعِ آخرت میں نہ دے گا۔ اس پر شبہ گذرتا تھا کہ کیوں نہ دے گا حالانکہ وہ غریب یتیم فقیر بے کس کو للہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے صرف کرنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کوئی کھیتی کرے یا باغ لگائے۔ پھر اس کو ہوا اور پالا مار جاوے اور وہ خراب ہو جائے۔ اسی طرح ان کا لیا دیا بے شک کھیتی اور آخرت کے لیے باغ ہے کہ جس

سے انتفاع کی امید کامل ہے مگر ان کے کفر کی تند ہوا برف آلود اس کو نیست و نابود کر ڈالتی ہے۔ اس میں کچھ ان پر خدا نے ظلم نہیں کیا بلکہ کفر کر کے خود انہوں ہی نے اپنے اوپر ستم ڈھایا۔ خیرات کا مدار ایمان واخلاص پر ہے سو یہ نہیں اس کے بعد ان سے محبت کرنے سے منع کرتا ہے کہ تم ان کو دلی دوست نہ بناؤ۔ پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرماتا ہے۔ (۱) یہ تمہاری مضرت میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ (۲) تم پر مصیبت پڑنے کو دل سے چاہتے ہیں۔ (۳) ان کے منہ سے بعض باتیں نکلتی ہیں اور دلی بغض اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ (۴) تم ان سے محبت رکھتے' یہ تم سے نہیں رکھتے۔ (۵) تم کل کتاب الٰہی پر ایمان رکھتے ہو یہ نہیں رکھتے۔ (۶) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور تنہائی میں تم پر غصہ کے مارے انگلیاں چباتے ہیں پھر ان سے دوستی کرنا خلاف عقل ہے۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں اس آیت میں منافقین مدینہ مراد ہیں جو اہل اسلام سے دلی عداوت رکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں مدینہ کے یہود مراد ہیں۔ محققین کے نزدیک اس کا حکم عام ہے بطانۃ بطن سے مشتق ہے یہ مصدر ہے اس کا اطلاق ایک پر ہے۔ جماعت پر جب ہوتا ہے جو نہایت راز دار ہوتے ہیں گویا پیٹ میں گھسے ہوئے ہیں سوایسی دوستی کفار سے مطلقاً حرام ہے۔ خبال بمعنی فساد ونقصان۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲/۱۱ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا لا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے اور اگر کوئی تم پر سختی آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے گا۔ بے شک اللہ نے ان کے سب کام (اپنے) بس میں کر رکھے ہیں اور (یاد کرو) جبکہ آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے موقعوں پر بٹھلانے لگے تھے اور اللہ (سب کچھ) سن رہا اور سب کچھ جان رہا تھا جبکہ تم میں سے دو گروہوں نے ہمت ہار دینی چاہی تھی (مگر پھر سنبھل گئے کیونکہ) اللہ ان کا مددگار تھا اور ایمانداروں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اللہ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے' حالانکہ تم اس وقت بہت ہی کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو (نافرمانی نہ کرو) (ان احسانوں کو یاد کر کے) عجب نہیں کہ تم شکر کرو۔

ترکیب: وَاِذْ اس کا عامل اذکر محذوف ہے مِنْ اَهْلِكَ میں من ابتداء غایۃ کے لیے تُبَوِّئُ حال ہے یہ مفعول ثانی کی طرف بلاواسطہ حرف جر متعدی ہے اول مفعول اس کا الْمُؤْمِنِيْنَ اور ثانی مَقَاعِدَ اَنْ تَفْشَلَا ای بِاَنْ تَفْشَلَا۔

تفسیر اس جگہ ایک اور بھی وجہ بیان فرماتا ہے کہ اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ناخوش ہوتے ہیں اور تمہاری تکلیف ومصیبت سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اگر تم کو کوئی سختی پیش آوے تو خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔ ان کا مکر تم کو کچھ نقصان نہ دے گا۔

جنگ احد: اس کے بعد جنگ احد کا وہ قصہ یاد دلاتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دیکھو تم نے اس روز صبر اور تقویٰ نہ کیا تو تم پر مصیبت آئی۔

بہت سے صحابہ شہید ہو گئے' پھر اس سے وہ لوگ دیکھو کس قدر خوش ہوئے۔ اس ناصبری کا نتیجہ یہ مصیبت پیش آئی۔ یہاں تک کہ دو گروہ نے تم میں سے بھاگنے کا قصد ہی کر لیا تھا۔ خدا نے ثابت قدم رکھا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو باوجود قلت وذلت کے بدر کی لڑائی میں فتح یاب کر چکا ہے۔ اب تم اللہ سے ڈرو تا کہ اس کی شکر گزاری کرنے لگو جو باعثِ سعادت ومزید نعمت ہے۔

بدر کی لڑائی میں کفارِ مکہ ہزیمت اٹھا چکے تھے مگر دل میں جوش تھا کہ پھر اہلِ اسلام سے بدلہ لیا جائے۔ اس لیے شوال کی ساتویں تاریخ ہجرت کے تیسرے سال ابو سفیان ایک لشکرِ کثیر لے کر مدینہ پر چڑھ آیا۔ صحابہ میں بعض کی یہ رائے ہوئی کہ باہر نکل کر ان سے مقابلہ کرو۔ بعض نے کہا شہر میں رہو اور تیر اندازی کرو۔ آخر اول فریق کے کہنے سے آنحضرت ﷺ مع انصار ومہاجرین صبح کو باہر نکلے اور احد پہاڑ جو مدینہ سے دو میل شمال کی طرف ہے اُس کے نیچے جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے احد کی گھاٹیوں پر تیر اندازوں کو بٹھانا شروع کیا کہ تم یہاں سے نہ ہلنا تا کہ اس طرف سے کفار ہماری پشت کی طرف نہ آجاویں اور ان کا سردار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو کیا وَاِذْ غَدَوْتَ الخ کے یہی معنی ہیں۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی اور صحابہ نے احد کی طرف پیٹھ کر کے مقابلہ شروع کیا تو کفار بھاگ نکلے جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی مورچہ چھوڑ کر کفار کے پیچھے پڑ گئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ ان کو بلاتے اور منع کرتے جاتے تھے مگر وہ کب سنتے تھے۔ اس نافرمانی اور بے صبری کی شامت سے یہ ہوا کہ گھاٹی خالی دیکھ کر کفار پیچھے سے آ گئے اور تیر برسانے لگے اور کفار آگے سے بھی ٹوٹ پڑے۔ عبداللہ بن ابی منافق تو تین سو آدمیوں کے ساتھ بھاگ نکلا اور مسلمانوں کے بھی پیر اکھڑ گئے اور قبیلہ بنو سلمہ خزرجی اور بنو حارثہ اوسی نے بھی بھاگ کر جانے کا قصد کر لیا اور خوب تلوار چلی جس سے بہت سے صحابہ حضرت حمزہ وغیرہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے مگر مع چند شخصوں کے آنحضرت ﷺ جمے رہے یہاں تک کہ ایک پتھر آنحضرت ﷺ کے دندان مبارک پر لگا اور دانت ٹوٹ گیا اور سر مبارک میں زخم آیا اور بچانے میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لنجا ہو گیا لیکن پھر صحابہ نے پاؤں جمایا تو کفار بھاگ اٹھے۔ اس واقعہ کو خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جو عدولِ حکمی کا نتیجہ تھا۔ اس ہزیمت کی آنحضرت ﷺ نے اول سے ہی خبر دی تھی۔ فشل [1] نامردی' بھاگنا۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

[1] الفشل الجبن التبوی اتخاذ المنزل یقال بواتہ منزلا اذلہ جمع ذلیل والمراد بہ القلۃ ۱۲

جبکہ آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا خدا تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے؟ کیوں نہیں اگر تم جمے رہو اور (خدا سے) ڈرو اور دشمن بھی دفعۃً تم پر چڑھ آئیں تو تمہارا خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا جو پلے ہوئے گھوڑوں پر (سوار ہوکر) آموجود ہوں گے اور یہ صرف اللہ نے تمہاری خوشی اور تمہارے دل کے اطمینان کے لیے کیا ہے ورنہ فتح تو اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے اور یہ اس لیے کہ خدا کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ ڈالے یا ان کو ذلیل کرے کہ وہ نامراد ہو کر واپس جائیں (اے نبی!) آپ کا کچھ بھی اختیار[1] نہیں (اختیار تو اللہ ہی کو ہے) چاہے ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو عذاب دے کہ وہ ناحق پر ہیں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: اِذْ تَقُوْلُ ممکن ہے کہ اِذْ ھَمَّتْ سے بدل ہو اور ممکن ہے کہ نصرکم کا ظرف ہو لَیْسَ لَکَ خبر شَیْءٌ اسم اَوْ یَتُوْبَ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ معطوف ہیں یَکْبِتَھُمْ پر یَا الْاَمْرِ پر یا شیء پر باضمار ان اور الان کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں ذکر تھا کہ باوجودیکہ تمہاری حالت نہایت خراب تھی مگر خدا نے بدر کے جنگ میں اسباب ظاہر کے برخلاف تمہاری مدد کی تھی۔ اب یہاں اس مدد غیبی کو یاد دلاتا ہے یعنی مدد غیبی کا وہ دن تھا کہ جس دن اے نبی تم مسلمانوں کو تسلی دے رہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی قلت اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور اسباب حرب پر خیال کر کے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو کافی نہیں کہ خدا تمہاری تین ہزار فرشتے بھیج کر مدد کرے کیوں نہیں اگر تم صبر کرو گے اور اللہ پر توکل کرو گے اور کفار تم پر گو جوش میں آکر یا فوراً حملہ کریں گے تو وہ پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے گا اور یہ ملائکہ کا بھیجنا بھی کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم اسی پر اعتماد کر بیٹھو بلکہ فتح تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو زبردست ہے اور حکمت مدِ نظر رکھ کر کام کرتا ہے۔ یہ تو صرف تمہاری دلجمعی کے لیے ہے اور یہ فتح اس لیے دی کہ کفار کی شوکت ٹوٹ جائے۔ واضح ہو کہ جب نبی ﷺ ابوسفیان کو مع قافلہ گرفتار کرنے کے لیے مع تین سو صحابہ مہاجرین وانصار باہر نکلے اور ابوسفیان کو خبر ہوگئی تو اس نے مکہ میں کہلا بھیجا۔ وہاں جوش پیدا ہو گیا۔ تخمیناً ہزار آدمی پیغمبر علیہ السلام کے مقابلہ میں نکلے اور ابوسفیان قافلہ لے کر نکل گیا اور دونوں لشکروں کا مقابلہ بدر کے میدان میں ہو گیا مگر صحابہ ڈرے کہ ہم کو یہ کیا معلوم تھا کہ اتنی فوج جرار سے مقابلہ آپڑے گا نہ ہمارے پاس کوئی سامان ہے نہ ہتھیار ہیں۔ کیا کریں؟ جب ان کی یہ حالت حضرت محمد ﷺ نے دیکھی تب یہ فرمایا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ہزار فرشتے بھیجے جیسا کہ سورہ الانفال میں آیا ہے فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ الآیہ کہ خدا نے تم کو جواب دیا کہ میں تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کرتا ہوں اور اسی طرح صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے کہ بدر کے روز ملائکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے نظر آئے اور یہ روایتیں بقدرِ مشترک حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ جن کا مفصلاً بیان کرنا متعذر ہے اور نیز اسی زمانہ میں جبکہ کفار ہزیمت کھا کر مکہ میں واپس گئے تھے تو خود باہم اس بات کے قائل تھے اور اس کو اپنی محفلوں میں نہایت تعجب اور حیرت انگیز قصہ تصور کر کے بیان کیا کرتے تھے جیسا کہ کتبِ تاریخیہ سے بخوبی ثابت ہے۔ پھر جب جنگ میں یہ مشہور ہوا کہ مکہ سے اور بڑی مدد آتی ہے تو حکم آیا کہ اگر وہ فوراً یا غصہ میں بھر کر آویں گے تو ہم تین ہزار بلکہ پانچ ہزار فرشتہ بھیج دیں گے۔ چونکہ ان کی مدد نہ آئی تو فرشتے بھی نہ آئے۔ (تفسیر کبیر)

بدر میں ملائکہ نازل ہونے کی بحث: بعض لوگ جیسا کہ ابوبکر اصم اور پھر معتزلہ اور ان کے مرید نیچریہ وغیرہم اس مقام پر یہ کہتے ہیں

---

[1] احد کے روز جبکہ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر زخم شدید پہنچا اور حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بڑے بڑے غازیانِ اسلام شہید ہو گئے تو حضور ﷺ نے چاہا کہ کفار پر بددعا کریں تاکہ وہ ہلاک ہو جاویں۔ اس امر سے خدا نے منع کیا اور لیس لک من الامر یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ خدا کو مسلمان کر کے اس قوم سے بڑا کام لینا تھا سو لیا۔ ۱۲ منہ

کہ جنگ بدر میں کیا کسی لڑائی میں بھی فرشتے نہیں آئے تھے۔ دلائلِ عقلیہ یہ ہیں (۱) ایک فرشتہ تمام ملک کے برباد کرنے کو کافی ہے، پھر ہزاروں کی کیا ضرورت تھی (۲) اگر خدا کو فرشتوں ہی سے کام لینا تھا تو صرف ملک الموت کافی تھا یعنی وہ آپ ہی سب جہان کے کافروں کی روح قبض کر لیتا بلکہ اگر ایسا ہی ہے تو اس نے کافر پیدا ہی کیوں کیے (۳) ملائکہ اگر اجسامِ کثیفہ تھے تو ضرور سب کو نظر آتے اور مسلمانوں کی جماعت ایک ہزار تین سو آدمیوں کو دکھائی دیتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور اگر اجسامِ لطیفہ تھے تو ان میں طاقت ہی کیا تھی جو کسی کو قتل کرتے۔ دلائلِ نقلیہ ان آیات میں جو اس مقام پر وارد ہیں کہیں یہ نہیں کہ خدا نے فرشتے بھیجے بلکہ رسول کا قول نقل کیا ہے کہ جو بوقتِ جنگ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خدا پر توکل کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بھی کر سکتا ہے (۴) کفار نے بارہا استدعا کی کہ فرشتہ ہی کیوں نہ خدا نے رسول بنا کر بھیجا مگر ان کی استدعا قبول نہ ہوئی اور نہ ایسا کسی جگہ پہلے معاملہ گذرا ہے نہ یہ باتیں ممکن ہیں بلکہ نیچر کے برخلاف ہیں۔

ان دلائل کا یہ جواب ہے۔ (۱) گرچہ ایک فرشتہ کافی تھا بلکہ اس کی بھی کیا ضرورت صرف خدا کا کن کہنا ہی کافی تھا مگر ہزار فرشتوں کا بھیجنا صرف اہلِ اسلام کی تقویتِ قلبی اور تقویتِ ایمان واعتقاد کے لیے تھا تاکہ ان کو یہ معلوم ہو کہ خدا اپنے مخلصین کی یوں بھی مدد کر دیا کرتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ اور لفظ جعل جو ماضی ہے اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اس امر کے وقوع پر دلالت کر رہا ہے۔ (۲) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ کافروں کے پیدا کرنے اور ملائکہ کے بھیجنے میں مبائنت ثابت کرنا رسالت کا انکار کرنا ہے کیونکہ منکر کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا نے رسول بھیجے تھے تو سرے سے کافر ہی کیوں پیدا کیے تھے۔ (۳) ملائکہ اگرچہ اجسامِ لطیفہ ہیں مگر جب چاہتے ہیں اجسامِ کثیفہ میں یعنی انسان کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بدر میں ایسا ہوا اور بے شک وہ لوگوں کو نظر آئے۔ یہ بات کہ سب کو یکساں کیوں نظر نہ آئے۔ کچھ بات نہیں دیکھیے بائبل میں سینکڑوں جا ہے کہ فرشتہ ایک شخصِ خاص کو نظر آیا۔ اوروں کو نہیں دکھائی دیا اور اس کا سرّ ہم مقدمۂ کتاب میں بیان کر آئے ہیں۔ دلائلِ نقلیہ کا جواب یہ ہے یہ کہنا (کہ فرشتوں کا بھیجنا ثابت نہیں بلکہ صرف وعدہ یا تسلی ہے) بڑی تعجب کی بات ہے کیونکہ اول تو سورۂ انفال میں صاف تصریح ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ الآیۃ کہ خدا نے ایسا کر دیا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہوگی؟ دوم خود انہیں آیات میں لفظ جعل وارد ہے اور ضمیر متصل ارسالِ ملائکہ کی طرف پھرتی ہے ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ایسی حالت میں کیا اطمینانِ قلب اور بشریٰ ہو سکتا تھا؟ (۲) کفار کی استدعا پر ملائکہ نہ بھیجنے کی وجہ خود قرآن مجیدؑ میں مذکور ہے وہ یہ کہ اگر ہم بجائے رسولوں کے تمہارے پاس فرشتہ بھیجتے تو ضرور وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر آتے پھر جن کو رسولوں پر یہ شبہ ہوا ان کی نسبت بھی وہی شبہ باقی رہتا کہ کیا معلوم یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے یا کوئی جن و شیطان ہے۔ علاوہ اس کے اس بات میں اور اس بات میں کوئی ملازمہ نہیں کہ جو اس سے اس کی نفی ثابت کی جائے۔ اور یہ کہنا کہ پہلے کبھی فرشتوں سے کام لینا ثابت نہیں سخت بیباکی ہے۔ دیکھئے تورات سفر پیدائش کے انیسویں باب میں صاف صریح ہے کہ سدوم اور عمورہ میں جہاں کہ لوط علیہ السلام رہتے تھے' فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے اور جب وہاں کے اغلامی لوگوں نے لوط پر حملہ کرنا چاہا تو ان فرشتوں نے لوط کو دروازے کے اندر کھینچ لیا اور صبح کو ان بستیوں پر آگ اور گندھک برسایا اور ان کو نیست کر دیا۔ اسی طرح تورات وانجیل و دیگر صحفِ انبیاء سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے مخلصین کی اعانت اور خدا کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے آئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے مسلح ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بدر کے روز ایک انصاری نے ایک مشرک پر حملہ کیا اور اس کے پیچھے دوڑا ہنوز اس کے پاس نہ پہنچا تھا کہ اس پر ایک کوڑا غیب سے پڑا اور یہ آواز آئی کہ اقدم حیزوم کہ ''گھوڑی حیزوم آگے بڑھ'' جب جا کر دیکھا تو وہ شخص مرا ہوا تھا اور اس پر کوڑے کا نشان تھا۔ اس کا منہ پھٹ گیا تھا۔ اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس روز میں نے رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سوار سفید پوش دیکھے جو بڑی تیزی سے جنگ کر رہے تھے نہ ان کو

میں نے پہلے دیکھا نہ پھر وہ مجھے نظر آئے یعنی جبرئیل و میکائیل اور ممکن ہونا ان باتوں کا ہم نے مقدمہ میں ثابت کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶

مسلمانو! دوگنا تگنا کر کے سود نہ کھایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے بھی ڈرتے رہو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کا حکم مانا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے اور خدا کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے (اور وہ) ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگی میں (اللہ کی راہ میں) دیا کرتے ہیں اور جو غصہ کو دباتے اور لوگوں سے درگزر کیا کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ جو کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھتے یا اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو اسی وقت اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے اور جو کچھ کر بھی لیتے ہیں تو جان بوجھ کر اصرار بھی نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ ان کے خدا کی طرف سے بخشش ہے اور (نیز) ایسے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

ترکیب: اَضْعَافًا حال ہے الرِّبٰوٓا سے عَرْضُهَا جملہ موضع جر میں ہے تقدیر الکلام عرضہا مثل عرض السمٰوٰت۔ اُعِدَّتْ صفت جنت کی ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اور اسی طرح وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا اور الْكٰظِمِيْنَ اور الْعَافِيْنَ سب متقین کی صفت میں واقع ہے۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ جواب ہے اذا کا وَمَنْ مبتداء خبر وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ حال ہے ضمیر لَمْ يُصِرُّوْا سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں خدا نے اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ زمین و آسمان ہمارے قبضہ میں ہیں ہم جس کو چاہتے ہیں معاف کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں۔ اس لیے یہاں پیشتر سود خوری سے منع کیا کیونکہ جب خدا تمہیں بخشتا اور تم پر رحم کرتا

ہے تو تم بھی اپنے زیردستوں پر رحم کر کے ان کے سود معاف کر دو۔ دوم جو کچھ ہے خدا کا ہے پھر تم کیوں اس کے دیے ہوئے مال کا شکر یہ ادا نہیں کرتے' کیوں ناحق معاوضہ لیتے ہو یا یوں کہو دنیا دار سودخوری وغیرہ مکاسب میں ایسے مستغرق رہتے ہیں کہ گویا ان کو سدا یہیں رہنا ہے حالانکہ یہ مسافر خانہ ہے جہاں پھر کبھی آنا ہی نہیں اور پیشتر جہاد اور نزولِ ملائکہ وغیرہ ان باتوں کا ذکر تھا جو دارِ آخرت کا وسیلہ ہے۔ اس لیے یہاں فرمایا کس واہیات کمائی میں پڑے ہو۔ اس کو چھوڑ دو اور خدا کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی کیا سود میں ڈھونڈھتے ہو۔ اس کو چھوڑ و اور خدا کے لشکر میں داخل ہو کر جہاد کرو جس سے دنیا کی سلطنتیں تمہارے پاؤں پر آ پڑیں اور آخرت میں بھی بادشاہت ملے اور چونکہ پہلے جہاد کا ذکر تھا اور سودخوری بزدلی پیدا کرتی ہے اس لیے اس کے ذکر میں اس کی ممانعت کرنا بھی عین حکمت ہوا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب مدتِ معین پر قرضدار روپیہ ادا نہیں کرتا تھا تو قرضخواہ سود کو اصل میں شامل کر کے مہلت دیتا تھا۔ پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھاتا تھا جس طرح یہاں سودخور سود کو اصل میں جمع کر کے سود لگا کر دگنے تگنے کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی وہ بھی کرتے تھے اس لیے اضعافا مضاعفة[1] سے منع کیا اور فرمادیا کہ اللہ سے ڈرو۔ پھر فرمایا اس آگ سے ڈرو کہ جو کافروں کے لیے تیار ہوئی ہے یعنی جہنم۔ اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار سودخوری اور اس پر بے پروائی کا کفر ہے سو جو سزا کافروں کو ملے گی وہی سودخواروں کو پھر فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد کنایہ کے طور پر اپنی اطاعت کے ثمرہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا گویا مغفرت اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں مغفرت سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے مغفرت حاصل ہو اور اسی طرح جنت سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے جنت حاصل ہو۔ پھر اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مراد اسلام ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ادائے فرض اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اخلاص ابوالعالیہ کے نزدیک ہجرت کرنا۔ سعید بن جبیر کے نزدیک تکبیرِ اولیٰ مراد ہے۔ فرض ترک منکرات وادائے واجبات بھی اس میں سب کچھ آ جاتا ہے۔ جنت کی صفت میں دو باتیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ اس کا چوڑان آسمان وزمین کے برابر ہے۔ ابومسلم کہتے ہیں کہ عرض سے مراد قیمت ہے۔ عرب بولتے ہیں اذا بعث الشیء بالشیء الاخر عرضة علیہ عارضة یعنی جنت کی قیمت آسمانوں اور زمین کی عمدہ چیزوں سے بھی زائد ہے۔ ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دراصل یہ ایک سرِّ روحانی کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جنت عالم قدس ہے۔ اس عالمِ حسی سے کچھ علاقہ ہی نہیں نہ وہ شہر عدن میں ہے نہ ملک شام میں ہے نہ آسمان میں ہے نہ کسی کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر ہے بلکہ یہ تمام آسمان وزمین اس کی وسعت کے آگے کچھ بھی نہیں بس لینے کہ اس کا چوڑان اتنا ہے پھر طول کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ پھر وہ آسمان یا زمین میں کیونکر سما سکے۔ ہاں سماوات اور عرش چونکہ لطافت میں عالمِ قدس کے مشابہ ہیں اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ جنت آسمانوں پر دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ پھر سَارِعُوۡا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ وہ عالمِ ارواح طیبات کا حیزِ اصلی ہے جو جسمانی عوائق ہیں ان کو توڑ اور چھوڑ کر اس طرح دوڑو کہ جس طرح قفس سے طائرِ خوش الحان اڑ کر اپنے باغ میں جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے یہ بات ہر صحابی کو میسر آ گئی تھی۔ چنانچہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ مشرکین سے مقابل ہوئے تو صحابہ سے فرمایا' قُوۡمُوۡا اِلٰی جَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ کہ'' اس جنت کے لیے اٹھو جس کا چوڑان زمین وآسمان کے

---

[1] اضعاف جمع ضعف لما کان جمع قلة والمقصود الکثرة اتبعه بما یدل علی ذلک وھو الوصف بمضاعفة عرضھا والمراد وسعتھا بطریق الاستعارة ۔۱۲ منہ
اس سے کم سود کھانے کی اجازت نہیں نکلتی ہے کیونکہ قید ایک امر واقعی کے لیے ہے۔۱۲ منہ

برابر ہے''۔ یہ سنتے ہی عمیر بن حمام صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا' آہا آہا اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے چھوارے کھانے لگا۔ پھر کہا اتنی دیر میں چھوارے کھاؤں گا۔ یہ تو بڑا عرصہ ہے لو جنت ہی میں چل کر کھاویں گے۔ پھر یہاں تک لڑا کہ شہید ہو گیا (رواہ مسلم) اسی طرح جنگ احد میں صحابہ کو حالتِ وجد پیش آئی۔ جہاد کے موقع پر سَارِعُوْا کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جہاد میں تلوار سے اس طائرِ روح کے بند کٹ جاتے ہیں پھر جس کے بعد روحانی سلطنت اور بڑی سیرگاہ اور وسعت اور عالمِ سرور اور نور ہے اور شمشیرِ محبتِ الٰہی بھی یہی کام کرتی ہے۔ دوسرا وصف اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ کہ وہ پہلے ہی سے تیار کی گئی ہے وہاں کے لوگ اور احباب منتظر ہیں پھر لِلْمُتَّقِیْنَ میں اشارہ ہے کہ وہ پرہیز گاروں کا گھر ہے جو دولت اور حسب اور نسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد متقین کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے تا کہ حقیقی متقی اور ادعائی متقیوں میں فرق ہو جائے۔ متقین کی دو قسم ہیں ایک محسنین دوسرے تابعین اور احسان کبھی تو دوسرے کو نفع پہنچانے سے ہوتا ہے اور کبھی ضرر نہ دینے سے ہوتا ہے اس لیے (۱) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ فرمایا جس میں نہ مال کی قید ہے نہ جس کو دیا جاوے اس کا ذکر ہے بلکہ عام رکھا ہے خواہ اپنے کو خواہ بیگانے کو خواہ زکوٰۃ' خواہ صدقۂ نافلہ' خواہ ہدیہ دیتے ہیں تنگی میں تھوڑا اور فراخ دستی میں بہت' خواہ علم و حکمت صرف کرتے ہیں۔ (۲) وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ فرمایا کہ اپنے غصہ کو مارتے ہیں کسی سے بدلہ بھی لینا نہیں چاہتے خواہ اپنا ہو خواہ بیگانہ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اقتدار پا کر بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔ (۳) وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی اپنے حقوق کا بھی کسی سے مطالبہ نہیں رکھتے بلکہ درگزر کرتے ہیں۔ اس لیے ان تینوں وصفوں کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ فرمایا اس کے بعد (۴) وصف توبہ ہے یعنی اگر ان سے کوئی گناہ از قسم زنا یا اور کوئی کبیرہ صغیرہ بشریت سے ہو جاتا ہے تو وہ تین باتیں کرتے ہیں (۱) خدا کو یاد کرتے ہیں اس کی تجلی سے جو کچھ کثافت روح پر آ گئی ہے دور ہو جاتی ہے۔ (۲) اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں خدا سے معافی مانگتے ہیں (۳) جو کچھ ہو گیا ہے اس پر اڑتے نہیں بلکہ ندامت کرتے اور آیندہ کو باز آتے ہیں۔ آگے ان کی جزا جنت فرما کر کلام کو اول اسلوب پر لایا گیا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَلَقَدْ
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ

تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

تم سے پہلے (بہت سے) واقعات[1] گذر چکے ہیں زمین میں پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور اس شکست سے ہمت نہ ہارو اور نہ غم[2] کھاؤ۔ اگر تم سچے مسلمان ہو تو تمہیں غالب ہو کر رہو گے۔ اگر تم کو کوئی زخم پہنچ گیا ہو تو دوسروں کو بھی تو ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ان دنوں کو تو ہم لوگوں میں ہراتے پھراتے رہتے ہیں اور (یہ زخم اس لیے پہنچا) کہ خدا کو (خالص) ایمانداروں کو جانچنا اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا اور اللہ کو ستمگاروں سے محبت ہی نہیں اور یہ اس لیے بھی کیا تا کہ ایمانداروں کو پاک کرے اور کافروں کو مٹائے[3] کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تو خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانچا بھی نہیں اور تم تو موت کے آنے سے پہلے (خدا کی راہ میں) مرنے کی آرزو کیا کرتے سو اب تو تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا (تو اب کیوں جی چراتے ہو)

ترکیب: مِنْ قَبْلِكُمْ خَلَتْ سے متعلق ہے وَلَا تَهِنُوْا ماضی وہن سے ہے وَ حذف ہے کیونکہ وہ کسری اور ی کے بیچ میں آ گیا تھا۔ الْاَعْلَوْنَ اس کا مفرد اعلیٰ ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے الف حذف کر کے اس کا یادگار فتح چھوڑ دیا گیا ہے۔ قَرْحٌ مصدر قرحۃ بمعنی زخم ہے اور قرح بالضم زخم۔ تِلْكَ مبتداء الْاَيَّامُ خبر نُدَاوِلُهَا جملہ حال ہے وَلِيَعْلَمَ معطوف ہے محذوف پر ای نداولہا لیکون کیت وکیت وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ تا کہ معلوم ہو کہ اس گردش ایام کی چند علتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اور ہے وَلِيُمَحِّصَ معطوف ہے لیعلم پر اَمْ منقطعۃ بمعنی بل۔

تفسیر: پیشین گوئی: جبکہ خدا تعالیٰ نے عالم آخرت کی رغبت اور جنت کا شوق دلایا اور جہاد پر جو اصلاح عالم کا باعث ہے آمادہ کیا تو یہاں پیشتر دنیا اور اہل دنیا کی بے ثباتی بیان فرمائی کہ تم سے پہلے کیا کچھ دنیا پر گذر چکا ہے دنیا میں پھر کر دیکھو کہ فرعون وغیرہ سرکش لوگ کہاں گئے۔ ان کے نعیم و ناز خاک میں مل گئے۔ انجام کار پرہیزگاروں نے فلاح پائی۔ انبیاء اور ان کی جماعت ہمیشہ کافروں سے لڑتے آئے ہیں۔ اس کے بعد اس واقعہ کی طرف توجہ کرتا ہے جو جنگِ احد میں گذرا ہے یعنی وہ جو کچھ مسلمانوں کو ہزیمت اور مصیبت پہنچی تھی اس پر منافق ہنستے اور ایماندار دل میں آزردہ ہوتے تھے کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو اس کا کچھ غم نہ کھاؤ نہ سستی اختیار کرو کیونکہ اس سے پیشتر جنگِ بدر میں تم ان کو ہزیمت اور زخم دے چکے ہو۔ دنیا میں زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ کبھی رنج ہے کبھی راحت۔ ہم لوگوں میں زمانہ کو یوں ہی الٹتے پلٹتے رہتے ہیں مگر انجام کار تمہیں غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا۔ عرب کیا مشرق سے مغرب تک بڑے بڑے ملک صحابہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ ایمان کی بدولت۔ پھر اس احد کی شکست میں کچھ حکمتیں ہیں ان کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اس میں ایک تو ایمانداروں کا امتحان مقصود تھا۔ دوم یہ کہ تم میں سے بہت لوگ عالم آخرت اور شہادت کے مشتاق تھے۔ ان کو شہادت دینی تھی۔ سوم یہ کہ جو خالص مسلمان ہیں وہ اس معرکہ میں پڑ کر پاک ہو جاویں اور کفار مخالفین مٹ جائیں کیونکہ ہمیشہ سے حق کی یہ تاثیر ہے کہ جہاں کہیں اس کی جماعت کا خوں بہا وہیں وہ ایک نیا رنگ لایا۔ غیرتِ الٰہی جوش میں آئی۔ پھر جو لوگ کفار میں قابلِ اصلاح ہوتے ہیں ایمانداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور باقی لوگوں پر غیب سے وہ مار پڑتی ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔

فوائد: (۱) جنگ احد میں جو کچھ اہلِ اسلام پر مصیبت پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اس کے لیے کئی طرح سے تسلی دی۔ اولاً تو یوں کہ انجام کار تم ہی غالب

---

[1] سنن جمع سنۃ بمعنی طریقہ مستقیمہ جس سے مراد واقعہ ہے جو طریقہ طبعیہ پر گزرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] احد کی لڑائی میں بعض مسلمانوں کی سوء تدبیری اور خدا اور رسول کی نافرمانی سے شکست ہو گئی تھی جس میں حضرت حمزہ وغیرہ ستر صحابی کے قریب شہید ہو گئے تھے اس پر منافق لوگ طعنہ لے کر مسلمانوں کو رنج دلاتے اور ہمت ہراتے تھے ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور مسلمانوں کو نصرت وفتح کا وعدہ دے کر مضبوط کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ آیندہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا ورنہ دنیا میں اور آخرت میں بھی فلاح نہ پاؤ گے۔ مسلمانوں پر جب کوئی آفت آتی ہے تو ان کی نافرمانی سے آتی ہے۔

[3] محض لغت میں پاک کرنا محض مٹانا۔ ۱۲ منہ

[4] التمحیص الابتلاء وقیل التطہیر وقیل تخلص وقیل التصفیۃ ۱۲ منہ التحقیق محو الاثار والحق نقصہا قلیلا قلیلا ۱۲ منہ

رہو گے۔ ثانیاً یہ کہ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ ثالثاً یہ کہ اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو تم نے بھی ایسا ہی زخم ان کو بدر میں دیا تھا۔ رابعاً تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کہ زمانہ یوں ہی ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو رنج نہ کرنا چاہیے ہمیشہ دن یکساں نہیں رہتے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجان دل مشو خرم — کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

اس کے بعد مقتول و مجروح ہونے کے اسرار و درجات بیان کئے کہ ہم کو تو بعض کا امتحان اور مومنین کا پاک کرنا اور کچھ لوگوں کو درجۂ شہادت دینا اور کافروں کو مٹانا منظور تھا۔ ان سب باتوں کے بعد پھر ایک نہایت تاکید اور تہدید کا حکم بھیجا کہ جس سے تمام اہلِ ایمان کانپ گئے اور طالبانِ عقبیٰ پر ایک کوڑا سا پڑ گیا۔ وہ یہ کہ تمام ایمانداروں کو یہ سنا دو کہ تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ ہم یوں ہی اس جنت میں کہ جو عالم سرور کی بادشاہت ہے چلے جاویں گے بغیر اس کے کہ جہاد نہ کرو اور صبر اور مشقت کی کسوٹی پر نہ کسے جاؤ۔ اسی طرح ایک جگہ اور بھی فرمایا ہے اَلٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ کہ "لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس آمنا کہنا اور لا الہ الا اللہ کہنا اسلام اور آسمانی بادشاہت کے لئے کافی ہے۔ اس پر کوئی آزمائش نہ ہوگی"۔ ایک بار نبی ﷺ خانہ کعبہ سے تکیہ لگائے کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے اور کفارِ قریش کا زور تھا ہر روز ایمانداروں پر ظلم و ستم ہوا کرتا تھا۔ اس میں ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسا وقت آئے گا کہ جس میں ہم اس سے نجات پاویں گے اور آپ کی بشارت کا ظہور ہوگا۔ یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک غصہ کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ بس اتنی ہی تکلیف پر یہ نوبت آ گئی۔ واللہ! تم سے پہلے انبیاء اور ان کے مخلصین آروں سے چیرے گئے ہیں اور وہ اف بھی نہ کرتے تھے (اس کا مضمون کتبِ صحاح میں ہے) درحقیقت دنیا میں بادشاہ پانچ سات روپے ماہوار پر سپاہی کو نوکر رکھتا ہے کہ جس کو سر کٹانے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا پھر جس بادشاہِ حقیقی نے جان دی اور جسم کو ہزاروں خوبیاں عطا کیں، تندرستی دی، لاکھوں نعمتیں پشت در پشت عطا کرتا چلا آیا ہے اس پر وہ عالم روحانی میں سلطنت کا وعدہ فرمائے اور یہی تنخواہ اس کے رسول کی معرفت مقرر ہو جاوے اور وہاں جانا بھی ضرور ہو۔ پھر جو کوئی صرف زبانی اسلام اور ایمان پر بھروسہ کرے اور خدا کی راہ میں جان اور مال اور عزت و آبرو دینے کو دریغ رکھے سو اس کو قطعی جان لیجئے کہ طمعِ خام رکھتا ہے اور کچھ نہیں یا دنیا میں جب کوئی کسی سے عشقِ مجازی رکھتا ہے تو دیکھئے اپنی آبرو اور مال اور جان کو اس کے لیے دریغ نہیں کرتا۔ سینکڑوں لوگ برائے نام مسلمان ہیں یا مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ زبانی جمع خرچ بہت کچھ گاؤ تکیوں پر پشت لگائے ہمدردیِ اسلام اور حصولِ درجاتِ آخرت کے لئے باتیں بناتے ہیں۔ اگر اسلام کے لیے جان اور آبرو تو درکنار مال یا کسی مطلب میں کچھ بھی نقصان عائد ہوتا معلوم ہو تو پھر کہاں تھے۔ ایسے سگِ دنیا انہیں منافقین کی ذریت ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں بیشمار جگہ آیا ہے۔ انسان جنت اور اس کی خوشنودی کی امید جب رکھے کہ پہلے اپنے دل میں اپنے مال اور اولاد اور عزت و آبرو بلکہ جانِ عزیز اور ہر قسم کے عیش و راحت کو اس معبودِ حقیقی پر نثار کرنے کو تیار ہو جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دارِ آخرت کی بادشاہی اور جنت میں دیدارِ الٰہی اور نعماءِ غیر متناہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ

مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور محمد بجز اس کے کہ رسول ہیں (اور) کیا ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گذرے ہیں پھر اگر وہ (خود) مر گئے یا (کسی اور طرح) مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر بھی جائے گا تو وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور قدر دانوں کو اللہ بہت جلد جزا دے گا اور خدا کے حکم کے بغیر کوئی مر بھی تو نہیں سکتا (مرنے کا) وقت معین لکھا ہوا ہے اور جو دنیا ہی کا بدلہ چاہتے ہیں تو ہم ان کو دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت ہی کا بدلہ دیں گے اور قدر دانوں کو تو ہم بہت جلد جزائے خیر دیں گے اور بہت سے نبی ہو گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ راہ خدا میں ہو کر بہت سے با خدا لوگ لڑے ہیں پھر جو کچھ ان کو راہ خدا میں مصیبت پہنچی تھی اس سے نہ تو وہ ہمت ہار ہی گئے تھے اور نہ وہ سست ہی ہو گئے تھے نہ وہ دب گئے تھے اور اللہ ثابت قدم لوگوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے اپنے کام میں قصور ہو گئے ہیں ان کو بخش دے اور آیندہ ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دیجیو۔ پھر ان کو اللہ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دے گا اور خدا کو نیکی کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو (تمہارے دین سے ضرور) برگشتہ کر کے چھوڑیں گے۔ پھر تم نقصان میں جا پڑو گے بلکہ تمہارا کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ (اطمینان رکھو) ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنایا کہ جن کے لیے اس نے کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَمُوْتَ اسم کان اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ خبر کِتٰبًا مفعول مطلق ہے ای کتب ذلک کتابًا مُّؤَجَّلًا اس کی صفت ہے۔ کَاَيِّنْ اصل میں ای تھا کاف اس پر داخل ہو گیا اور نون خلاف قیاس تنوین کا لکھ دیا اب یہ بمعنی کم ہے۔ من نبی اس کا بیان قٰتَلَ نبی کی صفت یہ کاین مبتدا اور خبر محذوف ای فی الدُّنْيَا قَوْلَهُمْ اسم کَانَ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا خبر و قیل العکس۔ ان شرطیہ تُطِيْعُوا شرط يَرُدُّوْكُمْ جواب اللّٰهُ مبتداء مَوْلٰىكُمْ خبر بِمَآ اَشْرَكُوْا باب سَنُلْقِيْ سے متعلق ہے اور مَا مصدریہ مَثْوٰى مفعل ہے ثویت سے لام کلمہ ی ہے۔

تفسیر: جنگ احد میں جبکہ وہ جماعت تیر اندازوں کی کہ جس کو نبی ﷺ نے گھاٹی پر بٹھایا تھا مشرکین کے پیچھے لوٹ کے لیے دوڑ پڑی۔ ادھر

سے خالد بن ولید جو اس وقت مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر آ پڑے اور باہم معرکہ کشت وخون بڑا گرم ہوا یہاں تک کہ عبداللہ بن قمئہ حارثی نے آنحضرت ﷺ پر حملہ کیا تو معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ لوا بردار لشکرِ اسلام نے اس کو ڈانٹا اس نے معصب کو قتل کیا اور یہ شور مچا دیا کہ میں نے محمد کو قتل کر ڈالا۔ اس آواز سے صحابہ میں بڑی تشویش پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ عبداللہ بن ابی منافق سے یہ کہیں کہ وہ ابوسفیان سے امان مانگے۔ اس میں کچھ منافق بولے اگر محمد نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ اپنے بھائیوں سے مل جاؤ اور اپنے دینِ قدیم میں جا ملو۔ انس بن النضر عم انس بن مالک انصاری نے کہا' اے قوم اگر محمد (ﷺ) قتل ہو گئے تو محمد (ﷺ) کا خدا تو زندہ ہے۔ پھر نبی ﷺ کے بعد تم جی کر کیا کرو گے ؎

کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے
جی کو سر زندگی نہیں ہے

جس پر وہ شہید ہوئے تم بھی اس بات پر شہید ہو جاؤ۔ تھوڑے سے عرصہ کے بعد جبکہ طلحہ اور ابوبکر اور علی وغیرہ مردان اسلام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور حملہ کر کے مشرکین کا منہ پھیر دیا تو آنحضرت ﷺ نے آواز دی کہ بندگانِ خدا ادھر آؤ۔ آنحضرت ﷺ کی آواز سن کر مسلمان دوڑ پڑے اور مشرکین کو بھگا دیا۔ اس واقعہ میں یہ آیتیں اہلِ اسلام کی تسلی کے لیے نازل ہوئیں کہ محمد رسول اللہ ہیں جیسے کہ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ خدا نہیں جو ہمیشہ جیتے رہیں پھر اگر وہ کسی لڑائی میں مارے گئے یا خود مر گئے تو کیا تم پھر الٹے پھر جاؤ گے اور کفر میں جا پڑو گے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو خدا کو کچھ مضرت نہیں دے گا۔ ہاں جو کوئی دین پر قائم رہے گا تو ہم اس کو جزائے خیر دیں گے اور اگر یہ سمجھو کہ لڑائی سے موت آتی ہے تو تمہارا خیال غلط ہے۔ اجل کا وقت مقرر ہے اس سے پیشتر کوئی نہیں مرتا۔ اب رہا جہاد میں شریک ہونا اگر اس سے کسی کو لوٹ اور غنیمت مقصود ہے تو ہم اس کو دنیا ہی دے دیتے ہیں اور جو آخرت اور شہادت مدِ نظر رکھتے ہیں تو ہم ابھی بدلہ دیں گے۔ آنکھ بند ہونے کی دیر ہے پھر تو وہاں سلطنتِ آسمانی اور عیشِ جاودانی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد اہلِ اسلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے نبی ہو گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ میں ہو کر باخدا لوگ مخالفانِ حق سے لڑے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون وغیرہما۔ پھر جو کچھ ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچی ہے (زخمی ہوئے' مارے گئے' گرمی اور بھوک اور پیاس اٹھائی' پا پیادہ سفر کئے ہیں) اس سے ان کا جوشِ ایمانی ٹھنڈا نہیں ہو گیا تھا نہ ان میں بوقتِ قتل کبھی کچھ بوداپن پیدا ہوا تھا اور نہ اس کے بعد وہ جہاد سے ضعیف ہو گئے تھے۔ نہ دشمنوں کی شوکت سے ان کے حوصلے پست ہوئے تھے۔ دیکھو خدا کو ایسے صابروں سے محبت ہے۔ باوجود اس کے وہ خدا سے دعا کر کے یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے خدمتِ دین میں قصور ہوئے ہیں' ان کو معاف کر دے اور ہم کو آئندہ ثابت قدمی عطا کر اور کافروں پر فتح یاب کر (اس امت کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو اور اعانتِ اسلام کر کے دل میں غرّہ نہ ہو کہ ہمیں نے ایسا کیا ہے)۔ پھر ان کی اس سعی اور کوشش کا نتیجہ ذکر کر کے رغبت دلاتا ہے کہ خدا نے ان کو دنیا میں بھی عمدہ بدلہ دیا۔ مخالفوں کی حکومت اور ملک اور عمدہ باغ اور مکان سب اہلِ حق کو دیے۔ چنانچہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل نے ملک شام لیا اور خدا ان کو آخرت میں بھی اچھا بدلہ دے گا بلکہ دے دیا۔ وہاں ان کے لیے وہ کچھ ہے جس کا بیان نہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کفار اور منافقین کی باتوں پر عمل کرنے سے منع کرتا تھا جیسا کہ انہوں نے جنگِ احد میں کہا تھا (پیغمبر مارے گئے' اپنے دین کی طرف پھر جاؤ) کہ اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو کافر بنا کر چھوڑیں گے جس سے تم دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ تم نے ایسے لوگوں کی بات کی (کہ جو اسلام کی توہین بیان کریں اور کہیں کہ اب اسلام دب گیا۔ یہ پھر سرسبز نہیں ہوگا۔ مسلمان ایسے ہو گئے یوں مغلوب ہو گئے) کچھ پروا نہ کرو۔ تمہارا خدا حافظ و ناصر ہے۔ ہم کفار کے دل میں ان کی کفر کی شامت سے رعب ڈال دیں گے۔ ان کا کروفر ظاہری کچھ کام نہ آوے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے

مطابق واقع ہوا روم اور ایران کے جرار سپاہ کے دل میں صحابہ کا رعب ڈال دیا گیا جو کمبلی پوش اور بے سروسامان تھے۔ وہ دم بھر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَىْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم ان (کافروں) کو اس کے حکم سے قتل کرنے لگے یہاں تک کہ تم خود اکھڑ گئے اور حکم میں جھگڑنے لگے اور نافرمان ہو گئے بعد اس کے کہ جو تم چاہتے تھے وہ تم کو خدا نے دکھا بھی دیا تھا۔ کچھ تو تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور کچھ لوگ تم میں سے آخرت کے طالب تھے۔ پھر تم کو ان سے (کافروں کے قتل کرنے سے) باز رکھا کہ تم کو آزمائے اور خدا نے تو تم کو معاف کر دیا اور اللہ کا ایمانداروں پر بڑا

(ہی) فضل ہے جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور تم کو پیچھے سے رسول پکار رہا تھا۔ سو اس لیے تم کو خدا نے غم پر غم دیا تا کہ تم جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اور جو پیش آوے اس پر غم نہ کھایا کرو اور اللہ کو تمہارے (سب) کام معلوم ہیں۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن نازل کیا وہ ایک اونگھ تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی اور ایک جماعت نے اپنی جان کو فکر میں ڈال رکھا تھا جو اللہ سے بدگمانی کر رہے تھے۔ جاہلوں کی طرح سے کہہ رہے تھے کہ آیا کچھ ہمارے لیے بھی اختیار باقی ہے۔ (سو ان سے) کہہ دیجئے کہ سب اختیارات اللہ ہی کو ہیں۔ وہ اپنے دل میں وہ باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی بات بھی ہمارے اختیار میں ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا گیا ہے۔ وہ ضرور اپنے قتل ہونے کی جگہ نکل کر آ جاتے (یہ اس لیے ہوا) تا کہ خدا تمہارے دلوں کے خیال آزمائے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہو اس کو پرکھے اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو (خوب ہی) جانتا ہے۔ جو لوگ تم میں سے دونوں فوجوں کے مقابلہ کے روز پیٹھ پھیر گئے تھے ان کو تو صرف شیطان نے ڈگمگا دیا تھا۔ ان کے بعض اعمال کی شامت سے اور بے شک خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ اللہ تو بڑا معاف کرنے والا بردبار ہے۔

ترکیب: صَدَقَ فعل اَللّٰهُ فاعل کُمْ مفعول اول وَعْدَهٗ مفعول ثانی۔ حَتّٰی متعلق ہے فعل محذوف سے ای دام ذلک ای وقت فشلکم وَالرَّسُوْلُ جملہ موضع حال میں ہے بِغَمٍّ موضع نصب میں ہے صفت غم کی وقیل بسبب غم اَمَنَةً اسم ہے امن کا ویقرء بالسکون فَھُوَ مصدر۔ نُعَاسًا بدل ہے اَمَنَةً سے اور عطف بیان بھی ہو سکتا ہے۔ یَغْشٰی صفت نُعَاسًا کی وَطَائِفَةٌ مبتدا قَدْ اَھَمَّتْھُمْ خبر شیء اسم کَانَ والخبر لنا ما قُتِلْنَا جواب لَوْ کَانَ اِلٰی مَضَاجِعِھِمْ متعلق ہے لَبَرَزَ سے وَلِيَبْتَلِيَ اور معطوف ہے محذوف پر ای فعل ما فعل لیمیز وَلِيَبْتَلِيَ وَلِيُمَحِّصَ معطوف ہے وَلِيَبْتَلِيَ پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ فتح دینے والا ہے اور نیز پہلے عموماً اسلام کی فتح مندی اور ظہور کا وعدہ دیا گیا تھا اس پر احد میں شکست سی واقع ہوئی تو مدینہ میں آ کر بعض منافق مسلمانوں سے کہنے لگے لو صاحب اچھا وعدہ خدا نے پورا کیا۔ ارے میاں ایسے وعدوں کا کیا اعتبار ہے؟ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ تم نے تو اول ہی حملہ میں کفار کی جماعت کو تہ تیغ کر کے بھگا دیا مگر تم نے خود نافرمانی کر کے یہ مصیبت سر پر لی۔ باوجودیکہ تمہارے سردار نے تیر اندازوں کو کہا کہ یہاں سے نہ ہٹو مگر جب تم نے جھگڑا کیا اور اپنی مرغوب چیز یعنی فتح دیکھ لی اور کچھ تم میں سے دنیا یعنی غنیمت کے طالب بھی تھے' کافروں کو بھاگتا دیکھ کر ان کے پیچھے پڑ گئے' ان پر چڑھے چلے جاتے تھے۔ پیچھے سے رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے کہ پھر آؤ' گھاٹی نہ چھوڑو مگر تم نے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس نافرمانی اور رسول کو غم رسانی کے بدلہ میں خدا نے تم کو کافروں کے قتل سے روکا یعنی ان کے دل میں رعب اٹھا کہ تمہارے دلوں میں ڈال دیا' پیچھے سے کافروں نے گھاٹی پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔ اسی لیے غم کے عوض[1] میں تم کو خدا نے غم دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور تم کو اس بات کی بھی عادت پڑے کہ جو کچھ فوت ہو جاوے اس پر اور جو کچھ مصیبت آ جاوے اس پر رنج نہ کھایا کرو بلکہ مشیت اور قضائے الٰہی پر راضی ہو جایا کرو مگر اس کے بعد بھی خدا نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور مسلمانوں پر غیب سے اثناءِ معرکہ میں ایک ایسی[2] نیند ڈالی کہ جس میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے سیف گر گر پڑتی تھی۔ اس نیند کے بعد وہ جو رعب اہلِ اسلام کے دل پر تھا جس طرح تکان دور ہو جاتی ہے اسی طرح دور ہو گیا اور پھر جو حملہ کیا تو مشرکین بھاگ اٹھے مگر جو لوگ منافق تھے ان کو جان کی پڑی ہوئی تھی' ان کو نیند نہ آئی وہ خدا سے جاہلوں کی طرح یہ بدگمانیاں کر رہے تھے کہ کیا اللہ کیا روز جزا سب بناوٹی باتیں ہیں اور یہ بھی کہہ رہے تھے

---

[1] تم نے رسول کو نافرمانی کر کے مغموم کیا اس کے بدلہ میں ہزیمت سے تم پر غم پڑا۔ ۱۲ منہ

[2] ایسی حالت میں نیند کا آنا ایک معجزہ تھا۔

کہ کاش ہمیں کچھ قدرت واختیار ہوتا اور دل میں اور لغو باتیں بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ اگر ہم کو کچھ اختیار ہوتا اور ہمارے کہنے کو پیغمبر مان کر مدینہ سے باہر نہ نکلتے تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ فرماتا ہے یہ خیال لغو ہے کیونکہ جن کی تقدیر میں موت لکھی تھی ان کو تو خواہ مخواہ گھر بیٹھے بھی موت آجاتی مگر ان باتوں سے خدا تمہارے دل کی آزمائش کرتا اور مومنین کے دلوں کو پاک کرتا تھا اور اس امتحان کی خدا کو کچھ ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر ایک دل کی بات جانتا ہے بلکہ یہ امتحان صرف باہم بندوں سے دکھانے کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے وعدہ اور مدد میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چنانچہ اس کو تم نے دیکھ لیا مگر خود تم نے نافرمانی کر کے ہزیمت اٹھائی اور جو لوگ اس روز بھاگے تھے تو ان کو شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی شامت سے ڈگمگا دیا تھا جو انہوں نے رسول کا کہنا نہیں مانا' گھاٹی کو چھوڑ دیا اور خیر اس کو بھی اللہ نے معاف کر دیا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ تقدیر الٰہی کا لکھا ضرور پیش آتا ہے۔ یہ صحیح کہ عالم تدبیر میں جو کچھ سوءِ تدبیری ہوتی ہے یہ نتیجہ بد اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ عالم عالمِ اسباب ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب تقدیر کا لکھا پورا ہونے کو ہوتا ہے ویسے ہی اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ ہو گیا اس پر زیادہ ملال کرنا بے فائدہ ہے۔ آخر جب تمام عالم کا کسی شخص کو خالق اور مسبب الاسباب مان رکھا ہے تو پھر اس کے بھی اختیارات ہیں کہ نہیں۔

(۲) دنیا میں جو کچھ انسان پر مصیبت آتی ہے وہ اس کے اعمالِ بد کا ثمرہ ہوتا ہے۔ رہا اہلِ حق کا مخالفانِ حق کے ہاتھ سے شہید ہونا وہ مصیبت نہیں بلکہ وہ عین راحت ہے۔ ایسی موت کے کیا کہنے ہیں

ع　سوزیست کو نثار کروں ایسی موت پر

(۳) یہ کہ ابتداء سے لے کر آخر تک جس قدر اہلِ اسلام مخالفوں کے ہاتھ سے شکست پاتے یا ذلت اٹھاتے آئے ہیں سو یہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ثمرہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

ایمان والو تم ان کافروں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ سفر میں یا جہاد میں ہوتے ہیں' یہ کہا کرتے ہیں (کہ) اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ باتیں اس لیے ان سے سرزد ہوتی ہیں) کہ خدا اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور جلاتا اور مارتا تو اللہ ہی ہے اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو خدا اس کو خوب دیکھ رہا ہے اور (اچھا) اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو کیا غم ہے۔ خدا کی مغفرت اور رحمت

(جو ایسے مقتولوں کے لیے موجود ہے) ان کی تمام کمائی سے بہتر ہے (مسلمانو) اگر تم مرجاؤ گے یا مارے جاؤ گے تو اللہ ہی کے پاس لائے جاؤ گے۔

ترکیب: غُزًّی مشدد جمع غاز والقیاس غزۃ کقاض وقضاۃ لیکن فعل کے وزن پر صحیح پر محمول ہو کر آیا ہے۔ لَوْ کَانُوْا شرط مَا مَاتُوْا جواب جملہ مقولہ ہے قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ کا لِیَجْعَلَ کا لام محذوف سے متعلق ہے ای اوقع ذلک فی قلوبھم لیجعلہ حسرۃ اور جعل بمعنی صیر ممکن ہے کہ لام عاقبت ہو۔ وَلَئِنْ شرط مُتُّمْ جمہور بضم میم پڑھتے ہیں وھوالقیاس لان الفعل منہ یموت اور بعض نے بالکسر پڑھا ہے لَمَغْفِرَۃٌ جواب۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں اگر جنگ میں ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ اس کا جواب دے کر یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم ایسے سست اعتقاد اور عالم اسباب پر توکل کرنے والے نہ بنو جیسا کہ منکرانِ قدرت خدا ہیں جو اپنے بھائیوں سے یعنی برادری کے ان لوگوں کے لیے جو دور دراز سفر میں یا جہاد میں جاتے اور وہاں قضاءِ الٰہی سے مرجاتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے کیونکہ ان باتوں سے صرف دل میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے جو ایک عذابِ روحانی اور بے فائدہ چیز ہے اور قضا تو کہیں ٹل نہیں سکتی۔ اللہ مارتا جلاتا ہے۔ وہ ہر جگہ اسبابِ موت پیدا کرسکتا ہے اور مواقع قتل میں بچا سکتا ہے اور بالفرض اگر تم اللہ کی راہ میں مارے بھی گئے تو اس سے کیا بہتر؟ کس لیے کہ اگر شہید مرے یا یوں ہی مر گئے تو جبکہ خدا خوش ہے تو کیا باک ہے۔ اس کی مغفرت اور پھر رحمت تمہاری کمائی سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ مال و زر جمع کر رہے ہو اور اس کے لیے مارے مارے پڑے پھرتے ہو سب یہیں رہ جاتا ہے مگر اس کی مغفرت اور رحمت ساتھ رہتی ہے۔ پھر اسی جملہ کو دوسرے پہلو سے تاکید کے لیے اعادہ فرمایا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ کہ اگر تم سفر یا جہاد میں مر گئے یا مارے گئے مر کر نیست و نابود نہیں ہو جاؤ گے بلکہ ایک دوسرے پیکر میں حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور اللہ کے پاس جمع ہو گئے۔ یہ نجات حقیقی ہے کس لیے کہ وہ نور اصل جملہ روحانیاتِ نورانیہ کا ماویٰ و ملجا ہے۔ تمام ذرات آفتاب کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں مگر جب کوئی حائل ہو جاتا ہے تو مطلوبِ حقیقی تک نہ پہنچنے کے سبب جو اضطراب ہوتا ہے۔ وہی بڑا عذاب ہے اس جملہ میں مرجانے کو مارے جانے پر مقدم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ خدا کی رضامندی میں مرجانا بھی فلاح کا باعث ہے۔ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول غفلت و گناہ اس کے لیے تو شہادت مغفرت ہے۔ دوم اصلاح و طاعت ایسی حالت میں شہادت رحمت، باعث ترقی درجات ہے۔ سوم خدا کا شوق ایسی حالت میں شہادت باعثِ تقرب ہے۔ جس کو اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ سے تعبیر کیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ف: یعنی ایسی باتیں جو سست اعتقاد کیا کرتے ہیں۔ ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کس لیے کہ مرنا جیسا خدا کے ہاتھ ہے سفر اور جنگ میں بھی سب تھوڑی ہی جاتے نہ وطن میں سب زندہ رہتے ہیں۔ صرف دل کی حسرت اور افسوس ہے جو ایک قسم کا قلبی عذاب ہے۔

پس کچھ اللہ کی رحمت ہی ہے جو آپ (اے نبی!) ان کے لیے نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو (یہ لوگ کبھی کے) آپ کے پاس سے جدا ہو گئے ہوتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے خدا سے معافی مانگئے اور ان سے کام (کاج) میں مشورہ بھی لے لیا کرو۔ پھر جب کسی کام کا ارادہ ہی کر لیا کرو تو خدا ہی پر بھروسہ کیا کرو۔ ضرور خدا کو توکل کرنے والوں سے محبت ہے۔ اگر اللہ تم کو فتح دے گا تو کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا اور اگر وہ تم کو رسوا کرے گا (تو) پھر اس کے بعد کون تم کو فتح مند کر سکتا ہے؟ اور ایمانداروں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ترکیب: فَبِمَا رَحْمَةٍ با زائدہ ہے اخفش کہتا ہے جائز ہے کہ ما نکرہ ہو بمعنی شیء اور رحمۃ بدل ہو اس سے اور ب لِنْتَ سے متعلق ہو۔ فَاِذَا عَزَمْتَ شرط فَتَوَكَّلْ جواب اِنْ يَّنْصُرْ شرط فَلَا غَالِبَ جواب۔

تفسیر: احد کی لڑائی میں جو کچھ لوگ بھاگے اور بعض نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ اس پر اہلِ اسلام میں انگشت نمائی ہونے لگی اور خاص لوگ ان کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور مشوروں میں بھی ان کو شریک نہ کیا جاتا تھا۔ نہ کسی بات میں ان سے صلاح لی جاتی تھی۔ یہ بات ان کی دل شکنی کا باعث تھی اور چونکہ یہ بات بتقضائے بشریت ان سے سرزد ہو گئی تھی اس کو خدا نے معاف کر دیا تھا۔ اس لیے یہاں اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ تم فضلِ الٰہی سے رحم دل ہو۔ اگر سخت دل اور کج خلق ہوتے تو لوگ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے۔ سو تم بھی ان کو معاف کر دو اور خدا سے ان کے لیے معافی مانگو اور امورِ دنیا میں بھی ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ ہاں جب تم بعد مشورہ کے کسی کام کا پکا ارادہ کر لو تو خدا پر توکل کرو۔ اسبابِ ظاہریہ پر اعتماد نہ کرو۔ خدا کو اہلِ توکل پسند ہیں۔ کس لیے کہ اگر خدا تم کو فتح دینا چاہے گا۔ گو ظاہر میں تمہارے اسباب ضعیف ہوں تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور جو تمہاری معصیت اور بدکاری کی وجہ سے تمہیں ذلیل کرنا چاہے گا تو کیسا ہی تمہارے پاس ہو تو کوئی تم کو مدد نہ دے سکے گا۔

فوائد: (۱) لِنْتَ لَهُمْ الخ حسنِ خلق کا باعث یہ ہوتا ہے کہ جب روح پر انوارِ قدس فائض ہوتے ہیں تو اس کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں مکمل ہو جاتی ہیں۔ پھر جو کچھ صدمہ اس کو پہنچتا ہے اس کو خدا ہی کی طرف سے جانتا ہے نہ کسی پر اس کو غصہ آتا ہے نہ انتقام لیتا ہے یا جو راحت غیر کو پہنچتی ہے حسد نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس جس قدر باتیں بدخلقی کی خام خیالی کے متعلق ہیں سب دور ہو جاتی ہیں اور جب اس کو روحانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جسمانیات اور یہاں کے لذائذ اس کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتے ہیں' نہ شہوت ناجائز رہتی ہے نہ حبِ جاہ و مال جو تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے اور اسی لیے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق اس درجہ حمیدہ تھے کہ قرآن میں متعدد جگہ اللہ نے آپ کی مدح کی ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۲) جو باتیں وحی اور الہام سے متعلق تھیں ان میں کسی سے مشورہ کی حاجت نہ تھی۔ ہاں امورِ دنیا میں کہ کس دن مخالفوں پر چڑھائی کرنی چاہیے اور کہاں مقام کرنا چاہیے وغیرہ ذلک ایسی باتوں میں آنحضرت ﷺ مشورہ کرتے تھے۔ اس لیے امت پر مشورہ مسنون ہوا اور بے شک مشورہ میں چند راؤں کے ملنے سے قوت ہو جاتی ہے اور اس پر برکت بھی نازل ہوتی ہے۔ اس لیے خلفاءِ اربعہ تک قیامِ امامت شوریٰ پر رہا تو عمدہ نتائج بھی برآمد ہوتے رہے اور جب سے شخصی سلطنت ہوئی اور تمام اختیارات ایک شخص کے ہاتھ میں آئے تو برکت جاتی رہی۔ اس لیے مشورہ نہایت عمدہ چیز ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ

ف: فبما عند سیبویہ وغیرہ زائدۃ مزیدۃ التاکید وعند الاخفش وابن کیسان نکرۃ مجرورۃ بالباء ورحمۃ بدل منہا والفالترتیب مضمون الجملۃ واللفظ الکریہ الخلق ماخوذ من ماء الکرش مایستعر لکی بہ الخلق وغلیظ القلب قساوتہ الانفعاص التفرق۔ ۱۲ منہ

اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور کسی نبی کا (بھی) یہ کام نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جس چیز کی اس نے خیانت کی ہو اس کو قیامت میں لا دے گا۔ پھر ہر شخص اپنے کئے کا پورا بدلہ پاوے گا اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ کیا وہ شخص جو مرضی الٰہی کے تابع ہو گیا ہو۔ اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس نے خدا کا غصہ حاصل کیا ہو اور اس کا ٹھکانا (بھی) جہنم ہو اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے اللہ کے نزدیک لوگوں کے (مختلف) درجے ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: لِنَبِيٍّ خبر مَا كَانَ اَنْ يَّغُلَّ اسم ومن شرطیہ یَاْتِ جواب۔ اَفَمَنِ من بمعنی الذی مرفوع ہے بسبب مبتداء ہونے کے۔ كَمَنْ بَآءَ خبر هُمْ مبتداء درجات ای ذو درجات خبر۔

تفسیر: عصمتِ آنجناب ﷺ: پہلے تھا کہ ان کو مشورہ میں شریک کر لیا کرو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ اگر نبی ایسے امور میں مشورہ نہ کرے اور مصالح اور اسرارِ سلطنتِ آسمانی تم پر ظاہر نہ کرے کہ جو تمہارے فہم سے بالا ہیں تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ پیغمبر نے خیانت کر لی۔ کس لیے کہ نبی خدا کا امین ہے۔ اس کی شان خیانت نہیں کیونکہ نبی کو حق الیقین ہے کہ جو کوئی دنیا میں خیانت کرے گا قیامت کو اس کی خیانت ظاہر کی جاوے گی اور پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ غنائم کے تقسیم کرنے میں کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا قوم اور رفاہِ عام کے لیے اس میں سے کوئی حصہ بیت المال میں جمع کریں یا کسی وجہ سے تقسیمِ غنائم میں دیر ہو تو تم منافقوں کے کہنے سے اپنے نبی کی طرف ایسی بدگمانی ہرگز جائز نہ رکھیو۔ منافق عبداللہ بن ابی وغیرہ ایسے ایسے شبہات مسلمانوں کے دل میں ڈالا کرتے تھے اور یہ ضرور ہے کہ جب سردار کی نسبت ناجائز بدگمانیوں کا دروازہ کھلتا ہے تو انجام بغاوت اور پھوٹ پڑ کر قوم اور ملت کی شوکت اور برکت جاتی رہتی ہے۔ یہ اہلِ اسلام کو اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی نسبت ادب ملحوظ رکھنا تعلیم فرمایا۔ يَاْتِ بِمَا غَلَّ اس میں عموماً ہر قسم کی خیانت کی برائی ہے اور عام امت کو تعلیم ہے کہ نہ مال میں خیانت کریں، نہ رازداری میں، نہ احکامِ الٰہی میں، نہ اس بارِ امانت میں کہ جو روزِ ازل بنی آدم کے سر پر دھرا گیا ہے۔ نہ اپنے حاکم اور سردار کی اطاعت میں، نہ بیوی میاں کے مال و آبرو اور عصمت میں خیانت کرے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کو انسان کے اعمال متشکل ہو کر آویں گے جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اس بات کی کہ نبی کی شان خیانت نہیں تاکید کرتا ہے کہ نبی ہمیشہ رضامندیِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور خیانت کرنے والا ناراضی حاصل کر کے جہنم میں ٹھکانا بناتا ہے۔ سو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں یعنی برابر نہیں ہو سکتے تو پھر یہ دونوں وصف متنافیین کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں۔ جب انسان کی روح پر تجلیِ ذاتی ہوتی ہے اور کدوراتِ بشریہ کو آبِ عصمت سے دھویا جاتا ہے تو اس سے ہرگز معصیت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہاں سے آنحضرت ﷺ کا معصوم ہونا پایا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اہلِ صلاح خدا کے نزدیک باعتبار استعدادِ نفوس کے سعادت اور کمال کے مختلف درجوں پر ہیں۔ پھر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرنا چاہیے۔ امانت ملحوظ رکھنے کے لیے یہ جملہ کیا ہے تاکید اور مضمون کی لہر ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

بے شک اللہ نے ایمانداروں پر بڑا ہی احسان کیا جب ان میں انہیں کا رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ترکیب: اِذْ ظرف ہے من کا مِنْ اَنْفُسِهِمْ صفت ہے رَسُوْلًا کی يَتْلُوْا اور يُزَكِّيْهِمْ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ جملہ حال ہیں رَسُوْلًا سے وَاِنْ مخففہ ہے مثقلہ سے۔

تفسیر: الہام اور نبوت کی ضرورت: فرمایا تھا کہ نبی کی شان غلول وخیانت نہیں۔ یہاں اس بات کو اور بھی ثابت کرتا ہے کہ خدا نے تو تم پر رسول بھیج کر (جو تم میں پیدا ہوا ہے) جس کے وقائع عمریہ سے تم خوب واقف ہو کہ اس نے کبھی کوئی برائی یا خیانت نہیں کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولا نہ دنیا کی محبت اس کی طرف آئی اور وہ اہل ایمان کو کتاب الٰہی بھی پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ عرب کی حالت خراب تھی ظاہر ہے بڑا احسان کیا ہے۔ پھر یہ احسان اور اصلاح ملک جو تم نے دیکھی کبھی خائن کے بھیجنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے؟

فائدہ: واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی ہے کہ جو اس کو نیک و بد میں تمیز کر کے دکھاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس عقل وادراک کا محل جسم خاکی بنایا جس کا اثر طبعی تاریکی اور توہمات ہیں۔ جیسا کہ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے عقل کا رہنما الہام قرار پایا جس طرح کہ آنکھ میں بصارت رکھی ہے مگر وہ بغیر مددِ آفتاب یا اور کسی روشنی کے نکمی ہو یہی حال عقل اور الہام کا ہے۔ اس لیے خدا نے دنیا میں رسولوں کی جماعت بھیجی تا کہ کسی کو کچھ عذر باقی نہ رہے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور جب شریعت میں کچھ فرق آیا یا زمانہ کی مصلحت کے موافق کچھ تبدل وتغیر مقصود ہوا تو ایک رسول کے بعد دوسرا رسول آیا گیا۔ یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام آ چکے اور ان کی شریعت اور کتاب میں لوگوں نے سخت تبدل وتغیر کر دیا (جیسا کہ پولوس اپنے نامہ میں کہتا ہے) اور عرب میں بت پرستی اور زناکاری اور قزاقی کا بازار گرم ہوا۔ ادھر ایران اور ہندوغیرہ ملکوں میں بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے اتباع نے سخت رواج پایا تو تمام عالم کی اصلاح کے لیے حالی جناب حضرت محمد ﷺ کو ملک عرب سے مبعوث کیا اور پھر سب سے اول عرب کو من انفسھم ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یقین کامل آ گیا۔ چند وجہ سے۔

دلائل ختم نبوت: (۱) یوں کہ آنحضرت ﷺ انہیں کے شہر میں پیدا ہوئے۔ وہ لوگ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک آپ کے چال چلن سے خوب واقف تھے۔ بجز سوا پاکدامنی اور راستبازی اور ترکِ حبِ دنیا اور گوشہ نشینی اور خدا پرستی راست گوئی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ پھر جب ایسا شخص ایک ایسا دعویٰ کرے کہ جس میں نہ کوئی دنیا کا مطلب تھا نہ آرام نفس تھا بلکہ سینکڑوں بلاؤں کا مقابلہ تھا سوائے سچ کے اور کیا گمان کیا جاوے۔ (۲) بعد نبوت کے کفار نے آنحضرت ﷺ کو مال دینا چاہا حسین وجمیل عورتیں دینے کا وعدہ کیا کہ آپ اس دعوائے نبوت سے باز آئیں مگر آپ نے بجائے اس کے فقر و فاقہ پر قناعت کی برادری اور اہلِ شہر کی ہزاروں تکلیفیں اٹھائیں، ظلم پر ظلم برداشت کیے۔ اگر خدانخواستہ آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہوتے اور دنیا کا کوئی لالچ یا کسی شہوانی خواہش میں کامیابی مقصود ہوتی تو کبھی اس پر قائم نہ رہتے۔ (۳) سیف نیل جلنے کے بعد اللہ ہر قسم کا غلبہ اور اقتدار پانے کے بعد بھی آپ کی وہی حالت رہی جو پہلے تھی، وہی عبادت، وہی ترکِ دنیا، وہی فروتنی، مساکین کو تقسیم کر کے آپ فقر و فاقہ سے گزران کرنا وہی راتوں کو محبتِ الٰہی میں جوش و درد سے رونا۔ (۴) ابتداءِ عمر سے لے اخیر تک سینکڑوں کرامتیں اور معجزات دیکھے۔ یہ سب باتیں من انفسھم سے علاقہ رکھتی ہیں جس پر خدا تعالیٰ عرب کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے

اور مِنْ اَنْفُسِہِمْ کے معنی اگر نوعِ انسان لیے جاویں تو کل بنی آدم اور بنی اسمٰعیل و ابراہیم کا فخر ہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا معجزہ جو تمام بنی آدم نے دیکھا اور جس کا اب بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا' ذکر فرماتا ہے وہ یہ کہ عرب کی جو اس وقت حالت ذلیل وخراب تھی کسی کی نہ ہوگی۔ وہ لوگ محض وحشی' جاہل شہوت پرست' درندہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آیاتِ الٰہی سنا کر مزکی کر دیا۔ ہر وحشی' جاہل علم اور اخلاقِ حمیدہ کا سرچشمہ ہو گیا۔ صحابہ کی تاریخ سے اس کا بخوبی ثبوت ہو سکتا ہے اور پھر ان کو کتاب اور حکمت سکھا کر تمام بنی آدم کے لیے حکیم اور معلم کر دیا۔ چنانچہ جہاں جہاں صحابہ گئے توحید اور خدا پرستی اور راستبازی کے آفتاب نے ان ملکوں کو منور کر دیا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا ۭ قُلْ ھُوَ مِنْ
عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی
الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِیْلَ
لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا
اتَّبَعْنٰکُمْ ۭ ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ
مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ۭ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

کیا جب تم پر کوئی مصیبت آ پڑے حالانکہ اس سے دو چند مصیبت تم (بھی) ان کو پہنچا چکے ہو تو یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی (اے نبی!) کہہ دو یہ (مصیبت) تمہارے اپنے ہی کرتوتوں سے آئی ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ مصیبت تم کو دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دن پہنچی تو اللہ ہی کے حکم سے پہنچی اور اس لیے بھی کہ خدا کو ایمانداروں اور منافقوں کو معلوم کرنا تھا اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (دشمنوں کو) دفع کرو تو کہہ دیا کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو تمہارے پیچھے ہی نہ ہو لیتے وہ اس روز بہ نسبت ایمان کے کفر سے نزدیک تر تھے۔ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ دل میں چھپا رہے ہیں۔

ترکیب: لَمَّا کلمہ تقیید بمعنی شرط اَصَبْتُمْ الخ موضع رفع میں صفت ہے۔ صیبۃ کی قُلْتُمْ الخ جملہ شرطیہ اور تمام جملہ محل استفہام یا محض جواب۔ مَا بمعنی الذی جملہ مبتداء فَبِاِذْنِ اللّٰہِ خبر وَلِیَعْلَمَ معطوف ہے محذوف پر لِلْکُفْرِ اور لِلْاِیْمَانِ کا لام اقرب سے متعلق ہے یَقُوْلُوْنَ جملہ مستانفہ ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ ضمیر اقرب سے ای قربا الی الکفر قائلین۔

تفسیر: پہلے منافقین کے اول شبہ کا جواب دیا کہ نبی کی شان خیانت نہیں۔ یہاں منافقین کے دوسرے شبہ کا جواب دیتا ہے جو وہ ضعفا اہلِ اسلام کے دل میں احد کی ہزیمت سے ڈالتے تھے۔ وہ یہ کہ اگر یہ رسول برحق ہیں تو ان کو احد کے روز ہزیمت کیوں ہوئی؟ اور باوجود وعدہ غلبہ اسلام کے یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے اس لشکرِ صحابہ سے آئندہ بہت کچھ کام لینا تھا اور جنگوں میں ہر چند صحابہ کو خارقِ عادت فتوحات بھی نصیب ہوئیں مگر کبھی شکست بھی ہونا عالمِ اسباب کے مقتضیات سے ہے۔ اس لیے منافقوں کے اقوال نقل کر کے آئندہ کے لیے مسلمانوں کو پکا کر دیا کہ اگر پھر کبھی ایسی صورت پیش آئی تو تذبذب اور بودہ دل کے نہ ہو جائیں۔ کامل عزیمت کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی کام میں سو بار بھی ناکامی ہو پھر بھی وہ ہی ہمت بندھی رہے اور ہمت کا قائم رہنا فتح مندی اور کامیابی کی دلیل ہے۔ عبداللہ بن

ابی وغیرہ کہتے تھے کہ یہ مصیبت کیوں آئی؟ اللہ فرماتا ہے تم تو اس سے دو چند ہزیمت خاص بدر[1] اور احد کے روز مخالفوں کو دے چکے ہو۔ پھر یہ کہتے ہو کہ کہاں سے آئی۔ اے نبی! کہہ دو یہ تمہاری شامت اعمال اور نافرمانی سے آئی۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر توضیح کرتا ہے کہ مقابلہ کے روز جو کچھ پیش آیا وہ بھی مقدر تھا۔ اس میں مخلصین اور منافقین کا امتحان مقصود تھا۔ پھر اس روز کی کیفیت جو منافقوں سے ظہور میں آئی بیان فرما کر ان کو کوڑا سا مارتا ہے۔ وہ یہ کہ جب مقابلہ کو آنحضرت ﷺ نکلے تو عبداللہ بن ابی کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نہ نکلو گرچہ وہ بھی لشکر اسلام میں شامل ہو کر نکلا مگر عین مقابلہ کے وقت مع تین سو آدمیوں کے بھاگ پڑا۔ جب اس سے عبداللہ ابن عمرو بن حزام انصاری ؓ نے کہا کہ اے بھلے مانس! تو ہمیشہ سے دعویٰ اسلام کیا کرتا تھا اب خدا کی راہ میں لڑ اور اگر اسلام پر تیرا عقیدہ نہیں تو پاس شہر اور برادری سے ہی مخالفوں کو ہٹا۔ اس نے کہا صاحب ہم کو لڑنا نہیں آتا۔ اگر آتا تو ہم تمہارے تابع رہتے۔ یہ بات اس نے بطور طعن کے کہی تھی کہ میرا کہنا کیوں نہ مانا۔ اللہ فرماتا ہے یہ لوگ اس روز بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ ان کے بھاگنے سے کفر کو مدد ملی اور یہ باتیں صرف زبان سے کہتے ہیں دل میں کفر پوشیدہ ہے۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾

مع ۱۷ع رکوع

(یہ وہی لوگ ہیں) جنہوں نے (گھروں میں) بیٹھ کر اپنے بھائیوں کی نسبت (یہ) کہا تھا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے (اے نبی! ان سے کہہ دو) تم اپنے اوپر سے (ہی) موت کو ٹال دینا۔ اگر تم (اپنی بات کے) سچے ہو (اے مخاطب!) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ ان کو مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں (اور) جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس پر خوش ہیں اور وہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کہ جو ان کے پیچھے (دنیا میں زندہ) ہیں (اور) ابھی ان میں (جا کر) شامل نہیں ہوئے' خوشیاں مناتے ہیں کہ ان پر کچھ بھی خوف نہیں نہ ان کو کوئی غم ہوگا خدا کی نعمت سے اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ کسی ایماندار کا اجر ضائع نہیں کرتا خوشیاں مناتے ہیں۔

ترکیب: اَلَّذِیۡنَ الخ صفت ہے اَلَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا کی لَوۡ اَطَاعُوۡنَا شرط مَاقُتِلُوۡا جواب جملہ مقولہ قالوا کا۔ اَلَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا مفعول اول لَاتَحۡسَبَنَّ کا اَمۡوَاتًا مفعول ثانی۔ یُرۡزَقُوۡنَ صفت احیاء' وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ معطوف ہے فَرِحِیۡنَ پر کیونکہ اسم فاعل اس جگہ مشابہ فعل

[1] یعنی بدر میں تم کفار پر دو چند مصیبت ڈال چکے ہو۔ اب احد کی لڑائی میں جو کچھ تم پر مصیبت آ گئی تو کہتے ہو کہ یہ کیوں آئی اور کہاں سے آئی؟ حالانکہ یہ تمہاری نافرمانی سے آئی اور نافرمانی کا یہ حال تھا کہ جب منافقوں کو جنگ میں شریک ہونے کو کہا گیا کہ چلو لڑیں اور یہ نہیں تو اپنے شہر سے ہٹا ہی دیں تو حیلہ کرنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا۔ ۱۲ منہ

مضارع ہے۔ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ متعلق ہے یَلۡحَقُوا سے۔ اَلَّا خَوۡفٌ ای بان لاخوف علیہم ان مصدر یہ ہے اور موضع جملہ کا بدل ہے اَلَّذِیۡنَ سے بدل الاشتمال۔

تفسیر: یہ بھی منافقوں کا ایک شبہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لیے تھا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہو گئے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے۔ چونکہ حیات ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی بات ہے پھر جب اس کو اس شبہ سے قوت دی جائے تو خواہ مخواہ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کو دل چاہے گا۔ اس لیے خدا نے اس کا جواب دیا کہ ان سے یہ کہہ دو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بھلا گھر بیٹھے تم تو موت سے بچ جاؤ۔ تمام امور جو عالمِ حسی میں سرزد ہوتے اور ظہور کرتے ہیں وہ عالمِ مثالی میں ثابت ہو چکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہو کر ہی رہیں گے۔ اسی طرح موت کا بھی وقت معین ہے خواہ اس وقت گھر میں ہو یا جنگ میں ضرور مرے گا خواہ مفت نامردی اور بدنصیبی کا دھبہ لگا لے یا جوانمردی اور سعادت کا مرتبہ حاصل کر لے۔ اس کے بعد یہ بتلایا جاتا ہے کہ اچھا اگر وہ مر گئے تو کیا خسارہ میں رہے۔ آخر چند روز کا پیش و پس ہے ورنہ سب کو مرنا ہے۔ پھر اس سے کون خوش نصیب زیادہ ہے جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اس لیے اب خدا تعالیٰ شہیدوں کے درجات بیان فرماتا ہے کہ اے مخاطب تو ان لوگوں کو جو کہ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور یہ زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو لوگ مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس معنی سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیاتِ جاودانی اور حقیقی زندگی ہے وہ یرزقون روزی دیے جاتے ہیں اور وہ روزی مشاہدۂ انوار اور خدا کی تجلی اور جنت کی بے شمار نعمتیں ہیں اور اس کے سوا ان کو وہاں ہر وقت خدا کی بیشمار نعمتوں سے فرحت اور سرور بھی ہے اور جو لوگ ان کے اقارب اور دوستوں میں سے ابھی زندہ ہیں اور ان کو ان کی طرف سے فکر ہے کہ دیکھئے وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں جیسا کہ کوئی مسافر منزل سخت اور ہولناک طے کر کے اپنے مقام پر جہاں ہر قسم کا آرام ہے پہنچ جائے اور اس کے متعلق لوگ پیچھے ہوں اور اس کو فکر ہو کہ دیکھئے منزل کیونکر طے کرتے ہیں۔ سو ان کو وہاں خوشی سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے ان پر بھی کچھ خوف و غم نہیں۔ وہ بھی تمہارے ہی پاس آتے ہیں (عالمِ روحانی میں ان احیاء کو دنیا کا علم اور اشتیاق بھی رہتا ہے) اور یہ بھی مژدہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر اور دینی خدمت کو ضائع نہیں کرتا۔ تم اپنی نوکری پوری کر چکے ہو اب تم پر رحمت ہے۔

فوائد: (۱) شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کئے جاویں گے کیونکہ منافق بعث و حشر کے قائل نہ تھے۔ سو وہ اس موت کو رائیگاں سمجھتے تھے اس لیے خدا نے ان کے قول کو رد کر دیا۔

اہلِ سنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ ان کو احیاء (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرما رہا ہے اور اسی طرح کبھی اَلَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ شہید تو جنت میں پہلے جاویں گے مگر جو لوگ ہنوز جنت میں داخل نہ رہے ہوں گے ان کی طرف سے ان کو فکر ہو گی سو اس لیے ان کو بشارت دی جاوے گی کہ وہ بھی تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ تو جیہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں صحاح و دیگر کتبِ حدیث ان سے مالا مال ہیں۔

(۲) بعض حمقا نے اس سے مجازی معنی مراد لیے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ قوم اور ملت پر قربان ہو رہے ہیں مگر یہ بھی لغو ہے کیونکہ سیاقِ کلام اور سباقِ کلام اور احادیث اور اجماعِ امت کے برخلاف اور تاویل باطل ہے۔ پھر جو ان کو بالفعل زندہ مانتے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسی جسم میں حیات دی جاتی ہے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ شہیدوں کی روحانیت اور بقا باللہ کا اثر بعض اوقات ان کے اجسام تک بھی پہنچتا ہے۔ اس لیے سینکڑوں برسوں کے بعد جو کبھی شہیدوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں تو ان کا جسم بھی تر و تازہ پایا گیا ہے۔

چنانچہ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ احد کے پہاڑ کے نیچے جو برساتی نالہ بہتا ہے ایک بار جو اس نے زور کیا تو جنگ احد کے بعض شہیدوں کی لاشیں نکلیں جن سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہد سلطنت میں ہوا ہے اور یہی سر ہے کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی لاشوں میں بھی وہ اثر ہو جاتا ہے کیوں نہ ہو پھول کا اثر مٹی میں ہو جاتا ہے روح تو بڑی چیز ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیاتِ روحانی نصیب ہوتی ہے۔ یوں تو ہر شخص کافر ومومن کی روح نہیں مرتی کس لیے کہ اصل انسان روح کا نام ہے کہ جو ایک جوہر لطیف ہے اور جس کا علاقہ جسم سے وہ ہے جو آگ کا لکڑی دہکتی سے یا خوشبو کا پھول سے یا علاقہ تدبیر وتصرف اور مرکب کا ہے جس کو موت کہتے ہیں۔ اس سے وہ علاقہ جسمی منقطع ہو جاتا ہے اور روح قائم وسالم دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہاں جو کافر ومنافق یا گنہگار ہیں وہاں ان کی روح اپنے اعمال کے اس رنگ سے جو دنیا میں اس پر چڑھا تھا' عذاب پاتی ہے۔ جہنم کی آگ میں جلتی ہے اور جو ابرار اور نفوسِ قدسیہ ہیں۔ وہ انوار الٰہیہ اور عالمِ نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور مشاہدۂ جمال سے لذت اٹھاتے ہیں اور ان کی روح اپنے جسم لطیف کے ساتھ جنت اور عالمِ قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے۔ چنانچہ وہ جو احادیث میں آیا ہے کہ (شہیدوں کی روح سبز پرندوں کے قالب میں آشیانۂ عرش میں رہتی اور جنت میں جہاں سے چاہتی کھاتی پیتی ہے) اس سے یہی مراد ہے بلکہ کبھی اس عالم میں بھی صورتِ جسدانیہ میں سیر کر جاتی ہے جیسا کہ ثقات کو بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ چونکہ جسم سے علاقہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح درست ہو جاتا ہے۔ سو ابرار کا اس عالمِ سرور میں جانا اصل زندگی ہے۔ اسی لیے ان کو بالتخصیص زندہ کہہ سکتے ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیات کو اللہ کی نذر کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو حیاتِ ابدی اس کے بدلہ نصیب ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(۳) خدا تعالیٰ نے یسعیاہ نبی کی معرفت جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے بیالیسویں باب میں ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی نسبت یہ خبر دی ہے دیکھو میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا (۲) وہ بازاروں میں نہ چلائے گا ملخصاً (۴) اس کا زوال نہ ہو گا اور نہ مسلا جائے گا جب تک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کرے الخ (۵) خداوند الخ یوں فرماتا ہے (۶) کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور قیدیوں کو قید سے نکالے کہ یہوداہ میرا نام ہے اپنی شوکت غیر کو نہ دوں گا جو ستائش میرے لیے ہوتی ہے میں وہ کھدی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا (۶) بیابان[۱] اور اس کی بستیاں قیدار[۲] کے آباد دیہات اپنی آواز[۳] بلند کریں گے پہاڑوں[۴] کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے' وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو جوش میں لائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے[۵] گا الخ اس بشارت میں آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک

---

۱ ملک عرب ۱۲۔

۲ قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا بڑا بیٹا آنحضرت ﷺ کا جد اعلیٰ ہے۔ یہ صاف تصریح آنحضرت ﷺ کی ہے کیونکہ بنی قیدار میں سے سوا آپ کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں گذرا ہے۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی حج اور جہاد میں تکبیر کہیں گے۔ ۱۲ منہ ۴ حج میں صفا ومروہ پر للکار کر تکبیر پڑھتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

۵ من للبیان لا للتبعیض منہ

کی صاف تصریح ہے اور اس حکمت نوامیسیہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو جہاد سے مقصود ہے وہ یہ کہ جس طرح مالک باغ اپنے باغ کو باغباں سے چھٹواتا ہے اور جو کانٹے اور ناقص گھاس اگ آتی ہے بے ساختہ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اسی طرح مخلوق الٰہی میں جب وعظ و پند انبیاء سے کام نہیں نکلتا تب اخیر میں ایک آسمانی سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے پیغمبر کو اس کام کے لیے مبعوث کر کے بت پرستی کے خس و خاشاک کو اکھڑوا دیتا ہے۔ سو اس لیے قرآن میں جا بجا جہاد کی تاکید ہوئی اور اس لشکر کی تنخواہ اجر آخرت اور درجہ شہادت اور کبھی کچھ غنیمت اور ملک وقوم کی شوکت قرار پائی۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕۛ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

جن لوگوں نے زخم پہنچنے کے بعد (بھی) اللہ اور رسول کا حکم مانا ان میں سے جنہوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی (ان کے لیے) اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو لوگوں نے (آ کر) کہا کہ تمہارے لیے لوگ جمع ہوئے ہیں سو ان کو ڈرایا (اس سے) ان کا (اور بھی) ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ہم کو کافی ہے اور (وہی) اچھا کارساز ہے۔ سو یہ (ایمان والے) خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے (اور) ان کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا اور اللہ کی رضامندی پر چلے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا موضع جر میں صفت ہے اَلۡمُؤۡمِنِیۡنَ کی۔ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ مبتدا موخر لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ خبر۔ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمۡ بدل ہے اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا سے۔ حَسۡبُنَا ای فحسبنا مبتداء اللّٰہ خبر او العکس بنعمۃ من اللّٰہ لَمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ بھی حال ہے ضمیر اِنۡقَلَبُوۡا سے وَاتَّبَعُوۡا معطوف ہے اِنۡقَلَبُوۡا پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں شہیدوں کی مدح کے بعد یہ تھا کہ خدا مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں ان مومنوں کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ یہ نہیں کہ برائے نام اسلام اختیار کر کے ان درجوں کا اپنے تئیں مستحق سمجھ بیٹھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ شہید ہو گئے ہیں وہ تو منزلِ مقصود کو پہنچ ہی گئے مگر جو اس جماعت کے لوگ زندہ ہیں، وہ بھی انہیں میں شمار ہیں۔ فرماتا ہے کہ مومن کامل وہ لوگ ہیں کہ جو ہزیمت کھا کر زخم اٹھا کر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کو موجود ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کے لیے اجر عظیم ہے کیونکہ انہوں نے اوامر پر عمل کیا۔ احسنوا اور منہیات سے بچے۔ اِتَّقَوۡا اس مدح میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے اور مشرکین چڑھے چلے آتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کریں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے ادبی کی۔ کان ناک کاٹ کر شکل بگاڑ دی۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھل کر پھر اہلِ اسلام کو پکارا تو باوجود اس شدت کے پھر دوڑے چلے آئے اور مشرکین کو ہٹا دیا۔ واقدی وغیرہ اہلِ سیر یہ کہتے ہیں کہ اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ احد کی جنگ سے جب ابوسفیان مشرکین کا لشکر لے کر واپس چلا اور بمقام روحا پہنچا تو اس کے دل میں آیا کہ ہم نے بہت سے

مسلمان قتل کئے اور بہت کو زخمی کیا افسوس ان کو بالکل نیست و نابود ہی کیوں نہ کیا پھر چلو اور کام تمام کر آؤ کیونکہ اب ان میں دم نہیں ہے اس کے اس ارادہ کی خبر نبی کو بھی پہنچ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے کہا' ابوسفیان کے مقابلہ کے لیے چلو۔ منافقوں نے کہا کیا خوب یہ تو حال ہوا ہے پھر ان سے لڑنے چلو مگر مخلصین اہل اسلام باوجود زخموں کے کمر ہمت باندھ کر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ ستر صحابہ کو لے کر حمراء[۱] الاسد تک کہ جو مدینہ سے تین میل ہے پہنچے ابوسفیان ڈر کر بھاگ گیا۔ یہ ان مسلمانوں کی مدح ہے جو ساتھ گئے تھے۔ پھر اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ میں ایمانداروں کی دوسری مدح ہے۔ اس میں بدر صغریٰ[۲] کے غزوہ[۳] کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ احد کے روز جب ابوسفیان مکہ کو واپس چلنے لگا تو پکار کر کہا' اے محمد (ﷺ) ہمارا تمہارا مقابلہ اب کے بدر صغریٰ کے موسم پر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' کہہ دو منظور۔ جب وہ دن آئے اور ابوسفیان لوگوں کو مکہ سے اکٹھا کر کے مرالظہران تک آیا تو اس کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے رعب آ گیا اور وہ واپس پھر گیا اور نعیم بن مسعود اشجعی کو کچھ دینار دے کر مدینہ میں اس لیے بھیجا کہ مسلمانوں کو ڈراوے کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ یہ عقل کی بات نہیں کہ تم وہاں لڑنے کو جاؤ۔ جب یہاں آ کر انہوں نے یہ کہا کہ تم کو قتل کیا جائے گا اور وہاں جا کر کوئی زندہ واپس نہ آئے گا۔ منافق تو سن کر کانپنے لگے مگر مخلصین مسلمان بالکل آمادہ ہو گئے اور یہ کہا کہ کچھ پروا نہیں۔ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ آخر تمام صحابہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ حسب وعدہ پہنچے۔ یہاں مخالفین میں سے کوئی بھی نہ ملا۔ اس مقام پر ایام جاہلیت میں ہر سال کئی روز تک خرید و فروخت کا میلہ لگا کرتا تھا۔ صحابہ نے وہاں جو کچھ زاد راہ لے گئے تھے اس کو فروخت کر کے دو چند نفع اٹھایا اور ثواب آخرت لے کر یہ لوگ صحیح سلامت گھر آئے۔ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ سے مراد نعیم ہے۔ اِنَّ النَّاسَ سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ سے العافیۃ اور فَضْلٍ سے مراد نفع تجارت ہے۔ لَمْ یَمْسَسْھُمْ سوء یعنی قتل و ضرب کوئی برائی پیش نہ آئی۔ وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔ اس سے منافقین کے دل میں حسرت پیدا کرتا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

[۱] یعنی بار دگر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ احد کی لڑائی کے بعد جاتے وقت ابوسفیان سردار قریش یہ کہہ گیا تھا کہ اب ہم بدر صغریٰ پر پھر تم سے لڑنے کو فلاں فلاں وقت آئیں گے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تیار کیا' خدا پرست تیار ہو گئے اور حضرت کے ساتھ وہاں پہنچے وہاں کفار میں سے کسی کو بھی نہ پایا' ابوسفیان کی خالی شیخی تھی۔ ان حکم برداروں کی ان آیات میں مدح کی جاتی ہے کہ وہ صحیح سلامت بھی آئے اور ان کو اجر بھی ملا ۔۱۲منہ

[۲] یہ بنی کنانہ کا تالاب یا کنواں تھا یہاں ہر سال خرید و فروخت کے لیے میلہ لگا کرتا تھا اور یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ ۱۲منہ

[۳] غزوہ اس لشکر کشی کو کہتے ہیں جس میں خود آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ اور سریہ وہ کہ جس میں خود شریک نہ تھے۔

(یہ خبر دینے والا) تو صرف (ایک) شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ سوتم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرا کرو۔ اگر تم ایماندار ہو اور (اے نبی!) ان لوگوں سے کچھ غم نہ کرو کہ جو کفر میں دوڑ دھوپ کررہے ہیں وہ خدا کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ بھی نہ رکھے اور ان کو بڑا عذاب ہو جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا۔ وہ اللہ کو تو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ یہ جو ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں کچھ ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ اور بھی گناہ کمائیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ترکیب: ذٰلِکُمُ مبتدا الشَّیْطٰنُ خبر یُخَوِّفُ جملہ حال ہے الشَّیْطٰنُ سے والعامل الاشارۃ ای یخوفکم باولیائہ او یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ الذین کفروا فاعل لَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ کفار اہلِ ایمان کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے لیے فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ یہاں فرماتا ہے کہ یہ ڈرانے والا (یعنی نعیم بن مسعود[1] یا جماعت کفار ابوسفیان وغیرہ) شیطان ہے کہ جو اپنے دوستوں یعنی مشرکین و کفار کی شوکت سے خدا کے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے یا یہ معنی کہ یہ شیطان اپنے یاروں کو ڈرایا کرتا ہے یعنی اس کا گذر زیادہ انہیں کے دل میں ہے۔ وہیں زیادہ وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ سوتم اس کے دوست نہیں ہو۔ تم کیوں ڈرتے ہو۔ تم مجھ سے ڈرو اگر سچے مومن ہو۔ اس کے بعد مشرکین کے کروفر اور منافقوں اور یہود کے خداع و مکر کی بے ثباتی بیان فرماتا ہے کہ اے نبی یا اے ہر مخاطب اہل ایمان! تم کو ان کے اس کفر کی تیاری اور کوشش سے ہراساں نہ ہونا چاہیے۔ یہ سب ہیچ ہے جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہی کر کے رہے گا۔ یہ اس کے ارادے اور اس کے جاری کیے ہوئے دین میں کچھ بھی خلل اندازی نہ کر سکیں گے۔ خدا کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے یہ صرف اپنا ہی بگاڑ کر رہے ہیں کیونکہ ان کی اس شرارت سے خدا یہ چاہ رہا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ بھی نہ رہے۔ بدبخت ازلی رہیں ان کو عذاب عظیم ہوگا اور وہ لوگ جو فطری ہدایت چھوڑ کر کفر اس کے بدلے میں اختیار کرتے ہیں یعنی ایمان دے کر کفر خریدتے ہیں منافقین وغیرہ وہ بھی کیا خدا کو مضرت دے سکتے ہیں۔ ان کو عذاب الیم ہوگا۔ بعد مردن ان کے یہ افعال شنیعہ جہنم کی آگ بن کر ان کو جلا دیں گے۔

احد کی لڑائی کے بعد مشرکین اپنی فتح یابی پر نازاں ہو کر یہ کہا کرتے تھے کہ جس دین پر ہم ہیں وہ حق ہے کہ ہم کامیاب ہیں اور دنیا اور دولت ہم کو نصیب ہے۔ مسلمان اسلام کی بدولت کس پست حالت میں ہیں نہ مال ہے نہ اسباب ہے' گھر بار چھوڑے مدینہ میں فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ ہم نے جو ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ سامان مہیا کر دیے ہیں اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ ان کو یہ سامان اس لیے ملے ہیں کہ نافرمانی اور گناہ میں کامل ترقی کر کے مرنے کے بعد اس کی پوری سزا پائیں جس طرح کوئی مجرم کرے اور بادشاہ باوجود علم و قدرت کے اس کو فوراً گرفتار نہ کرے اور اس کو اتنی مہلت دے کہ وہ خوب بغاوت اور فتنہ پھیلا دے۔

ف: بعض معترض اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا کا لوگوں کے حق میں برائی پہنچانے کا ارادہ کرنا اس لیے ڈھیل دینا کہ وہ اور بھی گناہ کر کے زیادہ عذاب میں مبتلا ہوں اور نیز بار بار یہ فرمانا کہ ہم کو امتحان مقصود تھا یا ہم کو نیک اور بدوں کی آزمائش کرنی تھی۔ اس کی شان تقدیس اور علم ازلی کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب مجازات و استعارات ہیں۔ بندہ جب اپنے اس اختیار و ارادے و قدرت خداداد کو برائی میں صرف کرتا ہے اور کسی ناصح کی بات نہیں مانتا جس سے اس پر برے نتائج پیش آتے ہیں تو ان نتائج کو کہیں بطور سرزنش علم ازلی کے سبب جو ازل میں خدا کو ان باتوں کا علم تھا اور وہ دفتر علم الٰہی میں ثبت ہو چکے تھے۔ اپنی طرف اسناد کر دیا جاتا ہے اور اس مفاد میں کوئی بات خلاف تقدیس نہیں۔ اسی طرح گو اس کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا مگر اس عالم شہود میں وہ علم جس کو بندے بھی حاصل کرتے ہیں۔ بعد وقوع معاملات ہی ہوتا ہے اس لیے آزمانا وغیرہ اس علم کے لحاظ سے فرمایا گیا۔ ۱۲ منہ

[1] یہ لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ان کی یہ مذمت اس حال پر ہے۔ ۱۲ منہ

سو یہ بادشاہ کے کامل غضب کی علامت ہے کہ پھر اس کو گرفتار کر کے اس بڑے بھاری جرم کے معاوضہ میں سخت سزا دے گا۔ بادشاہ کا یہ ڈھیل دینا کچھ اس کے حق میں مہربانی نہیں بلکہ زہر اور قہر ہے۔ اسی طرح بے دینوں کا دنیا میں کامیاب ہونا اور عمر و دولت میں ترقی کرنا باوجود خدا کی نافرمانی کے ان کے حق میں زہر ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸

اللہ ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کو اسی حال پر چھوڑ دیتا کہ جس پر تم ہو تاوقتیکہ ناپاک کو پاک سے ممتاز نہ کر دے اور اللہ ایسا (بھی) نہیں تھا کہ تم کو غیب پر مطلع کر دیتا بلکہ اللہ (تو) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے اس پر وہ بخل کرتے ہیں اس (بخل کرنے) کو وہ اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ بات ان کی حقیقت میں بہت (ہی) بری ہے۔ بہت جلد ان کو اس چیز کا کہ جس پر وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن طوق بنا کر پہنایا جاوے گا اور اللہ ہی آسمان و زمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

ترکیب: مَا كَانَ اللّٰهُ خبر کان کی محذوف تقدیرہ ما کان اللہ مریدا الآن يَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَذَرَ خبر نہیں ہو سکتی۔ یذر کی اصل یوذر تھی یدع کی مشابہت سے و حذف ہوا ورنہ یہاں کوئی علت حذف نہ تھی اور یذر کی ماضی نہیں آتی کیونکہ ترک اس کا کام دیتا ہے اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الخ فاعل لَا يَحْسَبَنَّ خَيْرًا مفعول ثانی ہے هُوَ ضمیر فصل مفعول اول البخل محذوف یا هُوَ۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے احد کے معرکہ کا منافق بھی یہ کہتے تھے کہ اگر نبی برحق آنحضرت ﷺ ہوتے تو یہ حوادث پیش نہ آتے۔ نہ یہ مصائب اٹھانے پڑتے۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں تسلی کرتا ہے کہ احد کے روز شکست کھانا بہت سے لوگوں کا قتل ہونا اور بہت کا زخمی ہونا اور پھر اس حالت میں ابوسفیان کے مقابلہ کو نکلنا اور بدر صغریٰ میں وعدہ پر جانا' ادھر کھانے پینے اور افلاس کی سخت تکلیفات پیش آنی' یہ سب باتیں کسوٹی ہیں۔ کھرے اور کھوٹے کے لیے خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ اے مسلمانو! تم کو بغیر امتیاز کئے تمہارے اسی حال پر تم کو چھوڑ دیتا اور اس دنیادار تکلیف میں کھرے کھوٹے کا ایسے حوادث سے امتحان نہ کرتا۔ اس پر خیال ہوتا تھا کہ اس امتحان میں خدا تعالیٰ کی کیا حکمت ہے۔ یوں ہی لوگوں کو مطلع کیوں نہیں کر دیتا کہ فلاں جہنمی ہے فلاں امتحان میں کامل نکلے گا۔ فلاں ناقص اس کے دفعیہ میں فرماتا ہے کہ اس کی حکمت کا یہ بھی مقتضی نہیں کہ وہ تم کو امورِ غیب پر مطلع کرے۔ جو باعث فساد انتظامِ عالم ہو جائے لیکن وہ اپنے رسولوں کو مخصوص کرتا ہے یعنی ان کو جس قدر چاہتا ہے اسرارِ غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ سو تم کو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا چاہیے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو گے تو تم کو اجرِ

عظیم عنایت ہوگا۔ حقیقت میں جو شخص دنیا میں ایمان کا دعویٰ کرے یا اس کی محبت کا دم مارے اور پھر امتحان کی کسوٹی پر کھینچے جانے سے حذر کرے اور چند مصائبِ فانیہ سے اس کا نشہ ہرن ہو جاوے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد جہاد کی تقویت کے لیے اس میں مال صرف کرنے کی تاکید فرماتا ہے اور جو لوگ ہاتھ روکتے اور بخل کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہماری جمع بنی رہے ان کو خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے اس بخل پر نازاں نہ ہوں۔ یہ ان کے حق میں اچھا نہیں بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز اس حبِ مال اور بخل کو متشکل کیا جاوے گا اور جس طرح یہ حبِ مال اور بخل ان کے گلے میں پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت دور نہیں ہوتا اسی طرح وہاں اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جاوے گا جس طرح خواب میں معانی جزئیہ اپنی مناسب صورت میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اعمال بھی قیامت کو بلکہ مرنے کے بعد اپنے مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے بنی آدم! تم مال پر کیوں بخل کرتے ہو۔ آخر ایک روز فنا ہے سب تم مر جاؤ گے سب کا وارث اللہ ہی رہے گا یعنی اس کے سوا اور کوئی لینے والا باقی نہ رہے گا یا میراث سے مراقبہ ہے سب کچھ اسی کا ہے پھر تم بیگانی چیزوں میں کیوں بخل کرتے ہو۔ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ سے مراد دل یا عام علم و حکمت وغیرہ ہے کیونکہ ان چیزوں میں بھی بخل کرنا ناجائز ہے۔

ربع ۴

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ
مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ
النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

بے شک اللہ نے ان لوگوں کی یہ بکواس (بھی) سن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ ہم ان کی (یہ) بکواس اور نبیوں کا ناحق قتل کرنا اب لکھے لیتے ہیں اور (اس کے جواب میں) ہم ان سے (قیامت کے دن) کہیں گے کہ لو عذابِ دوزخ کا مزا چکھو۔ یہ انہیں اعمال کا بدلہ تو ہے کہ جن کو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا تھا اور اللہ تو کسی بندہ پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی تو کہہ چکے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ہرگز ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ جس کو آگ کھا جائے۔ کہہ دو کہ مجھ سے پہلے (بھی) بہت سے رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر اور جو کچھ تم کہتے ہو وہ (بھی) لے کر آ چکے ہیں۔ پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا۔ اگر تم سچے ہو (اے نبی!) پھر اگر انہوں نے آپ کو بھی جھٹلایا تو (کوئی بات نہیں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں حالانکہ وہ معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب (بھی) لائے تھے۔

ترکیب: وَقَتْلَھُمُ معطوف ہے مَا قَالُوْا پر قتل مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف اَلْاَنْۢبِیَآءَ مفعول ذٰلِكَ مبتداء بِمَا قَدَّمَتْ خبر ای مستحق بما قدمت اَلَّذِیْنَ قَالُوْا بدل ہے پہلے الذین سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں اس بات کی تاکید تھی کہ اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا چاہیے' بخل اچھا نہیں۔ اس کے موافق جو آنحضرت ﷺ نے ترغیب دی اور فرمایا کہ جو کوئی دیتا ہے اللہ کو دیتا ہے۔ اس پر مدینہ کے یہود نے سن کر مضحکہ کیا اور کہا کہ کیا اللہ فقیر ہے جو بندوں[1] سے مانگتا ہے۔ دوسرا شبہ تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں تو ایسی قربانی کریں کہ جس کو آگ آسمان سے اتر کر کھا جاوے۔ خدا نے ہم سے عہد کیا ہے کہ اس وقت تک ہم کسی نبی کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ ایک قربانی نہ ذبح کرے اور اس کو آسمان سے آگ اگر نہ کھا جائے جیسا کہ ہمارے انبیاء کے عہد میں ہوا کرتا تھا۔ یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیتا ہے کہ جو لوگ یہ گستاخی کرتے ہیں ہم اس کو سن رہے ہیں۔ ہم اس کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں اور وہ جو ان کے بزرگوں نے انبیاء ناحق قتل کئے ہیں اور یہ بھی اس کے پسند کرنے کے سبب اس میں شریک ہیں اس کو بھی ہم لکھ رہے ہیں یعنی یہ گستاخی کچھ نئی بات نہیں۔ یہ لوگ پشتینی بدمعاش اور خدا کے نافرمان ہیں (اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کا معجزہ آتشی قربانی انہوں نے دیکھا تھا اس کے ساتھ بجز قتل کے اور کیا سلوک کیا تھا) بعد موت کے ہم ان کو کہیں گے عذابِ حریق کا مزہ چکھو اور یہ تمہارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے' ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

دوسرے شبہ کی نسبت فرماتا ہے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول اور بہت سے معجزات اور خاص یہ معجزہ کہ جس کے تم خواستگار ہو لے کر آئے ہیں اور صحیفے بھی ان کے پاس کھلے کھلے تھے' پھر ان پر ایمان لانا تو در کنار ان کو قتل کر ڈالا۔ پس اگر اے نبی وہ آپ کی تصدیق نہ کریں تو کچھ آپ کا قصور نہیں بلکہ یہ ان کی مستمرہ عادت ہے۔ واضح ہو کہ انبیاءِ بنی اسرائیل میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیل یا اور جانور انہوں نے قربانی کیا تو اس کو غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر کھا گئی اور یہ بات اس کے مقبول ہونے کی عمدہ علامت تصور ہوتی تھی جیسا کہ عہدِ عتیق کے متعدد مقامات سے پایا جاتا ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ خدا نے ہم سے عہد لے لیا ہے کہ بغیر اس معجزہ دیکھے کے کسی پر ایمان نہ لائیں محض غلط بات ہے۔ کبھی ان سے یہ عہد نہیں ہوا بلکہ مسیح علیہ السلام وغیرہ کو اس کی نوبت بھی نہیں آئی۔ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے' ان کا انکار نہ کر سکے اور ایک نئی بات طلب کی اور یہ طلبِ عناد سے تھی تو اس لیے سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ایسی حالت میں معجزہ نہ دکھایا جاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چڑھتے وقت معجزہ دکھانے سے انکار کیا تھا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم کو تو قیامت کے روز (تمہارے اعمال کے) پورے (پورے) بدلے ملیں گے۔ پس جو شخص آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ (دلی) مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی ہے کیا محض دھوکے کی پونجی۔ ضرور مالی اور جانوں کے (نقصان میں) تمہاری آزمائش

[1] آج کل بھی جاہل لوگ قرآنی محاورات اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا وغیرہ پر یہی اعتراض کیا کرتے ہیں حالانکہ اللہ کو دینے اور قرض دینے سے مراد نیک کاموں میں دینا مراد ہوتا ہے جس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔ اس کو قرض سے بطور استعارہ کے تعبیر کرنا کمالِ بلاغت ہے مگر کوڑھ مغز کے نزدیک عیب ہے۔ ۱۲ منہ

کی جاوے گی اور البتہ تم کو ان لوگوں سے کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور مشرکوں سے بھی بہت سی رنج کی باتیں سننی پڑیں گی اور (اس پر) اگر تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کرو تو البتہ یہ (بڑی) ہمت کی بات ہے۔

ترکیب: کُلُّ نَفْسٍ گرچہ نکرہ ہے مگر اس مقام پر مبتدا اور ذَائِقَةُ الْمَوْتِ خبر اِنَّمَا کاف ہے اور اس لیے اجورکم کو فعل کی وجہ سے نصب ہوا اور اگر بمعنی الذی ہوتا تو اجورکم کو رفع ہوتا فَمَنْ زُحْزِحَ الخ شرط فَقَدْ فَازَ جواب وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا معطوف ہے مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ پر اَذًى موصوف كَثِيْرًا صفت مفعول ہیں لَتَسْمَعُنَّ کا۔

تفسیر: قرآن میں مخالفوں کے ایذا پر صبر کرنا جابجا ہے: پہلے تھا کہ اگر یہود نے آپ کی تکذیب کی تو کچھ نئی بات نہیں۔ یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ یہاں جو کچھ کرتے ہیں کرلیں آخر ہر شخص کو مرنا ہے کس لیے کہ جسم کی رطوبتِ غریزیہ[1] کو اس کی حرارتِ غریزیہ فنا کرتے خود بھی فنا ہو جاتی ہے جس طرح چراغ کا تیل حرارت سے جلتے جلتے اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ خود چراغ کی لو گل ہو جاتی ہے یہ چار مخالف عناصر کب تک جمع رہیں گے انفکاکِ ترکیب ہوگا۔ اگلے کہاں رہے ہیں جو یہ رہ جائیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح باقی رہے گی کیونکہ نفس کو موت کا مزہ چکھنے والا فرمایا سو موت کے وقت اس کا باقی رہنا چاہیے۔ پھر روح جب اس عالم سے وہاں جاوے گی تو اپنے اعمال کا پورا بدلہ پاوے گی مگر قیامت میں کہ جب اس عالم عنصری کا وجود نہ رہے گا جو عذاب سے بچا اور جنت میں گیا اس نے اپنے اس دنیا میں آنے کی مراد پالی اور نہ اس کا یہ سفر اکارت گیا اور جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام اور مال و دولت، زن و فرزند ہی کو اصلی مراد سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں۔ یہ سب چیزیں عالمِ خواب کے عیش و آرام کی طرح چند روز کے بعد خواب ہو جاویں گی۔ پھر اس بے بنیاد چیز کے نشہ میں اس عالم کے ہادیوں کا انکار کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ حقیقت میں یہاں کے عیش و آرام کچھ بھی نہیں۔ ہر مزہ میں تلخی ملی ہوئی ہے۔ اول تو ہر دم فنا جسم کا تغیر آوازِ جرس بن رہا ہے۔ پھر اگر مال ہے تو تندرستی نہیں اور یہ ہے تو وہ نہیں سب مرادیں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ سو اس تمام عیش و خوبی کا گھر عالمِ روحانی ہے۔ اس لیے کاملین موت کے مشتاق رہتے ہیں۔ اس تسلی کے بعد فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! یہ عالم دارِ امتحان ہے۔ تم کو جانی اور مالی تکلیفیں یہاں اٹھانی پڑیں گی۔ اہلِ کتاب اور مشرکین کے طعن اور کلماتِ جان سوز بھی سننے پڑیں گے۔ ثابت قدم رہنا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔ پادری اور متعصب ہنود وغیرہم سینکڑوں برچھیاں مسلمانوں کے دلوں پر مارتے تھے اور مارتے ہیں۔ ہزاروں جھوٹی باتیں لکھ کر اسلام پر دھبہ لگاتے ہیں۔ عجب عجب پہلو سے آنحضرت ﷺ اور اسلام اور قرآن کی ہجو کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر تم ان باتوں پر صبر کرو اور علم اور پرہیزگاری سے کام لو تو یہ بڑی عمدہ اولوالعزمی کی بات ہے۔ جہاد کے موقع پر جنگ کرنا اور بات ہے عموماً برتاوے میں علم اور تواضع کرنا اور بات ہے۔ اس کی بھی جابجا قرآن میں تعلیم[2] ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝۱۸۷ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا

[1] اصلیہ ۱۲

[2] قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ مسلمانوں سے کہہ دو کہ کافروں کو معاف کیا کریں وقال اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو۔ وغیرہا من الآیات ۱۲

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹

اور (اے نبی!اہل کتاب کووہ وقت یاددلاؤ) جبکہ اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا کہ (اس کتاب کو) لوگوں سے ضرور بیان کر دینا اور چھپانا مت۔ سو (اہلِ کتاب نے) اس عہد کو پسِ پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں (قدرے) قلیل دام وصول کئے سو کیا ہی برا سودا کر رہے ہیں اور (کہہ دیجئے) ان لوگوں کو جو اپنے کرتوت پر اتراتے ہیں اور کیا (کچھ بھی) نہیں اور (اس پر) خواہشیں کرتے ہیں کہ ہماری تعریف ہو۔ سو ان کی نسبت یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے عذاب (دوزخ) سے رستگاری حاصل کر لی ہے (بلکہ) ان کے لیے (تو) عذابِ دردناک (تیار) اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت تو اللہ ہی کے لیئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: لَتُبَيِّنُنَّهٗ کا مرجع عند البعض کتاب ہے۔ بعض کے نزدیک نبی علیہ السلام ہیں۔ وَرَآءَ ظرف ہے نَبَذُوْا کا لَاتَحْسَبَنَّ بالتاء خطاب للنبی اولکل من یصلح للخطاب، انت ضمیر اس کی فاعل اور اَلَّذِيْنَ صلہ وموصول مع معطوف مفعول اول خَيْرًا مفعول ثانی محذوف یا لَاتَحْسَبَنَّ ثانی اسی کا اعادہ ہے۔ هُمْ مفعول اول بِمَفَازَةٍ مفعول ثانی مفازۃ مفعلۃ ہے یعنی ظرف مکان مِنَ الْعَذَابِ متعلق کے ہو کر مَفَازَةٍ کی صفت اور اگر مفازۃ کو مصدر میمی مانا جاوے تب اسی کے ساتھ متعلق ہے۔

تفسیر: صبر اور پرہیزگاری جس کا حکم دیا تھا اور اس کو ہمت کے کاموں میں سے بتایا تھا، یہود میں سے جاتی رہی تھی۔ جس کا ذکر آیات میں کیا جاتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ کہ خدا نے اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو لوگوں سے چھپانا نہیں بیان کر دینا مگر دنیاوی فوائد کے لحاظ سے اس عہد کو پسِ پشت پھینک دیا۔ عہد کے بدلہ جو دنیا خریدی کیا ہی برا سودا کیا۔ پھر ان میں صبر اور پرہیزگاری کہاں رہی۔ دنیا کے لالچ میں ایمان بھی برباد کر بیٹھے۔

علماءِ اہل کتاب پر ہوا پرستی اور دنیا طلبی یہاں تک غالب آگئی تھی کہ وہ جیسا موقع دیکھتے ویسا ہی فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ حق گوئی بالکل جاتی رہی تھی اور لطف یہ تھا کہ اپنی اس کرتوت پر بھی خوش ہوتے تھے بلکہ اس بات پر مدح وستائش کے مستحق بنتے تھے کہ دیکھو ہم کیسے ہوشیار ہیں، دین کی آڑ میں دنیا حاصل کرتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ وہ اس چالاکی اور دین فروشی سے چاہیں کہ خدا کی مار اور اس کی سزا سے بچ جائیں، ہرگز نہ بچیں گے۔ ان کو اس فعل کی سزا ملنی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو اللہ ہی کے لیئے ہے۔ اس کی عدالت کا یہی تقاضا ہے۔ اس کے اقتدار وقدرت سے بھی کوئی باہر نہیں۔ جو کسی تدبیر وحیلہ سے اس کی سزا سے بچنا چاہے تو نہیں بچ سکتا۔ اس بات سے ڈرنا ہی تو اصل پرہیزگاری ہے جس کو وہ کھو بیٹھے۔ اے مسلمانو! تم نہ کہہ دینا اتوا ای فعلوا ویُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور اصل ستائش وحمد تو عمدہ باتوں پر ہوتی ہے۔ سو وہ انہوں نے کیں نہیں اور کیا تو برا کام کیا پھر اس پر وہ ستائش کرانا چاہتے تھے سو یہ نہایت بدبات تھی۔ گویا عیب کو ہنر سمجھ کر مدح کا مستحق بننا ہے۔ معاذ اللہ جس میں یہ لاعلاج مرض پیدا ہو جائے کہ وہ عیب کو ہنر سمجھ کر اپنے آپ کو تعریف کا مستحق سمجھے ایسے لوگوں سے صلاحیت کی کیا امید۔ اس بیان میں صبر و پرہیزگاری کی عدمی جانب بھی بیان کر دی جو یہود میں تھی۔ کس عمدہ پیرایہ سے کہ جس کا یہود بھی انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ خود ایسا کرتے تھے اور بھی ظاہر کر دیا کہ اصل تقویٰ خدا کو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اور ہر چیز پر قادر سمجھ کر اعمالِ بد کی سزا سے ڈرنا ہے اور اس میں انسان کو ہلاک کرنے والی خصلت سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ کیا عیب کو ہنر اور قابلِ مدح سمجھنا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

البتہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں (بالخصوص) ان کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر (لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بناوٹ) میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنائے تو عیبوں سے پاک ہے سو ہم کو آگ کے عذاب سے بچانا اے رب! جس کو تو نے دوزخ میں داخل کیا سو اس کو رسوا کیا۔ اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں‘ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو جو ایمان کے لیے منادی کر رہا تھا (یہ پکارتے) سنا کہ (لوگو) اپنے رب پر ایمان لے آؤ‘ سو ہم ایمان لے آئے اے رب! ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری برائیاں مٹا دے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دینا۔ اے ہمارے رب! ہم کو جن جن نعمتوں کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی معرفت سے کیا ہے اس کو ہمیں عنایت کیجئے گا اور قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ کرنا کیونکہ تو وعدہ کے خلاف (کبھی) نہیں کیا کرتا۔ پس ان کے رب نے بھی ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا میں بھی تم میں سے اچھے عمل کرنے والوں کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا (خواہ وہ) مرد ہو یا عورت (کیونکہ) تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے تو میں (بھی) ان کی برائیاں ان سے مٹا دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں لے جا کر کہوں گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں (یہ) خدا کی طرف سے (ان کے اعمال کا) بدلہ ہے اور اللہ کے پاس (بہت ہی) اچھا بدلہ ہے۔

ترکیب: فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ خبر اِنَّ لَاٰیٰتٍ اس کا اسم اَلَّذِیْنَ الخ صفت یا بیان ہے اُولِی الْاَلْبَابِ کا۔ قِیَامًا اور قُعُوْدًا حال ہیں فاعل یَذْکُرُوْنَ سے اور عَلٰی جُنُوْبِھِمْ بھی محذوف ہے متعلق ہو کر حال ہے۔ ای کائنین علٰی جنوبہم۔ وَیَتَفَکَّرُوْنَ معطوف ہے یَذْکُرُوْنَ پر۔ بَاطِلًا اسم فاعل بمعنی مصدر کالعاقبۃ یہ مفعول لہ یا حال ہے ھٰذَا کا مشار الیہ خَلْق ہے۔ تُدْخِلِ النَّارَ شرط فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ جواب مجموعہ خبر مَنْ یُّنَادِیْ صفت ہے مُنَادِیٌ کی مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بدل ہے مِنْکُمْ سے بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ مستانف ہے یا حال ثَوَابًا تمیز یا حال۔

تفسیر: اور جانب وجودی کو ان آیات میں اپنے صفاتِ جلیلہ اور پرہیزگاروں کے رویۂ عبادت و ذکر و دعاء سے ثابت فرمایا جاتا ہے کہ پرہیزگار خداپرست ایسے ہوتے ہیں کہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''بے شک جو کچھ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں خدا کے نشانِ قدرت ہیں'' ایک مادہ سے مختلف اشیاء کس حکمت سے بنائی ہیں۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اور جو کچھ رات اور دن کے بدلنے میں نشانِ قدرت ہیں کہ نیراتِ عظام کو کس عمدگی اور فوائدِ بشریہ سے لیے ہوئے کس قادرِ مطلق نے حرکات و سکنات پر کس طرح سے مامور کر دیا ہے۔ کبھی دن اور رات بڑی کبھی چھوٹی کبھی گرم ہوتے ہیں اور کبھی سرد اور یہ تغیر بتا رہا ہے کہ دنیا کی کسی حالت کو بھی بقاء و دوام نہیں چہ جائیکہ انسان کو۔ ان سب میں غور و فکر کرنے سے اس کی قدرت و کمال کی بڑی بڑی نشانیاں اور دلائل معلوم ہوتے ہیں مگر کس کے لیے لِاُولِی الْاَلْبَابِ عقلمندوں کے لئے نہ کہ حمقاء و جہلاء کے لیے جو حیوانوں جیسی آزاد زندگی پر فریفتہ ہیں لذائذِ حسیہ ہی ان کا مقصود اصلی ہے۔ وہ عقلمند جو اصلی خدا ترس اور پرہیزگار ہیں کون ہیں اور ان کے کیا صفات ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ وہ جو ان آیاتِ قدرت میں غور کرنے کے بعد ان سب سے خدائے قادر کا وجودِ برحق مان کر اس کو یاد کرتے ہیں پھر نہ صرف عمر بھر میں ایک دو بار یا برسوں اور مہینوں اور ہفتوں میں بلکہ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا ہر حال میں کھڑے اور بیٹھے (اسلامی نماز اس قسم کے ذکر کو حاوی ہے) بلکہ وَعَلٰی جُنُوْبِھِمْ لیٹے ہوئے بھی اس سے غافل نہیں اور نہ صرف ذکر ہی کرتے ہیں بلکہ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لیٹے ہوئے جب آسمانوں اور نیراتِ عظام کو دیکھتے ہیں پھر زمین کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ان کی پیدائش میں غور و فکر کر کے یہ کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا کہ ''اے ہمارے رب تو نے اس عالم کو بیکار اور غلط کاری سے پیدا نہیں کیا ہے''۔ ہر ہر چیز میں صدہا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ یہ کسی بے شعور طبیعت یا کسی لایعقل مادہ یا کسی مجہول الحال نیچر کا کام نہیں سُبْحٰنَکَ تو اس لغو اور باطل آفرینش کی تہمت سے پاک ہے اور جو لوگ باوجود عقلِ خداداد کے ان نشانِ قدرت میں غور نہیں کرتے اور عالم کو از خود پیدا شدہ جانتے ہیں یا خدا کے سوا ان کی پیدائش اور کی طرف منسوب کرتے ہیں یا کچھ فکر بھی نہیں کرتے یہ کام جہنم میں جانے کا ہے۔ پھر اے ہمارے رب! وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو جہنم کی آگ سے بچانا ہم آپ ہی کو خالق و مالک مانتے ہیں کیونکہ جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اس کو بڑا ہی رسوا کیا جس سے زیادہ اور کوئی رسوائی اور ذلت نہیں اور ایسے ظالموں کا جو ایک کا حق دوسرے کو دیتے ہیں۔ خدا کے صفات مخلوق میں ثابت کرتے ہیں۔ وہاں ان کا کوئی بھی مددگار اور بچانے والا نہیں جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوجتے تھے کسی کی بھی مجال نہ ہوگی کہ اس کے سامنے دم بھی مارے اور صرف ہماری ہدایت کا یہی سبب نہیں کہ ہم نے عالم کے احوال میں نظر کر کے خدا کو پہچان لیا اور اسی کو کافی سمجھ بیٹھے ہوں بلکہ سَمِعْنَا مُنَادِیًا کہ ہم نے ایک منادی کو سنا۔ یُّنَادِیْ جو آواز دیتا تھا کہ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ اپنے رب پر ایمان لاؤ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا سوائے رب ہم ایمان لے آئے۔ اس کی مخالفت نہ کی۔ منادیِ خدا سے مراد نبی یا اس کے نائب اور قرآن مجید ہے اور دل میں بھی خدا کا منادی فرشتہ خیر کی طرف آنے کی آواز دیا کرتا ہے۔ اس کی آواز کو بھی وہی سنتے ہیں کہ جن کے دل میں ادراک باقی ہے۔ یہاں سے کس لطف کے ساتھ نبوت کی ضرورت بھی ثابت کر دی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عالمِ غیب کے حالاتِ صحیح بغیر نبی کے معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ قوتِ وہمیہ حق بات پر بھی دوسرا رنگ چڑھا کر دکھا دیا کرتی ہے۔ اب اے خدا ہمارے گناہ جو بتقاضائے بشریت ہم سے ہو گئے ہیں' معاف کر دیجئے اور ہماری برائیاں اور

سیہ کاریاں سرے سے مٹا ہی ڈالیے اور ہم کو آیندہ بھی اس رستہ پر قائم رکھ کہ موت بھی آئے تو نیک لوگوں کے زمرہ میں ہو کر آئے اور اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے ہمارے لیے اپنے رسول کی معرفت عالمِ جاودانی کی بابت وعدہ فرمایا ہے وہ ہم کو دینا ہمارے گناہوں کے سبب محروم نہ کر دینا۔ خوف تو یہی ہے تیرے وعدہ کی بابت ذرا شبہ نہیں کس لیے کہ تو ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا اس کے جواب میں خدا بھی ان کو ان کی دعا مستجاب ہونے کا مژدہ دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم بھی کسی کی محنت رائیگاں نہیں کیا کرتے۔ ان کی دعا قبول فرماتے ہیں۔ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں خواہ مرد ہو خواہ عورت خواہ غریب ہو خواہ امیر شریف ہو خواہ رذیل کس لیے کہ خدا کے نزدیک بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ سب انسان ایک نسل کے ہیں اور بلحاظ انسانیت یکساں ہیں۔ مراتب میں عنداللہ فرق ہے تو ان کے اعمال وایمان ہی کے سبب سے ہے۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا پھر جس نے ہجرت کی خدا کے لیے وہ وطن کہ جہاں خداپرستی نہیں کر سکتے تھے' چھوڑ دیا اور خدا کے ممنوع کام بھی چھوڑ دیے اور وہ اپنے گھروں سے بجرمِ خداپرستی نکالے گئے اور اسی لیے ستائے گئے اور مقابلہ کی اجازت کے بعد پھر وہ بھی خداپرستی کو رواج دینے کے لیے لڑے یا اس لڑائی میں مارے گئے اور شہید ہو گئے تو میں بھی ان کے گناہ دفتر سے مٹا ہی ڈالوں گا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کو مرنے کے بعد ایسے عمدہ باغوں میں لے جا کر رکھوں گا کہ جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی۔ یہ بدلہ ہوگا خدا کی طرف سے اور خدا کے پاس بہت عمدہ بدلہ ہے۔ تھوڑی سی نیکی پر بھی وہ بدلہ دیتا ہے۔ جو کوئی کیا دے گا۔ حیاتِ جاودانی جس کی ادنیٰ چیز کی بھی دنیا بھر قیمت نہیں ہو سکتی' کیسا بڑا بدلہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

(اے نبی!) آپ ملک میں کافروں کے اکڑ کر چلنے پھرنے سے دھوکے میں نہ آ جانا (یہ تو) تھوڑا سا اسباب ہے پھر تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے (وہ) باغ ہیں کہ جن کے تلے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) مہمانی ہے خدا کے یہاں کی اور جو چیز اللہ کے پاس نیک لوگوں کے لیے ہے وہ تو (بہت ہی) بہتر ہے اور بے شک اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا تھا اللہ سے ڈر کر ان (سب پر) ایمان لاتے ہیں۔ خدا کی آیتوں کو تھوڑے داموں سے بھی نہیں بیچتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ایمان والو صبر اور (تکالیف کی) برداشت کرتے رہو اور آپس میں دلبستگی رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ترکیب: مَتَاعٌ قَلِیْلٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے تقلبهم متاع قلیل لٰکِنِ مخفف اور مثقل دونوں طرح سے آیا ہے خَالِدِیْنَ حال ہے لَھُمْ سے اور عامل معنی استقرار ہیں جَنّٰتٌ موصوف وصفت مبتدا لَھُمْ خبر مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ خبر اِنَّ لَمَنْ یُّؤْمِنُ اسم خَاشِعِیْنَ حال ہے ضمیر یُؤْمِنُ سے اور جمع بلحاظ معنی لفظ مَنْ ہے۔

تفسیر: ان پرہیزگاروں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جو صرف دنیاوی جاہ وحشمت پر مغرور ہو کر ملک میں اکڑتے پھرتے ہیں جو ایک بہت ہی قلیل پونجی ہے اور نیز مشرکین اپنے دنیاوی عیش و آرام پر نازاں ہو کر فقراءِ مہاجرین وانصار سے جن پر تنگدستی بے انتہا محیط تھی طعن کے طور سے کہا کرتے تھے کہ تمہاری خدا پرستی اور پرہیزگاری دیکھی تم سے ہر حال میں ہم بہتر ہیں۔ عیش و آرام میں بلا قید حلال و حرام ہر طرح کے مزے اڑاتے ہیں نہ روزہ نماز کی تکلیف، نہ راتوں کو جاگنے دعا مانگنے کا جھگڑا۔ جب تم کو یہیں کچھ نہیں ملا تو وہاں کیا ملے گا۔ صرف توہمات اور خیالی باتوں پر شاداں ہونا اور مصائب اٹھانا ان ہی احمقوں کا کام ہے کہ جن کو محمد (ﷺ) نے اپنے جادو سے دیوانہ کر دیا ہے۔ ان کے خیالِ باطل کا رد کیا جاتا ہے کہ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ اے مخاطب تم ان کے ملک میں اس اکڑتے پھرنے سے اور اس قدر قلیل جاہ وعیش سے جو آخرت اور نعیم باقیہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے دھوکا میں نہ پڑ جانا کہ پرہیزگاری اور خدا پرستی کا کوئی عمدہ نتیجہ نہیں۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ یہ ایک تھوڑا سا سامان ہے اور بہت ہی بے ثبات بھی ہے۔ خدا نے اپنی کسی مصلحت سے ان کو دے رکھا ہے۔ اس پر نظر بھی نہ ڈالنا۔ ثم مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ یہ چندروزہ کامرانی ہے لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لیکن کامرانی اور حیاتِ جاودانی تو ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اسی کے لیے خدا پرستی اور پرہیزگاری کرتے ہیں لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ان کے لیے ایسے باغ تیار ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مسافر کو اصلی مقام کی راحت کا خیال ہونا چاہیے۔ یہ لوگ جب اس سفرِ دنیا سے اپنے مقام پر آئیں گے تو یہ سامان ان کو نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خدا کی طرف سے مہمانی میں ملیں گے اور ان چیزوں کے اور جو کچھ چیزیں خدا کے پاس ہیں ابرار یعنی نیکوکاروں کے لیے موجود ہیں وہ کہیں بہتر ہیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس عالم میں کسی کو بھی بقا نہیں لاکھوں کو مرتے دیکھتے ہیں پھر رہی یہ بات کہ یہاں کے بعد کوئی اور عالم بھی ہے کہ جہاں ہم کو جانا اور جا کر اپنے اعمال کا نتیجہ پانا ہے جس کی اس کے رسولوں نے خبر دی ہے تو پھر ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس چندروزہ سامان پر بس کرنا سخت نادانی ہے۔ اس بات پر سوائے دلائلِ عقلیہ کے تمام سلسلۂ انبیاء کی بھی شہادت بس ہے کہ جس کو بعض اہل کتاب ادا کر رہے ہیں اور وہ کون ہیں لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ کہ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اس میں اس بات کی صاف تصریح کی ہے کہ وہ اللہ سے بھی ڈرتے رہتے ہیں اور خدا کی آیات کو تھوڑے داموں سے بھی نہیں بیچتے۔ دنیا جتنی کچھ ہو تھوڑے دام ہیں سو ان کے لیے بھی ان کا اجر خدا کے پاس ہے۔ یاں خدا ترس اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے نبی خاتم الزماں کی تصدیق کی تھی جیسا کہ یہود میں عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی وغیرہم رضی اللہ عنہم اور ممکن ہے کہ اہل کتاب کے نقص بیان کرنے کے بعد ان میں سے خدا پرستوں کو مستثنیٰ کیا گیا جو انصاف کا مقتضی ہے اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن کر کے ان کو صبر اور خدا پرستی پر قائم رہنے اور پرہیزگاری پر ثابت رہنے کی طرف متوجہ فرما کر کلام کو کس خوبی سے تمام کر دیا۔ بقولہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا الخ کے ان کو بڑا بکنے دو تمہارا جو کام ہے وہ کئے چلے جاؤ۔ واضح ہو کہ انسان کے دو حال ہیں ایک دنیا کا معاملہ دوسرا خدا کا معاملہ۔ پھر دنیا کے معاملہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اپنے اوپر مشقت گوارا کرنا دوسرے کو تکلیف نہ دینا۔ ایک یہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی سلوک واحسان کرنا پھر اس کی بھی دو قسم ہیں۔ اول یہ کہ خاص اپنی ذات سے علاقہ رکھے۔

سواس کو تو اصبروا میں ذکر کیا۔ صبر نفس کو روکنا اور برداشت کرنا ہے۔ پھر اس صبر کے بہت سے اقسام ہیں۔
صبر کے اقسام: (۱) یہ کہ توحید اور عالمِ آخرت کے پہچاننے میں جو کچھ غور اور فکر کرنے میں مشقت ہو اس پر صبر کرے۔ (۲) واجبات کے ادا کرنے میں جو مشقتیں پیش آئیں روزہ میں بھوک پیاس' جہاد میں گرمی میں چلنا دشمن سے لڑنا' تبلیغِ احکام میں وعظ و پند اور دین کی منادی میں جاہلوں کی بدکلامی سننا سب پر برداشت کرے۔ (۳) نفس کی خواہش روکنے میں جو کچھ مشقت پیش آوے اس پر صبر کرے حسین عورت کی طرف حرام کرنے کے لیے دل مائل ہو اس کو روکے۔ الغرض منہیات سے بچنے میں کوشش کرے۔ (۴) مصائبِ دنیا مرض' موت' قحط' تنگدستی' خوف' وغیرہ مصائب پر برداشت کرے۔ سب باتیں اصبروا میں شامل ہیں۔ وہ جو اوروں سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ گھر کے لوگوں اور ہمسایہ اور اہلِ شہر اور قوم کے اخلاقِ رذیلہ پر برداشت کرے۔ انتقام لینے میں اور غصہ کے فرو کرنے میں دل کو روکے رکھے یہ سب باتیں صابروا میں آگئیں۔ رہا دوسروں پر احسان کرنا صلہ رحمی وغیرہ سو وہ رَابِطُوا میں آگئیں۔ ربط کہتے ہیں باندھنے اور لگانے کو خواہ دل کو محبتِ الٰہی سے باندھے یا جہاد میں گھوڑے باندھے یا شب کو مخالفوں کے لیے پہرہ دینے پر دل کو باندھے یا انتظارِ صلوٰۃ میں دل لگاوے یا عزیز قریبوں سے واسطے قائم رکھے۔ اس لفظ میں سب معنوں کی گنجائش ہے اور اسی لیے ہر ایک مفسر نے ان میں سے ایک معنی اختیار کیے ہیں اور احادیث میں بھی ہر معنی کی طرف اشارہ ہے۔ رہا خدا کا معاملہ سو وہ اتَّقُوا اللّٰهَ میں آ گیا۔ ایک جملہ میں حکمتِ نظریہ اور حکمتِ عملیہ اور ان کی جمیع اقسام تہذیبِ اخلاق' سیاستِ مدن' تدبیرِ منزل وغیرہ سب کو جمع کر دیا اور پھر حکمت کے ثمرہ فلاح کی طرف بھی کس مجمل لفظ میں اشارہ کیا جو ہر قسم کی فلاح کو شامل ہے۔ فلاحِ دنیا اور فلاحِ آخرت سب آگئیں۔

اس سورہ میں مبداء اور معاد دارِ آخرت کے حالات' خدا کے صفات' نیکی کے نتائج اور نیکوں کا رویہ اور بدلوگوں کا انجام' اشاعتِ دین میں استقلال انبیاء اور ان کے پیروؤں کے مختصر واقعات بیان کر کے سعادت کے عمدہ نتیجہ فلاح پر کس خوبی سے کلام تمام کیا ہے اور ہر ایک مضمون کو دوسرے سے عجب مربوط کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان' رحم کرنے والا ہے

لوگو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کا آپس میں واسطہ دے کر مانگا کرتے ہو اور قرابت کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ اللہ تم کو تاک رہا ہے۔

ترکیب: مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت و موصوف موضع نصب میں خَلَقَكُمْ کی وجہ سے وَ مِنْ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ایسا ہی مِنْهُمَا كَثِيْرًا صفت ہے رِجَالًا کی اور رجال اگرچہ یہاں جمع ہے اور قاعدہ چاہتا تھا کہ اس کی صفت میں کثیرہ ہوتا کیونکہ جمع مونث ہے لیکن کبھی جمع کی صفت مذکر بھی آتی ہے جیسا کہ جماعت مونث کی طرف فعل مذکر مستند ہو جاتا ہے کما قال نسوۃ' وَالْاَرْحَامَ منصوب معطوف ہے اللّٰهَ پر۔

تفسیر: یہ سورہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی کہ اس میں ایک سوچھہتر آیتیں ہیں۔ اول چونکہ اس میں عورتوں کے احکامِ نکاح وتوریث وغیرہ زیادہ مذکور ہیں اس لیے اس مناسبت سے اس کا نام سورہ ٔ نساء مشہور ہو گیا۔ سورہ [1] آل عمران میں بیشتر جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل اور فضائل اور مخالفینِ ملت اسلامیہ کے مبداء معاذ ذات وصفات کی بابت شکوک وشبہات کے جواب اور عالمِ آخرت کے دلائل وفضائل اور وہ باتیں ذکر کی گئیں کہ جن سے اقوامِ ملتِ آسمانی اور تقویتِ مذہب رحمانی ہو جائے اس کے بعد حکمتِ نوامیسیہ اور فیضِ الہام کا مقتضی ہوا کہ مکلفین کے لئے وہ احکام بھی بیان ہو جاویں کہ جو ان کے معاملات کا پورا دستور العمل رہیں اور ان باتوں کا معین کرنا بھی قوتِ بشریہ کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیے اس سورہ میں بہت سے احکام بیان ہوئے۔ خصوصاً سب سے اول یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت اور ان کے حقوق کی رعایت اور ان پر رحم کرنے کے مسائل اور پھر وراثت وغیرہ کے متعلق کہ جس کا سلسلہ موت سے متعلق ہے۔ گرچہ ایماندار ہر طرح سے خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں مگر عرب کی جہالت اور وحشت ابھی دور ہوئی تھی اور ان کا درندہ پن تھوڑے ہی دن سے رخصت ہوا تھا۔ اس لیے ان احکام پر برداشت کرنے کے لیے شروع کلام یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ الی قولہ رَقِیْبًا سے کیا اور اس میں اللہ سے ڈرنے کی دوبارہ تاکید فرمائی۔ ایک بار یوں فرمایا کہ تم اپنے اس رب سے ڈرو کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کر دیا اور پھر اس سے اس کی بیوی پیدا کر کے ان سے بہت سے مرد وعورتیں زمین پر پھیلا دیے۔ ان لفظوں میں چند باریک نکتے رکھے ہیں: (۱) لفظ رب آیا کہ جس کے معنی پرورش کرنے والے کے ہیں تاکہ اس بات کا خیال رہے کہ خدا ہماری پرورش کرتا ہے۔ ہم کو یتیموں کی پرورشِ مجازی میں کچھ کمی نہ کرنی چاہیے ورنہ درحقیقت تو وہی پرورش کرتا ہے اور یہ بھی کہ جو پرورش کرتا ہے اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری کرنا ضرور چاہیے اور خدا سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں معاذ اللہ وہ بڑا اہلا کو ہے یا سفاک بے رحم ہے، اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اللہ تو سب محبوبوں سے محبوب اور سب پیاروں سے پیارا ہے بلکہ یہ معنی کہ اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرو ورنہ اس کا بدثمرہ تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ (۲) یہ کہ تم کو ایک شخص سے پیدا کیا تاکہ یہ بات ملحوظ رہے کہ سب بنی آدم باہم ایک ہیں۔ کوئی کسی پر حسب ونسب شکل وصورت مال وجاہ سے بیہودہ تفاخر اور تکبر نہ کرے کہ جو رحم لی اور مروت کے برخلاف ہے اور نیز یہ بات ملحوظ رہے کہ سب بنی آدم میں برادری ہے سب سے رحم لی اور صلہ رحمی کرنا چاہیے اور یہ کہ اگر آج ہم کسی کو پرورش کرتے ہیں تو کیا ہوا آخر ہم کو بھی کسی نے پالا ہے۔ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو خدا نے مٹی سے بنایا اور جب ان کو تنہائی سے وحشت ہوئی تو ان کی بائیں پسلی سے ان کی بیوی حوا کو ان کے سوتے وقت بنا کر بٹھا دیا جس سے وہ خوش ہوئے۔ ان سے تمام بنی آدم کی نسل چلی۔ احادیثِ صحیحہ اور تورات کتاب پیدائش میں اس کی تصریح ہے۔ حکماءِ حال اور دہریہ اور ہنود کے بعض فرقہ اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نوعِ انسان قدیم ہے ہمیشہ سے ہے کروڑوں برس اس پر گذر گئے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ مذہب عقلاً اور نقلاً مردود ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے ڈرو کہ جس کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کیا کرتے ہو کہ برائے خدا یہ کر دو یعنی جب تم اس کے واسطے سے کام نکالتے ہو تو اس کا کہنا بھی مانو اور ان کے کام نکالنے میں بھی اس کا لحاظ رکھو۔ اس کے بعد فرمایا الارحام کہ آپس کے قرابت کا بھی لحاظ رکھو۔ بعض نے مجرور پڑھا ہے کہ قرابت سے بھی تم سوال کیا کرتے ہو۔ عرب کہتے تھے انشدک اللہ والرحام کہ خدا کے لیے اور قرابت کے لیے۔ پھر فرمایا کہ خدا تمہیں تاک رہا ہے غافل نہیں تاکہ ہر وقت لحاظ رہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا

[1] صرف اس سورہ کے اول یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اور سورہ حج کے اول میں آیا ہے اور دونوں کا یہی مطلع چند اسرار کے لیے قرار پایا ہے۔ ۱۲ منہ

فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④

اور یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو اور بری چیز کو اچھی سے بدل نہ لیا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر کھا جایا کرو کیونکہ یہ بڑا گناہ ہے اور اگر ان کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو خواہ دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے۔ پھر اگر متعدد بیویوں میں تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بس ہے یا اپنی لونڈیوں پر ہی (بس کرو) کیونکہ ناانصافی سے بچنے کے لیے یہ عمدہ بات ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو۔ پھر اگر وہ اس میں سے بخوشیِ خاطر تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں تو اس کو شوق سے کھاؤ (پیو)۔

ترکیب: بِالطَّیِّبِ مفعول ثانی ہے مبتدالو کا۔ اِلٰی اَمْوَالِكُمْ متعلق ہے محذوف سے اور موضع حالیں ہے ای مضافۃ الٰی اموالکم وقیل لی بمعنی اِنْ خِفْتُمْ شرط فَانْكِحُوْا الخ جواب۔ مَا طَابَ مفعول فَانْكِحُوْا مِنَ النِّسَآءِ اس کا بیان مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ تینوں نکرہ غیر منصرف ہیں عدل اور وصف کی وجہ سے اور یہ تینوں بدل ہیں ما سے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ شرط فَوَاحِدَةً ای انکحوا واحدة جواب او تخییر یا اباحت کے لیے۔ مَا مَلَكَتْ موصول وصلہ مبتداء کافیہ خبر محذوف نِحْلَةً مفعول مطلق ہے اٰتُوا کا دونوں ہم معنی ہیں نَفْسًا تمیز ہے شیء سے عامل طِبْنَ مِنْهُ فعیل وکذا مَرِيْٓـًٔا مفعول مطلق ہیں ای کلاھنا۔

تفسیر: جب وہ تمہید ہو چکی تو سب سے اول حکم یتیموں کے مال کی بابت دیتا ہے وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى الخ سے حُوْبًا كَبِيْرًا تک اس آیت میں تین حکم ہیں: (۱) یہ کہ یتیموں کو جبکہ وہ ہوشیار ہو جاویں ان کا مال واسباب جو ان کے ولی سرپرستوں کی سپردگی میں ہو ان کے حوالہ کر دینا چاہیے اور اس سپردگی کا وقت اور اس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ بقولہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ الآیۃ اس کی تشریح اور تفسیر آگے آتی ہے (۲) یہ کہ ان کے اچھے مال اسباب کو اپنے برے مال واسباب سے بدل نہ لیا کرو۔ یہ بات ہوتی ہے کہ جب گھر میں یتیم کا مال تفویض کر کے رکھا جاتا ہے گو اس بات کی فہرست بھی ہوتی ہے مگر اسی قسم کا دوسرا اسباب اس کی جگہ ولی بدل کر دے سکتا ہے۔ مثلاً یتیم کی ایک تلوار بھی تفویض میں آئی جس کی قیمت ہزار روپیہ ہیں بوقت واپسی ولی نے اس کی جگہ اپنی دو روپیہ کی تلوار رکھ دی۔ سو اس بات سے خدا نے منع کیا کیونکہ قانونِ عدالت اس کا کافی بندوبست نہیں کر سکتا۔ یہ دیانت پر موقوف ہے۔ (۳) یہ کہ اپنے مال کے ساتھ یتیم کا مال ملا کر نہ کھا جایا کرو مثلاً یتیم کے لیے اس کے مال میں سے کھانا پکانا اس میں کسی قدر اپنا کھانا ملا کر اس قدر زیادہ پکایا کہ اپنے تمام کنبہ کو کافی ہو دراصل یتیم کے لیے پاؤ بھر کافی تھا دو سیر اس کے مال میں سے اور سیر بھر اپنے میں سے ملا کر پکانا۔ یہ بھی ایک صورت باہم یتیم اور ولی میں ہوتی ہے اور اس کا کوئی بجز والی کے نگران نہ تھا۔ سو وہی اس کا مرتکب ہوا تو پھر کیا

ف: حوب الاثم یقال حاب یحوب اذا اثم واصلا الزجر للبعیر۔ العول الجوز من عال یعول الرجل اذا مال نحلة بکسر النون ومنہا بمعنی لعطاء ہنیئا یقال ھناہ العطام یھنیہ اذا انہضم وکذا المراد۔۱۲

علاج اس لیے اس سے منع کیا اور دیانت کا حکم دیا اور سب کے بعد یہ فرمادیا کہ یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔

فائدہ : یتیم یہ تیم سے مشتق ہے جس کے معنی تنہا ہو جانا چونکہ باپ کے مرنے سے بیٹا تنہا رہ جاتا ہے اس لیے اس کو یتیم کہتے ہیں اور اسی لیے دُرِّ یک دانہ کو درِ یتیم کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے جس کا باپ مر جاوے اس کو یتیم کہا جاوے گا خواہ وہ لڑکا ہو خواہ جوان مگر عرف میں جبکہ لڑکا بالغ ہو جاوے اور بجائے سرپرست کے خود اپنے کاروبار کرنے لگے تب اس پر یہ لفظ نہ بولا جاوے گا۔ یتیم بروزن فعیل جیسا کہ مریض اس کی جمع مرضٰی کی طرح سے یتمٰی آنی چاہیے تھی اور آئی یتامیٰ صاحب کشاف کو کہتے ہیں۔ یتامیٰ یتمٰی کی جمع ہے جیسا کہ اسیر کی جمع اسرٰی ہے پھر اس کی اسارٰی یعنی جمع الجمع اور آیت میں جو کہا یتیم کو مال دو۔ حالانکہ جوان ہونے سے یتیم نہیں رہتا اور مال جوان بالغ ہو کر ملتا ہے تو یہاں لغوی معنی کے لحاظ سے یا مجازاً شفقت دلانے کے لیے باعتبار ماکان یتیم کہہ دیا ہے۔ (۲) حوب اور حاب دونوں کے معنی گناہ کے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی دعا میں ہے رب تقبل توبتی واغسل حوبتی. (۳) یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے بھتیجے کو اس کا مال نہ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس نے دے دیا۔

اس کے بعد دوسرا حکم یتیموں کے نکاح کی بابت دیا۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ عرب کا جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ وہ یتیم لڑکیوں سے ان کے مال و جمال کی وجہ سے آپ ہی نکاح کر لیتے تھے۔ مثلاً کسی کے چچا کی بیٹی یتیم اس کے پرورش میں ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے تو وہ اور کو دینا پسند نہ کر کے خود ہی نکاح کر لیتا تھا مگر ان کا کوئی اور شخص بجز اس کے باز پرس کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مہر بھی کم باندھتے تھے اور بعد میں اور بیویاں کر کے اس کی حق تلفی بھی کرتے تھے۔ چونکہ بجز خدا کے اور کوئی ان کی طرف سے اس امر میں حامی و مددگار نہ تھا اس لیے ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ الآیۃ کہ اگر تم یتیم عورتوں کے حق ادا نہ کر سکو تو ان پر کیا موقوف ہے اور بہت سی عورتیں ہیں، تم ان میں سے پسند کر کے خواہ ایک سے نکاح کرو خواہ دو سے خواہ تین سے خواہ چار سے اور اگر ان میں بھی باہم عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا اپنی لونڈی پر قناعت کرو تاکہ ظلم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

فائدہ : (۱) اقساط عدل کرنا قسط عدل قال اللہ تعالیٰ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ اسلام میں عدل و انصاف کی نہایت تاکید ہے۔ اپنے و بیگانے کی اس میں کوئی قید نہیں۔ عرب میں ایک یہ بھی دستور تھا کہ جہاں تک چاہتے تھے نکاح کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر بیویوں میں کھانے پینے کے ساتھ سونے میں برابری نہ کرتے تھے جس سے دل چاہا عیش منایا۔ اوروں کو قید میں ڈال کر جلایا۔ اسلام نے اس خرابی کی بھی اصلاح کر دی اور گھٹا کر صرف چار عورتوں تک کی اجازت دی اور اس میں بھی یہ شرط کی کہ اگر انصاف و عدل کر سکو تو کرو ورنہ نہیں کیونکہ بیویوں کے حقوق نان و نفقہ شب باشی برابر ہونی چاہییں۔ (۲) جمہور کے نزدیک اس آیت اور احادیث صحیحہ سے کہ جو حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں اور اجماع امت سے چار عورتوں سے زیادہ سے ایک وقت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ ہاں مرتے جاویں یا طلاق دے دی جاویں تو کہیں تک نوبت کیوں نہ پہنچے اور لونڈیاں جس قدر چاہے جمع کر سکتا ہے مگر چار کی اجازت غلام کو نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اجازت میں غلام بھی شریک ہے۔ سدی وغیرہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یا اور کسی آیت سے چار پر حصر کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ مَا طَابَ لَکُمْ اجازت عام ہے۔ علاوہ اس کے مثنٰی وثلٰث ورباع میں وہ ہے جو جمعیت کا فائدہ دیتا ہے پھر سب کو جمع کیا جاوے تو نو بلکہ اٹھارہ ہو سکتی ہیں۔ اقول یہ استدلال غلط ہے۔ اگر اجازت عام دینی مقصود تھی تو صرف مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ کہہ دینا کافی تھا۔ چار تک تعین کرنا کیا ضرور تھا۔ اور اگر و کی جگہ او آتا تو یہ بات سمجھی جاتی کہ تمام اہل اسلام کو ان میں ایک عدد اختیار کرنا چاہیے یعنی سب دو دو سے نکاح کریں۔ یا تین تین یا چار چار سے یہ نہیں کہ کوئی دو سے کوئی تین سے کوئی چار سے کرے۔ حالانکہ یہی مقصود تھا۔ اس لیے و آیا او نہ آیا پس و

سے جمعیت جمیع امت کے لیے ہے نہ کہ ایک شخص کے لیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ باستثناءِ حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کی طبیعت میں عدل و انصاف خمیر کر دیا گیا ہے سب کے لیے کثرتِ ازدواج اور بے تعداد بیویاں جمع کرنا مقاصدِ دینی و دنیویہ میں مخل ہے اور انسان کی ترقیِ کمالات اور عمدہ عیش میں خلل انداز بھی ہے۔ مقاصدِ دینیہ میں اس وجہ سے کہ جب بہت سی عورتیں ہوں گی تو سب کے حقوق میں مساوات کرنا عادتاً مشکل ہے اور اگر انصاف کیا اور اقل مرتبہ مہینہ بھر میں ایک عورت کی باری آئی تو اس کثرتِ مجامعت سے اب یہ اس قابل نہ رہے گا کہ اس کی طبیعت میں سیاستِ ملک اور جہاد کا ولولہ رہے۔ ہندوستان کے رئیسوں کی عین جوانی میں پژمردگی کثرتِ جماع سے جو کچھ ان کے ملکوں میں بربادی کر رہی ہے ظاہر ہے اور دنیاوی خرابی کثرتِ عیال قلتِ مال کا صدمہ اور عیش کی تلخی تو ظاہر ہے آج کیا ہے کوئی لڑکا بیمار ہے کوئی کچھ مانگتا ہے کوئی مر گیا۔ اس کا سوگ ہے پھر اس قدر عورتیں ایک سے کیونکر سیر ہو سکتی ہیں اور سب کی طبیعتیں بھی مساوی نہیں۔ پھر کیا کیا فساد اور خلافِ عصمت باتیں کر کے ننگ و ناموسِ شوہر میں دھبہ لگاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہر وقت عورتوں میں رہنا انسان کو تجارت اور سفر اور مشقت کے ان کاموں سے مانع آتا ہے جو اس کی ترقیِ دنیا کی سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

فاحفظ مينك ما استطعت فانه
مارا الحيوٰة يصب في الارحام

اور یہ بھی خوب کہا ہے

مرا بیک دم شہوت کہ خاک بر سرِ او اسیرِ زن نتواں شد بسالہائے دراز

اب رہی یہ بات کہ شریعتِ محمدیہ نے کیوں عیسائیوں کے راہبوں اور ہندوؤں کے جوگی اور گشائیوں کی طرح ملنگ پنا تعلیم نہ کیا اور کیوں ایک ہی عورت پر قناعت کرنے کا حکم نہ دیا۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کو چار تک کی اجازت اور خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار سے زیادہ نو تک بیویاں ایک وقت میں رکھیں۔ آج کل کے رفارمروں اور عیسائی اور ملحد منش لوگوں کا اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے اور اس پر ملمع کار تقریروں سے بڑا زور دیتے ہیں بالخصوص پادری بہت غل مچاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے:

(۱) یہ بات ہر عقلمند پر ظاہر ہے کہ انسان جب تک کہ اس جامۂ انسانی میں ہے خواہ کوئی کیوں نہ ولی ہو' نبی ہو اس کو تمام انسانی حاجتیں پیش آتی ہیں۔ بھوک' پیاس بھی لگتی ہے۔ اس کے بعد نیند بھی آتی ہے۔ پاخانہ پیشاب بھی آتا ہے۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے کسی عضو میں فتور نہیں تو منی بھی پیدا ہو کر اپنا نکلنا چاہتی ہے۔ اس لیے خواہ مخواہ عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ یہ طبعی بات ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اچھے لوگ اس کو اس کے محل پر صرف کرتے ہیں۔ برے لوگ بے محل کام میں لاتے ہیں۔ اگر ملنگ پنا سکھایا جاتا تو علاوہ قطعِ نسلِ انسانی کے ہزاروں مصیبتیں[۱] پیش آتیں حرام کاری کا پل ٹوٹ جاتا۔ دیکھئے باوجود تقدیس کے جب جرجیس[۲] نے وہ تالاب صاف کرایا کہ جو اس کلیسیا کے متعلق تھا جس میں مجرد مرد و عورت رہتے تھے تو سینکڑوں کھوپڑیاں حرامی بچوں کی نکلیں اور جو ادھر ادھر پھینک دیے گئے یا حمل گرائے گئے ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ علاوہ اس کے بُردباری وغیرہ اخلاق کی درستی عیالداری کی بدولت نصیب ہوتی ہے اور ایک عورت پر عموماً سب کو پابند کرنا بھی بعض لوگوں کی عفت میں فرق لاتا ہے کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مرد کو عورت سے کہیں زیادہ قوت ہے اور نیز عورت تیس چالیس برس کی عمر میں دس پانچ بچے جن کر بڑھیا ہو جاتی ہے اور مرد کے لیے یہ عین جوشِ

---

[۱] خانہ داری کے سامان اور انتظام خاص عورتوں کا یہی حصہ ہے اور پاک دامنی اور نیک نیتی بھی نکاح پر موقوف ہے۔ ۱۲ منہ

[۲] چنانچہ پادری لوگ بھی نظرِ عمیق کے بعد اس کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں کہتے ہیں تعدادِ ازواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور مارٹین لوتھر نے فلپ کو دو جوروں کی اجازت دے دی تھی۔ ۱۲ منہ

قوت کا وقت ہے۔ پھر اس بڑھیا پر بس کرنا یا تو اشارۃً اور مزہ اڑانے[1] کا حکم دیتا ہے یا سہل شریعت کو دشوار کر دینا ہے کہ جس کی اصلاح کے لیے پھر کسی نبی کی حاجت پڑتی اور یہ بھی ہے کہ عورت ایام حیض ونفاس اور حمل بلکہ رضاعت کے وقت مرد قوی کو بس نہیں کرتی۔ بالخصوص ان گرم ملکوں کے لوگوں کے لیے کہ جن کو ایک روز بھی بغیر جماع کے چین نہیں پڑتا (مرطوب اور بلغمی لوگوں کا ذکر نہیں ہے) پھر ان کے لیے حرام کاری کی اس قدر ممانعت کر کے (کہ کسی کو بدنظر سے بھی نہ دیکھو کسی غیر محرم کے ہاتھ بھی نہ لگاؤ اس سے تخلیہ میں بات بھی نہ کرو۔ اگر کرو گے تو علاوہ عذابِ آخرت کے دنیا میں بھی سزا پاؤ گے) ایک عورت کا پابند کرنا حکمتِ الٰہیہ کی مصلحت کے برخلاف ہے۔ اس لیے شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے نہ یہ کہ سب کے لیے حکم دیا ہے اور اجازت میں بھی عدل شرط ہے۔ البتہ جس قوم میں بغیر نکاح کے بھی حاجت براری ہو سکے بلکہ خوب طرح سے ان کے نزدیک چار کیا ایک بھی جنجال اور جان کے لیے وبال ہے۔

رہا آنحضرت ﷺ کا متعدد نکاح کرنا اور آپ کا اس حکم سے مستثنٰی ہونا سو یہ مصالح کے لیے تھا۔ اول یہ کہ عدالت آپ کا شیوہ ذاتی تھا' معصوم تھے۔ دوم یہ کہ آنحضرت کو باوجود کسی آمدنی مقرر نہ ہونے کے متعدد بیویاں رکھ کر صفتِ توکل اور استقلال کی تعلیم دینا منظور تھا۔ سوم متعدد عورتوں کی معرفت عورتوں کے متعلق خلوت اور جلوت میں بیشمار مسائلِ شریعت کی تعلیم کرنا منظور تھا اور داؤد ابراہیم وموسیٰ و یعقوب علیہم السلام نے بھی اس لیے متعدد بیویاں کی ہیں۔ جیسا کہ بائبل سے ثابت ہے اور اب تک یہودی شریعت میں کئی بیویاں کرنا جائز ہے (۳) تیسرا حکم وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ابن عباس وابن جریج وقتادہ وغیرہ نحلہ کے معنی فریضہ کے کہتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ فلاں ینتحل کذا یعنی ایسا دین رکھتا ہے اس لیے مذہب کو نحل کہتے ہیں۔ چونکہ مہر بھی شرعی اور دینی بات ہے اس لیے اس کو نحلہ کہا کلبی کے نزدیک نحلہ کے معنی عطیہ کے ہیں مگر مراد دونوں کی مہر ہے۔ مہر[2] کا دینا واجب ہے مگر جب خود عورت یا درصورت صغرسنی اس کے اولیاء معاف کر دیں تو معاف ہو سکتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

---

[1] جن لوگوں میں دوسری عورت کرنے کا دستور نہیں اور اسی بڑھیا بدشکل' کج خلق' یا بیمار یا مکار' بدوضع' کوتاہ اندیش' مخالف مزاج ہی کو گلے باندھنے کی تاکید ہے ان کے حال دیکھئے کہ کیا کیا مصائب پیش آتے ہیں۔ کہیں عورت کو زہر دے کر مارا جاتا ہے' کہیں اس کے ہلاک کے لیے ڈاکٹروں سے مدد لی جاتی ہے۔ ۱۲

[2] عرب میں دستور تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت کچھ ہدیہ اس کی خوشنودی کے لیے دیا کرتے تھے۔ اس کو مہر اور صداق اور صدقہ کہتے تھے۔ اس رسم کو اسلام نے بھی قائم رکھا اور نکاح میں یہ ضروری ہو گیا مگر مہر میں کمی کرنے کی تاکید بھی شارع نے ازحد کر دی تاکہ خوشی میں آ کر سب گھر بار نہ دے بیٹھے اور پھر بھیک مانگتا پھرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مہر پیسا دو پیسے یعنی بہت کم چیز بھی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مرتبہ دس درہم ہونے ضرور ہیں جن کے تخمیناً ساڑھے تین روپیہ ہوتے ہیں مگر ہندوستان میں یہ رسم بدل گئی۔ صرف برائے نام لاکھوں اور کروڑوں کے فرضی مہر باندھنے لگے۔ کہیں سوا من مچھروں کا بھیجا کہیں کچھ اور فرضی بات ایسے مہر شرع میں کچھ نہیں نہ ان کا ادا کرنا کوئی ضروری بات ہے۔ ۱۲ منہ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور تم اپنے مال کہ جن کو خدا نے تمہارے لیے گزارہ بنایا ہے بیوقوف (یتیموں) کو نہ دو (ہاں) اس میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح (کی عمر) پہنچ جائیں تو پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو اور فضول خرچی اور ان کے بڑے ہو جانے کے خوف سے پیش قدمی کر کے نہ کھایا کرو اور جو (سرپرست) با مقدور ہو تو اس کو مال یتیم سے بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو تو (وہ) دستور کے موافق کھالیا کرے اور جب ان کے مال ان کے حوالہ کیا کرو تو ان پر گواہ کر لیا کرو اور حساب لینے کو تو اللہ ہی بس کرتا ہے۔

ترکیب: اَلسُّفَهَآءَ جمع سفیہ بمعنی بیوقوف مفعول اول اَمْوَالَكُمْ مفعول ثانی قِیٰمًا میں تین وجہ ہیں۔ اس کو قیاما بھی پڑھا ہے جو مصدر ہے قام یقوم کا یہ مفعول ثانی جعل بمعنی صیّر کا ای جعل اللہ لکم سبب قیام دوسرا یہ کہ جمع قیمۃ کی ہے کدیمۃ ودیم والمعنی ان الاموال کالقیم للنفوس ایے بہ بقاء النفوس سوم یہ کہ اصل قیاما تھا الف کو حذف کر دیا۔

تفسیر: یہ ان احکام کی تیسری قسم ہے۔ اس آیت میں تین حکم ہیں: (۱) یہ کہ یتیم اگر سفیہ یعنی بیوقوف ہو اس کو مال کی حفاظت اور تجارت کا طریقہ نہ آتا ہو اور اس کے اطوار سے معلوم ہو کہ وہ اڑا ڈالے گا تو اس کا وہ مال حوالہ نہ کرو جو تمہاری تفویض میں ہے (اموالکم کے یہی معنی ہیں) اور اس مال میں تمہاری معاش ہے۔ (۲) یہ کہ جب تک مال ان کے سپرد نہ کئے جاویں تو ان کو ان کے مال میں سے یا اس کے نفع میں سے جو تجارت سے مال حاصل ہو کھانا اور کپڑا دینا چاہیے۔ (۳) یہ کہ مال نہ دینے سے عادتاً ان کو رنج ہوتا ہے تو ان سے تسلی اور دلاسے کی باتیں کیا کرو کہ یہ تمہارا ہی مال ہے۔ میاں ہم اس کے نگہبان ہیں۔ آخر تم کو مل جاوے گا یا یہ مراد کہ ان بیوقوفوں کو اچھی باتوں کی تعلیم کرو۔ اس میں یتیموں پر نہایت شفقت ہے۔ سفاہت کم عقلی اور حماقت کو کہتے ہیں۔

اور جب کہ یہ فرمایا کہ بیوقوفوں کو مال نہ دو وہ خراب کر ڈالیں گے تو اس کے بعد دوسری آیت میں اس کی تفصیل کر دی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو اس بہانہ سے ولی یتیم کا مال ہضم کر سکتا تھا۔ فرمایا وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى الآیہ اس آیت میں چار حکم ہیں (۱) یہ کہ یتیموں کا کاروبار تجارت وغیرہ میں امتحان لیا کرو۔ پھر جب وہ نکاح کو پہنچیں (یعنی بالغ ہو جاویں احتلام اور خاص دانتوں کا نکلنا اور بغلوں اور زیر ناف بالوں کا نکلنا اور بالخصوص عورتوں کے لیے حیض آنا اور چھاتیوں کا اٹھنا علامت بلوغ مقرر ہے) اور تم کو ان سے کچھ بھی رشد یعنی دنیا کے کاروبار میں ہوشیاری معلوم ہو (رشدا کے نکرہ لانے سے یہ بات سمجھی جاتی ہے) تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو (۲) اور اس بات پر شاہد کر لو یعنی گواہوں کے روبرو دو تاکہ پھر کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ (۳) یہ کہ حالت سرپرستی میں ان کے مال فضول خرچی سے اور اس وجہ سے کہ مبادا یہ بڑے ہو جاویں تو پھر اپنا مال واپس لے لیں گے اب جو کچھ ہو کھالو' نہ کھایا کرو (۴) اگر یتیم کا سرپرست غنی ہو تو اس کو کچھ بھی لینا نہ چاہیے اور فقیر ہے تو اپنی سرپرستی اور اس کے مال کی نگرانی اور خدمت گذاری اور اس کی تجارت کے کاروبار کے معاوضہ میں جو اوروں کو دیا جاتا' اسی قدر آپ لے لے۔ فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ کے یہی معنی ہیں بعد میں كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا فرما کر تنبیہ کر دی کہ خدا تم سے ہر بات کا حساب لے گا۔

فائدہ: اگر یتیم بالغ ہو اور بالکل احمق ظاہر ہو تو اس کو مال دینا نہ چاہیے جیسا کہ پہلے تھا وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ الآیۃ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ پھر پچیس برس کے بعد بھی ایسا ہی رہے تو دے دینا چاہیے کیونکہ اب اس کی اصلاح کا زمانہ تمام ہو چکا۔ کوئی امید باقی نہ رہی۔ اب محروم نہ کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین کے نزدیک اخیر عمر تک بغیر رشد معلوم کرنے کے نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ سفیہ ہے' تلف کر ڈالے گا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع ۱۲

مردوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے خواہ (ترکہ) کم ہو یا زیادہ (اس میں سے) حصہ مقرر کیا گیا اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے (جن کا کوئی حصہ نہ ہو) اور یتیم اور محتاج (آجائیں) تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور ان سے نرم بات کہا کرو اور ان وارثوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ننھے ننھے بچے چھوڑ مریں تو ان (کی حالت) پر ان کو (کیا کچھ) ترس (نہ) آتا تو اللہ سے ڈرنا اور نیک بات کرنی چاہیے۔ جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھا جاتے ہیں وہ (تو) اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ترکیب: مِمَّا قَلَّ الخ جملہ بدل ہے مُمَّا تَرَكَ سے اور جائز ہے کہ حال ہو ضمیر محذوف سے ای مما ترکہ قلیلا اوکثیرا۔ نَصِيْبًا یہ موقع میں مفعول مطلق کے ای عطاء واستحقاقا وَاِذَا حَضَرَ شرط۔ فَارْزُقُوْهُمْ الخ جواب لَوْ تَرَكُوْا شرط خَافُوْا عَلَيْهِمْ جواب ظُلْمًا مفعول لہ ہے یا مصدر موقع حال میں۔

تفسیر: یہ ان احکام کی چوتھی قسم ہے جو توریت سے متعلق ہے۔ اس کے سببِ نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیوی پیچھے رہی اور اس کے چچا کے دو بیٹے سوید اور عرفجہ جو وصی تھے کل مال کو دبا بیٹھے۔ اس کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ آپ نے فرمایا اس امر میں خدا تعالیٰ جو حکم دے گا ویسا کیا جاوے گا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں تعینِ حصص نہیں بلکہ یہ اگلی آیت میں یُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ الآیہ کے لیے تمہید ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو حصہ نہیں دیتے تھے خواہ میت کی بیٹی ہو خواہ بیوی ہو۔ یہاں صرف اس قدر فرمایا کہ میت خواہ والدین ہوں خواہ اقارب ہو ان کے مال میں جس طرح مردوں کو حصہ پہنچتا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ۔

چونکہ آئندہ آیت میں وارثوں کے حصے مقرر کرنے منظور تھے اور بعض عزیز و اقارب بعید بسبب وارث قریب کے میراث سے محروم ہو جاتے ہیں اور مال کے تقسیم ہونے کے وقت فقیر اور یتیم بھی آنکلتے ہیں سو ایسی حالت میں ان کا بالکل محروم جانا ان کے لیے گونہ جگر خراش ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ جب تقسیم کے وقت اقارب محروم الارث یا یتیم اور فقیر آنکلیں تو کچھ اس میں سے ان کو بھی دے دو اور نرم بات کہو کہ بھائی یہ فلاں فلاں وارثوں کا حق ہے کہ جو میت سے زیادہ تعلق رکھتے تھے۔ خدا تمہیں برکت دے گا۔ ان لوگوں کو میراث میں سے کچھ دینا امرِ استحبابی ہے۔ فرض واجب نہیں۔ پس اس آیت کو آیتِ میراث سے منسوخ بنانا بے فائدہ ہے۔ اس کے بعد ان کو بے کسوں پر رحم

کھانے اور خدا سے ترس کرنے کا حکم اس لطف کے ساتھ دیتا ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زندہ دل کی آنکھوں میں پانی بھر آئے۔ وہ یہ کہ تم خیال کرو کہ اگر تمہارے پیچھے تمہارے ننھے ننھے بچے رہ جاویں تو تم ان کی بے کسی اور بسور بسور کر دیکھنے اور غیروں کے آگے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر مانگنے سے کس قدر ترس کھاؤ۔ سو ایسا ہی دوسروں کی اولاد پر ترس کھاؤ۔ اس لیے خدا سے ترس کھا کر نرم اور تشفی بخش بات کہا کرو (سچ ہے بے کسوں کے دل میں خدا کا گھر ہے۔ ان پر اس کے لطف و کرم کی نظر ہے) اس کے بعد آیت کو یتیموں کے مال سے پرہیز کرنے پر ختم کر کے حصہ معین فرماتا ہے۔ آگ کھانے سے مراد یہ ہے کہ ظالم نے جس قدر یتیم کا مال ناحق پیٹ میں بھرا ہے آخرت میں آگ ہو جاوے گا۔ گویا یہ اس کا سبب ہے گرچہ پیٹ ہی میں کھاتے ہیں مگر فِیْ بُطُوْنِهِمْ کے آنے سے تاکید ہوگئی جیسا کہ ہماری زبان میں بولتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا حالانکہ غیر کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھتا صرف تاکید مراد ہے اسی طرح یہاں اس پر اعتراض کرنا حمق ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ
وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ
اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ
نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ
مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا
تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ
ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ

مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ع ۱۲

اللہ تم کو تمہاری اولاد (کے حصہ) کی بابت (یہ) حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے پھر اگر (نری) لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لیے ترکہ کی دو تہائی ہیں اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ترکہ ہے اور اگر میت کے کوئی اولاد بھی ہو تو میت کے ماں باپ ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر میت کے کوئی بھی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی وارث ہوں تو میت کی ماں کے لیے تہائی ہے (اور باقی باپ کا) اور اگر میت کے لیے اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھائی ہوں تو (میت کی) ماں کا چھٹا (حصہ) ہے۔ یہ تقسیم میت کی وصیت پوری کرنے اور ادائے قرض کے بعد ہے۔ تم کو اپنے باپ (دادا) اور بیٹوں (پوتوں) میں سے نہیں معلوم کہ ان میں سے تمہیں زیادہ نفع دینے والا کون ہے (یہ حصوں کا) تقرر اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ ہر ایک بات کی حکمت سے واقف ہے اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف ہے۔ اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ میں سے چوتھائی (حصہ) ہے (لیکن) ان کی وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر مرے ہوں اور قرض (ادا کرنے) کے بعد اگر تمہارے کوئی بھی اولاد نہ ہو تو (تمہاری) بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی (حصہ) ہے۔ پھر اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو اس صورت میں ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (حصہ) ہے (مگر) وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو یا قرض (ادا کرنے) کے بعد اور اگر کوئی مرد یا عورت کہ جس کے وارث ہو سکتے ہوں کلالہ[۱] ہو۔ اور اس (میت) کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا (حصہ) ہے پھر اگر ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی (حصہ) میں سب شریک ہیں۔ (مگر یہ تقسیم) ادائے قرض اور وصیت کے بعد کی گئی ہو یا (ادائے) قرض کے بعد بغیر اس کے کہ کسی کو نقصان دیا جائے (یہ) اللہ کا حکم ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور) بردبار ہے۔ یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے گا تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

ترکیب: لِلذَّكَرِ الخ جملہ موضع نصب میں ہے بسبب يُوْصِيْ کے فَاِنْ كُنَّ ای المتروکات نِسَآءً موصوف فَوْقَ اثْنَتَيْنِ صفت سب خبر فَلَهُنَّ جواب شرط مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ الخ جملہ موضع حال میں ہے السُّدُسُ سے تقدیرہ مستحقا من بعد وصیۃ والعامل الظرف۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ مبتداء لَا تَدْرُوْنَ جملہ خبر پھر اَيُّهُمْ مبتداء اَقْرَبُ لَكُمْ مميز نَفْعًا تمیز مجموعہ خبر۔ فَرِيْضَةً مصدر ہے فعل محذوف کا ای فرض ذلک فریضۃ وان کان تامہ رَجُلٌ فاعل وَامْرَاَةٌ اس پر معطوف ہے۔ يُّوْرَثُ صفت ہے رجل کی اور كَلٰلَةً حال ہے ضمیر یورث سے اور اگر کان ناقصہ مانا جاوے تو رجل موصوف یورث صفت معطوف علیہ او امراۃ معطوف سب اسم کان کلالۃ خبر بعض کہتے ہیں کلالۃ اسم ہے مال موروث

ا۔ میت کی کوئی اولاد بھی ہو بیٹا پوتا وغیرہ۔

۲۔ باقی کے بھائی وارث ہیں۔ ۱۲ منہ

۳۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے نہ فروع ہوں یعنی کوئی اولاد نہ ہو نہ اصول ہوں ماں باپ دادا وغیرہ ۱۲ منہ

کا تب نصب کلالۃ کا اس وجہ سے ہوگا کہ یہ مفعول ثانی ہوگا یورث کا' کما تقول ورث زید مالا بعض کہتے ہیں کلالۃ ان وارثوں کو کہتے ہیں کہ جن کے نہ ولد نہ اولاد ہوں نہ ماں باپ دادا وغیرہ تب حذف مضاف مانا جاوے گا۔ وَلَهٗ ضمیر میت کی طرف راجع ہے یا موروث کی طرف کہ جس میں رجل وامراۃ دونوں شریک ہیں۔ غَيْرَ مُضَآرٍّ حال ہے فاعل یوصی سے وصیۃ مصدر ہے فعل محذوف کا۔

تفسیر: یہ آیت سابقہ کی تفصیل ہے۔ واضح ہو کہ جاہلیت میں دو سبب سے وراثت جاری ہوتی تھی۔ ایک نسب دوسرا عہد۔ نسب میں بھی وہ لوگ ان لوگوں کو حصہ دیتے تھے جو میت کی طرف سے نیزہ لے کر لڑ سکتے تھے۔ اس لیے عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کو حصہ نہ دیتے تھے اور عہد دو طرح پر ہوتا تھا۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو یہ کہہ لیتا تھا کہ میری جان تیری جان اور میرا خون تیرا خون۔ میں تیرا وارث تو میرا وارث۔ سو اس کے روبرو بھائی بیٹے کسی کو بھی ورثہ نہیں ملتا تھا۔ دوسرا یہ کہ کسی کو متبنیٰ یعنی بیٹا بنا لیتے تھے جیسا کہ ہنود میں رواج ہے سو وہی وارث ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو ابتداء میں اس رسم و دستور کو بحالِ خود رہنے دیا پھر مدینہ میں آ کر کچھ دنوں ہجرت اور مواخات یعنی بھائی چارہ پر وراثت قائم ہوئی یعنی جب کوئی صحابی ہجرت کر کے آتا تھا' دوسرا مہاجر اس کا حصہ پاتا تھا اور کو نہیں ملتا تھا اور مواخات یہ کہ آنحضرت ﷺ دو شخصوں میں بھائی چارہ کرا دیتے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا مگر اس کے بعد دینِ اسلام میں توریث کا دارومدار تین چیزوں پر رہا۔

ایک نسب دوسرا نکاح تیسرا ولاء

مسائل وراثت: پھر نسب کی بھی چند قسم ہیں (اول) میت کی اولاد ہے کیونکہ اعانت اور کارگذاری انسان کی جس قدر اس کی اولاد کرتی ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ عادتاً اس عمر میں ماں باپ تو زندہ رہتے ہی نہیں اور بھائی وغیرہ اقارب اپنی اپنی اولاد کی پرورش اور اپنے اپنے دھندے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بقدرِ مشقت سب سے زیادہ ان کا حصہ قرآن میں قرار پایا۔ پھر اولاد کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے ہوں۔ عام ہے کہ اور وارث بھی ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اور بھی ہیں تو ان کا حصہ دے کر اور اگر نہیں تو کل مال کو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (یعنی دو حصہ مرد کے اور ایک عورت کا) کے موافق تقسیم کر لیں۔ چونکہ جس قدر کارگزاری اور اعانت بیٹا کر سکتا ہے اسی قدر بیٹی ضعیف العقل ضعیف القویٰ نہیں کر سکتی۔ علاوہ اس کے یہ تو کسی مرد سے نکاح کر کے اپنے خرچ کا ذمہ دار اس کو کر دے گی۔ بیٹے کو یہ بات کب نصیب ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے ہر قوم میں بیٹا باپ کا جانشین قرار دیا جاتا ہے نہ بیٹی۔ اس حکمت سے بیٹے کو دو حصہ بیٹی کو ایک حصہ دلایا یعنی حصہ کر کے ایک حصہ بیٹی کو دو بیٹے کا۔ دوم یہ کہ دو سے زیادہ کئی لڑکیاں ہوں اور بیٹا نہ ہو اس کے لیے فرماتا ہے فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترك کہ کل مال کے تین حصہ کر کے دو حصہ بیٹیوں کو دے دیں۔ وہ اس کو باہم برابر حصہ کر کے بانٹ لیں۔ خود دو ہوں یا ان سے زیادہ ہوں اور ایک حصہ اور وارثوں کو دے دیا جاوے۔ قرآن میں فوق اثنتین کا لفظ ہے جس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر صرف دو لڑکیاں ہوں تو ان کو بھی نصف ملے گا۔ کس لیے کہ فوق اثنتین کے معنی جو مشروط تھے نہ پائے گئے مگر جمہور کے نزدیک دو بیٹیاں بھی تین کا حکم رکھتی ہیں اور اِنْ شرطیہ سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ دو سے زیادہ نہ ہوں تو ان کو دو ثلث نہ ملیں اور احادیثِ صحیحہ اور دلائلِ آیاتِ قرآنیہ بھی جمہور کے مؤید ہیں۔ سوم یہ کہ صرف ایک بیٹی ہو تو اس کو کل مال کا نصف یعنی آدھا[1] پہنچے گا۔ وَاِنْ كَانَتْ

---

[1] شیعہ اس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ کے مال میں سے نصف کیوں نہ دیا؟ اس کا اصل جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بوقتِ اخیر کوئی مال نہیں چھوڑا تھا نہ جائیدادِ منقولہ نہ غیر منقولہ اور نہ پیغمبر ﷺ کی یہ شان تھی کہ وہ نبوت و رسالت کو دنیاوی مال کا ذریعہ بناتے اور نہ کسی اولوالعزم رسول نے کوئی مال چھوڑا جو کچھ ان کو مل بھی گیا تو ضرورتوں اور مہمانوں اور اقرباء کے لیے وقف کر دیا ←

واحدۃ فلھا النصف۔ چہارم یہ کہ صرف ایک ہی بیٹا ہو۔ اس کو کل مال ملے گا کیونکہ جب ایک لڑکی کو نصف ملتا ہے اور مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہے تو خواہ مخواہ اس کو کل ملے گا کس لیے کہ دو نصف کے جمع کرنے سے کل ہو جاتا ہے اور اسی پر اجماعِ امت بھی ہو گیا ہے۔ پنجم یہ کہ کئی بیٹے ہوں ان کا حکم ظاہر ہے وہ اور وارثوں کا حصہ دے کر جس قدر بچے گا برابر تقسیم کر لیں گے۔

نسب کی دوسری قسم انسان کے ماں باپ ہیں۔ ہر چند ماں باپ کا درجہ اور ان کے حقوق اولاد سے کہیں زیادہ ہیں مگر جب آدمی صاحبِ اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادتاً اس عمر میں ماں باپ بڑھے ہو جاتے ہیں جن کی عمر کا کسی قدر حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے ان کو مال کی کم ضرورت ہے۔ دوم ان کے پاس ان کا اندوختہ اور اپنے ماں باپ کا زائد حصہ بھی موجود ہوتا ہے۔ برخلاف میت کی اولاد کے کہ ان کا سرمایہ تو سردست یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے۔ اس لیے ماں باپ کا حق بہ نسبت اولاد کے کم قرار پایا اور اسی لیے اس کو اس کے بعد بترتیب ذکر کیا۔ والدین میت کے تین حال ہیں (۱) یہ کہ ان کے ساتھ میت کی کوئی اولاد بھی ہو مثلاً زید مرا اور اس نے ماں باپ اور اولاد پیچھے چھوڑی تو اس صورت کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتا ہے ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد کہ کل مال کے چھ حصے کر کے ایک حصہ ماں کو ایک باپ کو ملے گا باقی چار حصوں کو اولاد بانٹ لے گی۔ ولد میں میت کا بیٹا اور بیٹی دونوں آ گئے۔ پھر اگر صرف ایک بیٹا ہے تو یہ چاروں کا حصہ لے گا اور اگر کئی ہیں تو باہم برابر بانٹ لیں گے اور اگر بیٹے اور بیٹیاں ہیں تو دوہرا حصہ بیٹا اور اکہرا حصہ بیٹی کو دے کر تقسیم کریں گے اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو آدھا مال وہ لے گی اور حصے کے سوا جو کچھ بچے گا اس کو بھی باپ ہی عصبہ بن کر لے گا۔ اب ام بنت مسئلہ اور اگر دو بیٹیاں ہیں یا زیادہ تو دو ثلث وہ لیں گے اور ماں باپ کو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اب اب ام بنت بنت مسئلہ (۲) یہ کہ سوائے ماں باپ کے میت نے اور کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ اس صورت میں کل مال کے تین حصہ کر کے ایک ماں کو اور باقی باپ کو ملیں گے جیسا کہ فرماتا ہے فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث گرچہ باپ کے حصہ کی شرح نہیں کی مگر دلالۃ سے سمجھا جاتا ہے کہ ثلث کے بعد جو کچھ ہے باپ کا ہے اور وارث تو کوئی ہے نہیں۔ پھر اگر اور وارث بھی ہو یعنی خاوند عورت کا اور خاوند کی بیوی مثلاً ایک شخص مرا۔ اس نے اولاد تو کچھ نہ چھوڑی مگر بیوی اور ماں باپ چھوڑے یا ایک عورت لاولد مری اس نے خاوند

← تھا۔ فدک میں جو کچھ زمین تھی وہ وقف علی الاقارب تھی۔ اگر یہ روایات جو خبر احاد ہیں جن کا ظن سے زیادہ مرتبہ نہیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو وراثت کا خیال پیدا ہوا ہو مگر اصل حقیقت ابوبکر رازدارِ رسول خدا ﷺ سے سن کر خاموشی اختیار فرمائی اور دم اخیر تک کلام نہ کیا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی غصب کر کے جیسا کہ معترض کہتا ہے اپنے تصرف میں نہ لائے اور نہ اپنی اولاد کو دے گئے کہ جن میں سے ایک لڑکی رسول خدا ﷺ کی بیوی تھیں جن کو میراث میں سے بھی کچھ حصہ مل سکتا تھا مگر بدستور آنحضرت ﷺ کے اقارب کو اس کی آمدنی دیتے رہے۔ پھر عمر و عثمان بلکہ علی کی خلافت میں بھی اسی پر عمل درآمد رہا۔ اپنی خلافت میں خود علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس زمین کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو نہ دیا ورنہ ردِ مظالم امام برحق کا فرضِ منصبی تھا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اس پر مالکانہ تصرف فرمایا۔ یوں ابوبکر پر طعن کرنے کے لیے مخالف اس واقعہ کی برے پیرایہ میں تصویر کھینچتا ہے تو اس کو اختیار ہے مگر وہ پیغمبر خدا ﷺ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی درپردہ طعن کر رہا ہے بلکہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما پر بھی معاذ اللہ۔ ۱۲ منہ

ف: کلالۃ کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل سے مشتق ہے جس کے معنی بار کے ہیں۔ ایسی قرابتِ بعیدہ جو نہ اصول سے تعلق رکھے نہ فروع سے ایک طرح کی بار ہوتی ہے۔ پھر کلالہ کون ہے؟ بعض کہتے ہیں وہ میت ہے کہ جس کے بعد اس کے وارثوں میں سے نہ اس کے اصول ماں باپ موجود ہوں نہ فروع اولاد ہو بلکہ اور لوگ ہوں بھائی اور ان کی اولاد وغیرہ ان کی نسبت یہ بلحاظ پرورش کے ایک بار سمجھا جاتا ہے۔ ابوبکر عمر علی اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ لغت واہلِ حرمین کا یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں میت کے ایسے وارث جو اس کے اصول سے ہوں نہ فروع سے ہوں۔ ۱۲ منہ

ف: اور یہ بھی ہے کہ آدمی سب سے زیادہ اپنی اولاد کو عزیز رکھتا ہے۔ انہیں کے لیے کماتا ہے۔ آپ نہیں کھاتا ان کو کھلا کر خوش ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ یہی مستحق ہیں۔

اور ماں باپ چھوڑے اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ آیت میں اس کی کچھ تصریح نہیں۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں پیشتر خاوند اپنا چوتھا حصہ لے گا۔ اس کے بعد تہائی یعنی ثلث ماں لے گی اور جو بچے گا باپ لے گا۔ یوں تقسیم کریں گے زوج ۳ ام ۳ اب ۶ مسئلہ ۱۲ مسئلہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کل کا ثلث ماں لے گی۔ اس طرح تقسیم زوج ام ۴ اب ۲ اس صورت میں باپ کو ماں سے کم ملتا ہے۔ (۳) یہ کہ میت کے اولاد تو نہ ہو مگر باپ ماں کے سوا اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں۔ اس صورت میں صرف ماں کا حصہ خدا نے بیان کیا کہ اس کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مگر یہ حکم جب ہے کہ دو یا دو سے زیادہ میت نے بہن بھائی چھوڑے ہوں۔ اخوۃ اخ کی جمع ہے مگر مراد وہ ہے کہ جس سے اخوۃ ثابت ہو خواہ بھائی ہو یا بہن عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اگر ایک بہن ہے تب ان کو ثلث ملے گا مگر یہ نہ فرمایا کہ سدس کے بعد باقی کون لے گا۔ جمہور صحابہ یہ کہتے ہیں کہ قرینہ ولادت کرتا ہے کہ باپ لے گا جیسا کہ فلامہ الثلث سے دو ثلث باپ کے لیے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں بہن بھائیوں کو اس صورت میں کچھ نہ ملے گا محروم رہیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ان کو ایک سدس جو ماں سے لیا ہے دیا جاوے گا اور تنہا بہنیں ہوں گی تو ماں کو ثلث ہی ملے گا کیونکہ لفظ اخوۃ ہے نہ اخوات۔ واضح ہو کہ دادا[1] بمنزلہ باپ کے اور نانی دادی بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہاں اس کی بھی آیت میں تصریح کر دی ہے کہ سب حصہ میت کے قرضہ اور وصیت ادا کرنے کے بعد قائم ہوں گے اور یہ بھی بتلا دیا کہ ان حصوں کے مقرر کرنے میں جو مصلحتِ الٰہی ہے اس کو تم اچھی طرح نہیں جانتے لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا چونکہ یہ تقسیم عرب کے دستور قدیم کے برخلاف تھے تا کہ ان کو شاق نہ معلوم ہو۔ اس لیے یہ فرمایا گیا نسب کی تیسری قسم میں بہن بھائی ہیں۔ ان کا مرتبہ اولاد اور ماں باپ کے بعد ہے مگر زوجیت کا تعلق عجیب ہے اور نیز بیوی کو عرب میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اس لیے ان سے پہلے میاں بیوی کا حصہ بیان فرمایا اور میاں بیوی کا حصہ دوسرے سبب یعنی نکاح پر مبنی ہے۔ ہم تفسیر میں پیشتر اس سے فارغ ہو لیں پھر اس تیسری قسم کی تشریح کریں گے اگر خاوند لاولد مرے تو منجملہ اور وارثوں کے بیوی کو چوتھا حصہ کل مال میں سے پہنچے گا' خواہ ایک بیوی ہو یا چار سب اسی چہارم میں شریک ہیں اور اگر میت کی اولاد ہے خواہ بیٹا خواہ بیٹی خواہ ایک خواہ دو اس بیوی سے یا کسی اور سے خواہ لونڈی شرعیہ سے تب بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر بیوی لاولد مرے تو خاوند کو نصف ورنہ چہارم ملے گا۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ الآیہ چونکہ عورت مہر بھی پاتی ہے پھر اور شخص سے بھی نکاح کر سکتی ہے اور نیز مرد سے کم رتبہ ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں میاں کے حصے سے نصف رہا۔

واضح ہو کہ اگر ایک ماں باپ کی اولاد ہے تو ان کو بہن بھائی عینی اور کبھی بنی اعیان کہتے ہیں اور اگر ماں غیر اور باپ ایک ہو تو ان کو بہن بھائی علاتی کہتے ہیں اور اگر ایک ماں اور دو باپ ہوں مثلاً ایک عورت نے پہلے ایک شخص سے نکاح کیا۔ اس سے اولاد ہوئی پھر اس کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد اور سے نکاح کر کے اولاد حاصل کی سو یہ بہن بھائی اخیافی کہلاویں گے۔

چونکہ اخیافوں کا رشتہ ضعیف ہے اس لیے پیشتر ان کے حصہ کا ذکر کیا کہ اگر کوئی مرد یا عورت کلالۃ ہو یعنی نہ اس کے ماں باپ ہوں نہ اولاد ہو بلکہ صرف بہن بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا اور جو دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ایک تہائی ملے گی۔ اس کو وہ سب آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔ بہن بھائی کا حصہ برابر ہوگا۔ اگر میت کی اولاد یا ماں باپ عینی یا علاتی بہن بھائی ہوں تو ان کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ الآیۃ باتفاق جمہور اس جگہ اخ اور اخت سے بھی اخیافی بہن بھائی مراد ہیں کس لیے کہ اسی سورہ نساء کے اخیر میں عینی اور علاتی بہن بھائیوں کا ورثہ بیان فرمایا ہے جو

[1] یعنی اگر باپ نہ ہو تو اس کے قائم مقام میراث میں دادا ہے اور ماں نہ ہو تو نانی یا دادی ان کا قائم مقام ہونا بعض کے نزدیک لفظ اب اور ام سے ہے اور بعض کے نزدیک اجماعِ امت سے اسی طرح پوتا قائم مقام ابن کے ہے۔ ۱۲

اس ورثہ کے غیر ہے کما قال قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ الآیۃ یعنی اگر ایک بہن میت کی ہواور اس میت کی اولاد اور ماں باپ نہ ہوں جس کو کلالۃ کہتے ہیں تو اس بہن کو نصف مال ملے گا اور اگر دو یا زیادہ ہیں تو ان کو دو ثلث ملیں گے اور اگر ان کے ساتھ بھائی بھی ہے تو عصبہ ہو کر مرد کے لیے دو حصے اور عورت کے لیے ایک حصہ کر کے تقسیم کرلیں گے۔ یہ لوگ کہ جن کے قرآن میں حصے مقرر ہوئے ان کو ذوالفروض کہتے ہیں جس صورت میں کہ یہ لوگ مرتد نہ ہوں یا مورث کو عمداً قتل نہ کریں یا اختلاف دین نہ ہو نا یا اختلاف حریت عبدیت میں نہ ہو اس وقت ان کو یہ حصہ ملے گا۔

نسب کی چوتھی قسم ایک اور بھی ہے۔ جس کو عصوبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذوالفروض کے حصوں کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے اس کو عصبہ لے لیتا ہے عصبوں کی تین قسم ہیں کیونکہ اس کے عصبہ ہونے میں اگر غیر کی احتیاج نہیں تو اس کو عصبہ بنفسہٖ کہتے ہیں ان قسم میں وہ ذکور ہیں[1] کہ جن کا واسطہ میت سے بغیر توسط انثیٰ[2] کے ہو جیسا کہ میت کی اولاد (ذکور) اور اس کا باپ دادا پھر اس کے بھائی پھر اس کے دادا کی اولاد درجہ بدرجہ یہ چار قسم ہیں اور اگر غیر کی حاجت ہے اور وہ غیر بھی عصبہ ہے تو اس کا باپ دادا پھر اس کے بھائی پھر اس کے دادا کی اولاد۔ درجہ بدرجہ یہ چار قسم ہیں۔ اور اگر غیر کی حاجت ہے اور وہ غیر بھی عصبہ ہے تو اس کو عصبہ لغیرہٖ کہتے ہیں۔ جیسا کہ میت کی بیٹیاں اور پوتیاں اور بہنیں یہ بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ ہوتی ہیں جو وہ خود عصبہ ہیں۔ اگر وہ عصبہ نہیں تو اس کو عصبہ مع غیرہٖ کہتے ہیں جیسا کہ میت کی بہن پوتی کے عصبہ ہو جاتی ہے ان کے بعد ذوالارحام ہیں۔ عصبات کا وارث ہونا احادیثِ صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تیسرا سبب توریث ولاء ہے۔ ولاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کردے اور اس کے اقارب نہ ہوں تو یہ آزاد کرنے والا کہ جس کو مولی العتاقہ کہتے ہیں وارث ہوگا اور اس کو عصبہ سببیہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان میں بھی ایک دوسرے کا ہر طرح سے مددگار ہے اس لیے وراثت قائم ہوگی یا دو شخص ایسے کہ جن کو اقارب نہ ہوں باہم معاہدۂ یگانگت کر کے گذران کریں تو اس کو مولی الموالات کہتے ہیں۔ ان میں بھی باہم وراثت ہوگی بشرطیکہ اقارب نہ ہوں ورنہ نہیں۔ **فائدہ** (۱) دوبارہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حصے وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد قائم ہوں گے کیونکہ قرض کا میت پر باقی رہ جانا اور وارثوں کا مال لے کر چلتے پھرتے نظر آنا میت کو بھی عالم آخرت میں ضرر دیتا ہے اور قرض خواہ کا بھی ضرر ہے اور نیز وصیت کا پورا نہ ہونا بھی میت کی روح کو صدمہ دیتا ہے۔ اس لیے غیر مضار فرمایا اور تاکید کر کے وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ کہہ دیا کہ یہ تعمیل بھی وصیت الٰہی ہے۔ (۲) کسی وارث کے لیے بغیر مرضی دوسرے وارثوں کے وصیت جائز نہیں اور اگر کسی غیر کے لیے وصیت کرے تو ایسا نہ کرے کہ تمام مال مرتے وقت غیروں کو بخش کر وارثوں کو محروم چھوڑ جائے۔ غایۃ الامر تہائی مال تک وصیت کر سکتا ہے کہ فلاں فقیر کو یہ دینا یا مدرسہ یا مسجد میں لگانا یا فلاں میرے دوست کو اس قدر دینا اور جو کل کی وصیت کرے گا تو اس میں سے موصی لہ کو صرف ثلث ملے گا۔ (۳) احکامِ میراث بیان فرما کر یہ فرمایا کہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو ان پر قائم رہے گا جنت میں آرام پاوے گا ورنہ جہنم میں ذلت اٹھاوے گا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ
سَبِيْلًا ⑮ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

[1] مرد ۱۲ منہ [2] عورتیں ۱۲ منہ

عَنْهُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور جو تمہاری[1] عورتوں میں سے بدکاری کریں تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار (معتبر) گواہ لاؤ۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ وہ مرجائیں یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکالے اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو سزا دو' پھر اگر وہ توبہ کریں اور نیکی پر آجائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو کیونکہ اللہ (بڑا) توبہ قبول کرنے والا' مہربان ہے۔ اللہ کو انہیں (لوگوں) کی توبہ قبول کرنا ہے جو نادانستگی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر معلوم ہونے پر جھٹ سے توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ بھی انہیں کی توبہ (بہت جلد) قبول کر لیتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا' (اور) حکمت والا ہے اور ان کی توبہ (قبول) نہیں کہ جو (پھر گناہ) کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوئی تو کہنے لگتا ہے کہ اب میری توبہ ہے اور نہ انہیں کی کچھ توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مرتے جاتے ہیں۔ ان ہی (لوگوں) کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب: وَالّٰتِیْ کی جمع خلاف قیاس ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ لفظ جمع کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مبتداء فَاسْتَشْهِدُوْا اس کی خبر۔ گرچہ یہ امر ہے لیکن بہ سبب ملنے التی کے فعل سے شرط کا حکم رکھتی ہے۔ بعض کہتے ہیں خبر محذوف ہے تقدیرہ حکمھن فیما یتلی علیکم وھو فاستشھد وا الخ او یَجْعَلَ عاطفہ بعض کہتے ہیں بمعنی ان لَهُنَّ یجعل سے متعلق ہے۔ وَالَّذَانِ کو والاتی پر قیاس کر لیجئے مبتدا و خبر ہونے میں۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ مبتداء عَلَى اللّٰهِ ثابت کے متعلق ہو کر خبر لِلَّذِيْنَ الخ حال ہے ضمیر ثابت سے جس کے متعلق علی ہے۔ بعض کہتے ہیں لِلَّذِيْنَ خبر عَلَى اللّٰهِ شیء مقدر سے حال ہے وَلَا الَّذِيْنَ الخ معطوف ہے الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ پر مبتداء خبر بھی ہو سکتے ہیں۔

تفسیر: پہلے آیات میں عورتوں کے لیے میراث کا حکم دیا تھا جس کا عرب میں عموماً دستور نہ تھا۔ یہ بات ان کے حق میں نہایت شفقت کی تھی۔ اس کے ساتھ زنا وغیرہ مفاسد کا بھی حکم بیان کیا تا کہ برائی سے منع کر کے کامل شفقت ہو جاوے۔ خصوصاً میراث کے بعد جبکہ عورت کے پاس مال ہو جاتا ہے اور نیز اس کا سرپرست مر جاتا ہے تو یہ دونوں باتیں اس کے نفس کو شتر بے مہار کر دیتی ہیں جس سے آزادگی اور اس سے حرامکاری جو باعث فسادِ عالم ہے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم اب آزاد ملک کی عورتوں کو دیکھتے ہیں اس لیے ایسے موقع پر اس حکم کا بیان کرنا بھی نہایت مناسب ہے۔

(۱) وَالّٰتِیْ الخ اَلْفَاحِشَةَ مصدر ہے جیسا کہ اَلْعَاقِبَةُ برے کام یا بری بات کو کہتے ہیں مگر اس جگہ مراد زنا ہے کیونکہ یہ قوتِ شہوانیہ کا بدنتیجہ ہے جو نہایت بد ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ جو عورتیں زنا کریں اور چار گواہ ان پر چشم دید گواہی دے دیں تو ان کو گھر میں یہاں تک مقید رکھیں کہ ان کا حکم نازل ہو جاوے یعنی ان کے لیے خدا کوئی طریقہ خلاصی کا نکالے۔ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا۔ جب کسی عورت پر زنا کی شہادت گذر جاتی تھی تو اس کو گھر میں مقید رکھتے تھے۔ اس بات کے انتظار میں کہ انجام جو حکم اس کے حق میں نازل ہو اس پر

[1] ابتداءِ اسلام میں زنا کی یہی سزا تھی پھر بعد میں یہ سزا سخت ہوگئی۔ رجم یا سو کوڑے مارنے کا حکم آ گیا۔ ۱۲ منہ

عمل کیا جاوے۔ چنانچہ پھر چند عرصہ کے بعد سورہ نور میں حکم نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح فرما دی کہ اگر کنوارہ یا کنواری ایسا فعل کرے تو اس پر سو درے مارنے چاہییں اور کبھی اس کی سات برس تک جلاوطنی بھی کی گئی ہے اور جو بیاہا ہوا مرد یا عورت جس کو محصن یا محصنہ کہتے ہیں ایسا کرے تو اس کو سنگسار کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ بیان فرما کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا خذوا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا رواہ مسلم، تورات میں بھی زنا کی سزا قتل ہے۔ چار گواہ اس لیے مقرر کئے کہ یہ بڑا نازک معاملہ ہے، دو ایک کا جھوٹ باندھ لینا سہل ہے مگر چار ثقہ آدمیوں کا ہونا جو جماعت کا حکم رکھتے ہیں ایسی جھوٹی بات پر متفق ہونا عادتاً ناممکن ہے اور نیز اس میں پردہ پوشی بھی ملحوظ ہے۔ اس میں علاوہ سزائے موت کے خاندان کی عزت پر بھی دھبہ لگتا ہے اور نیز یہ فعل اس سے سرزد ہوتا ہے اور کم سے کم مرتبہ شہادت میں دو گواہ ہیں تو دو مرد کے فعل کے لحاظ سے دو عورت کے لحاظ سے چار ہو گئے۔

(۲) وَالَّذٰنِ اس سے مراد بھی جمہور کے نزدیک زنا ہے۔ نزول میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اول اسلام میں صرف ایذا دینا ہی سزا مقرر تھی کہ ان کو زبان سے برا بھلا کہو ملامت کرو فَاٰذُوْهُمَا سے یہی مراد ہے۔ اگر باز آویں اور توبہ کرلیں تو اس کا پیچھا چھوڑ دو چونکہ عرب اس گناہ کے عادی تھے ان کو بتدریج منع فرمایا۔ پھر اس کے بعد والتی آیت مقدمہ نازل ہوئی کہ جس میں قید کا حکم ہوا۔ اس کے بعد سورہ نور میں سزا معین کر دی۔ بعض کہتے ہیں والتی سے مراد زنا ہے۔ والذان سے مراد لواطت ہے اور فاذوھما سے مراد تعزیر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اغلام کے لیے زنا کا حکم نہیں۔ اس کے لیے تعزیر ہے نہ حد۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو زنا کی سزا ہے وہی اغلام کی۔ صرف یہ فرق ہے کہ مفعول گرچہ محصن ہو اس کو سنگسار نہ کیا جاوے گا۔ بعض کہتے ہیں والتی سے مراد سحق ہے کہ عورت عورت سے بدفعلی کرتی ہے اور الذان سے مراد اغلام ہے کہ جو مرد مرد سے کرتا ہے۔ اول کی سزا قید ہے۔ دوسرے کی تعزیر اور زنا کا حکم سورۂ نور میں ہے۔

زنا اور اغلام اور سحق کی برائی ظاہر ہے کہ ان سے انتظام میں خلل ہوتا ہے۔ جب عورت عورت کی طرف متوجہ ہوگی تو اپنے شوہر کی طرف کب رغبت کرے گی خواہ مخواہ خانہ داری میں فساد پیدا ہوگا اور اسی طرح جب مرد مرد سے حاجت روائی کرے گا تو عورت اوروں کی طرف متوجہ ہوگی اور یہ نسل سے محروم رہے گا۔ عورت کو غیروں کی طرف متوجہ دیکھ کر خاموش ہوگا تو اس مرد کی غیرت گئی اور مفعول کو زنانہ پن عارض ہوتا ہے اور زنا سے نسب میں فرق آتا ہے اور کشت و خون بھی ہوتا ہے جو اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اور نیز اس سے روح پر بھی تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے خدا نے اس کو حرام کر دیا اور اس پر سزا بھی مقرر کر دی اور آخرت میں روح کا معذب ہونا بھی بیان فرما دیا۔ اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کی برکت سے جس طرح شرک کی بیخ کنی ہوئی اسی طرح زنا کا بھی دروازہ بند ہو گیا۔ اس لیے بے حجابی جو زنا کی طرف ابھارتی ہے جیسا کہ آج کل مہذب قوموں میں بھی دیکھا جاتا ہے اس کو بھی منع کر دیا اور حجاب کا اسی مصلحت سے حکم دیا۔

(۳) جبکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو ان سے تعرض نہ کرو تو اس کے بعد توبہ کے اوصاف بیان کرنے بھی مناسب ہوئے۔ فَقَالَ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ یعنی جس توبہ کو خدا ضرور اپنے فضل سے قبول کرتا ہے وہ دو باتوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ گناہ کو جہالت سے کرتا ہو۔ اس کو اس کے گناہ ہونے کا علم نہ ہو۔ دوم یہ کہ من قریب یعنی موت سے اور اس کے آثار سے پہلے توبہ کر لے یہ نہیں کہ سدا اس میں مبتلا رہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ توبہ قبول کرنا اللہ پر واجب ہے۔ درحقیقت اس پر کوئی چیز واجب نہیں وہ فاعل مختار ہے مگر اس نے اپنے فضل سے وعدہ کر لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں علی اللہ کے معنی من اللہ ہیں یعنی ان گمراہوں کو جن کی استعداد میں ہنوز کچھ فرق نہیں آیا ہے خدا توفیق توبہ عطا فرماتا ہے۔ اب رہے وہ لوگ کہ جو عمداً گناہ کرتے ہیں یعنی گناہ کو گناہ جانتے ہیں ان کی توبہ بالاتفاق قبول ہے مگر وہ لوگ بہ نسبت نادان کے زیادہ مجرم ہیں اس لیے ان کی توبہ کا ضرور قبول کرنا نہیں فرمایا نہ دو ہی کر دیا ہے اور جہالت کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ حقیقتِ عذاب کو نہیں جانتے۔ سو وہ بھی ان میں شامل ہیں۔ اس کے بعد جن کی توبہ قبول نہیں ان کا ذکر کرتا ہے۔ ولیست التوبة یعنی دو شخصوں کی توبہ قبول نہیں۔

ایک وہ مومن کہ جس کو علامات موت دکھائی دے جاویں اور اس عالم کا پردہ اس سے اٹھ جائے تب اس کی توبہ قبول نہیں۔ دوم کافر ایسے وقت کفر سے توبہ کر کے ایمان لائے تو اس کی بھی توبہ قبول نہیں۔ اس کو ایمان یاس کہتے ہیں۔ گرچہ اس کی جناب جناب عالی ہے وہ عذر آوروں کو نہیں نکالتا سو بار گر توبہ توڑ کر توبہ کرے پھر بھی اس کو معاف کرتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے مگر یہ جب تک ہے کہ بندہ پر وہ عالم منکشف نہیں۔ پھر جو منکشف ہو گیا تو گویا عدالت میں حاضر کیا گیا۔ اب عذر کا زمانہ نہیں رہا۔ اب اس کو سزا ہوگی پہلے عذر کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا
شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ⑲ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا
وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ⑳ وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ
مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ㉑

ایمان والو تم کو یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی سے عورتوں کے وارث بن جاؤ اور ان کو اس لیے روک رکھو کہ جو ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو (ہاں) اگر وہ کھلم کھلا بدکاری کریں (تو ایذا دینا مضائقہ نہیں) اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ پھر اگر وہ تم کو (کسی سبب سے) پسند نہ ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو بعض چیزیں ناپسند ہوں اور اس میں اللہ بڑی خیر (و برکت) دیتا ہے (ان پر صبر کرو) اور اگر ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور اس کو بہت سا مال دے چکے ہو تو پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا بہتان باندھ کر اور صریح بے جا الزام دے کر اس میں سے اور (بھلا) تم اس کو کیونکر واپس لے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل چکا ہے اور انہوں نے تم سے پکا قول و قرار بھی لے لیا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَرِثُوْا بتاویل مصدر فاعل لَا یَحِلُّ اور کرھا مصدر اور حال ہے مفعول سے اور وہ بالفتح والضم پڑھا جاتا ہے لِتَذْھَبُوْا کا لام متعلق ہے تَعْضُلُوْا سے اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ استثناء منقطع ہے۔

تفسیر: توبہ کا وصف بیان کر کے پھر عورتوں کے متعلق احکام بیان فرماتا ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب طرح طرح سے عورتوں کو تکلیف دیتے تھے جس سے ان آیات میں منع فرماتا ہے۔ اول لَا یَحِلُّ لَكُمْ عرب میں پہلے دستور تھا کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مرتا تھا تو اس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا تھا یا کوئی اور وارث آ کر اس بیوہ پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوی کا بھی۔ اس کے بعد یا تو بغیر مہر خود نکاح کر لیتا تھا یا اور سے نکاح کر کے اس کا مہر آپ لے لیتا تھا۔ یہ بات عورت پر اس کی خودمختاری کے لحاظ سے نہایت شاق تھی۔ اس لیے اس کو حرام فرمایا اور یہ بھی ہوتا تھا کہ بیوہ مالدار کو نکاح سے منع کر دیتے تھے۔ جب وہ مرتی تو ان کے آپ زبردستی وارث بن جاتے تھے۔ سو یہ بھی اس آیت سے حرام ہے۔

دوم لَا تَعْضُلُوْهُنَّ الآیہ عضل کے معنی منع کے ہیں اور اسی لیے مانع صحت مرض کو داء عضال کہتے ہیں۔ عرب میں یہ بھی خراب

دستور تھا کہ جب کسی عورت منکوحہ سے دل نفرت کر جاتا تھا اور اس کو مہر دے چکتے تھے تو اس سے نہایت بدخلقی سے پیش آتے تھے تاکہ یہ مجبور ہو کر مہر واپس دے کر خود طلاق طلب کرے۔ سو اس کو بھی اس آیت میں منع فرمایا کہ اس لیے ان کو مت بند کر کے رکھو کہ جو کچھ ان کو مہر دیا ہے واپس لو اور بعض طلاق دے کر بھی روک رکھتے تھے اور سے نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ مہر واپس لینے کے لیے سو یہ بھی منع ہے۔ فرماتا ہے ایسا فعل جب مضائقہ نہیں کہ جب عورت کا قصور ہو نہ عام خانہ داری کا قصور بلکہ فاحشہ بینہ یعنی جب اس سے زنا چار گواہوں سے ثابت ہو جاوے تب اس کو مجبور کر کے مہر واپس لینا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ ایسے وقت بعض علماء کے نزدیک مہر دینا ہی واجب نہیں رہتا۔ اس کے بعد فرماتا ہے بیویوں کے ساتھ عمدہ طور سے انصاف اور محبت سے گذران کیا کرو اور جو اس کی صورت وشکل یا کسی بات سے نفرت ہو تو اس نفرت کو دل میں جگہ دے کر خانہ بربادی نہ کرو۔ انجام ہر چیز کا خدا کو معلوم ہے۔ شاید اس نفرتی اور مکروہ عورت میں تمہارے لیے کوئی عمدہ فائدہ ہو۔ خدا اس سے اولادِ صالح پیدا کر دے یا اس کے اخلاق خانہ داری کے بابت عمدہ ہوں اور خیر خواہی اور معیشت میں آسانی کے باعث ہوں نئی بیوی جس کو تم پسند کر رہے ہو اس میں کیا کیا قباحتیں نکلیں۔

سوم۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اس نصیحت کے بعد بھی اگر انسان دوسری بیوی کرنے اور پہلی کے چھوڑنے پر بعض وجوہ ضروریہ سے مجبور ہو تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ جو کچھ تم نے مہر میں دیا ہے خواہ خزانہ ہی کیوں نہ ہو اس کو ہرگز واپس نہ لو اور کیونکر لے سکتے ہو۔ تم نے ان سے خلوت اور صحبت کر لی ہے جس سے مہر کامل واجب ہو جاتا ہے اور علاوہ اس کے بوقتِ نکاح تم نے ان کو وفاداری کا اقرار دیا ہے جو نفسِ نکاح سے سمجھا جاتا ہے۔ عرب میں ایسی حالت میں عورت پر بہتان لگا دیتے تھے تاکہ وہ مہر سے محروم رہے۔ اس کو منع فرماتا ہے کہ کیا تم بہتان باندھ کر مہر رکھنا چاہتے ہو یعنی ایسا نہ کرو۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ
وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ
اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ
حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ

مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں تم ان سے نکاح نہ کرو مگر جو گذر چکا (سو گذر چکا) کیونکہ یہ بے حیائی اور گناہ کی بات اور برا طریقہ ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں بھی کہ جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری ساسیں اور جن بیویوں سے تم نے صحبت کی ہو ان کی وہ بیٹیاں بھی جو تمہاری پرورش میں ہوں[1] (تم پر حرام کی گئی) پھر اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہیں کی تو ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں[2] (بہویں) بھی حرام ہیں اور دو بہنوں کا جمع کرنا[3] بھی (حرام ہے مگر جو کچھ کہ گذر چکا سو گذر چکا)۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ (اور تم پر) شوہر دار عورتیں بھی (حرام) ہیں مگر وہ جو تمہارے قبضہ میں آگئی ہوں[4] (یہ) خدا کا تمہارے لئے نوشتہ ہے اور ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں (بشرطیکہ) تم مال (مہر) کے معاوضہ میں پاک دامنی کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لئے ان کو نکاح میں لانا چاہو پھر جن سے تم نے صحبت کا فائدہ اٹھالیا ہو تو ان کے مہر ادا کرو جو واجبی دینا ہے اور (مہر میں سے) جو کچھ آپس کی رضامندی سے قرار پایا گیا ہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا اور سب حکمتوں سے واقف ہے۔

ترکیب: مَا نَكَحَ مَا بمعنی من والعائد محذوف ای من نکحھا آباؤکم الا ما استثناء منقطع ہے حُرِّمَتْ فعل مجہول اُمَّهٰتُكُمْ الخ مفعول مالم یسم فاعلہ مِنَ الرَّضَاعَةِ حال ہے اِخْوَاتُ سے۔ التی صفت ہے مِنْ نِّسَآئِكُمْ کی وَاَنْ تَجْمَعُوْا الخ بتاویل مصدر معطوف ہے اُمَّهٰتُكُمْ پر۔ وَالْمُحْصَنٰتُ بھی اُمَّهٰتُكُمْ پر معطوف ہے۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ استثناء متصل ہے والمعنی حرمت علیکم ذوات الازواج الا السبایا من المحصنات کتاب اللہ مفعول مطلق ہے کس لیے کہ حُرِّمَتْ بمعنی کتب اُحِلَّ فعل مجہول ماوراء ما بمعنی من ای احل لکم غیر المذکورات من النساء بشرط ان ای بان الخ۔ مُحْصِنِيْنَ حال ہے فاعل تَبْتَغُوْا سے فما بمعنی الذی شرط جوابہ فَاٰتُوْهُنَّ یا کہو شرط نہیں مبتداء اور فَاٰتُوْهُنَّ خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا عورتوں کے زبردستی سے وارث نہ ہو جایا کرو جس کے متعدد طریق تھے۔ ان میں سے ایک کو اور بھی صراحۃً منع فرماتا ہے کہ جس میں سخت بے حیائی ہے۔ وہ یہ کہ عرب میں دستور تھا کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو گھر میں ڈال لیا کرتا تھا۔ سو اس سے خدا نے ولا تنکحوا فرما کر منع کر دیا اور فرمایا اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کہ جو ایامِ جاہلیت میں ہو چکا سو ہو چکا۔

لفظ نکاح کی بحث: نکاح کے معنی لغت میں عورت سے صحبت کرنے کے ہیں اور اس کا اطلاق ایجاب وقبول عقدِ شرعی پر بھی ہوتا ہے۔ اول معنی کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہوئے جس سے تمہارے باپ نے مباشرت کی ہو یا علیٰ سبیلِ عموم مجاز

---

[1] یعنی جن بیویوں سے نکاح کر کے صحبت کا اتفاق ہوا ہو ان کے پہلے خاوند کی بیٹیوں سے نکاح درست نہیں اور غالباً وہ مرد کی پرورش میں رہا کرتی ہیں۔ بعض اہلِ ظواہر پرورش کی قید سے یہ بات نکالتے ہیں کہ جو پرورش میں نہ آئی ہوں درست ہیں۔ ۱۲منہ

[2] ایک ساتھ دو بہنوں سے نکاح حرام ہے عام ہے کہ دو حقیقی بہن ہوں یا علاتی یا اخیافی یا دودھ شریک ہاں ایک کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد اس کی دوسری بہن سے نکاح باتفاق سلف وخلف درست ہے۔ ۱۲منہ

[3] صلبی بیٹیوں کی بیوں سے بھی نکاح حرام ہے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے درست ہے۔ ۱۲منہ

[4] جو شوہر دار عورتیں جہاد میں اسیر ہو جائیں یا لونڈیاں دام دے کر قبضہ واختیار میں آجائیں وہ سب ملک میں ان سے بھی ایک حیض آجانے کی بعد صحبت درست ہے۔ ۱۲منہ

نکاح یا وطی کی ہو خواہ وہ وطی حلال طور سے ہو یا زنا سے اس سے تم نکاح نہ کرو۔ پس جس کسی عورت سے زنا کیا جیسا کہ رنڈیوں سے اس زمانہ میں لوگ کرتے ہیں تو بیٹے کو اس باپ کی رنڈی سے نکاح کرنا بھی اس آیت سے ممنوع ہے۔ اسی طرح جس عورت سے زنا کیا اس کی بیٹی سے بھی اس کو نکاح درست نہیں۔ اس کی تحقیق آگے آتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' نکاح سے مراد عقدِ شرعی ہے۔ پس جس سے باپ نے عقدِ شرعی کیا ہے' خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس عورت سے بیٹے کو نکاح منع ہے اور جس سے عقدِ شرعی نہیں کیا بلکہ حرام کیا اس سے بیٹے کو نکاح کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام شافعی کی طرف سے فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کچھ دلائل بیان کئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ پھر جبکہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام کیا تو مناسب ہوا کہ جس قدر عورتیں حرام ہیں ان کا بھی اس کے ساتھ بیان کیا جاوے۔ اس لیے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اس جگہ خدا تعالیٰ نے چودہ قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام فرمایا۔ سات تو ان میں سے نسب کی جہت سے ہیں۔ ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی اور سات بغیر نسب کے ہیں۔ دودھ کے سبب ماں' دودھ شریک بہن' ساس' بیوی کی بیٹی بشرطیکہ اس سے صحبت کی ہو' بیٹے کی بیوی' باپ کی بیوی جو بھی مذکور ہوئی ہے' بیوی کے روبرو اس کی بہن یعنی سالی۔ اب ہم اس مقام پر دو بحث کرتے ہیں۔ بحث اول میں الفاظ کے معانی اور ان میں آئمہ کا اختلاف اور دوسرے میں ان عورتوں کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ وبہ نستعین

بحث اول: اُمَّهٰتُكُمْ امہات ام کی جمع ہے۔ یہ لفظ اصل میں اُمَّهَةٌ تھا۔ ہاء مفرد میں کثرتِ استعمال سے ساقط ہوگئی ہے۔ اس کے معنی ہندی میں ماں کے ہیں گرچہ لغت میں اس کا اطلاق حقیقی ماں پر ہوتا ہے مگر عرفِ شرع میں خواہ بطور عموم مجاز یا بالاشتراک ہو' وہ عورت مراد ہے کہ جس کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو' خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے جیسا کہ نانی' پرنانی دادی پردادی۔ بَنٰتُكُمْ جمع بنت ہے جس کے معنی بیٹی کے ہیں۔ اس میں بھی ہر عورت شریک ہے جس کا نسب انسان کی طرف خواہ بواسطہ یا بغیر واسطہ منتہی ہو۔ جیسا کہ بیٹی یا پوتی یا نواسی یہ سب بنات میں داخل ہیں۔ اسی طریق سے جو مذکور ہوا۔

زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کے متعلق بحث: جو بیٹی زنا سے پیدا ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں کیونکہ بیٹی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بیٹی نہیں دلائل فریقین کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اخوات یعنی بہنیں اس میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب بہنیں شریک ہیں۔ عَمّٰتُ پھوپھیاں جس شخص کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو اس کی بہنیں بھی عمات میں داخل ہیں۔ مثلاً دادا کی بہن اسی طرح نانا کی بہن خٰلٰتُ' خالائیں جس عورت کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو۔ اس کی بہن خالہ ہے خواہ ماں کی بہن عام ہے کہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی یا نانی کی بہن بنات الاخ بھتیجیاں خواہ عینی بھائی کی بیٹی یا علاتی کی یا اخیافی کی۔ اسی طرح بَنٰتُ الْاُخْتِ بھانجیوں کو قیاس کر لیجئے۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ جن سے کبھی اور کسی وجہ سے نکاح درست نہیں۔ ان کو محرماتِ ابدیہ کہتے ہیں۔

علتِ رضاع: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ جس نے اس کو لڑکپن میں دودھ پلایا وہ بھی بمنزلہ ماں ہے اور پھر اس ماں کی ماں اور نانی دادی بھی بحکمِ اجماع ماں شمار ہوتی ہے۔ رضاع دودھ پلانا گرچہ قرآن میں اس کی کوئی مدت معین نہیں کہ اس زمانہ تک پلانا ماں بنا دیتا ہے اور کس قدر پلانے سے ماں ہو جاتی ہے؟ مقدار کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نصِ قرآنی کو مطلق قرار دے کر ایک گھونٹ دودھ کو بھی جو بچے کے شکم میں اتر جاوے باعثِ حرمتِ نکاح فرماتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نص کو احادیث سے خاص کر اقل مرتبہ پانچ گھونٹوں سے رضاع ثابت کرتے ہیں اور اس کے کم کو معدوم سمجھتے ہیں اور زمانہ کے بارے میں سب آئمہ آیت میں قید لگاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ڈھائی برس کی عمر کے اندر اگر بچہ کسی کا دودھ پیئے گا تو رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک دو برس کی مدت معتبر ہے۔ دلائلِ فریقین کسی قدر پہلے گذر چکے۔ پھر مدتِ رضاع کے بعد دودھ پینے سے کوئی عورت حرام نہیں ہوگی۔ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

الرَّضَاعَةِ دودھ شریک بہنیں۔ رضاع کی وجہ سے قرآن میں صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہنوں کی حرمت بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور پھر نبی ﷺ نے اس بات کو اور بھی کھول دیا کہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (رواہ البخاری ومسلم) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔ مرضعہ کی ماں اور بیٹی اور اس کی بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں الغرض رضاع بمنزلہ نسب کے ہے مگر چند صورتیں مخصوص ہیں۔ اس لیے اس امر میں قاعدہ کلیہ کے طور پر کسی شخص نے ایک شعر میں تمام مسائل جمع کر دیے ہیں۔

از جانبِ شیردہ ہمہ خویش شوند
واز جانب شیر خوارہ زوجان فروع

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ بیویوں کی مائیں۔ اس میں بحکم اجماع بیویوں کی نانی دادی جن کی طرف اس کا نسب منتہی ہو' خواہ باپ کی طرف سے خواہ ماں کی طرف سے سب شریک ہیں۔ ف جمہور کا یہ مذہب ہے کہ جس عورت سے نکاح کر لیا خواہ ہنوز اس سے صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں سے نکاح حرام موبد ہو جاوے گا البتہ بیوی کی دوسرے خاوند کی بیٹی جب حرام ہوگی کہ جب اس بیوی سے صحبت بھی کرے گا ورنہ محض نکاح سے نہیں اگر یہ اس بیوی کو طلاق دے کر اس کے پہلے خاوند کی بیٹی سے نکاح کر لے تو اس صورت میں کر سکتا ہے۔ کس لیئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اب اس کی ماں سے نکاح حرام ہے۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو اور جو کسی لڑکی کی ماں سے نکاح کیا اور ہنوز صحبت نہیں کی تو طلاق دے کر اس سے چاہے تو نکاح کر لے۔ اخرجہ عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذ رو البیہقی فی سننہ مگر چند صحابہ وتابعین جیسا کہ حضرت علی اور زید وابن عمر وزبیر وجابر رضی اللہ عنہم دونوں میں صحبت کرنے کی قید لگاتے ہیں کہ ساس بھی جب بنتی ہے کہ جب نکاح کر کے اس کی بیٹی سے صحبت کرے گا کیونکہ دونوں حکموں کے بعد قرآن میں دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی صحبت کی قید موجود ہے اور حدیث مذکور میں کلام ہے۔

زنا سے مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا تو اس سے اس عورت کی ماں ساس ہو سکتی ہے؟ جمہور کے نزدیک نہ ہوگی بلکہ اس کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ کس لیے کہ امہات نساء میں داخل نہیں اور نیز دار قطنی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ کسی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ پھر اس نے اس کی ماں یا بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ حرام سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی مگر امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور احمد و اسحاق وعطاو حسن وشعبی رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ وہ ساس ہو جاوے گی۔ بلکہ اگر شہوت سے ہاتھ لگایا یا ستر خاص کو بنظرِ شہوت دیکھا تب بھی اس عورت کی ماں ساس ہو جاوے گی اور یہ عورت بمنزلہ بیوی کے قرار پا کر اس کی بیٹی ربیبہ ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں اگر کسی لڑکے سے اغلام کرے گا تو اس کی ماں سے نکاح کرنا ساس ہو کر حرام ہو جاوے گا۔ وفیہ ما فیہ وَرَبَآئِبُكُمُ جمع ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند سے بیٹی اور چونکہ ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہیں اور نئے باپ کے ہاں پرورش پاتی ہیں۔ اس لیے فِي حُجُوْرِكُمْ کی قید واقعی بڑھائی جس کو بعض ناسمجھ پادری بے فائدہ کہہ کر قرآن پر اعتراض کرتے ہیں۔ حجو ر جمع حجر بالکسر والضم جس کے معنی گود اور پرورش کے ہیں۔ یہ لڑکیاں بھی جب حرام ہوتی ہیں کہ جب ان کی ماں سے نکاح کر کے صحبت کا اتفاق ہوا ہو عام ہے کہ اس لڑکی نے اس شخص کے ہاں پرورش پائی ہو یا نہیں مگر بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول کیا ہے کہ ایسی لڑکی سے نکاح درست ہے کیونکہ قید پرورش ہونے کی ہے اور جب اس کی پرورش میں نہ تھی تو حرام نہیں جمہور اس کے برخلاف ہیں اور قید کو احترازی نہیں کہتے اور اگر صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو بالاتفاق اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ صلبی بیٹے کی بیوی اس میں پوتا بھی شریک ہے۔ خواہ بیٹے نے نکاح کر کے صحبت کی ہو یا نہیں حلائل جمع حلیلہ بروزن

فعلیہ بمعنی مفعول یعنی حلال کی گئی۔ چونکہ بیوی حلال ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو حلیلہ کہتے ہیں۔ اَصْلَابِكُمْ کی قید سے منہ بولے بیٹے کی بیوی نکل گئی کیونکہ اس سے نکاح حرام نہیں۔ وَاَنْ تَجْمَعُوْا دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اس میں بحکم حدیث عورت کی خالہ اور پھوپھی بھی شریک ہیں یعنی جس طرح دو بہنوں سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی سے بھی بلکہ ہر ذی رحم محرم سے مگر ملک یمین میں جمع کرنا منع نہیں یعنی دو بہنوں کو جو لونڈیاں ہوں ایک ساتھ خریدنا مضائقہ نہیں مگر دونوں سے صحبت نہ کرے۔ ان سب اقسام کے بعد پندرہویں ایک اور قسم حرام اور عورتوں کی وہ ہے۔

محصنات: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ احصان لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور چونکہ قلعہ غیر کو آنے سے منع کرتا ہے اس لیے اس کو حصن کہتے ہیں اور اسی لئے شہر پناہ والے شہر کو مدینہ حصینہ بولتے ہیں۔ حصان بالکسر گھوڑا جو مالک کو قبضۂ دشمن سے روکتا ہے۔ حصان بالفتح پارسا عورت جو اپنے ستر کو بدکاری سے روکتی ہے۔ قرآن میں لفظ احصان چند معنی کے لیے بولا گیا ہے۔ (۱) حر یعنی آزاد مرد و عورت پر جو کسی کے غلام نہ ہوں۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ اے الحرائر (۲) پارسا پر مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ (۳) خاوند والی عورت پر وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اس صورت میں جمہور کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ تم پر شوہر دار عورتیں بھی حرام ہیں اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مگر وہ شوہر دار عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آویں اور ان کے شوہر ساتھ نہ ہوں (جیسا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) یا ہوں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تب یہ عورتیں جو لونڈیاں ہو کر آئی ہیں جن کو ہاتھ کا مال کہا ہے مالکوں کے لیے حلال ہیں۔ ایک حیض آنے کے بعد کس لیے کہ کفر کا نکاح ایسے موقع پر معتبر نہ ہوگا اور اس اسیری کا اثر بمنزلہ طلاق کے بلکہ اس سے بھی زیادہ واقع ہوگا اور ابوالعالیہ اور عبیدہ سلیمانی اور طاؤس اور سعید بن جبیر اور عطاء اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم پر محصنات یعنی پارسا عورتیں حرام ہیں مگر جن کی عصمت بسبب نکاح مالک کے تمہارے قبضہ میں آجاوے وہ حلال ہیں۔

ان عورتوں کا بیان فرما کر جن سے نکاح حرام ہے: فرماتا ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ کہ ان کے سوا عورتیں تم پر حلال ہیں مگر نہ مطلقاً کہ جس عورت سے ان عورتوں کے علاوہ جو چاہا کر لیا جاوے جیسا کہ اجنبی عورتوں سے زنا کر لیا جاتا ہے بلکہ چند شرطیں ہیں جن کے مجموعہ سے عرف میں نکاح ثابت ہوتا ہے۔ اول اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یعنی اپنے مال صرف کر کے ان کو حاصل کرو۔ گرچہ ہر قوم میں شادی کے وقت مال صرف کرنا بالخصوص شائستہ ملکوں کا قدیم دستور ہے کہیں نکاح سے پیشتر کچھ ہدیہ جس کو چڑھاوا کہتے ہیں بھیجا جاتا ہے اور منگنی کے ایام میں بھی گہنا کپڑا برتن وغیرہ حسب دستور بھیجے جاتے ہیں تاکہ شوہر کی خواہش اور بیوی کا اعزاز ثابت ہو اور لوگوں میں یہ بات شہرت بھی پا جاوے۔ آشنائی اور خفیہ سازش نہ معلوم ہوتا کہ کل اس کی اولاد کو عار ننگ اور بیوی کے کنبہ کو ذلت کا باعث نہ ہو اور پھر اس میں اور اس کے کنبے میں محض اجنبیت نہ پائی جاوے جو تمدن کے بارے میں زہر ہے۔

مہر مقرر ہونے کی بحث: عرب میں یہ دستور تھا کہ بروقت نکاح عورت کی خوشی اور عزت کے لیے اس کو کچھ نقد دیا جاتا تھا جس کو مہر کہتے ہیں۔ اقل مرتبہ اس مہر کا نام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم ہونے چاہییں جو تخمیناً ساڑھے تین یا پونے چار روپیہ چہرہ شاہی ہوتے ہیں کیونکہ ابتغاء باموال فرمایا ہے اور اس سے کم مقدار کو ایسے موقع میں مال صرف کرنا نہیں کہتے اور اس لیے چور کے ہاتھ کاٹنے میں بھی جو مال کی چوری پر کٹتا ہے۔ دس درہم معتبر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل مرتبہ کی کوئی حد نہیں خواہ ایک پیسہ ہو یا کچھ اور ہو بلکہ احادیث میں بعض عورتوں کا مہر تعلیم قرآن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا تھا۔ دوم مُّحْصِنِيْنَ کہ اس سے مقصود ان عورتوں کو پابند کرنا اور اپنی پاکدامنی مقصود رکھنا ہو غیر مصافحین نہ شہوت رانی مطلوب ہو سو یہ ساری باتیں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول سے ہوتی ہیں اور اسی کو عرف شرع میں نکاح کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ محرمات کے علاوہ اور عورتیں نکاح کرنے سے حلال ہیں ورنہ وہ بھی حرام کس لیے کہ والمحصنت کا عطف

امہات پر ہے۔ اسی وحرمت علیکم المحصنات۔ چونکہ مہر بسا اوقات وقت پر نقد نہیں دیا جاتا تھا بلکہ ذمہ پر واجب کرلیا جاتا تھا اور اس کو کچھ عرب واجب الادعاء خیال نہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمایا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ استمتاع لغت میں نفع حاصل کرنا اور جس چیز سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اس کو متاع کہتے ہیں۔ پھر آیت کے معنی حسن اور مجاہد وغیرہا کے نزدیک یہ ہیں کہ جس چیز پر تم نے ان عورتوں سے نفع حاصل کیا ہے جماع اور عقدِ نکاح کر کے تو اس چیز کو کہ جو ان کا مہر ہے دے دو۔ اجور اجر کی جمع ہے اور مہر چونکہ عورتوں کے منافع کا بدل ہے اس لیے اس کو اجر کہہ دیا اور کئی جگہ قرآن میں اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ اس ترکیب میں ضمیر میں عائد محذوف مانی جاوے گی اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ما بمعنی من لیا جاوے یعنی جن عورتوں سے تم نے نفع بطور جمع وعقدِ نکاح حاصل کیا ہے ان کے مہران کو دے دو مگر جمہور کے نزدیک یہاں بھی نکاح مراد ہے اس کو اس لیے بیان کیا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر کے صحبت کر چکے تو نفع اٹھالیا۔ ان کا پورا مہر واجب ہو گیا۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ پہلی آیتوں میں نکاح مراد تھا۔ اس آیت میں نکاحِ متعہ مراد ہے جو ابتداءِ اسلام میں کسی ضرورت سے جائز ہو گیا تھا۔ پھر اس کو شریعت نے حرام کر دیا اور قرأت ابی ابن کعب وابن عباس وسعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کہ جس میں الی اجل مسمی آیا ہے اس کی مؤید ہے۔

متعہ کی بحث: متعہ ایک قسم کا نکاح ہے جس میں مرد عورت کو کسی مقدارِ معین مال سے ایک مدتِ معین تک اپنے پاس رکھے اور ایجاب و قبول اس میں بھی شرط ہے۔ پھر اس کو رنڈی بازی کہنا فضول ہے۔ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نکاح فتح خیبر اور فتح مکہ میں جائز ہوا تھا۔ پھر اس کو نبی علیہ السلام نے ابداً حرام کر دیا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز گدھوں کے گوشت اور نکاحِ متعہ سے منع کر دیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور بھی احادیث اس قسم کی وارد ہیں۔ علاوہ اس کے جبکہ یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کہ سوائے بیوی اور لونڈی کے اور کوئی عورت درست نہیں تو پھر اس کے منسوخ ہونے میں کیا کلام ہے؟ کس لیے کہ متاعی عورت نہ بیوی ہے کیونکہ بیوی کو میراث ہے اس کو نہیں اور نہ لونڈی ہے اور بعض علماء متعہ کو بدستور جائز کہتے ہیں جیسا کہ صحابہ میں سے ابن عباس اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم وہ کہتے ہیں کہ یہ عورت بھی بیوی ہے مگر اس کے لیے چندروزہ ہونے کی وجہ سے میراث نہیں مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کو حالتِ اضطرار میں جائز کہتے تھے۔ پھر اخیر میں رجوع کرلیا اور اس فریق کے بھی دلائل ہیں مگر وہ نہایت کمزور ہیں جن کو علماءِ اسلام نے رد کر دیا ہے۔ فرقہ شیعہ بھی اس کے جواز کا قائل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا جواز منقول کرتے ہیں۔

دوسری بحث: یہ عورتیں جو شریعت نے حرام کی ہیں وہ ہیں کہ جن کی حرمت سلیم الطبع قوموں میں فطری ہے۔ مثلاً ماں کہ جس کا دودھ پی کر انسان اکثر پرورش پاتا ہے۔ ایک ایسی عورت ہے کہ اگر کوئی شریعت یا پیغمبر بھی دنیا میں آ کر منع نہ کرتا تو انسان کی طبیعتِ سلیمہ اس کی طرف جماع تو کیا خیالِ بد کی بھی اجازت نہ دیتی بلکہ بوقتِ ہیجانِ طبع ایسی عورتوں کا خیال بھی اس شعلۂ شہوت کے لیے سرد پانی کا حکم رکھتا ہے اور یہ بات سب سلیم الطبع لوگوں میں یکساں ہے۔ اسی طرح بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی، خالہ، پھوپھی کا حال ہے۔

طبعی قباحت: علاوہ اس کے اگر بغور دیکھئے تو صدہا قباحتیں بھی ہیں۔ ان کی طبعی قباحت کا یہ ہے کہ ہر وقت کے پاس رہنے اور ان کے روبرو پرورش پانے سے نفس کو ان کی طرف ہیجان نہیں ہوتا اگر ان سے نکاح درست ہوتا تو بلاشک یہ جماع اس کو سخت مضرت پہنچاتا اور اولاد بھی نہایت کمزور ہوتی۔ چنانچہ حیوانات سے جب اس قسم کی جفتی سے بچہ لیا جاتا ہے تو وہ نہایت کمزور ہوتا ہے۔ اس کا حکمائے حال نے بھی تجربہ کیا ہے۔

تمدنی قباحت: تمدنی قباحت یہ ہے کہ اگر ان عورتوں سے نکاح درست ہوتا تو اول باپ بیٹی اور بھائیوں اور دیگر ان اقارب میں کہ جن

کے اجتماع بغیر خانہ داری کا کوئی سامان ہی نہیں ہوسکتا اس محبت کو اختلاط سے کہ جوان عورتوں کو اپنے پیارے بھائی بیٹے بھتیجے باپ سے ہے مظنۂ تہمت ہو کر بڑا فساد پھیلتا۔ دوم جب انہیں سر پرستوں سے نکاح درست ہوتا تو حقوق زوجیت عمدہ طور سے قائم نہ ہوتے اور در صورت عدم قیام پھر بیچاری عورت کی طرف سے کون مطالبہ کرنے کھڑا ہوتا؟

روحانی قباحت: روحانی قباحت یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگوں کو اس بہیمت سے ایک نفرتِ خاص ہے جیسا کہ بدبو سے دماغ انسان کو ہے۔ پھر اس نفرت کا اثر اس کی روح تک اس طرح سرایت کرتا ہے کہ جس طرح اجرامِ علویہ آفتاب ماہتاب کا اثر زمین کے نباتات پر جس کی اس کی روح پر ایک ظلمت و مرض طاری ہوتا ہے جو بعد مردن اس کے لیے عذاب الیم اور نارِ جحیم کا مزہ دکھاتا ہے۔ رہیں اور سات عورتیں ان میں سے دودھ کی ماں اور بہن میں تو وہی بات ہے جو حقیقی میں ہے۔ رہی ساس، سالی، بہو، بیوی کی بیٹی، باپ کی منکوحہ سو اگر ان کے پاس یہ لوگ نہ آویں جاویں تو خانہ داری میں فرق آتا ہے اور بیوی بمنزلہ قیدی کے ہو جاتی ہے اور اس صورت میں نکاح اگر جائز ہو تو طمع پکانے کا موقع ملتا اور پھر باپ بیٹے، بہنوں میں رقابت سے وہ فساد پیدا ہوتا کہ جو بیان سے باہر ہے اور نیز باہمی حقوق تلف ہو جاتے۔ اس لیے خدا نے انبیاء کی معرفت ان کو حرام کیا اور جو پھر کوئی مرتکب ہو تو اسی کے لیے دنیا و آخرت میں حکم عدولی کی سزا معین کی۔ اس پر بھی ملحدوں کا یہ کہنا (کہ ماں اور بیوی میں کچھ فرق نہیں۔ صرف رسم و رواج مانع ہے اور مصلحت کے لیے دینی رفارمروں نے منع کر دیا ہے ورنہ عذاب و ثواب کچھ نہیں) سخت بیوقوفی ہے۔ بعد اس کے مہر کی بابت یہ بھی رخصت دے دی کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے اس کو کم زیادہ بھی کر سکتے ہیں خواہ بالکل عورت معاف کر دے تو جائز ہے۔ ان سب امور کی حکمت کی طرف ان اللہ کان علیمًا حکیمًا میں اشارہ فرما دیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور جس کو تم میں سے (اس بات کا) مقدور نہ ہو کہ وہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو پھر جو تمہارے قبضہ میں مسلمان لونڈیاں ہوں (ان سے ہی نکاح کرے) اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ تم آپس میں ایک ہو[1] سو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور ان کو ان کے مہر دستور کے موافق دو (نکاح) بیویاں بنانے کے لیے ہے نہ کہ شہوت رانی کے لئے اور نہ مخفی آشنائی کے لیے۔ پھر جب وہ نکاح میں آ جائیں (اور نکاح میں آئے پیچھے) پھر اگر وہ زنا کریں تو جو سزا بیویوں پر ہے اس کی آدھی سزا ان پر ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے کہ جو تم میں گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ رکھتا ہو اور جو صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

---

[1] لونڈیاں بھی آدم کی اولاد تمہارے ہم جنس ہیں۔ اصل فضیلت ایمان و نیکوکاری سے ہے۔

ترکیب: وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ شرط فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ جواب۔ طَوْلًا مفعول یَسْتَطِعْ اَنْ یَّنْکِحَ منصوب ہے طولاً کی وجہ سے۔ مُحْصَنٰتٍ حال ہے ضمیر ھن سے۔ وَلَا مُتَّخِذٰتِ الخ معطوف ہے محصنات پر اخدان جمع خدن مثل عدل واعدال بمعنی پوشیدہ آشنائی۔ فَاِذَا الخ شرط فَاِنْ اَتَیْنَ شرط و جزا کا مجموعہ جواب۔ ان تصبروا مبتداء خیر لکم خبر۔

تفسیر: آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں مہر بھی زیادہ دینا ہوتا ہے اور مصارف بھی زیادہ ہوتے ہیں اور تجرد بھی ایک مصیبت ہے۔ زنا کا دروازہ بند کر دیا گیا اس لیے لونڈی چھوکریوں سے نکاح کی اجازت دی۔ فقال وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ الخ کہ جس کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے بشرطیکہ وہ محصنہ یعنی پاکدامن ہو۔ زانیہ اور در پردہ آشنائی کرنے والی نہ ہو۔ دوم یہ نکاح اس مسلمان لونڈی سے اس کے مالک کی اجازت سے کرو کیونکہ خدا کو تمہارے ایمان اور دلی حالات معلوم ہیں اور اس میں کوئی عار بھی نہیں۔ کس لیے کہ بنی آدم بلحاظ نسل کے یکساں ہیں۔ لونڈی ہونا عارضی بات ہے اور جو کچھ قدرِ قلیل دستور اور رواج کے موافق ان کے مہر و مصارف ہوں دیتے رہو نہ کہ ان کے مصارف کا بار مالکوں ہی پر ڈال دو اور نہ یہ ہو کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ مخفی آشنائی کر کے شہوت رانی کرو۔

فوائد: (۱) مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا۔ طول تونگری اور فراخی اور بالضم ضد قصر ہے یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور سدی اور ابوزید وغیرہم نے لیے ہیں اور قتادہ اور نخعی اور ثوری کے نزدیک صبر مراد ہے من لم یستطع کی شرط سے بطور مفہوم مخالف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات نکالی ہے کہ لونڈی سے جب نکاح درست ہے جبکہ اس کو حرہ سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو ورنہ نہیں اور مومنات کی قید سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کافرہ لونڈی سے خواہ اہلِ کتاب ہی کیوں نہ ہو نکاح درست نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' یہ شرط وجودی بات کے لیے ہے نہ کہ عدمی کے لیے اور مومنات کی قید بطور افضلیت کے ہے یعنی افضل یہ ہے ورنہ جب نکاح حرہ کتابیہ سے ہو سکتا ہے تو لونڈی کتابیہ سے کیوں نہیں ہو سکتا؟ مِنْ فَتَیٰتِکُمْ یعنی اہل اسلام کی لونڈی سے نکاح کرو نہ یہ کہ خود اپنی لونڈی سے کیونکہ اس سے نکاح کی کیا ضرورت ہے؟ (۲) اٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ لونڈی کو مہر دینا اس کے مالک کو دینا ہے کیونکہ اس کی ہر ایک جائز آمدنی کا وہی مالک ہے۔ پھر ان دونوں باتوں میں تعارض ثابت کر کے قرآن پر اعتراض کرنا نادانی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ظاہر الفاظ سے استدلال کر کے مہر کو خاص لونڈی کا ہی حق قرار دیتے ہیں۔ (۳) فَاِذَا اُحْصِنَّ یعنی جبکہ نکاح میں آجاویں اور پھر زنا کریں تو جو حرہ عورت کی زنا میں سزا ہے اس کی نصف لونڈی کی ہے۔ حرہ پر سو درے ہیں تو لونڈی پر پچاس اور رجم چونکہ تنصیف کے قابل نہیں اس لیے لونڈی پر رجم نہیں اور یہی غلام کا حکم ہے اور یہ اس لیے کہ بسبب خدمتگاری کے اس کو باہر جانا مردوں سے اختلاط کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے محفوظ رہنا بہ نسبت حرہ کے مشکل ہے اور نیز سزا بقدر نعمت ہوتی ہے۔ فاذا کی شرط سے بعض نے یہ لکھا ہے کہ اگر لونڈی نکاح میں نہ آئی ہو اور پھر زنا کرے تو اس پر حد نہیں ماری جائے گی ہاں تعزیر ہوگی۔ چنانچہ طاؤس اور سعید اور ابوعبید اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے مگر بحکم حدیثِ صحیحین (کہ جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ اگر لونڈی زنا کرے تو اس پر حد قائم کرو پھر زنا کرے تو پھر حد قائم کرو اور صحیح مسلم میں ہے لونڈی غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ محصن ہوں یا نہ ہوں) یہ غلط ہے احصن کے معنی بعض نے مسلمان ہونے کے لیے ہیں کما ھو مروی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۟ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ

عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾

اللہ (یہ) چاہتا ہے کہ جو (نیک لوگ) تم سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا طریقہ تم کو بتائے اور ان کے رستے (پر) تم کو چلائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور اللہ تو تم پر مہربانی کرنا چاہتا ہے اور جو شہوت کے بندے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے رستے پر) بہت دور جا پڑو (اور) اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے (کیونکہ) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

ترکیب: یُرِیْدُ کا مفہوم ذٰلِکَ محذوف لِیُبَیِّنَ کا لام یرید سے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ لام زائدہ ہو تقدیرہ یرید ان یبین وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ معطوف ہے وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ پر۔ ضَعِیْفًا حال ہے اِنْسَانُ سے اور بعض کہتے ہیں تمیز ہے وفیہ مافیہ۔

تفسیر: لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کے بعد یہ بھی فرمادیا تھا کہ یہ اس کے لیے ہے کہ جس کو حرامکاری میں گرفتار ہونے کا ڈر ہو ورنہ صبر کرنا تو بہتر ہے کیونکہ لونڈیوں کی عادتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ یہ احکام اور نصائح ہم تمہارے فائدہ کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ تم صالحین اور راستبازوں کے طریقہ پر چل کر مقصود تک پہنچو۔ ویتوب علیکم سے یہی مراد ہے اور جو تمہیں کہیں شبہ ہو کہ فلاں چیز کو کیوں حلال کیا فلاں کو کیوں حرام کیا اور اس کی حکمت تمہاری سمجھ میں نہ آوے تو تم وسوسۂ شیطانی میں نہ پڑو بلکہ یہ خیال کرلو کہ اللہ علیم ہے ہر چیز کی ابتداء انتہاء اس کو معلوم ہے اور نیز حکیم ہے۔ ہر امر میں ضرور حکمت مرعی رکھتا ہے۔ پھر جو اس نے حکم دیا ہے اس میں ضرور کچھ نہ کچھ حکمت ہے۔ خدا تو ان احکام کے بیان کرنے اور زنا سے بچنے کے لیے رستہ نیک بتانے میں تم پر مہربانی کر رہا ہے اور شہوات ولذات کے فریفتہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کو راہِ راست سے بہت ہی دور لے جاکر ڈال دیں کیونکہ مجوسی، یہودی، عیسائی، مشرکین فرقوں میں بڑی آزادی ہے۔ خدا تمہارے لیے آسانی کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان جبلی طور پر خواہش کے ساتھ مقابلہ کرنے میں نہایت کمزور ہے۔ بہت لوگ دیو شہوت کے مقابلہ میں ذرا بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ انسان کے لیے جس طرح شتر بے مہار ہوکر لذات وشہوات میں آزادانہ کامرانی کرنا بلا قید حلال وحرام اور پاک وناپاک بہائم جیسی زندگی ہے جو کمالاتِ روحانیہ سے محروم رکھتی ہے جیسا کہ یورپ کی قوموں میں پولوسی مذہب سے پیدا ہے۔ اسی طرح مباح اور جائز اشیاء کو بھی از خود اپنے اوپر حرام کرکے معیشت کے دائرہ کو تنگ کرلینا ہے۔ جیسا کہ ہنود میں برہمنوں نے کر رکھا ہے اور اس کے ہاں چچا ماموں خالہ پھوپھی کی بیٹی سے نکاح، ممنوع غیر کے ہاتھ لگ جانے سے ان کا کھانا پینا ناپاک، بغیر نہائے خونی سردی ہو یا گرمی جنابت ہو یا نہ ہو کھانا پینا ممنوع وغیرہ دنیا میں قومیت کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ یہ کام حضراتِ انبیاء کا ہے۔ ہر چیز کی حلت وحرمت کا نتیجہ روحانی بلکہ جسمانی وہی خوب سمجھ سکتے ہیں جن قوموں نے یہ کام اوروں کے سپرد کیا وہ گمراہ ہوگئیں۔ اسلام نے یہ خدمت حضرات انبیاء بالخصوص خاتم المرسلین ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھی۔ اس لیے وہ اس افراط وتفریط سے محفوظ ہے جس میں ہر قسم سے انسان کے لیے سہولت بھی ملحوظ رکھی ہے مگر اور قومیں مسلمانوں کو بھی اپنے رستہ پر لے جانے کی کوشش کرتی ہیں جو مسلمان اس طریقۂ انبیاء کو چھوڑ کر جس قدر ان کے طریقہ کو اختیار کرے گا اسی قدر گمراہی میں پڑ کر راہِ راست سے دور جا پڑے گا اور ایسا واقعہ ہوا بھی ہے۔ جن لوگوں پر افراط کی ہوا لگی وہ یورپ کی قوموں کی طرح بے قدر ہوگئی یہاں تک کہ فرائض بھی چھوڑ بیٹھے اور جن پر ہنود کا اثر پڑا ان میں ہزاروں رسوم بیجا پیدا ہوگئے۔ شدہ شدہ ان کے مذہبی قوانین بھی اسی رنگ میں رنگین ہوگئے بلکہ جس طرح وہ اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں یہ بھی اپنے بزرگوں کی پرستش کرنے لگے۔ تعزیہ پرستی، قبر پرستی، فال اور ٹوٹکوں کی پابندی ان میں پیدا ہوگئی۔ آیت کے الفاظ میں دونوں فرقوں میں اہلِ افراط وتفریط کی طرف اور درمیانی رستہ کی طرف کس خوبی سے اشارہ ہے۔ درمیانی رستہ کی طرف یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ای طریق الانبیاء السابقین میں اشارہ ہے اور افراط کی طرف وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا میں اشارہ ہے اور دراصل یہ

آزادی بہت ہی دور لے جا کر ڈال دیتی ہے اور تفریط کی طرف یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ میں اشارہ ہے کہ انہوں نے تو رستہ بھاری اور مشکل کر دیا۔ خدا آسانی کرنا چاہتا ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اس کی علت ہے کہ انسان ایسی دشواری کا متحمل ہونے میں ضعیف ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾

مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا جایا کرو (ہاں) اگر آپس کی رضامندی سے سودا ہو (تو کچھ مضائقہ نہیں) اور نہ آپس میں خونریزی کیا کرو (بے شک) خدا کی تم پر بڑی مہربانی ہے اور جو کوئی کام سرکش اور ظالم بن کر کرے گا سو ہم عنقریب اس کو آگ میں دھکیل دیں گے اور یہ بات اللہ پر (بہت) آسان ہے اگر تم ممنوعات میں سے بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو گے تو ہم تمہارے گناہ (صغائر) دور کر دیں گے اور (علاوہ اس کے) تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔

ترکیب: بَیْنَکُمْ ثابت سے متعلق ہو کر حال ہوا اَمْوَالَ سے۔ بِالْبَاطِلِ۔ لَاتَاکُلُوْا سے متعلق ہے الاستثناء منقطع تَکُوْنَ کا اسم ضمیر جو اموال کی طرف پھرتی ہے تِجَارَۃً خبر بعض نے کَانَ تامہ قرار دے کر تجارۃ کو بالرفع بھی پڑھا ہے عَنْ تَرَاضٍ موصوف مِنْکُمْ صفت مجموعہ تجارۃ کی صفت وَمَنْ یَّفْعَلْ مرفوع بالابتداء فَسَوْفَ خبر مُدْخَلًا بالضم مصدر و بالفتح ظرف۔

تفسیر: جبکہ عورتوں کے متعلق نکاح کے احکام بیان کئے گئے اور مصارف مہر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی تو اس کے بعد جو کچھ باہمی کج اخلاقی اور جور و خصم کی بدمزگی سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کی اصلاح فرماتا ہے کہ تم باہم اپنے مال دغا فریب کے طور پر نہ کھا جایا کرو۔ نہ بیوی میاں کے مال میں ایسا کرے نہ میاں بیوی کے مال میں ایسا کرے۔ ہاں باہم رضامندی سے تجارت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور نہ میاں کسی بات پر ناراض ہو کر یا کسی طمع فاسد سے یا کسی بدگمانی سے بیوی کو قتل کر دیا کرے نہ بیوی میاں کا مال لینے کی وجہ سے یا کسی اور شخص سے نکاح کرنے کے لیے میاں کو زہر سے یا کسی اور ترکیب سے قتل کرے اور جو ایسا کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے اور خدا کو تم سے محبت اور مہربانی ہے۔ اس کی محبوب چیزوں کو قتل کرنا برا ہے یا یوں کہو نکاح میں مالکانہ صرف تھا اس کے ساتھ اور ناجائز تصرفات کا منع بھی مناسب ہو۔ اپنے مالوں کو باطل طور سے نہ کھاؤ اس میں اپنا ذاتی مال بھی آ گیا۔ اس میں اسراف اور طرح طرح کی فضول خرچی کرنا جو عموماً شادی بیاہوں میں ہوتی ہیں باطل طور سے کھانا ہے جو انجام کار اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس میں غیر کا مال بھی آ گیا کیونکہ برادرانِ دینی یا بنی آدم بمنزلہ نفسِ واحد کے ہیں۔ ان کا مال باطل طور سے کھانا یہ ہے کہ چوری، قذاقی، غصب رشوت سے یا انکار حق کر کے یا کوئی فریب دے کر کسی کا مال کھایا جاوے اس میں سب ناجائز طریق مراد ہیں سو ایسا نہ کرو۔ ہاں تجارت کا کچھ مضائقہ نہیں خواہ اس میں بائع کو فائدہ مشتری کو نقصان ہو یا بالعکس یا نہ ہو اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے۔ لَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ بھی عام ہے۔ خودکشی کرنا جیسا کہ رنج کی حالت میں کوتاہ اندیش کرتے ہیں یا بہ نیتِ تقرب کسی دریا میں ڈوب مرنا یا آگ میں

جل مرنا یا برف میں دب جانا جیسا کہ ہنود کرتے ہیں اس میں شامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کرے گا اسی چیز سے اس کو حشر تک اس عالم میں عذاب دیا جاوے گا اور اس میں غیر کا قتل کرنا بھی مراد ہے کیونکہ سب بنی آدم بمنزلہ نفسِ واحد ہیں۔ سو یہ بھی حرام ہے۔ اول تو اس فعل سے اس طور سے منع فرماتا ہے کہ اللہ کی تم پر مہربانی ہے۔ انسان مظہرِ اسرارِ رحمانی ہے اور یہ مخلوق اس کی عیال[1] ہے۔ اس کو اپنے ہر ایک بندہ پر رحمت کمال ہے جس طرح کہ ماں باپ کو اپنے بال بچوں پر ہوتی ہے۔ پھر دیکھو ان کا قتل کرنا' ناجائز طور سے مال کھا جانا' ماں باپ کو کہ جس کا تعلق خالق مخلوقیت کا نہیں کس قدر برا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ہم نے تمہاری توبہ بنی اسرائیل کی طرح قتلِ نفس مقرر نہیں کی کیونکہ ہم تم پر مہربان ہیں اس کے بعد اس کی سزا سنا کر ڈراتا ہے کہ ایسے کے لیے جہنم ہے۔ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا سے اس طرف اشارہ ہے کہ قصاص وغیرہ حقوق میں قتل مباح ہے۔ اس گناہ کے بعد توبہ کی رغبت دلاتا ہے کہ اگر تم گناہِ کبائر سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے پہلے گناہ معاف کر دیں گے خواہ صغائر ہوں خواہ کبائر بشرطیکہ حقوقِ عباد نہ ہوں یا صغائر کو معاف کر دیں گے۔ کبائر شرک کرنا' قتل کرنا' چوری کرنا' زنا کرنا' سحر کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ جن کی تشریح احادیث میں موجود ہے کبائر سے بچنے کی یوں قید لگائی کہ کبائر صغائر سب سے بچنا بجز خاصانِ خدا ہر ایک کا کام نہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

اور جس چیز میں کہ خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس کو ہوس نہ کیا کرو۔ مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر ایک چیز جانتا ہے۔ اور ہم نے ماں باپ اور اقارب کے ترکہ میں ہر ایک کے لیے وارث بنا دیے ہیں اور جن[2] سے تم نے عہد باندھ لیا ہے ان کو (بھی) ان کا حصہ دے دیا کرو۔ بے شک اللہ کے روبرو ہر چیز حاضر ہے۔

ترکیب: مَا بمعنی الذی یا نکرہ موصوفہ اور عائد۔ بِهٖ میں ضمیر ہے بَعْضُكُمْ مفعول ہے فَضَّلَ کا نَصِيْبٌ مبتداء لِلرِّجَالِ خبر مقدم مِمَّا کا من نصیب سے متعلق ہے۔ وَلِكُلٍّ کا مضاف الیہ محذوف ای لکل احدٍ جَعَلَ کا مفعول اول مَوَالِیَ جمع مولی ہے اور ثانی لِكُلٍّ ای جعلنا وارثا لکل احد مما

ف: احکام کے بعد معاملات جو برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں دغا فریب سے مال اور کسی کی بیوی پر دستِ تطاول دراز کرنا جس کا آخری نتیجہ مار پیٹ اور آخر قتل تک نوبت پہنچتی ہے اس انجام کی خرابی جتا کر ان آیات میں کن تہدید آمیز الفاظ سے روکا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] حالانکہ وہ عیال واطفال سب سے پاک ہے۔ لم یلد ولم یولد ۱۲ منہ

[2] ابتداءِ اسلام میں لوگ خویش و اقارب چھوڑ کر مدینہ میں آ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا آپس میں رشتہ قائم کر دیا تھا۔ یہ تھا اُن کا عہد ان میں سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا جب آیتِ میراث اُتری تو یہ حکم جاتا رہا جس کے جو اصلی وارث تھے وہی میراث کے مستحق ٹھہرائے گئے مگر ان لوگوں کے لیے بھی عہد کے موافق سلوک کرنے کا حکم باقی رہا۔ ۱۲ منہ

ترک یا تو مال محذوف کی صفت ہے ای من مال ترک الوالدان یا متعلق ہے یَرِثُوْنَ محذوف سے۔ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ الخ مبتداء فَاٰتُوْھُمْ خبر جملہ کا عطف کلام سابق پر ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں قتل کرنے اور ناحق کسی کے مال کھانے سے منع فرمایا تھا اور عجیب لطف کے ساتھ ممانعت کی تھی۔ اس جگہ نفوس کی اصلاح اور اس قتل و ناحق مال خوری کے مادہ کو کہ جو اکثر حسد و رشک ہے قطع کرتا ہے کیونکہ پیشتر انسان جب کسی مال کی طرف یا اس کے رتبہ و منصب خداداد کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو کم مایہ جان کر ان کے دل میں لالچ اور حسد کا شعلہ بھڑکا کرتا ہے جو اس کو اس کے قتل کرنے یا مال مارنے پر آمادہ کر کے دنیا اور آخرت کی سعادت سے محروم کر دیا کرتا ہے۔ اس لیے اس مرض کی دوا تعلیم فرماتا ہے کہ تم ہر ایک فضیلت و منصب مختصہ کی دل میں ہوس نہ کیا کرو جو ہر وقت سوخت و گداز اور غمگینی اور خدا کی ناشکری کا باعث ہو جاتی ہے اور انجام کار حسد و لالچ پیدا کر کے قتل اور ناحق مال مارنے وغیرہ فسادات میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ رضائے الٰہی اور قسمت ازلی پر راضی و شاکر ہو کر اس سے اس کی عنایت اور فضل کا سوال کیا کرو۔ وہ دے گا اور یہ جان لو کہ ہر مرد و عورت کو اس کی جو کچھ تقدیر میں ہے وہی ملتا ہے اور ہر ایک کو جو خدا تعالیٰ ویسا مال و نعمت نہیں دیتا تو اس میں مصلحت و حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے بکل شیء علیما واضح ہو کہ جب انسان کسی کو مال و نعمت اولاد و تندرستی میں اپنے سے فائق دیکھتا ہے تو اس کے لیے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں یا تو یہ اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کو حسد کہتے ہیں سو یہ حرام ہے کیونکہ یہ تمام فسادات قطع محبت و مؤدت کی جڑ ہونے کے علاوہ خود اس کے لیے بھی ہر وقت جلنے کا باعث ہوتا ہے یا یہ کہ زوال تو نہیں چاہتا مگر ویسا اپنے لیے بھی چاہتا ہے اس کو غبطہ کہتے ہیں گرچہ یہ حرام نہیں مگر انجام کار ایسی آرزوؤں کا دل میں رکھنا بھی خدا سے ناراضی اور ناشکری اور دنیا میں ہر وقت قلق و اضطراب کا باعث ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کون ہے کہ جس کی تمام آرزوئیں حاصل ہو گئی ہیں؟ بلکہ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اس لیے کسی عارف نے نفس کو ان باتوں میں ہر وقت خدا سے لڑائی اور ناراضی کرتے دیکھ کر یہ کہا ہے

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد	یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست مے باید داد	یا قطع نظر زیار مے باید کرد

احادیث میں بھی ایسے مضامین بکثرت ہیں اس لیے ان سب رنجوں سے نجات پانے کے لیے یہ فرمادیا وَلَا تَتَمَنَّوْا یا یوں کہو میراث کے بارے میں لوگوں کے خدا نے کم زیادہ حسب مصلحت حصے مقرر کئے تھے۔ اس پر کم حصے والے کہتے تھے کہ ہم کو کم کیوں دیا بلکہ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سے مردوں کو دوچند میراث دلائی کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہر میت کے لیے ہم نے اس کی وارث موالی مقرر کئے ہیں۔ اس کی مصلحت ہم خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ عورت و مرد کے حقوق بیان فرما کر مردوں کو فضیلت دی تھی جس سے عورتوں کے دل میں مساوات کی آرزو پیدا ہونا ممکن تھا۔ اس لیے اس خیال سے روک دیا کیونکہ ایک کو دوسرے پر برتری نہ ہو تو انتظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ موالی جمع مولی جس کے معنی آزاد کرنے والے اور آزاد کئے گئے کے ہیں اور ابن عم اور عصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں عصبات مراد ہیں یا عموماً وارث۔ والذین عقدت الخ اسلام میں پہلے جن میں بھائی چارہ ہو جاتا تھا۔ وہی وارث ہوتے تھے پھر جبکہ آیات میراث نازل ہوئیں تو اقارب کے لیے میراث رہ گئی اور بھائی چارہ والے لوگوں کو کہ جن سے عقد ایمان یعنی باہم ہم قسمی ہو گئے کچھ بھی نہیں دیتے تھے اس لیے یہاں یا تو بطور صلہ محبت ان کے لیے دینا فرمایا کہ جو ان کی تقدیر میں ہے وہ دے دو (نصیبھم کے یہ معنی ہیں) یا اور صورت نہ ہونے اقارب کے وہ وارث ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

مرد عورتوں پر اس لیے حاکم ہیں کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنا مال صرف کرتے ہیں پھر جو نیک بیویاں ہیں وہ تو خدا کی عنایت سے مرد کی تابعدار ہیں (اور) غائبانہ (ہر چیز) کی حفاظت کیا کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی کا ڈر ہو تو (اول مرتبہ) ان کو سمجھا[1] دیا کرو اور پھر ان کے ساتھ صحبت داری کرنا ترک کر دو اور اگر پھر بھی نہ سمجھیں تو ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم بھی ان پر کوئی چھڈ انہ ڈھونڈو کیونکہ اللہ (سب سے) بڑا بالا دست ہے اور اگر تم کو میاں بی بی کی باہم نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے کنبہ کا اور ایک منصف بیوی کے کنبہ کا مقرر کر دو۔ اگر یہ دونوں منصف اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ بھی ان میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز جانتا بوجھتا ہے۔

ترکیب: اَلرِّجَالُ مبتداء قَوّٰمُوْنَ خبر عَلَى النِّسَآءِ متعلق ہے قوامون سے بِمَا بھی اسی سے ہے وَبِمَآ اَنْفَقُوْا کا ما مصدریہ ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ مبتداء قٰنِتٰتٌ خبر بِمَا حَفِظَ کا ما بمعنی الذی اور نکرہ موصوفہ بھی ہو سکتا ہے دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا اور مصدریہ بھی ہو سکتا ہے وَالّٰتِيْ الخ مبتدء فَعِظُوْهُنَّ خبر فِي الْمَضَاجِعِ وَاهْجُرُوْهُنَّ کا ظرف بھی ہو سکتا ہے ای ترکوا مضاجعھن دون مکانھن اور بمعنی سبب بھی ہو سکتا ہے یعنی جدائی بسبب ساتھ نہ سلانے کے کرو۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم نے میراث میں مردوں کو فضیلت دی ہے۔ اس جگہ اس فضیلت کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کس بات میں ہے؟ فرماتا ہے اس بات میں کہ مرد عورتوں کے سرپرست اور کارکن ہیں اور نیز یہ مہر اور نان ونفقہ میں ان پر اپنا مال صرف کرتے ہیں۔ قَوّٰمُوْنَ جمع قوام ہے یہ مبالغہ ہے قیام فی الامر کے لیے۔ کہتے ہیں ہذا قیم امراۃ وقوامہا کہ یہ شخص عورت کا سرپرست اور کارگذار ہے یعنی اس کا کاروبار اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔

مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک ذاتی کہ جو مرد کی ذات میں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے کیونکہ انسان کو تمام کائنات پر فخر ہے تو صرف قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کی وجہ سے ہے۔ چونکہ عورتوں کی سرشت میں مردوں کی نسبت قضاء وقدر نے برودت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت جو اس کے ادراکات اور عجائبِ علوم وفنون حاصل کرنے کا آلہ ہے۔ سو اس میں بھی مرد عورتوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اعمالِ شاقہ اور غیرت وشجاعت وغیرہ سرداری کے اوصاف کا بھی سرچشمہ یہی قوت وحرارت ہے۔ اس میں بھی مردوں کو فوقیت ہے۔ اس لیے آپ تاریخوں کو کھول کر دیکھ جایئے۔ انبیاءِ اولوالعزم اور حکماءِ باکمال اور شاہانِ باعزوشان اور دیگر کاملین کی فہرست میں بجز مردوں کے

[1] یعنی اول نرمی سے سمجھا دینا چاہیے اس پر نہ مانیں تو بے التفاتی کرو ساتھ سونا چھوڑ دو۔ اگر کوئی ڈھیٹ اس پر بھی نہ مانے تو ہاتھ سے دھول دھپہ کر کے سیدھا کر دو۔ پر خواہ مخواہ الزام لگانے کے لیے راہیں نہ تلاش کرو کیونکہ تم پر بھی کوئی بالا دست ہے اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو طرفین سے دو شخص ثالث بن کر ملاپ کرا دو۔ اگر ان کی نیت بخیر ہو تو خدا ان میں ملاپ کر دے گا۔ ۱۲ منہ

آپ کو اور کوئی نظر نہ آئے گا الا شاذ و نادر اور نیز قدرتی طور پر مرد اور عورت کی بناوٹ مرد کی فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے۔ اس فضیلت کی طرف اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں اشارہ ہے۔ دوسری فضیلت عرضی ہے وہ یہ کہ عورت چونکہ وسائلِ معاش میں بھی قاصر ہے اور نیز اس میں ایک شانِ محبوبیت ہے جو اس کو مرد پر ناز اور طلب کی طرف برانگیختہ کیا کرتی ہے۔ اس لیے اس کے تمام مصارف روٹی کپڑا بلکہ مہر وغیرہ سب مرد کے ذمہ ہیں اور وہی وقتاً فوقتاً اس کو اپنی کمائی سے شاد و خرم رکھتا ہے۔ یہ اس کی دستِ نگر رہتی ہے۔ یہ اس کا آقا و ولی النعمۃ ہے۔ اس فضیلت کی طرف وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ میں اشارہ ہے۔ ان وجوہ سے مرد کو محکمۂ قضاء و قدر سے سرداری کی سند ملی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی شانِ نزول میں یوں فرمایا ہے کہ محمد ابن سلمہ کی بیٹی کو کسی بات پر خفا ہو کر اس کے میاں سعد بن الربیع انصاری نے ایسا طمانچہ مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑ گیا۔ وہ بیوی فریادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر معاوضہ کی طالب ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں وحی کا انتظار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں فضائلِ مرد کے بعد اس طرف اشارہ ہے کہ مرد سردار ہے۔ ایسی باتوں میں اس سے برابری نہیں چاہیے۔ ان صفات سے امام مالک و شافعی وغیرہما رحمہم اللہ نے یہ بات نکالی کہ اگر مرد نان و نفقہ سے عاجز ہو جائے تو نکاح فسخ کر دیا جائے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ عورتوں کو فرمانبرداری اور نیک روی کی ترغیب عجب لطف کے ساتھ دیتا ہے۔ وہ یہ کہ مردوں کی سرداری اور درجۂ فضیلت بیان کر کے عورتوں کی وہ فضیلت بیان فرماتا ہے جس سے ان کی پارسائی اور فرمانبرداری نکلتی ہے۔ عورت کی دو حالت ہیں۔ ایک مرد کے روبرو ہونے کا وقت دوسرا اس کے غائب ہونے کا زمانہ۔ روبرو کے زمانہ میں عورت کی یہ خوبی ہے کہ وہ فرمانبردار ہو جو مرد کہے وہ کرے۔ جب سونے کے لیے پاس بلائے فوراً تعمیل حکم کرے۔ نرمی سے بات کرے اور جو میاں سختی سے بولے تو آپ جواب ترش نہ دے۔ خانہ داری کے معاملات میں اس کی خوشنودی کو مقدم رکھے۔ اس وصف کو اس لفظ میں ادا کیا فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ کہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں۔ قنوت کے معنی طاعت کے ہیں۔ اس میں خاوند اور خداوند دونوں کی اطاعت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری حالت جو سفر کی ہے اس میں عورت کی یہ خوبی ہے کہ اپنی عصمت اور مرد کا مال حفاظت سے رکھے۔ اس کی طرف حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ میں اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد ان کے برعکس عورتوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی تدبیر بیان فرماتا ہے۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ نشوز کے معنی لغت میں بلندی کے بولتے ہیں۔ نشز الشیء اذا ارتفع اور چونکہ عورت کی نافرمانی اور سرکشی میں اس کا سر اٹھانا پایا جاتا ہے اس لیے اس کو نشوز کہتے ہیں۔ پس جو عورت بلا کسی حجتِ شرعیہ کے مرد کی نافرمانی کرے ساتھ سونا چھوڑ دے یا سخت کلامی کرے یا ستر و پردہ اور غیر محارم کے روبرو ہونے میں کہا نہ مانے یا والدین کے گھر رہنا پسند کر کے خاوند کے ہاں نہ آوے اس عورت کو ناشزہ کہتے ہیں۔ اس کو نان و نفقہ دینا خاوند پر واجب نہیں رہتا۔ جب میاں بیوی میں ایسی حالت ہو جاوے تو اول مرتبہ یہ ہے کہ اس کو خاوند نرمی سے نصیحت کرے۔ فَعِظُوْهُنَّ کہ تم کو ایسا کرنا مناسب نہیں۔ اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی شرمندگی ہے۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ اس کو ساتھ نہ سلاوے کیونکہ اگر اس کو میاں سے محبت ہے تو یہ امر اس پر شاق گزرے گا۔ پھر ضرور اطاعت کرے گی اور جو اس کی بھی پروا نہ کرے تو ایسی بیہودہ کو وَاضْرِبُوْهُنَّ کسی قدر دھول دھپے سے درست کر دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گو یہ بات مباح ہے مگر نہ مارنا اولیٰ ہے مگر ایسا مارنا کہ جس میں اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاوے یا زخم پڑ جاوے یا اس کے چہرہ یا کسی عضو میں نقص پیدا ہو اتفاقاً ممنوع ہے۔ پھر اگر وہ سیدھی ہو جاوے تو مرد کو بھی نہ چاہیے کہ خواہ مخواہ کی نکتہ چینیاں کر کے اس کو دق کرے بلکہ اس میں خدا سے ڈرے جو بالادست ہے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ شریعت نے عورت کی عزت و حرمت بہت کچھ قائم کی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے اہل و عیال سے اچھا نہیں اور ان پر نرم نہیں وہ ہرگز اچھا نہیں اور کہیں فرمایا کہ عورتوں سے یہ نرمی پیش آؤ ان کی جبلت میں کجی ہے۔ اس پر صبر اور برداشت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ وہ عجیب شخص ہے کہ صبح کو تو بیوی کو مارتا پیٹتا ہے۔ پھر رات کو ساتھ لے کر سوتا ہے یعنی مارنا

نہ چاہیے اور یہ ظاہر ہے کہ بیوی میاں کی وزیر ہے اس کی رضامندی اور اس سے بخوشی وخرمی پیش آنا خوش گزارنی کا باعث ہے ورنہ زندگی تلخ ہو جاوے گی مگر اس کے عورت پر جیسا کہ آٹے پر نمک تہدید بھی رکھی ہے اگر تہدید نہ ہو تو معاذ اللہ بڑی خرابیاں پیش آتی ہیں (جیسا کہ اس زمانہ میں سکولوں میں پڑھ کر عورتیں بالکل آزاد ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بے حیائی اور فحش اور زنا کاری کا نام تہذیب رکھا جاتا ہے۔ اور خاوند بھی دیوث بن کر اس کی آزادانہ آمد و رفت پر برداشت کرنے کا اور اس کے دوستوں سے ملنے کا نئی تہذیب کی بدولت عادی ہو جاتا ہے)۔ اس کے بعد بھی اگر عورت نہ سمجھے تو ایک شخص عورت کے کنبہ کا اور ایک مرد کے کنبہ کا جو دونوں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں باہم فیصلہ کرا دیں مگر نیک نیتی اور اصلاح مد نظر رکھیں تا کہ خدا ان میں توفیق دے کہ پھر ملاپ ہو کر خانہ آبادی ہو جائے اور جو کنبہ کے پنچ نہ ملیں تو اور نیک لوگ قائم کر لیے جاویں۔ امام شافعی اور مالک اور اسحٰق اور اوزاعی رحمہم اللہ بلکہ حضرات عثمان وعلی وابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ اگر پنچوں کو بغیر طلاق کے اور کوئی چارہ نہ ہو اور باہم کسی طرح ملاپ ہوتا نظر نہ آوے تو ان کو اختیار ہے کہ طلاق دے دیں اور عطا اور حسن اور ابن زید اور امام ابو حنیفہ وغیرہم علماء رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق کا اختیار پنچوں کو نہیں۔ یہ بات میاں کے اور حاکمِ شہر کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں۔ حکمًا من اھلہ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حاکم وقاضی جو فیصلہ کرے تو فریقین کے حال سے بخوبی واقف بلکہ اسی قوم کا ہوتا کہ کوئی بات اس پر مخفی نہ رہے واے برحالِ شان کہ جن کے مجسٹریٹ محض اجنبی ہوں اور طلاق وغیرہ امورِ شرعیہ کا فیصلہ کریں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

اور اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو (بھی) شریک نہ کیا کرو اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کیا کرو اور قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے دوستوں کے ساتھ بھی اور مسافر اور غلاموں کے ساتھ بھی (نیکی کیا کرو) بے شک اللہ کو اترانے والے شیخی مارنے والے پسند نہیں آتے۔ یہ وہ ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے منکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ وہ ہیں جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا شیطان ساتھی ہو تو برا ہی ساتھی ہے۔

ترکیب: اِحْسَانًا کے نصب میں چند وجہ ہیں سورہ بقرہ میں بیان ہو چکیں۔ الجُنُبِ بضمتین اور فتح جیم اور سکون نون دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے جس کے معنی اجنبی کے ہیں۔ یہ وصف ہے اَلْجَارِ کا بِالْجَنْبِ کی ب بمعنی فی ہے یہ حال ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ مبتداء خبر مبغضون

وغیرہ محذوف وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ مردوں کی فضیلت بیان فرما چکا اور باہم میاں بیوی کے معاملات کا فیصلہ خاوند کی فضیلت ملحوظ رکھ کر فرما دیا تو اس کے بعد تمام بنی آدم کو یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ فضیلت دنیاوی ہے اور فضیلتِ اخروی اور چیز ہے اس میں نوکر آقا سے بڑھ جاتا ہے اور فقیر بے کس بادشاہ سے اور بیوی خاوند سے اس لیے اس جگہ اخروی فضیلت بیان کی جاتی ہے جو اصل مقصود ہے اور جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ انسان کی اصلی فضیلت کا دو چیز کی تکمیل پر دارومدار ہے۔ ایک قوتِ نظریہ دوسری قوتِ عملیہ اور انہیں کی تکمیل کا نام سعادت ہے۔ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جان کر خالصاً اس کی عبادت میں مصروف ہو جاوے جس سے روح پر آئینہ کی طرح آفتابِ غیبی کے انوار پڑ کر یہ بھی بعد مردن قدوسین کی جماعت میں مل جاوے۔ سو اسی کی طرف وَاعْبُدُوا اللّٰهَ الخ میں اشارہ ہے۔ یہاں دونوں[1] قوموں کے لیے دس حکم دیے گئے۔ ان میں سے یہ پہلا حکم ہے۔ قوتِ عملیہ کی تکمیل دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ حقوق کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آئے سو اس کی بابت دوسرا حکم ماں باپ کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کا دیا گیا۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ الخ۔ تیسرا حکم عموماً اور اہلِ قرابت کے ساتھ سلوک کرنا علیٰ قدر مراتبہم۔ چوتھا حکم یتیموں کے ساتھ نیکی کرنا۔ پانچواں حکم عموماً ہر فقیر تنگدست کے ساتھ نیکی کرنا۔ چھٹا حکم ہمسایہ قریب کے ساتھ۔ ساتواں حکم ہمسایہ بعید کے ساتھ، قریب سے مراد یا تو اہلِ قرابت یا متصل رہنے والے۔ اسی طرح بعید سے مراد اجنبی شخص یا فاصلہ سے رہنے والا۔ آٹھواں حکم دوست ہم پہلو کے ساتھ نیکی کرنا بِالْجَنْبِ کے معنی ہم پہلو کے ہیں جو کہ مکتب یا کسی اور کار کے شریک یار ہوتے ہیں یا جو سفر و حضر میں ہر وقت مصاحب رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد بیوی ہے کہ جو پہلو میں رہتی ہے۔ نواں حکم مسافر کے ساتھ سلوک کرنا۔ دسواں حکم غلاموں کے ساتھ سلوک کرنا جو ملک اور قبضہ میں ہیں اور مَا مَلَكَتْ سے ہر جانور بھی مراد ہے۔ اس کے ساتھ بھی نیکی اور رحمدلی کرنی چاہیے۔ دوسری طرح یہ ہے کہ سب کو ضرر نہ دے اور بیشتر بنیاد ضرر، تکبر اور غرور پر ہے اس کی طرف اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا میں اشارہ فرمایا اور زیادہ تر ضرر ہے کہ باوجود نعمت و قدرت کے اہلِ حقوق کو کچھ نہ دیا جاوے بلکہ اوروں کو بخل سکھایا جاوے اور دین کے ڈر کے مارے مفلسی ظاہر کی جاوے۔ اس کی طرف اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ میں اشارہ ہے کہ دیا تو جاوے مگر بے محل و بے موقع دیا جاوے نہ اس سے نیت بخیر مقصود ہو نہ صلہ رحمی بلکہ دکھلاوا۔ اس کی طرف وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الخ میں اشارہ ہے۔ یہاں تک قوتِ عملیہ کی تکمیل میں خلل انداز باتیں بیان فرمائیں۔ پھر قوت نظریہ میں خلل انداز باتیں وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ میں ذکر فرماتا ہے کیونکہ تعرف الاشیاء باضدادھا فائدہ فخور (متکبر) کے دو جملوں میں یہ اوصافِ رذیلہ بیان فرمائے، اول اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ میں بخل کرنا اور لوگوں کو تعلیم دینا اور اس لیے اپنا مال چھپانا ایک ایسی ردی اور ذلیل حالت ہے جو اس کے فخر اور تکبر کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ دوم وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ الخ شیخی میں ریاکاری کے لئے مال دینا اور خلوص ندار د نہ اللہ پر ایمان نہ آخرت پر اس احمق کا شیطان رفیق ہے پھر جس کا وہ رفیق و یار بنے تو پھر اس سے جس قدر برائیاں سرزد ہوں کم ہوں۔

وَمَا ذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿ؕ۴۱﴾ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

[1] حاکم ومحکوم وعورت۔ ۱۲

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

اوران کا کیا (نقصان) ہو جاتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور خدا کے دیے میں سے کچھ دیتے اور اللہ ان سے خوب واقف ہے۔ اللہ تو کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہوتی ہے (تو) اس کو دو چند کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے (بھی) بڑا بدلہ دیتا ہے۔ پھر کیا حال ہونا ہے جبکہ ہم ہر ایک قوم سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور آپ کو بھی (اے نبی!) ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس دن تو منکر اور جنہوں نے کہ رسول کی نافرمانی کی ہے (یہی) آرزو کریں گے کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاویں اور اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہ سکیں گے۔

ترکیب: مَاذَا مبتداء عَلَیْھِمْ خبر اور صرف ما مبتدا اور ذا موصول علیہم صلہ مجموعہ بھی خبر ہو سکتی ہے۔ لَوْ اٰمَنُوْا الخ شرط لم یضرھم خبر محذوف اس سے ترغیب مقصود ہے لَوْ مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثقال صفت ہے مصدر محذوف کی ای لایظلم ظلماً قدر مثقال ذرۃ ای وزن ذرۃ مصدر اور اس کی صفت کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ قائم کر دیا۔ وان تَكُ اصل میں تکن تھا نون صرف کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ نون غنہ سکون کی وجہ سے مشابہ ہے اگر حرکت دی جائے گی نون حذف نہ ہوگا جیسا کہ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ وغیرہ میں۔ يَوْمَئِذٍ ظرف يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ اس کا فاعل لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الخ اس کا مفعول لَوْ بمعنی ان۔ تُسَوّٰى فعل مجہول الْاَرْضُ مفعول مالم یسم فاعلہ۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ نہ تو ان لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر جو انسان کو عمل خیر کی طرف اور امید ثواب رکھ کر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی طرف اور ہر طرح کی نیکی کی طرف برانگیختہ کرتا ہے۔ سو یہ بڑی بدنصیبی اور حرمان کا باعث ہے۔ اس لیے یہاں بطور ترغیب فرماتا ہے کہ اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ کی راہ میں صرف بھی کرتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟ یعنی یہ بات خلاف عقل سلیم نہیں نہ اس میں کسی قسم کی مضرت ہے۔ اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ کسی ملحد نے کسی مومن سے کہا، تمہارا اللہ اور قیامت پر ایمان لانا اور خیر و خیرات کرنا فضول ہے کیونکہ نہ کوئی اللہ ہے نہ قیامت پھر لیے دیے کا ثواب کہاں ناحق مال کو فرضی ڈھکوسلوں پر صرف کرنا اور نماز روزہ ہر ایک قسم کی عبادت کی تکلیف اٹھانا، شراب کباب، رنڈی لونڈی، مزے کی باتوں سے رکنا عبث ہے اور ضرر صریح۔ مومن نے جواب دیا اگر تمہارا کہنا سچ ہوا تو بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ عبادت میں بھی کچھ نہ کچھ فائدہ جسمانی ہے اور نہ ہو نہ سہی کسی قدر تکلیف اور لذائذ فانیہ سے جو ناجائز ہیں محروم رہنے میں کچھ قباحت نہیں۔ دنیا اور انسان کی عمر بادِ صبا کی طرح آناً فاناً گذر جاتی ہے۔ تمام لذتیں اور سب عیش عالم خواب کے مزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ چند روز کے بعد ہم تم دونوں برابر ہیں اور اگر تیرا کہنا غلط نکلا اور مرنے کے بعد اس عالم ثواب و عذاب کا بازار بھی گرم ہوا اور اللہ اور قیامت برحق نکلے تو فرمائیے وہاں تیرا کیا حال ہوگا۔ اب محلِ خطر میں تو ہے یا ہم؟ یہ سن کر ملحد کو ہوش آ گیا اور ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے اللہ خبردار ہے تمہاری کوئی حالت مخفی نہیں اور نیز وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا اور جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو اپنے فضل سے عالمِ آخرت میں دوگنا کر کے دیتا ہے اور اس کے علاوہ اپنی طرف سے بھی اجرِ عظیم دیتا ہے۔ پھر نیکی نہ کرنا اور آخرت کے ساز و سامان سے غافل رہنا سخت غفلت اور صریح بدبختی ہے۔ يُضٰعِفْهَا سے اس عالم کی سعادتِ جسمانیہ کی طرف اور يُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ سے سعادتِ روحانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور حسرت ناک واقعہ جو پیش آنے والا ہے یاد دلاتا ہے کہ جس روز ہم ایک گروہ کے ہادی کو ان پر ان کی نافرمانی ثابت کرنے کے لیے گواہ بنا کر لائیں گے اور تم کو اے نبی ان مخالفوں پر گواہ بنائیں گے اور اسی طرح عقل بھی جو اس کو بری باتوں سے مانع تھی گواہی دے گی تو ان کا کیا حال ہوگا۔ اس دن تو اللہ اور رسول کے نافرمان یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین میں سما جاویں۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم کیا ہے کہ تجھ سے کچھ قرآن سنوں۔ ابی نے کہا، کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں اس سے ابی کو ایک وجد ہو گیا۔ پھر یہی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔

جب یہاں تک نوبت پہنچی تو آنحضرت ﷺ زار زار قوم کی حالت پر رونے لگے اور فرمایا اے ابی بس کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز[۱] کے پاس نہ جاؤ (یعنی نہ پڑھو) جب تک کہ تم اپنی بات نہ سمجھنے لگو اور ناپاکی کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو مگر سفر میں (پانی نہ ملے تو تیمم کر کے پڑھنا کچھ مضائقہ نہیں) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ ہو کر آوے یا عورتوں سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے[۲] تو تم پاک مٹی لے کر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کو مسح کرلو۔ بے شک اللہ درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

ترکیب: وَاَنْتُمْ الخ جملہ حال ہے فاعل لَا تَقْرَبُوْا سے۔ سُكٰرٰى جمع سکران حَتّٰى تَعْلَمُوْا بمعنی الی اَنْ وَلَا جُنُبًا حال ہے والتقدیر ولاتصلوا اجنبا جنب میں جماعت اور ایک دونوں شامل ہیں علی لغۃ فصحٰی اِلَّا عَابِرِيْ ن بسبب اضافت کے گر پڑا یہ بھی حال ہے ولاتقربوا ھا فی حالۃ الجنابۃ الا فی حال السفر حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا غایۃ ہے ولاتصلوا اجنبا کی وَاِنْ كُنْتُمْ شرط مرضی جمع مریض مِنَ الْغَاۗىِٕطِ مفعول ہے جَاۗءَ کا غائط بروزن فاعل ہے غاط یغوط اذا اطمان سے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا معطوف ہے ماقبل پر داخل ہے شرط میں فَتَيَمَّمُوْا فعل انتم فاعل صَعِيْدًا مفعول طَيِّبًا اس کی صفت جملہ جواب فَامْسَحُوْا جملہ تفسیر ہے تَيَمَّمُوْا کی۔

تفسیر: پہلے تھا کہ اگر وہ ایمان لاتے اور خیر کرتے تو ان کا کیا نقصان تھا یعنی وہ جو ایسا نہیں کرتے تو عقل سلیم کے بھی برخلاف کر رہے ہیں گویا کہ وہ دنیا کے نشہ میں مست و مدہوش ہیں جس طرح کہ مست شراب پی کر خلاف عقل باتیں کرتا ہے ایسا ہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ اس مناسبت سے خدا نے مسلمانوں کو جس طرح اس نشہ سے منع کیا ہے۔ اسی طرح ظاہری نشہ شراب وغیرہ سے بھی۔ اس جگہ عجب نرمی کے ساتھ منع فرمایا کہ تم نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو جب تک کہ تم کو ہوش نہ ہو اور اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔ گرچہ بظاہر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے مگر رمزاً نشہ کی بھی برائی ہے کہ یہ ناپاک چیز اس قابل نہیں کہ اس کو پی کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو۔ پھر سورہ مائدہ میں تو بالکل تصریح کر کے نشہ کی ممانعت کر دی اور اس کو ناپاک کہہ دیا اور یہ اس لیے کہ لوگ اس کے عادی تھے۔

شانِ نزول: ایسی چیزوں کو بتدریج منع کرنا عین حکمت ہے اور اس آیت کا شانِ نزول یوں ہے عبد بن حمید و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن نے لوگوں کی دعوت دی تھی اور اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ لوگوں نے کھایا، شراب پی اس میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش امام کیا تو انہوں نے نشہ میں قل یا ایھا الکافرون اعبد

[۱] یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا مسئلہ ہے اور شراب کی حرمت کی طرف یہیں سے اشارہ ہے کہ یہ نماز سے روکتی ہے۔ ۱۲ منہ

[۲] سفر میں نہانے کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے تو بغیر غسل کے تیمم کے ساتھ نماز درست ہے۔ ۱۲ منہ

ماتعبدون ونحن نعبد ماتعبدون پڑھ دیا۔تب یہ آیت نازل ہوئی بعض روایات میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تھی بعض میں ہے کہ نماز مغرب کا وقت تھا۔

(۱) لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ جمہور مفسرین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک الصلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نماز کی جگہ یعنی مسجد کے اندر جانے کی بھی حالت نشہ میں ممانعت ہے۔

(۲) سُکٰرٰی جمع سکران جو صفت فعلان کے وزن پر آتی ہے اس کی جمع فعالی آتی ہے۔سکر کے معنی لغت میں بند کرنے کے ہیں اور نشہ بھی عقل کو بند کر دیتا ہے۔اس لیے اس کو سکر کہتے ہیں۔جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک شراب کا نشہ مراد ہے۔ضحاک کہتے ہیں نیند کا نشہ مراد ہے کہ نیند کے وقت نماز نہ پڑھو۔یہ قول ضعیف ہے۔

(۳) وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کہ نماز ناپاکی کی حالت میں بھی نہ پڑھو کہ جس کو جنابت کہتے ہیں۔جب تک کہ غسل نہ کرلو مگر سفر میں تیمّم کر کے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور حضر میں بھی پانی نہ ملے تو تیمم درست ہے مگر سفر کی قید اس لیے ہے کہ سفر میں بیشتر پانی نہیں ملتا اور جو لوگ الصلوٰۃ سے مراد مسجد مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جاؤ۔جنابت کی حالت میں مگر بطریق گذر جانے کے کچھ مضائقہ نہیں یعنی ٹھہرو نہیں نہ وہاں جا کر کچھ عبادت کرو۔ہاں کسی طرف جاتے ہو اور وہاں سے رستہ ہو تو نکل جانے کا مضائقہ نہیں۔عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے ان کے نزدیک یہ معنی ہیں۔چونکہ اس آیت میں تیمم کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس کے بعد تیمم کے مواقع اور اس کا حکم بھی بیان فرماتا ہے۔

(۴) وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی الخ چار شخصوں کے لیے تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ایک بیمار کے لیے عام ہے کہ پانی کے استعمال سے ہلاک ہونے کا خوف ہو یا صرف زیادتی مرض کا پھر عام ہے کہ اس کو ضرر کا یقین ہو یا ظنِ غالب اور یہ تیمم بھی عام ہے۔خواہ غسل کے لیے ہو خواہ وضو کے لیے۔دوسرے مسافر بعض نے سفر کو عام رکھا ہے خواہ وہ سفر ہو کہ جس میں نمازِ قصر پڑھی جاتی ہے یا نہ ہو۔بعض کہتے ہیں وہی سفر مراد ہے۔اس میں[1] بھی اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔عام ہے کہ غسل کے لیے ہو یا وضو کے لیے۔تیسرے پاخانہ پھرنے والے کے لیے مگر اس جگہ عام حدث مراد ہے خواہ پیشاب خواہ پاخانہ خواہ نیند یا ہوا کا نکلنا سب سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرے چوتھے جماع کرنے والے کے لیے اولٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد جماع ہے کس لیے کہ صرف عورت کو چھونے سے بغیر دخول کے یا مذی برآمد ہونے کے وضو نہیں ٹوٹتا جس سے پھر پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کرنا پڑے کیونکہ احمد و ابن ابی شیبہ و ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات وضو کرنے کے بعد بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لے لیتے تھے مگر دوبارہ وضو نہ کرتے تھے بلکہ اسی وضو سے نماز پڑھ لیتے تھے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد بدن سے بدن کا مل جانا ہے۔اس سے وضو کرنا پڑے گا ورنہ تیمم رہا۔جماع سوا اس کے لیے غسل ہے اور جو پانی نہ ملے یا کچھ عذر ہو تو تیمم کرے جیسا کہ احادیث عمار و عمران بن حصین وابی ذر رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ابتداء میں فرماتے تھے کہ جنبی کے لیے تیمم نہیں صرف وضو کی جگہ تیمم ہے نہ غسل کی جگہ پھر اگر جنبی کو پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھے مگر بعد میں انہوں نے رجوع کیا کیونکہ جمہور صحابہ اس کے برخلاف تھے۔فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً کی قید چار قسموں کی طرف رجوع کرتی ہے۔بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر بیمار و مسافر و پاخانہ پھرنے والے بھی اور جماع کرنے والے کو پانی مل جاوے تو اس کو بموجب اس قید کے تیمم نہ چاہیے۔حالانکہ ان کے لئے گو پانی ملے مگر کسی مرض کی وجہ سے وضو غسل نہ ہو سکے تو تیمم کا حکم ہے اور اسی طرح مسافر کی کیا قید ہے۔اگر انسان گھر بیٹھا ہو اور تندرست ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کر سکتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قیود

---

[1] وھوالصحیح۔۱۲۔

باعتبار اس امر کے ہیں کہ یہ وہ مواقع ہیں کہ جہاں غالباً تیمم ہوتا ہے اور پانی نہیں ملتا۔ تشریح مقام یہ ہے کہ تیمم کی ضرورت یا حدث اصغر میں پڑتی ہے جیسا کہ پاخانہ پیشاب وغیرہ یا حدث اکبر میں جیسا کہ بیوی سے صحبت کرنا سوان دونوں کو اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (حدث اصغر) اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (حدث اکبر) میں بیان کیا اور یہ ضرورت وضو اور غسل کرنے پر قادر نہ ہونے سے ہوتی ہے اور یہ قادر نہ ہونا بیشتر مرض یا سفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے مواقع کو سب سے پہلے اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ میں بیان فرمادیا اس لیے سفر میں اگر پانی ملے تو تیمم نہ کرے اور اس پر علماء نے ان مواقع کو قیاس کیا ہے کہ جہاں گرانی قیمتِ آب یا ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے وضو اور غسل پر قادر نہ ہو۔

اس کے بعد تیمم کی ترکیب بیان فرماتا ہے۔ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ یہاں اس بات کی کچھ تشریح نہیں کہ دو ضرب مارے یا ایک۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ آئمہ کبار فرماتے ہیں کہ اول دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کے منہ پر پھیرے۔ دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے۔ جیسا کہ احادیث اور فعلِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ بعض آئمہ کہتے ہیں ایک ضرب کافی ہے یعنی ایک بار زمین پر ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھ پر پھیرنا جیسا کہ حدیثِ عمار ؓ سے سمجھا جاتا ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت ہے۔ صَعِيْدًا کے معنی زمین کے ہیں خواہ ریتا ہو یا چکنا پتھر ہو یا غبار ہو سب پر تیمم جائز ہے اور طَيِّبًا سے مراد یہ ہے کہ نجس نہ ہو اور یہی مذہب امام مالک اور ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا ہے اور امام شافعی اور احمد کہتے ہیں مٹی کے سوا اور کسی چیز سے تیمم درست نہیں کیونکہ صعیدا کے معنی زمین اور طیبا کے معنی عمدہ جس پر گھاس اگنے کی صلاحیت ہو۔ اس آیت کا شانِ نزول یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ مع حضرت عائشہ ؓ ایک بار جہاد میں گئے۔ ایک جگہ پر عائشہ ؓ کا گلوبند کھو گیا جس کو وہ اپنی بہن سے مانگ کر ساتھ لائی تھیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ابوبکر ؓ نے عائشہ ؓ کو جھڑکا کہ تیری وجہ سے یہاں قیام کرنا پڑا نہ پانی ہے نہ اناج لوگ نالاں ہیں۔ اس پر یہ آیت تیمم نازل ہوئی جس سے لوگ بہت خوش ہو گئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ[1] وَيَقُوْلُوْنَ[2]

[1] مدینہ کے یہود اس مجموعہ میں بھی کہ جو توریت کے نام سے نامزد تھا اپنے اغراضِ فاسدہ سے تحریف لفظی اور معنوی کر دیا کرتے تھے۔ ایک لفظ کی جگہ اپنے مطلب کے موافق دوسرے لفظ لکھ دیتے تھے اور کبھی لکھے کے خلاف پڑھ دیتے تھے کبھی معنی نئے پیدا کر دیتے تھے تاکہ ان پر الزام عائد نہ ہو۔ ان کی بات درست رہے۔ ۱۲ منہ۔

[2] اطراف مدینہ کے یہود جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آتے تو قابلیت جتلاتے اور نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو احمق بنانے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے تھے سمعنا وعصینا سن لیا اور نہ مانا۔ عرب میں بزرگ کے کلام کو سن کر سمعنا واطعنا کہا کرتے تھے کہ سن لیا اور مان لیا مگر یہ عصینا کہتے تھے۔ اور بزرگوں کو مخاطب بناتے وقت اسمع وانظرنا کہتے تھے کہ سنیے ہماری طرف التفات فرمائیے مگر یہ اسمع غیر مسمع کہتے تھے جو گستاخی کا کلمہ ہے کہ جس کے معنی ہیں کہ سن اور پھر سننا نصیب نہ ہو اور انظرنا کی جگہ زبان دبا کر راعنا کہتے تھے۔ ظاہر تو اس کے معنی ہیں ہماری حمایت کیجئے مگر اس کو کھینچ کر کہنے سے راعینا ہو جاتا ہے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔ یہ ان کی گستاخانہ اور بے ادبانہ حرکات خدا کی پھٹکار کا نتیجہ تھیں اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ زبان مروڑ کر السام علیکم بھی کہتے تھے۔ سام موت یعنی تم کو موت آجائے۔ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ان کی قابلیت نہیں۔ خدا کی پھٹکار ہے۔ ۱۲ منہ

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب سے (کچھ بھی) بہرہ ور کیا گیا ہے وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور تم کو بھی راہ سے بہکانا چاہتے ہیں اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کافی ہے حمایت کے لیے اور اللہ ہی کافی ہے مدد کے لیے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کلام کو اپنے موقع سے بدلتے اور زبان مروڑ کو سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع اور راعنا کہتے ہیں اور دین (اسلام) میں عیب لگانے کے لیے اور کاش وہ سمعنا اور اطعنا اور اسمع وانظرنا کہتے تو (ان کے حق میں) بہت ہی بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ نے تو ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے۔ سو اس لیے بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

ترکیب: اَلَمْ تَرَ فعل انت فاعل اِلَى الَّذِيْنَ مفعول اول يَشْتَرُوْنَ مفعول ثانی۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا خبر ہے مبتداء محذوف کی ای الہم۔ مِنَ الَّذِيْنَ الخ يُحَرِّفُوْنَ حال ہے فاعل هَادُوا سے یا یوں کہو کہ من الذین نصیرا سے متعلق ہے۔ والذین اُوْتُوا نَصِيْبًا کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ متعلق ہے يُحَرِّفُوْنَ سے وَيَقُوْلُوْنَ معطوف ہے يُحَرِّفُوْنَ پر غیر مسمع حال ہے اور قَوْلًا محذوف کی صفت بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: جبکہ تیمم کا مسئلہ پہلی آیت میں ہوا تو یہودی علماء نے اپنے ہاں کے سخت احکام کے مقابلہ پر اس پر تمسخر کیا اور کہنے لگے پانی سے نجاست کا دور ہونا تو ایک معقول بات تھی بھلا خاک پر ہاتھ مار کے ہاتھ منہ پر پھیرنے سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص یعنی آنحضرت ﷺ نبی برحق نہیں۔ اس کا یہ زور شور چند روز میں مٹ جائے گا بالخصوص ان میں سے دو یہودی عالم عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس جا کر اسلام کی ہجو کیا کرتے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک ڈالا کرتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا جواب رواں آیات میں نازل فرمایا اور چونکہ اول اس سورہ سے یہاں تک احکام بیان ہوئے تھے اس جگہ سے مخالفوں کے شکوک وشبہات کا رد اور جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب شروع ہوتی ہے تاکہ ایک قسم کے کلام سے مخاطب کی طبیعت پر گرانی نہ پیدا ہو اور اس لیے قرآن میں یہ طریقہ رکھا گیا کہ ایک علم کے بعد دوسرا علم بیان ہوتا رہتا ہے۔ فرماتا ہے کہ اے نبی! دیکھو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا یعنی فی الجملہ ان کو الہامی شریعت اور کلامِ انبیاء سے آگاہی ہے۔ وہ باوجود اس کے دینِ حق اور اس کے سچے رہبروں پر طعن کر کے گمراہی خرید رہے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ خود گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے یہ دونوں وصف جس میں ہوں خدا کی پناہ اس کی شقاوت اور بدبختی کا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر فرماتا ہے وہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارا حامی ہے تم کچھ ان سے خوف نہ کرو اس کے بعد خصوصاً یہود کی چند عادت بد ذکر فرماتا ہے تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے گمراہی خرید رہے ہیں اور خود گمراہ ہو کر اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

(اول) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی ضمیر کلم کی طرف راجع ہے۔ گرچہ قیاس ظاہری بھی چاہتا تھا کہ کلم چونکہ کلمۃ کی جمع مونث ہے جس کی طرف مونث کی ضمیر مواضعہا پھرانی چاہیے تھی مگر چونکہ اس جمع کے حروف مفرد سے کم ہیں پس ایسی جمع میں تذکیر و تانیث دونوں طرح ضمیریں جائز ہیں۔ قالہ الواحدی

تحریف کی بحث: تحریف بدلنا، کم زیادہ کرنا یا تاویلِ فاسد کرنا خواہ زبانی خواہ کتاب میں۔

یہود کے اقبال بلکہ دین کی عمر طبعی ہو چکی تھی۔ اس لیے ان میں ایسی ایسی باتیں مروج ہوگئی تھیں اور یہ بات صدہا سال سے ان میں تھی، ان کے علماء دنیاوی طمع سے ہر ایک قسم کی تحریف اور تاویلاتِ فاسدہ کرتے تھے۔ چنانچہ جن مقاماتِ توراۃ میں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی خبریں پائی جاتی ہیں ان کے عجیب وغریب معانی لگا کر ان دونوں رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور نفس کتاب میں بھی انہوں نے ایسا کیا کہ عہدِ عتیق کے کسی نسخہ کا بھی اعتبار منصف مزاج کے نزدیک نہیں رہا۔ یہ مانا کہ حوادثِ دہر اور مخالف بادشاہوں کے حملوں نے اور حفظ کے دستور نہ ہونے اور قلتِ کاغذات و کتابت نے بھی عہدِ عتیق بلکہ عہدِ جدید کو الٹ پلٹ کر دیا مگر کاتبوں کی خود غرضیوں اور سہو نے بھی ہزاروں اختلافات پیدا کر دیے اور پھر عیسائیوں میں بھی وہی بات پیدا ہوگئی تھی کیونکہ پیشتر وہ بھی یہودی الاصل تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اس طوفانِ بے تمیزی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا تھا۔ اس لیے ان کے علماء بوقتِ استدلال اپنی کتابوں سے کسی کو پتا ہی نہ لگنے دیتے تھے۔ گرچہ عیسائی علماء نے بارہویں تیرہویں صدی عیسوی میں بائبل کی مرمت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی مگر جب مقابلہ کیا تو پھر بھی ہزاروں ہی اختلافات باقی رہ گئے۔

آج کل عیسائی مشنری اہلِ اسلام کے مقابلہ میں دیدہ دانستہ اس تحریف کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں بھلا کوئی اپنی مذہبی کتاب میں ایسا کرسکتا ہے اور جو کسی نے کیا تو اور لوگ اس کی خیانت کب چلنے دیتے ہیں؟ یہ انکار شاید ناواقف لوگوں کو گونہ تردد میں ڈالتا ہو مگر جو بائبل سے بخوبی واقف ہیں ان کے روبرو یہ ہٹ دھرمی اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ اب بھی اس قوم میں عادتِ قدیمانہ کا اثر باقی ہے۔

اس مختصر بحث میں گنجائش نہیں کہ میں ہر ایک قسم کی تحریف پر سینکڑوں شواہد پیش کروں مگر کسی قدر اقوال نقل کر کے نمونہ دکھاتا ہوں تاکہ ناظرین کو تصدیق ہو۔

شاہدِ اول: متی نے اپنی انجیل کے دوسرے باب تیئسویں آیت میں لکھا ہے کہ ''یوسف عیسیٰ کو مصر سے لے کر ایک شہر میں (جس کا نام ناصرہ تھا جا کے رہا تاکہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا' پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا'' حالانکہ اب کسی نبی کی کسی کتاب میں نہیں کہ عیسیٰ پیدا ہو کر ناصری کہلائے گا اور اس کے لیے ممفر ڈ رومن کیتھولک نے اپنے سوالات مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء میں لکھا ہے کہ اس مقام پر کریز اسٹم اپنی نویں تفسیر میں لکھتا ہے کہ یہود نے کتبِ انبیاء کو نہ صرف غفلت بلکہ بددیانتی اور عناد سے جلا دیا اور کسی میں تبدل کر دیا۔ انتہی کلامہ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔

شاہدِ دوم: کتاب خروج کے اکیسویں باب آٹھویں آیت عبرانی توراۃ کے متن میں ہے کہ جو کوئی اپنی منگیتر سے ناراض ہو اس کو روا نہیں کہ اجنبی قوم کے ہاتھ بیچے بلکہ فدیہ لے۔ اس کے حاشیہ کے ایک نسخہ میں برخلاف لکھ دیا اور اسی طرح کتاب احبار کے ۲۵ باب تیس (۳۰) آیت میں ہے کہ جو کوئی شہر پناہ کے اندر اپنا گھر فروخت کر کے برس بھر تک نہ چھڑائے گا تو ہمیشہ کے لیے مشتری کا ہو گا وہ یوبل کے سات میں چھوٹ نہ جاوے گا۔ اس کے حاشیہ میں ایک نسخہ لکھا ہے کہ جس میں اثبات ہے۔ اب دیکھیے کہ کس کا اعتبار کیا جاوے گا۔ احکام میں بھی تحریف پائی گئی۔

شاہدِ سوم: انجیل متی کے ۲۷ باب ۳۵ درس میں یہ فقرہ کہ مسیح کو سولی دی اور اس کے کپڑوں پر چھٹی ڈال کر ان کو بانٹ لیا تاکہ نبی کا کہا پورا ہو۔ الحاقی گریساخ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور ہارن نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۳۰ و ۳۳۱ جلد ثانی میں دلائل سے اس کا الحاقی ہونا بیان کیا ہے مگر اب تک یہ فقرہ انجیل میں موجود ہے۔ یوحنا کے اول خط کے ۵ باب ۷ درس میں یہ فقرہ جو تثلیث کی بنیاد ہے محققین بالخصوص ہارن اور گریساخ اور آدم کلارک اور شولز کے نزدیک قطعاً الحاقی ہے اور وہ یہ ہے کہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ اور کلام اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں۔ الخ بائبل مطبوعہ مرزا پور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پائے جاتے حالانکہ متن میں

درج ہیں زیادہ تحقیق منظور ہو تو مقدمہ تفسیر دیکھئے۔

(دوم) یہود آنحضرت ﷺ کی محفل میں آکر زبان موڑ کر تمسخر کی نیت سے یہ کلمات کہہ جاتے تھے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہ ہم نے سن لیا اور نہ مانا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہ سن ان سنی بات یعنی تجھ کو مکروہ باتیں سُنّی نصیب ہوں سمعنا تو پکار کر کہتے عصینا دل میں اسی طرح اسمع پکار کر غیر مسمع آہستہ سے وراعنا زبان دبا کر جس سے راعینا پیدا ہوتا تھا جو گالی ہے اور تفاخر کرتے تھے کہ ہم یہ باتیں کہہ آتے ہیں اگر وہ نبی ہوتے تو معلوم کر لیتے۔اس لیے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا اور ان بے ادبوں کی حرکات ناشائستہ پر صبر اور برداشت کرنے کا حکم دیا اور ان بے ادبوں کو ادب سکھایا کہ بجائے اس کے یوں کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا مگر یہ شقی ازلی محروم از سعادت ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اے اہل کتاب اس (دن) سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ کر الٹ دیں یا ان پر اصحاب سبت کی طرح لعنت کر دیں اس (کتاب) پر ایمان لے آؤ کہ جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو تمہارے پاس ہے۔اس کی بھی تصدیق کر رہی ہے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔بے شک اللہ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو تو نہ بخشے گا اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اس نے بڑا ہی طوفان باندھا۔

ترکیب: مِنْ قَبْلِ متعلق ہے اٰمِنُوْا سے عَلٰٓى اَدْبَارِهَا حال ہے وُجُوْهًا سے وَيَغْفِرُ جملہ مستانفہ ہے۔مَا دُوْنَ ذٰلِكَ مفعول ہے يَغْفِرُ کا مَا دُوْنَ کے معنی سوا کے ہیں اور دُوْنَ بمعنی کمتر بھی ہو سکتا ہے او نَلْعَنَهُمْ والضمیر عائد الی اصحاب الوجوہ افْتَرٰٓى اختلق وفعل لانہ کما یطلق حقیقۃ علی القول یطلق علی الفعل ایضا مجازا۔

تفسیر: اہل کتاب کے قبائح بیان فرما کر ان کو سعادت دارین کی طرف بلاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔پہلے قبائح بیان کرنا اور پھر اس کی اصلاح کی تدبیر بتلانا حکمت الہامیہ کا دستور ہے کیونکہ جب تک طبیب مریض کے امراض مہلکہ کو بیان نہیں کرتا اور اس کے مآل کار موت سے نہیں ڈراتا تو مریض کی طبیعت تلخ دواؤں کے پینے پر مائل نہیں ہوتی۔اس لیے ان آیات میں مرض بتا کر علاج بتایا کہ اس کتاب اور شریعت پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس کی چیز یعنی اصول مذہب اور مضامین باقی ماندہ تورات و دیگر کتب انبیاء کی تصدیق کرتی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ دین محمدی کوئی ایسی سخت چیز نہیں کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج کو (اپنے دین قدیم کے لحاظ سے بشرطیکہ وہ الہامی ہو اور اس میں تحریفات اور پچھلے مشائخ اور ریفارمروں کی قلعی نہ چڑھائی گئی ہو) کچھ تردد ہو۔اس کے اصول وہ ہیں کہ جن کو الہام کے علاوہ دنیاوی عقلاء بھی بصدق دل قبول کرتے ہیں۔اس کے ساتھ اس علاج سے روگردانی کی صورت میں جو کچھ بدنتائج پیش آنے والے تھے ان کی طرف بھی اشارہ کر کے ان کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا اور وہ بدنتیجے دو تھے۔ایک دنیا کی بربادی اور بداقبالی اور ذلت و خواری جو آسمانی سلطنت سے بغاوت کرنے والے کے لیے ضرور پیش آتی ہے۔اسی کی طرف مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا میں

اشارہ فرمایا یعنی ایمان اس شدنی سے پہلے لاؤ کہ جس میں چہروں کو بگاڑ کر ان کی پشت کی طرف یعنی الٹا کر دیں گے یعنی وہ جو اقبال اور ترقی تھی اس کو الٹ دیں گے۔ منہ کا بگاڑنا کنایہ عزت کے بگاڑنے سے ہے اور پس پشت منہ کو کر دینا اس کی سعادت سے شقاوت کی طرف پھرا دینا ہے۔ یہ محاورہ کی بات ہے اب اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم تم کو پھر اصلی حالتِ غلامی اور اسیری کی طرف رجوع کر دیں گے یا پھر عرب سے ملک شام کی طرف جلاوطن کر دیں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق یہود و نصاریٰ کو صحابہ کے فتوحات سے یہ ماتحتی جو بمنزلہ غلامی اور اسیری کے ہے پیش آئی اور یہودِ مدینہ سے جلاوطن ہو کر چکی چولہے سر پر دھر کر شام کو گئے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان اس عالم محسوسات میں سنِ تمیز کو پہنچ کر گونا گوں صنائع دیکھ کر عالم معقول کی طرف چلتا ہے۔ اگر یہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے تو شہر مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور جو شہوانی اور حیوانی باتوں میں پڑ جاتا ہے تو ادھر سے منہ کے بل الٹ کر پھر اسی عالم کی طرف آ جاتا ہے۔ حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ چہروں کو بگاڑ کر پس پشت کر دیں۔ بری صورت بنا دیں۔ دوسرا عذابِ آخرت، اس کی طرف اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ میں اشارہ ہے کہ جس طرح سبت[1] میں تعدی کرنے والوں پر عہدِ داؤد علیہ السلام میں ہم نے لعنت کی تھی ایسی تمیز نہ کر دیں۔ چونکہ اس اعلان اور اذنِ عام امنوا سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بات تھی کہ ہم بہت سے گناہ کر چکے ہیں۔ اب ہمارا قصور کیونکر معاف ہو سکتا ہے۔ پھر ہمارا اسلام میں داخل ہونا کیا فائدہ دے گا؟ اس لیے اس کے بعد معافی کا اعلان کر دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ مگر اس لیے کہ کسی کو حقوقِ عباد میں عموماً گناہوں پر جرأت نہ ہو۔ لِمَنْ يَّشَآءُ کی قید بھی لگا دی کہ جس کو چاہے گا معاف کرے گا جس کو چاہے گا نہیں خدا شرک کے سوا اور سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور توبہ سے شرک بھی معاف کر دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع ۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ[2] وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

---

[1] سبت ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل میں اس روز شکار اور دنیاوی کاروبار کی سخت ممانعت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو برس بعد بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے جو کسی دریا کے کنارے بستے تھے ہفتہ کے روز بھی مچھلیوں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ اس حیلہ سے کہ پانی کی نالیاں بنا دیں ہفتہ کے روز سے پہلے ان کے منہ کھول دیتے تھے مچھلیاں آجاتی تھیں پھر اتوار کو پکڑ لیتے تھے۔ اس وقت کے علماء نے منع بھی کیا نہ مانا لہٰذا عذابِ الٰہی آیا سور بندروں جیسے چہرے ہو گئے۔ ان کو اصحاب السبت کہتے ہیں جو مسلمان ہوں اور شراب حیلے بنا کر جائز کیا کرتے ہیں۔ ان کو عبرت پکڑنا چاہیے۔ خدا کے عذاب صدہا قسم کے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] الجبت اصلہا جبس فابدلت التاء من السین قالہ قطرب وھو الذی لا خیر فیہ فاختلف فی مصداقہ فقیل السحر وقیل کعب بن الاشرف الیہودی وقیل الشیطان وقیل ضم لقریش سجد لہ الیہود لما دخلت کمۃ لمرضاۃ قریش والطاغوت من طغی یطغی ای تجاوز والحد والتاء زائدۃ کما فی الراموت والناسوت والمراد الشیطان وکاہن جاوز الحق ۱۲ منہ

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس ٹھہراتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے مقدس کر دیتا ہے اور (کسی پر) تاگے کے برابر (بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ دیکھو اللہ پر کیسے (کیسے) بہتان باندھ رہے ہیں اور صریح گنہگاری کے لئے تو یہی کافی ہے (اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو یہی سیدھے رستہ پر ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے لعنت کر دی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو اس کے لئے کوئی (بھی) مددگار نہ پائے گا۔ کیا ان کا بادشاہی میں کچھ حصہ ہے۔ پھر تو کسی کو رائی کے برابر بھی نہ دیں گے کیا لوگوں پر اس بات سے جلے مرتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے نعمت دی ہے۔ سو بے شک ہم ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت اور نیز ان کو بڑا ملک عنایت کر چکے ہیں۔

ترکیب: کَيْفَ يَفْتَرُوْنَ منصوب ہے یفترون کے سبب اور جملہ محلاً منصوب ہے اُنْظُرْ کی وجہ سے وَيَقُوْلُوْنَ معطوف ہے يُؤْمِنُوْنَ پر لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا متعلق ہے يَقُوْلُوْنَ سے هٰٓؤُلَآءِ مبتداء اهدٰى خبر جملہ مقولہ۔

تفسیر: پہلی آیات میں یہود پر ان کی بدافعالیوں کے سبب عتاب تھا جس کو وہ اپنے انبیائے خاندان کے سبب قابلِ التفات نہ سمجھتے تھے اور اس پر بھی تقدس کا دم بھرتے تھے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ تقدس ہمارا موروثی حق ہے اور ہم ابراہیم و اسحاق کی نسل ہیں جن پر آتشِ دوزخ از خود حرام ہے اور ہم رات کو گناہ کرتے ہیں تو صبح تک خود بخود پاک ہو جاتے ہیں اور دن کو کرتے ہیں تو شام تک پاک ہو جاتے ہیں اور نصاریٰ میں بھی پولوس کا یہ قول کہ مسیح سب کے گناہ سر پر اٹھا کر لے گئے بہت ہی کچھ موثر تھا۔ اس لئے یہ لوگ اپنے آپ کو پاک اور جنتی سمجھتے تھے اور اسی طرح برہمنوں وغیرہ اور بہت سی اقوام میں ایسے ڈھکوسلے ہیں کہ جن پر وہ نازاں رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقلید سے اسلام کے جاہل فرقوں میں بھی آج کل یہ بات پائی جاتی ہے۔ کہیں یہ مشہور ہے کہ ہم فلاں پیغمبر فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ ہمارے گناہ سب نیست ہو جاتے ہیں ہم خدا کے ایسے اور ایسے ہیں جس طرح کہ یہود اپنے تئیں خدا کے فرزند اور اس کے پیارے کہتے اور اقبالِ رفتہ کے پھر واپس آنے کی ان حرکات پر امید کرتے تھے۔ اس لئے ان کے رد میں فرمایا گیا کہ یہ کیوں ناحق اپنی تعریفیں کرتے اور پاکیزہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پاکیزہ تو وہی ہے کہ جس کو اللہ نے توفیق پرہیزگاری کی دی ہے۔ اس کے بعد حکیمانہ طور پر ان کی خیانت ظاہر فرماتا ہے۔

خودستائی اور حسد و بخل کی برائی: (۱) اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ الخ کہ وہ ایسے ایسے دعوے کر کے خدا پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے ہیں کہ ہم اس کے فرزند اور محبوب ہیں۔ ہم پر آتشِ دوزخ حرام ہے اور جھوٹ باندھنا بجائے خود اثم مبین ہے (۲) باوجود علم کتاب اور روشنیِ شریعت کے جوٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح کسی قدر ان میں باقی تھی۔ بِالْجِبْتِ بت اور طَّاغُوْتِ یعنی شیطان پر ایمان لاتے ہیں یعنی ان کے ماننے والوں کو خدا پرستوں پر ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔ چنانچہ یہودِ مدینہ میں سے حی ابن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ میں اس لئے گئے کہ قریش کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے پر آمادہ کریں اور جب مشرکین نے پوچھا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا اہلِ اسلام جو صرف ایک اللہ کی عبادت جائز ٹھہراتے ہیں؟ تو کہہ دیا کہ تم حق پر ہو۔ سو یہ بات اس لئے تھی کہ خدا نے ان پر کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے۔ وہ قریش کی مدد پر بھروسہ نہ کریں دشمنانِ خدا کا کوئی حامی نہیں ہو سکتا۔ یہ عیوب تو ان میں جہل سے متعلق جو قوتِ عملیہ کا نقصان ہے اس کے بعد قوتِ عملیہ کا نقصان بیان کرتا ہے اور قوتِ عملیہ کا سب سے زیادہ نقصان بخل اور حسد سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں وصف بھی ان میں تھے۔ (۱) اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ کیا ان کو ان کی آرزو کے موافق سلطنت تو کیا اس کا کوئی حصہ بھی باوجود بخل کے کہ جو منافی[1] سلطنت ہے مل سکتا ہے؟

---

[1] کس لئے کہ سلطنت کے لئے فوج اور کارپرداز ضرور ہیں اور جب انسان بخل کرتا ہے تو مفت کوئی کسی کی غلامی نہیں کرتا نہ یہ ننگ سر پر دھرتا ہے۔ پھر ←

اور بخل کی حالت کہ اگر سلطنت مل جاوے تو کسی کو نقیر[1] یعنی ذرہ بھی نہ دیں۔ (۲) اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ آنحضرت ﷺ کی شوکت روز افزوں اور نبوت اور روشنیٔ دین پر حسد کرتے تھے کہ یہ تو ہمارا حصہ تھا۔ ان کو کیوں ملا۔ اس پر تسلی دیتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں داؤد و سلیمان علیہما السلام کو سلطنت اور نبوت دی تھی۔ اب تم ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے خاندان پر کیوں حسد کرتے ہو۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

پھر ان میں سے کچھ تو اس کتاب پر ایمان لے آئے اور کچھ اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم (ان کے) جلانے کے لیے بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا سو عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جبکہ ان کی چمڑی جل جاوے گی تو اس کے عوض ہم اور چمڑی بدل دیں گے تاکہ وہ (خوب) عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اور جو ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام (بھی) کئے (سو) ان کو ہم (بہت جلد) ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے ان کے لیے وہاں پاک بیویاں بھی ہوں گی اور ہم ان کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھائیں گے۔

ترکیب: مَنْ اٰمَنَ مبتدا مِنْهُمْ خبر مقدم ف مجموعہ جملہ پر داخل ہے۔ سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ جملہ خبر کلمہ شرط بَدَّلْنٰهُمْ جواب کو الَّذِيْنَ الخ مبتداء سَنُدْخِلُهُمْ خبر لَهُمْ فِيْهَا الخ جملہ لغت یا حال ہے۔

تفسیر: یہ اسی بیان کا تتمہ ہے کہ باوجود اس کے ہم نے خاندانِ ابراہیم علیہ السلام کو خصوصاً نسلِ اسحٰق و اسرائیل کو کتاب یعنی ظاہر شریعت و حکمت یعنی علم اسرار اور ملکِ عظیم یعنی قدرت دی تھی۔ اس پر بھی ان میں سے کچھ لوگ تو خدا پرست تھے اور کچھ منکر اور مخالف رہے (جیسا کہ تاریخ بنی اسرائیل سے واضح ہوتا ہے) پھر جب ان کا اپنے ایسے انبیاء کی نسبت یہ حال تھا تو اے محمد (ﷺ) آپ کی نسبت انکار اور نکتہ چینی جس قدر ہو وہ اس بدبخت قوم کے حسد کے خیال سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہم ایسے بدبختوں کو جہنم میں جلاویں گے۔ جس طرح دنیا میں آتشِ حسد اور عناد میں یہ نئے نئے رنگ بدلتے ہیں اسی طرح عالم آخرت میں ان کے عذاب کی صورت ہوگی کہ جب آگ سے ایک جلد جل جاوے گی تو

← جب یہ ہے تو کون سر کٹوائے۔ پھر کس طرح سے ملک ہاتھ آئے۔ ان اخلاقِ رذیلہ پر یہود زمانہ گذشتہ کے اقبال کو جو داؤد و سلیمان علیہما السلام کے عہد میں تھا' آرزو کرتے تھے۔ سو یہ خیال محال تھا۔ ۱۲ منہ

[1] نقیر نقر سے مشتق ہے جس کے معنی کھودنا ہے اس سے مراد خرمہ کا چھلکا اور یہ ضرب المثل عام ہے مراد قلت ہے اور اسی طرح قطمیر سے قلیل مراد ہے۔

دوسری جلد یعنی چمڑی اور پیدا ہو جاوے گی۔ اس سے یہ غرض ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ (اگر وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ آخر وہ آگ ہے گھڑی دو گھڑی میں جل بھن کر مر جاویں گے۔ یہ تکلیف منقطع ہو جاوے گی) بلکہ وہ جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے اور ایک جسم کے بعد پھر وہی جلنے کے لیے مبدءِ غیب سے پیدا ہوگا تا کہ پورا عذاب چکھیں اور اس زندگی کو کوئی طبیب محال اور فانی نہ سمجھے بلکہ یہ سب ممکن اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا کہ وہ زبردست بھی ہے یعنی قادرِ مطلق ہے اور تادیر قائم رہنے کی اس کو سینکڑوں تدبیریں معلوم ہیں کیونکہ وہ حکیم ہے۔

قرآن کی عادت ہے کہ جہاں کہیں مخالفوں کے لیے عذاب وغیرہ عقوباتِ دنیا وآخرت بیان کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مطیع لوگوں کے لیے ثواب اور جنت کے نعماء بھی بیان ہوتے ہیں تا کہ مخاطب کے لیے کامل ترغیب وترہیب حاصل ہو کر عذاب سے ڈر کر ثواب پر نظر کر کے دنیا اور اس کے لذائذِ فانیہ سے نفرت اور نیک روی اور عالمِ باقی کا شوق دل میں پیدا ہو۔ یہاں ان کے لیے کہ جو ایمان لا کر اچھے کام کرتے ہیں۔ یہ وعدہ ہے کہ ہم ان کو ایسے باغوں میں (نہ دنیا کے باغ بلکہ عالمِ قدس کے باغوں میں) بسا دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ عیش ان کے لیے دنیا کے عیش کی طرح یا عالم شباب کی طرح چند روزہ نہ ہوگا بلکہ دائمی اور وہاں ان کے اُنس کے لیے عالمِ قدس کی بیویاں بھی ہوں گی اور دراز سایہ میں رہیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جنت میں دور تک درخت متصل ہوں گے۔ اس لیے ان کا سایہ بھی دراز ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ سایہ دراز سے خدا کی مہربانی اور دائمی عنایت مراد ہے جو اس کے تقرب اور روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ ع ۵

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو جن کی امانت ہوں ان کو دے دیا کرو اور جب لوگوں میں (کسی جھگڑا کا) فیصلہ کرو تو انصاف سے کیا کرو۔ بے شک اللہ تم کو (بہت ہی) اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سنتا (اور) دیکھتا ہے۔ ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو۔ پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ (بہت ہی) اچھی بات ہے اور اس کا انجام (بھی) اچھا ہے۔

ترکیب: اَنْ تُؤَدُّوا بتاویل مصدر مفعول ثانی ہوا۔ يَاْمُرُكُمْ کا وَاِذَا کا عامل يَاْمُرُكُمْ ہے۔ یہ سب شرط اَنْ تَحْكُمُوْا الخ بان تحکموا جملہ جواب نِعِمَّا يَعِظُكُمْ یہ جملہ خبر اِنَّ نِعِمَّا کا ما بمعنی الشیء معرفۃ تامۃ يَعِظُكُمْ محذوف کی صفت ہے جو مخصوص بالمدح ہے تقدیرہ نعم الشیء

یعظلم بہ یا نعم کا فاعل اور ما بمعنی الذی بھی ہو سکتا ہے اس کا مابعد اس کا صلہ اور یہ بھی فاعل نعم ہے اور مخصوص بالمدح محذوف ای نعم الذی یعظلم بہ تادیۃ الامانۃ اور ما نکرہ موصوفہ بھی ہو سکتا ہے۔ تب فاعل مضمر ہوگا اور مخصوص محذوف جیسا کہ بئس للظالمین بدلا میں ہے۔

تفسیر: امانت اور انصاف کا حکم: جبکہ اہلِ کتاب کی خیانت کا ذکر آیا کہ وہ تورات و انجیل کی بشارت کو جو دینِ محمدی کے برحق ہونے کی بابت میں چھپا رہے اور محرف کر کے کفار کو موحدین سے اچھا بتلا رہے ہیں عموماً اہلِ اسلام کو ابدالآباد کے لیے امانت داری کا حکم دیا یا یوں کہو کہ جب ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے جنت اور حیاتِ ابدی کا وعدہ کیا گیا تو اس جگہ اعمالِ صالحہ میں جو عمدہ چیز ہے اس کو بیان کرتا ہے یعنی امانت اور عدالت اس آیت کے شانِ نزول کی بابت یہ روایت ہے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ فتح کیا اور کعبہ کے اندر نماز کے لیے جانا چاہا تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہ جس کے پاس کعبہ کی کنجی تھی قفل بند کر دیا اور کنجی دینے سے انکار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ مروڑ کر اس کے ہاتھ سے کنجی چھین کر قفل کھولا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر جا کر نماز پڑھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ یہ کنجی مجھے ملے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب عثمان رضی اللہ عنہ کو کنجی واپس دی گئی۔ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے امانتاً لی تھی۔ اس پر عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے درخواست کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا یہ ہمیشہ تیرے خاندان کے لیے ہے بجز ظالم کے تجھ سے کوئی نہیں لے گا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی شیبہ کو دی جو آج تک اس کے خاندان میں چلی آتی ہے۔

خدا تعالیٰ کو بموجب اپنے اس وعدے کے جو اس نے یسعیا علیہ السلام کی معرفت بنی قیدار کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ اب تک کتاب یسعیا کے بیالیسویں باب سے پایا جاتا ہے۔ یہ منظور ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانی سلطنت کا دنیا میں قائم کرنے والا بنا دے اور پھر ان کے جانشینوں کو اس انصاف و عدالت کی کرسی پر بٹھا دے اور تمام دینی مقدمات کا فیصلہ انہیں کے محکمہ سے دلوائے تو اس کے لیے اولاً امانت کا حکم دیا۔ امانت مصدرِ میمی ہے جس کا اطلاق مفعول پر بھی ہوتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو کسی کا حق تجھ پر ہو تو اس کو بخوشیِ خاطر ادا کر دیا کرو۔

حقوق کی تین قسم ہیں: اول اللہ تعالیٰ کے حقوق، اس کی عبادت اور توحید اور شکر گذاری کرنا اور بری باتوں سے باز رہنا اور جن کا اس نے حکم دیا ہے ان کو عمل میں لانا۔ پھر یہ بھی ایک دریائے بیکنار ہے۔ اس میں اعلیٰ امانت کا ادا کرنا اس کی ذات و انوار میں محو ہو جانا ہے۔

این جان عاریت کہ بحافظ سپردہ ست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

اسی کی طرف بہت سی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ دوم تمام مخلوقات کے حقوق اس میں ادائے امانت، پورا تولنا، راز کو افشاء نہ کرنا، کسی کی چیز کو مستعار لے کر واپس دینا یا کوئی چیز اس کے پاس رکھی جائے تو اس کو بوقتِ طلب واپس دینا ہے، بیوی کو میاں کے مال اور آبرو کو محفوظ رکھنا، بادشاہوں اور ذی اختیار لوگوں کو اپنے ماتحتوں سے نرمی سے پیش آنا، ظلم نہ کرنا، علماء کو مسائل اور کتابِ الٰہی کے بیان کرنے میں کمی زیادتی نہ کرنا، ان کو تعصباتِ بیجا سے روکنا، گھر والے کو بیوی بچوں کے حقوق برابر ادا کرنا، ان کی تربیت میں کوشش کرنا وغیرہ امانت کا ادا کرنا ہے۔ سوم اپنے نفس کے حقوق اس میں امانت یہ ہے کہ روح کو شہوانی لذائذ سے مکدر نہ کرے۔ گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے تئیں جہنم میں نہ پہنچاوے۔ غرض جو اس کے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہے غصہ اور شہوت کے نشہ میں آ کر اس کے برخلاف نہ کرے۔ اولاً امانت کا حکم اس لیے دیا کہ جب خود اصلاح پذیر ہو جاوے گا تو اس

کے بعد کرسی عدالت پر بیٹھنے کی صلاحیت رکھے گا۔ اس لیے کہ اس کے بعد ثانیاً فیصلوں میں انصاف کرنے کا حکم دیا اور سمیع و بصیر ہونا جتلا کر متنبہ کر دیا اور یہ ظاہر ہے کہ اس فیصلہ کے لیے کوئی قانونِ آسمانی بھی ضرور ہے۔ اس لیے اس کے بعد ثالثاً یہ فرمایا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان فیصلوں کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو یعنی قرآن اور حدیث کو دستور العمل بناؤ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں گو بطور اجمال یا قواعدِ کلیہ ہر ایک قسم کے احکام ہیں اور اس دریائے بیکنار سے جس قدر چاہو لے فکر میں غوطہ لگا کر موتی نکال لو اور اسی لیے قرآن میں ہے تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَتِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہ قرآن میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور احادیث میں بھی آیا ہے اس لیے کہ ظاہر و باطن اور ہر حد کے لیے مطلع ہے اور اس کے عجائب کم نہیں ہوتے۔ ہر ایک شخص بقدرِ فہم ان عجائب مودوعہ سے مستفید ہوتا ہے اور احادیث جہاں تک ہیں سب گویا قرآن مجید کی شرح ہیں۔ خواہ بطور قول اور اسی لیے پیغمبر علیہ السلام کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں کہ صرف قرآن پر بس کرے اور اس کی شرح سنت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ کسی مکلّف کا منصب نہیں اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمادیا کہ بعض پیٹ بھرے پلنگ پر لیٹ کر یہ کہنے لگیں گے کہ ہم کو قرآن کافی ہے جو اس میں حلال ہے وہی حلال ہے اور جو حرام ہے وہی حرام ہے حالانکہ رسول نے بھی اللہ کی طرح بہت سی چیزیں حرام بیان کی ہیں۔ منجملہ ان کے گدھا ہے جو گھروں میں رہتا ہے۔ منجملہ ان کے درندوں میں سے جنگل والا جانور حرام ہے الخ رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ اور چونکہ قرآن کے باریک نکتوں پر کما ینبغی واقف ہونا نبی کا کام ہے اور ان باریک چشموں سے حکم کی کوئی نہر جاری کرنا گویا ناواقف کے نزدیک اپنی طرف سے پیدا کرنا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس تشریح کو از خود بیان کرنا[1] فرمایا۔ اس لیے اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ باعادہ واطیعوا ذکر کیا اور اس کے بعد فردوہ الی اللہ والرسول فرمایا لیکن یہ تمام باتیں نہ تو قرآن میں اس طور سے جمع ہو سکتی تھیں کہ ہر مخاصمہ کے وقت ہر شخص اس سے فیصلہ کرے نہ احادیث میں تمام و کمال تشریحِ امور غیر متناہی کی ہو سکتی تھی اور دین کی باعتبار ان اصول کے تکمیل ہو چکی تھی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آ چکا تھا اور رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس لیے اس کے بعد وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فرمایا کہ اپنے لوگوں میں سے اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔

بحث اولی الامر کی: اولی الامر سے بعض کہتے ہیں حکام و سلاطین و قضاۃ وغیرہم مراد ہیں کہ جن کو ولایتِ شرعیہ حاصل ہو۔ شیعہ کہتے ہیں ائمہ اثناء عشر مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں صحابہ اگر غور کیا جاوے تو سب کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے مراد اہلِ علم اور شریعت کے مفتی اور مجتہد و مستنبط ہیں اور یہی قول جابر بن عبداللہ و مجاہد و حسن بصری و ابوالعالیہ و عطاء ابن ابی رباح و ابن عباس و امام احمد کا ہے اور امام مالک و ابوحنیفہ و ضحاک بھی یہی فرماتے ہیں اور اس کی وجہ جیسا کہ اعلام الموقعین میں حافظ ابن القیم نے بیان کی ہے کہ بعد نبی علیہ السلام کی امت محمدیہ میں جو کسی اور کا کہنا مانا جاتا ہے تو صرف اس وقت کہ وہ علم کے موافق حکم دے۔ کتاب و سنت کے بموجب حکم کرے۔ خواہ علماء آپ حکم کریں یا ان کے فتویٰ سے امراء و سلاطین حکم دیں۔ پس جس طرح کہ علماء نبی علیہ السلام کے پیرو ہیں اسی طرح ان کے امراء ہیں۔ اب جو احکام کہ کتاب و سنت میں بصراحت مذکور ہیں ان میں تو علماء کا قول عامیوں پر ماننا فرض واجب ہے اس میں شاید کسی کو بھی اختلاف نہ رہے۔ وہ احکام و مسائل کہ جو بصراحت کتاب و سنت میں نہ پائے جائیں بلکہ بحکم تفصیلاً لکل شیء بطور اسرار مودوعہ پردۂ الفاظ میں مستور ہوں اور علماء میں سے جو غواص اور مستنبط ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ جن کو مجتہد کہتے ہیں وہ ان مسائل کو استنباط اور اجتہاد کر کے نصوص سے ظاہر کرتے ہیں۔ آیا ان کے ان مسائل میں بھی پیروی غیر مجتہد لوگوں کو چاہیے یا نہیں؟ (اور اس پیروی کو عرفِ فقہا میں تقلید کہتے ہیں)۔

---

[1] ورنہ دراصل تحریم و تحلیل اللہ کا فعل ہے جیسا کہ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ ۱۲ منہ

تقلید کی بحث: اہلِ اسلام میں سے جمہور سلف سے خلف تک ان مسائل میں بھی اتباع کرنا واجب اور ضروری کہتے ہیں۔ان چند وجوہ سے اول آیات مذکورہ تبیاناً لکل شیء والیوم اکملت لکم دینکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے خواہ تفصیلاً خواہ اجمالاً کہ وہ اجمال بھی نظرِ مجتہد میں تبیان وتفصیل ہے جمیع احکام کو بیان فرما کر کتاب اور دین کو کامل کر دیا اور اسی لیے آیندہ کسی اور نبی کی حاجت نہ رکھی۔خاتم النبیین فرما دیا (۲) اور یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن وسنت واجب العمل ہے خواہ وہ مسائل کتاب وسنت سے ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔وجوبِ عمل ہمارے علم پر موقوف نہیں۔اگر ایسا ہو تو پھر منصوصات کہ جن کا ہم کو یا عامی کو علم نہ ہو وہ بھی واجب العمل نہ رہیں۔اذلافرق بین ذلک وبین ہذا فسادہ لایخفٰی علی ارباب العقول لمنصوصات وغیر منصوصات میں فرق ہوگا کہ وہ بمنزلہ ایک ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہر ایک بصیر کو معلوم ہے اور غیر منصوصات بمنزلہ خزانہ مدفون کے ہیں جس کو بجز ماہر کے اور کوئی نہیں جانتا مگر جس کو خزانہ کی ضرورت ہو تو وہ ضرور اس ماہر کے کہنے پر عمل کر کے اس سے مستفید ہوگا اسی طرح گنجِ قرآنی جو مستور ہے اس کے ماہر مستنبط ومجتہد ہیں کمالایخفٰی ہاں یہ ضرور ہے کہ منصوصات قطعیات ہیں اور یہ مسائل ظنیہ ہیں کیونکہ اصل مسئلہ کو جو کتاب وسنت میں منصوص ہے مجتہد اصل قرار دیتا ہے اور اس حکم کی احادیث واقوال علماء صحابہ سے نیز اپنے دلائل سے ایک علت معین کرتا ہے۔پھر دوسری جگہ اس علت کو دیکھ کر وہی حکم ظاہر کر دیتا ہے۔مثلاً قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں شراب کو حرام قرار دیا ہے۔اب مجتہد نے دیکھا کہ کیوں حرام قرار دیا ہے کیا سرخ رنگ سے کیا رقیق ہونے سے' کیا تلخی ہونے سے' پھر دیکھتا ہے کہ یہ وصف تو اور چیزوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔حالانکہ وہ حرام نہیں۔پس معلوم ہوا کہ نشہ کی وجہ سے اس کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ احادیث میں جن چیزوں کی شراب بنتی ہے جیسا کہ انگور کا شیرہ ان کو نشہ لانے سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے مباح قرار دیا اور صحابہ نے پیا ہے اور نشہ کے بعد اس کا نام شراب رکھ کر حرام بنا دیا۔پس معلوم ہوا کہ علت نشہ ہے اور اب بھنگ وچرس وافیون میں بھی نشہ معلوم ہوا تو مجتہد نے کہہ دیا کہ یہ بھی حرام ہیں اور ان کی حرمت شراب کی حرمت میں ضمناً مذکور ہے۔سو اس تعینِ علت میں کبھی وصفِ خاص کو عام سمجھ لیتا ہے۔ان احتمالات کی وجہ سے حرمتِ بھنگ کو ظنی کہتے ہیں اور ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے فنِ اصولِ فقہ قرار دیا ہے اور مجتہد کے اس استنباط کو قیاس کہتے ہیں (دوم) یہ آیت ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ اس آیت میں اولی الامر میں سے ان کی طرف رجوع کرنا فرمایا جو استنباط کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نص کی موجودگی میں استنباط نہیں کہا جاتا اگر استنباط جو قیاس کا ہم معنی ہے حجتِ شرعیہ نہ ہوتا تو مکلّف پر اس کی طرف رجوع کرنا واجب نہ کیا جاتا اور یہ کہنا کہ اولی الامر سے مراد لشکر ہیں اور استنباط سے مراد محاربات میں تدابیر کا استنباط ہے نص کو بلاوجہ وجیہ خاص کر دینا ہے جو ایک قسم کا نسخ ہے۔

(سوم) یہ آیت ہے کہ جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں کیونکہ اس میں ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کیونکہ تنازعہ کی صورت میں جو رد کرنا فرمایا تو یہ وہی صورت ہے کہ جس کا کتاب وسنت میں حکم منصوص نہیں کیونکہ منصوص ہوتا تو یہ تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں آ گیا تھا اور کلمہ ان شرطیہ پھر کیا فائدہ دیتا تھا؟ بلکہ خدا تعالیٰ نے وقائع کو دو قسم بنایا۔ایک وہ کہ ان کے احکام منصوص ہیں۔دوم وہ کہ منصوص نہیں۔اول میں تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور ان کے نائب اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا اور دوسری قسم میں اللہ اور رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف رد کرنا فرمایا۔

(چہارم) محمد بن علی الشوکانی نے اپنی مختصر میں لکھا ہے کہ قیاس کا حجت ہونا معاذ کی حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جبکہ ان کو نبی ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا کس طرح سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ سے فرمایا' اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ عرض کیا سنت رسول اللہ سے فرمایا اگر وہاں بھی نہ ملے؟ عرض کیا تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔اس حدیث کے راوی اور طرق ہم نے ایک جگہ مستقل طور سے بیان کر دیے ہیں انتہیٰ (نیل المرام)

لیکن محدثین میں سے ایک گروہ جو ظاہریہ کے نام سے موسوم ہے اس کا منکر ہے۔ وہ ان ادلہ کے جواب میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں کہ جن سے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تاکید اور قیاس مخالف کتاب وسنت کی برائی پائی جاتی ہے لیکن جمہور کو اس سے کب انکار ہے بلکہ کتب اصولِ فقہ میں احناف وشوافع کے علماءِ علام نے تصریح کر دی ہے کہ اول کتاب اللہ پھر سنتِ رسول پھر اجماعِ امت پھر قیاس اور جو قیاس حدیث کے برخلاف ہو اس پر عمل کرنا درست نہیں نہ وہ قیاس درست ہے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو صحابہ کے قیاس کے مقابلہ میں بھی اپنے قیاس کو معتبر نہ سمجھا چہ جائیکہ حدیث واجماع کے خلاف میں۔ اب رہا یہ اعتراض کہ چار امام ابوحنیفہ' مالک' احمد' شافعی رحمہم اللہ کو معین کرنا اور آیندہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا اور انہیں کی تقلید پر انحصار کرنا اور حنفی شافعی کہلانا بدعت وشرک ہے۔ سو یہ محض تعصب ہے دیکھو سینکڑوں محدث اور بیشمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحاح ستہ اور شیخین کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اسی طرح ان کو بھی اگر وہ بدعت نہیں تو یہ بھی نہیں اور جس طرح بخاری ومسلم جیسا محدث ہو جانا ممکن ہے اسی طرح آئمہ اربعہ کیا مجتہد ہو جانا بھی امکانِ عقلی رکھتا ہے مگر عادتاً بوجہ مفقود ہونے شرائط کے نہیں پایا جاتا اور چاروں میں انحصار ایک انتظامی بات ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی صحت پر تقلیدِ غیر کے قول کو بلا دلیل حسنِ ظن سے تسلیم کرنا ہے جو ایک قسم کی تصدیق ہے خواہ وہ کوئی ہو اور جس قول کو بلا دلیل تسلیم کیا ہے خواہ وہ مسائلِ فقہیہ میں سے ہو خواہ الٰہیات فلکیات وغیرہ امور میں سے ہو اور مقلد کے پاس اس قول کے برحق ہونے کے لیے بجز حسنِ ظن کے اور کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ہاں جس کی تقلید کرتا ہے اس کے پاس ہوتی ہے۔ اب یہ کیا کم تعجب کی بات ہے کہ تقلیدِ آئمہ اربعہ خصوصاً مسائلِ فقہیہ پر اعتراض مگر قاضی شوکانی وابن قیم وابن حزم وامام بخاری وغیرہ ان لوگوں کی تقلید کہ جن سے ان کو حسنِ ظن ہے مقبول ہو ورنہ اس تقلید کا وجوب اور اس کی حرمت مخالف کے ذمہ پر ہے ہاں جو کوئی نصوصِ قرآنیہ یا احادیث کو قیاس کے مقابلہ میں نہیں مانتا یا تاویلِ رکیک کرتا ہے وہ بے شک برا کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝۶۲ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝۶۳

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو بھی دیکھا کہ جو دعویٰ (تو یہ) کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا اور آپ سے پہلے نازل ہوا ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (اور حال یہ ہے کہ) شیطان سے منصفی کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو اس سے منکر ہو جانے کا حکم ہو چکا ہے اور شیطان (تو یہی) چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے بہت ہی دور جا ڈالے اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف (فیصلے کے لیے) چلو

تو (آپ) منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے اکڑ کر رہ جاتے ہیں پھر اس وقت کیا ہوتا ہے کہ جب ان کی بداعمالی سے جو وہ کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو (اس وقت) آپ کے پاس وہ قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو صرف بھلائی اور ملاپ چاہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ان کے دلوں کی بات جانتا ہے سو آپ (بھی) ان سے درگذر کیجئے اور ان کو نصیحت کر دو اور ان کے حق میں بڑی موثر بات کہہ دو۔

ترکیب: یُرِیۡدُوۡنَ حال ہے اَلَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ سے۔ اَنَّھُمۡ اور اس کا معمول قائم مقام دو مفعولوں کے ہیں ۔وَقَدۡ اُمِرُوۡا حال ہے فاعل یُرِیۡدُوۡنَ سے ضَلٰلًا ای فیعلو اضلالا اور بمعنی اضلال بھی ہو سکتا ہے فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ متعلق ہے قُلۡ سے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں تھا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور قضایا کے فیصلے انہیں کے سپرد کر دو۔ یہاں اس بات کو ظاہر کیا جاتا ہے کہ ایسے بھی تیرہ باطن لوگ ہیں کہ باوجود ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ ہم قرآن اور سب اگلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس وجہ سے کہ ان کے دلوں میں نورِ ایمان نہیں صرف ظاہری ایمان ہے۔ اپنے قضایا ناپاک اور شیطانی لوگوں کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا چاہتے ہیں۔ اس امید سے کہ وہ رشوت لے کر یا کسی خاص وجہ سے ہم پر رعایت کریں گے اور اللہ و رسول اور ان کے جانشینوں کے ہاں یہ بات کہاں؟ وہاں سوا حق کے اور کچھ نہیں۔ انسان کی تاریکیِ باطن کی یہ بھی پوری علامت ہے کہ وہ معاملات میں انصاف ملحوظ نہ رکھے اور صورتِ نزاع جھگڑے کو اچھے اور خدا پرست لوگوں کی طرف سے اٹھا کر نا خدا ترس لوگوں کی طرف بامیدِ رعایت رجوع کرے۔ ایسی صورت میں اس کا ظاہری ایمان اور لاف زنی کچھ فائدہ مند نہیں۔ مدینہ میں کچھ اہلِ کتاب اور کچھ قبیلۂ انصار سے ایسے لوگ بھی تھے کہ جو بظاہر دعویٔ ایمان کرتے تھے اور جب کوئی معاملہ آپڑتا اور کوئی جھگڑا قائم ہو جاتا تو اس کے لیے کعب بن اشرف یہودی وغیرہ رشوت خوروں کو پنچ بناتے اور جو کوئی ان سے کہتا خدا کے کلام اور اس کے رسول کی طرف چلو وہاں کا فیصلہ منظور کرنا چاہیے تو رسول کے پاس جانے سے اپنی باطنی خیانت کے سبب انکار کرنے لگتے تھے اور جب ان پر کوئی سختی اور مصیبت پیش آجاتی تھی جو بیشتر انسان کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دوڑ کر حاضر ہوتے اور اس عدم حاضری کے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے کہ یا حضرت اس میں بعض مصلحتیں تھیں ورنہ کوئی اور بات نہ تھی۔ اس لیے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ ان کے دل کا حال ہم کو خوب معلوم ہے مگر تم ان کی باتوں پر گرفت نہ کرو بلکہ اپنے خلقِ عظیم کی وجہ سے درگذر کرو اور ان کو نہایت نرم اور اثر بخش بات سے نصیحت کر دو تاکہ ان کی طبیعتوں میں اثر پیدا ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے منافق سچے ایماندار ہو گئے۔ اس آیت میں جس طرح بہت سے فائدہ مند اصول امت کو تعلیم دیے گئے ہیں اسی طرح واعظ اور ناصح لوگوں کو بھی نرمی کی تلقین فرمائی ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

اور ہم نے ہر ایک رسول کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کا حکم مانا جاوے اور کاش وہ لوگ جنہوں نے اپنا برا کیا ہے آپ کے پاس آتے (اور) پھر خدا سے معافی مانگتے اور رسول (بھی) ان کے لیے معافی مانگتا تو البتہ وہ اللہ کو (بھی) معاف کرنے والا مہربان پاتے (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو آپس کے جھگڑوں میں منصف نہ بنائیں پھر ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے کچھ ناراضی (بھی) پیدا نہ ہو اور (اس کو) بخوشی خاطر قبول بھی کرلیں اور اگر ہم ان پر یہ بات فرض کردیتے کہ تم اپنے آپ کو خود ہلاک کردو یا اپنے ملک سے نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے بہت ہی کم لوگ کرتے اور اگر وہ یہی بات عمل میں لاتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے بہت ہی بہتر ہوتا اور ان کے (حق) میں ثابت قدمی کا باعث ہوتا اور بے شک اس وقت تو ہم بھی ان کو اپنے پاس سے بڑا (ہی) اجر دیتے اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کرتے۔

ترکیب: اِلَّا لِيُطَاعَ موضع نصب میں ہے مفعول لہ ہو کر اور لام اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ موضع حال میں ہے يُطَاعَ سے اور مفعول بہ بھی ہوسکتا ہے ای بسبب امر اللہ وَلَوْ اَنَّهُمْ شرط اذ اس میں خبر ان عامل ہے جَآءُوْكَ ہے لَوَجَدُوا اللّٰهَ جملہ جواب شرط فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں اول لا زائدہ ہے والتقدیر فوربک لا یؤمنون اور ممکن ہے کہ دوسرا زائدہ ہو اور قسم نفی اور منفی کے درمیان واقع ہو۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا کہ جب ان کو رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ باوجود ادعائے ایمان کے اس سے اکڑتے ہیں۔ یہاں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ان کو رسول سے انحراف نہ کرنا چاہیے تھا کیونکہ رسول دنیا میں اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ان کی اطاعت کریں۔ (۲) پھر ان کے بروقت حضوری جھوٹی قسمیں کھانے اور ناحق کی باتیں بنانے کی نسبت فرماتا ہے کہ اگر بجائے اس کے اس وقت رسول کے پاس حاضر ہو کر خدا سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگتا تو خدا غفور رحیم ہے۔ معاف ہی کردیتا۔ رسول کا معافی مانگنا باعثِ قبولیت ہے اور نیز رسول اللہ اور بندہ میں واسطہ ہے اس لیے اس کا ذکر آیا۔ پھر اس روگردانی اور دعویٔ ایمانی کی نسبت فرماتا ہے کہ اے نبی ہم کو تمہارے رب یعنی اپنی ذات کی قسم وہ اس ظاہری ایمان پر نازاں نہ ہوں وہ ہرگز سچے مومن شمار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں پنچ اور حکم مقرر نہ کریں گے اور پھر اس سے دل میں بھی راضی ہوں اور زبان سے بھی تسلیم کریں۔ بے شک انسان جب تک کہ نبی کے حکم پر راضی نہ ہوگا ہرگز مومن نہ ہوگا اور اس کی کسی ایک بات کو بھی رد کرے گا بشرطیکہ قطعی الثبوت ہو کافر ہوگا۔ اس کے بعد یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم رسول کی معرفت سخت اور دشوار حکم بھی نہیں دیتے جس سے وہ رکتے ہیں کیونکہ اگر ہم کوئی ایسا سخت حکم دیتے کہ بنی اسرائیل[1] کی طرح اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے ملک سے نکل جاؤ تو اس پر تو بہت ہی کم لوگ عمل کرتے یعنی صرف سچے ایماندار۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تو بڑی بات ہے کاش وہ انہیں سہل احکام پر عمل کریں تو بھی ان کے حق میں بہتر ہو۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ سے اخیر تک اس حکمت اور سر کی طرف اشارہ ہے جو رسول کی اطاعت پر متفرع ہوتے ہیں اور اس بات کا بھی اظہار ہے کہ اس فرمانبرداری سے اللہ اور رسول کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

[1] بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کے سبب سخت سخت احکام جاری ہوئے تھے۔ منجملہ ان کے مصر سے (جو مدتوں سے ان کا وطن ہوگیا تھا) نکلنا پھر گوسالہ پرستی کی توبہ میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنا۔ وغیرہ ۱۲ منہ

وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ان کے زمرہ میں ہیں کہ جن پر خدا نے کرم کیا ہے (یعنی) انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ان کی رفاقت کیا ہی عمدہ ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا جاننا کافی ہے۔

ترکیب: وَمَنْ يُّطِعِ شرط فَاُولٰٓئِكَ جواب اور ممکن ہے کہ مبتداء او خبر ہوں مِنَ النَّبِيِّيْنَ بیان ہے اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا حَسُنَ کا فاعل اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا تمیز ذٰلِكَ مبتداء اَلْفَضْلُ خبر۔

تفسیر: اس سے پیشتر کئی ایک آیتوں میں پے در پے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی تاکید چلی آتی ہے اور ہر ایک جگہ اس اطاعت کا جداگانہ فائدہ بھی بیان ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلی آیت میں چار فائدے بیان کئے تھے۔ (۱) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (۲) وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا کہ اس سے خوب ثابت قدمی حاصل ہوتی (۳) وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ الآیۃ (۴) وَلَهَدَيْنٰهُمْ اب اس آیت میں ایک اور بڑے لطیفہ کی طرف ایک بڑے فائدے کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے۔

فائدہ: یہ کہ اللہ و رسول کی اطاعت کہ جس پر انسان طوعاً و کرہاً مامور کیا جاتا ہے نہ کوئی عبث بات ہے نہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کا کچھ فائدہ ہے کہ وہ زبردستی اپنے بندوں سے نوکری یا خدمت لیتا ہے بلکہ اس میں بندوں کا ایک بڑا فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ آدمی بسبب غلبہ قوائے بہیمیہ کے سعادتِ آخرت کے سیدھے رستہ پر نہیں چل سکتا۔ وہم اور شہوات اور غضب و طمع راہزن بن کر اس رستہ سے بہکا دیتے ہیں۔ بری بات کو اچھی بنا کر دکھا دیتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہادی اور رسول بھیجتا ہے جو اس کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں کہ ہوشیار ادھر ادھر نہ مائل ہونا سیدھے میرے پیچھے چلے آؤ۔ عقل اور الہامِ الٰہی کی مشعل ہاتھ میں لیے میرے قدم بقدم چلو جس نے اس کا کہنا مان لیا اور رسول کے فرمودہ پر عمل کیا تو وہ سیدھا منزلِ مقصود (عالمِ قدس) تک پہنچ گیا جہاں ابرار انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین رہتے ہیں وہاں نہ کچھ غم ہے نہ رنج بلکہ سرورِ ابدی اور حیاتِ جاودانی ہے۔ ان کے ساتھ ہونے سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ ان کے درجات میں کچھ تفاوت نہ ہوگا جیسا کہ امیر و وزیر و عالم رعایا ایک شہر میں ہوتے ہیں اور ہر ایک کے درجات اور مقامات جداگانہ ہوتے ہیں۔ ثوبان غلام آنحضرت ﷺ کے جو آپ پر عاشق زار تھے نے آنحضرت ﷺ سے عالمِ آخرت میں جدا رہنے پر رنج ظاہر کیا کہ آپ ان اعلیٰ مقامات میں ہوں گے جہاں ہمارا گذر نہ ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہاں جدائی نہ ہوگی کیونکہ اس عالم میں جبکہ ارواحِ ناقصہ کو ارواحِ صافیہ سے محبت و اتباع کا تعلق کامل ہو جاتا ہے تو اس عالم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہیں تو اس تعلق کی وجہ سے ان میں انوارِ تجلیات اس طرح منعکس ہوں گے کہ جس طرح باہم آمنے سامنے کے آئینوں کی روشنی صفائی کی وجہ سے ایک دوسرے میں چمکتی ہے۔

سرِ لطیف یہ ہے کہ ہر چیز اپنے حیزِ اصلی کی طرف بے خود کھینچتی ہے۔ پھر جن کا حیزِ طبعی عالمِ قدس اور صحبتِ انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین ہے وہ از خود ادھر ہی جاتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا وہی مانتے ہیں جو ان لوگوں کے زمرہ کے ہیں۔ برخلاف بدبخت جہنمیوں کے نیک لوگ کے بہ ترتیب چار مرتبہ ہیں (۱) نبی النبیین (۲) نبی کی قوتِ نظریہ کا (جو اعلیٰ) پرتوا ہے صدیق ہوتا ہے جس کی صفت اسرارِ نبوت کی تصدیق کرنا ہے (۳) اور قوتِ عملیہ کا پرتوا شہید ہے جس کا کام عالمِ غیب کے برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ خواہ قلم سے خواہ زبان سے خواہ جان سے اور اسی لیے شہید کچھ مقتول فی سبیل اللہ ہی میں آنحضرت ﷺ نے منحصر نہیں کیا بلکہ عام کر

دیا (۴) ان کے بعد وہ ہیں کہ جن میں پہلے درجوں سے کم نبی کی دونوں قوتوں کا پرتو اہے۔ اس کو صالح کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مقام رغبت کا تھا اس لیے مناسب تھا کہ اعلیٰ کو پہلے بیان کیا جائے۔ اس لیے اول النبیین پھر الصدیقین الخ بیان ہوا۔ اسی طرح ان درجات کی کیفیات اور اطاعت کے خلوص معلوم کرنے کے لیے وکفی باللہ علیما نہایت ہی مناسب ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

ایمان والو! اپنے ہتھیار پکڑلو۔ پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یا سب مل کر نکلا کرو اور بے شک تم میں کچھ ایسے (بھی) ہیں کہ جو نکلنے میں سستی کرتے ہیں۔ پھر اگر تم سب کو کوئی مصیبت آتی ہے (تو) کہنے لگتا ہے کہ مجھ پر اللہ کی بڑی عنایت تھی جو میں تمہارے ساتھ موجود نہ تھا اور جو تم پر فضلِ الٰہی ہو جاتا ہے تو ایسا بن کر گویا کبھی تم میں اور اس میں کوئی محبت ہی نہ تھی (یہ کہنے لگتا ہے) کہ اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

ترکیب: ثُبَاتٍ جمع ثبۃ بمعنی جماعت اور اس کی اصل ثبوۃ اور تصغیر ثبیۃ یہ حال ہے فَانْفِرُوْا سے اور اسی طرح جَمِیْعًا حال ہے لَمَنْ اسم ان لَیُبَطِّئَنَّ من موصولہ یا موصوفہ اس کا صلہ یا صفت مِنْكُمْ خبر ان۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ شرط قَالَ الخ جواب اِذْ ظرف ہے۔ اَنْعَمَ کا كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ جملہ معترضہ ہے لَیَقُوْلَنَّ اور اس کے مفعول یٰلَیْتَنِیْ الخ میں یہاں منادی محذوف ہے یا قوم لیتنی ابوعلی ایسی جگہ منادی محذوف نہیں مانتے۔

تفسیر: جبکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہو مؤکد ہو چکا اور اس کے فوائد بیان ہو چکے کہ جن پر موافق حکم اللہ اور رسول کے پابندی اور اطاعت ضروری ہے بڑی اصل الاصول بات جہاد ہے۔ اس لیے اس تمہید کے بعد اس کا حکم دیتا ہے کہ ایماندار و ہتھیار اٹھاؤ اور دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک ایک جماعت ہو کر نکلو یا سب مل کر چلو۔ حِذْرَكُمْ واحدی کہتے ہیں حذر سے مراد ہتھیار ہیں کیونکہ یہ دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سبب ہیں اور دراصل حذر کے معنی بچاؤ اور ڈر کے ہیں یعنی دشمن سے غافل نہ رہو فَانْفِرُوْا انْفِرُوْا کے معنی کوچ کرنے اور تیار ہونے کے ہیں اور ایسے آمادۂ جنگ لوگوں کو نفیر کہا کرتے ہیں یعنی اگر چھوٹی جماعت کہ جس کو سریہ کہتے ہیں ضرورت پڑے تو وہ نکلے اگر اور سب کی ضرورت ہو تو سب چلیں لڑائی کا انجام یا فتح وظفر دشمن کا مال وملک قبضہ میں آنا یا شکست پانا زخم اٹھانا ہے۔ چونکہ یہ جنگ دنیاوی بادشاہوں کی جنگ نہیں جس کی صرف فتح مندی میں فائدہ تصور ہو اور یہاں بظاہر فتح نظر نہ آوے یا مشقت وتکلیف دکھائی دے تو کنارہ کشی اور پہلو تہی کی جائے بلکہ یہ اس آسمانی سلطنت کی جنگ ہے کہ جس کے ظہور کی انبیاء علیہم السلام خصوصاً یسعیا اور داؤد و دانیال و حضرت مسیح علیہم السلام خبر دیتے آئے ہیں جس جنگ کا منشاء بت پرستی کی شوکت توڑنا، راستی اور تہذیب اور توحید کے مٹانے والوں کا مٹانا ہے جس کی فتح تو فتح ہے مگر شکست میں بھی عالمِ آخرت کے لیے اس فوج کے سپاہیوں کو حیاتِ ابدی اور جنات الفردوس کی دائمی پنشن ملتی ہے۔ سو اس کی شکست کو قہر اور مصیبت اور ہزیمت کو زہر سمجھ کر اس میں سستی نہ کرنا چاہیے مگر مدینہ میں کچھ لوگ منافق اور سست ایمان ایسے بھی تھے کہ جو اس جنگ کے شریک ہونے میں حیلہ جوئی اور سستی کرتے تھے اور جو کبھی اس لشکرِ اسلام پر مصیبت و ہزیمت پڑ جاتی تھی تو خوش ہو کر یہ کہتے تھے کہ

خدا نے ہم پر بڑی مہربانی کی جو ہم اس جنگ میں شریک نہ ہوئے ورنہ ہم پر بھی مصیبت پڑتی۔ وہ اپنے شریک نہ ہونے کو حالتِ شکست میں انعامِ الٰہی سمجھتے ہیں اور فتح و نصرت کے وقت تاسف کر کے اپنے آپ کو بالکل اجنبی سمجھ کر گویا ان میں اور اہلِ اسلام میں کبھی کوئی علاقہ محبت و مودت ہی نہ تھا جو اس فتح میں ان کا کوئی حصہ مقرر کرتا۔ یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو اس غنیمت میں شریک [1] ہو کر بڑے ہی نہال ہوتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ اے ایماندارو تم کو ایسا سست ایمان اور حیلہ جو نہ ہونا چاہیے خصوصاً ایسے کام میں کہ جس پر تمہاری سعادتِ دارین موقوف ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ
يُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾
وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ
وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

پھر اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہیے کہ جو حیات [2] دنیا کو آخرت کے لیے بیچتے ہیں اور ہے کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آ جائے سو ہم اس کو جلد اجرِ عظیم دیں گے اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ کے لیے اور نا تو اں مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے کہ جو (پڑے) کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے اس شہر سے نکال دے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے اور ہمارے لیے اپنے یہاں سے کسی کو مددگار بنا دے۔

ترکیب: فَلْيُقَاتِلْ فعل فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس سے متعلق اَلَّذِيْنَ الخ فاعل وَمَنْ يُّقَاتِلْ شرط فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ جواب۔ وَمَا لَكُمْ استفہام مبتداء و خبر لَا تُقَاتِلُوْنَ موضع حال میں ہے وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ معطوف ہے اسم اللہ پر ای و فی سبیل المستضعفین ای فی تخلیصھم مِنَ الرِّجَالِ الخ ان کا بیان ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ جملہ صفت ہے مُسْتَضْعَفِيْنَ کی یا منصوب باضمار اعنی۔

تفسیر: مشرکین مکہ نے جب آنحضرت ﷺ اور دیگر ایمانداروں پر بے حد ظلم و ستم کرنے شروع کیے۔ ایمانداروں سے خرید و فروخت بیاہ شادی بند کر دی ادھر کسی ایماندار بلال و صہیب جیسے کو گرم زمین پر لٹا کر کوڑے مارے جاتے ہیں۔ کہیں کوئی خاندان کا بزرگ ان عورتوں اور بچوں پر جو ایمان لے آئے ہیں، ظلم کر رہا ہے۔ قید میں ڈال رکھا ہے خاص آنحضرت ﷺ کے قتل کے ہر روز منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ جا بجا ایمانداروں پر مار پیٹ ہوتی ہے۔ انتہی یہ ہوا کہ مسلمانوں کو جب برداشت نہ رہی تو ہجرت کی اجازت ہو گئی۔ خود آنحضرت ﷺ اور خلفاءِ اربعہ اور بہت سے وہ مرد و زن کہ جو مکہ سے نکل سکتے تھے نکل کر مدینہ میں آئے اور بہت سے چھوٹے لڑکے اور غلام عورتیں اور ضعیف و بیمار یا اور کسی وجہ میں گرفتار ہیں [3] مشرکین کی قید میں رہ گئے۔ اب تو یہ سمجھ کر کہ مبادا یہ بھی بھاگ کر مدینہ نہ چلے جاویں ان پر اور بھی ظلم و ستم

---

[1] فتح و غنیمت۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی آخرت اور رضائے الٰہی میں جان بازی کرنے والوں کو دشمنوں سے لڑنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

[3] جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تو آپ کے بہت سے ضعیف لوگ بڈھے عورتیں بچے جو ایمان لے آئے تھے کفار کے پنجہ میں گرفتار ←

ہوتا تھا اور سخت قید تھی (عشقِ الٰہی کی بدولت) منجملہ ان موقعوں کے جہاں جہاد فرض ہو جاتا ہے ایک یہ بھی موقع تھا اس لیے ان آیات میں خدا تعالیٰ ایمانداروں کو طرح طرح سے حمیت دلا کر جہاد پر آمادہ کرتا ہے تا کہ ایمانداروں کو کفار کے جور و ستم سے مخلصی ہو۔ اول تو خُذُوْا حِذْرَکُمْ فرمایا پھر یہاں فَلْیُقَاتِلْ الخ فرما کر وَمَالَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فرماتا ہے اور ان گرفتاروں کے کلمات نقل کر کے رقت دلاتا ہے۔ فلیقاتل یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا اور جان دینا ہر شخص اور ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ ع

سوزِ غم پروانۂ مگس راندہند

بلکہ ان کا کام ہے جنہوں نے آخرت اور وہاں کے نعماء و نعیم باقیہ کے لیے اپنی زندگی دنیا کو بیچ دیا ہے۔ تمام مزہ اور کل ہوسیں خدا کی نذر کر چکے ہیں اگر فَلْیُقَاتِلْ کا فاعل اہل ایمان وغیرہ قرار دیا جاوے تو الذین الخ اس کا مفعول ہوگا جس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی راہ میں ان بدبخت لوگوں سے لڑنا چاہیے کہ جو آخرت دے کر دنیا خرید رہے ہیں۔ یَشْرُوْنَ مضارع کا صیغہ دونوں صورتوں میں عجیب لطف دے رہا ہے۔ اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ تم صرف فتح مندی ہی پر اجر آخرت کا حاصل ہونا منحصر نہ سمجھو بلکہ مغلوب و مقتول ہونے کی صورت میں بھی ہم اجرِ عظیم دیں گے یعنی شکست میں بھی فتح ہے وَمَالَکُمْ فرماتا ہے کہ تم کو کیا ہوا کہ جو تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ حالانکہ کمزور مکہ میں پڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں الخ اس میں ایما ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنا تو اس مرد عورتوں بچوں کی خلاصی کے لیے لڑنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی منجملہ انہیں قیدیوں کے تھے۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ یہ ان قیدیوں کا قول نقل کرتا ہے اس کے بموجب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمایتی کھڑا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر کے ان کو قید سے چھڑایا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ
قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ
عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً ۚ
وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾ اَیْنَ
مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ ○

ع ۱۰

جو ایماندار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو بے شک شیطان کا

← رہ گئے۔ ان پر طرح طرح کی تکلیفیں پڑتی تھیں۔ مار پیٹ گالی گلوچ سے گذر کر ان کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا۔ وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے خدا ہم کو یہاں سے نکال اور ہمارے لیے کوئی حمایتی کھڑا کر دے۔ ان کی رستگاری کے لیے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور ان پر رحم دلایا جاتا ہے کہ تم کو کیا ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں ان ضعفاء کی رستگاری کے لیے نہیں لڑتے۔ یہ وہ امور تھے کہ جنہوں نے جہاد و قتال پر مسلمانوں کو مجبور کیا تھا جس کو مخالف ڈاکا زنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

فریب کمزور ہے۔ (اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا[1] کہ جن کو (چند روز) ہاتھ روکنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے کہا گیا تھا پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ان میں سے ایک فریق تو لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا کہ اللہ سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب! تو نے ہم پر کس لیے جہاد فرض کر دیا۔ ہم کو تھوڑے دنوں تک اور مہلت دینا تھا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے اور آخرت (کی نعمتیں) پرہیزگاروں کے لیے بہت (ہی) بہتر ہیں اور (تم پر) تاگے کے برابر (بھی) ظلم نہ ہوگا تم جہاں کہیں (بھی) ہوگے تم کو موت آ ہی لے گی اگرچہ مضبوط برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔

ترکیب: فَلَمَّا كُتِبَ شرط اِذَا فَرِيْقٌ الخ جواب اذا یہاں مفاجات کے لئے ہے جو ظرف مکان ہے اور ظرف مکان اس موقع پر اس اسم کی خبر ہو سکتا ہے جو اس کے بعد ہے وہ یہاں فریق ہے۔ مِنْهُمْ اس کی صفت اور يَخْشَوْنَ حال ہے اور ممکن ہے کہ اذا خبر نہ ہو تب فَرِيْقٌ مبتداء اور مِنْهُمْ اس کی صفت اور يَخْشَوْنَ خبر اَيْنَمَا شرط اور ما زائدہ ہے اور این شرطیہ پر تقویت معنی شرط کے لئے بیشتر داخل ہوتا ہے۔ يُدْرِكْكُمْ جواب۔

تفسیر: اس آیت میں اور طرح سے جہاد کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب کفار شیطانی کام پر لڑتے اور شیطان کی سپاہ بن کر نیک کاموں سے روکتے اور موحدین کو ستاتے ہیں تو پھر ایمانداروں کو کیا ہوا جو اللہ کی راہ میں حق پر نہ لڑیں بلکہ جو حقیقی ایماندار ہیں وہ ضرور اس کی راہ میں جان دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ شیطان کے گروہ اور جماعت سے لڑو کیونکہ شیطان کی فوج ہمیشہ ہزیمت کھایا کرتی ہے۔ کہاں فرعون اور کہاں اس کا لشکر آخر نمرود کا کیا حال ہوا؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے ستانے والے کیا ہوئے؟

اس آیت میں اور چند اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اول یہ کہ جو لوگ اسلام کی اس تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں (کہ دینیات اور تعلیم کا سلسلہ تو صرف وعظ و پند اور معجزات پر ہونا چاہیے تھا اس میں مار پیٹ' قتال جدال کیسا؟ دیکھو مسیح علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا بلکہ صبر اور برداشت کا حکم دیا ہے۔) اس میں اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ ہر چند حق کا اصل منشاء یہ نہیں کیونکہ لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ہے مگر جب بدتہذیب اور راستی کے دشمن اہل حق پر بے انتہا ظلم کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ اس کو مٹا ڈالیں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ تو ان کے مقابلے میں بشرطِ قوت اگر تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی جائے تو اور کیا کیا جاوے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ قدرت قوم کی وجہ سے بہم پہنچی مخالفوں کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام بلکہ ان کے حواریوں کو یہ قدرت بہم نہ پہنچی۔ اس لیے بجز صبر کے اور کیا کرتے مگر اس پر بھی آپ کے حواریوں کو جس وقت کہ گرفتار ہوئے ہتھیار بندی کا حکم دیا اور ایک حواری کی تلوار سے فریق مخالف کے ایک شخص کا کان[2] اڑ گیا۔ انجیل لوقا (اسی طرح مکہ میں جبکہ) ایمانداروں کے پاس ساز و سامان نہ تھا نہ مقابلہ کے لیے قوت تھی اور بعض دل جلے صحابہ جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف و مقداد و قدامہ بن مظعون و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے ظلم و ستم بیان کر کے

---

[1] ابتدائے اسلام میں بعض جلد باز منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار تقاضا کیا کرتے تھے کہ ہم کو جہاد کا حکم دیجئے اور جہاد کے متعلق آیات نازل ہونے کا بڑا شوق رکھتے تھے مگر مصلحتِ الٰہی اجازت نہ دیتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ صرف نماز پڑھ لیا کرو۔ صدقہ و خیرات کرو یہی تمہارا فریضہ ہے پھر جہاد فرض ہو گیا تو جی چرانے اور لوگوں سے ڈرنے لگے اور خدا سے کہنے لگے کہ ہائے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا چند روز ہمیں دنیا میں جینے دینا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] انجیل لوقا کے بائیسویں باب میں ۳۶ ورس میں ہے اور جس پاس نہ ہو اپنا کپڑا بیچے اور تلوار مول لے۔ پھر ۴۹ ورس میں ہے کہ جب مسیح کو یہود کی جماعت ہتھیار بند ہو کر شب کو زیتون کی پہاڑی پر گرفتار کرنے آئے تو حواریوں نے ان کے مقابلہ میں تلوار چلانے کی اجازت مانگی یہاں تک کہ مخالفین میں سے ایک کا کان کٹ گیا پھر یسوع نے فرمایا یہیں تک رہنے دو (کیونکہ یہ امر شدنی ہے) بلکہ خود مسیح نے رسی کا کوڑا بنا کر لوگوں کو ہیکل میں سے سودا بیچتے ہوئے نکال دیا۔

اجازت مقابلہ کی مانگتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کسی مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے رخصت نہ دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہو، نماز پڑھو، صدقہ و خیرات دیا کرو۔ چنانچہ اگلی آیت اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے شانِ نزول میں کلبی وغیرہ نے یہی روایت کی ہے۔ پھر جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور صحابہ مہاجرین و انصار کی جانبازی سے اسلام میں داخل ہوئیں تو پھر ان کجرووں کی تہذیب کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا جس میں ان کے فعلِ بد کا جواب کلہ بکلہ دے کر ان کی درستی اور ضعفاءِ اسلام کی مخلصی کی گئی۔ حاصل جواب یہ کہ جب شیطان کی راہ میں اور دنیاوی اغراض کے لیے لڑنا کسی عقلمند کے نزدیک عیب نہیں تو پھر افشاءِ توحید و دادرسی اور حق کی اعانت کے لیے کیوں عیب ہوگا؟ (دوم) فتح مندی کا وعدہ ہے کہ اس وقت (کہ صرف مدینہ میں مٹھی بھر مسلمان تھے تمام روئے زمین پر کفر کی کالی گھٹا محیط تھی) اس پیشین گوئی کا ظہور عقلِ ظاہر بین کے نزدیک محال تھا مگر چونکہ عالمِ غیب میں یہ بات مقرر ہو چکی تھی اس لیے بے تردد قرآن نے متعدد مقامات پر اس بات کی صاف صاف خبر دی۔ یہاں اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا فرمایا پھر لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ فرمایا پھر تو صاف صاف وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ کہہ دیا۔

(سوم) یہ کہ صرف لڑنا کوئی عمدہ بات نہیں کیونکہ کفار بھی شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں بلکہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اس میں شہرت و شجاعت مقصود نہ ہو اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ یہ انہیں جلد بازوں کی بابت بیان فرما کر اور پھر جہاد میں سستی کرنے سے ان پر الزام قائم کرتا ہے کہ تم جہاد فرض ہونے سے پہلے تو یہ کچھ کہا کرتے تھے۔ پھر جب جہاد فرض ہوا تو موت سے ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم پر جہاد فرض نہ ہوتا تو ہم چند مدت اور جیتے اگرچہ جہاد کے آرزومند مخلصین لوگ تھے مگر چونکہ منافقین بھی بظاہر انہیں میں شامل ہیں اس لیے اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ کہنا درست ہو یعنی منافق دشمنوں سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا کوئی خدا سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور جانتے ہیں کہ جہاد میں جانا مر جانا ہے۔ اس کے جواب میں نبی کو یوں تعلیم فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ جہاد میں جانا باعثِ موت اور گھر بیٹھنے سے زندگی ہے تو یہ زندگی کب تک یہاں کی نعمتیں کیا ہیں۔ آخر دارِ فانی ہے البتہ عیش تو پرہیزگاروں کے لیے دارِ آخرت میں ہے جو کبھی فانی نہیں نہ کلفت پر مبنی ہے نہ اس کے بعد کلفت برخلاف لذائذِ دنیا کے جب تک گرمی اور پیاس کی تکلیف نہ اٹھائی جائے۔ سایہ اور برف کا مزہ نہ آئے اور پھر زیادہ دیر کے بعد طبیعت مکدر ہو جائے ورنہ دراصل یہ خیال غلط ہے موت کا وقت مقرر ہے خواہ اس وقت جہاد میں ہو خواہ مضبوط برجوں میں بیٹھا ہو۔ خوامخواہ آوے گی پھر نامردی اور بزدلانہ پن عبث ہے۔

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۷۹﴾

اور اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے نبی! یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دو سب کچھ اللہ (ہی) کی طرف سے ہے پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات بھی نہیں سمجھتے۔ (اے انسان!) جو کچھ تجھ کو فائدہ پہنچے تو (وہ) اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھ کو نقصان پہنچے سو (وہ) تیرے نفس کی شامت سے ہے (اے نبی) اور ہم نے آپ کو لوگوں کی ہدایت کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور

(اس پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

ترکیب: وَاِنْ تُصِبْهُمْ شرط یقولوا الخ جواب فَمَا مبتداء هٰٓؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ خبر لَا يَكَادُوْنَ الخ جملہ حال ہے مَآ اَصَابَكَ ماشرطیہ واصابک بمعنی یصیبک فَمِنَ اللّٰهِ جواب وَاَرْسَلْنَا فعل بافاعل كَ مفعول لِلنَّاسِ متعلق سے رَسُوْلًا حال مؤکد۔

تفسیر: جہاد سے منہ چھپانے والوں کا ایک یہ بھی بہانہ تھا کہ وہ عالم اسباب پر نظر کر کے جو کچھ کبھی ہزیمت یا تکلیف پیش آتی یا مال و جان کا نقصان پہنچتا تھا تو وہ اس کو الزام دینے کے لیے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے تھے کہ یہ برائی آپ کی وجہ سے پیش آئی اور جو فتح وظفر غنیمت حاصل ہو جاتی تو اس کو کہتے یہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض یہ کہ برائی صرف اے نبی تیری وجہ سے پیش آتی ہے اور بھلائی تو مقدر بات ہے جہاد میں بجز برائی کے اور کچھ حاصل نہیں۔

اس کا جواب دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو اگر تم اس بات سے قطع نظر کر کے مسبب الاسباب اور فاعلِ حقیقی کی طرف خیال کرتے ہو جیسا کہ حسنہ یعنی فتح وظفر وغیرہ بہتری میں ہر چیز کا فاعلِ حقیقی اور موجدِ اصلی اللہ ہی ہے تو پھر برائی اور بھلائی میں تفرقہ کرنا ایک کو بندہ کی طرف ایک کو اللہ کی طرف منسوب کرنا حماقت ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کی نسبت فرماتا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا کہ ان کو کیا ہوا جو بات بھی نہیں سمجھتے۔

اور اگر عالمِ اسباب کی طرف نظر کرتے ہو تو نیکی کو جس طرح عمدہ اسباب کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو سختی اور مصیبت کا باعث بھی تمہاری معصیت اور سوءِ تدبیری ہے۔ سو اس کو اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ کیوں نہیں کہتے۔ پس ادب کا مقتضا یہی ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرو ورنہ درحقیقت ہر خیر و شر اس کی طرف سے ہے کس لیے کہ عالمِ وجود میں ہر چیز یا واجب لذاتہ ہے کہ اس کو کسی بات میں کسی کی حاجت نہیں یا ممکن ہے کہ اپنی ذات اور وجود بلکہ جمیع صفات میں واجب الوجود کی محتاج کیونکہ اگر ممکن کا محتاج مانیں گے تو انتہا اسی واجب لذاتہ کا محتاج ماننا پڑے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور یہ مسلم ہے کہ واجب لذاتہ تو صرف ایک ہی ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور باقی جو موجود ہے ممکن اور اس کے وجود کا پرتو ہے خواہ اس میں خیر ہو خواہ شر خواہ فعل ہو خواہ قول جوہر ہو خواہ عرض۔ بعض پادری اور آریہ اس کلام کا مطلب نہ سمجھے اور كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور مِنْ نَّفْسِكَ میں تعارض سمجھ کر قرآن پر اعتراض کر بیٹھے۔ پھر فرماتا ہے کہ لوگوں کا خیر و شر کو تیری طرف منسوب کرنا نادانی ہے۔ آپ تو اے نبی صرف رسول ہیں، خالق نہیں اور ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پھر گیا تو ہم نے (بھی) آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا اور (منافق) کہتے ہیں (ہمارا کام) تو مان لینا ہے پھر (باوجود اس کے) جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کچھ آپ نے کہا تھا اس کے برخلاف منصوبہ باندھنے لگتا ہے اور جو کچھ وہ راتوں کو باتیں بنایا کرتے ہیں اللہ ان کو لکھتا رہتا ہے ان سے درگذر کرو اور اللہ پر توکل رکھو اور اللہ کافی ہے

کام بنانے کے لئے۔

ترکیب: مَنْ شرطیہ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جواب۔ حَفِیْظًا حال ہے کَ مفعول سے عَلَیْھِمْ متعلق ہے حَفِیْظًا سے فَاِذَا شرط بَیَّتَ جواب۔ طَآئِفَۃٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای امرنا طاعۃ تقول حاضر وغائب دونوں کے لیے حاضر کے لیے تو آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوگا تو ضمیر طائفۃ کی طرف پھرے گی وکلاہما جائز۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ ہمارے احکام بندوں کے پاس پہنچا دو اور باقی جو کچھ لوگ چوں و چرا کرتے ہیں آپ کو ان سے کیا وہ خدا سے سرکشی کرتے ہیں یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ جو آپ کا حکم مانتے ہیں وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں کس لیے کہ رسول تو واسطہ ہے جس نے اس کو مانا تو اس نے اس کو مانا کہ جس نے وہ بھیجا ہے اور جو نافرمانی کرتے اور طرح طرح کی حجتیں اور حیلہ کر کے آپ کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں تو وہ ہماری نافرمانی کررہے ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ احکام تھا سو کر چکے۔ باقی ان کا ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ نہیں کہ ان کے باطن پر بھی ہر وقت مطلع ہو کر نگہبانی کرتے رہو یا ان کے دلوں کو پھیر دو۔ پھر ان منافقوں کی کج روی اور سیاہ باطنی بیان فرماتا ہے کہ آپ کے روبرو تو سن کر کہہ دیتے ہیں طاعۃ کہ ہم نے قبول کرلیا یا ہمارا شیوہ طاعت ہے (جیسا کہ ہماری زبان میں سن کر لوگ بجا بجا یا بسر و چشم کہہ دیا کرتے ہیں) مگر جب ان منافقوں کی کوئی جماعت آپ کی مجلس سے باہر نکلتی ہے تو جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کے برخلاف میں منصوبہ باندھتے ہیں۔ بیت تبییت سے مشتق ہے جس کے معنی شب گذاری کرنا اور رات کو گھر میں رہنا اور چونکہ گھر میں خصوصاً رات کو بیٹھ کر فکر کرنے اور سوچنے کا عمدہ موقع ملتا ہے اس لیے ہر فکر اور سوچ کرنے اور منصوبہ باندھنے کو بیت فلاں کہنے لگے۔ فرماتا ہے خدا ان کے منصوبوں کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہا ہے یعنی ان کی اس حرکت سے واقف ہے ان کو سزا دے گا۔

پھر آنحضرت ﷺ کو نصیحت فرماتا ہے کہ تم ان سے درگذر کرو اور خدا پر توکل کرو۔ اپنے کسی کاروبار کو ان پر یا کسی اور پر موقوف نہ سمجھو بلکہ اللہ ہی کارساز ہے وہ دم بھر میں اسباب پیدا کردیتا ہے۔ مدبر عالم وہی ہے ہر کاروبار میں اس کی طرف نظر کرنا چاہیے۔ یہ چند منافق کیا اسلام کا بگاڑ سکتے اور کیا اس کی مدد کرسکتے ہیں۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا[1] کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ[2] مِنْھُمْ ؕ

۱؎ اگر کوئی کہے کہ قرآن میں اختلاف ہے کیونکہ کہیں ہے خدا کو دیکھیں گے پھر ہے لا تدرکہ الابصار کہ اس کو بصر ادراک نہیں کرسکتی کہیں ہے لنسئلن کہ ہم سب سے سوال کریں گے پھر ہے لایسئل عن ذنبہ انس ولا جان کہ کسی کے گناہ سے سوال نہ ہوگا چنانچہ بعض پادریوں نے بائیبل کے اختلاف کثیرہ کے جواب میں ایسے اختلافاتِ قرآن گنوائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں ہرگز اختلاف نہیں اس کی تشریح ان کے مواقع میں موجود ہے بخلافِ اختلاف بائیبل کے ۱۲۔

۲؎ اس جگہ سے قیاس کا جو استنباط کا ہم معنی ہے حجتِ شرعیہ ہونا ثابت ہے اس مقام پر امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ان للعامی کیب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث کہ عامی پر علماء کی تقلید واجب ہے احکامِ حوادث میں۔ ۱۲ منہ

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے اور جبکہ ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول کے پاس اور اپنے بااختیار لوگوں کے پاس پہنچا دیتے تو ان میں سے تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بجز چند لوگوں کے تم شیطان کے تابع ہو گئے ہوتے۔

ترکیب: وَلَوْ شرطیہ لَوَجَدُوْا جواب اِذَا جَاءَهُمْ شرط اَذَاعُوْا ذاع یذیع بمعنی افشاء اذاعوا افشاء ظاہر کیا۔ یہ جواب شرط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الامر شرط لَعَلِمَهُ جواب مِنْهُمْ حال ہے اَلَّذِيْنَ سے یا يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ کی ضمیر سے۔ اِلَّا قَلِيْلًا فاعل اِتَّبَعْتُمْ سے مستثنیٰ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ سے مستثنیٰ ہے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقین کا مکر و کید اور در پردہ مخالفت کا بیان تھا جس کا باعث اصلی یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ رکھتے تھے نہ قرآن کو کتاب الٰہی جانتے تھے اس لیے یہاں ان کے لیے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا ثابت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ نہایت بدذہن اور بلید الطبع تھے ان کو قرآن کے اور بیشمار دلائل نہ بتائے گئے جو قرآن میں موجود ہیں بلکہ صرف ایک موٹی سی یہ بات صداقت کے لیے بتلائی کہ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ خود محمد کا تصنیف کیا ہوا ہوتا جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں تو اس میں اختلاف کثیر پاتے۔ (اختلاف کثیر) کے معنی ابوبکر اصم کے نزدیک یہ ہیں کہ منافقین در پردہ بہت کچھ مکر وفریب کرتے تھے جن کی وقتاً فوقتاً خدا نے رسول کو قرآن میں اطلاع دی۔ اگر قرآن کتاب الٰہی نہ ہوتا تو ایسی خبروں میں ضرور بالضرور تفاوت اور اختلاف کثیر واقع ہوتا جیسا کہ قیاس اور تخمینی باتوں میں ہوا کرتا ہے اور باوجودیکہ منافقوں کی یہ بھی عادت تھی کہ جہاں کوئی بات امن وخوف کی ان کے کان میں پہنچتی تھی تو بلاتحقیق اس کو مشہور کر دیتے تھے۔ اگر ان باتوں میں بھی اختلاف پاتے تو ضرور اس کو بھی مشہور کرتے حالانکہ بجز تسلیم کے کبھی کوئی چارہ ہی نہ ہوا۔ جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ قرآن باوجودیکہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے اس میں بہت سے علوم ہیں۔ کہیں انبیاء گذشتہ کے حالات' کہیں عالم آخرت کا بیان' کہیں طہارت ونجاست کے مسائل' کہیں علم الشرائع والاحکام باوجودیکہ اس کا ظہور آنحضرت سے ہے کہ جنہوں نے نہ کبھی کچھ لکھا پڑھا تھا نہ کسی سے تعلیم پائی تھی۔ اس پر ہر روز کے محاربات ومخالفین کے جور وظلم کی برداشت' پھر ہر ایک بات مختلف سورتوں میں مکرر بیان ہوئی ہے مگر کہیں کچھ بھی تفاوت نہ ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ عالم غیب سے اس شخص کی طرف سے ہے کہ جو ہر ایک بھول اور چوک سے پاک ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس کے علاوہ یہ ہے کہ جو طرز ہدایت ہے وہ ہر جگہ برابر ہے مثلاً یہود ومشرکین کی مذمت ہے۔ بلکہ تو ہین تک کہ جو اصلی ہے نہ یہ کہ حد سے تجاوز ہو جائے جیسا کہ بندے غصہ میں آ کر بالکل صفائی کر دیتے پھر سخاوت کا حکم اور اسراف سے ممانعت اوصاف متضادہ ہیں، ہر ایک جا وہی طرز ہے۔ یہ بات کسی بندہ کے کلام میں پائی نہیں جاتی۔ ایسے امور میں ان سے ضرور اختلاف وتفاوت سرزد ہو جاتا ہے۔ وَاِذَا جَاءَهُمْ اس کے بعد منافقوں کی عادت بیان کرتا ہے کہ وہ امن یا خوف کی بات کو بلاتحقیق مشہور کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کا ضرر ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں میں اہل اسلام اور کفار میں باہم جنگ وجدال کی تیاریاں رہا کرتی تھیں۔ سو مخالفین کے پاس ایسی خبروں کے پہنچنے سے مسلمانوں کی مضرت متصور تھی۔ اس لیے فرمایا کہ اگر وہ ایسی باتوں کو رسول یا علماء مستنبطین سے دریافت کر لیا کرتے تو بہتر ہوتا۔ استنباط طلب نبط۔ نبط اس پانی کو کہتے ہیں جو کنوئیں سے اول بار کھودنے سے نکلتا ہے۔ جب بات کو اجتہاد کر کے نکالتے ہیں وہ گویا فکر کے آلات

[1] فضل ورحمت سے مراد قرآن اور آنحضرت کی رسالت ہے یعنی اگر قرآن اور نبوت تمہارے لیے نہ آتی تو بجز اس لوگوں کے کہ جن لوگوں کو ازلی ہدایت ہے سب شیطان کے تابع مشکور وبدکار ہوتے اور نفوس زکیہ قبل نبوت کے بھی شرک وحرام کاری سے بچے ہوئے تھے۔ ۱۲ منہ۔

سے کھود کر نکالی جاتی ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

پس اللہ کی راہ میں لڑو (اے نبی!) آپ پر بجز اپنی ذات کے کسی کی ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو ابھارو۔ عجب نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ کی سب سے زیادہ سخت لڑائی اور سخت سزا ہے جو کوئی نیک کام کی سفارش کرتا ہے (تو) اس میں سے اس کو (بھی) ایک حصہ ملتا ہے اور جو کوئی برے کام کی سفارش کرتا ہے تو اس پر (بھی) اس کے وبال کا (ایک) حصہ ہوتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

ترکیب: فَقَاتِلْ میں ف عاطفہ ہے فلیقاتل فی سبیل اللہ پر یا قاتلوا پر۔ لَاتُكَلَّفُ حال ہے فاعل قاتل سے اِلَّا نَفْسَكَ مفعول ثانی ہے لَاتُكَلَّفُ کا اور اول ضمیر مخاطب ہے بَاْسًا وَّ تَنْكِيْلًا تمیز ہیں وَاللّٰهُ اَشَدُّ سے مَنْ يَّشْفَعْ شرط يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا جواب مُقِيْتًا میں ی و سے بدل ہے جو اصل میں مفعل ہے قوت سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں مذکور تھا کہ منافق بلاتحقیق خبریں اڑایا کرتے ہیں کہ فلاں قوم مسلمانوں پر چڑھ کر آتی ہے۔ انہوں نے ایسی تیاری کی ہے تمام عرب اب عنقریب مدینہ کو آ کر غارت کر دیں گے جن سے بیشتر عام مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہوتا تھا اور ایک قسم کی پست ہمتی جو عادتاً انسان کو اپنی بے سروسامانی اور مخالفین کے سامان اور انبوہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں لڑو شر و فتنہ کے مٹانے پر اس کے توکل پر کمر ہمت باندھو اور اگر کوئی آپ کا ساتھ نہ دے تو کچھ پروا نہیں کیونکہ تم اور کسی کے ذمہ دار نہیں خدا کے اس وعدہ کے اعتماد پر جو اس نے اپنے رسول سے کیا تھا تن تنہا آنحضرت ﷺ روئے زمین کے مشرکوں اور بت پرستوں کی بت پرستی مٹانے اور لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ بدر صغریٰ میں ابوسفیان کے مقابلہ میں تنہا نکلے۔ پیچھے دیکھا تو صرف ستر آدمی ساتھ آ رہے تھے اور کتاب یسعیاہ میں چونکہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اور زبور میں بھی اگر اس بے سروسامانی پر یہ عزم و ہمت آپ کی طرف سے اس اعتماد پر نہ تھی تو عادتاً کوئی عقلمند ایسا قصد بھی نہیں کر سکتا اور آپ کے سچے عزم کا اثر صحابہ کے دل میں بالخصوص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ کے بعد عربوں کی تھوڑی سی جمعیت سے ہرقل شاہِ روم کا مقابلہ کیا کہ جو اس وقت یورپ، اور ایشیا کے اکثر ملکوں کا بادشاہ تھا۔ پھر یہ فتوحات اگر اس وعدۂ الٰہی کا نمونہ نہ تھا تو اور کیا بات تھی۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دینے کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ نیک کام ہے اس لیے کہ اس جہاد کا منشاءِ اصلی دنیا کو بدی سے پاک کرنا اور زمین پر آسمانی سلطنت قائم کر کے شر و فساد مٹانا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کون سا نیک کام ہوگا؟ اور جو کوئی نیک کام میں رغبت دلاتا یا سفارش کرتا ہے تو اس کو بھی اس میں سے ثواب کا حصہ ملتا ہے جس طرح کہ بری بات کے لیے رغبت دلانے اور سفارش کرنے والے کو بری بات کا حصہ ملتا ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اپنے رسول سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم عنقریب کفار کے شر کو روک دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کی ترغیب اور خدا کے وعدہ کے اثر نے یہ کیا کہ تخمیناً ایک صدی کے اندر ہی اندر دنیا پر کوئی ایسی بت پرست و کافر سلطنت باقی نہ رہی کہ جو آسمانی سلطنت کا مقابلہ کر

سکے۔ ادھر جبل الطارق سے لے کر چین تک ادھر کوہ قاف اور آذربائیجان سے لے کر افریقہ تک بڑے بڑے ملک اس جھنڈے کے تلے آ گئے جو مدینہ میں خدا نے قائم کیا تھا۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سا معجزہ اور کون سی دلیل ثبوت نبوت کے لیے ہو سکتی ہے۔ بَاس جنگ اس سے مراد مخالفوں کا زور اور ان کی لڑائی اور عذاب ہے۔ نَکَالٌ عذاب وسزا شفاعت شفع سے مشتق ہے جس کے معنی دو ہو جانے کے ہیں۔ شفیع چونکہ ذوحاجت کے شریک ہو کر اپنے آپ کو اس کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اس کو شفیع کہتے ہیں۔ مُقِیْتٌ کے معنی قادر کے بھی ہیں جیسا کہ نضر بن شمیل شاعر کہتا ہے ع

تجلد ولا تجزع وکن ذا حفیظة

فانی علی ما ساء هم لمقیت

اور یہ قوت سے مشتق ہو کر بمعنی حفیظ بھی آتا ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

النصف ع ۱۱ ۸

اور (مسلمانو!) جب تم کو کسی طرح پر بھی سلام کیا جاوے تو تم بھی (اس کے جواب میں) اس سے بہتر طور پر سلام کر دیا وہی (کلمہ) جواب میں لوٹا دو بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ وہ تم کو قیامت کے دن جمع کر کے رہے گا اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔ پھر تم کو منافقوں کی کیا پڑی ہے جو تم دو ٹوک ہو گئے اور اللہ نے تو ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو اندھا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا اس کو ہدایت پر لے آؤ اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو آپ کو اس کے لیے کوئی رستہ نہیں ملے گا۔

ترکیب: وَاِذَا حُيِّيْتُمْ شرط تَحِيَّةٍ اصل تحیۃ تفعلۃ من حیث ی کی حرکت نقل کر کے ح کی طرف آئی' یا ہم ادغام ہو گیا۔ فَحَيُّوْا جواب اس کی اصل حیوا تھی۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ جواب ہے قسم محذوف کا پھر یہ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے اور مبتداء کی دوسری خبر بھی بن سکتا ہے فَمَا مبتداء لَكُمْ خبر فِي الْمُنٰفِقِيْنَ متعلق ہے محذوف سے ای اصرتم فِئَتَيْنِ اس محذوف کی خبر۔

تفسیر: فقاتل فی سبیل اللہ میں جس طرح کہ شرک وفساد مٹانے کے لیے لڑنے کی تاکید تھی اسی طرح اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ یہ لڑائی صرف اپنے موقع پر ہے اور خاص حقوقِ الٰہی کے لیے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ تم اپنے اخلاق اور معاشرت میں درندہ پن اختیار کرو۔ گاہ بیگاہ جس کو پاؤ مار ڈالا کرو۔ بات پیچھے کرو لڑنے کو پہلے آمادہ ہو جاؤ۔ خرانٹ نہ بن جاؤ۔ (جیسا کہ مخالفینِ اسلام' اسلام کی بعض وحشی قوموں سے آج کل اسلام پر عیب لگایا کرتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی اور حلم وتواضع کی بھی عادت کرو یہاں تک کہ جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم بھی اس کو اسی طرح سے سلام کر دیا اس سے عمدہ اور بڑھ کر جواب دو تاکہ تم سے اس کو وحشت دور ہو اور لوگ تم سے احکامِ الٰہی اور اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم پانے کا قصد کریں۔ تحیہ دعائے حیات کرنا' عرب کا اسلام سے پہلے باہمی بجائے سلام علیکم کے

حیاک اللہ کہنے کا دستور تھا جیسا کہ ہر ایک قوم میں ایک دستور ہے۔ چونکہ زندگی بغیر عافیت کے کوئی اچھی چیز نہیں اور لفظ سلام میں سلامتی اور عافیتِ دارین کی بھی دعا ہے اور نیز یہ اللہ کا بھی نام ہے اور نیز اس میں تسلیم یعنی فروتنی کی طرف بھی اشارہ ہے اور مذہب اسلام کی طرف بھی رمز ہے۔ اس لیے اس کی جگہ السلام علیکم کہنا قرار پایا خواہ السلام علیکم کہو خواہ سلام علیکم۔ اس کا اسی طرح سے رد کرنا تو علیکم السلام کہنا ہے اور بہتر طرح سے رد کرنا یعنی جواب دینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس جب کفار آتے تو آپ کے اخلاق اور فروتنی سے از حد خوش ہو کر جاتے تھے۔ اسی شمشیرِ اخلاق نے عرب کے وحشیوں کو چند روز میں مسخر کر لیا تھا اور پھر صحابہ کا بھی یہی دستور تھا۔ کتب تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ ان اخلاقِ حمیدہ کی تاکید کے لیے دو باتیں ذکر فرمائیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا دوسری اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ الخ اس میں سے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں توحید اور لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ میں عدالت کی طرف اشارہ ہے اور قیامت کے برحق ہونے کی دلیل من اصدق الخ سے فرمائی۔ جنگِ احد میں جبکہ عبداللہ بن ابی اپنے گروہ کو عین مقابلہ کے وقت لے کر بھاگ آیا اور مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو مدینہ میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک کہتا تھا ان کو قتل کرنا چاہیے۔ دوسرا کہتا تھا خدا ان کی اصلاح کر دے گا۔ قتل میں بدنامی ہے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ[1] کہ تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ ان پر اللہ نے ان کے اعمال کی شامت ڈال دی ہے کیا جس کو خدا نے گمراہ کیا۔ تم اس کو ہدایت کر سکتے ہو؟ رکس اور نکس دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی الٹ دینا یعنی اسلام کی راہِ راست سے الٹے کفر میں جا پڑے۔ یہ بھی اخلاقی تعلیم ہے کہ کسی کے اس کی کسی لغزش کے سبب پیچھے نہ پڑ جانا چاہیے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ
حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۙ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ
اِلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ
اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ
فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾
سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا
اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا

[1] مدینہ کے چند لوگ ابتدائے اسلام میں ایسے بھی تھے کہ ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر در پردہ حبِ جاہ وغیرہ اسبابِ دنیا کے سبب آنحضرت ﷺ اور مہاجرین سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ مسلمانوں پر نکتہ چینیاں بھی کیا کرتے تھے۔ مخالفوں کو بھی اسرار پر مطلع کرتے اور لڑنے کو ابھارتے تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ان منافقوں کو نکال دیا جائے مگر بعض رحمدل انصار اپنی قرابتوں کے سبب درگذر کی طرف مائل تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ان آیات میں انہیں کے حالات کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۹۱﴾

وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ کافر ہیں ویسے تم (بھی) کافر ہو جاؤ تا کہ برابر ہو جائیں پس تم ان میں سے کسی کو (بھی) دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ تو مار ڈالو اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار مگر جو لوگ کہ اس خوف سے سلوک کرتے ہیں کہ ان میں اور تم میں معاہدہ ہے یا وہ تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے تنگ دل ہو کر تمہارے پاس آ گئے ہوں (تو ان سے ملاپ کا مضائقہ نہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر ان کو غلبہ دیتا تو وہ تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے آگے صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر الزام کا کوئی رستہ نہیں رکھا ہے عنقریب تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے کہ جو تم میں سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں (مگر) جب فساد کے لیے بلائے جاتے ہیں تو اس میں کو دہی پڑتے ہیں۔ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے تمہارے لیے صاف حجت قائم کر دی ہے۔

ترکیب: لَوْ تَكْفُرُوْنَ بتاویلِ مصدر مفعول ہے وَدُّوْا کا کَمَا كَفَرُوْا۔ ک لغت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ ہے ای کفروا ککفرھم۔ اِلَّا الَّذِیْنَ استثناء ہے فَاقْتُلُوْهُمْ سے۔ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ جملہ خبریہ صفت ہے قوم کی اَوْ جَآءُوْكُمْ عطف ہے یَصِلُوْنَ پر حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ جملہ بتقدیر قد حال ہے فاعل جَآءُوْكُمْ سے اِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ ای ان یقاتلوکم۔ عَنْ متعلق حَصِرَتْ سے ہے اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ معطوف ہے اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ پر فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ شرط فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ الخ اس کی تفسیر۔ فَمَا جَعَلَ جملہ جواب فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ شرط فَخُذُوْهُمْ جواب شرط۔

تفسیر: کفار سے معاہدہ کی بابت: ابھی فرمایا تھا کہ جس کو خدا گمراہ کرے کیا تم اس کو ہدایت کر سکتے ہو۔ اب یہاں یہ فرماتا ہے کہ تم تو ان کی ہدایت چاہتے ہو اور وہ ازلی گمراہ خود تم کو ہی اپنے جیسا کافر بنانا چاہتے ہیں۔ پھر اب تم ان سے کوئی علاقہ محبت نہ رکھو کیونکہ اس میں ان کی محبت سے تمہارے لیے دنیا و آخرت کا ضرر ہے مگر جب وہ ایمان لا کر خدا کی راہ میں ہجرت کریں تب ان کے ایمان کا امتحان ہو چکا۔ اب ان سے محبت اور دوستی کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد حکم عام دیتا ہے کہ اگر وہ پھر جاویں یعنی نہ اسلام لاویں نہ ہجرت کریں تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو کیونکہ وہ آسمانی سلطنت کے باغی ہیں۔ بظاہر اس حکم میں ہر ایک کافر سے جنگ کرنا پایا جاتا تھا خواہ اہلِ اسلام سے لڑتا ہو یا نہ ہو خواہ اس نے اسلامیوں سے عہد کیا ہو یا نہ ہو۔ گویا ہر ایک کو زبردستی مسلمان بنانا چاہیے۔ حالانکہ پہلے حکم ہو چکا تھا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ کہ دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں۔ ہدایت اور ضلالت خود واضح ہو چکی ہے اس لیے اس جگہ دو قوموں کا استثناء کرتا ہے اول اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ الخ وہ لوگ کہ جو اس قوم سے عہد رکھتے ہوں کہ جس سے اہلِ اسلام سے باہمی عہد ہو مثلاً ایک ایسی قوم ہے کہ اس کا اہلِ اسلام سے عہد ہے کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر یا ہم تمہارے مددگار تم ہمارے۔ عرب کی کوئی قوم مسلمان ہو اور دارالاسلام میں بسبب اور کافروں کے نہ آ سکے کہ وہ مانع آتے ہوں اور وہ قوم ان سے عہد کرے سو وہ بھی مسلمانوں کے عہد میں ہیں۔ ان سے بھی لڑنا نہ چاہیے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوں اور یوں بھی ان سے عہد کر لیں تب بھی ان سے لڑنا نہ چاہیے کیونکہ آیت کا حکم عام ہے۔ الغرض جس قوم سے اہلِ اسلام کا عہد ہو یا عہد والی قوم سے عہد ہو وہ حکم قتل و جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کفارِ عرب کی کس قوم کے ساتھ عہد تھا؟ بعض کہتے ہیں اسلمی لوگوں سے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت ہلال بن عویمر اسلمی سے عہد کر لیا تھا کہ نہ تو ہم سے سرکشی کرنا نہ ہم تجھ پر چڑھائی کریں گے

اور جوتم سے پناہ لے گا ہم بھی اس کو پناہ دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں وہ ہم عہد لوگ بنوبکر بن زید منات تھے۔ مقاتل کہتے ہیں خزاعہ و خزیمہ بن عبد مناف سے عہد تھا پس جو خود آنحضرت ﷺ کے دامن تلے اور عہد میں آ گئے ان سے کیونکر جنگ کی جاتی تھی۔ دوم اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کہ وہ تنگ آ گئے ہوں نہ اہلِ اسلام تم سے لڑتے ہوں نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑتے ہوں یعنی یکطرفہ ہوں۔ پھر عام ہے کہ آنحضرت ﷺ یا اہلِ اسلام کے پاس آ دیں یا اپنے مقام ہی سے یہ بات اور امن قائم کرنا ظاہر کر دیں او جاؤکم کے یہی معنی ہیں بیضاوی کے حاشیہ میں اس مقام پر لکھا ہے المراد بالمجی ء الاتصال و ترک المعاندة والمقاتلة لا حقیقة المجی ء نہ اور یہ قوم جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تنگ ہو کر آئی تھی بنو مدلج تھے۔ ایسی قوموں سے بھی لڑنا نہ چاہیے' خدا کی شکر گزاری کرنا چاہیے کیونکہ خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط اور قادر کر دیتا۔ پھر اسی فریق کی تشریح فرماتا ہے فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ کہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور لڑائی نہ کریں اور تم سے صلح اور امن کے خواہاں ہوں وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ تو ان سے ہرگز نہ لڑو۔ ان پر خدا نے تمہارے لیے کوئی حجت نہیں رکھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کفار و مشرکین اسلام سے نہ لڑیں یا معاہدہ کریں تو ان سے جنگ نہیں نہ ان کا قتل کرنا جائز ہے۔ ان کو آزادی ہے جن سے لڑنے کا اور جہاں کہیں مل جائیں مارنے کا حکم خاص ان لوگوں سے ہے کہ جن کا حال ان جملوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے برعکس دوسرے چالاک اور بدمعاش تم کو عنقریب ایسے ملیں گے کہ جو صلح و امن یا اسلام تم سے ظاہر کر کے تم سے بھی امن میں رہنا چاہیں گے اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر اسی کفر و سرکشی میں شریک ہو کر ان سے بھی امن میں رہنا چاہیں گے بلکہ جب وہ اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے بلائے جاویں گے تو اس فتنہ فساد میں کود پڑیں گے جیسا کہ اسد اور غطفان کی قوم نے کیا تھا۔ پھر اگر ایسے لوگ اپنی شرارت سے باز نہ آویں اور تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور سچی صلاح نہ کریں اور تم سے لڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے تمہارے لیے خدا نے حجت قائم کر دی ہے بلاشک اگر ایسے لوگوں سے یہ نہ کیا جاوے تو پھر کیا کیا جاوے۔

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ہجرت جدائی اور ترک کرنا ہے۔ حقیقۃً ہجرت وہ ہے کہ جس کی تشریح نبی ﷺ نے فرمائی۔ والمهاجر من هاجر الى مانهى الله عنه رواه البخاری۔

''کہ مہاجر وہ ہے کہ جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔'' اس میں اس شہر اور وطن کا رہنا بھی آ گیا کہ جہاں کفار کا ایسا غلبہ ہو کہ جو شرائعِ اسلام بآزادی ادا نہ کرنے دیں ایسی صورت میں وہاں سے ترکِ وطن کرنا اور مسلمانوں کے ملک میں چلا جانا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں جب تک کہ مکہ فتح نہ ہوا تھا اور وہاں کفار کا غلبہ تھا وہاں سے ہجرت کرنا ضروری تھا۔ اس کی بڑی تاکید کی جاتی تھی۔ سو لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آتے تھے۔ پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو فرما دیا اب ہجرت کی کچھ ضرورت نہیں۔ نیک نیتی اور جہاد چاہیے۔

ہندوستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے کا مسئلہ: ہندوستان آج کل اگرچہ عیسائیوں کے قبضہ میں ہے۔ پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آ کر دارالاسلام صدیوں تک رہ چکا ہے اب دارالاسلام تو نہیں مگر یہ لوگ اب تک شرائعِ اسلام سے منع بھی نہیں کرتے۔ اس لیے دارالحرب بھی نہیں بلکہ دارالامن ہے۔ اس لیے ہجرت کرنا ضرور نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ
كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ

كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور کسی مومن کا (یہ) کام نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے ہو (تو اور بات ہے) اور جو کوئی کسی مومن کو (خطأ) قتل کر ڈالے تو اس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور مقتول کے وارثوں کے پاس دیت پہنچانی چاہیے (ہاں) اگر وہ خود معاف کر دیں (تو خیر) پھر اگر وہ (مقتول مومن) اس قوم کا ہو کہ جو تمہارے دشمن ہیں تو مسلمان غلام ہی آزاد کردے اور اگر وہ اس قوم سے ہو کہ اس میں اور تم میں باہم معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت دینی چاہیے اور مسلمان غلام (بھی) آزاد کرنا چاہیے۔ پھر جس کو میسر نہ ہو تو پے در پے دو مہینہ روزے رکھے۔ خدا سے معافی چاہنے کے لیے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور (نیز) خدا کا غضب اس پر نازل ہوگا اور اس پر اس کی پھٹکار پڑے گی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔

ترکیب: اَنْ يَّقْتُلَ اسم كَانَ لِمُؤْمِنٍ خبر ای. ماشان المؤمن قتل المؤمن فی ای حال اِلَّا خَطَأً الا فی حال الخطاء اور ممکن ہے کہ الا بمعنی لکن ہو وَمَنْ قَتَلَ شرط فَتَحْرِيْرُ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالواجب وقیل خبرہ محذوف ای فعلیہ۔ تَحْرِيْرُ مضاف رقبة مؤمنة مضاف الیہ وَدِيَةٌ معطوف ہے تَحْرِيْرُ پر جملہ جواب شرط اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا استثناء منقطع ہے وقیل متصل والمعنی فالواجب دیۃ فی کل حال الا فی حال التصدق فان شرطیہ كَانَ اس کا اسم المقتول مِنْ قَوْمٍ خبر عَدُوٍّ لَّكُمْ اس کی صفت وھو مُؤْمِنٌ جملہ حال ہے المقتول سے یہ سب شرط فَتَحْرِيْرُ الخ جواب۔

تفسیر: پہلی آیت میں ان لوگوں کے قتل کی اجازت تھی کہ جو مسلمانوں میں آ کر مسلمان اور کافروں میں جا کر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ایسے موقع میں کبھی وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں کہ جو صدقِ دل سے مسلمان ہیں اور اہلِ اسلام ان کو کافر ہی سمجھتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کے قتل سے منع کیا اور اس کے ضمن میں عموماً ایمانداروں کے قتل کرنے کا مسئلہ بھی بیان کرنا مناسب ہوا۔ فرماتا ہے کہ کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کرنا درست نہیں مگر بھول چوک ہو تو معذور ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب ہوا کہ اسلام میں دو ایک موقع ہو چکے تھے۔ عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جنگِ احد میں ایسا اتفاق ہوا کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کے والد یمان رضی اللہ عنہ بوقتِ جنگ ایک بھیڑ میں آ گئے۔ مسلمانوں نے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں مارنی شروع کر دیں گو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے رہے کہ میرے والد مگر اس ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے۔ پھر جب معلوم ہوا تو مسلمانوں کو سخت ملال ہوا۔ اس پر یہ آیت کفارہ بنانے کے لیے نازل ہوئی اور اس امر میں دیت کا بھی فیصلہ کر دیا۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کو خطا نادانستہ قتل کر دے تو مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے۔ اگر وہ معاف کر دیں تو مضائقہ نہیں اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے (دیت اس لیے کہ مسلمانوں کے خون کا جو بلا وجہ مارا گیا ہے معاوضہ نہ لینے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ خطاً مارا گیا ہے اس لیے قاتل کو معاوضہ میں قتل کرنا خلافِ انصاف تھا مگر دیت یعنی خون بہا لینا

مقرر کیا اور غلام آزاد کرنا اس لیے فرمایا کہ اگرچہ اس نے یہ کام قصداً نہیں کیا مگر بے احتیاطی کی گئی۔ اس لیے جس نے اس ایک مسلمان کو مارا اس کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرے گویا آزاد کرنا زندہ کر دینا ہے کیونکہ غلامی انسان کی صفت مالکیت اور آزادی کو (جو اس کی فطرت میں رکھی ہے اور جو اس کی حیات کا مقتضی ہے) زائل کرتی ہے اور اس میں بنی نوع پر احسان بھی ہے ۔ پھر اگر وہ مقتول مسلمان جو نادانستہ مارا گیا ہے اس قوم کا ہے کہ جس سے اہلِ اسلام سے معاہدہ اور دوستی نہیں بلکہ دشمنی قائم ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ میں مسلمان غلام ہی آزاد کرنا چاہیے۔ وارثوں کو دیت نہ دی جائے کیونکہ اس سے مخالفوں کو روپیہ کی مدد ملتی ہے۔ اگرچہ ایسی صورت میں آیت میں صرف غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ دیت دینے کا ذکر نہیں مگر معرضِ بیان میں سکوت کرنا نفی پر دلالت کیا کرتا ہے اور اگر وہ اس قوم کا ہے کہ جس میں اور اہلِ اسلام میں باہم عہد ہے تو وہاں دیت وارثوں کو دی جائے اور مسلمان[۱] غلام بھی آزاد کیا جائے اور جو غلام آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تو اس کی جگہ پے در پے دو مہینے کے روزے کفار میں رکھے۔ اگر بیچ میں بجز عذر معمولی کے جو عورتوں کو لاحق ہوتا ہے روزہ ترک ہو گا تو پھر سرے سے دو مہینے پورے کرنے پڑیں گے اور دو مہینے روزے مقرر ہونے میں ایک سرِّ روحانی ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس جگہ چونکہ مقتول کے لئے مومن کی قید نہیں اس سے بعض علماء نے ذمی مقتول کا بھی یہی حکم نکالا[۲] ہے اس حکم کے بعد کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے کی بابت فرماتا ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الآیہ۔ چونکہ قتلِ عمد کا حکم قصاص و دیت سورہ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى الخ اس لیے یہاں صرف آخرت کی سزا بیان فرماتا ہے کہ وہ قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لیے لعنت اور غضبِ الٰہی اور اس کو عذابِ عظیم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کو ظاہر طور پر محمول کر کے قاتلِ عمد کے لیے ہمیشہ کا عذاب ثابت کرتے ہیں اور اس کی توبہ کو بھی غیر مقبول کہتے ہیں اور خوارج نے بھی اس آیہ سے استدلال کیا ہے کہ قتلِ عمد گناہِ کبیرہ بالاتفاق ہے باوجودیکہ اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ ثابت ہوا کہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے ابدی جہنم ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس قتلِ عمد سے مراد وہ ہے کہ جو جائز جان کر کیا جاوے تو بے شک اس کی یہی سزا ہے کیونکہ کبیرہ کا جائز جاننے والا کافر ہے اور کافر کی ابدی جہنم سزا ہے یا یہ کہ جزا تو اس کی یہی ہے مگر وہ کریم بوجہ ایمان کے قاتل کو بحکم آیت وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ابدی جہنم سے نجات دے گا۔

بحث اوّل: اب ہم آیت کا مطلب بیان کر چکے۔ اس کے بعد چند ابحاث لکھتے ہیں جو احکامِ دیت اور قتلِ خطا کے متعلق ہیں: (۱) قتل کی پانچ قسم ہیں۔ پہلا قتلِ عمد تلوار وغیرہ ہتھیار سے جان کر قتل کرنا۔ اس میں قاتل مارا جائے گا خواہ کئی قاتل کیوں نہ ہوں۔ بحکم آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ اور آخرت کا گناہ بحکم آیۃ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ ہاں اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں تو دیت دلائی جائے گی اور یہ قاتل اگر وارث کو قتل کرے گا تو میراث سے بھی محروم ہو گا۔ دوسرا قتلِ خطا مثلاً شکار سمجھ کر دور سے کسی آدمی پر گولی چلا دی اور وہ مر گیا۔ یہ خطا یعنی چوک قصد میں واقع ہوئی یا کسی مسلمان کو جنگ میں کافر سمجھ کر مار ڈالا اور ایک خطا فعل میں بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ نشانہ پر گولی چلاتا تھا کسی انسان کے لگ گئی۔ اس کا حکم آیت میں بیان ہو چکا اس میں بھی میراث سے محروم رہتا ہے۔ احادیث سے ایک اور بھی قتل، ان دونوں کے درمیان ثابت ہوا ہے۔ شبہ العمد ہے یہ قتل ابو حنیفہ کے نزدیک وہ ہے جو ان آلات سے واقع ہو جو قتل کے موزوں نہ ہوں۔ جیسا کہ لٹھ اور پتھر۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک یہ بھی قتلِ عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ جس سے غالباً آدمی نہیں مرتا اس سے مارے جیسا کہ بغیر قصد ہلاک کے چھڑی یا مکہ مارے اور وہ مر جاوے شبہ عمد میں دیت مغلظہ اور کفارہ اور میراث سے محرومی ہے۔ چوتھا قتلِ خطا کے

---

[۱] خواہ وہ لڑکا ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کے والدین میں کوئی مسلمان ہو۔ یہ شافعی، مالک، اوزاعی، ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن اور شعبی اور نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ غلام آزاد کیا جاوے جو نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو۔ ۱۲

[۲] مگر یہ صحیح نہیں کس لیے کہ مقتول مومن ہی کا ذکر چلا آتا ہے و کان کی ضمیر بھی اس کی طرف پھرتی ہے۔ ۱۲ منہ

قائم مقام جیسا کہ سوتا ہوا آدمی کسی پر گر پڑے اور جس پر گرا وہ مرجائے اس کا حکم بھی قتلِ خطا کا حکم ہے۔ پانچواں قتل بالسبب جیسا کہ رستہ میں کنواں کھودے اور اس میں گر کر مرجاوے اس میں دیت ہے نہ کفارہ نہ حرمانِ میراث۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کفارہ بھی اور حرمانِ میراث بھی ہے۔ (۲) دیۃ ودی سے مشتق ہے جیسا کہ شیۃ وشی ہے واؤ حذف ہوگیا۔ اس کے معنی معاوضہ کے ہیں مگر عرب میں صرف خون کے معاوضہ کو دیت کہا جاتا ہے یعنی خون بہا اس کی دو قسم ہیں مغلظ یعنی سخت سو وہ شبہ عمد میں آتی ہے۔ اس میں سو اونٹ چار قسم کے ہیں۔ ۲۵ بنتِ مخاض ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقہ ۲۵ جذعہ۔ شافعی اور امام محمد کے نزدیک تین قسم کے لینے چاہییں۔ ۳۰ جذعہ ۳۰ حقہ ۴۰ ثنیہ حاملہ۔ دوسری مخففہ وہ قتلِ خطا میں آتی ہے اس میں سو اونٹ پانچ قسم کے ہیں۔ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ بنت لبون ۲۰ ابن مخاض ۲۰ حقہ ۲۰ جذعہ یا ہزار دینار اور یہ نہ ہوں تو دس ہزار درہم امام شافعی ۱۲ ہزار درہم کہتے ہیں۔ مسلمان اور ذمی کی برابر ہے۔ خلافاً للشافعی یہ دیت تین سال میں بتدریج قاتل کے کنبہ اور قوم سے وصول کی جاتی ہے کہ جس کو عاقلہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کے ہر ایک نفع ونقصان کے شریک ہیں۔ اس ناگہانی حادثہ میں بھی ان کو شریک ہونا چاہیے تاکہ آیندہ اس کو احتیاط پر مجبور کیا کریں۔ یہ مذہب جمہور کا ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے مگر ابوبکر اصم کے نزدیک خاص قاتل سے لینی چاہیے۔ باقی قتل اور نقصان مال اور تاوان کے مسائل احادیث سے ثابت ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟
فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

ایماندارو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (یعنی جہاد کو نکلو) تو تحقیق[1] کر لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے اس کو زندگانی دنیا کا اسباب لینے کے لیے (یہ) نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں سو اللہ کے پاس تو بہت ہی غنیمتیں ہیں پہلے تم (بھی تو) ایسے تھے (لیکن) پھر اللہ نے تم پر فضل کر دیا۔ پس تحقیق کر لیا کرو بے شک جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس سے (خوب) واقف ہے۔

ترکیب: اِذَاضَرَبْتُمْ ای سافرتم للجہاد شرط فَتَبَیَّنُوْا جواب۔ السلام اور سلم دونوں طرح سے آیا ہے اول کے معنی تحیہ دوسرے کے معنی انقیاد بکلمہ شہادۃ۔ تَبْتَغُوْنَ حال ہے فاعل لَا تَقُوْلُوْا سے۔ کَذٰلِکَ خبر کُنْتُمْ ضمیر اَنْتُمْ اس کا فاعل اِنَّ اللّٰہَ کو بالکسر جملہ متانفہ ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے اور بالفتح بھی معمول تبتغون کا بنا کر۔

تفسیر: جہاد میں جو اسلام ظاہر کرے قتل نہ کیا جاوے: قتلِ خطاء کے بارے میں ابھی تہدید ہو چکی تھی اور یہ قتل ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کو بیشتر جہاد میں پیش آتا تھا۔ اس لیے یہاں جہاد میں ہوشیاری اور احتیاط کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض اہلِ اسلام کو جہاد میں یہ بات پیش آئی کہ جب دشمن پر انہوں نے قابو پایا تو اس نے لا الہ الا اللہ جان بچانے کو کہہ دیا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ یہ دل سے نہیں صرف جان بچانے کے لیے کہتا ہے۔ اس کہنے پر بھی قتل کر دیا جس کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

[1] بنت مخاض اس اونٹ کو کہتے ہیں جو دوسرے برس میں ہو۔ بنت لبون وہ جو تیسرے سال کا ہو۔ حقہ یعنی بوجھ لادنے کے قابل جو چوتھے برس میں ہو۔ جذعہ جو پانچویں میں ہو۔ ۱۲

ہوئی اور آنحضرت ﷺ سخت ناخوش ہوئے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم کو آنحضرت ﷺ نے جھنیہ قبیلہ کی طرف بھیجا۔ مجھے ان میں سے ایک شخص مل گیا۔ میں نیزہ سے اس کو چوکنے لگا تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔ انجام کار میں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر آ کر ہم نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی تو فرمایا کیا تو نے اس کو باوجود اس کہنے کے مار ڈالا؟ اسامہ نے کہا' اس نے بچنے کے لیے کہا تھا۔ فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا یعنی تجھے اس کے دل سے کیا کام۔ احکامِ شرع ظاہری ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت میں تو اس لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دے گا۔ اسی طرح ایک روایت صحیحین میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم جہاد میں باہر جاؤ (اللہ کی راہ میں سفر کرنا عام ہے مگر یہاں مراد جہاد ہے) تو خوب تحقیق کر لیا کرو کہ یہ کون شخص ہے۔ یہ نہیں کہ دور سے ہی اس کا کام تمام کر دیا جائے یا شبہ میں کسی کو قتل کیا جاوے اور نیز جو تمہارے روبرو اسلام پیش کرے یعنی کلمۂ توحید کہے جیسا کہ روایتِ صحیحین سے پایا جاتا ہے یا صرف سلام کہے اور امان مانگے جیسا کہ ترمذی کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جس کو اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک آدمی صحابہ کے پاس سے بکریاں لے کر گذرا۔ اس نے سلام کیا مگر اس کو صحابہ نے مارا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم ایسے شخص کو یوں نہ کہو تو مسلمان نہیں۔ کیا تم غنیمت کے لیے ایسا کرتے ہو اور دنیا کا مال چاہتے ہو جو عرض یعنی فانی ہے۔ سو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔ پہلے تم بھی تو کافر تھے۔ اسی کلمہ کی بدولت خدا کے فضل و احسان سے تم اسلام میں آئے ہو۔ اس پر متنبہ ہونے کے لیے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا فرمادیا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ع ۱۳/۱۰

وہ مسلمان جو بغیر کسی (معقول) عذر کے (جہاد سے) بیٹھ رہے ہیں ان مجاہدوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو (بلا عذر یا بعذر) بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور (یوں تو) اللہ کا نیک وعدہ سب (مسلمانوں) سے ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجرِ عظیم کے اعتبار سے (بھی) فضیلت دی ہے (وہ اجرِ عظیم کیا ہے) بڑے بڑے درجہ اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بیان ہے الْقَاعِدُوْنَ کا۔ غَيْرُ کو بالضم بھی پڑھا ہے یہ قاعدون کی صفت ہے اور بالفتح بھی کیونکہ یہ استثناء ہے قاعدون یا مومنین سے اور بالکسر بھی پڑھا ہے صفت مُؤْمِنِيْنَ کی بنا کر دَرَجَةً مصدر ہے بمعنی فضیلۃ تب یہ مفعولِ مطلق ہے اور تمیز بھی ہو سکتا ہے اور ظرف بھی ای فی درجۃ ومنزلۃ۔ وَعَدَ فعل اللّٰهُ فاعل الْحُسْنٰى مفعول ثانی كُلًّا مفعول اول دَرَجَاتٍ وَّ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً اَجْرًا

ل یعنی جو تمہارے سامنے آئے اس کو بے دریغ تہ تیغ نہ کر دیا کرو' دریافت کر لیا کرو کہ یہ کون ہے دشمن ہے یا دوست یا کوئی راہگیر۔ ۱۲ منہ

عَظِیۡمًا کا بیان ہے۔

تفسیر: جہاد میں چونکہ قتلِ خطاء بھی پیش آجاتا تھا جس کے لیے کفارہ اور دیت کا ذکر ہوا اور نیز بعض وہ لوگ بھی کہ جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا' مارے گئے تھے اور اس پر تہدید صادر ہوئی تھی۔ اس سے کسی قدر مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گھر بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں ایسی بات پیش نہیں آتی مگر خدا تعالیٰ کو تو دنیا میں آسمانی سلطنت (کہ جس کی خبر انبیاء دیتے آئے ہیں) قائم کر کے دنیا کو بدی اور شرک سے پاک کرنا تھا اور یہ بات بغیر لشکرِ مجاہدین کے عالمِ اسباب میں ممکن نہ تھی اس لیے یہاں فرمادیا کہ بغیر ضرر یعنی مرض کے جو لوگ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس سے نفی مساوات کی تو ہوئی مگر مجاہدین کی بھی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ اس لیے فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ الخ فرمایا کہ جو بغیر عذر کے گھر میں بیٹھ رہے ہیں تو ان کا تو کیا ذکر ہے مگر جو عذر سے بھی بیٹھتے ہیں ان پر بھی خدا نے اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو درجہ میں فضیلت دی ہے مگر چونکہ عذر والے بھی دل میں اس کی نیت رکھتے ہیں صرف ناچاری سے شریک نہیں ہو سکتے' اس لیے ان کے لیے بھی خدا نے بہتری یعنی جنت و مغفرت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب لَایَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ الخ نازل ہوا تو عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر رونے لگے کہ یا حضرت مجھے کیا حکم ہے تب غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ نازل ہوا اور وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی سے ان کو بھی بوجہ نیت کے شریک کیا گیا مگر چونکہ مجاہدین ایک بھاری کام میں مصروف ہیں اور جان و مال کو اللہ پر قربان کر رہے ہیں اس لیے ان کو مخصوص کر کے فرمایا وَفَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ عَلَی[1] الۡقٰعِدِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا پھر اس اجرِ عظیم کی تفصیل فرماتا ہے دَرَجٰتٍ مِّنۡہُ وَمَغۡفِرَۃً وَّرَحۡمَۃً کہ خدا نے ان کو جنت کے درجات اور مغفرتِ مخصوصہ میں کہ جو وہاں کی فرحتِ ابدی ہے اور رحمتِ مخصوصہ میں جو اس کے دیدار کی تجلی ہے خاص کر لیا ہے مگر پھر اور ریاضت و عبادت والوں کی طرف بھی اشارہ کر کے وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا فرمادیا۔

اِنَّ[2] الَّذِیۡنَ تَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُہَاجِرُوۡا فِیۡہَا ؕ فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَۃً وَّلَا یَہۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡہُمۡ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنۡ یُّہَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یَجِدۡ فِی

[1] مجاہدین کو خانہ نشینوں پر درجہ فضیلت ہے۔۱۲

[2] ان آیات میں لوگوں پر عتاب ہے جو ایمان لانے کے بعد اپنے گھروں اور بال بچے اور مال و اسباب میں پڑے رہتے ہیں اور مخالفوں کے خوف سے ارکان اسلام نہیں بجالا سکتے حالانکہ جہاں ارکانِ اسلام بجالانے کی ممانعت ہو وہاں سے نکل جانا فرض ہے اور اسی کو ہجرت کہتے ہیں جہاں کہیں جس کو آزادی ملے چلا جائے پس ایسے دنیا پسند مصلحت اندیش لوگوں سے بوقتِ مرگ فرشتہ یوں پوچھیں گے اور ان کو ہجرت نہ کرنا اپنی جان پر ظلم کرنا تھا۔۱۲ منہ

الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

بے شک جن کی فرشتے (ایسے حال میں) روح نکالتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر ستم کر رہے ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم (دارالحرب میں پڑے پڑے) کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم اس جگہ مجبور تھے (فرشتے) کہیں گے کہ کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں کہیں چلے جاتے سو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورت اور لڑکے (لڑکیاں) بے بس ہیں کہ نہ کوئی (نکلنے کا) حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کو رستہ ملتا ہے سو ان کے لیے امید ہے کہ خدا معاف کر دے (کیونکہ) اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا (تو) اس کو زمین میں آسائش (اور) فراخ دستی (بھی) ملے گی اور جو کوئی اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے پھر اس کو موت آلیوے تو بے شک اس کا اجر تو اللہ پر ثابت ہو چکا اور اللہ بخشنے والا (بڑا) مہربان غفور الرحیم ہے۔

ترکیب: ظالمی مضاف اَنْفُسِھِمْ مضاف الیہ یہ حال ہے ضمیر ھم سے جو توفیہم میں ہے۔ فَتُهَاجِرُوْا منصوب ہے جواب بن کر استفہام کا کیونکہ نفی بسبب استفہام کے اثبات ہوگی۔ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ استثناء ہے اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ سے مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ مستضعفین کا بیان ہے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اس سے حال مبینہ ہے خبر ان قالوا وقیل فاولئک وقیل محذوف وھو ھلکوا۔

تفسیر: مدینہ میں چونکہ لوگ ہجرت کر کے مجتمع ہو گئے تھے جو جہاد قائم ہونے کا باعث ہوا اور جہاد کی رغبت پچھلی آیت میں بیان ہو چکی تھی اور بعض لوگ جو کہ مکہ میں یا اور شہروں میں ایمان تو لے آئے تھے مگر بسبب حبِ وطن کے ہجرت کر کے اس جماعت میں شریک ہونے سے پہلو تہی کرتے تھے اور نیز کفار کے شہروں میں وہ ادائے مراسمِ دینیہ سے بھی رو کے جاتے تھے۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت کی تاکید اور بوقتِ مرگ یا بعد مرگ جو کچھ ملائکہ سے جواب و سوال ہوگا اس کا ذکر فرماتا ہے کہ جن ظالموں کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کیا کیا کرتے تھے یعنی دین میں کیا مدد کی؟ وہ اپنا عذر بیان کریں گے کہ ہم مجبوری سے یہاں رہتے تھے وہ کہیں گے کیا خدا کی زمین تنگ تھی کیوں ہجرت کر کے نہیں چلے گئے (ظلم سے مراد گناہ ہے کیونکہ اس سے انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے جو اس کو عذاب کا مستحق بناتا ہے) پھر ان لوگوں کو اس عذاب سے مستثنیٰ کرتا ہے جو درحقیقت معذور ہوں جیسا کہ بیمار یا عمر رسیدہ یا مقید مرد بچے عورت اور ہجرت نہ کرنے کے بیشتر یہی دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ پردیس میں یہ عافیت اور آرام جو وطن میں ہے جاتا رہے گا۔ اس کی نسبت خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً کہ اس کو خدا کشائش اور آرام دے گا۔ چنانچہ دیا مراغم رغام سے مشتق ہے جس کے معنی خاک کے ہیں بولتے ہیں رغم انف فلان کہ خاک میں بھر گئی اس کی ناک یعنی شرمندہ و ذلیل ہوا۔ چونکہ مہاجر کا دارِ ہجرت میں کشائش پانا اس کے مخالفین کے لیے شرمندگی کا باعث ہے اس لیے اس کشائش کو مراغم کہا۔ دوم یہ کہ شاید ہم رستہ میں مر جاویں اس کی بابت فرماتا ہے ومن یخرج من بیتہ کہ جو اپنے گھر سے ہجرت کے لیے نکلے اور رستہ میں موت آ جاوے تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو چکا۔ ہجرت کا مسئلہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس ملک اور شہر میں کہ جہاں کفار کی وجہ سے شرائعِ اسلام کو آزادی سے ادا نہ کر سکے واجب ہے۔ جیسا کہ قبل فتح اہلِ مکہ پر تھا۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ۭ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

۱۵ ع ۱۲

اور (مسلمانو) جبکہ تم سفر میں ہو تو تم پر کچھ (بھی) گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کر دو[۱] اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے کیونکہ کافر (تو) تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں اور جبکہ (اے نبی!) آپ بھی (سفر میں) ان کے ساتھ ہوں پھر ان کے لیے نماز قائم کرو (یعنی امام بنو) تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار بھی ساتھ رکھیں۔ پھر جب سجدہ کر چکیں تو چاہیے کہ وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور وہ دوسرا گروہ

[۱] قصر چار رکعت کی جگہ دو پڑھنا۔ یہ قصر مسافر کے لیے درست ہے عام ہے کہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو اور خوف کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔۱۲ منہ

ف: اس کو صلوٰۃ الخوف کہتے ہیں جو جماعت کی فضیلت کے لیے اسلام میں قائم ہے خود آنحضرت ﷺ کے روبرو یہ پیش آیا تھا اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک گروہ مسلمین ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑا ہو اور جو گروہ دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہو جائے اور ہر گروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لے اور نماز پڑھنے میں ہتھیار ساتھ رکھیں اور ہوشیار رہیں اور جب مقابلہ ہو اور اس کی بھی فرصت نہ ہو تو ہر حال میں اللہ کو یاد کر لینا چاہیے اور جو نماز قضا ہو گئی ہے اس کو بعد میں ادا کریں۔۱۲ منہ

کہ جس نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور چاہیے کہ وہ بھی ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھیار (بدستور) لیے رہیں (اور) کافر تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں اور تم پر (اس میں بھی) کچھ گناہ نہیں کہ اگر تم کو مینہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو اور اپنی ہوشیاری رکھو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز سے فارغ ہو چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو۔ بے شک نماز ایمانداروں پر وقت پر فرض کی گئی ہے اور ان کے تعاقب کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو وہ (بھی) تمہاری طرح تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم کو (تو) اللہ سے (وہ) امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ شرط فَلَیْسَ الخ جواب اَنْ تَقْصُرُوْا ای فی ان تقصروا مِنَ الصَّلٰوۃِ کا من زائدہ ہے۔ عَدُوًّا بمعنی اعداء وقیل مصدر علی فعول مثل القبول ولذا لم یجمع۔ وَاِذَا کُنْتَ شرط فَاَقَمْتَ کُنْتَ پر معطوف فَلْتَقُمْ جواب۔ لَمْ یُصَلُّوْا صفت ہے طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی کی قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ یہ تینوں حال ہیں فاعل اُذْکُرُوا اللّٰہَ سے مَوْقُوْتًا مقدرا وقتہا فلا تؤخر عنہ (جلالین)۔

تفسیر: منجملہ ان چیزوں کے کہ جن کی مجاہد کو جہاد میں احتیاج ہے نماز کی کیفیت دریافت کرتا ہے کہ سفر میں کس طرح سے اور بوقتِ جنگ کیونکر ادا کرنی چاہیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ ان آیات میں صلوٰۃِ قصر و صلوٰۃِ خوف کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سے لے کر عدوا مبینا تک صلوٰۃِ قصر کا مسئلہ مذکور ہے۔ قصر کے معنی لغت میں کم کرنے کے ہیں اور تخفیف کے خواہ کمیت میں خواہ کیفیت میں۔ اس لیے اس مسئلہ میں علما کے دو قول ہیں۔ ایک طاؤس کا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس میں روایت ہے کہ قصر سے مراد بوقتِ جنگ اشارہ سے نماز پڑھ لینا ہے اور رکوع و سجود کی جگہ صرف اشارہ کر دینا اور نماز میں ہتھیار چلانا اور چلنا اور خون آلودہ کپڑوں سے نماز پڑھ لینا درست ہے کیونکہ رکوع و سجود میں دشمن کے غلبہ کا خوف ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عین مقابلہ میں ایسا ہی کیا ہے مگر یہ قول قوی نہیں کس لیے کہ قصر بمعنی تغیر اس کے بعد دوسری آیت میں مذکور ہے اور وہ ایک جدا حکم ہے۔ دوسرا جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے وہ یہ کہ سفر کے وقت نماز کی تعداد رکعت میں کمی کی جائے۔ ظہر و عصر و عشاء میں چار رکعت کی جگہ دو پڑھی جاویں گی مگر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کے نزدیک سفر میں دو رکعت خوف کے ایک رکعت پڑھی جاوے۔ جمہور کے قول پر یعلی بن امیہ وغیرہ کی بہت سی احادیثِ صحیحہ دلیل قوی ہیں۔ دوم قصر کے معنی عرفِ صحابہ میں یہی تھے اور نیز مِنَ الصَّلٰوۃِ سے بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ پھر جمہور آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسافر کو رخصت ہے کہ وہ چار رکعت کی جگہ دو پڑھے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی شرط اس لیے ہے کہ دشمن کے خوف کے وقت یہ قصر غالباً واقع ہوتا ہے جیسا کہ لَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ کے بعد اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کی قید ہے اور نیز شرط کے وقت مشروط کا پایا جانا مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی اگر سفر میں خوف ہو تو قصر کرو یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ شرط[1] کے نہ پائے جانے سے مشروط نہ پایا جاوے یعنی اگر سفر میں خوف نہ ہو تو قصر نہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے بہت سی احادیثِ صحیحہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حالت سفر میں بغیر خوفِ دشمن کے قصر کرنا پایا گیا ہے چنانچہ حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ منیٰ میں باوجودیکہ ہم بہت تھے اور نہایت امن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھائیں اور اسی طرح صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ حج کے لیے مکہ آئے تھے عصر کی نماز ذی الحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

داؤد ظاہری اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ بغیر خوف کے سفر میں قصر درست نہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کی بھی کچھ تشریح نہیں کہ کس قدر سفر پر قصر ہے۔ اس میں دو منزل چار منزل کی کچھ قید نہیں بلکہ عرف پر چھوڑ دیا اور مطلقاً اِذَا ضَرَبْتُمْ فرما دیا۔ اس لیے داؤد ظاہری اور ان

---

[1] کس لیے کہ مفہوم مخالف کے اہلِ تحقیق قائل نہیں۔۱۲

کے مقلد قاضی شوکانی نے اس کو مطلق قائم رکھ کر میل دو میل کے سفر پر بھی قصر کی اجازت دے دی۔ جمہور علماء کے نزدیک ان کی یہ رائے غلط ہے کس لیے کہ اگر نص کو بالکل مطلق رکھا جاوے تو ایک محلہ سے دوسرے محلہ جانے میں بھی بحکم اذا ضربتم قصر کرنا چاہیے حالانکہ اس کا اسلام میں کوئی بھی قائل نہیں اور اگر نص کو مقرر کیا جائے تو ضرور وہی معنی مراد لیے جاویں گے جو پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ نے اس لفظ سے سمجھے ہیں اور وہ مقدار خاص ہے جس کو عرف میں سفر کہہ سکتے ہیں جس کے اندازہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں شعبی اور نخعی اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اقل مرتبہ تین روز کا راستہ ہونا چاہیے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ مسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسافر کے لیے مسح خفین میں تین رات دن کا حکم ہے جس سے سفر کی اقل حد تین رات دن سمجھی گئی۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مرتبہ یہ سفر چار برد تک ہونا چاہیے۔ ہر ایک برد چار فرسخ کا اور ہر ایک فرسخ تین میل کا ان میلوں سے جو ہاتھ جد رسول اللہ ﷺ نے قدم قائم کئے ہیں۔ وہ میل بارہ ہزار قدم کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قصر رخصت ہے' خواہ مسافر چار پڑھے خواہ دو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قصر کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اگر مسافر چار رکعت پڑھے اور دو کے بعد بقدر تشہد نہ بیٹھے گا تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ یعلی بن امیہ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ میں نے قصر کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا' انہوں نے کہا میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تھا کہ اب تو امن ہو گیا قصر کی کیا ضرورت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ خدا کا صدقہ ہے کہ جو تم کو عنایت ہوا۔ سو تم اس کو قبول کرو۔

صلوٰۃِ خوف: اس کے بعد وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ سے لے کر اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا تک صلوٰۃ خوف کا مسئلہ بیان فرماتا ہے۔ ابو یوسف اور حسن بن زیاد کے نزدیک یہ حکم آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اذا کنت فیھم کی قید موجود ہے۔ جمہور کے نزدیک حکم عام ہے صلوٰۃ الخوف کی صورت یہ ہے امام قوم کے دو ٹکڑے کرے اور ان میں سے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھاوے پھر جب یہ گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو پھر کیا کرے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں

صلوٰۃ خوف کی صورتیں: (ایک یہ) کہ یہ گروہ ایک رکعت کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ میں چلا جاوے اور جو دشمن کے مقابلہ میں تھے وہ آ کر صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ امام کی دو رکعت قوم کی ایک ایک ہوگی۔ یہ قول مجاہد اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا ہے (دوم) یہ کہ اول گروہ کو امام دو رکعت پڑھاوے وہ سلام پھیر کر مقابلہ میں چلے جاویں اور جو مقابلہ میں تھی وہ آ دیں۔ ان کو بھی امام دو رکعت پڑھاوے۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ امام دو بار پڑھے گا۔ (سوم) یہ کہ امام ایک گروہ کو ایک رکعت پوری پڑھاوے اور پھر چپ کر کے کھڑا رہے اور یہ لوگ اپنی دوسری رکعت از خود تمام کر کے سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ میں چلے جاویں اور جو مقابلہ میں تھے وہ آ کر امام کے ساتھ رکعت اخیر میں شریک ہو جاویں اور جتنی دیر تک وہ دوسری رکعت جو فوت ہوئی تھی تمام نہ کر لیں امام تشہد میں بیٹھا رہے۔ پھر امام سلام پھیرے یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیریں۔ یہ قول سہل بن ابی حثمہ کا ہے اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے۔ (چہارم) یہ کہ ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر مقابلہ میں چلا جائے اور سلام نہ پھیرے اور جو لوگ مقابلہ میں تھے۔ وہ آ کر اخیر رکعت میں شریک ہو جائیں اور ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے جاویں۔ پھر اول گروہ آ کر وہ جو ایک رکعت فوت ہوئی ہے اس کو تمام کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ کر اپنی نماز تمام کرے۔ فرق یہ ہے کہ اول گروہ نے اول الصلوۃ کو پایا اور دوسرے نے اخیر کو۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ سب صورتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ رخصت کا دائرہ وسیع کرنے کو آنحضرت ﷺ نے مختلف طور پر صلوٰۃِ خوف ادا کی ہے۔ ان آیات سے یہ چاروں صورتیں ثابت ہو سکتی ہیں۔ اب ہم آیت کی تشریح کرتے ہیں وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ اے نبی جب تم مسلمانوں کے لشکر میں ہو اور حالت خوف کی ہو جیسا کہ غزوۂ ذات الرقاع اور ذاتِ نخل میں یہ معاملہ پیش آیا کہ لشکرِ اسلام کی پشت قبلہ کی طرف تھی تو آنحضرت ﷺ نے بوقت نماز یہ حکم دیا کہ دو ٹکڑے ہو جائیں۔ چنانچہ ایک دشمن کے سامنے

رہا اور ایک نے نبی علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی۔ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ ان کے دو گروہ ہو کر ان میں سے ایک گروہ نماز میں آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور ایک دشمن کے سامنے ہو۔ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ یعنی جو لوگ نماز میں آپ کے ساتھ ہوں ہتھیار کھول کر نہ کھڑے ہوں جیسا کہ تلوار و خنجر و پیش قبض بندوق کیونکہ اگر حاجت پڑے تو دقت پیش نہ آوے اور ممکن ہے کہ یہ خطاب اس جماعت کے لیے ہو کہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہے اور راجح یہ ہے کہ دونوں کے لیے خطاب ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ یعنی جو نماز میں نہیں ہیں ان کو چاہیے کہ حراست کے لیے نمازیوں کے پیچھے سے دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوں یا جو لوگ نماز میں ایک رکعت پا چکے ہیں وہ اب جو نماز پڑھ رہے ہیں ان کی حراست کے لیے دشمن کے سامنے کھڑے ہو دیں۔ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ یعنی وہ گروہ جس نے ہنوز نبی علیہ السلام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی بلکہ وہ اول ہی سے مقابلہ میں تھے یعنی گروہِ دوم وہ بقایا نماز میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہو جاویں اور پھر ان سب کو حکم ہے کہ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ کہ اپنے بچاؤ کی چیزیں زرہ وغیرہ ساتھ لیے رہیں۔ بعض کہتے ہیں حذر سے مراد ہوشیاری ہے۔ وَاَسْلِحَتَهُمْ جمع سلاح یعنی ہتھیار بھی نہ اتاریں کیونکہ دوسری رکعت میں کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ نماز میں ہیں اور دفعتاً حملہ کرنا چاہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً مگر اس کے ساتھ مرض یا بارش [۱] وغیرہ عوارض کی وجہ سے ہتھیار رکھ دینے کی بھی اجازت ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ الخ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ یعنی جب نماز سے فراغت پاؤ تو ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو جایا کرو بلکہ کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ کو یاد کیا کرو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جنگ سخت ہو اور صلوٰۃ خوف کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر جس حال میں ممکن ہو یادِ الٰہی کرلو اور فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ جب امن ہو جاوے تو اس نماز کو جو جنگ میں فوت ہوئی قائم کرو۔ پھر آیت کو نماز کی تاکید پر تمام کرتا اور یہ بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں عارضی تھیں اصل یہ ہے کہ نماز کو ہمیشہ اس کے وقت پر قائم کیا کرو کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا اے فرضاً موقوتاً (کبیر) مکتوباً محدوداً باوقات معلومۃ (مدارک) اس کے بعد پھر جہاد کی ترغیب دیتا ہے کہ تم سے اللہ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور اس سے تم کو وہ امید ہے جو کفار کو نہیں پھر کیوں ان کی لڑائی سے سستی کرتے ہو وَلَا تَهِنُوْا الخ وَتَرْجُوْنَ الخ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ

[۱] بارش میں ہتھیار بھیگ جاتے ہیں اور نیز کپڑے بھی ایسی حالت میں خصوصاً نماز کے وقت ہتھیار طبیعت کو گراں معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾ ع

بے شک ہم نے (اے نبی!) آپ پر کتاب برحق نازل کی ہے جیسا کہ کچھ خدا نے تم کو بتایا ہے اسی کے موافق لوگوں کے جھگڑے فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کی طرف داری نہ کیا کرو اور اللہ سے معافی مانگا کرو کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو لوگ اپنے آپ[1] خیانت کر رہے ہیں آپ ان کی طرف سے نہ جھگڑیں کیونکہ اللہ کو کوئی بھی دغا باز گنہگار پسند نہیں۔ لوگوں سے تو مخفی کر سکتے ہیں (مگر) اللہ سے مخفی نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ راتوں کو بیہودہ باتیں کیا کرتے ہیں اس وقت بھی (اللہ) ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ نے ان کے عمل کا احاطہ کر رکھا ہے بھلا دیکھو تو دنیا میں تو تم ان کی طرف سے جھگڑتے ہو (لیکن) قیامت میں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جس نے برا کام کیا یا اپنے نفس پر ظلم کیا پھر اس نے اللہ سے معافی چاہی (تو) وہ اللہ کو (بھی) معاف کرنے والا مہربان پائے گا اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو اپنے ہی (خرابی کے) لیے کرتا ہے اور اللہ کو تو (سب کی) خبر (اور) حکمت معلوم ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کر کے پھر اس کو کسی بے گناہ کے ذمہ لگاتا ہے تو وہ بڑا بہتان اور صریح گناہ اٹھاتا ہے۔

ترکیب: اَرٰىكَ کا مفعول اول کَ اور مفعول ثانی محذوف ہے ای اراکہ یَرْمِ بِهٖ کی ضمیر اِثْمًا کی طرف راجع ہے اور خَطِيْٓئَةً حکم اثم میں ہے اور بعض کہتے ہیں یکسب سے جو کسب سمجھا جاتا ہے اس کی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: پچھلی آیتوں میں جہاد کے اندر نماز کا حال اور پھر جہاد کی ترغیب بیان ہوئی تھی جس سے مخالفوں پر حق و ناحق وقت بے وقت زیادتی کرنے کا خیال عام طبائع میں پیدا ہونے کا احتمال تھا کس لیے کہ عام طبائع میں یہ جبلی بات ہے کہ جب ان کو جنگ کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے تو اپنی طرف سے اور بھی شدت و سختی کرنے کی خواہش کیا کرتے ہیں کیونکہ افراط و تفریط انسان کی طبیعت میں خمیر کی گئی ہے اس لیے اس کے بعد ان آیتوں میں اس بات کی تہدید کی گئی ہے کہ جہاد اور قتال اپنے موقع پر ہے باقی ہر ایک معاملہ میں مومن و کافر یگانہ و بیگانہ کا لحاظ نہیں بلکہ حق اور انصاف کو معاملات میں موافق قانونِ الٰہی یعنی کتاب اللہ کے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان آیات کا مطلب صاف سمجھ میں آنا ایک قصہ یا واقعہ کے سننے پر موقوف ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے گذرا جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور وہ قصہ ان آیات کا سببِ نزول ہے اور وہ یہ ہے کہ مدینہ میں طعمہ[2] بن ابیرق ایک شخص بظاہر مسلمان اور در پردہ خراب آدمی تھا۔ اس نے قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر ایک یہودی[3] کے ہاں رکھ دی۔ اتفاق سے وہ زرہ اس یہودی کے ہاں سے برآمد ہو گئی۔ یہودی نے کہہ دیا کہ میں نے چرائی نہیں بلکہ میرے پاس طعمہ رکھ گیا ہے۔ طعمہ سے پوچھا تو وہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ہرگز نہیں چرائی اور اس میں طعمہ کے بھائی بند اور اکثر مسلمان اس کو مسلمان سمجھ کر مددگار بن کر جھگڑنے لگے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

[1] جو دغا بازی اور خدا کی نافرمانی کرتے ہیں درحقیقت وہ اپنے حق میں برا کرتے ہیں کس لیے کہ اس کا وبال اور انجام کار انہی پر پڑتا ہے۔ ۱۲ منہ

ف: ان آیات میں مدینہ کے منافقوں کی طرفداری و حمایت پر عنایت ہے منافق بڑے چرب زبان تھے ان کی باتوں سے بعض مسلمان ان کی طرف سے وکالت کیا کرتے تھے کہ یہ ایسے نہیں ان کو منع کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قبیلہ بنی ظفر میں سے ہے۔ حقانی

[3] جس کا نام زید بن سمین تھا۔ ۱۲

روبرو بھی یہودی کو ملزم ٹھہرانے لگے اور چوری کی سزا کا وہی بیچارہ مستحق ٹھہرنے لگا۔ چونکہ بظاہر یہودی کے گھر سے مال برآمد ہوا تھا اور یہودی کے قول پر کوئی گواہ یا دلیل بھی نہ تھی کہ طعمہ نے اس کو دی ہے اس لیے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال بھی اس باب میں یہودی کی طرف تھا کہ غالباً اس نے چرائی ہے کس لیے کہ وحی تو ہنوز اس امر میں نازل ہوئی نہ تھی کہ غیب کا حال منکشف ہوتا۔ اس میں قریب تھا کہ یہودی کو قطع ید کی سزا دی جائے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلٰی خَصِیْمًا کہ ہم نے اے نبی آپ کے اوپر قرآن برحق اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق بما ارك الله (ای علمک فیہ) فیصلہ کیا کریں اور خیانت کرنے والوں طعمہ وغیرہم کی طرف سے جوابدہی اور جھگڑانہ کیا کریں بلکہ اس قصد سے وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہِ خدا سے معافی چاہو کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ پھر اس حکم کی تاکید کرتا ہے وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ۔ کہ آپ ان خیانت کاروں کی حمایت نہ کرو (گنہگار یا چور غیر کی تو خیانت کرتا ہی ہے مگر دراصل اپنے نفس کی بھی خیانت کرتا ہے کہ اپنی نعماءِ جنت وعیشِ آخرت کو برباد کرتا ہے) کس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا خدا کو کسی دغاباز خائن گنہگار سے محبت نہیں خوان مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس سے طمع وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ بظاہر اس نے ایک خیانت کی تھی مگر انکار کرنا اور کسی بے جرم پر جرم لگانا یہ بھی خیانت ہے علاوہ اس کے بعض روایات سے ثابت ہے کہ طعمہ ہاتھ کاٹنے کی سزا سے ڈر کر مرتد ہو کر چلا گیا اور پھر وہاں بھی اس نے کسی کے گھر میں نقب لگائی دیوار گر پڑی دب کر مر گیا اس لیے اس کو خوان اثیم کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ آگے ان کی خیانت کے ثبوت میں فرماتا ہے یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ کہ وہ اس امر کو شرم یا ڈر کے مارے چھپاتے ہیں مگر اس سے کیا ہوتا ہے وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ اس پر ہر راز منکشف ہے پھر اس کا ثبوت دیتا ہے وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ کہ جب وہ رات کو ناپسند باتیں بناتے تھے تو وہ ان کے ساتھ تھا بیت کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں اور بیت کے معنی شب گذارنے کے بھی ہیں جس سے اس مخفی بات کی اشارہ ہے جو طعمہ نے زرہ برآمد ہونے کے وقت کی تھی۔ وہ یہ کہ رات کو ایک گوشہ میں بیٹھ کر طعمہ نے اپنے بھائیوں دوستوں سے یہ کہا کہ میں یہودی کے ذمہ لگا دوں گا اور قسم کھا جاؤں گا۔ تم بھی میری اس امر میں اعانت کرنا۔ اس کے بعد عموماً ان مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے جو طعمہ کے اس کی ظاہری دینداری کی وجہ سے طرفدار ہو گئے تھے۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا تم ان کی طرف سے دنیا میں تو جھگڑتے حمایت کرتے ہو مگر فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا قیامت کو کون ان کی طرف سے جھگڑے گا اور کون ان کا وکیل بنے گا۔ (بلکہ کوئی بھی نہیں) جبکہ تہدید فرما چکا تو اس کے بعد توبہ کی طرف ترغیب دلائی جاتی ہے اور ترغیب کے لیے تین جملے کس حکمت بالغہ سے ذکر کیے جاتے ہیں (۱) وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا سوا اس سے مراد بری بات ہے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچی جیسا کہ طعمہ کا فعل چوری اور تہمت اور ظلم نفس سے مراد وہ گناہ کہ جو اپنے نفس سے خاص ہو جیسا کہ زنا وغیرہ اس آیت میں عموماً خدا تعالیٰ بندوں کو اذنِ عام دیتا ہے کہ جو گنہگار ہماری جناب عالی میں معافی چاہے گا تو ہم اس کو معاف کر دیں گے۔

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بعض علماء کہتے ہیں کہ استغفار کے ساتھ توبہ بھی شرط ہے۔ (۲) وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا کہ اے بندے گنہگار تیرے اس گناہ سے ہمارا کچھ ضرر نہیں ہوا بلکہ خاص تیرا ہی ضرر ہے پھر کیوں معافی نہیں چاہتا۔ اگر تو دل میں نادم اور پشیمان اپنے فعل سے ہو گا تو ہم علیم وحکیم ہیں۔ معاف کر دینا ہمارے علم وحکمت کا مقتضا ہے (۳) وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ (ای بذلک الکسب) بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا خطیئۃ گناہِ صغیرہ اثما کبیرہ اس میں اس بات کو جتلایا جاتا ہے کہ گناہ کر کے دوسرے بے گناہ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ طعمہ نے کیا' یہ کوئی برأت کی وجہ نہیں کہ اس سے آدمی عند اللہ اور عند الناس

بری ہو جایا کرے بلکہ اس کی تدبیر وہی تو یہ واستغفار ہے اور یہ جو گنہگار تدبیر سوچتا ہے یہ اس کے حق میں دنیا اور آخرت میں مضر ہے۔ بہتان سے اشارہ دنیا کی ندامت اور اثم مبین سے آخرت کی مذمت کی طرف ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

اور (اے نبی!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت نے تو آپ کے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا اور تم کو تو وہ کیا گمراہ کرتے مگر اپنے ہی آپ کو (گمراہ کرتے) اور نہ وہ تم کو کچھ ضرر بھی دے سکتے ہیں اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور تم کو وہ باتیں سکھائیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے اور (اے نبی!) تم پر اللہ کا بڑا ہی فضل رہا ہے (تمہارے مقابلہ میں) ان کے اکثر مشورے بیکار ہیں مگر اس کا کہ جو خیرات یا نیک بات کا یا لوگوں میں باہم صلاح کرنے کا مشورہ دے اور جو ایسی باتیں خدا کی مرضی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم دیں گے اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرتا اور مسلمانوں کے برخلاف طریقہ پر چلتا ہے تو ہم بھی اس کو اسی رستہ پر چلائیں گے اور اس کو آگ میں لے کر ڈالیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب: لَهَمَّتْ جواب لَوْلَا۔ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ من زائد ہے وشیء بمعنی ضرر ہو کر مفعول مطلق ہے۔ مِنْ نَّجْوٰىهُمْ صفت ہے اِلَّا مَنْ امر استثناء لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ سے ہے نجوی مصدر ہے بمعنی مشورہ اور من ذات اشخاص کے لیے تو استثناء منقطع ہوگا اور یہ بھی بلغاء کے کلام میں بکثرت مستعمل ہے اور نجوی کا اطلاق کبھی مشورہ کرنے والوں پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے اِذْ هُمْ نَجْوٰى اس صورت میں استثناء متصل ہوگا موضع جر میں بھی اور نصب میں بھی۔

تفسیر: اجماع امت کا برحق ہونا: ان آیات میں بھی اسی واقعہ کی طرف بطور تکملہ اور تتمہ کے اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ اگر خدا کا تم پر فضل ورحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے ان میں سے (یعنی طعمہ اور اس کے اقارب نے) اے نبی تم کو بہکا دینے کا قصد ہی کر لیا تھا کہ آپ سے یہودی پر ظلم کرائیں لیکن ہمیشہ اس کا تم پر فضل رہا ہے۔ اس نے وحی اور الہام سے تم کو مطلع کیا اور وہ جو آپ کے بہکانے کا قصد کرتے ہیں دراصل وہ اپنے تئیں گمراہ کرتے ہیں۔ آپ کا کچھ بھی ضرر نہ کر سکیں گے (اس میں آنحضرت ﷺ کی عصمت کی طرف اشارہ ہے۔) اللہ

نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور بہت سے احکام و شرائع جو تم نہیں جانتے تھے تم کو بتلائے۔ اس سے تم پر بڑا ہی فضل رہا ہے۔ حقیقت میں انسان کو خدا کی طرف سے نعمتِ وحی اور الہام اور کتاب و حکمت کا ملنا اور پھر اقتدا پا کر یگانہ بیگانہ میں عدل و انصاف بھی قائم کرنا اور دنیا میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم پر صبر و برداشت کرنا' ایذائیں جھیلنا بھی بڑی نعمت ہے اور بڑا فضل ہے۔ طعمہ اور اس کے اقارب جو اس امر میں خفیہ سرگوشی کیا کرتے تھے جس کو نجویٰ کہتے ہیں اس کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ سرگوشی اور خفیہ باتیں اسلام اور دینِ حق میں کچھ نہیں جو بات ہو کھلم کھلا اور صاف ہونی چاہیے۔ ہاں اگر نجویٰ سے کوئی خیر مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد خیر کی تین [1] قسم ذکر فرماتا ہے جو تمدن اور آخرت کے لیے تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ کس لیے کہ خیر یا دوسرے کو نفع پہنچانے میں ہے یا دفعِ ضرر میں اور خیر یا جسمانی ہے جیسا کہ مال کا دینا اس کی طرف امر بصدقة میں اشارہ ہے یا خیرِ روحانی۔ اس کی دو قسم ہیں تکمیلِ قوتِ نظریہ اور تکمیلِ قوتِ عملیہ یعنی علم و عمل ان کے مجموعہ کی طرف اور معروف میں اشارہ ہے یا دفعِ ضرر کے لیے تو اس کا اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ میں اشارہ ہے۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ ان میں بھی ریاکاری نہ ہو بلکہ خالص لوجہ اللہ یہ باتیں ہونی چاہییں۔ پھر رسول کی نافرمانی اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی کی برائی کا بدنتیجہ بتایا جاتا ہے کہ ایسے شخص کی سزا جہنم ہے جیسا کہ طعمہ نے علیحدگی اختیار کی اور مکہ میں مرتد ہو کر مر گیا۔ اس آیت میں اجماعِ امت کے برحق ہونے کا ثبوت ہے اور یہ کہ اجماع کا مخالف گنہگار ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ
وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

وقف لازم

بے شک اللہ اس بات کو تو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔ وہ مشرکین تو اس کے سوا عورتوں ہی کو پکارا کرتے ہیں اور کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے مگر شیطان مردود کو کہ جس پر خدا

[1] ان تینوں میں نجویٰ اچھا ہے صدقہ میں اس لیے ظاہر کرنے میں لینے والی کو عار ہوگا نیک نصیحت میں اخفاء اس لیے بہتر ہے کہ ظاہر میں اس کی فضیحت ہے اصلاحِ باہمی میں اس لیے کہ ظاہر کرنے میں اتار چڑھاؤ اصلاح کے باعث ہیں فوت ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

نے لعنت کر دی ہے اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک حصہ معین اپنا مقرر کر لوں گا[1] اور یہ کہ میں ان کو گمراہ کر کے ہی رہوں گا اور ان کو جھوٹی[2] امیدیں دلاؤں گا اور حکم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیرا کریں اور ان کو سکھاؤں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلیں اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیا سو وہ تو کھلم کھلا خسارہ میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیا کرتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے جو وعدے ایسے ہوتے ہیں تو صرف دھوکا ہی دھوکا ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہاں سے نکل جانے کا کوئی بھی رستہ نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سو ان کو ہم جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے' اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کون بات کا سچا ہے۔

ترکیب: اَللّٰہَ اسم اِنَّ لَا یَغْفِرُ خبر اِنَّ یُشْرِكُ بِہٖ مفعول ہے یُغْفِرُ کا۔ لِمَنْ کا لام یغفر سے متعلق ہے۔ اِنَاثًا جمع انثی علی فعال ویروا بہ کل مالا روح لہ من الاحجار والاصنام والشمس ویکن ان یقال انہم کانوا یعبدون الخبائث من الشیاطین والارواح الغیر المرئیۃ ویستعینون بھا وینادونھا فی کل شدہ غمرۃ لعنۃ اللہ صفت ہے شیطانًا کی اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو جملہ بدعا کے لیے لَاَتَّخِذَنَّ الخ مقولہ شیطان ہے۔

تفسیر: اگلی آیتوں میں گناہ کی معافی کی طرف اشارہ تھا یہاں اس بات کی تصریح ہے کہ گناہوں میں شرک ایسا سخت گناہ ہے کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ یہ بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا خدا بغیر توبہ کے بھی اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ پھر اس کی وجہ ذکر فرماتا ہے ومن یشرك الخ کہ اس عالم میں ہر ایک عاقل مخلوقات اور اس کے مصنوعات پر غور کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تمام عالم اور اس کل کائنات کا پیدا کرنے والا ایک شخص ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور ہر چیز نبی' ولی' فرشتہ' جن' چاند' سورج اپنی ذات اور کمالات میں ہر دم اسی کے دستِ نگر اور محتاج ہیں۔ پھر جو کوئی ممکنات میں سے کسی کو خدائی میں شریک کرے تو اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو راہِ عقل سے ہزاروں کوس دور پڑا ہے۔ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا سو یہ بغاوت ہے۔ اگر اس سے توبہ واستغفار نہ کرے گا تو یہ جرم ہے۔ ہرگز عفو نہ ہوگا اور ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا کی دوسری وجہ یہ ذکر کرتا ہے۔ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ الخ کہ یہ مشرک دو قسم کے لوگ ہیں۔ بعض تو اپنے بزرگوں اور ملائکہ یا قویٔ مدبرِ عالم کو اپنے نزدیک ایک خالی صورت پتھر یا پیتل یا کسی اور چیز کے بنا کے پوجتے ہیں اور جن کی یہ تصویریں ہیں ان کو بوقتِ پرستش یا بوقتِ دعا حاضر جانتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں کہ تصویر یا بت تو نہیں بناتے بلکہ جن' بھوت' ملائکہ' ارواح' غیر مرئیہ کو عالم کا مدبر کارکن سمجھ کر ان کی پرستش کرتے اور نذر و نیاز کر کے ان کو پکارتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔ سو اول گروہ کی نسبت فرماتا ہے اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا کہ وہ بتوں کو پکارتے ہیں یعنی جن کو وہ حاضر سمجھ کر پکارتے ہیں' وہ کہاں ہیں؟ یہ تو انہیں بتوں کو پکار رہے ہیں عرب کے بت پرست اپنے خیالی معبودوں کو عورتوں کے نام سے نامزد کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ لات اللہ کی تانیث اور عزیٰ عزیز کی تانیث ہے، حسن کہتے ہیں کہ عرب میں ہر ایک قبیلہ کا ایک بت تھا جس کو وہ انثی کہتے تھے۔ انثی بنی فلاں اور اس کو عائشہ کی وہ قرأت کہ جس میں انثا کی جگہ اوثانا ہے ہندوستان میں بھی کالی بھوانی لاٹوں والی بہت سی عورتیں پوجی جاتی ہیں۔

دوسرے گروہ کی نسبت فرماتا ہے وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا کہ وہ گو اپنے نزدیک ان ارواحِ غیر مرئیہ جن' بھوت' ملائکہ کو

---

[1] باوجود خدا کے بندے ہونے کے شیطان کے ہی حکم بردار ہوں گے۔ ۱۲

[2] شیطان جہاں بنی آدم کے دل میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ پیدا کرتا ہے ایسا کرو گے تو یوں ہوگا فلاں معبود کو پکارو گے تو رستگاری کرے گا۔ اولاد اور مواشی میں ان کی نذر و نیاز کرو گے تو برکت ہوگی۔ اسی قسم سے تھا جو وہ مکہ کے کافروں کے دل میں ڈالتا تھا کہ بتوں کی نذر و نیاز کے لیے جانوروں کے کان چیر ڈالتے تھے اور داغ دے کر ان کی شکل بگاڑ دیتے تھے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہ بتوں اور غیر اللہ کے نام سے مخصوص ہو جائیں۔ اب بھی جاہلوں بلکہ جاہل مسلمانوں میں بھی ایسے ہی دستور ہیں صرف یہ ہے کہ بتوں کی جگہ صلحاء واولیاءِ کرام کے نام سے ایسا کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

پوجتے ہیں اور حاضر اور موجود جانتے ہیں مگر وہاں بجز شیطان کے جس پر خدا نے لعنت کی ہے اور نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی ان لوگوں کو کوئی بات معلوم ہو جاتی ہے سو وہ بھی اسی کے کرشمے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شیطان کے چند اقوال نقل کرتا ہے۔ اس کی مذمت کے لیے خواہ یہ بات شیطان نے زبانِ حال سے کہی ہو خواہ زبانِ مقال سے اسی وقت میں کہی ہو جبکہ وہ آدم علیہ السلام کے سجدہ نہ کرنے سے راندہ گیا تھا۔

(۱) لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا فرض لغت میں قطع کو کہتے ہیں جس سے مراد مقدارِ معین ہے یعنی میں بندوں میں سے ایک جماعتِ معین کو اپنے حصے میں لے لوں گا وہ میرے کہنے پر چلیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اس کے وسواس اور خطرات کی پیروی کرتے ہیں۔

(۲) وَلَاُضِلَّنَّهُمْ یعنی لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کر دوں گا۔

(۳) وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ کہ میں ان کے دلوں میں طرح طرح کی آرزوئیں اور امیدیں دلاؤں گا اور جب انسان کے دل میں اس قسم کی بے جا آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں تو ان سے حرص اور طولِ امل پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو اخلاقِ ذمیمہ پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی حرص اور خواہشیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ یہ دونوں وصف انسان کے اندر نہایت بد اور تمام گناہوں کا سرچشمہ ہیں۔ کس لیے کہ طولِ امل کی وجہ سے دل میں اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مجھے اس دارِ فانی سے کوچ بھی کرنا ہے۔ اس پر اس کے دلی امیدوں کا محیط ہونا جو کسی کو ساری عمر حاصل نہ ہوئی ہیں نہ ہوں گی۔ اس کو خلق کی ایذا رسانی، جھوٹ، ظلم، دغا بازی وغیرہ باتوں میں مبتلا کرتا ہے کیونکہ یہ جانتا ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو میری یہ آرزو حاصل ہو جائے پھر اس کے دل میں نہ کسی کا وعظ اثر کرتا ہے نہ کوئی عبرت ناک بات اثر کرتی ہے۔

(۴) وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ بتک کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ بولتے ہیں سیف باتک اے قاطع یعنی لوگوں کو سکھاؤں گا کہ وہ بتوں کی قربانی کے لیے جانوروں کے کان کاٹا کریں گے۔ عرب کے بت پرستوں میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ اپنے خیالی معبودوں کی نذر و نیاز اور قربانی کے لیے جانوروں کے کان کاٹ ڈالتے تھے اور یہ فعل اللہ کی نظر میں نہایت فسق اور ناپاک تھا۔

(۵) وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کہ میں ان کو یہ بات بھی سکھاؤں گا کہ وہ مخلوقِ الٰہی کو متغیر کریں گے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول سعید بن جبیر و سعید بن المسیب و حسن و ضحاک و مجاہد سدی کا قول ہے کہ تغیر خلق اللہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے ہر ایک انسان کی اصل فطرت میں راستی اور توحید پیدا کی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ومامن مولود الا یولد علی الفطرۃ الحدیث کہ ہر شخص اصلی حالت میں فطرت پر پیدا ہوتا ہے جس کو اسلام کہا جاتا ہے مگر پھر شیطانی خیالات اور قوتِ وہمیہ کی وجہ سے وہ کفر و بدعت میں پڑ کر مخلوقِ الٰہی میں تغیر کر دیتا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مراد حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینا ہو۔ دوم اس کو ظاہر معنی پر محمول کرے۔ اس سے یہ مراد لی ہے کہ انسان میں تغیر یہ ہے کہ جینے کی امید سے اس کے کان یا ناک چھیدتے تھے اور عورتیں تزئین کے لیے بالوں میں چٹلا لگاتی تھیں۔ دانتوں کو ریت کر باریک و مہین کرتی تھیں۔ مرد کو خصی کرتے تھے۔ خواجہ سرا بناتے تھے۔ اس میں ڈاڑھی منڈانا بھی آ گیا اور جانوروں کے کان چیرتے تھے اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ارواحِ بشریہ اس عالم میں بطور سفر کے اس لیے آئے ہیں کہ کمالات حاصل کر کے پھر اس عالمِ قدس میں جا ملیں۔ اب غضبانی اور شہوانی اور وہمانی باتوں سے روح کو تیرہ و ناپاک کر دینا تغیر خلق اللہ ہے۔

ان باتوں سے شیطان کی غرض ضرر اور مرضِ دینی پیدا کر دینا ہے سو وہ غالباً یا تشویش سے یا نقصان یا بطلان سے ہوتا ہے۔ پس تشویش کی طرف ولا منینھم میں اشارہ ہے کیونکہ جس کے دل میں اس قسم کی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ رات دن اسی تشویش میں ہوتا ہے کہ کسی طرح ان کو حاصل کروں اور یہی مرض روحانی ہے اور نقصان کی طرف فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ میں اشارہ ہے اور بطلان کی طرف

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ میں اشارہ ہے کس لیے کہ تغیر سے وہ وصف جو مقصود ہوتا ہے باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے وہ بڑے خسارہ میں رہتا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر شیطان کو یار بنانا یہ ہے کہ اس کے وسواس پر عمل کرنا الہامِ الٰہی کی طرف متوجہ نہ ہونا اور نقصان کی وجہ ظاہر ہے کہ عالمِ آخرت میں اس کا انجام ابدی جہنم ہے۔ اس کے بعد ان امانی دفع کرنے کا علاج بتلاتا ہے اور اس کی حقیقت پر تنبیہ کرتا ہے کہ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا غرور دھوکے کو کہتے ہیں مثلاً کوئی کسی چیز کو لذیذ اور شیریں سمجھ کر منہ میں ڈالے اور وہ نہایت بدمزہ اور تلخ نکلے۔ سو اسی طرح کے یہ شیطانی وعدے ہیں جو شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ تو دنیا کے فراہم کرنے میں کوشش کر سو وہ عمر ضائع کرتا ہے مگر پھر بھی سب باتیں حاصل نہیں ہوتیں اور جو ہوئیں موت کے وقت ان کی مفارقت سے نہایت رنج والم ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے نہ قیامت ہے نہ خدا نہ کوئی اعمال پر جزاء وسزا ہے۔ رسول صرف لوگوں کے سمجھانے کے لیے یہ باتیں بنایا کرتے ہیں۔ پھر جب مرنے لگتا ہے تو ہر ایک بات کو رسول کے کہنے کے موافق دیکھتا اور حسرت کرتا ہے۔ اس کے بعد اہلِ ایمان اور خدا کے فرمانبرداروں کی عمدہ خوبیاں فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ الآیہ کہ یہ لوگ وہاں عالمِ خلد میں ہمیشہ سرور وراحت پاویں گے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا
يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۲۳ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ
مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
نَقِيْرًا ۝۱۲۴ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝۱۲۵ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝۱۲۶ ع

ع ۱۵ / ۱۸

نہ تو تمہاری ہی آرزوؤں پر کچھ موقوف ہے نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں پر کچھ منحصر ہے (بلکہ) جو کوئی برائی کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور نہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی اپنے لیے حمایتی پائے گا اور نہ مددگار اور جو کوئی نیک عمل کرے گا (خواہ وہ) مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو گا سو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور (ان پر) تل برابر ظلم نہ کیا جاوے گا اور اس سے کس کا بہترین دین ہو سکتا ہے کہ جس نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا ہو اور وہ نیکی بھی کئے جاتا ہو اور وہ ملتِ ابراہیم کا جو یکطرفہ تھا پیرو بھی ہو اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ (ہی) کے قابو میں ہر چیز ہے۔

ترکیب: لَيْسَ کا اسم اور خبر دونوں محذوف اور بِاَمَانِيِّكُمْ خبر سے متعلق ہے ای لیس الامر منوطا بامانیکم۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ جواب وَلَا يَجِدْ معطوف ہے یجز پر۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بیان ہے من کا وَمَنْ مبتداء اَحْسَنُ ممیز دِيْنًا تمیز مِمَّنْ متعلق ہے اَحْسَنُ افضل التفضیل سے وَهُوَ مُحْسِنٌ جملہ حال ہے فاعل اسم سے وَاتَّبَعَ معطوف ہے اَسْلَمَ پر پھر یہ سب مجموعہ خبر ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ان لوگوں سے شیطان جو کچھ وعدہ کرتا ہے فریب کا کرتا ہے۔ عام ہے کہ

شیطان سے ابلیس مراد یا قوت وہمیہ اور اس کے وعدوں میں خیالات باطلہ کہ جو ہر ایک قوم میں خلاف حق چلے آتے ہیں مثلاً عیسائیوں میں یہ ہے کہ تمام گناہ حضرت مسیح علیہ السلام اٹھا کر لے گئے۔ اب ہم شریعت اور حلال حرام کی قید سے آزاد ہیں۔ اسی طرح یہود میں یہ تھا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور خدا کے پیارے بیٹے ہیں۔ نجات اور ہر ایک قسم کی کرامات کے ہم ہی مستحق ہیں یا ہندوؤں میں مشہور ہے کہ برہمن خدا کے گھر اور مکتی کے مالک ہیں اور چار قوم برہمن، چھتری، بیش، شودر کے علاوہ سب ملیچھ یعنی نا قابل نجات ہیں یا مشرکین کے خیالات تھے کہ ہمارے یہ معبود ہم کو نجات دیں گے خواہ ہم کچھ ہی کیوں نہ کریں یا یہ خیالات کہ نہ حشر ہے نہ دوزخ نہ جنت نہ ثواب وعقاب یا بعض اہل اسلام کے یہ خیالات تھے کہ گو ہم کبائر کے مرتکب ہوں ہم پر کچھ سرزنش نہ ہوگی۔ اسلام کی وجہ سے ہم کو کچھ ضرر نہ ہوگا جیسا کہ مُرجیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فیصلے کے طور یہ فرمایا ہے کہ نہ کچھ تمہارے خیالات پر ہے نہ اہل کتاب کے جو کوئی گناہ کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور اس سزا کے روکنے میں نہ ان کا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار نہ مسیح علیہ السلام نہ موسیٰ علیہ السلام نہ کوئی اور جو کوئی کسی قوم کا ہو نیکی کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو اس کو جنت ملے گی اور ان کے اجر سے کچھ بھی کم نہ کیا جاوے گا۔ حقیقت میں یہی ایک بات انصاف اور قانونِ عقل کے موافق قرآن اور مذہب کے برحق ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ خدا جب تمام عالم کا خدا ہے تو اس کو اپنے تمام بندوں سے نسبت مساوی ہے۔ انہیں حق اور روح افزا تعلیموں کی تلوار نے چند روز میں اگلے مذہب کو سرنگوں کر دیا اور مشرق سے مغرب تک قومیں کی قومیں اپنے مذاہبِ باطلہ سے توبہ کر کے اسلام قبول کرتی گئیں اور جبکہ نجات اور حیاتِ ابدی کا مدار ایمان پر ٹھہرایا تھا جو دراصل دینِ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد دینِ اسلام کے برحق ہونے پر دو دلیل کس لطف کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جن کو تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج کو انکار کی مجال نہیں۔ اول دلیل عقلی مقدماتِ یقینیہ پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ ہر ایک دین کے دو جزو ہوتے ہیں۔ اول عقائدِ صحیحہ توحید و نبوت و معاد کے متعلق دوم اعمالِ صالحہ عبادات و خیرات وصلہ رحمی۔ پس جس دین میں یہ دونوں جزو موجود ہوں اس کے برحق ہونے میں کیا کلام ہے اور اسلام میں یہ دونوں ہیں۔ اول کی طرف مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ میں اشارہ ہے اور دوسری کی طرف وَهُوَ مُحْسِنٌ میں اشارہ ہے۔ یہ دو کیا مختصر سے جملہ ہیں کہ جن میں سینکڑوں باریک معانی رکھے ہیں مثلاً اسلم وجہ للہ میں یہود و نصاریٰ و مشرکین کی طرف ایک لطف کے ساتھ الزام ہے کہ وہ خدا کے آگے سر نہیں جھکائے ہوئے ہیں بلکہ کہیں مسیح کو خدا کہتے ہیں، کہیں عزیر کو کہیں کسی اور کو دوسری دلیل مقدماتِ مسلمہ اہلِ کتاب و مشرکینِ عرب پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ تھے جن کو بلفظِ خلیل تعبیر کیا ہے اور ان کا مذہب برحق تھا۔ اب ہر شخص اپنے مذہب کو اسی کے مطابق کر کے دیکھے کہ کون موافق اور کون مخالف ہے اور اسلام کی بنیاد سراسر انہیں سچے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اسی دلیل کی طرف وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا میں اشارہ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کا وصف حنیف اور خلیل بیان فرما کر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ کچھ خدا کے کارکن یا بیٹے نہ تھے کہ احتیاج کی وجہ سے ان کو خلیل بنایا تھا بلکہ محض ان کی عبودیت کی وجہ سے اس بات کی طرف لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الخ میں اشارہ فرما دیا۔

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور (اے نبی!) وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں اور ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کا تم کو کتاب میں سنایا جاتا ہے جن کا حق تو تم ادا کرنا نہیں چاہتے اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور بیکس بچوں کے حق بھی (وہی) حکم دیتا ہے (جو سنایا جا چکا ہے) اور یہ بھی حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں کی کارگزاری انصاف سے کرتے رہو اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو سو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

ترکیب: وَمَا يُتْلٰى معطوف ہے فِيْهِنَّ کی ضمیر[1] پر ای ويفتى فى مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ میں فی یتلی سے متعلق ہے اور فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ ای فی حکم یتمی النساء بھی یتلی سے متعلق ہے کس لیے کہ دونوں کے معنی مختلف ہیں اول ظرفیہ ثانی بمعنی الباء یتمی النساء میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کر دیا ہے وَتَرْغَبُوْنَ حال ہے وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ معطوف ہے ضمیر مجرور پر جو فیھن میں ہے وَاَنْ بھی اسی پر معطوف ہے بغیر اعادۃ الجار وذلک جائز عند الکوفیین۔

تفسیر: قرآن مجید میں یہ ایک پر اثر بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ کچھ احکام بیان فرما کر اس کے بعد ترغیب و ترہیب، وعدہ وعید اور جلالِ کبریائی کی آیتیں نازل ہوتی ہیں تاکہ مخاطب کو ان کے احکام کا نیک نتیجہ اور دنیا و آخرت میں تعمیل کا عمدہ ثمرہ معلوم ہو کر رغبت ہو اور نیز اس حکم دینے والے کی عظمت بھی دل پر پڑے۔ اس لیے اس سورہ کے اول میں چند احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر ان کے بعد ترغیب و ترہیب اور نیز کفار و منکرین کی عدولِ حکمی کا بدنتیجہ اور عالم آخرت کی خوبیاں اور ذاتِ باری اور اس کے صفاتِ کاملہ کا ذکر فرما کر پھر احکام بیان فرماتا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں نہ عورتوں کو حصہ دیا کرتے تھے اور نہ ان یتیم لڑکیوں کا (جن کے وہ ولی وارث بن کر ان سے مال و جمال کا خیال کر کے آپ نکاح کر لیتے تھے) پورا حق ادا کرتے تھے اور نہ ان کو اور لوگوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے تھے نہ خود برضاء و رغبت ان کا نکاح اس شخص سے کرتے تھے کہ جس سے ان کو رغبت ہو۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ فرماتا ہے کہ اے نبی وہ مسلمان تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ دریافت کرتے ہیں۔ چنانچہ عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت ہم تو اس کو حصہ دیا کرتے تھے جو لڑائی میں شریک ہوتا تھا۔ اب عورتوں کا حکم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تم کو عورتوں کے لیے بھی حصہ دینے کا فتویٰ یعنی حکم دیتا ہے اور جو کچھ کتاب یعنی قرآن میں ان یتیم عورتوں کے بارے میں تمہیں سنایا گیا کہ جن سے تم نکاح کی تو رغبت رکھتے ہو مگر ان کا حق و مہر پورا نہیں دیتے اور بیکس بچوں کے بارے میں بھی وہی حکم دیتا ہے جو پڑھ کر تم کو سنایا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یتیموں کے بارے میں عدل کرو اور اس کے سوا جو نیکی کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہو گی کیونکہ وہ ہر ایک چیز سے واقف ہے۔ حاصل مطلب آیت یہ ہے کہ اللہ تم کو عورتوں کے لیے میراث کا فتویٰ یعنی حکم دیتا ہے اور قرآن میں پہلی آیتوں میں یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں جو کچھ تمہیں سنایا گیا یا اب سنایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم یتیموں کے حق میں عدل و انصاف اور بہتری ملحوظ رکھو۔ یہی خدا تعالیٰ کا فتویٰ یعنی حکم ہے۔ اس کی پابندی کرو۔ پہلے احکام کو (جو اسی سورہ نساء میں یتیموں کے حق میں نازل ہو چکی ہیں) یاد دلاتا ہے کہ ان پر عمل کرو جس طرح کوئی کسی سے کوئی بات پوچھے اور وہ اس کے در جواب یہ کہہ دے کہ اس کا وہی جواب ہے جو ہم پہلے دے چکے۔ سورہ نساء میں وہ حکم بیان ہو چکے ہیں اور یہاں

ف: عموماً عورتوں سے نکاح اور ان کی میراث کا بھی حکم پہلے بیان ہو چکا اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم بھی بیان ہو چکا۔ فرماتا ہے کہ اب نئی بات اور کیا پوچھتے ہیں۔ سب احکام ان کے موافق بیان کر دیے گئے۔ ان پر عمل کرو اور صغیر بچوں اور یتیموں کے معاملہ میں ان کے کاروبار اگر تم ان کے ولی ہو انصاف و ایمانداری سے کرتے رہو اور تنبیہ کر دی کہ جو کچھ تم نیک کام کرتے ہو خدا سے مخفی نہیں۔ ۱۲ منہ

[1] بعض کہتے ہیں مرفوع ہے بسبب ابتداء کے۔ ۱۲ منہ

بھی مجملاً اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ فرماتا ہے اور اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ جو کچھ تم نیکی اللہ کے واسطے کرو گے اس کا وہ تمہیں اجر دے گا یہ نہ سمجھو کہ یہ اس کو معلوم نہیں کیونکہ وہ ہر بات جانتا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے رغبتی سے ڈرے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ باہم کچھ مصالحت کر لیں اور صلح بہتر (چیز) ہے اور ہر ایک شخص کے ساتھ لالچ حاضر کیا گیا ہے (یعنی لالچ انسان کی جبلی بات ہے) اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو اللہ کو تمہارے (سب) عمل معلوم ہیں اور تم عورتوں کے حقوق میں ہرگز برابری نہ کر سکو گے۔ بڑے حرص کیا کرو پھر بالکل ہی پھر نہ جاؤ کہ اس کو اس طرح چھوڑ رکھو کہ گویا اُدھر میں لٹکتی ہے اور اگر تم اصلاح اور پرہیز گاری کرو تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے اور اگر وہ دونوں الگ ہو جاویں گے (تو) ہر ایک کو اللہ اپنی فراغ دستی سے غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا، حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَاِنْ شرطیہ اِمْرَاَةٌ مبتداء خَافَتْ خبر اور صحیح یہ ہے کہ امراۃ خافت محذوف کا فاعل ہے اور یہ خافت اس کی تفسیر ہے۔ فَلَا جُنَاحَ جواب۔ اُحْضِرَتِ کا مفعول اول اَلْاَنْفُسُ ہے جو فاعل بنایا گیا اور اَلشُّحَّ مفعول ثانی۔

تفسیر: عورتوں کے حقوق کا ذکر پہلی آیات میں آ چکا ہے اس لیے یہاں بھی ان کے بعض معاملات میں حکم دیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد بدمزاج سخت گیر ہوتا ہے اور غالباً یہ سخت گیری اور بدمزگی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ عورت اپنے حقوق اور مہر وغیرہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدمزاجی اور بے اعتنائی کا خوف ہو تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ باہم کچھ حقوق چھوڑ کے مصالحت کر لی جائے کس لیے کہ انسانی جبلت ہے کہ وہ بخل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مرد کو دینا ناگوار معلوم ہوتا ہے جب دینے میں کمی کی جاوے گی تو باہم رضامندی ہو جانا ممکن ہے مگر اس کے ساتھ مردوں کو تنبیہ کر دی کہ حقوق زائل کرنے کے بعد پھر وہی بدمزاجی اور اعراض نہ کریں وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا کہ اگر تم احسان اور نیکی کرو اور حق تلفی میں خدا سے ڈرتے رہو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ کس لیے کہ خدا کو جو کچھ تم کرتے ہو معلوم ہے۔ دوسری بات موجب اعراض و بدمزگی یہ ہوتی ہے کہ مرد کو عورت کی صورت یا عمر کے سبب بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں دوسری عورت سے لگاؤ کرنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے مگر پہلی بیوی کو چھوڑنا جس سے ایک عرصہ تک گھرداری کی ہے اور اس کے بال بچے بھی ہیں ایک سخت دلی اور بڑی خانہ خرابی اور بے لطفی بھی ہے اس کی نسبت بضرورت تعدد ازواج کی ضمناً اجازت تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ دو عورتوں میں حقوق کی مساوات لازم

ہے اور یہ تم سے ہونی مشکل ہے۔

حقوق کی برابری: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کہ متعدد عورتوں میں تم سے برابری رکھنا ہرگز نہ ہو سکے گا گو کہ تم کو دوسری عورت کی حرص ہوا کرے پھر ایسا نہ ہو کہ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ کہ تم ایک ہی کے ہو رہو اور دوسری کو اُدھر میں لٹکا ہوا رکھ چھوڑو نہ تو اس کو طلاق ہی دو نہ اس کے حقوق ادا کرو۔ پس وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا اگر پہلی بیوی سے باہم مصالحت کرلو اور حق تلفی کرنے سے خدا سے ڈرو تو خدا معاف کرنے والا ہے تمہاری بے اعتنائی اور حق تلفی کو جو اس عرصہ میں تم سے ہو چکی معاف کر دے گا۔ وہ مہربان بھی ہے اس کو عورتوں اور ان کی اولادِ صغار پر رحم آتا ہے اور خیر اگر پہلی بیوی سے بحسنِ سلوک پیش ہی نہیں آسکتے تو ہر روز تکرار و باہمی حقوق تلفی سے تو یہی بہتر ہے کہ بمجبوری طلاق ہو جائے۔ خدا ہر ایک کا کارساز ہے۔ مرد کو اور عورت کو بھی اپنے فضل و کرم سے مستغنی کر دے گا۔ خدا کے ہاتھ بڑی وسعت ہے۔ وہ حکیم بھی ہے۔ اس طلاق میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ملحوظ ہے۔ شاید مرد کو اس سے بہتر عورت مل جائے اور عورت کو اس سے بہتر مرد مل جائے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور البتہ ہم نے جن کو تم سے پہلے کتاب دی ہے ان کو اور (خاص) تم کو (بھی) بتاکید کہہ دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تم کافر ہو جاؤ گے (تو اس کو کچھ بھی پروا نہیں کیونکہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ بے پروا خوبیوں والا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور کارسازی کے لیے اللہ ہی بس ہے۔ لوگو! اگر خدا چاہے تو تم کو سمیٹ لے جائے اور دوسروں [1] کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر (بھی) ہے جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا بدلہ موجود ہے اور اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) دیکھتا ہے۔

ترکیب: وَاِيَّاكُمْ معطوف ہے الَّذِيْنَ پر۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ بیان ہے وصیت کا اور ب محذوف ہے۔ اِنْ شرطیہ يَّشَاْ کا مفعول محذوف ہے يُذْهِبْكُمْ جواب اور يَاْتِ اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: یہاں واسع ہونے کی دلیل اور کلمہ سابق کا تتمہ ہے وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اسی کا ہے۔ اس کو کس چیز کی کمی ہے اور اسی جملہ کو وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الآیہ کے لیے تمہید اور دلیل بنا کر اور اپنی عظمت و کبریائی بتا کر یہ بات بتلاتا ہے کہ

---

[1] عربوں میں جب دولت و سلطنت کے سبب وہ بات نہ رہی تو ترکوں کو اسلام کا حامی کھڑا کر دیا اور جانے اب کس قوم کو حامی بناتا ہے۔ ۱۲ منہ

کچھ تمہیں کو شریعت اور احکامِ الٰہی پر چلنے کا حکم نہیں ہوا ہے بلکہ تم کو اور جو تم سے پہلے اہلِ کتاب ہیں ان کو بھی خدا سے ڈرنے کا (جو تمام شریعت اور احکامِ الٰہی پر چلنے کے لیے محرک ہے) ہم نے بتاکید حکم دیا ہے اور پھر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم شریعت پر چلنے اور خدا سے ڈرنے کا خاص تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہے (کیونکہ جن چیزوں میں روحانی اور جسمانی اور تمدن کے بارے میں سینکڑوں مصالح ہیں ان کو فرض وواجب کیا ہے اور جن میں ہزاروں دنیاوآخرت کی خرابیاں ہیں ان کو حرام ومکروہ قرار دیا ہے) ورنہ اللہ کو کچھ بھی پروانہیں ۔ نہ تو اس کو اس بات کی پروا ہے کہ تمہاری اطاعت سے اس کی شوکت وحکمت بنی رہے گی کس لیے فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے ہر شے پر اس کا قبضہ ہے اور نہ اس بات کی کہ اس میں اس کا کوئی ذاتی نفع ونقصان ہے ۔ کس لیے کہ کَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا وہ اپنی ذات وصفات میں کسی کا بھی محتاج نہیں بلکہ سب خوبیاں اس کو بلاتو سطِ غیر حاصل ہیں اور تم یہ بھی غرور دل میں نہ کرو کہ ہم ہی پر خدا کی فرمانبرداری اور تسبیح وتقدیس کا انحصار ہے ۔ اگر ہم نہ کریں گے تو پھر اور کوئی اس کی فرماں برداری نہ کرے گا یا اس کے اسرارِ ربوبیت ظاہر نہ ہوں گے کیونکہ للہ مافی الخ یعنی وہ بڑا قادر اور کارساز ہے ۔ ایسی صورت میں وہ تم کو نیست ونابود اور ایک ایسی قومِ فرمانبردار پیدا کرسکتا ہے کہ جو اس کی شریعت اور اس کے رستوں پر دل سے چلے گی وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ۔ اس میں ضمناً اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دینِ الٰہی اور اس کے جلالِ کبریائی زمین پر ظاہر کرنے میں کسی قوم اور کسی شخص پر انحصار نہیں ۔ جب بنی اسرائیل نے ازحد نافرمانی کی تو اس نے ان کو پامال کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کے تابعداروں کو اور حواریوں کو سرفراز کیا ۔ پھر جب انہوں نے طرح طرح کی بدعتیں اختیار کیں اور شریعت سے انحراف کیا تو عرب کے ریگستان میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور ایسی قوم سے کہ جو ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر تھی روم وایران کی سلطنت کو برباد کرا کے روئے زمین پر آسمانی سلطنت کو نور افگن کر دیا ۔ پھر فرماتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ صرف دنیا ہی کی بھلائی نہ سمجھنی چاہیے جو کسی وقت دنیا حاصل نہ ہو تو اس سے روگردانی کرو بلکہ اس کا نتیجہ ثوابِ آخرت بھی ہے ۔ خلوصِ نیت تم کو لازم ہے ۔ وہ تمہاری باتیں سنتا' تمہارے کام دیکھتا ہے کلام میں کیا خوبیاں ہیں ۔

اول وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ کے بعد وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کر کے اپنا واسع الجود اور واسع الکرم ہونا ثابت کر دیا ۔

دوم وَاِنْ تَکْفُرُوْا کے بعد وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کر کے یہ بات بتلائی (اس کو کسی کی طاعت وعبادت سے نہ کچھ نفع ہے ۔ اگر تمام عالم متقی اور دیندار ہو جاوے تو اس کی خدائی میں ذرہ بھر بھی ترقی اور اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں نہ اس کو کسی کے کفر اور بت پرستی اور فسق وفجور سے کچھ نقصان ہے ۔ اگر تمام جہان کے لوگ کافر ومشرک وفاجر ہو جاویں تو اس کے جلالِ کبریائی کا ذرہ بھر بھی نقصان نہیں ۔ اس سے مقصود ہے کہ خدا کی شریعت اور احکامِ نبوت صرف بندوں کی بھلائی اور فائدۂ دارین کے لیے ہیں ۔ پھر اس سے اغماض کرنا اور سرتابی اور سرکشی کو شیوہ بنانا محض حماقت ہے ۔ مثلاً کوئی مریض حکیم کے حکم کو نہ مانے اور بد پرہیزی کرے تو حکیم کا کیا نقصان کرتا ہے اپنی ہی جان پر ظلم وستم کرتا ہے ۔

خدا کی نافرمانی کر کے کوئی قوم سرسبز نہیں رہی ہے ۔ یوں تو ہر زمانہ کے لوگ دنیا کی تمام خوبیاں اپنے ہی زمانہ میں منحصر جانتے آئے ہیں مگر آگے بھی بہت سربلند قومیں اس سرزمین پر جاہ وجلال کے پرچم اڑا چکی ہیں جن کے آثارِ باقیہ اور حیرت انگیز یادگاریں دنیا کو حیرت دلا رہی ہیں اور اپنے بنانے والوں کی چندروزہ بقاء پر اشکِ حسرت بہا رہی ہیں ۔ ان کا جب فسق وفجور حد سے متجاوز ہوا غیب سے ایک ایسی بلا آئی کہ جس کا ان کو سان وگمان بھی نہ تھا نہ کوئی شخص ان کے عروج واقبال کو دیکھ کر یہ خیال کرسکتا تھا کہ کبھی یہ قوم اس قدر بلندی سے

اتنے عمیق گڑھے میں پھینکی جائے گی مگر خدا کا قہر جلدی نہیں کرتا اس مہلت پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔

سوم۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ کے پیشتر وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کر کے شریعت سے انحراف کے بدنتیجہ کو مدلل کرتا ہے اور جب کہ ایک دلیل چند مدلولات پر دلالت کرے تو بہ نسبت اس کے اس کو ایک بار ذکر کیا جاوے۔ یہ بہت خوبی رکھتا ہے کہ مکرر لایا جاوے۔ ایک مدلول کے لیے ایک بار وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کیا۔ پھر دوسرے مدلول کے لیے اسی کو ذکر کیا۔ پھر تیسرے مدلول کے لیے اسی کلمہ کا اعادہ فرما کر کلام کو حسن وخوبی میں یکتا کر دیا۔ کس لیے کہ جب ایک بار یہ کلمہ ذکر کیا گیا اور اس سے ایک مطلب یعنی صفتِ باری تعالیٰ مخاطب کے ذہن میں آئی اور پھر اسی کلمہ سے دوسرے مقام پر دوسری صفت اور تیسرے مقام پر تیسری صفت ذہن نشین ہوگئی تو ذہن میں یہ بات بھی پیدا ہوگی کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا سینکڑوں اسرارِ جلیلہ اور مطالبِ شریفہ پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کی ذات وصفات کے لیے دلائل ڈھونڈے تو گویا یہ ان کے لیے ایک بے نہایت خزانہ ہے اور جبکہ وہ یہ جانے گا تو خواہ مخواہ اس میں غور وفکر کرے گا جس سے مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف مشغول ہونا پایا جاوے گا اور کتبِ سماویہ سے اصل غرض بھی یہی ہے۔

واضح ہو کہ قانونِ شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کے لیے تین باتیں نہایت مناسب ہیں۔ (۱) اپنی ذات کا استغناء کہ اس میں ہمارا فائدہ نہیں بلکہ تمہارا ہے۔ (۲) عدولِ حکمی کا بدثمرہ (۳) عمل کرنے کا نیک نتیجہ۔ سو اول بات کو وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا میں دوسرے کو اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ الخ میں تیسرے کو فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الخ میں بیان فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ
اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾

ایمان والو انصاف قائم کرنے کے لیے خدا کی طرف کے گواہ بنے رہو اور گو تمہاری شہادت خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی غنی یا فقیر ہے تو اللہ خود ان کا کارساز ہے (ان کی رعایت نہ کرو) پھر تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو اور اگر تم دبی زبان سے گواہی دو گے یا انکار کرو گے تو بے شک اللہ بھی تمہارے کام سے خبردار ہے۔ مسلمانو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو پہلے نازل کر چکا ہے ایمان لاؤ اور جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کیا تو وہ بہت ہی دور بھٹک گیا۔

ترکیب: قَوّٰمِیْنَ ای قائمین خبر اول كُوْنُوْا بِالْقِسْطِ خبر سے متعلق شُهَدَآءَ لِلّٰهِ خبر ثانی ولو عَلٰۤى متعلق ہے فعل محذوف سے ای ولو کانت

الشہادۃ علی انفسکم اِنۡ یَّکُنۡ اس کا اسم محذوف ہے ای المشھو دعلیہ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا جملہ شرط فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِھِمَا جواب اَنۡ تَعۡدِلُوۡا مفعول لہ تقدیرہ مخافۃ ان تعدلوا عن الحق اور ممکن ہے کہ فی مقدر ہو ای فی العدل وان مصدر یہ ہو۔

تفسیر: اس آیت سے پیشتر بہت سے احکامِ شریعت مذکور ہوئے تھے اور درمیان میں ان احکام پر عمل کرنے کی نئی نئی خوبیوں سے تاکید بھی تھی مگر یہاں دو باتیں بعد میں ایسی ذکر کیں جو شریعت پر چلنے والے کے لیے بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں یا بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں کہ ان کے بغیر انسان اس رستہ کو طے نہیں کر سکتا۔

(اول) کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ قوام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قائم کے لیے اور قسط بالکسر عدل یعنی عدالت کو خوب قائم رکھو۔ یہ ایک ایسا عام لفظ ہے کہ جس میں دنیاوی معاملات' خانہ داری اور آپس کے تمام برتاوے اور کل معاملات اپنے اور بیگانہ کافر و مومن' حیوان و انسان کے متعلق اور دینی معاملات سخاوت' رضا' تسلیم' صبر جن کی تفصیل سورہ فاتحہ میں ہوئی شامل ہیں اور درحقیقت جب انسان کے اندر صفتِ انصاف آ جاتی ہے تو اس کی طبیعت اس کو خواہ مخواہ ان آسمانی قوانین پر چلنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔

(دوم) شُھَدَآءَ لِلّٰہِ کہ اللہ کے گواہ بنے رہو دینی اور دنیاوی معاملات میں خدا کے لیے شہادت ادا کرو۔ نیک کو نیک اور بد کو بد کہو اور جو سچی بات ہو اس کے بیان کرنے میں کچھ بھی پروا نہ کرو' خواہ اس میں تمہارا نقصان ہو یا والدین یا کسی قرابت مند کا ہو اس میں امیر و غریب کی کچھ بھی رعایت نہ کرو بلکہ اللہ کی رعایت رکھو چونکہ شاہد کے لیے یہ ضرور ہے کہ عادل ہو اس لیے قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ کو مقدم کیا۔

اقوام میں بالقسط اور شہداء للہ کے معنی سے بظاہر اعمالِ صالحہ کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے حالانکہ اس میں نظریات اعنی تکمیلِ عقائد کی بھی بہت ضرورت تھی اس لیے اس کے بعد یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ الخ بھی فرمایا اس میں تین چیزوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے (۱) اللہ پر یعنی اس کی ذات و صفات پر (۲) اس کے رسولوں پر جو اس کے وسائط ہیں (۳) کتابِ خاص یعنی قرآن اور اس سے پیشتر جو کتابیں خدا نے انبیاء پر نازل کی ہیں۔ چونکہ انبیاء اور کتابوں پر ایمان لانا اس بات کا مستلزم تھا کہ انسان ملائکہ پر بھی جو انبیاء اور اللہ میں واسطہ ہیں ایمان لائے اور اسی طرح قیامت پر جو دارالجزاء ہے اس لیے ان کا ذکر نہ کیا مگر احتمال تھا کہ کوئی ماؤل تاویل کر کے انکار کر دے تو دوسرے جملہ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ الخ میں ان تینوں چیزوں کے ساتھ ان دونوں کو ملا کر یہ کہہ دیا کہ جو ان چیزوں کا انکار کرے گا کافر اور گمراہ ہوگا۔

فائدہ: ۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا پھر ایمان کا حکم دینا یا آئندہ ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے یا یہ کہ جو تقلیداً ایمان لائے ہیں ان کو تحقیقاً ایمان لانا چاہیے یا اس سے مراد منافقین و یہود ہیں کہ بظاہر اپنے تئیں ایماندار کہتے تھے ان کو نئے سرے سے ایمان لانے کا حکم ہوتا ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَھُمۡ وَلَا لِیَھۡدِیَھُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰہُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾

جولوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر (ہی) میں بڑھتے چلے گئے تو خدا (بھی) ایسا نہیں کہ ان کو بخش دے اور ان کو راہِ راست دکھائے (اے نبی!) منافقوں کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیجئے (اور) ان کو کہ جو ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو یار بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں سو عزت تو سب اللہ ہی کے پاس ہے حالانکہ وہ تم پر کتاب میں یہ بات بھی نازل کر چکا ہے کہ جب تم آیاتِ الٰہی کا انکار ہوتے یا ان سے ٹھٹھہ کرتے سنو تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جب تک کہ وہ اور کسی بات میں نہ لگیں (ورنہ) اس وقت تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ گے ضرور اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کر دے گا (اور) ان کو جو تمہارے لیے برائی کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر خدا کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کے لیے (فتح) نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آئے تھے اور تم کو مسلمانوں سے نہ بچا لیا تھا۔ پھر اللہ ہی تم میں قیامت کے دن تمہارا اور ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہرگز اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غلبہ کا) کوئی رستہ پیدا نہ کرے گا۔

ترکیب: بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا اسم لَهُمْ خبر مجموعہ متعلق ہے بَشِّرْ سے اَلَّذِیْنَ صفت ہے اَلْمُنٰفِقِیْنَ کی اَن مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ای انہ اِذَا سَمِعْتُمْ فعل بافاعل اٰیٰتِ اللّٰہِ مفعول یُكْفَرُ بِهَا جملہ حال ہے اٰیٰتِ اللّٰہِ سے یُسْتَهْزَاُ بِهَا اس پر معطوف مجموعہ شرط فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ جواب مجموعہ خبر ان اپنے اسم وخبر سے مل کر مفعول ہوا انزل کا اذا بلغا ہے کیونکہ ان کے اسم کم اور خبر مثلھم میں واقع ہے اور اسی لیے اس کے بعد فعل نہیں آیا۔ نستحوذ برخلاف قیاس مستعمل تھا۔ اسی طرح پر آیا اور قیاس نستحذ ہے۔

تفسیر: یہ بھی آیتِ سابق کا تتمہ ہے کہ ایمان لا کر اس پر ثابت قدم رہنا چاہیے نہ کہ کبھی ایمان لے آیا۔ پھر کسی غرض سے کافر ہو گیا۔ پھر جو کچھ مصلحت معلوم ہوئی مسلمانوں میں مل گیا۔ پھر کسی غرض سے کافر ہو گیا اور پھر کفر میں ترقی کرتا گیا۔ ان کی سزا فرماتا ہے کہ خدا ان کو معاف نہیں کرے گا اور نہ ان کو راہِ حق کی ہدایت کرے گا۔ مفسرین کے اس آیت میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ سے یہود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اول بار تورات اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر چند مدت کے بعد ملک کنعان میں غیر قوموں کی صحبت سے بت پرستی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں ایمان لائے۔ بت پرستی چھوڑی۔ دین پر قائم ہوئے۔ پھر عزیر علیہ السلام کے بعد سے لے کر مسیح علیہ السلام تک کفر میں پڑے رہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ کا انکار کر کے اور بھی زیادہ کفر میں ترقی کر گئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے منافقین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اول ایمان لائے پھر دل میں نفاق پیدا کر کے کافر ہو گئے۔ پھر جہاں شوکتِ سلام دیکھی ایمان لے آئے۔ پھر جب کوئی شکست یا تکلیف دیکھی پھر گئے۔ میں کہتا ہوں اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کے دل پر

نورِ ایمان کی تجلی نہیں پڑی۔ ایمان اور کفر کو انہوں نے ایک ہلکی سی بات سمجھ رکھی ہے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر ہو گئے اور ہنوز یقین کا آفتاب ان کے دل پر پرتو افگن نہیں ہوا۔ وہ ظلماتِ شکوک میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ کبھی ایمان اور کبھی کفر میں پڑ گئے خواہ یہود ہوں خواہ منافق یا کوئی اور کہ جس کے دل میں ایمان کی وقعت نہ ہو اور وہ ادنیٰ سبب سے ایمان سے برگشتہ ہو جائے۔

لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ اگر کوئی کہے کہ بغیر توبہ کے تو کوئی کفر بھی معاف نہیں ہوتا خواہ ایمان ملا کر کفر اختیار کرے یا نہ کرے پھر اس قید کی ضرورت کیا ہے اور توبہ کے بعد تو شرع میں ہر ایک قسم کا کفر معاف ہے خواہ ہزار بار مرتد ہو کر اسلام لائے۔ ایمان مقبول ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ کفر مراد ہے جس سے توبہ نہ ہو اور ان لوگوں سے وہی لوگ معین مراد ہیں کہ جو شقی ازلی ہیں جن کا علمِ الٰہی میں بغیر توبہ کے مرنا لکھا ہے اور ان کا یہ ذکر اس لیے ہے کہ ایسے لوگ کہ جو جلدی سے کفر اور ایمان اختیار کر لیتے ہیں ان کے نزدیک ایمان کی چنداں وقعت و عظمت نہیں ہوتی اور ایسے شخص غالباً کفر ہی کی حالت میں مرتے بھی ہیں۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ الخ اس میں منافقین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو دنیا کے مقابلہ دین کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ کبھی کرسٹان کبھی مسلمان۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ الخ میں ان منافقوں کا شیوہ بیان فرماتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کا جاہ و حشم دیکھ کر ان سے جا ملتے ہیں اور ان کو اس لیے یار بناتے ہیں کہ ہم کو عزت و شوکت حاصل ہوگی۔ مدینہ کے منافق ایسا کیا کرتے تھے۔ یہود کے پاس جا کر اسلام سے نفرت اور اس پر تمسخر کرتے تھے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ ان باتوں سے یہ مخالفین ہم کو اپنا سچا دوست سمجھ کر ہماری عزت کیا کریں گے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا کہ عزت تو خدا کے ہی ہاتھ ہے۔ جس کو وہ ذلیل کرنا چاہتا ہے کوئی بھی اس کو عزت نہیں دے سکتا۔ چنانچہ ایسے لوگ ہمیشہ ان کی نظروں میں بھی ذلیل و حقیر ہی رہتے ہیں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کے ہاں یہ عزت تلاش کر رہے ہیں ان کو بھی ذلت ہو جائے گی اللہ اور اس کے مطیعوں کے لیے عزت برقرار رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مخالفین کی شوکت خاک میں مل گئی۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ مکہ میں بھی ہجرت سے پہلے مشرکین اپنی مجلسوں میں قرآن کی نسبت کفر بکتے اور ہنسی کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو اس بارے میں وہاں جانے کی بابت یہ حکم آیا تھا۔ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ کہ تم وہاں سے اٹھ کر کھڑے ہوا کرو۔ پھر جب مسلمان اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے احبار نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا (اور یہ بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء اور ان کی باتوں پر قہقہہ اڑایا کرتے ہیں)۔ اس پر خدا تعالیٰ منافقوں سے جو ان کی خوشامد کے لیے اس مضحکہ میں شریک ہوتے تھے یہ فرماتا ہے کہ ہم پہلے بھی اس بارہ میں حکم دے چکے ہیں کہ جہاں کہیں خدا کی آیات پر ہنسی ہوتے دیکھو تو وہاں سے اٹھ جاؤ ورنہ تم بھی ان کے ساتھ کفر میں شریک ہو مگر جو بے بسی سے اٹھ نہ سکے تو وہ معذور ہے مگر دل میں ناراض ہونا شرط ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ یہ ان منافقین کا دوسرا حال ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح اور کامیابی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی تھے۔ ہمیں بھی اس میں سے حصہ دو اور اگر کافروں کو کوئی دنیاوی کامیابی یا اسلام پر غلبہ پانے کا موقع ملتا ہے یعنی جب وہ کامیاب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو ہم تم پر قابو پا سکتے ہیں مگر پھر بھی ہم نے تمہاری مدد کر کے مسلمانوں کو تم سے روک دیا سو اس میں ہم کو بھی شریک کرو یعنی دونوں سے ملے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ہم اس بات کا قیامت میں فیصلہ کر دیں گے اور آئندہ وعدہ فرماتا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر خدا کبھی سبیل یعنی غلبہ کی حجت اور فتح میں کوئی رستہ نہ نکالے گا (بشرطیکہ مسلمان اسلام پر قائم رہیں)

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ

ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ

الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا

الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ

بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(اے نبی!) بے شک منافق (اپنے نزدیک) تو خداکوفریب دے رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں کودھوکا دے رہا ہے اور جبکہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے دل سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو تو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔اس میں (یعنی کفروایمان میں) متردد ہیں نہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی ہی طرف اور جس کو خدا گمراہ کرے سوتم (اے نبی!) اس کے لیے راستہ نہ پاؤ گے۔ایمان والو ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام قائم کر لینا چاہتے ہو۔بے شک منافق آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے اور تم کو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ملے گا مگر ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی اور وہ سنور گئے اور اللہ کو مضبوط پکڑ لیا اور وہ اللہ کے خالص فرمانبردار بھی ہو گئے سو وہ تو ایمانداروں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ ایمانداروں کو اجرِ عظیم دے گا۔اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ قدردان خبردار ہے۔

ترکیب: وَهُوَ خَادِعُهُمْ جملہ حال ہے اللہ سے' كُسَالٰى حال ہے فاعل قَامُوْا سے' اسی طرح يُرَآءُوْنَ النَّاسَ بھی حال۔ مُذَبْذَبِيْنَ منصوب علی الذم ہے اور ممکن ہے کہ فاعل يَذْكُرُوْنَ سے حال ہو ہمزہ استفہام انکاری تُرِيْدُوْنَ کا ضمیر اَنْتُمْ فاعل اَنْ تَجْعَلُوْا سُلْطَانًا مُّبِيْنًا مفعول اول جعل اللہ ثابت کے متعلق ہو کر مفعول ثانی او العکس یہ جملہ مفعول ہے تُرِيْدُوْنَ' کا مِنَ النَّارِ حال ہے اَلدَّرْكِ الْاَسْفَلِ سے۔مَا يَفْعَلُ ما میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ استفہام کے لیے ہو اور یفعل کا مفعول واقع ہو کر محل نصب میں ہو' بِعَذَابِكُمْ متعلق ہے يَفْعَلُ سے دوم یہ کہ ما نافیہ ہو المعنی لایعذبکم

تفسیر: یہ آیات بھی پہلی آیت کا تتمہ ہیں۔ان میں منافقین کے اوصاف باقی ماندہ بتلاتا ہے تاکہ انسان کو ان اوصاف سے اجتناب کرنے کا خیال رہے اور یہ جانے کہ منافق کسی کی ذات نہیں جس میں یہ وصف ہیں وہی منافق ہے (۱) اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ الخ کہ وہ لوگ ایمان اور ظاہری طاعات کو خلوص اور امیدِ ثواب کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں میں شریک ہونے کے لیے اور دنیا کے لیے کرتے ہیں جس سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کو فریب دے رہے ہیں۔گو ان کا یہ خیال نہ ہو مگر اس قسم کی کارروائی اس علام الغیوب کے روبرو اسی بات کو ظاہر کرتی ہے

اور اس کا وبال چونکہ خدا کی طرف سے ان پر دنیا و آخرت میں پڑنے والا تھا اس لیے [1] خادعھم فرمایا یعنی یُخَادِعُوْنَ خَادِعُھُمْ بطور استعارہ کے بولے گئے ہیں۔ (۲) وَاِذَا قَامُوْا الخ کسالی بضم الکاف وفتحہا جمع کسلان بمعنی سست جیسا کہ سکران کی جمع سکاریٰ آتی ہے چونکہ منافقوں کو نماز سے نہ آخرت میں امید ثواب تھی نہ ترک سے خوف عقاب بلکہ ظاہرداری تھی۔ سو ایسے کام میں قطعاً سستی اور کاہلی ہوا کرتی ہے اس لیے اس کو سستی سے ادا کرتے تھے۔ نماز میں سستی کئی طور سے ہوتی ہے۔ وقت پر جماعت سے نہ پڑھنا' مکروہ اوقات میں بلا رعایت شروط پڑھنا اور رکوع و سجود و قیام و قرأت میں خشوع و خضوع ملحوظ نہ ہونا یوں ہی ٹھونگیں مارنا۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں اسی طرح نماز پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' پھر کر پڑھ تو نے نہیں پڑھی۔ اسی طرح کئی بار اس نے پڑھی اور آپ نے فرمایا۔ آخر آپ نے سمجھایا کہ اس طرح سے پڑھ اہل حقیقت کے نزدیک نماز میں اگر سراسر حضور قلب اور محویت نہ ہو تو نماز نہیں۔

(۳) یُرَاءُوْنَ النَّاسَ کہ وہ یہ نماز اور یہ سب باتیں ریاکاری یعنی لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں اور خدا کو کم یاد کرتے ہیں۔ کم یاد کرنے سے یہ مراد کہ نماز میں صرف تکبیرات تو پڑھتے ہیں ورنہ چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں یا نماز ہی کم پڑھتے ہیں۔ جب لوگوں کے ساتھ ہوئے تو پڑھ لی اور گھر میں ندارد۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ نماز کے باہر رات دن بجز دنیاوی باتوں کے منہ سے ذکر الٰہی نہیں نکلتا۔ اب بھی سینکڑوں لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ اگر آپ چند روز بھی ان کے پاس رہیں تو بجز دنیا کے بکھیڑوں کے اللہ کا ذکر نہ سنئے گا۔

(۴) مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ یعنی وہ حیرت اور رشک میں ہیں۔ جب اسلام کی روشنی دکھائی دے جاتی ہے تو اسلام کو حق جان کر اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور جب کسی ظاہری مصیبت اور فقر و فاقہ کی گھٹا اور اندھیری آ جاتی ہے تو اس کے فوائد پر نظر نہیں کرتے۔ اس کے اندیشوں کی گرج اور کڑک سے انکار کی انگلی گوش قبول و یقین میں رکھتے ہیں۔ بلاشک جب تک انسان کو نور یقین حاصل نہ ہو وہ آندھی میں پر کی طرح ادھر ادھر اڑتا پھرتا اور ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ یہ سخت بلا ہے۔ واہ رے یقین تیرے کیا کہنے ہیں!

بدرو یقین پردہ ہائے خیال
نماند سرا پردہ الا جلال

بلاشک جو اس تردد کے بیابان میں پڑا تو ایسا ہی گمراہ ہوا کہ اس کا کوئی ہادی نہیں وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا سے یہی مراد ہے۔ خدا اس وادی پرخار سے بچاوے جبکہ خدا منافقوں کے اوصاف بیان کر چکا تو اس کے بعد مسلمانوں کو ان کی عادت سے صراحۃً منع فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ تم کفار کو دوست نہ بناؤ اور نہ ان منافقوں کو منہ لگاؤ کیونکہ یہ اللہ سے محبت نہیں رکھتے۔ ان کی محبت تم کو غفلت اور دنیا کی خواہش کی طرف کھینچے گی اور ایک دل دو طرف نہیں رہتا۔ خدا سے غافل ہو جاؤ گے اور جب یہ ہوگا تو تم پر محبت الٰہی میں الزام قائم ہوگا۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد منافقوں کا انجام بتلاتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ درک بسکون الراء اور بعض کے نزدیک بفتح الراء بھی ہے۔ زجاج اس کو فصیح کہتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں درک کی جمع ادراک جیسا کہ جمل اور اجمال ادراک بھی جمع ہے جیسا کہ فلس کی افلس اور کلب اکلب درک کے معنی قعر اور نہایت کے ہیں جیسا کہ دریا کی تہ۔

---

[1] وہ تو اپنے زعم میں خدا کو بعض کہتے ہیں لفظ رسول محذوف ہے یعنی رسول خدا کو فریب دے رہے ہیں یا بطور استعارہ کے ان کے حرکات کو فریب سے تعبیر کیا اور خدا جو ان کو اس بدفعلی کی سزا دے رہا یا قیامت میں دے گا اس کو بطور استعارہ کے یا بطور مشاکلت کے خادعھم سے تعبیر کیا۔ الفاظ کے لفظی معنی پر اعتراض کرنا بے عقلی ہے۔ ۱۲ منہ

اور وجہ اس کی کہ منافق جہنم کی سب سے نیچے کی تہ میں ہوں گے یعنی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے یہ ہے کہ کفار چونکہ ظاہر و باطن سن کر اور مخالف ہیں۔ ان سے اس قدر اسلام کو مضرت نہیں جس قدر کہ ان سے ہے۔ دیکھئے بہت سے ایسے خبیثوں سے جو در پردہ کافر و بے دین اور ظاہر میں مسلمان ہیں کس قدر اسلام کو مضرت پہنچی ہے۔ ہزاروں بدعتیں انہیں کی ایجاد ہیں۔ تاویلات رکیکہ کر کے یہی قرآن کو الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ تمام قرآن مجید میں یہ بات مرعی رکھی گئی ہے کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور وعدہ کے بعد وعید۔ اس لیے اپنی رحمت کاملہ سے اس کے بعد ان کے لیے توبہ کی ترغیب اس پر معافی کا وعدہ دیتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مگر چار باتیں شرط ہیں۔ اول تابوا کہ صدق دل سے توبہ کرے۔ دوم وَاَصْلَحُوْا کہ نیک وقتی اختیار کریں جو کچھ علم و عمل میں فساد ہے اس کی اصلاح کریں۔ سوم وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ کہ اللہ کو مضبوط پکڑیں یعنی اس کے دشمنوں اور دین کے مخالفوں کو چھوڑ کر اس کی ذات پر تکیہ کریں۔ چہارم وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ کہ خلوص اور صدق نیت پیدا کریں کیونکہ تمام چیزوں کا مدار اسی پر ہے۔ اُن چار اوصاف ذمیمہ کے مقابلہ میں یہ چار اوصاف حمیدہ بیان فرمائے۔ پھر اس کے بعد ان کو برابر کی جماعت میں داخل کرتا ہے فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس کے بعد یہ بھی ظاہر فرماتا ہے کہ بندہ کو جو کچھ عذاب ہوگا اس کے اعمال بد کی وجہ سے ورنہ ہم نے اپنی مخلوق کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ ہم خواہ مخواہ ان کو عذاب کریں یا ہم کو ان سے دلی نفرت ہے بلکہ اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو ہم تمہیں عذاب کر کے کیا کریں گے؟ اور جو کوئی کچھ بھی نیکی کرتا ہے تو ہم قدر دانی کرتے ہیں۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾

خدا کو بری بات کا ظاہر کرنا پسند نہیں آتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ (خود خوب) سنتا جانتا ہے اگر تم نیکی کو ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ یا کوئی برائی معاف کر دو تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) قدر دان ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفرقہ کریں اور (یہ) کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان ایک اور راستہ نکالیں (سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہ کیا (سو) ان کو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کا اجر دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: بِالسُّوْٓءِ، اَلْجَھْرَ سے متعلق ہے ای لایحب اَنْ یَّجھر بالسوء مِنَ الْقَوْلِ بیان ہے السوء کا اِلَّا مَنْ استثناء منقطع ہے موضع نصب میں

بعض کہتے ہیں متصل ہے ای لایحب ان یجھر بالسوء احد مَنْ ظُلِمَ فلا باس علیہ ان یخبر عن ظلم ظالمہ ویدعوا علیہ عندالحکام حَقًّا مفعول مطلق ای حق ذلک حقا اور ممکن ہے کہ حال ہو ای اولئک ھم الکافرون غیر شک۔

تفسیر: منافقوں اور گنہگاروں کو توبہ واستغفار کرنے اور خدا کی طرف رجوع کرنے کا اس خوبی اور عمدہ پیرایہ سے بیان ہوا تھا کہ جس سے طبائع سلیمہ پر عمدہ اثر پڑتا ہے مگر بعض لوگ ان کے ایمان لانے اور خدا کی طرف رجوع کرنے کے بعد بھی ان کے عیوبِ گذشتہ بیان کر کے طعن وطنز کیا کرتے تھے اس لیے طعن وتشنیع کرنے والوں کی زبان بند کی جاتی ہے کہ لَایُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ الخ کہ خدا کو برائی کا افشا کرنا اور کسی کے عیوب ظاہر کرنا پسند نہیں مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ اس کے ظلم وستم بیان کرے کیونکہ بغیر بیان کرنے کے چارہ بھی نہیں مگر در اصل اب بھی ان میں کوئی بات بدباقی ہے تو خدا خود سمیع علیم ہے اور کو مناسب نہیں کہ اس کی عیب جوئی کرے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خود بھی اپنے گذشتہ عیوب کا بوقتِ توبہ اقرار واظہار کرایا جاتا ہے کیونکہ خدا خود جانتا ہے۔ وہ ستار ہے اب توبہ کے بعد یہ بات ضرور باقی رہتی کہ اس پر کسی کے حقوق تھے یا اس نے لوگوں پر ظلم کئے تھے۔ ان کے انتقام ومطالبہ کی بابت فیصلہ فرماتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا کہ اگر تم کوئی نیکی ظاہر کر کے کرو بشرطیکہ ریاکاری مقصود نہ ہو تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو یا تم ان توبہ کرنے والوں کی برائیاں معاف کر دو تو بہتر ہے کس لیے کہ خدا بھی غفور ہے اور اس کے انتقام لینے پر بھی قادر ہے۔ پھر جب تم کسی کو معاف نہیں کرتے تو آخر تم بھی خدا کے گناہوں سے پاک نہیں۔ قدیر کا لفظ کس لطف کے ساتھ معافی کی رغبت دلا رہا ہے جس میں تہدید کی شان بھی ہے۔ اس لئے بعد پھر ڈھیٹ اور آپ کے سیاہ کاروں کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے کہ اپنی برائی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ الخ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر رہے ہیں اور خدا اور اس کے رسولوں میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور وہ تفرقہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم بعض رسولوں کو تو مانیں گے یعنی انبیاء بنی اسرائیل کو۔ کیونکہ وہ ہمارے ہیں بعض کو نہیں جو ان کے غیر ہیں۔ خصوصاً نبیِ عربی کو کس لیے کہ یہ گنوار عربوں کے نبی ہیں ہم کو ان کی حاجت نہیں اور یہود تو حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی نہیں مانتے اور ایک اور میانہ راستہ جداگانہ پیدا کرنا چاہتے ہیں سو وہ مومن اور نیکوکار نہیں بلکہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا وہ یقینی کافر ہیں جن کے لیے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے اس میں یہود ونصاریٰ کا رد ہے جن کو منافقینِ مدینہ اپنا پیرو مرشد اور ان کو انبیاء سلسلہ کا کلید بردار سمجھ کر ان باتوں کو بہت کچھ مانتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں حقیقی مومنوں کی مدح اور ان کا نیک نتیجہ بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور برابر سب کو برحق مانتے ہیں تفرقہ نہیں کرتے وہ صرف حقیقی مومن ہی نہیں بلکہ ان کو ہم بہت جلد ان کے ایمان اور نیکوکاریوں کا نیک بدلہ دیں گے اور ان کی لغزشوں کو بھی مٹا ڈالیں گے کیونکہ ہم غفور رحیم بھی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ خدا جرم کی سزا دینے پر مجبور ہے جیسا کہ آریہ اور عیسائیوں کا کفارۂ مسیح علیہ السلام کے معاملہ میں اعتقاد ہے تو انہوں نے خدا کو اس صفت سے معرا کر دیا جو ایک بڑا ہی نقص ہے۔

یَسْـَٔلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾

(اے نبی) اہلِ کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لادیں سو وہ تو اس سے (بھی) بڑھ کر موسیٰ سے سوال کر چکے ہیں (جبکہ انہوں نے یہ) کہا تھا کہ ہم کو کھلم کھلا خدا دکھا دے پھر تو ان پر ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی آ پڑی۔ پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑا بنالیا۔ پھر ہم نے یہ بھی معاف کر دیا تھا اور موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ دیا۔

ترکیب: یَسْئَلُكَ کا فاعل اَھْلُ الْکِتَابِ کَ مفعول اول اَنْ تُنَزِّلَ جملہ بتاویل مصدر مفعول اَکْبَرَ ثانی صفت ہے مفعول محذوف کی ای سالوا اشیاء اکبر من ذلک جَهْرَةً عیانا۔

تفسیر: گذشتہ آیات میں اہلِ کتاب کے افعالِ زشت کی مذمت تھی کہ وہ رسولوں میں تفرقہ کرتے ہیں۔ بعض پر ایمان اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔ اس پر اپنے آپ کو مقدس ایماندار بھی سمجھتے تھے۔ ان آیات میں ایک دوسری جہالت بیان کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ یہودِ مدینہ معجزات و آیاتِ بینات دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تھے اور عناد سے یہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبیِ برحق ہیں تو ایک بار آسمان سے کوئی کتاب اتر وا دیجئے جس طرح کہ یکبارگی موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے الواح یعنی تختیاں خدا کے ہاں سے لکھوا کر لائے تھے۔ غالباً اس سوال کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے (بقول شخصے خوے بدرا بہانہ بسیار) کہ قرآن مجید مصالح اور اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ہم نے متعدد مقام پر ذکر کیا ہے حسبِ حاجت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کی بھی یہ صورت تھی کہ جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے قلب پر القا کرتے تھے۔ سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ پھر آپ ان آیات کو لوگوں کو سناتے اور کاتبوں سے لکھوا دیتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ سن رکھا تھا کہ وہ پہاڑ سے لکھوا کر تختیاں لائے تھے جن کو سب بنی اسرائیل نے آنکھ سے دیکھا جس لیے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ آسمان سے لکھی لکھائی کوئی کتاب کیوں نہیں نازل ہوتی۔ چونکہ یہ سوال صرف سرکشی کی وجہ سے تھا اور عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ایسے سوالوں پر ان کی خواہش پوری نہیں کی جاتی اس لیے یہ جواب دیا گیا کہ ان کی عادت میں یہ سرکشی ہمیشہ سے چلی آتی ہے کیونکہ اس سے پیشتر انہوں نے یعنی ان کے بزرگوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا کہ ہم کو کھلم کھلا خداوند دکھلا دو (جب ایمان لائیں گے) حالانکہ خدا کھلم کھلا ان آنکھوں سے دیکھنا کسی بشر کی بھی قدرت نہیں لیکن یہ سوال بھی محض سرکشی سے تھا۔ اس لیے غضبِ الٰہی نازل ہوا بجلی گر پڑی۔ (یہ ماجرا کوہِ طور پر واقع تھا اس کی تشریح سورہ بقرہ کی تفسیر میں دیکھو) پھر فرماتا ہے کہ جبلی کج طبعوں کو کوئی معجزہ فائدہ نہیں دیتا۔ ازلی گمراہ معجزات دیکھ کر بھی ویسے ہی گمراہ اور بدکار رہتے ہیں۔ دیکھو ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ باوجودیکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مصر میں اور مصر سے نکل کر سفر میں دیکھے۔ تختیاں بھی دیکھیں پھر بھی اس کے بعد سب سے بڑھ کر گمراہی اختیار کی یعنی بچھڑا بنا کر پوجا مگر ہم نے اس پر بھی ان کو معاف کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو سلطان مبین عطا کی تھی۔ وہی ان کی نبوت و رسالت کی مسکت دلیل تھی۔ اگرچہ سلطان مبین کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ کوئی معجزات کہتا ہے کوئی حکومت و غلبہ بتاتا ہے لیکن دراصل سلطان مبین نبی کی ایک خاص شان ہوتی ہے جس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے جس لیے مخلوق ان کے حکم میں آجاتی ہے۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے دی تھی۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی سلطان مبین خاتم المرسلین ﷺ کو دی گئی ہے۔ جس سے عرب جیسے وحشی، متکبر، سفاک خود بخود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں ورنہ ان کے پاس کونسا لشکر و خزانہ تھا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ جس سے وہ دن کے اندھے نہیں دیکھتے اور لکھی لکھائی کتاب آسمان سے اترنی چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس میں بھی صد ہا نکتہ چینیاں کرتے۔ اب ایسے رسول کا انکار اور تفرقہ موجب نار نہ ہو تو کیا ہوگا۔

فائدہ: کسی نبی پر کوئی کتاب آسمان سے اس طرح نازل نہیں ہوئی جیسا کہ یہود نے سوال کیا تھا بلکہ الہام کے ذریعہ سے نازل ہوئی

ہیں۔ وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور سے لائے تھے تورات نہ تھی بلکہ ان پر دس حکم لکھے ہوئے تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں لکھوا دیا تھا۔ واللہ اعلم

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ‌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۙ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۢ ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۵۸﴾

اور ہم نے ان سے عہد مستحکم لینے کے لیے ان پر کوہِ طور بلند کیا اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ (شہر کے) دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے جانا اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت عہد بھی لے لیا تھا پھر ان کی عہد شکنی اور آیاتِ الٰہی کے انکار کرنے سے اور ناحق انبیاء کو قتل کرنے کی وجہ سے (ان پر قہر نازل کیا) اور اس قول سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردی تھی۔ اس لیے وہ کمتر ہی ایمان لاتے ہیں اور ان کے کفر سے اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے سے اور ان کے اس کہنے سے (بھی) کہ مسیح بن مریم رسولِ خدا کو ہم نے قتل کر ڈالا حالانکہ نہ اس کو انہوں نے قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو اس کا کچھ بھی یقین نہیں بلکہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور انہوں نے اس کو قطعاً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَرَفَعۡنَا معطوف ہے اٰتَيۡنَا پر۔ اَلطُّوۡرَ مفعول رَفَعۡنَا کا فَوۡقَهُمۡ ظرف بِمِيۡثَاقِهِمۡ متعلق ہے رَفَعۡنَا سے ای بسبب اخذ المیثاق علیہم فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ ما زائدہ ہے اور ب سببیہ متعلق ہے محذوف سے ای لَعَنَّاهُمۡ بسبب نقضہم اور ممکن ہے کہ حرمنا سے متعلق ہو جو تین آیات کے بعد واقع ہے اور فَبِظُلۡمٍ بدل ہے اس نقضہم سے۔ مِيۡثَاقَهُمۡ مفعول ہے نَقۡضِهِمۡ کا وَكُفۡرِهِمۡ وَقَتۡلِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ معطوف ہیں نَقۡضِهِمۡ پر وَبِكُفۡرِهِمۡ بھی مگر یہاں اعادہ جار کر دیا گیا وَقَوۡلِهِمۡ اور وَقَوۡلِهِمۡ اِنَّا بھی اسی پر معطوف ہیں۔ بُهۡتَانًا حال ہے قَوۡلِهِمۡ سے وقیل مصدر اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ استثناء متصل ہے یَقِيۡنًا صفت ہے محذوف کی ای قتلاً یقیناً وقیل مصدر من غیر لفظ الفعل۔

تفسیر: یہ بھی آیاتِ سابقہ کا تتمہ ہے۔ اس میں یہود کی جہالتیں اور اس پر جو ان کو سزائیں ہوئی ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے: (۱) جب ان سے اس بات پر عہد لیا گیا تھا کہ تم میرے سارے حکموں پر چلنا اور انہوں نے پہلوتہی کی تو کوہ طور ان پر اٹھایا گیا۔ (۲) ان کو شہر اریحاء فتح

ہونے کے وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس نعمت کے شکریہ میں جب شہر کے دروازوں میں سے گذرو تو جھکتے اور عاجزی کرتے ہوئے جانا' تکبر نہ کرنا۔ انہوں نے اس کے برخلاف کیا۔ (۳) سبت کی تعظیم کا اور اس روز کاروبار نہ کرنے کا حکم مؤکد دیا تھا اور اس پر ان سے سخت عہد بھی لیا تھا مگر انہوں نے سبت کی تعظیم نہ کی۔ داؤد علیہ السلام کے عہد میں اس پر ان کو سزا ملی۔ ان واقعات کی تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔

اس کے بعد وہ جوان پر وقتاً فوقتاً مصیبتیں نازل ہوئیں (جیسا کہ فلسطیوں کا ان پر غالب آنا' تابوتِ سکینہ کا چھن جانا کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ ہو کر بندر کی شکل بن جانا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں واقع ہوا اور پھر بخت نصر اور دیگر بادشاہوں کے ہاتھ سے قوم اور ملک اور یروشلم کا برباد ہونا سلطنت اور اقبال کا جانا غیر قوموں کے ہاتھ میں قیدی اور غلام بننا وغیرہ۔ حوادث جن کی تفصیل تاریخِ بنی اسرائیل میں ہے۔) ان کا سبب بیان فرماتا اور ان نالائق حرکتوں کو بتا کر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ خاندانی شریر ہیں۔ اے نبی تم سے سرکشی کرنا کچھ نئی بات نہیں۔ منجملہ ان نالائق حرکات کے (۱) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ہے۔ یہ سب سے اول گناہ عظیم ان سے سرزد ہوا کہ انہوں نے اپنے اس عہد کو جو موسیٰ علیہ السلام کے روبرو کیا تھا' توڑ ڈالا۔ عہدِ احکامِ شرع کے بجالانے کا اور توحید پر قائم رہنے کا تھا اور یہ عہد انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھی توڑا جو بچھڑا پوجا اور ان کے بعد ملکِ شام میں آ کر غیر قوموں کی صحبت سے بھی جبکہ وہ بت پرستی اور زنا کرنے لگے اور تورات کو پس پشت ڈال دیا تھا ان واقعات کی تشریح کتابِ تاریخ اور کتابِ سموئیل میں موجود ہے۔

(۲) كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد یا تورات کی آیات ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا قضاء وقدر کی وہ نشانیاں جو ہمیشہ اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ آسمان اور چاند اور سورج رات دن کا بدلنا پھر زمین کی چیزیں کہ کس ڈھنگ سے پیدا ہوتی اور نشوونما پاتی اور پھر فنا ہو جاتی ہیں جن میں غور وفکر کرنے سے انسان کو اپنی سعادت کا رستہ ملتا ہے۔ سو بنی اسرائیل نے اپنے اسی بت پرستی اور بدکاری کے زمانہ میں ان تینوں معنی کی آیت سے انکار اور کفر کیا۔ یہ بھی ان کتابوں سے بخوبی ثابت ہے۔

(۳) وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ بنی اسرائیل میں جب بت پرستی اور بدکاری نے رواج پایا اور سینکڑوں برس یہی حالت رہی کہ کبھی کسی نبی اور نیک بادشاہ کی نصیحت اور کوشش سے درستی پر آ گئے پھر چند روز بعد انبیاء کو ناحق قتل کر کے پھر ویسے ہی سرکش ہو گئے۔ سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنتِ بنی اسرائیل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک سلطنت جس کو اسرائیل کی سلطنت کہا جاتا تھا اس کے اکثر بادشاہ سخت بے ایمان اور بت پرست بدکار گذرے ہیں۔ انہیں ایام میں بہت انبیاء ان کے ہاتھ سے ناحق قتل ہوئے ہیں اور اخیر میں حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام کو ناحق قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اپنے زعم میں دار پر کھینچا۔

(۴) وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ قفال کہتے ہیں غلف اصل میں بتحریکِ لام جمع غلاف ہے تخفیف کے لیے ساکن کر دیا جیسا کہ کتب رسل بسکون تا وسین اس تقدیر پر یہ بھی معنی ہوں گے کہ یہودی اپنے دلوں کو علم کا غلاف یا جزدان کہتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو بہت کچھ علم حاصل ہے۔ اب ہم کو کسی کے وعظ کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اس بدبخت قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا چاہتے تھے لیکن جب بھی ان کے امام و کاہن لوگوں کو ان کے وعظ سننے سے منع کیا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ غلف کی جمع ہو جس کے معنی غلاف میں لپٹا ہوا کیونکہ خصوصاً مدینہ کے یہود بھی کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اے محمد (ﷺ) آپ کی اس نصیحت کو ہرگز دل میں جگہ نہ دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا کہ ان کے دل پر یہ غلاف ولاف کچھ نہیں صرف ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے ان میں ایمان نہیں جا سکتا مگر وہ قدرِ قلیل کہ جس کو وہ اپنے ادعا کے بموجب ایمان کہتے ہیں یا یہ قلت باعتبار قلتِ افرادِ اہلِ ایمان کے

ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں چونکہ کمتر لوگ ایمان لاتے ہیں اس لیے اس قوم میں کم ایمان پایا جاتا ہے اور یہ کمی اسی شامت سے ہے۔

(۵) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا۔ یہ نالائق فعل ان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے وقت صادر ہوا تھا۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام چونکہ بغیر باپ کے صرف اس کی قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس کے منکر ہو گئے۔ وَبِكُفْرِهِمْ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ سو انہوں نے اس قدرتِ کاملہ کا انکار کیا اور حضرت مریم پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی کہ اس نے یہ حرامی بچہ جنا ہے اور اخیر تک اسی لیے یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو بنظرِ حقارت دیکھتے رہے۔ بعض یہود کا یہ بھی گمان تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے جن کی تقلید سے آج کل نیچری بھی یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید کی بے جا تاویلیں کرتے ہیں مگر انجیل کی کیا تاویل کریں گے کہ جہاں روح القدس سے حاملہ پائے جانے کی تصریح ہے۔ گرچہ کسی پاکدامن عورت کو زنا کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے مگر انہوں نے اس زنا کو ایک بڑے پاکدامن شخص یعنی زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا۔ جیسا کہ عموماً یہود کا گمان بد تھا۔ بہتانِ عظیم ہے اس لیے بہتان کے بعد لفظ عظیم آیا۔

(٦) وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ نہ جانتے تھے مگر پھر رسول اللہ کہنا یا بطورِ تمسخر کے تھا جیسا کہ مکہ کے کفار آنحضرت علیہ السلام کو تمسخر سے کہتے تھے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی والدہ ماجدہ کو برے الفاظ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ساحر بن الساحرۃ فاعل بن الفاعلۃ کہتے تھے اس کے مقابلہ میں خدا نے رسول اللہ کا وصف ذکر کیا۔ یہ بھی ان کا سخت گناہ اور ان کی نسل در نسل بربادی اور خرابی کا باعث تھا۔ وہ بڑے تفاخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا جن کا رد خدا تعالیٰ اس جملہ میں کرتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ "انہوں نے نہ ان کو قتل کیا۔ نہ سولی دی بلکہ اشتباہ واقع ہوا"۔ پھر اس اشتباہ کی اس آیت میں خود توضیح فرماتا ہے۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کہ "جو اس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ خود ان کو یقین نہیں بلکہ ظنی باتیں کرتے ہیں"۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا سے مراد عیسائی ہیں۔ ان کے متقدمین میں اکثر تین فریق تھے نسطوریہ ملکانیہ یعقوبیہ۔ اول فریق کا گمان یہ تھا کہ مسیح کو صلیب جسم کے طور پر ہوئی ہے نہ روح کے طور پر اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہوسکتی ہے کس لیے کہ جس قدر مار پیٹ قتل و ضرب کی تکلیفات ہیں صرف جسمِ عنصری پر واقع ہوتی ہیں روح کو نہ کوئی قتل کرسکتا ہے نہ مار سکتا ہے نہ دار پر کھینچ سکتا ہے۔ اسکندریہ کے اسقوف آریوس کا بھی اس کے قریب قریب عقیدہ تھا جس کی وجہ سے عیسائیوں میں بڑا اختلاف پڑا اور قسطنطین شاہِ روم کو مجلس قائم کرنی پڑی۔ جیسا کہ انگریزی رومن اردو عربی تواریخ کلیسیا خصوصاً الدرۃ النفیسہ فی تاریخ کلیسہ مطبوعہ بیروت سے واضح ہوتا ہے اور آریوس الوہیتِ مسیح کا بھی منکر تھا۔ دوسرا فرقہ صرف روح سے صلیب پانا بیان کرتا ہے۔ تیسرا فرقہ جسم اور روح دونوں سے صلیب پانا بیان کرتا ہے بلکہ بعض فرقے یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح کو صلیب نہیں ہوئی بلکہ کسی دوسرے شخص کو یہودی جھوٹی شیخی مارتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خود یہود کو اختلاف تھا کیونکہ جب انہوں نے مسیح کو مکان میں بند کیا تو ان کو خدا نے چھت پھاڑ کر آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی شکل میں ایک یہودی کو کر دیا۔ وہ دار پر کھینچا گیا چونکہ اس کے افشاء کرنے میں حضرت مسیح علیہ السلام کے کمالات کا اظہار تھا اس لیے یہود نے کہہ دیا کہ ہم نے خود مسیح کو قتل کیا۔ یہ سدی کا قول ہے۔ اس کی تصدیق بھی اناجیل کے بعض فقروں سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا اور خود قرآن کی یہ آیت کہہ رہی ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

آج کل عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کو اپنی کتابوں اور مورخوں کے اقوال سے زور دے کر ثابت کیا کرتے ہیں اور

اس پر یہود کی گواہی بھی لاتے ہیں لیکن اس کا جواب پہلے ہو چکا اور اگر ہم ان کے قول کو تسلیم بھی کر لیں تو قرآن کی آیت مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنی عیسائیوں کے اول گروہ کے مطابق بھی ہو سکتے ہیں کہ دراصل جو عیسیٰ یعنی روح منور تھی نہ اس کو انہوں نے قتل کیا نہ سولی دی بلکہ وہ روح خدا کے پاس پہنچی مگر جمہور اہل اسلام اس کے قائل نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور اس کی موت سے پہلے ہر اہل کتاب اس پر ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے گا۔

ترکیب: اِنْ بمعنی ما مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ خبر ہے مبتداء محذوف کی جو احد ہے تقدیرہ ما من اہل الکتاب احد اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ استثناء متصل ہے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہود کے فضائح اور قبائح ذکر ہوئے تھے اور اس کی بھی تشریح تھی کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ذلت و خواری دینے کا ارادہ کیا تھا وہ اس میں ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس کے بالعوض عزت دی۔ ان کو آسمان پر بلایا اب اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک اور بڑی عزت وشوکت کی خبر دی جاتی ہے۔ ہر اہلِ کتاب ان کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لائے گا جبکہ ان کی شوکت اور جلال دیکھیں گے اور پھر قیامت کو وہ ان پر گواہی دیں گے۔ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک شہر بن حوشب وغیرہ کا وہ کہتے ہیں مَوْتِهٖ کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف پھرتی ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے ضرور ان پر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اہل کتاب کا لغوی معنی کے لحاظ سے یہود اور نصاریٰ اور اہل اسلام سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ ان میں سے نصاریٰ اور اہلِ اسلام تو حضرت مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے اپنی زندگی میں ایمان رکھتے ہیں اور بہ اے۔ بخر وجہ بھی لیا جاوے تو ان کے بارِ دیگر قربِ قیامت کے دنیا میں تشریف لانے پر بھی ان کا ایمان ہے۔

رہے یہود سو ان کی نسبت یوں توجیہ کرنی پڑے گی جب وہ مرنے لگتے ہیں اور ان کو ملائکہ موت نظر آتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ہر چند وہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس قول پر دو شبہ ہوتے ہیں۔ اول تو اس بات کے ثبوت کے لیے کوئی ثبوت مخبرِ صادق سے ہونا چاہیے حالانکہ اس کا ثبوت نہیں اور جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ مخدوش ہیں۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ ایسے وقت تو عالم غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے ہر منکر غیب کی باتوں کی تصدیق خواہ مخواہ کرتا ہے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور کیا فوقیت ثابت ہوئی؟

دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر موتہ کی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت مسیح کی موت سے پہلے ان پر اہلِ کتاب ایمان لاوے گا اور اس میں اشارہ ہے کہ یہود جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کو مار ڈالا سو وہ جھوٹے مسیح تھے۔ سو یہ ان کا قول غلط ہے وہ ہمارے پاس زندہ ہیں ان پر ان کے مرنے سے پہلے جبکہ وہ آسمان سے اتریں گے یہ منکر ایمان لائیں گے اور یہ حق ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی بھی ہوں گے سو اس وقت سوا دینِ حق کے اور کوئی دین دنیا پر غالب نہ ہو گا۔

ل یہ دلیل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور قربِ قیامت جلال وشوکت سے تشریف لائیں گے اور اگر ان کے آنے کا انکار کیا جائے اور موت ثابت ہو جائے تو اس تقدیر پر آیت کی تکذیب لازم آتی ہے کس لیے کہ اہلِ کتاب میں سے یہودی اب تک بھی مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے۔ چہ جائیکہ ان کی زندگی میں جو تمام ہو چکی۔ ۱۲ منہ

اس وقت یہود بھی اس جلال و شوکت کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے اور یہ معنی اس حدیث سے ثابت ہیں کہ جس کو بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے قریب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ صلیب[1] توڑ ڈالیں گے خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ موقوف کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ثبوت میں اسی آیت کو پڑھا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲

پھر تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے کتنی ایک پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت کچھ رکتے تھے اور ان کی سود خوری سے بھی حالانکہ اس سے ان کو ممانعت کر دی گئی تھی اور اس سے بھی کہ وہ ناحق لوگوں کے مال کھاتے تھے اور ان میں سے ظالموں کے لیے تو ہم نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے البتہ ان میں سے وہ جو علم میں ثابت قدم اور مومن ہیں اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (اے نبی) نازل ہوا اور اس پر بھی کہ جو تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور (وہ) نماز بھی قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیا کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں کو ہم عنقریب اجرِ عظیم دیں گے۔

ترکیب: فَبِظُلْمٍ بِ حَرَّمْنَا سے متعلق ہے وَبِصَدِّهِمْ متعلق ہے حرمنا سے وَاَخْذِهِمُ اس پر معطوف اور اسی طرح اَكْلِهِمُ اور یہ سب مصادر فاعل کی طرف مضاف ہیں۔ اَلرّٰسِخُوْنَ مبتداء فِي الْعِلْمِ اس سے متعلق مِنْهُمْ رَاسِخُوْنَ سے حال وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف ہے اَلرّٰسِخُوْنَ پر اور خبر اس کی يُؤْمِنُوْنَ ہے وقیل سنؤتیھم وَالْمُقِيْمِيْنَ منصوب علی المدح ہے ای اعنی المقیمین وقیل انہ معطوف علی ما فیہ و ما فیہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف علیہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ معطوف پھر یہ اَلرّٰسِخُوْنَ پر معطوف ہیں۔

تفسیر: یہود کے اوصافِ ذمیمہ کے بعد جو کچھ ان پر سزائیں نازل ہوئیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ منجملہ اور سزاؤں کے ایک یہ بھی تھی کہ ان پر شریعت کا سخت گراں بوجھ ڈالا گیا۔ بہت سی حلال چیزیں حرام کی گئیں جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

[1] صلیب توڑنے اور خنزیر قتل کرنے سے یہ غرض ہے کہ دینِ نصرانی جس میں صلیب پوجی جاتی ہے چنانچہ رومن کیتھولک اب تک پوجتے ہیں اور سور کھایا جاتا ہے اس کو مٹا دیں گے اور دینِ الٰہی جو اسلام پر ہے اس کو قائم کریں گے اور جزیہ موقوف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت دینِ حق ہر ایک کو قبول کرنا پڑے گا۔ ۱۲ منہ

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور علت اس حرام کرنے کی ان کی سرکشی اور ظلم اور اللہ کے رستے سے رکنا اور سود کھانا باوجودیکہ اس سے ممانعت کی گئی تھی اور لوگوں کے ناحق مال کھانا ہے۔

واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک خلق اللہ پر ظلم کرنا دوسرے دینِ حق سے سرکشی کرنا اول کی طرف فَبِظُلْمٍ میں اشارہ ہے دوسرے کی طرف وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا میں ظلم اور خونریزی یہود میں بہت کچھ تھی۔ آج کیا یہودا کے قبیلہ نے بنیامین کے قبیلہ پر چڑھائی کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا۔ کل دوسرے قبیلہ نے اور کو ایسا ہی برباد کر دیا اور بیگانوں اور غیر قوموں کی تو ان کے نزدیک جان اور مال مباح تھے؟

حضرت ﷺ کے زمانہ میں بنی نضیر و بنی قریظہ جو یہود کے دو قبیلہ مدینہ کے پاس رہتے تھے نہایت سفا کی کرتے تھے اور دینِ حق سے سرکشی کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں چالیس برس بیابانوں میں ہر روز معجزات و کرامات دیکھنے پر بھی کہیں بچھڑے کو پوجا کہیں تورات کے احکام سے بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کی اور پھر ان کے بعد سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک جو کچھ دینِ حق سے سرکشی کی کہ جس کی وجہ سے کتبِ مقدسہ بھی ہاتھ سے جاتے رہے اور اخیر حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا اور بزعم خود سولی پر چڑھا یا بیان سے باہر ہے اور یہی حال آنحضرت ﷺ کے عہد تک اس قوم کا تھا۔ ان پر وہ صاف صاف الزام قائم کیے جاتے ہیں جو ان کے ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کامل ثبوت ہے۔ اول یہ کہ ان کے عوام (باوجودیکہ تورات میں سود کی سخت ممانعت تھی اور اب بھی پائی جاتی ہے) کھلم کھلا سود لیتے تھے اور اسی کو اپنی مرفہ الحالی کا باعث خیال کرتے تھے۔ مدینہ کے یہود سود پر اس طرح سے لین دین کرتے تھے جیسا کہ آج کل سود خور مہاجن کیا کرتے ہیں۔ اس کی طرف وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا میں اشارہ ہے۔ دوم ان کے علماء و حکام جو خاص لوگ تھے ان میں یہ بلا تھی کہ وہ رشوت لیتے تھے جس کی طرف وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ میں اشارہ ہے۔ یہ دنیا کی سزا تھی جو ان جرائم کی پاداش میں ان پر بہت سی حلال چیزیں حرام کر دی گئیں۔ دوسری آخرت کی سزا جس کی طرف وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا میں اشارہ ہے۔ چونکہ کوئی قوم بری سے بری کیوں نہ ہو اس میں چند لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ یہود میں بھی کچھ لوگ اچھے تھے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کہ جو لوگ ان میں سے بڑے عالم اور علم میں ثابت قدم ہیں جن کو ان بشارات پر بھی نظر ہے کہ جو حضرت محمد ﷺ کی نسبت انبیاءِ سابقین نے بیان فرمائے ہیں وہ لوگ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کہ جو کچھ اے نبی تم پر نازل ہوا اور جو تم سے پہلے نازل ہوا سب پر ایمان رکھتے ہیں (یہ تکمیلِ قوتِ نظریہ کی طرف اشارہ ہے) اور اس کے ساتھ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وہ بدنی اور مالی عبادت نماز اور زکوٰۃ بھی بجالاتے ہیں (یہ قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے) نماز آنحضرت ﷺ سے پہلے یہود میں بھی تھی نہ اس طور سے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے حکم ہوا بلکہ صرف رکوع و قیام یا صرف سجود و دعا اوقاتِ مخصوصہ میں تھی اور نظریات میں جو کچھ مبداء و معاد پر ایمان لانا سب سے مقدم بات ہے گو وہ اجمالاً مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ میں آ گئے تھے لیکن پھر تصریح کر دی تا کہ اس طرف اشارہ ہو کہ بعد مردن انسان کے عمدہ علوم خصوصاً ذاتِ باری اور عالمِ آخرت کے متعلق اس کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس لیے یہ بھی کہہ دیا وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ عبد و عالم پر اور وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ معاد یعنی عالم آخرت پر ان کا یقین کامل ہے۔ اس کے بعد ان کی جزاء ذکر فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا کہ ہم ان کو عنقریب اجرِ عظیم عطا کریں گے۔ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ اس کے متعلق دو بحث ہیں۔ اول یہ کہ وہ کونسی پاک چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں؟ دوسرے یہ کہ کیوں پاک چیزیں خدا نے بندوں پر حرام کیں۔ حالانکہ مضر اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا چاہیے تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور پھر یہ کس زمانہ میں ہوا۔

اول بات کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہود پر اونٹ اور خرگوش حرام کیا گیا (۴) جو چار پائے جگالی کرتے ہیں یا کھر ان کے چرے

ہوئے ہوتے ہیں ان کو نہ کھاؤ۔ توراتِ سفر احبار باب ۱۱ اسی طرح چربی کی بھی ممانعت تھی جس کی تشریح اب تک یہود کی کتابوں میں موجود ہے۔ کل ذی ظفر سے کھر چرے جانور مراد ہیں اور یہی چیزیں ممنوع تھیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ سو یہ پاک چیزیں ان پر حرام کی گئیں اور ان کو خدا نے اس لیے ان پر حرام کیا کہ ان کے نفس سرکش کو ان چیزوں کے باوجود رغبت کے روکا جاوے تاکہ نفس کی تیزی ٹوٹے۔ اس کا نمونہ تھوڑا بہت اور شریعتوں میں بھی ہے۔ اسلام نے بھی ایک اعتدال کے ساتھ نفس کی تیزی توڑنے کے لیے روزہ وغیرہ احکام صادر کیے ہیں۔ ان چیزوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت حرام کیا اور اس کا اثر حضرت ﷺ کے زمانہ تک یہود پر داغ ملامت کی طرح باقی تھا جس پر قرآن میں ان کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

ہم نے آپ کی طرف (بھی) اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسا کہ نوح کی طرف اور اس کے بعد کے انبیاء پر (بھیجی تھی) اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی اور بہت سے رسولوں کا حال ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے رسول ہیں کہ جن کا ذکر ابھی تک ہم نے تم سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے تو باتیں بھی کی ہیں ہم نے رسولوں کو خوشخبری اور ڈر سنانے کو بھیجا تھا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے کوئی بھی حجت اللہ پر باقی نہ رہے اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب: كَمَآ أَوْحَيْنَآ لغت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ اور ممکن ہے کہ ما بمعنی الذی ہو کر مفعول بہ ہو تقدیرہ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مثل الذین اوحینا الی نوح۔ مِنۢ بَعْدِهِۦ متعلق اوحینا کے اور ممکن ہے کہ ٱلنَّبِيِّـۧنَ سے متعلق ہو۔ رُسُلًا منصوب فعل محذوف سے۔ جس پر قَصَصْنَـٰهُمْ دال ہے رُسُلًا بدل ہے اول رُسُلًا سے حُجَّةٌ اسم يَكُونَ لِلنَّاسِ خبر عَلَى ٱللَّهِ حال ہے حُجَّةٌ سے ممکن ہے کہ خبر علی اللہ ہو اور بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ظرف ہو حجۃ کا اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو۔

تفسیر: اہلِ کتاب خصوصاً یہود جو آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے تھے اصل منشاء تو اس کا یہ تھا کہ غیر قوم کے شخص کو تسلیم کرنے سے ناانصاف لوگوں کی طبائع گریز کیا کرتے ہیں اور اپنے مذہب کا ترک کرنا خواہ اس میں کیسی ہی خرابیاں پیدا ہوں حتیٰ کہ بت پرستی کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اور مصلح کا اتباع کرنا رسم اور الفتِ مذہب اور مخالفتِ قوم کی وجہ سے سخت گراں معلوم ہوتا ہے اور چونکہ مدت سے ان میں کوئی نبی بھی نہیں آیا تھا اور ان کے انبیاء کے معجزات و کرامات ان میں مشہور تھے اور کچھ عجب نہیں کہ سینکڑوں بے اصل قصہ بھی ان کی نسبت کرامت و اعجاز کی بابت مشہور ہوں۔ خصوصاً عیسائیوں میں بھی تخمیناً چھ سو برس سے مسیح علیہ السلام اور حواریوں کے بہت کچھ افسانہ زبان زد تھے۔ جیسا

کہ ہر قوم میں مبالغہ کے ساتھ باتیں مشہور ہوا کرتی ہیں۔ اس سبب سے نبی یا رسول کے معنی ان کے ذہن میں کچھ عجائب غرائب آدمی کے جم گئے ہوں گے کہ اس کے اوپر لکھی لکھائی آسمان سے کتاب نازل ہوتی ہے اور فرشتے اس کے پاس رات دن لوگوں کے روبرو آیا جایا کرتے ہیں اور جو معجزے لوگ اس سے طلب کرتے ہیں تو اسی وقت دکھا دیتا ہے۔ اس کو بیوی بچوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ تمام خدائی کے اختیارات اس کے قبضۂ قدرت میں ہوتے ہیں جیسا کہ عرب کے جاہل سمجھتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے' بازاروں میں پھرنے سے کیا علاقہ۔ چونکہ یہ باتیں ان کی تراشیدہ تھیں ان کا نبی میں پایا جانا کوئی شرط نہیں بلکہ نبی میں دو باتیں ہونی چاہییں۔ ایک وحی کا آنا' دوسرے معجزات حسب مرضیِ الٰہی اور چونکہ اہلِ کتاب حضرت نوح اور ان کے بعد ابراہیم واسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس و ہارون و سلیمان و داؤد علیہم السلام کو مانتے اور نبی جانتے تھے ان پر برہان الزامی قائم کرتا ہے کہ جب تم ان کو نبی جانتے ہو اب بتلاؤ ان کے ثبوت پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ بجز ان دو باتوں کے ان کے پاس اور کیا بات تھی جو محمد (ﷺ) کے پاس نہیں۔ اس میں تو یہ اور وہ سب شریک ہیں اس کی طرف انا اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ الخ میں اشارہ فرماتا ہے۔ رہے معجزات سو ان کا تو وہ وقتاً فوقتاً مشاہدہ ہی کرتے تھے کما اوحینا میں جو تشبیہ ہے وہ کیفیتِ نزولِ وحی میں بھی ہے کہ جس طرح ان کے پاس ناموسِ اکبر اعنی جبرئیل وحی لاتا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی طرف اور نفسِ وحی کے ہدایت افزاء مضامین بھی ہے اور سب انبیاء کو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں رکھ کر شریکِ وحی بنانا اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اصل و بالذات انبیاء کے بھیجنے سے مقصود خلق کی ہدایت ہوتی ہے اور معجزات تو صرف نبی کی تصدیق کے لیے منکروں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں، اب دیکھو آنحضرت ﷺ سے خلق اللہ نے کس قدر ہدایت پائی۔ عرب کی کیا حالت تھی خراب چال چلن تھے۔ بت پرستی اور توہمات کی پرستش' خونریزی' زنا' جہالت کس درجہ تھی پھر چند برس میں کایا پلٹ گئی۔ برخلاف اور انبیاءِ مذکورین کے کہ ان سے تو اس قدر بنی اسرائیل کی بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب ان کو نبی کہنا اور آنحضرت ﷺ کا بلاوجہ انکار کرنا اگر وہی رسم کی پابندی نہیں تو اور کیا ہے؟

فائدہ: آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ثبوت: (۱) اِلٰی نُوۡحٍ کے بعد وَالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ میں اجمالاً سب نبیوں کا ذکر آ گیا تھا مگر ان میں سے بارہ نامور شخصوں کا ذکر کرنا کہ جو اہلِ کتاب اور عرب کے نزدیک مسلم تھے نہایت مؤثر تھا اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام تو عرب کے نزدیک بعد ابراہیم و نوح علیہما السلام کے مسلم النبوۃ تھے اور ان کے سوا گیارہ شخصوں کو اہلِ کتاب بھی مانتے تھے مگر یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ عیسائی سب کو مانتے ہیں اس لیے ملا کر ذکر کیا۔

(۲) اسباط سبط کی جمع ہے بمعنی اولاد جس طرح عرب میں قبیلہ کا اطلاق خاندان کی شاخ پر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں اس کی جگہ لفظ سبط بولا جاتا تھا۔ اس سے ان کے خاندان کے انبیاء مراد ہیں جن کو بمنزلہ شخصِ واحد شمار کیا گیا ہے وحی زجاج کہتا ہے ایماء و اعلام علی سبیل خفاء کو کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق مقدمہ میں ہو چکی۔ زبور بروزن فعول بمعنی بمفعول اعنی کتاب جیسا کہ اول ورکوب و حلوب اور اس کی اصل زبرت بمعنی کتبت سے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا نے ایک کتاب دی تھی جس کا نام زبور تھا۔ اس میں مناجات اور دعا اور فروتنی اور احکامِ الٰہی اور شریعت پر پابندی کی ترغیب اور عمدہ عمدہ نصائح تھے۔ اس نام کی ایک کتاب اب بھی اہلِ کتاب کے پاس ہے جس کے ہر باب کو بلفظ زبور تعبیر کیا ہے۔ اس میں خود انہیں کے علماء کا سخت اختلاف ہے کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ چونکہ بہ نسبت اور انبیاء کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام زیادہ کیا تھا اس لیے ان کا جداگانہ ذکر کیا۔

(۳) رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡکَ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہود اس بات پر غرہ نہ کریں کہ ہمارے ہی خاندان میں خدا نے انبیاء بھیجے ہیں اور انہیں کے گھرانہ پر خدا کی ہمیشہ نظرِ رحمت ہی رہے جس لیے وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انحراف کرتے ہیں بلکہ

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ کہ کوئی ایسا گروہ نہیں اور کوئی ایسی قوم نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی خدا کی طرف سے ڈر سنانے والا نہ آیا ہو۔ اس لیے یہاں بھی فرما دیا کہ چند رسولوں کا حال تو ہم نے اے نبی تم سے بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آخر ان تمام انبیاء علیہم السلام کا کیا کام تھا اور کس لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ پھر آپ ہی فرماتا ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ کہ ان کو ہم نے نجات اور عالم آخرت کی خوشی سنانے اور نافرمانی اور شرک و بدکاری کے برے نتیجہ سے ڈرانے کے لیے بھیجا تھا۔ سو اب اے منکرو تم اس علامت کو اس اخیر نبی محمد (ﷺ) میں دیکھو پائی جاتی ہے کہ نہیں؟ جب یہ بات سب سے بڑھ کر پائی جاتی ہے اور ان کی تعلیم سب میں اعلیٰ درجہ کی ہے تو پھر نبی نہ ماننے کی کیا وجہ ہے؟ اور جن کو تم نبی مانتے ہو پھر ان کے ثبوت کی کیا وجہ؟ جو دلائل تم ان کے لیے قائم کرو گے سو وہ سب بوجہ کمال ان میں پائے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کیا ہی عمدہ دلیل قائم کی ہے سب کے بعد اس سلسلۂ انبیاء کے قائم کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ کہ قیامت کو رسولوں کے بعد پھر اس کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے کہ الٰہی تنہا عقل امورِ آخرت اور افعالِ حسنہ اور غیر حسنہ اور تیری رضامندی اور نارضامندی کے دریافت کرنے میں قاصر تھی تو نے رسول کیوں نہیں بھیجے۔ مطلق نبوت کے ثبوت کے لیے براہمہ اور آریوں کے مقابلہ میں کیا خوب دلیل ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا
بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ
طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا
خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷۰﴾

(یہ معاند گو گواہی نہ دیں) لیکن اللہ تو اپنے علم سے اس چیز پر کہ جو تم پر نازل کی ہے گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور اللہ کی گواہی بس ہے بے شک جن لوگوں نے کہ انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ تو بڑی ہی گمراہی میں جا پڑے ہیں بے شک جو کافر ہو گئے اور انہوں نے ظلم (بھی) کیا ان کو تو اللہ نہ بخشے گا اور نہ ان کو رستہ بتائے گا مگر جہنم کا رستہ کہ جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے (بتائے گا) اور یہ (بات) خدا پر (بہت) آسان ہے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے رسول برحق آ چکا ہے سو تم ایمان لاؤ (اگر) اپنی بہتری چاہو اور اگر تم انکار کرو گے (تو کیا پروا ہے) اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: اَللّٰهُ مبتدا یَشْهَدُ خبر بِمَا اس سے متعلق وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَشْهَدُوْنَ جملہ کا عطف اول جملہ پر ہے كَفٰى بِاللّٰهِ فعل با فاعل ب زائد بِعِلْمِهٖ حال ہے فاعل یشہد سے ای متلبسا بعلمہ اِلَّا طَرِیْقَ استثناء متصل ہے خٰلِدِیْنَ حال مقدرہ ہے خَیْرًا لَّكُمْ مفعول ہے فعل محذوف کا

ای اقصدوا خیراً

تفسیر: جبکہ یہ فرمایا تھا اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ تو اس پر بھی منکرین شبہ کرتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر یہ یہود تمہاری نبوت کی شہادت نہیں دیتے تو نہ دیں یہ چند نفسانیت کے بھرے ہوئے جاہل پشتینی سرکش کیا چیز ہیں؟ خود خدا اس چیز کی کہ جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے فرشتے گواہی دے رہے ہیں اور اسی کی گواہی بس ہے اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ جبکہ خدا نے اپنے نازل کئے پر شہادت دینا فرمایا تو اس کے بعد اس کی صفت بھی بیان کی گئی ہم نے اس قرآن کو کمال خوبی سے نازل کیا ہے۔ اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ کچھ یوں ہی بے سوچے سمجھے نہیں نازل کر دیا جیسا کہ کہا کرتے ہیں کتبت بالقلم وقطعت بالسکین میں نے اس کو قلم سے لکھا ہے نہ کسی اور چیز سے اور چھری سے کاٹا ہے اس کے بعد تمام حجت ختم کر کے ان ازلی گمراہوں اور جہنم کے اندھوں کا وصف بیان کرتا ہے کہ جو لوگ خود کافر ہو گئے محمد اور قرآن کا جو ہدایت کی دو آنکھیں ہیں' انکار کر بیٹھے اور اس پر مزید یہ کہ شبہات وشکوک لوگوں کے دلوں میں ڈال کر اوروں کو بھی گمراہ کر دیا جیسا کہ یہود کہتے تھے کہ ایک بار کیوں قرآن نازل نہیں ہوا اور موسیٰ کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی اور ہمارے خاندان کے سوا غیر کو استحقاق نبوت نہیں وغیرہ وغیرہ (اور اسی طرح آج کل کے پادری بھی طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہیں) ایسے لوگ گمراہی کے اخیر درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ پھر ان کی نسبت فرماتا ہے کہ ان کافروں اور ظالموں کو خدا معاف نہیں کرے گا کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں اور اس لیے ان کو سوائے جہنم کے رستہ کے اور کوئی رستہ ہدایت کا نہیں دکھائے گا۔ ان کو جب سوجھے گی تو اندھی بات سوجھے گی اور یہی جہنم کا رستہ ہے۔

یہود کے شکوک وشبہات کا جواب دے کر تمام بنی آدم کو اعلان کرتا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ان کا پیغامبر حق بات قرآن وتوحید واحکام فطرت لے کر آیا ہے سو تم ایمان لاؤ۔ اس میں تمہاری بہتری ہے اور اگر تم انکار کرو گے تو ہم کو کچھ پروا نہیں۔ کس لئے کہ آسمان وزمین کی بادشاہت ہمارے لیے ہے۔ آسمانوں میں لاکھوں قدوسی ہماری عبادت وتسبیح وتقدیس کر رہے ہیں۔ اللہ عالم و حکیم ہے۔ شریعت اور الہام میں جو کچھ خوبیاں تمہارے لیے رکھی گئیں ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ گذرو اور نہ اللہ کی نسبت کوئی بات بجز حق کے کہو۔ مسیح تو صرف عیسیٰ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو مریم کی طرف ڈالا تھا اور اس کی طرف کی روح ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو۔ باز آؤ اپنی بہتری چاہو معبود تو صرف ایک اللہ ہی ہے وہ (اس بات سے) پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو (اس کو اس کی کیا ضرورت ہے) کیونکہ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

ترکیب: اِلَّا الْحَقَّ یہ مفعول ہے تَقُوْلُوْا کا' ای ولا تقولوا الا القول الحق۔ اَلْمَسِیْحُ مبتداء عِیْسَی بدل یا عطف بیان رَسُوْلُ اللّٰهِ خبر

وَ كَلِمَتُهٗ اس پر معطوف اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ کلمة سے حال اور عامل معنی کلمہ وَرُوْحٌ مِّنْهُ معطوف ہے خبر پر یہ تین خبریں ہیں۔ ثَلٰثَةٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای لاتقولوا الٰہنا ثلثة۔ اِنَّمَا اللّٰهُ مبتداء اِلٰهٌ وَّاحِدٌ خبر۔

تفسیر: جبکہ یہود کے متعلق کلام ہو چکا تو اب نصاریٰ کی طرف التفات کیا جاتا ہے کیونکہ جس قدر یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت تفریط تھی اسی قدر عیسائیوں کو ان کی نسبت افراط تھی۔ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

فرماتا ہے کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو اور تعصب نہ کرو سب سے اول یہ ایک ایسی بات فرمائی کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی تردد نہیں ہو سکتا۔ کس لیے کہ غلو اور تعصب عقلاً ممنوع ہے۔ یہ تمہید تھی اور بلاغت کا بھی مقتضٰی و کمال ہے اور اسی کو حسن الاستدلال کہتے ہیں کہ اولاً ایک ایسا مقدمہ پیش کیا جاوے کہ جس کا مخاطب انکار نہ کر سکے۔ پھر اسی مسلمہ مقدمہ سے اس کو قائل کر دیا جاوے۔ اس کے بعد دوسرے جملہ کی تائید میں بطور تمہید کے ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کہ اللہ کی ذات وصفات کی بابت حق بات کے سوا اور کوئی بات نہ کہا کرو کس لیے کہ خدا اور اس کے صفات غیر محسوس ہیں وہاں وہم و خیال کو رسائی نہیں۔ اس کا مخلوق پر قیاس کرنا غلط قیاس ہے۔ اس کے بعد اصل مقصد میں کلام شروع ہوتا ہے اور ان کو ان عقائدِ فاسدہ سے روکا جاتا ہے جو وہم و خیال پر بنے تھے جس لیے ان میں غلو بھی تھا اور حق کے یہی خلاف بھی تھا۔ اس جملہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کی طرف روئے سخن ہے۔ ان کو خدائے کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ نہ سمجھنا اور عادت کے خلاف توالد سے حرامی اور غلو سمجھ لینا بھی خلافِ حق ہے اور اسی بات سے ان کو خدا کا بیٹا سمجھ لینا بھی خلافِ حق اور غلو ہے بلکہ اِنَّ الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الخ مسیح جس کو عیسیٰ کہتے ہیں وہ مریم کے بیٹے ہیں نہ خدا کے۔ اور اس کے رسول ہیں اور نہ خدا نہ اس کے فرزند نہ حرامی۔ اور اس کا کلمہ بھی ہے جس کو مریم کی طرف بھیجا تھا اور اسی کی طرف کی روح بھی ہیں۔ اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے چند وصف بیان فرمائے: پہلا وصف یہ کہ وہ ابن مریم ہیں۔ یہ بات چونکہ سب کے نزدیک مسلم تھی مگر باپ کا نام نہ بیان کیا۔ کس لیے کہ یہ امر متنازع فیہ تھا یہود ان کو معاذ اللہ حرامی کہتے تھے۔ عیسائی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہ عقیدہ حواریوں کے بعد عیسائیوں میں غالباً پولوس کے اشارات سے پیدا ہوا تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں اکثر کلیسائیوں میں یہ عقیدہ ذہن نشین ہو گیا تھا اور ان میں ہزاروں سچے دیندار جو قدیم طریق حواریوں کے پابند تھے اس کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ آریوس وغیرہ محققین نے اسکندریہ میں اس عقیدہ کا بڑے زور سے بطلان کیا اور اس کے بعد بھی یونی ٹیرین وغیرہ فریق منکر ہیں مگر زیادہ تر گروہ پولوس کے مریدوں کا پھیل گیا جن کا یہ عقیدہ تھا (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کلیسائی عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا) قرآن نے دونوں قوموں کو غلط ٹھہرایا اور امرِ حق کو ظاہر کر دیا کہ نہ وہ حرامی تھے نہ خدا کے فرزند بلکہ وہ اس کے کلمہ اور اس کی طرف کی روح تھے جو محض کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہو گئے تھے اور اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو مریم کے پیٹ سے بے باپ پیدا کر دیا تھا۔ کلمتہ[1] و روح منہ کے یہی معنی ہیں۔ دوسرا وصف رسول اللہ کہ وہ خدا کے رسول ہیں اس

---

[1] نیچری کہتے ہیں کہ مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قرآن سے بھی ثابت نہیں۔ میں کہتا ہوں عقلاً بھی ممکن ہے اور نقلاً بھی ثابت ہے۔ عقلاً تو یوں کہ آپ نے مٹی سے سینکڑوں جاندار پیدا ہوتے بارہا دیکھے ہوں گے۔ پھر مریم کے پیٹ میں ذی روح کے پیدا ہو جانے سے کیا محال لازم آ سکتا ہے اور نقلاً یوں کہ علاوہ انجیل متی کے قرآن مجید کی بھی متعدد آیات سے مطلب ثابت ہوتا ہے از انجملہ یہی آیت ہے کیونکہ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ کے یہی معنی ہیں کہ خدا نے اس کلمہ کو مریم کی طرف ڈالا نہ یوسف نجار یا کسی اور نے پھر اس سے زیادہ کیا صراحت ہو گی؟ ۱۲ منہ

رُوْحٌ مِّنْهُ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ان کی کیا خصوصیت تمام لوگ روح منہ ہیں۔ از انجملہ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ میں امکانِ عقلی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ یہود حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر باپ بلکہ بے ماں کے بھی صرف قدرتِ کاملہ سے پیدا ہونا مانتے تھے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اس نے مسیح کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ جو اول سے آسان تر ہے پھر جب اس کو مانتے ہو تو اس کو کیوں نہیں مانتے؟ معترض نزاع میں بغیر دلیل کے یہودی منکروں کے روبرو یوں کہہ دینا کہ عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے جیسا کہ نیچری صلاح دیتے ہیں عین حمق تھا۔ حقانی

میں یہود کا بھی رد ہے کہ وہ ان کو خدا کا رسول نہیں سمجھتے تھے بلکہ معاذ اللہ جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے اور نصاریٰ کا بھی رد ہے کیونکہ وہ ان کو خدا کہتے تھے کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا ہے اور وہ انسانی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ جس طرح کہ ہنود اوتاروں کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ رد اس لیے ہوا کہ رسول ہونا تو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں اور تمام بشریت کی باتیں کھانا پینا' عبادت کرنا سب ان میں مانتے ہیں اور یہ بدیہی بات ہے کہ صفاتِ بشریہ خواہ عمدہ ہوں جیسا کہ رسالت وعبادت خواہ ادنیٰ ہوں جیسا کہ کھانا پینا اوصافِ الوہیت سے برخلاف ہیں' جیسا کہ غلامی من حیث غلامی اور خاوندی من حیث خاوندی دونوں وصف ضد ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کے اوصاف حرارت و برودت۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ اوصافِ متضادہ ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے جس سے لازم آیا کہ وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ کس لیے کہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ہو جایا کرتا ہے۔ تیسرا وصف کلمتہ کہ وہ خدا کے کلمہ ہیں انجیل یوحنا کے اول میں یوں ہے ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔

(۲) ابطالِ تثلیث: یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس میں موجود ہوئیں اس کے معنی جس طرح عیسائی سمجھتے ہیں اس سے تو یہ کلام بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تھا کی ضمیر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف پھیرتے ہیں جس کے معنی کہ ابتداء میں مسیح کلام تھا اور یہ ظاہر ہے کہ کلام خدا خدا نہیں ہو سکتا مگر چونکہ قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمہ کہا اس کی تفسیر سے آیت یوحنا کا بھی صحیح مطلب نکل آتا ہے۔ کلمہ اصلاح میں اس لفظ کو کہتے ہیں کہ جو کسی معنیٔ مفرد کے لیے وضع کیا جاوے خواہ وہ اسم ہو خواہ فعل خواہ حرف اس صورت میں کلمہ کن اعنی ہو جا بھی کلمہ ہے کیونکہ صیغۂ امر ہے اور اگر اس کے فاعل انت کا لحاظ کر لیا جاوے تو یہی کلام بھی ہو جاوے گا کیونکہ کلمات سے مرکب کا نام کلام ہے بشرطِ اسناد۔ اس تقدیر پر کلمتہ اور کلام تھا میں کچھ فرق نہ رہا مگر اس کلمہ یا کلام سے یہ کلمہ وکلام مراد نہیں جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں بلکہ کلامِ نفسی اور امرِ تکوینی جو اس کا ایک وصف ہے یعنی خدا تعالیٰ نے کن کہا اور اس کلمہ یعنی حکم کو مریم کی طرف ڈالا جس سے حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ غرض کہ وہ صرف کلمہ کن سے بلا توسطِ اسباب پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے باعتبار اطلاق السبب علی المسبب حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمہ کہا جاتا ہے اور یوحنا جو کہتا ہے کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اس سے وہ سبب یعنی وصفِ باری تعالیٰ مراد لیتا ہے نہ مسبب یعنی حضرت مسیح اور یہ صاف ہے کہ اس کا وصف ازل میں اس کے ساتھ تھا اور بقول حکماء اس کے وصف عین ذات ہیں' لہٰذا کلامِ خدا بھی ہو سکتا ہے اور پھر تمام عالم کی تکوین اسی وصف سے ہوئی مگر عیسائیوں کو یہ دھوکا ہو گیا کہ وہ دونوں جگہ کلام سے ایک مراد یعنی سبب لیتے اور پھر غلط کر دیتے ہیں جس سے تعارض کلام میں پیدا ہوتے ہیں۔ چوتھا وصف روح منہ اس کے چند معانی ہیں: (۱) عرب کی عادت تھی کہ جب وہ پاکیزگی اور طہارت و لطافت میں کسی چیز کی صفت کرتے تھے تو اس کو روح کہتے تھے یعنی چونکہ مسیح کو بغیر باپ کے محض نفخ جبرئیل علیہ السلام سے خدا نے پیدا کیا تھا تو اس لطافت کے واسطے ان کو روح اللہ کہتے تھے اور منہ اضافتِ تفصیل کے لیے ہے جیسا کہ بولتے ہیں نعمة من اللہ اور بادشاہ جس نوکر کی مدح کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا نوکر یعنی خاص اور معزز نوکر ورنہ یوں سب ہی روح اللہ ہیں (۲) چونکہ حضرت مسیح لوگوں کی حیاتِ اخرویہ کا باعث تھے اس لیے ان پر روح کا اطلاق ہوا جس طرح کہ قرآن مجید کو روح کہا گیا وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۳) روح وریح عرب کی زبان میں قریب المعنی ہیں جس کو ہندی میں پھونک کہتے ہیں یا سانس چونکہ جبرئیل کے پھونکنے سے مسیح پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کو روح کہتے ہیں۔ ان چاروں اوصاف کے بعد پھر تصریح کرتا ہے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ کہ اللہ اور اس کے رسول مسیح پر ایمان لاؤ جو ان کو خدا کہتے ہیں در اصل وہ رسالت کے منکر ہیں اسی طرح جو حرامی کہتے ہیں وہ بھی رسالت کے منکر ہیں۔ ان سب کے بعد امرِ حق کی تصریح کرتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ کہ تثلیث سے باز آؤ کیونکہ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ وہ ذات واحد لاشریک ہے جب تثلیث کے قائل ہوئے کہ خدا اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام ایک خدا ہو تو توحید کہاں رہی کس لیے کہ اگر یہ تینوں ذواتِ مستقلہ ہیں تو پھر ایک ہونا گویا

جمہوری خدائی قائم کرنا ہے۔ اگر غیر مستقلہ ہیں تو ان تینوں میں سے جس کو اب یعنی باپ کہتے ہو جس سے خدا مراد ہے وہ بھی معاذ اللہ غیر مستقل ہو جاوے گا۔ تثلیث کے بطلان کے بعد مسیح کی ابنیت کو باطل کرتا ہے سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی بیٹا ہو کس لیے ابطال ابنیت کہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز کچھ (بھی) عار نہیں ہے اور نہ ملائکہ مقربین (ہی) کو (عار ہے) اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار اور سرکشی کرتا ہے سو وہ عنقریب ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے سو وہ ان کو ان کا بدلہ پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ (بھی) دے گا لیکن جو عار اور تکبر کرتے ہیں سو ان کو عذاب الیم میں مبتلا کرے گا اور نہ ان کا اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

ترکیب: اَنْ يَّكُوْنَ ای عن ان یکون وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ موصوف الْمُقَرَّبُوْنَ صفت مجموعہ کا عطف الْمَسِيْحُ پر ہے اور کلام میں حذف ہے ای یکونوا عبدا۔

تفسیر: سب اسی کا ہے اس کو ضعف و پیری بے کسی کہاں جو بیٹے کی ضرورت پڑے بلکہ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا کہ وہ اپنے تمام کام کرنے کے لیے کافی ہے۔ پھر بیٹے کی کیا حاجت۔ ان آیات میں جس طرح اس صاف مطلب کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ایک باریک دلیل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ سب کچھ اس کی خاص ملک ہے۔ اگر کوئی بیٹا ہوگا تو ضرور باپ کا مثل ہوگا اور باپ تو کبھی نہ مرے گا سو بیٹے کے لیے بھی کوئی جداگانہ آسمان وزمین اور وہاں کی بادشاہی چاہیے ورنہ باپ کا مثل نہ رہے گا اور جو اسی میں وہ بھی شریک ہوگا تو یہ تخصیص کہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں لہ کے مقدم کرنے سے سمجھی جاتی ہے۔ فوت ہو جاوے گی حالانکہ اس کو عقل تسلیم کر چکی ہے اس کے بعد ایک اور صاف طور سے مسیح کی الوہیت باطل کرتا ہے اور عیسائیوں کو جو وجہ اشتباہ پیش آتی تھی اس کو بھی بیان فرماتا ہے لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ الخ کہ مسیح کو اس کی عبادت سے ہرگز عار نہ تھا کیونکہ تم خود مقر ہو کہ وہ رات بھر زیتون کی پہاڑی پر اس کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ عبادت ناسوتی مرتبہ میں نہ تھی بلکہ لاہوتی اور ملکوتی مرتبہ میں کس لیے کہ روحانیت میں مسیح ملائکہ مقربین سے بڑھ کر نہ تھے جو نہ ماں سے پیدا ہوئے ہیں نہ باپ سے نہ کبھی کھاتے ہیں نہ پیتے۔ پھر جب ان کو عار وانکار نہیں تو ان کو کیوں ہونے لگا؟ علاوہ اس کے جو کوئی اس کی عبادت سے عار وانکار کرتا ہے وہ پکڑا بھی جاتا اور اس کے بارگاہ جلال میں حاضر کیا جاتا ہے۔ پس جب عبادت کرنا پایا گیا تو وہ خدا نہ تھے بلکہ اس کے بندے۔ چونکہ عبادت سے عار کرنے کا ذکر آ گیا تھا اس لیے دربار کبریائی میں سرخروئی اور سزایابی کا بیان فرماتا ہے اور ایمان اور عبادت کی رغبت کس خوبی سے دلاتا ہے کہ جو ایمان لایا اور اس نے اچھے کام بھی کئے تو ہم ان کا پورا

بدلہ دیں گے اور اس پر اپنی طرف سے علاوہ بدلہ کے اور بھی اپنے فضل سے زیادہ دیں گے اور جو ہم سے عار وانکار کرتے ہیں ہم ان کو عذاب الیم میں مبتلا کریں گے۔ پھر نہ ان کو اس رنجِ دائمی کے قید خانہ سے بھاگنے کی جگہ ملے گی نہ کوئی حمایتی کھڑا ہوگا نہ طرفدار و مَنْ یَّسْتَنْكِفْ میں ایک لطیف سا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ خواہ مسیح ہو خواہ کوئی اور پیغمبر یا فرشتہ کس نے جان پائی ہے کہ جو ہماری غلامی اور بندگی سے سرتابی کرے منصبِ خدائی تو در کنار ذرہ بھر سرتابی کی بھی کسی کو مجال نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ

وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ط

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے اور ہم تمہاری طرف چمکتی ہوئی روشنی بھی نازل کر چکے ہیں (قرآن) پھر جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے دین کو مضبوط پکڑ لیا۔ سو ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف (پہنچنے) کا سیدھا رستہ بھی دکھائے گا۔

ترکیب: مِنْ رَّبِّكُمْ صفت ہے بُرْهَانٌ کی فَسَيُدْخِلُهُمْ جواب اما صِرَاطًا موصوف مُّسْتَقِيْمًا صفت مجموعہ مفعول ثانی ہے يَهْدِيْ کا۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ منافقین اور کفار عرب اور یہود و نصاریٰ وغیرہم باطل فرقوں پر حجت قائم کر چکا اور ان کے شبہاتِ باطلہ کا جواب باصواب دے چکا تو اعلانِ عام کر کے تمام بنی آدم کو حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے کہ یاایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم کہ لوگو تمہارے پاس خدا کی برہان آچکی ہے۔ برہان سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں کیونکہ برہان کہتے ہیں دلیل کو آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک اور آنحضرت ﷺ کا بیان اور معجزات اور رویہ تمام عالم کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے حجتِ قاطعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مجسم حق تھے۔ آپ کے بعد پھر آپ کے برخلاف طریقہ اختیار کرنا صریح حق کا خلاف کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نہ تنہا اپنے وعظ و پند سے بنی آدم کی ڈوبتی کشتی کو تھام لیا تھا بلکہ اپنے ایک ایک حرکات و سکنات کو ہدایت و نیک روی، بردباری، صلہ رحمی، خدا پرستی کے لیے سچا نمونہ بنا دیا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد سے پہلے کتبِ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی اور ہر ایک قسم کی بدکاری اور شرک سے دنیا کی تمام قومیں آلودہ تھیں لیکن جب اس آفتابِ ہدایت نے طلوع کیا تو عالم کو منور کر دیا اور نہ صرف نبی برحق تمہارے پاس آئے بلکہ ہم نے اس کے ساتھ اس سلسلۂ ہدایت کو ہمیشہ قائم کرنے کے لیے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا صاف نور اور کھلا ہوا یعنی قرآن مجید بھی نازل کیا ہے۔ قرآن کا نور مبین ہونا بھی دنیا کے منصف اور روشن دماغوں نے تسلیم کر لیا ہے جس قدر آج کل دنیا میں الہامی کتابیں کہلاتی ہیں اگر کوئی ذرا انصاف کر کے ان سے قرآن کے مضامینِ روح افزا توحید و عبادت، عالم آخرت کی رغبت، خدا کی تنزیہ و تقدیس، نیک روی، تمدن کے اصول وغیرہ کو مقابلہ کر کے دیکھے گا تو بے ساختہ نور مبین ہونے کا مقر ہو جاوے گا۔ وہ جو سینکڑوں برس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ ﷺ کی کتاب نے دنیا میں خدا پرستی نہ پھیلائی تھی جو چند برسوں میں قرآن نے اطرافِ عالم کے بت پرستوں، دہریوں، شہوت پرستوں، درندوں کو فرشتہ بنا دیا یہ بات تاریخ سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا میں برہان اور نور مبین بھیج دیا پھر جو اس کو مان کر اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کو مضبوط

پکڑیں گے یعنی اس کی ذات پر تکیہ اور توکل کریں گے یا یہ مراد کہ شریعتِ محمدیہ اور قرآن کو جس نے مضبوط پکڑا (یہ اس لیے فرمایا کہ صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ اس پر قیام اور استقامت بھی ہو) ان کو اللہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ رحمت اور فضل سے مراد جنت اور حیاتِ جاودانی ہے کیونکہ جنت اس کی رحمت کا مظہر ہے اور فضل میں وَلَدَیْنَا مزید کی طرف اشارہ ہے وَیَهْدِیْهِمْ کے ساتھ الیہ یعنی اپنی طرف ہدایت کرنا اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ انبیاء اور کتابیں اس معشوقِ حقیقی کے کہ جو پردۂ حسی میں ہے پیامبر ہیں۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ
وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ
فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً
فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۟ع

(اے نبی!) وہ تم سے حکم پوچھتے ہیں (سو) کہہ دو اللہ تم کو کلالہ[1] کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرے کہ اس کی کوئی (اولاد تو) نہ ہو اور بہن ہو تو اس بہن کے لئے آدھا ترکہ ہے اور اگر بہن کے کوئی اولاد نہ ہو تو وہ بھائی اس کا وارث ہوگا۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو (ترکہ میں سے) دو ثلث ملیں گے اور اگر کلالہ کے وارث) کئی بہن بھائی مرد عورت ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا۔ اللہ تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

ترکیب: فِی الْكَلٰلَةِ متعلق ہے یُفْتِیْ سے امر مرفوع بسبب فعل کے کہ جس کی تفصیل هلك کر رہا ہے۔ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ جملہ هَلَكَ سے حال ہے اسی طرح وَلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا الخ جواب اِنْ۔

تفسیر: جس طرح اس سورہ کے اول میں احکام بیان فرمائے گئے ہیں اسی طرح اس کو تمام بھی مسائل ہی پر کیا تاکہ اول کو آخر کے ساتھ ربط ہو جائے کلالہ کے بارے میں اول بھی اس سورہ میں حکم ہوا تھا جو سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھی اور یہاں بھی اور یہ گرمی کے موسم میں آیت نازل ہوئی۔ کلالہ اس میت کو کہتے ہیں کہ جو نہ ماں باپ چھوڑ کر مرے نہ اولاد اور اس وارث کو بھی کہتے ہیں کہ جو نہ میت کے ماں باپ میں سے ہوں نہ اولاد میں سے یہ کَل سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے شخص کو آدمی اپنی کفالت اور وراثت میں بوجھ اور بارِ طبع سمجھتا ہے اس لیے اس کو کلالہ کہتے ہیں۔ (۱) اس آیت میں کلالہ سے وہ میت مراد ہے جو صرف ایک بہن چھوڑ کر مرے اس کی بہن کے لیے نصف ملے گا۔ گرچہ آیت میں لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ ہے کہ میت کے اولاد نہ ہو مگر بحکم اجماع ماں باپ بھی نہ ہوں تب بہن اگر

[1] کلالہ وہ مرد یا عورت کہ جو نہ ماں باپ چھوڑے نہ اولاد صرف بہن بھائی وارث چھوڑے ایسی صورت میں اگر بھائی مر جاوے تو اس کی ایک بہن کو آدھا ترکہ اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو سب کو دو تہائی اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو مرد کو دو چند عورت سے اور اگر بہن مر جائے تو سب بھائی کا ہے بشرطیکہ اس کا شوہر نہ ہو۔ ۱۲ منہ

اکیلی ہے تو نصف لے گی۔

(۲) اگر اسی طرح لاولد بہن مرے اور اس کے ماں باپ بھی نہ ہوں تو بھائی کل مال کا وارث ہوگا۔

(۳) اور اگر اسی قسم کے میت کے دو بہنیں ہوں تو دو تہائی مال ان کا باقی اور وارثوں کا۔

(۴) اگر کئی بہن بھائی یا ایک بہن ایک بھائی کلالہ نے چھوڑے تو فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دوہرا حصہ بھائی کا اور اکہرا بہن کا قرار پاوے گا اور باہم اس حساب سے تقسیم ہو جاوے گی۔ اس جگہ بہن بھائی سے عینی یا علاتی مراد ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیونکہ اخیافی بہن بھائی کا حق چھٹا حصہ ہے جو پہلے آچکا۔ اس کے بعد تمام شرائع بیان کرنے کی حکمت بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اس لیے ہم احکام بیان کرتے ہیں اور ان کے اسرار بھی، ہم جانتے ہیں کیونکہ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ ہر چیز جانتا ہے جو کچھ وہ فرماتا ہے ٹھیک فرماتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے[1]

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کیا کرو۔ تمہارے لئے چرنے والے چارپائے حلال کر دیے گئے سوا ان کے کہ جن کو تم سے بیان کیا جائے گا نہ یہ کہ احرام باندھ کر شکار کو حلال سمجھو بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ترکیب: اُحِلَّتْ فعل مجہول بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ مفعول مالم یسم فاعلہ اِلَّا مَا يُتْلٰى محل نصب میں ہے بوجہ استثناء از بہیمۃ الانعام کے غیر حال ہے۔ ضمیر مجرور سے جو علیکم یا لکم میں ہے۔ محلی اسم فاعل مضاف ہے مفعول کی طرف جو الصید ہے دراصل محلین تھا نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا الصید مصدر ہے بمعنی مفعول۔

تفسیر: سورہ نساء میں پیشتر احکام معاملات بیان ہوئے تھے جن کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس کے بعد کھانے پینے اور حلال و حرام چیزوں کے متعلق احکام بیان کرنا بھی عین حکمت تھا اور لطف یہ کہ اس سورہ مائدہ میں کہ جس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مائدہ یعنی دسترخوان یا نعمت نازل ہونے کے بیان سے مائدہ رکھا گیا حرام حلال چیزوں کا بیان کرنا گویا یہ بات بتلا دینا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد پولوس وغیرہ نے سب ناپاک چیزوں کو حلال بتا کر جو شریعتِ انبیاء علیہم السلام کو درہم و برہم کیا۔ فطرتِ الٰہی کو محرف کر دیا ہے۔ اس سورہ میں

[1] اس سورہ کو مائدہ کہتے ہیں۔ مائدہ کے معنی ہیں خوان اس میں اس خوان کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ شروع سورہ سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہمارا خوانِ نعمت دنیا پر بسیط ہے۔ تم ہر روز اسے کھاتے پیتے ہو تم کو اس نعمت کے شکریہ میں اپنے عہد پورے کرنے چاہییں۔ اول عہد یا عقدِ ازلی ہے۔ دوم یہ عقل کا عہد وہ جس فطرت پر چلنے کا حکم دے اس پر چلو۔ ہماری نعماء کو کھا کر نفس کی باگ ڈھیلی نہ چھوڑو۔ تیسرا رسول و کتاب کا عہد جو تم کو بدمست ہونے سے روکتا ہے اور مائدہ کے بدنتائج سے بچاتا ہے تاکہ تمہیں اس جہان میں بھی دیں۔ مائدہ نصیب ہو۔ پھر یہ خدا کی نعمتیں کھا کھا کر شتر بے مہار بھی نہ بن جاؤ اور برا بھلا کچھ نہ دیکھو۔ آنکھ بند کر کے بال مکھی کھانے لگو کیونکہ اس کی مضرت تمہاری روح اور جسم دونوں کو پہنچے گی۔ اس لیے ہم رحیم و حکیم تم کو آپ ہی بتاتے ہیں کہ تم کو اس مائدہ سے یہ چیزیں کھانی چاہییں اور ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی لیے سب سے اول اوفوا بالعقود فرما کر آئندہ اوامر و نواہی کی تکمیل کے لئے عقود کا ایک ایسا جامع لفظ فرمایا جو باہمی عہد و عقود کو بھی شامل ہے کہ نعمتیں کھا کر انسان خرمستیاں کرنے لگتا ہے اور جس قدر جور و جفا ہوتے ہیں یہ سب پیٹ بھرائی کے نتائج ہیں جو آقا کی پوری نمک حرامی ہے جس کا نتیجہ عالم آخرت میں نعماءِ روحانی و جسمانی سے بدنصیبی ہے۔ اس کے بعد جو کھانے چاہییں وہ نعمتیں ارشاد فرمائیں۔ احل لکم الخ سے کہ تمہارے لئے نباتات اور فواکہ تو حلال ہی ہیں جیسا کہ ہم نے سورہ بقر میں فرمایا تھا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مگر اب ہم تم کو گوشت کی بھی اجازت دیتے ہیں جو بوجہ مشابہت معتدی کے لذیذ اور مفید غذا ہے۔ پس چارپائے عموماً تمہارے لئے حلال ہیں مگر وہ نہیں کہ جن کو ہم ابھی بیان کریں گے کس لئے کہ ان میں تمہارے لئے سخت مضرت ہے جس کو ہم حکیم خوب جانتے ہیں ان اللہ یحکم ما یرید میں اسی طرف اشارہ ہے اور یہ حلال جانور بھی ہر وقت تمہارے لئے حلال نہیں یعنی جب چاہو ان جنگل کے وحشیوں کا شکار کر کے نفس کو تازہ کیا کرو بلکہ حالتِ احرام میں جبکہ ایک خاص لباس پہن کر ہمارے دربار میں حاضر ہونے کا قصد کر دیا، دربار کے حدود یعنی حرم میں داخل ہو جاؤ تب ہمارے ادب سے نفس کی باگ روکو اور ان کو شکار نہ کرو یہ تم کو نفس اور خواہشِ نفسانی کو زیر کرنے کے لئے ایک ریاضت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بے شک جس کا نفس جس پر غالب آ گیا اور وہ جدھر لے جاتا ہے اس میں اور گدھے وغیرہ حیوانوں میں کچھ بھی فرق نہیں بے شک سعادتِ انسانی نفس کے مقہور کرنے میں ہے۔ ۱۲ منہ

سب سے پہلا حکم عقود کا پورا کرنا ہے۔ عقود عقد کی جمع ہے جس کے معنی گرہ لگانا یعنی خواہ ایک جسم کو دوسرے جسم سے خوب ملا کر باندھنا جس طرح دورسی کے ٹکڑوں میں گرہ لگاتے ہیں خواہ کسی بات یا معانی میں گرہ لگانا اس لفظ کے تعبیر کرنے میں اس بات کی پابندی اور التزام مقصود ہوتا ہے اور یہی بات عہد میں بھی ہوتی ہے۔ عقد اور عہد قریب المعنی ہیں جن سے محاورۂ قرآن میں خدائے تعالیٰ کی شریعت مراد لی جاتی ہے اور امر و نواہی و معاملات و عبادات جیسا کہ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ۔ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ اس جگہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ عہد سے مراد وہ جو قضائے ازل میں خدا نے ارواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی سے توحید کا اقرار کرایا تھا جس کی پابندی فطری طور پر ہر فرد و بشر پر بذریعہ رسول عقل لازم و واجب ہے اور دنیا میں ہر فرد و بشر جب آتا ہے تو اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسی فطرت کو اسلام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی بارِ امانت ہے اور عقد عالم ظہور میں آ کر شریعت کی بجا آوری ہے جو اس عہد کے پورا کرنے کا سبب ہے۔ پس عہد عقد سے مقدم ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا کے بعد اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کا مطالبہ کر کے پھر اُحِلَّتْ لَکُمْ الآیہ میں احکام حلال و حرام کا بیان فرمانا ایک اعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت کو کلام میں لانا ہے۔ نقل ہے کہ فیلسوف کندی سے اس کے یاروں نے کہا کہ آپ بڑے حکیم ہیں۔ ہمارے لئے ان مسلمانوں کے قرآن کی مانند کوئی کتاب بنا دیجئے تاکہ ان کا دعویٔ اعجاز رد ہو جائے۔ اس نے کہا بہتر دو ایک سورتوں کے برابر تو ضرور بنا دوں گا۔ اس کام کے لئے چند روز تخلیہ میں بیٹھ کر آخر باہر نکل کر کہا بھائی اس کا مثل مجھ سے نہیں بن سکتا۔ میں نے جو قرآن کھول کر دیکھا تو پہلے میری نظر سورہ مائدہ پر پڑی جس کی اس آیت نے مجھے حیران کر دیا۔ اس تھوڑے سے جملہ میں وفاءِ عہد کا مطالبہ کرتا اور عہد شکنی سے منع کرتا پھر تحلیلِ عام کے بعد استثناء کر کے اپنے علم و قدرت اور ان کے رموزِ مصلحت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دو سطروں میں ایسا کوئی کر سکتا ہے؟

دوسرا حکم: اُحِلَّتْ لَکُمْ دوسرا حکم ہے اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ تمہارے لئے بجز ان جانوروں کے جن کو ہم اگلی آیت حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ الآیہ) میں بیان کریں گے۔ بَھِیْمَةُ الْاَنْعَامِ یعنی چار پائے حلال ہیں مگر یہ بھی حالتِ احرام یا حرم میں حلال نہیں۔

جانوروں کے حلال ہونے کی وجہ اور ہنود کا جواب: پھر ان کے حلال اور ان کے حرام ہونے کی وجہ ان یحکم ما یرید میں فرماتا ہے کہ ہمیں اپنی مخلوقات کا اختیار ہے جس چیز میں مصلحتِ عباد اور ان کے فوائد دیکھتے ہیں' اجازت دیتے ہیں۔ (ہم پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ جانوروں کے کھانے کی اجازت دے کر اپنے بندوں کو ظلم اور دکھ دینے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ جیسا کہ بعض ہنود کہتے ہیں۔) عبث ہے۔ رہا بے زبان جانوروں پر تکلیف پہنچنا بوقتِ ذبح و شکار سو یہ ویسی ہی تکلیف ہے جو عمرِ طبعی سے بڑھا ہو کر' بیماری کے دکھ اٹھا کر از خود مرنے میں ہوتی ہے اور اگر یہی ہے تو پھر کوئی سبز درخت یا گھاس بھی نہ کاٹی جائے نہ پھل توڑے جائیں کیونکہ نفس نباتیہ کو بھی تکلیف دینا ویسا ہی ہے اور یہ بات انتظامِ عالم میں خلل انداز ہے بہیمۃ مشتق ہے ابھم الامر علی فلان اذا اشکل سے جس کے معنی ہیں بے عقل جاندار جس کو ہندی میں پسو کہتے ہیں یعنی چار پائے اور انعام اونٹ' بکری' گائے۔ نعومۃ بمعنی نرمی سے مشتق ہے۔ اس تقدیر بہیمہ بمنزلہ جنس اور انعام بمنزلہ نوع کے ہے۔ تب بہیمۃ الانعام کی اضافت بتقدیر من ہوگی۔ بیان کے لئے جیسا کہ خاتم فضۃ میں ہے یعنی وہ بہائم جو از قسم انعام ہیں یا دونوں سے ایک مراد ہے تب اضافت تاکید کے لئے ہوگی جیسا کہ ذات الشیء اور نفسہ میں ہے اس لفظ میں گائے' بھینس' اونٹ' بھیڑ' بکری' جنگل کے قابلِ شکار جانور ہرن' چکارا وغیرہ وہ سب شامل ہیں جو کچلیاں اور ناخن یعنی پنجے نہیں رکھتے اور انسان پر حملہ نہیں کرتے اس میں بجز شیر بھیڑیئے وغیرہ درندوں کے سب چار پائے شامل ہیں اور پرند غیر شکاری اور غیر انعام گھوڑا' گورخر وغیرہ سو وہ اور آیت قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا الآیہ یا حدیث یا قیاس سے حلال ہیں بہیمۃ الانعام کو خدا نے حلال کر دیا مگر ان میں دو قید لگائیں۔ اول اِلَّا

مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ یعنی ان میں سے وہ جانور جو آیندہ ذکر ہوں گے جیسا کہ بت کا ذبیحہ سو حرام ہیں دوم غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی ان بہائم میں جو شکار کیے جاتے ہیں حالتِ احرام یا حرم میں وہ بھی شکار کرنے درست نہیں اور جو قابلِ شکار نہیں ہیں۔ حالتِ احرام یا حرم میں ان کے کھانے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ بھیڑ بکری اونٹ گائے وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جبکہ تم احرام باندھے ہوئے ہو خواہ حج کے لئے خواہ عمرے کے لئے بولتے ہیں۔ احرم بالحج والعمرة فھو محرم و حرم جیسا کہ کہتے ہیں مجب وجب اور احرم اس وقت پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے کہ جب کوئی حرم میں داخل ہو یعنی حرمِ مکہ معظمہ میں۔ پس حرم کے معنی حرم میں داخل ہونے والے کے بھی ہوئے۔ اسی لئے حرمِ مکہ معظمہ میں بھی ادباً شکار حرام ہے جس طرح کہ حالتِ احرام میں حرمِ مکہ میں اور اس سے باہر بھی شکار کرنا حرام ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ کے حلال ہونے سے مراد اس کا گوشت کھانا اور اس کے چمڑے اور ہڈی اور چربی سے ہر ایک قسم کا انتفاع حاصل کرنا ہے۔

فائدہ: بعض اہلِ طریقت نے حرم و احرام میں شکار نہ کرنے سے بارگاہِ تقرب میں مستلذات کی طرف متوجہ ہونے یا خواطرِ نفوس کے شکار کے حرام ہونے کی طرف اشارہ ہونا بھی بیان کیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ وَ لَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲

وقف لازم

ایمان والو بے حرمت نہ کرو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ عزت دینے والے مہینے کو اور نہ ہدی کو اور نہ قلائد کو اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کو جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے کو جاتے ہیں اور جب تم احرام کھولو تو (بدستور) شکار کرو اور کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا تم کو زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے اور ایک دوسرے کی نیک کام اور پرہیزگاری میں مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ کا سخت عذاب ہے۔

ترکیب: ولا القلائد معطوف ہے والا الہدی پر ای لاتحلوا القلائد جمع قلادہ[1] اور مراد قلادہ پہنے ہوئے جانور ہیں نہ صرف قلادوں کی تحریم مراد ہے۔ ولا آمین اے ولاتحلوا قتال آمین ای قاصدین البیت الحرام۔ یبتغون موضع حال میں ہے ضمیر آمین سے یجرمنکم

[1] پٹہ جو جانوروں کے گلوں میں ڈالا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ف: حرم اور احرام میں حلال جانوروں کے شکار کی ممانعت مذکور ہوئی تھی اس لئے اسی مناسبت سے اور جو جو افعال حرم احرام کے منافی اور اخلاف ادب ہیں ان کو بھی منع فرماتا ہے۔ فقال یاایہا الذین امنوا الخ ان آیات میں اول تو عموماً جملہ ارکان و فرائض و احکامِ شرعی خصوصاً احکامِ حج کی بجا آوری کی تاکید مخالفت کی ممانعت ہے کہ ان کو خلاف ورزی کر کے بے حرمت نہ کرو جو مائدۂ الٰہی کے کھانے والے کے لئے پوری نمک حرامی ہے۔ شعائر اللہ میں سب آ گئے۔ اس کے بعد بالخصوص چند چیزوں سے ممانعت فرماتا ہے۔ شہر حرام ہدی قلائد وغیرہ کی بے حرمتی سے۔ ۱۲ منہ

بالفتح والضم اور یہ دونوں لغت ہیں یقال جرم واجرم فاعل اس کا شنآن مصدر ہے جیسا کہ غلیان اور نزوان۔ان صدوکم ان مفتوحہ مصدر یہ ہے والتقدیر لان صدوکم ای لاجل ان صدوکم وقیل بکسر النون وہی شرطیۃ۔

تفسیر: پہلی آیت میں حرم یا احرام میں شکار کرنے کی ممانعت تھی۔اس لئے اس کے بعد بیت الحرام کے ادب اور اس کی تعظیم اور اس کی رونق اور آبادی کے متعلق ادب ملحوظ رکھنے کے مسائل بیان کرنا گویا کلامِ سابق کو تمام کر دینا ہے۔

اس کا شانِ نزول یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال مکہ معظمہ کا قصد عمرہ کے لئے کیا جب مع صحابہ آنحضرت ﷺ مکہ کے متصل ایک مقام حدیبیہ پر آ کر خیمہ زن ہوئے تو مکے کے مشرکینِ قریش نے جنگ کی تیاری کر دی اور یہ کہا کہ ہم آپ کو ہرگز کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں گے نہ شہرِ مکہ میں آنے دیں گے۔آپ نے فرمایا صاحبو! میں جنگ کے لئے نہیں آیا۔اچھا تم نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔باہم ایک عہد نامہ ہو گیا اور آنحضرت ﷺ مع صحابہ واپس چلے آئے مگر صحابہ کو ان کی سرکشی سخت ناگوار معلوم ہوئی۔آخر یہ بھی عرب کے بہادر اور شیر دل لوگ تھے خصوصاً جبکہ ایک محرک مذہبی اور جوشِ دینی بھی مؤید ہو تو پھر مخالفین کی کیا حقیقت سمجھتے تھے؟ اس عرصے میں اسلام اور بھی ترقی کر گیا اور مخالفوں پر بہت کچھ اقتدار آتشی شریعت اور آسمانی بادشاہت کی وجہ سے ہو گیا۔انہوں نے بھی حج کے آنے والے مشرکین کو روکنا اور ان کے ہدایہ اور قافلوں پر دست درازی شروع کی۔چونکہ اسلام ایک حقانی اور آسمانی مذہب ہے اس لئے ضد میں آ کر بدلہ لینے اور غیروں کے نیک کاموں میں دست انداز ہونے سے کیا علاقہ؟ اس لئے آٹھویں سال یہ آیات مسلمانوں کو اس دست اندازی سے روکنے کے لیے نازل ہوئیں۔ان آیات میں خدا تعالیٰ ان چند باتوں سے منع کرتا ہے۔ اول لا تحلوا شعائر اللّٰہ شعائر جمع شعیرۃ کی ہے ابن فارس کہتے ہیں شعارۃ کی جمع ہے اور شعیرۃ بروزن فیعلۃ بمعنی مفعلۃ اور شعار کے معنی اعلام یعنی خبر دینے کے ہیں۔شعور سے مشتق ہے اور مشاعر کا مفرد مشعر ہے یعنی وہ مواضع جن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے علاماتِ برکت وعزت رکھی گئی ہیں یا وہ اوقات کہ جن میں اس کے وہ فرائض ادا کئے جاتے ہیں جو اس کے برگزیدوں کی یادگار ہیں۔جیسا کہ ارکانِ حج۔پہلی تقدیر پر مشاعر اور شعائر سے مراد صفا ومروہ کی پہاڑی جس پر حضرت ہاجرہ کو اس کی رحمت کا کرشمہ دکھایا گیا تھا۔ان کی بے حرمتی نہ کرو کیونکہ ایامِ جاہلیت میں عامۃ العرب ان کا طواف نہیں کرتے تھے۔یہ فرّا کا قول ہے۔دوسری تقدیر پر عام فرائض مراد ہیں۔حسن بصری فرماتے ہیں شعائر اللہ دین اللہ بعض علماء کہتے ہیں یہاں مخصوص چیزیں مراد ہیں یعنی جو چیزیں حالتِ حلت میں حلال ہیں وہ حرم میں اس کی تعظیم کے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔وہ شعائر اللہ ہیں۔ان کو حلال نہ جانو۔شکار نہ کرو اور جو چیزیں ارکانِ حج ہیں ان کو بجا لاؤ ترک کر کے بے حرمتی نہ کرو کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا۔بعض کہتے ہیں وہ جانور مراد ہیں جو خانہ کعبہ میں قربانی کے لئے نیاز اللہ کے طور پر ذبح ہونے کو بھیجے جاتے ہیں جن کو ہدی کہتے ہیں۔چونکہ عرب میں یہ رسم قدیم تھی۔مشرکین بھی ایامِ حج میں ایسا کرتے تھے جن پر مسلمانوں نے ان کے مقابلہ میں آ کر دست درازی شروع کی تھی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اور گو لفظ شعائر اللہ عام ہے تمام فرائض اور دیگر شعائر کو شامل ہے مگر قرینہ کلام اسی کا مؤید ہے۔

دوم۔ولا الشھر الحرام۔شہر مہینے کو کہتے ہیں۔حرام بمعنی محترم یعنی جو مہینے خدا کے نزدیک محترم ہیں اور وجہ احترام ملاءِ اعلیٰ کو ان ایام میں بندوں کی عبادات وتقربات کی طرف زیادہ التفات ہوتا ہے۔الشہر اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر جنس ہے ایک مہینے پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کئی پر بھی۔عرب میں قدیم دستور چلا آتا تھا کہ اور مہینوں میں باہم جنگ وجدل، مار دھاڑ کرتے تھے مگر ان چار مہینوں میں کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا تھا۔وہ چار مہینے یہ ہیں۔ذوالقعدہ، ذوالحج۔محرم، رجب۔قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ یعنی بارہ مہینوں میں سے یہ چار محترم ہیں۔اس

آیت میں عام مفسرین کے نزدیک چاروں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں صرف ذی الحجہ کیونکہ زیادہ کاروبار حج کے اس میں ادا ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی مشرکین کو ان مہینوں میں روک ٹوک کرنے لگے تھے۔ اس لئے اس کی ممانعت کی گئی کہ ان مہینوں کو بھی حلال نہ سمجھو یعنی ان میں ایسے امور کو حلال نہ جانو۔ عام مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اس میں مشرکوں سے ان مہینوں میں جنگ کی ممانعت ہے اور ناسخ اس کی یہ آیت ہے وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کہ جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ قتل کر ڈالو مگر محققین کہتے ہیں یہ آیت منسوخ نہیں کس لئے کہ اول آیت میں مشرکین کی بابت کوئی حکم نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہدی اور ان کے مراسمِ حج میں خلل اندازی سے ممانعت ہے۔ سو وہ بدستور اب بھی ہے مگر یہ توجیہ درست نہیں کس لئے کہ قطع نظر سببِ نزول کے اخیر کا جملہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ صاف یہی کہہ رہا ہے کہ مشرکین کی ہدی اور خاص ان سے ان ایام میں تعرض نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کچھ تعارض ہی نہیں نسخ کیسا کس لئے کہ آیت وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کے یہ معنی نہیں کہ جہاں کہیں کسی مشرک کو پاؤ مار ڈالو کس لئے کہ جو مشرکین اسلام کے ساتھ مصالحت رکھتے اور امن میں ہیں وہ ہرگز قتل نہیں کئے جاتے تو لامحالہ آیت وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے وہی مشرکین مراد ہوں گے کہ جن سے جنگ قائم ہے اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم سے عموماً جنگ قائم ہوتی ہے تو طرفین سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ جس نے اپنے مخالف پر جہاں کہیں قابو پایا مار ڈالا تو لامحالہ آیت اقتلوا کو خاص کرنا پڑا۔

اور آیت وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ میں انہیں مشرکین سے تعرض کرنے کی ممانعت ہے جو اسلام سے پُرخاش اور جنگ قائم نہیں رکھتے اور بجرمِ اسلام کسی مسلمان کو ایذا دینا گوارا نہیں کرتے۔ رہی یہ بات کہ اس تقدیر پر تو شہرِ حرام کی کیا خصوصیت۔ ہر مہینے میں ان سے تعرض نہ کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہی بات ہے مگر اس زمانے میں مشرکین اور دیگر قبائلِ عرب کو باہمی مار دھاڑ سے بجز ان مہینوں کے امن سفر میسر نہ آتا تھا اور وہ ان ہی مہینوں میں کعبہ میں نذر و نیاز لایا کرتے تھے۔ اس لئے شہرِ حرام کی تخصیص کرنی پڑی۔ والعلم عند اللہ۔

سوم۔ وَلَا الْهَدْيَ۔ امام واحدی کہتے ہیں کہ ہدی وہ نذر و نیاز ہے جو اللہ کے لئے کعبہ میں بھیجی جاتی ہے۔ اونٹ اور گائے اور بکری اس کا مفرد ہدیہ ہے۔ بسکونِ دال۔ یعنی ان چیزوں سے بھی تعرض نہ کیا کرو گرچہ شعائر اللہ میں یہ بھی شامل ہے مگر تعمیم کے بعد تخصیص تاکید و اہتمام کے لئے ہے۔

چہارم۔ وَلَا الْقَلَائِدَ یہ قلادہ کی جمع ہے اور مراد اس سے وہ ہدی ہیں کہ جن کے گلے میں کوئی قلادہ یعنی پٹہ اس لئے ڈال دیا جاتا تھا کہ یہ اللہ کی نیاز ہے۔ پھر اس سے کوئی ایامِ جاہلیت میں تعرض نہ کرتا تھا۔ ایسی قربانیوں کے گلے میں عرب کے لوگ کبھی کوئی بالوں کی رسی بٹ کر ڈال دیتے تھے کبھی اس کے جسم میں ذرا سا چرکا دے کر نشان بھی کر دیتے تھے۔ ہدی کے بعد قلائد کا ذکر بھی وہی تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔

پنجم۔ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ۔ اعمش نے امی البیت الحرام بھی پڑھا ہے۔ اضافت کی وجہ سے ن ساقط کر کے امت بمعنی قصدت سے مشتق ہے یعنی کعبہ کے قصد کرنے والوں کو جو حج و عمرہ کے لئے آتے ہیں نہ چھیڑو۔ عام مفسرین نے اس جملہ کو بھی آیت فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا سے منسوخ کیا ہے یعنی مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی اس آیت میں ممانعت ہو گئی۔ پہلے جملہ سے اجازت ثابت ہوتی تھی لیکن اگر یوں کہا جائے کہ یہاں بھی نسخ نہیں تو ممکن ہے کس لئے کہ اس جملہ میں صرف یہ بات ہے کہ جو کوئی مسلمان یا مشرک خانہ کعبہ کو آوے تو اس سے تعرض نہ کرو۔ یہ اور بات ہے اب ان کو اس آیت میں آئندہ آنے کی ممانعت کر دی۔ دونوں باتوں میں کچھ مخالف نہیں۔

فائدہ:- یَبْتَغُوْنَ الخ یہ جملہ مفسرین کے نزدیک آمین کی صفت ہے۔ یہ پیرایہ حال پھر ان کا حج وعمرہ میں جب کہ آمین سے مشرکین مراد لیا جاوے فضل اور رضائے الٰہی کے تلاش کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بذریعہ تجارت نفع چاہتے تھے جو فضل ربی ہے اور اپنے اعتقاد میں حج وغیرہ سے اس کی رضا حاصل کرتے تھے۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ الخ یعنی شکار کی ممانعت حرم واحرام میں ہے اور جب تم حلال ہو جاؤ یعنی احرام کھول دو یا حرم سے باہر نکل جاؤ تب شکار کرنا مضائقہ نہیں۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے بقرینہ اس بات کے نہی کے بعد آیا ہے۔

ششم۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ جرم بمعنی کسب تھا جب لا اس کے ساتھ لگا تو معنی لا تحملنکم کے ہو گئے۔ وقیل لا یکسبنکم بغض قوم ان تعتدوا الحق الی الباطل شنان کے معنی بغض کے ہیں۔ مرد کو شنان اور عورت کو شنانہ کہا کرتے ہیں یعنی تم کو جو انہوں نے مسجد الحرام سے روک دیا ہے اس بغض میں آ کر تعدی نہ کرو کیونکہ بری بات کے بدلے میں برائی نہ کرنا چاہیے بلکہ جو کوئی نیکی کرے اس میں مشارکت کرنی چاہیے اسی لئے اس کے بعد یہ (امر) صادر فرمادیا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اس میں نیکی میں شرکت اور اعانت کرنے اور بدی سے بچنے کا حکم دیا۔ امام احمد اور عبد بن حمید اور بخاری نے اپنی تاریخ میں وابصہ کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ سے بر (نیکی) اور (اثم) گناہ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ جس پر دل ٹھکے وہ نیکی ہے اور جو دل میں کھٹکے وہ بدی ہے۔ حقیقت میں دل آئینۂ غیب ہے سب کے بعد آیت کو واتقوا اللّٰہ پر تمام کیا کیونکہ تمام عملیات کا دارومدار تقویٰ یعنی خوف خدا پر ہے اور خوف خدا قائم کرنے کے لئے اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ فرمایا۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْیَوْمَ یَىِٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ③

حرام کر دیا گیا ہے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر کہ اللہ کے سوا اور کا نام پکارا گیا اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو لاٹھی یا پتھر کے مارنے سے مر جائے اور جو اوپر سے گر کر مر جائے اور جو سینگ مارنے سے مر جائے اور وہ جانور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو مگر (وہ حلال ہے) جس کو تم نے ذبح کر لیا اور وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا گیا اور حرام ہے فال کے تیروں سے تقسیم کرنا یہ گناہ کی بات ہے۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے پھر ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی (کل) نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند کیا' ہاں جو بھوک کے مارے بے قرار ہو جاوے گنہگاری کا قصد نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: حُرِّمَتْ فعل مجہول المیتة مفعول مالم یسم فاعلہ والدم اور لحم الخنزیر اور ما اهل اور الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ وَمَا ذُبِحَ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا سب اس پر معطوف ہیں فمن اضطر شرط ہے محل رفع میں بسبب مبتدا ہونے کے غیر حال ہے فان اللہ جواب شرط اور عائد محذوف ہے امی لہ۔

تفسیر: میتۃ کی بحث چار پایا: یہاں سے ان حرام چیزوں کا بیان شروع ہوتا ہے کہ جن کا پہلی آیت الا مایتلی علیکم میں بیان کرنے کا اشارہ فرمایا تھا اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو حلال چیزوں سے مستثنیٰ کی گئی تھیں اور وہ گیارہ چیزیں ہیں: (۱) المیتۃ یعنی مردار بیضاوی فرماتے ہیں والمیتۃ فارقۃ الروح من غیر تزکیۃ کہ میتہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کی روح بغیر ذبح کے نکل جائے۔ اس میں کسی جانور کی خصوصیت نہیں خواہ چرند ہو خواہ پرند۔ عرب کے محاورہ میں خصوصاً جبکہ قرآن مجید نازل ہو رہا تھا میتہ کو اسی عام معنی پر اطلاق کرتے تھے اس میں بہیمہ کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ اگر میتہ سے خاص بہیمہ ہی مراد ہوتا تو خود حضرت پیغمبر ﷺ کو جن پر قرآن نازل ہوا ہے اور جن سے بہتر کوئی شخص قرآن کے معنی و مطالب نہیں جان سکتا میتہ میں مچھلی اور ٹڈی کو شامل کر کے پھر اس سے مستثنیٰ نہ کرتے۔ دیکھو آپ فرماتے ہیں احل لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال کہ خدا نے ہمارے لئے دو میتہ اور دو خون حلال کر دیے۔ دو میتہ سے مراد مچھلی اور ٹڈی اور خون سے مراد کلیجی اور تلی ہے۔ اس حدیث کو امام شافعی اور امام احمد حنبل اور ابن ماجہ اور دارقطنی اور بیہقی وغیرہ ؒ نے روایت کیا ہے اور اسی کی مؤید ایک اور حدیث ہے جس کو اصحاب سنن اور احمد اور جماعت محدثین نے اسنادِ مختلفہ سے روایت کیا ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کی میتہ یعنی بغیر ذبح کی ہوئی مچھلی حلال ہے اور جس مفسر نے المیتۃ کے اول لفظ البہیمۃ کو موصوف مقدر مانا ہے تو فرد غالب کا لحاظ کیا ہے نہ کہ حصر۔ اس آیت میں بعبارۃ النص اس بات کی تصریح ہے کہ جس جانور کو خواہ پرند ہو مرغی وغیرہ یا کوئی چرند بہائم' گائے' بکری جب تک ذبح نہ کیا جاوے حرام ہے بجز مچھلی اور ٹڈی کے اور کوئی جانور ذبح سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا جاوے جو ذبح میں لیا جاتا ہے اس کو نہ کھاؤ۔ اس میں پرند کی کوئی خصوصیت نہیں لفظ ما عرب کی زبان میں عام ہے اپنے معنی پر قطعاً دلالت کیا کرتا ہے اس سے صرف مچھلی اور ٹڈی ہی مستثنیٰ ہو سکتی ہیں کہ جن کو کسی خاص وجہ الہامی سے خود پیغمبر ﷺ نے مستثنیٰ کیا۔ اب جو بعض محرفین کلام الٰہی نے نصاریٰ کی خوشامد سے آیت مذکورہ سے جاہلانہ اگر مگر ملا کر پرند خصوصاً مرغی کو بغیر ذبح کے حلال کیا اور گلا گھونٹی مرغی کو المنخنقۃ سے باطل تاویل کر کے حلال بنایا ہے اور اس کو طعام اہلِ کتاب بنا کر مباح کیا ہے محض لغو اور سراسر بے دینی اور علم قرآن و حدیث سے محض ناواقفی

ف: یہاں ان چند چیزوں کا بیان ہے کہ جن کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کو ہم ابھی بیان کریں گے ان کو اس خوانِ دنیا میں سے نہ کھانا (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت ان کی حرمت توریت میں بھی ہے اور ان کا اخلاق اور جسم پر بڑا اثر پڑتا ہے (۴) بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑا گیا اس لئے کہ اس میں حکم نجاست ہے (۵) گلا گھونٹا ہوا (٦) چوٹ سے مرا ہوا (۷) گر کر مرا ہوا (۸) سینگ سے مرا ہوا (۹) درندوں کا پھاڑا ہوا اگر زندہ پا کر ذبح نہ کیا گیا ہو (۱۰) بتوں پر ذبح کیا ہوا (۱۱) گوشت یا اور کسی چیز کو پاسے ڈال کر تقسیم کرنا جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ وہ تیروں کے پاسے ڈال کر تقسیم بھی کرتے تھے اور اسی پر نحر اور نکاح وغیرہ کاموں میں کاربند تھے۔ یہ جوا ہے جو بدکاری اور اس قوم کے لئے جو دنیا کی قوموں کی رہبر بنائی جاوے بدنما ہے ان گیارہ چیزوں کی حرمت بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اب کفار کو تمہارے دین کی طرف سے ناامیدی ہوگئی کیونکہ اب مسلمانوں کا دستور و قانون مرتب ہوگیا۔ ان کو کفار کے رسم و رواج سے بے نیازی ہوگئی اور یہ قانون بھی مکمل ہے۔ اس میں دست اندازی کا کوئی موقع نہیں رہا۔ ایسی حالت میں جب کہ کفار کی امیدیں اسلام سے پھر جانے کی جاتی رہیں تو طبعی بات ہے کہ وہ ستاویں گے۔ پر تم اے مسلمانو! ان سے کچھ خوف نہ کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ کس لئے کہ خدا ترس کی ہیبت مخالف پر پڑتی ہے یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس کے بعد پھر انہیں حرام اشیاء میں کلام کرتا ہے کہ اگر کوئی بھوک سے مرتا ہو اور کچھ نہ ملے اور شکم پری اور نفس کی خواہش مقصود نہ ہو تو خدا معاف کرنے والا ہے اگر کھالے۔ ۱۲ منہ

ہے۔اول تو آیات کے عموم کو بلاوجہ ٔوجیہ خاص کرنا اور پھر آج کل کے انگریزوں کو جو اکثر عیسائی نہیں بلکہ ملحد اور دہریہ ہیں۔ اہلِ کتاب[1] قرار دینا اور پھر ان کے طعام کو عام رکھنا نہ اس میں سے شراب کو مستثنیٰ کرنا نہ سور کو نہ مردار کو ایک جاہلانہ گفتگو ہے جس کی طرف کوئی مسلمان سلف سے لے کر خلف تک کان بھی نہیں لگا سکتا۔

(۲) الدم یعنی خون۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ خون کو جما کر توے پر بھون لیا کرتے تھے۔ یا تل لیا کرتے تھے پھر اس کو کھاتے تھے مگر وہ خون جس کا کھانا اس آیت میں حرام کر دیا ہے دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو بہہ سکتا ہے یا بہایا گیا اس سے وہ خون جو کہیں گوشت پر لگا رہتا ہے یا کلیجی اور تلی مستثنیٰ ہے۔ (۳) لحم الخنزیر یعنی سور کا گوشت اس میں اس کی چربی اور بال کھال سب شامل ہیں۔ (۴) ما اہل لغیر اللہ یہ وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر پکارا گیا ہو ایام جاہلیت میں مشرکین اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے جس طرح اب تک ہندو دیوی دیوتاؤں کے نام پر سانڈ چھوڑتے ہیں جن کو وہ لوگ ادبا چھیڑتے نہ تھے۔ ان کا بتوں کے نام پر چھوڑنا اہلال لغیر اللہ ہے جس سے وہ جانور شریعت محمدیہ میں بت پرستی کی تحقیر کے لئے ناپاک اور حرام قرار دیا گیا مگر عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ صرف اس کا پکارنے سے وہ جانور اس مرتبہ میں نہیں پہنچ گیا کہ اب جو کوئی اللہ کے نام سے اس کو ذبح کرے تب بھی وہ حرام ہی رہے بلکہ مراد یہ کہ جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور پھر اس میں اور ماذبح علی النصب میں یہ فرق ہوگا کہ اول میں خاص بتوں کا نام لے کر ذبح کرنا دوسری میں بتوں کے لئے ذبح کرنا نام لیں یا نہ لیں یہ بحث سورۂ بقرہ میں ہو چکی اس کو وہاں دیکھنا چاہیے۔ (۵) المنخنقة یعنی جو جانور گلا گھوٹنے سے مر جائے خنق اور اختناق گلا گھٹنا اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ ایام جاہلیت میں بغیر ذبح کرنے کے یوں بھی جانور کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے پھر اس کو کھاتے تھے۔ دوم یہ کہ کسی رسی کے پھندا لگ جانے سے گلا گھٹ کر مر جاوے۔ سوم یہ کہ درختوں کی ٹہنیوں میں گردن پھنس جانے سے گلا گھٹ کر مر جاوے تینوں صورتوں میں یہ جانور چونکہ بغیر ذبح کئے مرا ہے میتة یعنی مردار ہے۔ سو یہ بھی حرام ہے (تفسیر کبیر) اس میں اس کی کوئی قید نہیں کہ اگر وہ جانور مرغی ہے اور کسی جنٹلمین کے گورے گورے ہاتھوں سے اس کی گردن مروڑی گئی ہے تو وہ حلال ہے اور جس کو حرام کھانے شراب پینے سے کچھ پروا نہ ہو تو پھر کیا ضرورت ہے کہ زمین آسمان کے قلابے ملا کر قرآن میں تحریف کر کے اس کو حلال بھی بنا دے۔ (٦) الموقوذة وقذ ہا بمعنی ضرب یعنی جس جانور کو لٹھ سے یا پتھر سے مار دیا جاوے جیسا کہ عرب کا دستور تھا یہ بھی ذبح نہ ہونے کی وجہ سے میتة اور حرام ہے اور وہ جانور کہ جو بندوق کی گولی سے مارا جاوے وہ بھی موقوذہ میں شمار ہے۔

شکار میں جانور مارے جانے کی بابت: شکار کھیلنے میں شریعت نے یہ اجازت دی ہے کہ شکار اگر ہاتھ آ کر ذبح نہ ہو سکے تو بسم اللہ پڑھ کر دھاردار چیز نیزہ یا تیر پھینک کر مار دینے سے اگر اس کا جسم کٹ کر خون نکلے خواہ کہیں لگے وہ جانور حلال ہے اسی طرح شکاری[2] کتے کا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنا بھی ذبح میں داخل ہے، اگر اس کی گرفت میں وہ جانور مر جائے گا حلال ہوگا مگر جو چیز شکار پر پھینکی جائے

---

[1] اہلِ کتاب اور ان کے طعام سے جو کہ حلال کیا گیا ہے کیا مراد ہے۔ اس کی تفسیر آگے چل کر ہم خوب بیان کریں گے مگر مختصراً یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد یہود ہیں جو توریت اور شریعتِ موسویہ کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عیسائی بھی جو توریت اور انجیل اور شریعتِ عیسویہ کی پابندی کے مدعی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اس ادعاء میں کامل ہیں یا ناقص۔ سچے ہیں یا جھوٹے نہ وہ ملحد کہ ان کو برائے نام عیسائی کہا جاتا ہے اور دراصل وہ اپنے اس مذہب کو بھی ہیچ و پوچ سمجھتے ہیں نبوت اور الہامِ الٰہی پر قہقہہ اڑاتے ہیں جیسا کہ فرنگستان کے اکثر لوگ اور ان کے طعام سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن میں شریعتِ محمدیہ کے برخلاف چیزیں نہ ہو خصوصاً وہ کہ جن کو نص نے ممنوع کیا ہو۔ ۱۲ منہ

[2] اس کو کلبِ تعلم کردہ کہتے ہیں اور اس میں باز اور چیتا بھی شامل ہیں یعنی جو قابلِ تعلیم ہوں اور نجس العین نہ ہوں ان سے شکار کرنا درست ہے۔ بسم اللہ کہہ کر چھوڑنا ذبح کرنا ہے مگر اس شکار میں زخم ہو کر خون نکلنا چاہیے اور بعض روایت میں خون نکلنا کچھ شرط نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے (درالمختار) ۱۲ منہ

دھاردار ہو ابن عمر اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور شافعی اور سفیان ثوری وغیرہم کا یہی فتویٰ ہے مگر بعض علماء نے بسم اللہ کہہ کر گولی کے مارنے سے جو مر جاوے اس کو بھی حلال بتایا ہے اور دلیل اس پر عدی بن حاتم کی وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ یارسول اللہ میں تیر سے شکار کھیلا کرتا ہوں اس میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب دھار کی طرف سے لگ کر کٹے تو کھا اور جو اس کی عرض[1] سے مرے تو مت کھا اور گولی میں کٹنا نہیں پایا جاتا بلکہ بارود کے زور سے ٹوٹتا اور نہ اس میں دھار ہے۔ ہاں قاضی شوکانی اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ (۷) المتردیۃ کہتے ہیں اوپر سے نیچے گر پڑنے کو جو جانور پہاڑ یا کسی درخت یا چھت پر سے گر کر مر جاوے اس کو متردیہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بہ سبب ذبح نہ ہونے کے میتہ میں شمار ہے۔ (۸) النطیحۃ بروزن فعیلہ بمعنی مفعولہ نطح کہتے ہیں سینگ مارنے کو نطیحہ وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جاوے یہ بھی بہ سبب ذبح نہ ہونے کے میتہ ہے۔ (۹) ما اکل السبع وہ جانور کہ جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو اور وہ اسی حالت میں بغیر ذبح کئے مر گیا ہو۔ وہ بھی حرام ہے (الاماذکیتم) یہ سب اقسام کی طرف راجع ہے یعنی موقوذہ اور متردیہ اور نطیحہ اور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ حرام ہیں مگر جب کہ تم ان کو زندہ پالو اور ذبح کر لو تب درست ہیں۔

ذبح کا بیان: ذکوۃ کلام عرب میں ذبح کے لئے آتا ہے اور لغت میں بمعنی تمام اور تیزیٔ طبع کے بھی آتے ہیں۔ (الذکوۃ) شرع میں شاہ رگوں اور حلقوم کو کاٹ کر خون نکالنا (یہ اس جانور کے لئے جو ذبح کیا جاوے) اور نحر کرنا ہے اور جس پر ذبح کی قدرت نہ ہو تو اس کی بسم اللہ کہہ کر کونچیں کاٹنا یا زخمی کر دینا ذکوۃ ہے اور جس آلہ سے ذکوۃ واقع ہوتی ہے وہ جمہور کے نزدیک بجز ناخن اور دانت کے ہر دھار دار چیز ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ (۱۰) ماذبح علی النصب یعنی وہ جانور جو نصب کے لئے ذبح کیا جاوے۔ نصب ان گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں کہ جن کو مشرکین پوجتے اور نذر و نیاز کے لئے کھڑا کر لیتے ہیں اور اصنام وہ جن میں صورت کھدی ہو۔ ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب کہیں تو ترشے اور کھدے ہوئے پتھر کھڑے کر لیتے تھے اور کبھی ایسے ہی ان گھڑت پتھر کھڑے کر کے ان پر اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام سے قربانیاں کرتے اور کچھ خون ان پر بھی چھڑک دیتے تھے جیسا کہ اب تک ہندوؤں میں دستور ہے۔ اس کو بھی خدا نے نجس قرار دیا اور حرام کر دیا۔ (۱۱) وان تستقسموا بالازلام یعنی فال کے تیروں سے تقسیم کرنا۔ ازلام زلم کی جمع ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں۔ چونکہ ایام جاہلیت میں تیر رکھ چھوڑتے تھے جن سے پاسے کے طور پر قربانی کے گوشت اور دیگر چیزوں کی تقسیم اس طور سے کرتے تھے جو ایک قسم کا جوا ہوتا تھا اس کو بھی حرام کر دیا مثلاً کسی تیر پر تین حصہ کسی پر دو حصے کسی کو خالی قرار دے کر ان کو کسی کپڑے کی تھیلی میں سے ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے اگر جس پر دو حصہ مقرر تھے وہ نکل آیا تو وہ دو حصہ لے گیا اور جس کے لئے خالی نکلا تو وہ محروم رہا اور اسی طرح کسی تیر پر لکھا تھا کر کسی پر نہ کر کسی کو خالی رکھا پھر جس کام کو کرنا چاہتے تو اسی طرح سے ان تیروں کو نکالتے اگر وہ تیر نکلا کہ جس پر کرنا لکھا تھا تو اس کام کو کرتے ورنہ ترک کرتے اور جو خالی تیر نکلتا تو بارِ دیگر اس عمل کو کام میں لاتے تھے۔ اگرچہ آیت میں عموماً ان سب قسم کی لغو حرکات کو حرام کر دیا مگر یہاں گوشت کی اسی طرح سے تقسیم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ جو وہ اپنے بتوں کے چڑھاوے کے گوشت کو تقسیم کرتے تھے اور قرعہ میں جس کو شرع نے جائز رکھا ہے اور اس سے پانسہ بازی میں بڑا فرق ہے۔ قرعہ حصصِ مساویہ پر ڈالا جاتا ہے اس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچتی نہ کچھ عیب جوئی مقصود ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو اس آیت میں حرام کیا ہے ان کی تین قسم ہیں: اول وہ کہ ان کی ذات میں ایسی خباثت دائمی پائی جاتی ہے کہ جو انسان کے اخلاق اور روح پر برا اثر پیدا کرتی ہے اور وہ میتہ اور دم اور لحم خنزیر ہے۔ دوم وہ کہ ان جانوروں کو بتوں کے نام اور ان کی نیاز کے لئے ذبح کیا گیا ہے اور یہ خباثت ان میں عارض ہو گئی ہے ورنہ بذاتِ خود ان جانوروں میں کوئی قباحت نہیں۔ سوم وہ کہ

[1] یعنی جو اس کی لکڑی یا چوڑے رخ سے تیر کا پھل لگے۔

ان میں عارضی قباحت ہے مگر ان کی اصلاح ممکن ہے۔ دوم قسم میں اهل لغیر الله جو زیادہ نجس ہے اور ماذبح علی النصب قسم سوم میں داخل ہے اور گیارہویں قسم کوئی جداگانہ نہیں بلکہ ان ہی کے گوشت کی بری تقسیم ہے۔ پھر ان تینوں قسموں کو کس خوبی اور لحاظِ مراتب سے خدا تعالیٰ نے مقدم و مؤخر کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد الیوم سے لے کر رضیت لکم الاسلام دینا تک جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بتلائی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں نہ تو بعض مصالح کی وجہ سے ان اشیاء کی حلت و حرمت بیان ہوئی تھی اور نہ مخالفین کے جور و ظلم سے شرائع اسلام پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ اس لحاظ سے کہ کفار اس چشمۂ غیبی کو اپنے تعصب کے ریتے اور مٹی سے روکنا چاہتے تھے اور مسلمان کو بارِ دیگر اپنے مذہب میں پھر آنے کی طرف مجبور کرتے تھے۔ آخر وہ چشمۂ غیبی اس روک سے اور بھی چاروں طرف ایسا پھوٹ نکلا کہ اب مخالفین کو اس کے بند کرنے کی امید بھی باقی نہ رہی اور تمام و کمال شرائط ظاہر کر دیے گئے۔ اے اہلِ اسلام! اب تم کو کسی کا خوف نہیں رہا۔ اس بات پر میرا شکر کرو۔ اس کے بعد فمن اضطر سے لے کر رحیم تک یہ بات بیان کرتا ہے کہ یہ جانور جو ہم نے حرام کئے ہیں اسی حالت میں ہیں کہ جب ان سے بچ کر ہلاکت میں نہ پڑ سکو اور جب ایسی حالت ہو کہ جس کو اضطرار اور مخمصہ[1] سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس شخص کی نیت حرام خوری کی بھی نہ ہو تو صرف بھوک سے جان بچانا یا سخت دشمن سے جان بچانا مقصود ہو تو اس کے لئے ان چیزوں کی اجازت ہے مگر اس کے ساتھ غفور رحیم کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ حالتِ اجازت بھی خطرہ سے خالی نہیں مگر وہ تم کو معاف کر دے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾ ع

(اے نبی) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کیا حلال کیا گیا ہے کہہ دو تم کو پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور شکار بھی تمہارے سکھائے ہوئے شکاری جانوروں کا کہ جن کو تم وہ طریقہ سکھاتے ہو جو تم کو خدا نے سکھایا ہے (حلال ہے) پس جو کچھ وہ تمہارے لئے شکار پکڑیں تو اس کو کھا لیا کرو اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے اور ایماندار پاکدامن عورتیں اور ان لوگوں کی پارساعورتیں بھی کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (وہ بھی حلال ہیں) جب کہ ان کے مہر ادا کر دو اور تم کو پاکدامنی بھی مقصود ہو نہ یہ کہ مستی نکالنا اور خفیہ آشنائی کرنا اور جس نے ایمان کی باتوں سے انکار کیا اس کا کیا کرایا غارت ہوا اور وہ آخرت میں بھی خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔

ترکیب: وما بمعنی الذی والتقدیر صید۔ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ حال ہے ہائے محذوفہ یا ما سے جوارح جمع جارحۃ ای الکواسب یعنی

[1] خمص یا خمیص پیر کے تلوے کے گڑھے کو کہتے ہیں بھوک میں پیٹ میں گڑھا پڑ جاتا ہے اس لئے بھوک کو مخمصہ کہتے ہیں۔

شکار کرنے والے جانور جیسا کہ کتا اور باز مکلبین بالتخفیف والتشدید حال ہے ضمیر علمتم سے۔ تعلمونھن جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور ضمیر مُکَلِّبِیْنَ سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ طَعَامُ الَّذِیْنَ مبتدا احل لکم خبر وَطَعَامُکُمْ مبتداء حل لھم خبر وَالْمُحْصَنٰتُ معطوف ہے الطیبات پر اذا آتیتموھن ظرف ہے حل کا محصنین حال ہے ضمیر مرفوع آتیتموھن سے۔ غیر صفت ہے محصنین کی ولا متخذی اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: **شکاری کتوں کے شکار کا ذکر**: یہ بھی پہلی آیت کا تتمہ ہے۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کی قومیں باوجودیکہ بعض چیزوں کو پاک اور ستھری سمجھتی تھیں مگر اپنے واہی شبہات سے ان کا کھانا حرام جانتے تھے (حالانکہ شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ یا تو ناپاک اور گندی ہیں یا ان میں بت پرستی کی وجہ سے عارضی ناپاکی آگئی ہے) جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ سو اس لئے وہ پیغمبر ﷺ سے سوال کرتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ سب پاک اور ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ وما علمتم یعنی کھانے پینے کی نہ صرف یہی پاک چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں بلکہ تمہارے تعلیم کئے ہوئے شکاری کتوں کے وہ شکار بھی تمہارے حلال ہیں کہ جو وہ تمہارے لئے پکڑتے ہیں۔ اس آیت سے تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کتے کو شکار کرنا سکھایا جاوے اور امتحان ہو جاوے کہ وہ ہمارے کہنے سے منہ شکار پر ڈالتا اور منع کرنے سے رک جاتا ہے۔ (تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ سے اسی طرف اشارہ ہے) اور خود نہیں کھاتا۔ بشرطیکہ اس کو بسم اللہ کہہ کے چھوڑا ہو جیسا کہ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ سے مستفاد ہے اس کا کھانا بغیر ذبح کئے بھی درست ہے۔ گویا یہ اس کا پکڑ کر اس کا پھاڑنا ذبح کرنا ہے۔ اس میں بعض نے اس کے پھاڑنے کی بھی قید لگائی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کی کچھ قید نہیں۔ اس قدر تو قرآن مجید کی عبارت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے۔ اب آیندہ اس آیت کے الفاظ پر بحث کر کے علماء نے اپنے اجتہاد اور اخبار سے اختلاف کیا ہے۔ (۱) من الجوارح اس کو جمہور نے جرح واجترح بمعنی اکتسب سے لیا ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے والذین اجترحوا السیئات ای اکتسبوا وقال یعلم ما جرحتم بالنھار ای کسبتم یعنی کمانے والے جانور اس میں کتے کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ چیتا اور باز اور صقرہ بجز نجس العین جانوروں کے جو قابل تعلیم ہیں سب شامل ہیں اور ان کے شکار میں زخم کرنے کی بھی کوئی قید نہیں مگر بعض علماء نے جرح کو زخم کے معنی میں لے کر یہ بات ثابت کی ہے کہ اس شکار میں ان کے پکڑنے سے زخم ہو کر خون بھی نکلنا چاہیے اور جو خون نہ نکلے گا تو اس کو بغیر ذبح کے کھانا درست نہیں ہوگا۔ (۲) مکلبین جمع مکلب کی ہے اور مکلب اس شخص کو کہتے ہیں جو شکاری جانوروں کو شکار کرنا سکھاوے اور چونکہ کتا سب میں زیادہ اس صنعت کو قبول کرتا ہے اس لئے اس کو کلب سے لیا گیا اور مراد عام ہے جس میں اور جانور بھی شامل ہیں اور نیز عرب میں ہر ایک درندہ پر لفظ کلب کا اطلاق ہوتا تھا۔ خواہ مجازاً خواہ حقیقۃً اور ضحاک اور سدی اور ابو جعفر نے لفظ کلب جس کے معنی کتا ہیں خیال کر کے اس کو کتے کے شکار میں مخصوص کیا ہے اور دیگر جانوروں کے شکار کو بغیر ذبح کے نادرست قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے تھی اور پھر کتوں میں سے کالے کتے کے شکار کو حسن اور قتادہ اور نخعی اور ابن راہویہ نے مستثنیٰ کیا ہے کہ اس کو حضرت پیغمبر ﷺ نے بلفظ شیطان تعبیر کیا ہے اس کا شکار بھی درست نہیں مگر جمہور نے عام رکھا ہے اور ان ہی کے دلائل قوی ہیں۔ (۳) جمہور کے نزدیک بقید لفظ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ اور حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے کہ جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے یہ بات ثابت ہے کہ جو شکاری کتا شکار کو پکڑ کر آپ کھانے لگا اس کا شکار بغیر ذبح کے درست نہیں کیونکہ قرآن اور حدیث میں یہ لفظ ہے کہ جو تمہارے لئے پکڑے مگر اب اس نے اپنے لئے پکڑا اور نیز اولیٰ صورت میں تو وہ بمنزلہ ایک آلہ یا حربہ کے تھا اور جب اس نے اپنے لئے ایک فعل خلاف منشاءِ شکاری کیا تو وہ ایک مستقل ہو گیا۔ پھر بجز تیر کے مارے کو بغیر ذبح کے کیونکر کھایا جاوے۔ اول صورت میں وہ کتا بمنزلہ چھری کے تھا مگر بعض علماء جیسا کہ عطا بن ابی رباح اور اوزاعی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ امسکن

علیکم کے منافی نہیں کہ کچھ شدتِ گرسنگی میں اس نے بھی کھالیا ہو۔ اس لیے شکار بھی درست ہے۔ اس صورت میں بھی کتے کا شکاری کے لئے شکار مارنا پایا جاتا ہے اور اس کی سند میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جس کو ابوداؤد نے ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے اور نسائی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب تم کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تو شکار کو کھالو گو وہ بھی اس میں سے کھا لے۔

شانِ نزول: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بڑے شکاری تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نیز احادیث میں اکثر ان ہی کے سوال کے مطابق شکار کے مسائل ذکر فرمائے گئے ہیں۔ تیر سے بسم اللہ پڑھ کر شکار مارنا یا کسی اور دھار دار چیز سے اسی پر قیاس کیا گیا ہے اور اس بارے میں احادیثِ صحیحہ بھی وارد ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم کی وہ حدیث جو صحیحین میں ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تیر سے بھی شکار کیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر دھار سے مرے اور زخم ہو تو کھا اور جو اس کے عرض یعنی بغیر دھار کے دوسری طرف سے لگ کر اس کے صدمہ سے مرے تو نہ کھاؤ کیونکہ وہ موقوذہ قید ہے واذکروا اسم اللّٰہ علیہ جمہور مفسرین کے نزدیک اللہ کا نام اس پر لینے سے کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا مراد ہے اور حدیثِ عدی جو صحیحین میں ہے اسی کی مؤید ہے۔ ان ارسلت کلبك وسمیت فاخذفکل مگر بعض علماء نے اس سے کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا مراد لیا ہے۔ علامہ قرطبی اس کو ان احادیث سے کھانے کے وقت جو بسم اللہ کہنے کے بارے میں آئی ہیں۔ ترجیح دیتے ہیں مگر یہ وہم ہے کیونکہ کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا اور حکم ہے اور تیر چلاتے یا شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا جدا گانہ حکم مؤکد ہے۔ احل لکم الطیبات کا اعادہ گویا طعامِ اہل الکتاب حل لکم کے لیے نہ صرف تمہید بلکہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ اہلِ کتاب کا ہر کھانا تمہارے لیے حلال نہیں بلکہ صرف طیبات کہ جن میں شرعی یا عرفی کوئی ناپاکی یا بدمزگی نہ ہو۔

طعامِ اہلِ کتاب کی بحث: طعامِ اہلِ کتاب میں جمہور مفسرین کے تین قول ہیں (۱) ان کے ذبائح (۲) ان کے ہاں کی روٹی اور میوے وغیرہ۔ وہ چیزیں جن میں ذبح کی حاجت نہیں پڑتی اور یہ قول بعض آئمہ زیدیہ سے منقول ہے (۳) عموماً ذبح و دیگر مطعوماتِ طیبہ اول قول قوی ہے بقرینہ مقام۔

اہلِ کتاب سے جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خاص بنی اسرائیل اور مجوس جمہور کے نزدیک اہلِ کتاب نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مقامِ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ اب ہم کو اس بات کا بتلانا ضرور ہے کہ اس آیت میں جو طعامِ اہلِ کتاب کو حلال قرار دیا ہے اس سے ان کا ہر قسم کا کھانا مراد نہیں کہ جس میں گلا گھونٹی مرغی بھی شامل ہو۔ چند وجوہ سے:

اول احل لکم الطیبات یہ جملہ سب سے اول اعلان کر رہا ہے کہ جن چیزوں کو شرع نے نجس یا رجس قرار دیا ہے وہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بجز اضطرار کے درست نہیں کیونکہ ان میں قبحِ ذاتی ہے جو کسی وقت دور نہیں ہوتا یہ عقل میں نہیں آسکتا کہ جس چیز کو ناپاک قرار دے کر مسلمان کے لیے حرام کرے وہ ناپاک چیز اہلِ کتاب کے ہاتھ میں جا کر پاک ہو جاوے۔ مسلمانوں کے دسترخوان پر سور، شراب، منخنقہ حرام اور ناپاک ہو۔ اہلِ کتاب کے دسترخوان پر رکھنے سے پاک ہو جاوے اور شراب اور سور اور منخنقہ وغیرہ چیزوں کو خدا تعالیٰ ناپاک اور ان کے کھانے کو اس سے پہلی آیت میں فسق فرما چکا ہے۔ **دوم** سلف سے خلف تک کسی مسلمان نے طعامِ اہلِ کتاب کو عام مراد نہیں رکھا ہے کہ اس میں سور اور شراب بھی شامل ہوں۔ پھر جب یہ نہیں تو منخنقہ جو منصوصاً حرام ہے اس میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے۔ **سوم** آیت مذکورہ سے جس نے ذبائح مراد لیے ہیں اس کے نزدیک تو منخنقہ ذبائح میں داخل نہیں اور نیز ذبائح بھی حضرت علی اور ابن عمر اور عائشہ صدیقہ و دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ حلال ہیں جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیے گئے ہوں نہ وہ کہ جو مسیح اور عزیر کے نام سے بقرینہ آیت وَلَا تَاْكُلُوْا

مِمَّالَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اور یہی صحیح اور احوط ہے اور جس نے عام مراد لیا ہے تو عام سے ہر قسم کے طعام مراد نہیں بلکہ ذبائح اور دیگر خوردنی چیزیں جو ناپاک اور حرام نہیں۔ چہارم یہود کے نزدیک قدیم سے اب تک ذبح کرنے کا دستور ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری شریعتِ موسویہ کی پابندی کیا کرتے تھے۔ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے سور یا شراب یا گلا گھونٹی مرغی کا استعمال کیا ہو۔ ہاں رومیوں اور دیگر اقوام جو پولوس کے تراشیدہ مذہب میں آئی تھیں۔ ان کے ہاں ان کا دستور ہوتو ہو مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برائے نام عیسائیوں کے ذبیحہ کو بھی درست نہیں جانا ہے چہ جائیکہ ان کے ہاں کی وہ ناپاک اور نجس چیزیں جن میں گلا گھونٹی مرغی بھی شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ عرب کی قوموں سے بنی تغلب اور تنوخ اور جذام اور لخم اور عاملہ وغیرہا قبائل عرب متنصرہ کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ صرف اس لئے کہ یہ لوگ برائے نام عیسائی ہیں۔ پھر آج کل کے ملاحدۂ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہ ہوں گے۔ فقیر کے نزدیک ان لوگوں کے ساتھ طیبات کا نکر کھانا بھی خالی از فتنہ وفساد نہیں وطعامکم حل لھم گرچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے کھانے کو حلال سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں مگر پھر حل لھم کہنے سے یہ اشارہ ہے کہ طرفین میں اباحتِ ذبائح حاصل ہے نہ کہ اباحتِ مناکحت جس کو اس جملہ میں واضح فرماتا ہے والمحصنت من المؤمنات یعنی مسلمان پارسا عورتیں تمہارے لئے نکاحاً حلال ہیں۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی اہل کتاب کی پارسا عورتوں سے بھی نکاح کرنا حلال ہے۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب عورتوں سے جب نکاح درست ہے جبکہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ جمہور کے نزدیک بغیر مسلمان ہوئے نکاح درست ہے کیونکہ عورت زیردست ہے۔ امید ہے اس کی صحبت سے اسلام میں آجاوے۔ برخلاف مرد کافر کے خواہ اہلِ کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو مسلمان عورت کا نکاح اس سے درست نہیں۔ جیسا کہ پہلے گذرا۔ اکثر فقہاء کتابیات کو جن سے نکاح درست ہے ذمیات[1] میں منحصر کرتے ہیں۔ سعید بن المسیب اور حسن کے نزدیک اس کی کچھ قید نہیں۔ مجوس اہلِ کتاب میں داخل نہیں مگر ابوثور کے نزدیک داخل ہیں۔ پھر ان سب کے نکاح میں مہر ادا کرنا پارسائی اور ہمیشہ کو ساتھ رکھنے کا قصد ملحوظ ہونا شرط ہے جیسا فرماتا ہے اذا آتیتموھن اجورھن الآیہ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ
اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا
فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ
يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

[1] یعنی ان اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے جو مسلمانوں کی رعیت اور زیرِ فرمان ہوں اور ان کو ذمی کہتے ہیں کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کا اسلام نے ذمہ لے لیا ہے۔ ۱۲ منہ

اے ایمان والو جبکہ تم نماز کے لئے اٹھا کرو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور پاؤں بھی ٹخنوں تک (دھولیا کرو) اور اگر ناپاک ہو تو نہالیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا بر سرِ سفر ہو یا کوئی تم میں سے پاخانہ پھر کر آوے یا تم میں سے کسی نے عورت کو چھوا ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ تو تم کو پاک رکھنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کیا چاہتا ہے تا کہ تم شکر کیا کرو۔

ترکیب: اذ شرطیہ فَاغْسِلُوْا جواب اِلَى الْمَرَافِقِ الی بمعنی مع متعلق ہے اِغْسِلُوْا سے بِرُءُوْسِكُمْ بازائد ہے وقیل للا لصاق وَاَرْجُلَكُمْ بالنصب اس لئے کہ اس کا عطف وجوھکم پر ہے ای فاغسلوا ارجلکم اور بالجر اس طور سے کہ اس کو رؤس پر معطوف کیا جاوے اور حکم دونوں کا مختلف ہو اور اس کو جر جوار کہتے ہیں یعنی سر کا مسح ہو اور پاؤں دھونے چاہییں اور اس قسم کا جر جو قرآن مجید اور کلام شعراء میں واقع ہے وان کنتم شرط فتیمموا الخ جواب۔

تفسیر: اس سورہ میں اول اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کہہ کے وفاءِ عہد کا حکم دیا گیا تھا مگر اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی تھی کہ جب تم بندے ہو کر عہد کو پورا کرنے پر مجبور کئے جاتے ہو تو میں رب العالمین زیادہ تر اپنے اس عہد کے پورا کرنے کا مستحق ہوں جو میں نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ چونکہ اللہ کا عہد بندوں سے یہ تھا کہ ان کو منافعِ دنیا و یہ مباح کر دے اور عالمِ آخرت میں ان کو جنت میں رکھے۔ سو سب سے اول منافعِ دنیا کی بابت (کہ جس کی انسان کو ہر وقت ضرورت پڑتی ہے اور جو حسناتِ عقبیٰ کا ذریعہ ہی) اس نے اپنا عہد وفا کیا۔ منافعِ دنیا یا کھانے پینے کی چیزیں ہیں یا مناکحت کے متعلق اور مقدم کھانا پینا ہے۔ اس لئے اول کھانے پینے کی چیزوں کی اباحت اور حلت بیان فرما کر پھر حلال عورتوں کا ذکر کیا کہ جن سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد وہ بندوں سے ان کے عہدِ عبودیت کو پورا کرتا ہے اور عبودیت میں سب سے اول درجہ میں نماز ہے اور نماز بغیر وضو درست نہیں کس لئے کہ کثافتِ جسمانیہ کا اثر نفس پر پہنچتا ہے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اس لئے وضو کے بارے میں فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ الخ یا یوں کہو دنیا میں بندہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر اس کو سفر درپیش ہے کہیں جانا ہے کہ جہاں سے پھر آنا نہیں۔ سودا کہتا ہے ؎

رخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

اور آسمانی کتاب انسان کے فوائدِ دنیا و دین کے لئے نازل ہوا کرتی ہیں۔ پس جس طرح اس نے سب سے اول اس دنیا کے فوائد کو حلال حرام چیزیں کھانے پینے کے متعلق اور نکاح کے متعلق بیان فرما کر معاش کی اصلاح کر دی کیونکہ سچ پوچھو تو دنیا ان ہی دو چیزوں سے عبارت ہے اور باقی سب جھگڑے اور بکھیڑے ان ہی کے لئے ہیں۔ اسی طرح اس نے عالمِ جاودانی اور فضائے نورانی کی تدبیر عبادتِ الٰہی تعلیم فرمائی اور عبادتِ اعلیٰ نماز جو پنج وقتہ اس کے دربار کی حضوری ہے اور یہ بغیر طہارتِ جسمانی یعنی وضو کے ٹھیک نہیں اس لیے وضو کا حکم دیا۔ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم فرمایا جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے بندے تو کب تک دنیائے فانی کے لذائذ کھانے پینے عورتوں سے صحبت کرنے میں مصروف رہے گا۔ اس ظلمت کدہ کی اس شہوانی سیاہی سے ہاتھ منہ دھو کر صاف پاک ہو کر اپنے اصلی مقام پر آ اور شہوات سے ہاتھ دھو۔ اذا قمتم الی الصلوٰۃ اس سے مراد یہ ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو کیونکہ قیام الی الصلوٰۃ سے وضو مقدم بالاتفاق ہے۔ اس آیت سے وضو کا فرض ہونا ثابت ہے مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کرنا چاہیے بلکہ ایک وضو دوسری نماز کے وقت تک باقی رہے تو کافی ہے۔ وضو جدید ضرور نہیں جیسا کہ داؤد ظاہری کا مذہب ہے کیونکہ مسلم واحمد واہل سنن نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے روز صرف ایک وضو سے کئی نماز خفین پر مسح کر کے پڑھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آج آپ نے وہ بات کی جو پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا اے عمر میں نے اس کو عمداً کیا ہے اور بخاری اور احمد اور اہل سنن نے عمرو بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا پھر تم کیا کیا کرتے ہو۔ کہا کہ ہم تو جب تک حدث نہ ہو کئی نمازیں ایک ہی وضو میں پڑھ لیتے ہیں۔ ہاں باوجود وضو ہونے کے اگر دوسرے وقت میں وضو کر لے گا تو مستحب ہے۔

وضو کا اول فرض: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ یہ وضو کا اول فرض ہے۔ اس میں تمام امت کا اتفاق ہے۔ اب رہے غسل وجہ (یعنی منہ) کے معنی اور کیفیت کہ جس کو قرآن نے عرف اہل زبان پر چھوڑ دیا۔ البتہ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ غسل لغت میں کسی عضو پر پانی بہانے کو کہتے ہیں نہ محض تر کرنے کو۔ اقل مرتبہ غسل میں یہ بات ہے کہ کچھ قطرات ٹپکیں۔ اس تقدیر پر اگر کسی نے برف کے ڈلے کو منہ یا اور اعضاء پر وضو میں پھرایا۔ پس اگر ہوا کی گرمی یا جسم کی گرمی سے برف پگھل کر ٹپکے تو وضو ہو گیا ورنہ نہیں۔ آیت میں دو بار یا تین بار دھونے کی کوئی قید نہیں بلکہ باعتبار معنی لغوی کے ایک بار بھی اعضاءِ وضو کو دھوئے گا تو وہ وضو ہو جاوے گا اور اسی لئے بخاری اور ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے وضو میں اعضاء کو گاہے صرف ایک بار بھی دھو کر یہ بتلا دیا ہے کہ اس قدر وضو میں فرض ہے۔ وجہ جو مواجہۃ سے لیا گیا ہے جس کے معنی سامنے کے ہیں' منہ کو کہتے ہیں یعنی ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک اور دونوں کانوں تک اس لئے آنکھ کے اندر پانی پہنچانا جمہور کے نزدیک کچھ ضرور نہیں۔ الاعند ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اسی طرح کان اور ڈاڑھی کے درمیان جو خالی جگہ ہے وہ بھی منہ شمار ہے اس کا دھونا بھی جمہور کے نزدیک فرض مگر امام ابو یوسف کہتے ہیں وہ منہ نہیں اس کا دھونا بھی کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح جس کی ہلکی ڈاڑھی ہو اس کو بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضرور نہیں کیونکہ بجائے جلد کے بال ہیں۔ صرف ان کا دھونا کافی ہے۔ شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں چونکہ بال ہلکے ہیں۔ جڑوں میں پانی پہنچانا چاہیے مگر گھنی ڈاڑھی میں بالاتفاق بالوں کی جڑ دھونا ضرور نہیں۔ ہاں خلال کرنا مستحب ہے جیسا کہ ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کان النبی ﷺ یخلل لحیته اور جس قدر ڈاڑھی نیچے لٹکی ہوئی ہے اور جو کانوں سے اوپر تک اٹھی ہوئی ہے آیا اس کا دھونا بھی واجب ہے کہ نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور مالک فرماتے ہیں نہیں کیونکہ اس پر وجہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں واجب ہے مگر اس حدیث سے کہ جس کو مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ دھونا مستحب ہے۔

وضو کا دوسرا فرض: وایدیکم الی المرافق یہ وضو کا دوسرا فرض ہے یعنی دونوں ہاتھوں کا مرافق (جمع مرفق اعنی کہنی) تک دھونا فرض جمہور کے نزدیک کہنیوں کو بھی دھونا چاہیے۔ امام مالک اور امام زفر فرماتے ہیں اللہ نے کہنیوں تک فرمایا۔ کہنیاں اس میں شامل نہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس مقام پر مابعد اور ماقبل الی کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے غایۃ مغیا میں داخل ہے۔ آیت میں اس کی بھی کچھ تشریح نہیں کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے یا بائیں کو مگر مسنون یوں ہے کہ اول دائیں کو پھر بائیں کو دھوئے اور پہنچوں سے دھوتا ہوا کہنیوں تک آوے نہ کہ کہنی سے پانی ڈال کر پہنچوں تک پہنچاوے کیونکہ یہ مکروہ خلاف حدیث ہے۔ اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ درست نہ ہوگا۔

وضو کا تیسرا فرض: وامسحوا برؤسکم یہ تیسرا فرض وضو کا ہے مسح کہتے ہیں ہاتھ تر کر کے کسی چیز پر لگانا اور لغت میں عموماً چھونا۔

اس آیت میں کچھ تصریح نہیں کہ آدھے سر کا مسح کرے یا کل کا یا چوتھائی کا۔ اس لئے علمائے کرام و مجتہدین عظام کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر علماء کے نزدیک کل سر کا مسح کرنا ضرور نہیں۔ کس لئے کہ اول تو برؤسکم میں ب بعضیت کا فائدہ دیتی ہے۔ بولتے ہیں مسحت یدی بالمندیل کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو رومال سے مسح کیا۔ اس میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ تمام رومال کا مسح کیا ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء کے مسح پر بھی یہ قول صادق آ سکتا ہے۔ دوم اگر ب کو زائدہ بھی تسلیم کر لیویں تب باعتبار عرف اہل

زبان کے تمام سر کا مسح کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مسح مطلق ہے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مطلق ہی رکھا ہے حتی کہ اگر سر کے چند بالوں کا مسح بھی کر لے گا تو جائز ہوگا مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ان احادیث سے جو مسح بعض راس کے لئے آئی ہیں چوتھائی سر مراد لیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قرائن اور ان احادیث سے کہ جن میں تمام سر کا مسح کرنا پایا گیا ہے کل سر کا مسح کرنا مراد لیا ہے۔ احادیث صحیحہ میں کل سر کا مسح کرنا بھی آیا ہے اور بعض کا بھی۔ گرچہ یہ بحث علماء کی فرضیت میں تھی مگر سب کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا مسنون اور احوط ہے۔ اوزاعی اور ثوری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بجائے سر کے کوئی عمامہ پر بھی مسح کر لے گا تو درست ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایسا کیا ہے جیسا کہ عمرو بن امیہ ضمیری اور بلال اور مغیرہ بن شعبہ اور سلمان اور ثوبان رضوان اللہ علیہم سے روایات آئی ہیں جن کو بخاری اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے مگر امام شافعی اور ابوحنیفہ اور اکثر علما کے نزدیک یہ کافی نہ ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے عمامہ کو ہاتھ سے اٹھا کر سر کا مسح کیا۔ راوی نے یہی سمجھ لیا کہ صرف عمامہ پر مسح کیا۔ دیکھو صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا فمسح بناصیۃ وعلی العمامۃ الخ[1] اور نیز قرآن میں سر کا مسح کرنا مشرح ہو چکا ہے نہ کہ عمامہ کا اور نیز وہ صحیح احادیث کہ جن میں اس بات کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے دکھایا اور فرمادیا کہ اس طرح کے وضو بغیر خدا نماز قبول نہیں کرتا۔ ان میں سر کا مسح کرنا پایا گیا ہے۔ **فائدہ:** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گردن بھی سر میں شمار ہوتی ہے۔ اس پر بھی مسح کرنا مستحب ہے جیسا کہ کانوں کا اور مسح رقبہ میں چند احادیث بھی وارد ہیں۔

وضو کا چوتھا فرض: وارجلكم الى الكعبين چوتھا فرض وضو کا ہے یعنی ٹخنوں تک پاؤں دھونا۔ ارجل رجل کی جمع ہے جس کے معنی پاؤں کے ہیں اور کعب ٹخنے کو کہتے ہیں۔ کعب کے لغت میں معنی بلندی اور ارتفاع یا ابھار کے ہیں اور اسی لئے عرب میں ان عورتوں کو کہ جن کے سینے ابھرے ہوئے ہوتے تھے کواعب کہتے ہیں۔ اس لئے پاؤں میں جو دونوں طرف ابھری ہوئی ہڈی دکھائی دیتی ہیں ان کو کعبین کہتے ہیں۔ جمہور اہلِ لغت کا یہی قول ہے مگر شیعہ امامیہ کے نزدیک کعب اس گول ہڈی کو کہتے ہیں کہ جس پر پنڈلی کی ہڈی آن کر جڑی ہے۔ وہ ٹخنے سے نیچے کی طرف کسی قدر اسی جانب میں یعنی اندر کے رخ ایک چھوٹی سی ہڈی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کعب جوڑ کو کہتے ہیں اور اسی لئے عرب اونٹ کے مفاصل کو کعوب کہا کرتے ہیں اور محمد بن حسن رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اصمعی بھی اس کو پسند کرتے تھے مگر کعبین صیغہ تثنیہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر پاؤں میں دو کعب ہوں۔ سو یہ بات صرف ٹخنوں پر صادق آسکتی ہے نہ کہ شیعہ کی ہڈی پر کیونکہ ہر پاؤں میں ایک ہے۔ علاوہ اس کے اہلِ زبان خصوصاً وہ لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے کعبین ٹخنوں کو کہتے تھے۔ ارجلكم کو نافع و ابن عامر و حفص و کسائی و یعقوب اور اعمش نے بالنصب پڑھا ہے اور حسن بصری کی بھی یہی قرأت ہے اس لئے ارجلكم کا عطف وجوہکم وایدیکم پر ہوگا جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھوؤ۔ جیسا کہ جمہور اہلِ اسلام کا قول ہے اور جس پر تمام صحابہ و اہل بیت کا عمل رہا ہے اور جس کے بارے میں بہت احادیث آئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے ''عن عبداللہ بن عمر قال تخلف عنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرۃ فادر کناہ وقدارھقنا العصر فجعلنا نتوضاء ونمسح علی ارجلنا قال فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثاً متفق علیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ سو ہم آپ سے آملے اور عصر کا وقت تنگ ہو گیا تھا' ہم وضو کر کے پاؤں پر مسح کرنے لگے۔ تب آپؐ نے باآواز بلند پکار کر فرمایا کہ ایڑیوں کو عذابِ نار کی خرابی ہے۔ دوبار یا تین بار فرمایا۔ ازانجملہ یہ ہے عن ابی ہریرۃ ان النبیؐ رای رجلا لم یغسل عقبہ فقال ویل للاعقاب من النار رواہ مسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو میں اپنی ایڑی کو نہیں دھویا۔ تب اس کے لئے فرمایا کہ آگ کا عذاب ہے۔ اسی طرح اور

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے اپنے ماتھے اور عمامہ پر مسح کیا۔ ۱۲ منہ

بہت سی صحیح احادیث پاؤں کے دھونے کے لئے وارد ہیں اور ابن کثیر و ابو عمرو وحمزہ نے ارجلکم کے لام کو بالکسر پڑھا ہے۔ با قاعدہ جرِ جوار اور شعراءِ عرب کے کلام میں اور نیز قرآن میں متعدد جگہ جرِ جوار پایا جاتا ہے جیسا کہ سورہ ہود میں ہے عَذَابُ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ اور سورہ واقعہ میں ہے حورٌ عینٍ اور عرب کہا کرتے ہیں (حجر ضب حزب) جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کا رؤسکم پر عطف نہیں بلکہ رؤسکم قریب ہونے کی وجہ سے جر میں شریک ہے نہ کہ مسح کرنے میں علاوہ اس کے مسح میں کوئی حد نہیں بخلاف غسل کے اور پاؤں میں الی الکعبین کی حد لگا دی گئی ہے لیکن شیعہ امامیہ اس کو رؤسکم پر معطوف سمجھ کر سر کی طرح پاؤں کا بھی وضو میں بجائے غسل کے مسح کرنا فرض بتلاتے ہیں اور اپنے اس قول پر کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں کہ جن کے نقل کر کے جواب دینے کی یہاں گنجائش نہیں مگر اس بات کو تو شاید منصفین امامیہ بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ نے جو وضو میں اعضاء کا دھونا فرمایا ہے صرف پاکیزگی اور دفع کثافت کے لئے جو بارگاہِ کبریائی میں بوقتِ مناجات روح پر تازگی پہنچانے کا ایک فطری سبب ہے اور بہ نسبت ہاتھ منہ کے پاؤں زیادہ تر زمین پر ٹکتے ہیں کہ جہاں نجاست و کثافت کا محل و موقع ہے۔ پھر کیا وجہ کہ پاؤں جیسے عضوِ خسیس کو سر جیسے عضوِ رئیس کے برابر کیا جائے اور دونوں کو مسح کا حکم دیا جائے؟ حالانکہ سر بیشتر نجاسات و کثافات سے محفوظ رہتا ہے۔ سر پاؤں کو یکساں سمجھنا بے سروپا بات ہے۔ علاوہ اس کے غسل تو مسح سے بھی بڑھ کر ہے اور اس کا کام بھی دے سکتا ہے۔ برخلاف مسح کے پھر احتیاط تو غسل ہی میں ہے۔ یہ وضو کے چار فرض تھے جن کا بیان ہوا۔ باقی نیت کرنا اور مسواک کرنا اور تین بار ہر عضو کا دھونا اور داہنی طرف سے شروع کرنا اور ترتیب کو ملحوظ رکھنا کہ اول ہاتھ پھر منہ الخ اور بغیر خشک ہونے ایک عضو کے دوسرے کو دھونا جس کو توالی کہتے ہیں اور سب سے اول ہاتھ پہنچوں تک دھونا پھر کلی مسواک کرنا پھر ناک میں پانی ڈالنا۔ اس کے بعد منہ دھو کر وضو اخیر تک تمام کرنا یہ سب باتیں پیغمبر ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہیں جو سنت و مستحب شمار ہوتی ہیں جن میں صدہا اسرارِ روحانی[1] رکھے ہوئے ہیں۔ اب کوئی ان چیزوں میں سے کسی کو آنحضرت ﷺ کی مواظبت یا آیت میں استنباط و خوض سے واجب و فرض بھی کہہ دیتا ہے اور یہی وجہ ان جزئیات میں اختلاف کی ہے ورنہ اصل میں کچھ اختلاف نہیں اور جبکہ اسلامیوں نے اپنے پیارے اور برحق پیغمبر ﷺ کی ہر ایک بات کا اتباع کرنا چاہا اور ہر ایک بات کی تہ کو پہنچنے کا قصد کیا اور قرآن میں جو باتیں مطلقاً تھیں ان کی تحدید و تعیین کرنی پڑی تو ایسی صورت میں ان جزئیات میں اختلاف رائے ہونا ایک ضروری بات تھی کوئی بات ہو جب اس میں موشگافی کی جائے گی اختلاف آراء ہو گا سو یہ کچھ باعثِ نقصانِ ملت نہیں بلکہ علماء کے کمالِ علم کی دلیل ہے جب خدا تعالیٰ طہارتِ صغریٰ یعنی وضو کے بیان سے فارغ ہو چکا تو طہارتِ کبریٰ یعنی غسل اور یہ نہ ہو سکے تو تیمم کا بیان فرماتا ہے۔

غسل اور تیمم کا بیان: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اس آیت میں جنابت والے کے لئے طہارت یعنی غسل کا حکم دیتا ہے کہ جس کی شرح قولاً و عملاً نبیؐ نے بیان فرما دی کہ پہلے نجاست دھوئے پھر وضو کر کے تین بار تمام جسم پر پانی بہا دے اور پاؤں بعد میں وہاں سے اٹھ کر دھوئے۔ اگر جگہ اچھی نہیں اور جس عورت کے بال ایسے گندھے ہوئے ہوں کہ ان کے کھولنے میں دقت ہو تو صرف بالوں کے اوپر ہی سے پانی ڈال دینا کافی ہے۔ بالوں کی جڑ تر کرنی ضرور نہیں۔ یہ بیان صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لفظ فاطہروا سے جس میں تاکیدِ طہارت پائی جاتی ہے۔ غسل میں کلی کرنا، ناک میں پانی دینا بھی ضروری تصور کرتے ہیں۔ جنابت کہ جس پر غسل کرنا واجب ہے دو

---

[1] از انجملہ ترتیبِ وضو میں یہ بھی حکمت ملحوظ ہے کہ اول ہاتھوں پر پانی ڈالنے سے حار و بارد معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر کلی کرنے سے اس کا مزہ اور کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر ناک میں پانی لینے سے اس کی بو بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سے نہ صرف اس پانی کی طہارت بلکہ اس کا مضر و نافع ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کو منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وضو کیا جاتا ہے۔ اگر دفعتاً منہ دھونے کا حکم ہوتا تو یہ بات معلوم نہ ہوتی۔ علاوہ اس کے اسی ترتیب سے یہ اعضاء استعمال میں لائے جاتے ہیں جن کو اسی کے موافق کثافت اٹھانی پڑتی ہے جس کا ازالہ وضو میں کیا جاتا ہے۔ ۱۲

باتوں سے پائی جاتی ہے۔ اول یہ کہ احتلام ہو کر خواب میں منی برآمد ہو جس کا اثر کپڑے یا بدن پر معلوم ہو جیسا کہ حدیث (انما الماء بالماء) سے ثابت ہے۔ دوم یہ کہ عورت سے صحبت کی جاوے خواہ انزال ہو یا نہ ہو جیسا کہ حدیث (اذا التقی الختانان واجب الغسل) سے ثابت ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے مگر زید بن ثابت و معاذ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں۔ اس کے بعد وضو اور غسل کے قائم مقام بوقتِ ضرورت تیمم کا حکم دیتا ہے۔ وان کنتم مرضیٰ الخ جمہور صحابہ کے نزدیک تیمم نہ صرف اس کے لئے جائز ہے کہ جو وضو پر قادر نہیں بلکہ حالتِ جنابت میں جو مرض یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل پر قادر نہ ہو اس کو بھی تیمم درست ہے۔ جیسا کہ حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے (صحیحین) مگر عمر بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء میں جنبی کے لئے تیمم کافی نہیں سمجھتے تھے۔ پھر اس سے رجوع کیا اس کے بعد یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ الخ سے اپنے احکام میں رحمت و طہارت روحانی و جسمانی اور دیگر فوائد مرعی رکھنے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧

اور اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ جو تم پر ہے اور اس کے عہد کو بھی کہ جو تم سے لیا گیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ دل کی باتیں جانتا ہے۔ ایمان والو اللہ کے لئے انصاف سے گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی سے انصاف کو ترک نہ کرو۔ (اور) عدل کیا کرو (کیونکہ) یہی بات پرہیزگاری کے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے۔

ترکیب: اذقلتم ظرف ہے واثقکم کا۔ قوامین للہ خبر ہے کونوا کی۔ شہداء سورہ نساء میں اس کی ترکیب آ چکی ہے کی ضمیر اعدلوا سے جو عدل سمجھا جاتا ہے اس کی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ یہ احکام بیان فرما چکا تو اس کے بعد وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس سے ان احکام پر ثابت قدمی ہوتی ہے۔ اس کی دو قسم ہیں: اول اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت کس لئے کہ نعمت احسانات کا ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ جو انسان کے دل کو اپنے منعم کی طرف باندھ لاتا ہے۔ اس بات کو اذکروا نعمۃ اللہ میں ذکر فرمایا اور چونکہ خدا کی نعمتوں کی تعداد اور شمار ممکن نہیں کس لئے کہ حیات اور تندرستی اور عقل اور ہدایت اور بلاؤں سے محفوظ رکھنا دیا اور آخرت کی خوبیوں کا عطا کرنا بیشمار نعمتیں ہیں جیسا کہ خود فرماتا ہے وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یہ نعماء اگرچہ ایسی ہیں کہ کوئی بھی ان کو نہیں بھول سکتا مگر انسان کی ایک جبلی عادت ہے کہ وہ یا تو بکثرت اور پے در پے انعام و احسانات کو ایک امرِ معتاد سمجھ لیتا ہے دیکھئے جو لوگ ریگستان خشک کے رہنے والے ہیں وہ سرد پانی کو جو کہیں نصیب ہو جاتا ہے کیسی نعمتِ الٰہی سمجھتے ہیں اور جو سرد سیر ملک اور ایسے باغوں کے رہنے والے ہیں کہ جن میں نہریں چلتی ہیں اور وہ اپنے عمدہ مکانات میں خس کی ٹٹیوں میں بیٹھ کر بجز برف کے اور کچھ نہیں پیتے وہ اس کو کیا نعمت سمجھتے ہیں؟ اور یا ایک نعمت کے عام ہو جانے سے وہ اس کو چنداں نعمت نہیں سمجھتا اگر کسی

شخص کی آنکھ پھوٹ جائے پھر دیکھئے وہ اس کے درست ہو جانے کو کس قدر نعمت سمجھتا ہے اور چونکہ ابتداءً ہر شخص کو خدا نے دو آنکھیں دی ہیں تو یہ جانتا ہے کہ آہ میری کیا خصوصیت ہے۔ سب ہی کو دو آنکھیں ملی ہیں۔ پس انسان پر ایسی حالت کا طاری ہو جانا اس کی نعمتوں کا بھول جانا ہے کیونکہ کثرتِ ظہور باعثِ نسیان ہوگئی اور اسی لئے کہا گیا ہے سبحان من احتجب عن العقول بشدۃ ظہورہ واختفی عنھا بکمال نورہ۔ (دوم) وہ بات کہ جس کے سبب سے انسان تکلیفِ احکام کی برداشت کرتا ہے عہد و پیمان قول و قرار ہے اس کو اس جملہ میں ذکر فرماتا ہے ومیثاقہ الذی واثقکم بہ۔ اس عہد و میثاق سے یا تو وہ عہد و میثاق مراد ہے جو صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے بیعت رضوان وغیرہا مواقع میں کیا تھا کہ ہم سختی و نرمی میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں گے اور رسول سے عہد کرنا گویا خدا سے عہد کرنا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ کیونکہ رسول دنیا میں خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ مجاہد اور کلبی اور مقاتل وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عہد ہے کہ جو بندوں نے روزِ ازل خدا تعالیٰ سے کیا تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ انعامِ الٰہی اور اس کی عبودیت کا مقتضی یہ عہد و میثاق ہے کہ جس پر دلائلِ عقلیہ قائم ہیں اور یہ بہت ٹھیک ہے کیونکہ انسان کی یہ حالت احتیاج و حدوث جو اس کو ہر دم اس کا دستِ نگر کر رہی ہے۔ یہی ایک باہمی عہد نامہ ہے جس پر بندے کی طرف سے مہر ہے کہ ہمیشہ ہم تیرے احکام و شریعت کی پابندی کریں گے۔ اس کے بعد اجمالاً اس تکلیفِ عبادت کو بیان فرماتا ہے کہ جو دو نوع میں منحصر ہے۔ اول تعظیم امر اللہ دوم ترحم علی خلق اللہ۔ اول بات کی طرف کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس کی توحید اور تعظیم دنیا میں رواج دینے کے لئے اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم کے لئے تمام لوگوں کے لئے قولاً اور فعلاً معلم و ذمہ دار ہو جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے ایسے ہی ہو گئے تھے ہر ذرہ آفتاب ہو گیا تھا۔ دوسری بات کی طرف شُھَدَآءَ بالقسط میں اشارہ کرتا ہے اور چونکہ قیم لامر اللہ کے لئے بعض لوگوں کی بیجا کاوش اور ناحق کی سرکشی اس بات کی طرف ابھارا کرتی ہے کہ ان شریروں کی گوشمالی کی جائے جو بسا اوقات شفقت و ترحم سے دور کر کے اصل منصبِ قیومیت میں فرق ڈال دیتی ہے۔ اس لیے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ الخ بھی فرما دیا اور دوسرے مرتبہ کے لئے انصاف شرط تھا۔ اس لئے اعدلوا بھی فرما دیا اور سب کے لئے اللہ سے ڈرنے کی تاکید بھی فرما دی۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اس مقام سے اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کا وہ تعلق ہے جو مہر کو عہد نامہ سے ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

اللہ نے ان کے لئے جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر لیا ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر کیا ہے جبکہ ایک قوم (اہلِ مکہ) نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تو خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ سے ڈرا کرو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

ترکیب: وعد کا فاعل اللّٰہ۔ الذین الخ مفعول اول لھم مغفرۃ جملہ دوسرے مفعول محذوف کے قائم مقام اذھم ظرف نعمۃ اللّٰہ

علیکم کا اور عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ سے متعلق ہے۔

تفسیر: اوامر الٰہی کے بجالانے کے اسباب ذکر فرما کر وہ اور سبب ذکر کرتا ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ کی اطاعت و محبت پر ابھارتے اور اس کی منہیات سے باز رکھتے ہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کے لئے تتمہ ہے۔ اول سبب اطاعت و محبت کا آئندہ خیر کا امیدوار کرنا ہے کس لئے کہ احسانات سابقہ ہی پر انسان کی نظر بس نہیں کرتی بلکہ آئندہ کی بھلائی اور امید پر بہ نسبت انعام سابق کے زیادہ تر آمادۂ اطاعت ہوتا ہے۔ پس اس بات کو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ سے اَجْرٌ عَظِيْمٌ تک بیان کیا یعنی جو ایمان لا کر اعمال صالح کرے گا۔ اس سے خود خدا وعدہ کرتا ہے کہ اس کو بخشے گا اور نہ اسی پر بس کرے گا بلکہ اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماوے گا جو عالم قدس کی حیات ابدی ہے چونکہ ایمان مقدم ہے اس لئے اولاً امنوا کہا اور ایمان کے بعد عمل صالح گویا وہ ایمان کی رونق ہے اس لئے اس کو بعد عملوا الصلحت فرمایا اور ان دونوں کے مقابلہ میں دو ہی وعدے فرمائے۔ اول مغفرت، دوم اجر عظیم۔ دوسری بات کہ جس سے انسان خدا سے ڈر کر بری باتوں سے بچتا ہے۔ خوف سزا ہے پس اس کو والذین کفروا الخ میں بیان فرما دیا کہ جو کفر کر کے ہماری آیتیں جھٹلائے گا جہنم میں رہے گا جس سے بڑھ کر پھر کوئی اور سزا نہیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ پھر مسلمانوں کو اپنی نعمت اور احسانِ خاص یاد دلاتا ہے تاکہ شکر گزاری کیا کریں سو اس کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ سے شروع کیا کہ تم کو ایک قوم کی دست اندازی سے محفوظ رکھا۔ اس دست اندازی سے محفوظ رکھنے کی تفسیر میں علماءِ مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموماً اہل اسلام کی اس ابتدائی حالت کی طرف اشارہ ہے جس میں کہ کفار مشرکین چاروں طرف سے ان پر چڑھائیاں کرتے اور مار دھاڑ کرتے تھے جس سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔ اسلامیوں کو غلبہ دیا دوسرا یہ کہ اس سے کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو ہجرت سے پانچویں سال وقوع میں آیا۔ وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ سے واپس آ کر بمقام عسفان ظہر کی نماز میں مصروف تھے کفار نے اس بات سے مطلع ہو کر یہ قصد کیا کہ اب اگلی نماز عصر میں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دو ان پر اسی حالت میں دفعۃً آ گرو اور سب کو قتل کر ڈالو۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو قبیلہ بنی نضیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع خلفاءِ اربعہ دیت میں امداد کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہود بنی نضیر نے آپ کو ایک ایسی جگہ بٹھلایا کہ جس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال کر قتل کرنے کا قصد کر رکھا تھا۔ خدا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا۔ بعض کہتے ہیں حدیبیہ کے قصہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو قریش سے جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اصل یوں ہے کہ اس قسم کے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار واقع ہوئے اس آیت میں ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے سب میں خدا تعالیٰ کے فضلِ خاص کا جلوہ اہل اسلام پر تھا جس کا یاد کرنا مسلمانوں کو شکر گزاری کے لئے ایک عمدہ بات ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ
وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ
بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا

قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد لیا اور ان میں سے بارہ نقیب کھڑے کر دیے تھے اور اللہ نے فرمادیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھی طرح قرض دیتے رہو گے تو ضرور میں تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر جس کسی نے تم میں سے اس کے بعد کفر کیا تو وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہوا۔ پھر ہم نے ان کے عہد توڑ ڈالنے کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ الفاظ (تورات) کو ان کے موقعوں سے بدلا کرتے تھے اور جس سے ان کو نصیحت دی گئی تھی اس کا ایک (بڑا) حصہ بھلا بیٹھے اور آپ کو ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب کی نت نئی خیانت ہی معلوم ہوتی رہے گی۔ پس ان کو معاف کرو اور درگزر کرو کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترکیب: مِنْهُمْ نَقِيْبًا کی صفت لئن شرط لَاُكَفِّرَنَّ جملہ جواب۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ ب لَعَنَّا سے متعلق ہے اور ما مصدر یہ ہے یحرفون جملہ مستانفہ اور ممکن ہے کہ حال ہو اِلَّا قَلِيْلًا استثناء ہے خائنة سے۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ کہ اے اہلِ اسلام خدا کے عہد کو یاد کرو۔ اب یہاں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ یہ عہد کچھ تم ہی سے نہیں لیا گیا تھا کہ جس کی پابندی کی تم کو تاکید کی جاتی ہے بلکہ تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین سے بھی ایسا کیا گیا تھا۔ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ عہدِ خدائی کے برخلاف کرنے سے بنی اسرائیل نے نہایت سختی اور ذلت اٹھائی ہے۔ دیکھو کہیں تم ایسا نہ کیجیو کہ پھر تم کو بھی ذلت اٹھانا پڑے اور نیز یہود کے بدخصائل سے جو عہد شکنی کے بعد ظہور میں آئے۔ بتلا کر متنبہ کرتا ہے اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا الخ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا وہ واقعہ ہے جبکہ موسیٰ اور بنی اسرائیل بیابانوں میں ٹکراتے ٹکراتے دشتِ فاران میں پہنچے تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے بارہ اسباط یعنی قبائل میں سے ایک ایک سردار نقیب[۱] یعنی جاسوس بنا کر کنعان کی اس سرزمین پہنچ کہ جس کے دینے کا میں نے تم سے عہد کیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر سبط سے یہ بارہ سردار نقیب بنا کر بھیجے۔ روبن کے فرقہ میں سے سموع بن ذکور اور شمعون کے فرقہ میں سے سفت بن حوری اور یہودا کے فرقہ میں سے کالب بن یفنہ اور شکاء کے فرقہ میں سے اجال بن یوسف اور فرائم کے فرقہ میں سے ہوسیعہ بن نون جس کا نام موسیٰ علیہ السلام نے یوشع رکھا تھا اور بنیامیں کے فرقہ میں سے فلتی بن رفو اور زبلون کے فرقہ میں سے جدی ایل بن سودی اور دان کے فرقہ میں سے عمی ایل بن جملی اور آشر کے فرقہ میں سے ستور بن میکائیل اور نفتالی کے فرقہ میں سے نخبی بن دنسی اور جد کے فرقہ میں سے جوایل بن ماکی اور یوسف یعنی منسی کے فرقہ میں سے جدی بن سوسی۔

---

[۱] زجاج کہتے ہیں نقیب بروزن فعیل نقب بمعنی کھودنے اور چھید کرنے سے مشتق ہے چونکہ جو لوگ کسی قوم کی طرف جاسوسی اور تفتیش کے لئے جاتے ہیں وہ ہر امر کی تفتیش کرتے کھود کر بات نکالتے ہیں۔ اس لئے ان کو نقیب کہتے ہیں۔ جس کی جمع نقباء آتی ہے اور نقیب قوم کے مصالح اور فوائد ملحوظ رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ف یہود کی بربادی کے دو ہی سبب تھے جن کو یہاں بیان فرمایا' اول کتاب اللہ کی تحریف اپنے مطلب کے موافق بنانا' دوم کتاب اللہ کا بھلا دینا اس کو پس پشت ڈال کر اور چیزوں میں مصروف ہونا۔ مسلمان جو ترقی کے وسائل تلاش کرتے ہیں ان کو ادھر بھی خیال کرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اور جو لوگ کہ (یہ) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا پھر تو وہ بھی اس کا ایک حصہ بھول گئے کہ جس سے ان کو نصیحت دی گئی تھی سو ہم نے ان میں قیامت تک عداوت اور کینہ ڈال دیا اور عنقریب اللہ ان کو بتلا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا ہے جو تم کو بہت سی وہ باتیں بتلاتا ہے کہ جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی جس سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کے تابع ہو گئے سلامتی کے رستے بتلاتا اور ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے۔ اپنے حکم سے اور ان کو راہ راست سے دکھاتا ہے۔ بے شک وہ تو کافر ہی ہو گئے کہ جنہوں نے (یہ) کہہ دیا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ ہی ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دو پھر اللہ کے مقابلہ میں کسی کا کیا مقدور ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور سب زمین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے اور آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: وَمِنَ الَّذِيْنَ الخ اخذنا سے متعلق ہے بینھم اغرینا کا ظرف ہے۔ یبین جملہ حال ہے رسولنا سے۔ سبل السلام مفعول ثانی ہے یھدی کا من اتبع مفعول اول اور یخرجھم کی ضمیر فاعل اللہ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا عطف یھدی پر ہے۔ ان اراد شرط فمن یملك جملہ دال برجزا۔

تفسیر: یہ بارہ نقیب جبرون تک آئے اور وہاں سے ملک کی سرسبزی اور خوبی اور وہاں کے لوگوں کی خصوصاً بنی اعناق اور عموری اور عمالیق اور حتی اور بیوسی لوگوں کی قد آوری اور بہادری دیکھ کر واپس آئے اور بنی اسرائیل کو نہایت تشویش اور خوف میں ڈال کر ڈرایا مگر کالب اور یوشع بن نون نے لوگوں کو تسلی اور خدا کی مدد کا بھروسہ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الآیہ (توریت سفر عدد

باب ۱۳) اس عہد کے علاوہ کہ وہاں کے لوگوں کی قد آوری اور بہادری نہ بیان کریں۔ یہ بھی عہد خدا نے بنی اسرائیل سے لیا تھا کہ تم اس ملک میں جاؤ تو میری شریعت اور احکام پر عمل کرنا جیسا کہ سفر عدد کی ۱۵ و دیگر فصول سے ثابت ہے اور خدا نے ان سے یہ عہد کیا تھا کہ میں تم کو اس سرزمین میں بساؤں گا کہ جہاں باغ اور نہریں جاری ہیں۔ سو اول تو اس عہد کو ان نقیبوں نے توڑ ڈالا کہ جس پر خدا تعالیٰ نے غصہ ظاہر فرما کر یہ فرمایا کہ میں اس خبیث گروہ کو بجز ان دو شخصوں کے اس سرزمین میں جانے نہ دوں گا۔ بیس برس کی عمر سے لے کر اور زیادہ تک کے لوگ بیابانوں میں وباء اور دشمنوں کی تلواروں سے فنا کئے گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہد میں یہ ملک خدا نے بنی اسرائیل کو عطا کیا۔ پھر ان ملکوں پر قبضہ واقتدار پا کر بنی اسرائیل نے اس عہد نامہ کو کہ جو یوشع کی معرفت تازہ کیا گیا تھا (کتاب یوشع اول باب درس ۸) بنی اسرائیل نے بت پرستی اور شریعت کو ترک کرنے سے توڑ ڈالا جس پر طرح طرح کے مصائب اور غیر بادشاہوں کے ہاتھ سے ذلت اور رسوائی ان پر پڑی جیسا کہ کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل سے ثابت ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نبی ﷺ کو فرماتا ہے وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ کہ اس خبیث گروہ میں اب تک وہی آثار بدبختی باقی ہیں جن پر وقتاً فوقتاً آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں مگر ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے چند نیک بھی ہیں۔ سو آپ ان بدبختوں سے درگذر کیجئے۔ اس کے بعد نصاریٰ نے جو کچھ خدا تعالیٰ سے عہد کر کے اس کے برخلاف کیا اور اس کی سزا باہمی عداوت جو ان پر پڑی اس کو بیان فرماتا ہے۔ نصاریٰ سے عہد کا لینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا تھا۔ انجیل یوحنا کے ۱۴ باب ۱۵ درس میں ہے اور اگر مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دے کر آپ پر ایمان لانے کی تاکید کی تھی اور آنحضرت ﷺ کی بہت کچھ مدح فرمائی تھی جیسا کہ اسی کتاب کے اسی باب سے ثابت ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں اور اسی کتاب کے ۶ باب میں تو صاف فارقلیط کے آنے کی خبر ہے جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے۔

مگر نصاریٰ نے باوجودیکہ فارقلیط کے منتظر تھے جب فارقلیط آنحضرت ﷺ ظاہر ہوئے تو انکار کر دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد کو توڑ ڈالا۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ یہود و نصاریٰ میں عداوتِ مذہبی قائم ہوئی اور قائم رہے گی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد خود نصاریٰ کی باہمی عداوت ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ سو بموجب پیشین گوئی خدا تعالیٰ کے نصاریٰ کے فرقوں میں جیسی کچھ عداوت پیدا ہوئی اور اب ہے بیان سے باہر ہے۔ تاریخ کلیسا سے معلوم ہو جاوے گا کہ باہم صرف مذہبی امور میں ان میں کس قدر قتال و جدال واقع ہوا ہے؟

اس کے بعد تمام اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے خطاب کر کے فرماتا ہے قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا الخ کہ تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو تم پر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے کہ جن کو تم چھپایا کرتے تھے یعنی آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق اور نیز رجم وغیرہ احکام کے متعلق اور جن باتوں کے ظاہر کرنے میں کچھ حرج نہیں ان میں تم سے درگذر کرتا ہے یا یوں کہو کہ احکام فطرت اور ملت میں جس قدر تم نے تحریفات کر رکھی ہیں وہ سب کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو نور اور قرآن کو کتابِ مبین بیان فرما کر یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ قرآن نے جو کچھ مذہبِ انبیاء میں تحریفات واقع ہو گئی تھیں سب کی اصلاح کر دی ہر بات کو جس کی ضرورت تھی بیان کر دیا اور آنحضرت ﷺ یا مذہبِ اسلام آسمانی نور ہے مگر یہ بات ہے کہ اس آفتاب جہانتاب کی روشنی سے وہی مستفید ہو سکتا ہے کہ جس کو خدا نے توفیقِ ازلی کی آنکھیں عطا کی ہیں۔ یهدی الله من اتبع رضوانه میں اسی طرف اشارہ ہے اور اس قید سے یہی مطلب ہے۔

پھر اس کے بعد وہ جو نصاریٰ نے مذہبِ عیسوی میں تحریف کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا اس میں سے سب سے اول اور بڑھ کر فساد اعتقادِ تثلیث والوہیتِ مسیح تھا۔ اس کو کس خوبی کے ساتھ ان آیات میں رد فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ اس عقیدے کے بطلان پر تین دلائل قائم کرتا ہے: (۱) فَمَنْ يَّمْلِكُ جَمِيْعًا تک اس میں ضمناً حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعۂ گرفتاری وقید کی طرف اشارہ کر کے

ان کا محکوم و مسخر امرِ الٰہی ہونا ظاہر کرتا ہے جو خدائی کے برخلاف ہے۔ اس سے مسیح کی خدائی باطل ہوئی۔ (۲) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں اپنی عنائے ذاتی کو ظاہر کر کے بیٹے بنانے کی ضرورت کو رفع کرتا ہے۔ (۳) يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اس میں ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے جو لوگوں کے دل میں ان کے لئے خدا کا بیٹا ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کو دور کرتا ہے کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں، ہم جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع

اور یہود اور نصاریٰ نے کہہ دیا کہ ہم (تو) اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں پوچھو پھر تم کو کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب دیا کرتا ہے بلکہ تم بھی ویسے ہی آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے (جیسا کہ اور) وہ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے اور آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا ہے کہ جو تمہیں رسولوں کے بند ہو جانے کے بعد بتاتا ہے اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرسنانے والا۔ سن لو تمہارے پاس بشیر اور نذیر بھی آ گیا اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: نَحْنُ الخ جملہ مقولہ ہے قَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ کا علی فترة موصوف من الرسل اس کی صفت مجموعہ حال ہے ضمیر یبین سے اور ممکن ہے کہ لکم کی ضمیر سے حال ہو۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا جس سبب سے ان پر آسمانی بلائیں نازل ہوئیں۔ یہاں یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ جس قوم پر سے خدا کا سایہ اٹھ جاتا ہے تو اس کی عقل میں بھی فتور آ جاتا ہے۔ وہ نقصان کی صورت میں نفع ڈھونڈھتی ہے۔ وہ نافرمانی اور سرکشی کر کے جس کا بدلہ سخت عذاب ہے نہ صرف انعام کا ہی مستحق سمجھتی ہے بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور محبّ ہونے کی بھی مدعی ہو جاتی ہے۔ جس کے سبب غرور میں آ کر خدا کے احکام اور اس کے فرستادوں سے بمقابلہ پیش آتی ہے۔ بائبل میں چند مواقع پر خدا کے مطیعوں پر بیٹے کا لفظ بولا گیا ہے۔ انجیل میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے کئی ایک جگہ ایسا فرمایا ہے۔ خصوصاً یہود کو تو ان وعدوں پر جو حضرت ابراہیم و اسحٰق علیہما السلام سے کئے گئے تھے بہت کچھ گھمنڈ تھا اس لئے وہ باوجود اس سرتابی اور خدا کے احکام سے روگردانی کے نبی امی کے مقابلہ میں جس کا ظاہر ہونا ان کے انبیاء علیہم السلام کی معرفت مشتہر کیا گیا تھا اس کلمہ نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰهِ الخ کو زبان پر لاتے تھے۔ اس کے جواب میں صرف ایک موٹی سی بات سے خدا تعالیٰ ان کو رد کرتا ہے کہ اس بات کا تو تم کو بھی اقرار ہے کہ ہماری سرتابی اور گناہوں کی وجہ سے ہم پر بے شمار مصیبتیں خدا نے نازل کی تھیں (بخت نصر اور دیگر سلاطین نے کیا کچھ کیا) اور کرتا ہے اور آخرت میں بھی گناہوں پر عذاب ہوگا۔ پھر جب تم خدا کے بیٹے اور

اس کے محبوب ہوتو ایسا کیوں ہوا؟ محبوب بیٹے سے کوئی ایسا کرتا ہے؟ یہ بات آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود و نصاریٰ نے کہی تھی اور گو بظاہر آج کل کے یہود و نصاریٰ ایسا نہیں کہتے مگر ان کے دل میں اپنی جماعتوں کی نسبت اب تک اسی کے قریب قریب خیال ہے۔ اس کے بعد اس خیال کے بطلان پر تین دلیلیں قائم کرتا ہے: (۱) بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ الخ کہ تمہاری پیدائش اور دیگر انسانوں کی پیدائش میں کچھ بھی فرق نہیں پھر تم میں کیا فوقیت ہے؟ (۲) یغفر الخ کہ اس کی مغفرت اور اس کا عذاب اس کے اختیار میں ہے تم بھی اس میں شامل ہو پھر تمہارے اس دعویٰ نے کیا نتیجہ پیدا کیا؟ (۳) لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ الخ کہ وہ واجب الوجود مستغنی اور ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ بیٹا بنانا ثمرۂ احتیاج و حدوث ہے۔ اس کے بعد تمام اہلِ کتاب کو آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کی رسالت کی ضرورت سے مطلع کرتا ہے (علی فترۃ من الرسل) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء دینِ الٰہی کی اصلاح کے لئے پے در پے آئے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے عہد تک جو تخمیناً چھ سو برس تک کا زمانہ ہے جس قدر اس مذہب میں خرابیاں پڑ گئی تھیں وہ خود ان ہی کے مؤرخین کے اقوال سے ثابت ہیں۔ اس خرابی کی اصلاح کرنے والا ایسے مواضع اختلافات میں حق بیان کرنے والا بھیجنا اس کی رحمت کا مقتضی ہے جیسا کہ اول زمانے میں انبیاء کا بھیجنا مقتضیِ رحمت تھا تا کہ پھر کوئی یہ عذر نہ کرے کہ اتنے عرصے میں ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

وقف لازم ع

اور یہ واقعہ بھی یاد دلاؤ کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے جبکہ تم میں انبیاء پیدا کئے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا کہ جو جہان میں کسی کو بھی نہیں دیا۔ اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ کہ جو تمہارے لئے اللہ نے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھ نہ پھیرو ورنہ خسارہ کے ساتھ الٹے آؤ گے وہ بولے اے موسیٰ! وہاں تو جبار لوگ ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ نہ نکل جاویں گے پھر اگر وہ نکل جائیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے (مگر ان) دو خدا ترسوں نے کہ جن پر خدا نے فضل کیا تھا (یہ) کہا کہ تم ان پر دروازے کی طرف سے حملہ کر کے گھس جاؤ پھر جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے اللہ ہی پر توکل کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تو وہاں ہرگز کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں ہوں گے سو تو اور تیرا خدا جا کر لڑے۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے رب! مجھ کو بجز اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی کا (بھی) اختیار نہیں پھر تو ہم میں اور نافرمان لوگوں میں فیصلہ کر دے۔ خدا نے کہا اب یہ زمین چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگی یہ لوگ جنگل میں ٹکراتے پھریں گے۔ سو آپ نافرمان قوم پر کچھ رنج نہ کریں۔

ترکیب: یقوم اذکرو اور یقوم ادخلوا مقولے ہیں قال موسٰی کے۔ علٰی ادبارکم حال ہے فاعل ترتدوا سے فتنقلبوا مجزوم ہے اس لئے کہ جواب نہی ہے من الذین یخافون رجلان کی صفت ہے انعم اللّٰہ علیہم دوسری صفت ہے ما داموا الخ بدل ہے ابدا سے اربعین سنۃ ظرف ہے محرمۃ کا۔ تاس کا الف واؤ سے بدل ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تھا اور اس کے ساتھ تبعاً نصاریٰ کے عہد اور فترت[1] میں بعثت کا ذکر فرما کر پھر اس عہد کے بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کیا فرمایا اور انہوں نے اس کے جواب میں کیا کہا اور کیا کیا؟

وَاِذْ قَالَ[2] مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یہ اسی دشتِ فاران کا تذکرہ ہے جبکہ بارہ نقیب ملک شام سے لوٹ کر آئے اور بجز دو شخصوں کے اوروں نے بنی اسرائیل کو ڈرا کر نامرد کر دیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے فرما رہے ہیں اور جنگل میں کھڑے ہوئے سرکش قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ اے قوم تم خدا کے احسانات کو یاد کرو۔ اول تو یہ کہ تمہاری قوم میں خدا نے بہت سے انبیاء پیدا کئے۔ حضرت ابراہیم و اسحاق و اسمٰعیل و یعقوب اور موسیٰ اور ہارون علیہ السلام اور وہ ستر آدمی جو کوہِ طور پر گئے تھے۔ دوم تم کو خدا نے بادشاہ بنا دیا یعنی پہلے تم فرعونیوں کی قید میں تھے اب آزاد ہو۔ حقیقت میں آزادی سے بڑھ کر اور کیا سلطنت ہوگی؟ اور ممکن ہے کہ ان کے آیندہ اقتدار و سلطنت کو بلفظِ ماضی تحقیق کے لئے تعبیر کیا ہو۔ سوم تم کو وہ چیزیں دیں جو اب تک کسی کو نہیں دیں۔ دریائے قلزم سے خشک پار اتارنا' فرعونیوں کو تمہارے روبرو غرق کر دینا' جنگل میں پتھر سے پانی کے بارہ چشمے نکالنا' ابر کا سایہ کرنا' کھانے کو من و سلویٰ دینا۔ یہ احسان یاد دلا کر ان کو ارضِ مقدسہ یعنی ملکِ فلسطین کے چلنے کا حکم دیتے ہیں جس میں خدا نے میووں اور سرد پانیوں کی برکتیں رکھی ہیں اور یہ بھی کہ تم پھر واپس مصر جانے کا قصد نہ کرو ورنہ خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ یہ تمام گفتگو توریت سفر عدد کے ۱۴ باب میں خوب تفصیل سے بیان ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں "تب ساری جماعت چلا کے روئی اور لوگ اس رات بھر رویا کئے۔ پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ و ہارون پر گڑگڑائے کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے الخ خداوند کس لئے ہم اس کو زمین میں لایا الخ۔ تب انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ آؤ اپنا ایک سردار بنائیں اور مصر کو پھر چلیں۔ موسیٰ اور ہارون تمام بنی اسرائیل

---

[1] فترہ کے معنی ہیں بند ہونا اس سے مراد وہ زمانہ کہ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے آنحضرت ﷺ تک کوئی اولوالعزم نبی برپا نہ ہوا۔ یہ تخمیناً پانچ سو برس کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں دین عیسوی بھی بگڑتے بگڑتے بالکل بدل گیا تھا۔ یہود اور مجوس اور بت پرستوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ اس ظلمت کدہ میں عرب سے آفتاب جلوہ گر ہوا۔ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ ۱۲ منہ

[2] یہ (اذ قال موسیٰ الخ) اس وقت کا تذکرہ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جاتا ہے جبکہ بنی اسرائیل قلزم کو عبور کر کے عرب مغربی و شمالی بیابانوں میں خیمہ زن تھے اور عمالیق قوم کے ملک سے ان کو گذرنا تھا۔ اس لئے ان سے مقابلہ کی ٹھہر رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمت دلاتے اور یہ نامرد ہمت ہارے جاتے تھے۔ اور منہ سے کفر بکتے جاتے تھے جس کی سزا میں چالیس برس تک بیابانوں میں ٹکرا کر مرنا نصیب ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھ میں اور ان میں فرق کر دے یعنی تیرے عتاب میں ہم شامل نہ ہوں۔ ۱۲ منہ

کے مجمع میں سامنے زمین پر اوندھے گر پڑے اور نون کے بیٹے یوشع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے۔ اپنے کپڑے پھاڑے اور ساری جماعت بنی اسرائیل کو کہا کہ وہ زمین جہاں ہم جاسوسی کے لئے گئے تھے خوب زمین ہے۔ اگر ہم سے خدا راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا الخ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم وہاں کے لوگوں سے ڈرو۔ وہ تو تمہاری خوراک ہیں۔ ان کا سایہ ان سے جا چکا ہے (قال رجلان الخ کی یہ پوری تفسیر ہے) تب ساری جماعت نے چاہا کہ ان پر پتھراؤ کرے اسی وقت جماعت کے خیمہ میں سارے بنی اسرائیل کے سامنے خدا کا جلال نمایاں ہوا۔ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ یہ لوگ کب تک مجھے غصہ دلائیں گے اور کب تک میری نشانیوں کا جو انہیں دکھائیں یقین نہ کریں گے۔ میں انہیں وبا سے ماروں گا اور انہیں خارج کروں گا ان کے بدلے تجھے اور قوم دوں گا۔ موسیٰ نے کہا اگر یہ خبر مصر والے سنیں گے تو کہیں گے کہ خدا نے ان کو بیاباں میں ہلاک کر دیا۔ سو میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو اپنی رحمت سے اس امت کا گناہ بخش دے۔ خداوند نے فرمایا' میں نے تیرے کہنے سے بخشا پر مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے غصہ دلایا اور سنا کے کہا میں تم سے ویسا ہی کروں گا۔ تمہاری لاشیں سب کی بیس برس والے سے لے کر اوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی۔ تم بے شک اس زمین پر نہ پہنچو گے۔ جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے بجز یوشع اور کالب کے اور تمہارے لڑکوں کے جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لٹ جائیں گے میں ان کو داخل کروں گا اور تمہاری لاشیں اس بیاباں میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس بیاباں میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے۔ ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں' دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ انتہیٰ ملخصاً۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر لوگ تو اس واقعہ کے اگلے روز عمالیق کے ہاتھ سے قتل ہوئے جو باوجود ممانعت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر ان سے لڑنے کو چڑھے تھے اور وہ دس جاسوس اور پھر سب لوگ اس قرن کے وقتاً فوقتاً وبا اور قتل سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ اس چالیس برس کے عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام بھی یردن ندی کے اسی پار رجاں بحق ہوئے۔ پھر جب یہ چالیس برس گزر گئے اور یہ لوگ تمام ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام ان کا بھانجا اور خلیفہ یوشع بن نون ہوا تو خدا نے نئی نسل اسرائیل کو وہاں کا ملک عطا کیا۔ عمالیق اور دیگر اقوام شام پر یوماً فیوماً بنی اسرائیل فتح پاتے رہے۔ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔

تیہ تاہ تیہ تیہا و تو ہا سرگردانی۔ تیہاء اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آدمی کو رستہ نہ ملے۔ یہ زمین کہ جس میں بنی اسرائیل بھٹکتے پھرے وہ ہے کہ جس کو ہم نے سورہ بقرہ میں ایک نقشہ میں دکھایا ہے۔ اعنی بحر قلزم سے مشرق کی طرف عبور کر کے بیابان قادسیہ اور عرب کا شمالی اور مغربی گوشہ دریائے یردن تک یعنی شام کے کنارہ تک۔ یہ کئی سو کوس کا میدان ہے وہاں اس زمانہ میں کہیں کہیں پہاڑوں اور شاداب جگہوں میں کچھ قومیں بھی رہتی تھیں جن میں بنی اسرائیل سے جنگ و جدل کا اتفاق پڑ جاتا تھا۔ خدا کی قدرت تھی شام کے ملک میں پہنچنا چاہتے تھے مگر دو چار منزل چل کر پھر بھول بھٹک کر وہیں آجاتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ

النصف

بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور (اے نبی!) ان لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک طور سے سنا دو جبکہ دونوں نے (اللہ کے لئے) کچھ نیاز گذرانی۔ سو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب ایک نے دوسرے سے) کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس[1] نے کہا اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی نیاز قبول کیا کرتا ہے۔ اگر تو میرے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیری طرف تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا رب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹے۔ پھر تو ہی دوزخی بنے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ سو اس کے دل کو اپنے بھائی کا مار ڈالنا پسند آیا سو اس کو مار ڈالا۔ تب وہ خود برباد ہو گیا۔ پھر اللہ نے کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اس کو دکھادے کہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر چھپانی چاہیے۔ وہ بولا کہ ہائے شامت کیا میں اس کوے کے برابر بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپاتا۔ پھر تو وہ پچھتانے لگا۔

ترکیب: نبا مضاف ابنی مضاف الیہ مضاف آدم مضاف الیہ مجموعہ مفعول واتل بالحق حال ہے فاعل اتل سے اذ ظرف ہے نبا کا باثمی معطوف علیہ واثمك معطوف متعلق ہیں تبوء بمعنی ترجع کے جو تاویل ان مصدریہ جملہ مفعول ہے ارید کا جو خبر ہے ان کی کیف حال ہے ضمیر یواری سے اور جملہ محل نصب میں لیریہ ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ کا عہد توڑنا بیان ہوا تھا اور نیز بزرگوں کی اولاد اور انبیاء کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے وہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہتے تھے اس کلمہ کو بھی نقل کیا تھا جو دراصل دونوں قوموں کی بربادی کا باعث ہوا۔ یہود کو اس کلمہ سے تفاخر ہوا جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کو بزعم خود قتل کر ڈالا اور پھر یہی بلا نصاریٰ میں پیدا ہوگئی۔ انہوں نے بھی اس تفاخر اور حسد میں آکر نبی آخر الزماں کا انکار کیا جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بیان فرما کر یہ بات جتلاتا ہے کہ تفاخر سے حسد پیدا ہوتا ہے جو دوسرے شخص میں کوئی خوبی و کمال دیکھ کر اس کی ایذا اور قتل پر آمادہ کرتا ہے جو اس کے لئے دارین کی روسیاہی کا باعث ہو جاتا ہے اور پھر یہ بزرگ زادہ ہونا اس کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ جیسا کہ قابیل کے کچھ کام نہ آیا ابد تک لعنتی ہوا۔

ابنی آدم سے مراد ہابیل اور قائن کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس قصے کو توریت موجودہ سفر پیدائش کے ۴ باب میں بیان کیا ہے کہ ''آدم اپنی جورو حوا سے ہم بستر ہوا۔ وہ حاملہ ہوئی اور قائن کو جنی (عربی میں اس کو قابیل کہتے ہیں) پھر اس کے بھائی ہابیل کو جنی اور ہابیل بھیڑ بکری کا چرواہا اور قائن کسان تھا۔ چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے حاصل میں سے خداوند کے لئے ہدیہ لایا اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا اور خداوند نے ہابیل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا۔ پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن

---

[1] یعنی میرا کیا قصور جو تو مجھے نیاز قبول نہ ہونے سے مارنا چاہتا ہے۔ نیاز پرہیزگاروں کی قبول ہوا کرتی ہے۔ سو یہ تیرا قصور ہے کیوں حسد کرتا ہے۔ یہاں سے حسد کی برائی بیان ہو رہی ہے جس میں یہود و نصاریٰ مبتلا تھے اور نبی آخر الزمان ﷺ سے بمقابلہ پیش آرہے تھے۔ ۱۲ منہ

نہایت غصہ اور ترش رو ہوا اور خداوند نے قائن سے کہا' تجھے کیوں غصہ آیا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا الخ اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو قائن اپنے بھائی ہابیل پر اٹھا اور اسے مار ڈالا۔ تب خداوند نے کہا تیرا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا کیا میں اس کا نگہبان ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو نے کیا کیا۔ تیرے بھائی کا خون زمین سے تجھے پکارتا ہے اور اب تو زمین سے لعنتی ہوا الخ سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا اور عدن کے پورب کی طرف لوذ کی سرزمین میں جا رہا۔ پھر آدم اپنی جورو سے ہم بستر ہوا اور وہ ایک بیٹا جنی اور اس کا نام سیت (یعنی) شیث رکھا۔ انتہی ملخصاً قابیل اپنے بھائی کو قتل کر کے اپنی پیٹھ پر لادے پھرتا تھا۔ اس سے پہلے کسی کو دفناتے نہ دیکھا تھا جو دفناتا۔ اس لئے خدا نے کوے بھیجے جو باہم لڑے اور ایک نے ایک کو مار کر پنجوں سے زمین کرید کر دبا دیا۔ اس پر قابیل کو دیکھ کر سخت ندامت ہوئی کہ ہائے افسوس میں تو اس کوے کے برابر بھی نہ ہو سکا یعنی مجھے دفنانا نہ آیا اور نیز کوے نے جانور ہو کر بعد مردن دوسرے پر رحم کیا جو اس کی لاش کو تہِ خاک کیا۔ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ انسان ہو کر کیا کیا؟

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اس لئے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی کہ جو کوئی کسی جان کو بغیر معاوضہ کسی جان کے یا بغیر زمین کے فساد کرنے کے قتل کرے گا تو گویا اس نے سب کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اس کے بعد بھی بہت سے لوگ ان میں سے زمین میں بیہودگیاں کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب: مِنْ اَجْلِ متعلق ہے كَتَبْنَا سے عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بھی كَتَبْنَا سے متعلق ہے اَنَّهٗ جملہ الی جَمِيْعًا مفعول ہے کتبنا کا۔ اس جملہ میں انہ کی ضمیر شان ہے اور من شرطیہ بغیر نفس حال ہے۔ ضمیر قتل سے ای من قتل نفسا ظالما او فسادا معطوف ہے نفس پر فکانما جملہ جواب شرط بعد ذلك ظرف ہے لَمُسْرِفُوْنَ کا۔

تفسیر: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ سے یہ مراد نہیں ہے کہ قابیل کے قتل کرنے سے بنی اسرائیل پر قصاص مقرر کر دیا کیونکہ اس کے قتل سے بنی اسرائیل کو کیا خصوصیت ہے بلکہ ذلك سے اشارہ مفاسدِ قتل کی طرف ہے کہ چونکہ قتلِ ناحق میں یہ کچھ خرابی ہے۔ اس لئے جب توریت اور شریعت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل پر ہم نے قصاص مقرر کر دیا جنہوں نے باوجود اس کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک شخص کے قتلِ ناحق کا گناہ بنی اسرائیل پر جمیع بنی آدم کے قتل کے برابر مقرر ہو گیا تھا کیونکہ یہ عدالتِ الٰہی سے بعید ہے بلکہ تشبیہ صرف عظمتِ قتلِ عمد میں ہے کہ جس بدبخت نے اپنی خواہشِ نفسانی اور حسد سے ایک آدمی کو ناحق قتل کیا۔ سو اس سے تمام بنی آدم کا قتلِ ناحق کچھ بعید نہیں۔ اگر یہ ان پر موقع پاتا تو ان سے بھی ایسا ہی کرتا جس نے چوری سے باغ کا ایک پھل توڑا۔ اس نے گویا سب کو توڑا اور ایک کو زندہ رکھنے سے سب کو زندہ رکھنے کا اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

يُقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

جولوگ اللہ اوراس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں (سو) ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جاوے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں ادھر ادھر سے کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کو بڑا (ہی سخت) عذاب ہے مگر جنہوں نے کہ تمہارے قابو پانے سے پہلے (ہی) توبہ کر لی سو تم جان لو کہ اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔

ترکیب: جزا مضاف الذین مضاف الیہ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ معطوف علیہ وَ یَسْعَوْنَ معطوف الذین کا صلہ جملہ مبتدا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا مع اس کے عواطف کے مجموعہ خبر ذلك مبتداء لھم خزی جملہ خبر۔

تفسیر: پہلی آیت میں قتلِ ناحق کی سخت مذمت تھی۔ اب اس آیت میں اس قتل کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ کونسا جرم کس سزا کو چاہتا ہے؟ جمہور کے نزدیک یہ آیت عرینیوں[1] کے حق میں نازل ہوئی جو کہ مرتد ہو کر قتل اور ڈاکے کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا گیا وہیں تڑپ کر مر گئے۔ اس فعل کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں حد مقرر کر دی گئی۔ امام مالک اور ابوحنیفہ اور شافعی اور ابوثور اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان اہلِ اسلام کے حق میں ہے جو بادشاہِ اسلام سے باغی ہو کر راہزنی اور فساد کرنے لگیں۔ بقرینہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا۔ اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ گو یہ آیت کسی کے حق میں نازل ہو مگر عموم الفاظ کا لحاظ کیا جاوے گا۔ خصوصی سب کو نہ دیکھا جاوے گا۔ اس لئے ہر ایک ڈاکو اور راہزن پر یہ حکم جاری ہوگا۔ خواہ وہ مسلمان ہو خواہ کافر۔ اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ خدا سے لڑائی کرنا اس مقام پر بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن المسیب ومجاہد وعطا وحسن بصری وابراہیم نخعی وغیرہم رحمہم اللہ شاہ اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانا اور مسافروں کو چھیڑنا لوٹنا مارنا ہے نہ کہ چوری اور زنا وغیرہ معاصی کے لئے کہ ان جرائم کی اور سزا مقرر ہے۔ پس جو شخص جمعیت بہم پہنچا کر ایسا کرے خواہ شہر میں رہ کر خواہ جنگل میں رہ کر (مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سزا ان شخصوں کے لئے ہے جو شہروں میں نہ ہوں کیونکہ شہر میں رہنے والے پر حکومت ہر وقت قابو پا سکتی ہے وہ بمنزلہ چور کے ہے) شاہِ اسلام کو بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وعلی بن ابی طلحہ وحسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ قابو پا کر اختیار ہے خواہ قتل کر ڈالے خواہ دار پر کھینچے خواہ جانبِ مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دے خواہ جلاوطن کر دے۔ اس کو اختیار ہے۔ ان چاروں سزاؤں میں سے جو چاہے دے کیونکہ کلمہ اَوْ تخییر کے لئے ہے مگر جمہور کے نزدیک اَوْ تخییر کے لئے نہیں بلکہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں۔ اگر وہ صرف قتل کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان کو صرف قتل کرنا چاہیے اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا

[1] بنی عرینہ عرب کی ایک قوم ہے۔ ان میں سے مدینہ میں آ کر چند لوگ مسلمان ہوئے۔ چونکہ مرضِ استسقاء میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کو جہاں بیت المال کے اونٹ چرتے تھے بھیج دیا کہ وہاں تندرست ہو جائیں۔ جب تندرست ہوئے تو نیت میں فرق آیا۔ اونٹوں کے چرانے والوں کو قتل کر کے اونٹ لے کر چل دیے۔ مدینہ میں خبر ہوئی تو وہ گرفتار کر کے لائے گئے۔ ان کے لئے یہ سزا دی گئی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۲ منہ

ہے تو قتل کر کے عبرت کے لئے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے۔ اس صورت میں ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھر قتل کیا جاوے اور سولی پر بھی تشہیر کے لئے لٹکا دیا جائے اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے اور اگر صرف لوگوں کو خوف ہی دلایا ہے تو نفی کی جاوے یعنی اس کو قید کیا جاوے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے معنی جلاوطن کے ہیں یعنی جلاوطن کر دیا جاوے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ الخ یعنی اگر وہ لوگ گرفتار ہونے سے پہلے اس فعلِ بد سے توبہ کر لیں تو ان سے یہ حد ساقط ہو جائے گی ہاں حقوقِ عباد خواہ مالی ہوں خواہ جانی اس کا عوض عدالت ان سے ضرور لوگوں کو دلائے گی۔ وھذا ھو القوی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بیشک کافروں کے پاس اگر زمین میں جو کچھ ہے (وہ) سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہوتا کہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں (اور اس کو تاوان میں دیں) تو ہرگز ان سے یہ قبول نہ کیا جاوے گا اور ان کو عذاب الیم ہی ہوگا۔ وہ چاہیں گے کہ ہم آگ سے نکل جاویں اور وہ اس سے ہرگز نکل نہ سکیں گے اور ان کے لئے (تو) ہمیشہ کا عذاب ہے۔

ترکیب: اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ممکن ہے کہ اِبْتَغُوْا سے متعلق ہو اور جائز ہے کہ خود الوسیلۃ سے کیونکہ یہ بمعنی التوسل بہ ہے الذین کفروا صلہ موصول اسم ان لو ان شرط الخ جواب مجموعہ خبر ان۔

تفسیر: اس پہلی آیت میں ان مفسدوں اور باغیوں کی مذمت تھی جو خدا سے لڑتے تھے اور رسول اور قرآن کے حکم سے جو خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ اور حبل المتین ہے چھوڑ کر دائرہ اطاعت سے باہر ہوتے تھے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں رسوائی اور خواری ہے۔ اس مقام پر ان کے برخلاف اس وسیلہ الٰہی کو اختیار کر کے ہر ایک قسم کی نیکی اور بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور اس کے برخلاف کرنے میں آخرت کا انجام بد بتایا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جمیع احکام الٰہی دو قسم میں منحصر ہیں: قسم اول بری باتوں کا ترک کرنا اور یہ سب سے مقدم ہے کیونکہ انسان جب تک بری باتوں کو ترک نہیں کرے گا تو اس کے لوح دل پر ضرور ایک ایسا اثر پیدا ہوگا جو اس کو نیکیوں سے روکے گا اور اپنی ہی طرف کھینچے گا۔ علاوہ اس کے جب کسی لوح پر کوئی عمدہ نقش کھینچنا چاہتے ہیں تو اول اس کو صاف کر لیتے ہیں پھر کچھ لکھتے ہیں

چاہیے تجھ کو اگر وصلِ صنم
دل کو خالی غیر سے کر یک قلم

اس لئے سب سے مقدم اس قسم کی طرف واتقوا اللہ میں اشارہ کیا۔ دوسری قسم اچھی چیزوں کا عمل میں لانا۔ عبادت، سخاوت، رحم دلی، بردباری، صبر و شکر، رضا و تسلیم وغیرہ ان سب کی طرف وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں اشارہ فرمایا۔ پس یہ کرنا اور نہ کرنا افعال میں بھی معتبر ہے۔ نہ کرنے میں منہیات اور کرنے میں مامورات شامل ہیں اور اسی طرح اخلاق میں بھی اخلاقِ رذیلہ تکبر، عجب، ریا (خود پسندی) کو ترک

کرنا چاہیے۔ بردباری، رضا و تسلیم کو عمل میں لانا چاہیے اور اسی طرح افکار میں بھی ترک اور عمل معتبر ہیں۔ جن افکار کا ترک لازم ہے وہ برے خیالات ہیں جو انسان کے لئے بری باتوں کی طرف محرک ہوتے ہیں اور اچھے خیالات کو عمل میں لانا چاہیے جو حسنات کی طرف محرک ہیں اور اسی طرح یہ ترک اور فعل مقام تجلی میں بھی معتبر ہے۔ ترک التفات الی غیر اللہ کرنا چاہیے۔ فعل کیا ہے اس کی ذات پر انوار میں مستغرق رہنا' اہلِ ریاضت ترک کو تخلیہ اور کبھی صحو اور محو اور نفی اور فنا کہتے ہیں اور ان سب میں نفی مقدم ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کلمہ توحید لا الہ میں نفی مقدم ہے۔ اثبات الا اللہ مؤخر۔ وسیلہ ہر قسم کے اچھے کام ہیں اور قرآن مجید اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین بھی خدا کی طرف کا وسیلہ ہیں۔ ارشاد اور فیض سے انسان خیرات کی طرف راغب ہوتا ہے اور ان ہی کی برکت سے خدا تعالیٰ کا طالب بنتا ہے اور جبکہ حسنات اور سعادات کا عمل میں لانا کوئی آسان[1] بات زبانی جمع خرچ نہ تھا۔ اس لئے اس کے بعد جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ بھی فرما دیا۔ انبیاء علیہم السلام با ایں علو مرتبت راتوں کو رویا کرتے تھے اور آنسوؤں کے موتی اس جمالِ جہاں آرا کی یاد میں پرویا کرتے تھے۔ صحابہ اور بزرگانِ دین کی جان کاہیاں مشہور ہیں۔ اس میں طالبانِ ذات کے بلند مرتبہ کی طرف اور لعلکم تفلحون میں طالبانِ عقبیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ ان الذین کفروا میں ان لوگوں کا انجام کار بیان ہوتا ہے جو اس عالمِ فانی کے لذائذ حسیہ پر فریفتہ ہو کر اس عالمِ جاودانی کو بھول بیٹھتے ہیں اور اللہ کے وسیلہ کو چھوڑ خدا سے توڑ بیٹھتے ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

اور جو کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ خدا کی طرف سے ان کے فعل کی (یہی) جزا ہے اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔ پھر جو کوئی اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سدھر جاوے تو اللہ (بھی) اس کو معاف کرتا ہے۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی بادشاہت جس کو چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: والسارق معطوف علیہ والسارقۃ معطوف مبتداء سیبویہ کے نزدیک بوجہ ف کے فاقطعوا خبر نہیں ہو سکتا پس خبر فیمایتلی علیکم محذوف ہے اور کہتے ہیں فاقطعوا کیونکہ الف لام السارق میں بمنزلہ الذی کے ہے۔ پس یہ مشابہ شرط ہے' ف کا خبر میں آنا درست ہو گیا۔ جزاء فاقطعوا کا مفعول لہ ہے وقس علیہ نکالا فمن تاب شرط فان اللّٰہ جواب۔

تفسیر: باغیوں اور لٹیروں کی سزا بیان کرنے کے بعد چور کی سزا بیان کرنا گویا اس بیان کا تکملہ کر دینا ہے۔

والسارق والسارقۃ اگرچہ قرآن مجید میں عموماً احکام میں خطاب مردوں کی طرف ہے عورتیں تبعاً ان احکام میں شامل ہیں مگر اس آیت میں محض اس حکم کی تاکید ظاہر کرنے کی غرض سے سارق مرد چور اور سارقۃ چور عورت دونوں کو ذکر کیا۔ سرقۃ لغت میں چوری کو کہتے ہیں

[1] مولانا اوحدالدین کرمانی فرماتے ہیں۔ ؎ تا دیدہ و دل خون نکنی پنجاہ سال ہرگز نہ دہندت رہ از حال بقال۔۱۲ منہ

یعنی کسی کا مال جو حفاظت میں رکھا ہو چھپا کر لے جانا۔ یہاں تین باتیں ہیں: ایک مال جس کی چوری کی گئی۔ اس کی اس آیت میں کوئی قید نہیں کہ کس قدر مال چرانے پر سزا دی جائے۔ اس لئے بعض علماء نے جیسا کہ ابن زبیر اور ابن عباس و حسن بصری ہیں اس کو مطلق رکھا ہے مگر جمہور علماء مجتہدین کہتے ہیں کہ مال کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے۔ ہر شخص اور ہر قوم اور ہر زمانے کے لحاظ سے اس کے معنی میں تفاوت ہوسکتا ہے۔ متمول ملکوں میں دو پیسے چار پیسے کچھ مال نہیں۔ یہی دو چار پیسے مفلس لوگوں میں مال گنے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس لئے ایسے اختلافاتِ معنی کے وقت عرب کا عرف عام خصوصاً قریش کا دستور دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو مال کہتے تھے کیونکہ شریعتِ محمدیہ علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اکثر ان ہی کے رواج و عادت کا زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔ یہ بات تو ان کی عادت دیکھنے سے قطعاً معلوم ہوتی ہے کہ ایک دو مٹھی اناج یا کسی قدر چھوارے یا دو ایک انگور کے خوشے ان کے ہاں ایسا مال نہ سمجھا جاتا تھا کہ جس سے چھپا کر لے جانے کو چوری کہا جاوے۔ ایسی قلیل چیزوں کو اجازت بے اجازت لے کر کھا لیا کرتے تھے۔ پس اس مقدار کا اندازہ امام ابوحنیفہ و ثوری نے بعض احادیث و اقوالِ صحابہ اور ان کے معاملات پر غور کر کے دس درہم قرار دیا ہے۔ اس قدر جو کوئی چرائے گا تو یہ سزا پائے گا۔ اس سے کم کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی اور امام مالک و احمد و اسحٰق نے تین درہم یا ربع دینار کی تعداد قائم کی ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے پانچ درہم اور امام شافعی نے ربع دینار معین کیا ہے۔ ہر ایک کے دلائل اس تعداد کے لئے مبسوطات میں مذکور ہیں مگر داؤد اصفہانی اور خوارج نے آیت کو مطلق رکھ کر ذرا سی چیز کی چوری پر یہی سزا قائم رکھی ہے حتیٰ کہ کوڑی دو کوڑی کے چور کو بھی قطع ید کا حکم دیتے ہیں۔

دوسری بات اس فعل کے لئے یہ ہے کہ یہ مال جس کو چرایا ہے مالک کی حفاظت میں ہو کیونکہ رستہ پر پڑی ہوئی چیز کا اٹھا کر لے جانا عرف میں چوری نہیں مگر داؤد ظاہری یہاں بھی خلاف جمہور کرتے ہیں اور حفاظت کو کوئی شرط نہیں سمجھتے۔

تیسری بات سرقہ میں یہ ہے کہ لوگوں سے چھپا کر لے جاوے کہ عادتاً لوگ اس کو دیکھیں تو پکڑ لیں۔ اب اگر وہ بالکل لوگوں کے سامنے سے لے گیا ہے تو اس کو بھی چوری نہیں کہیں گے بلکہ غصبِ ملکیۃ یا سینہ زوری اور اگر ایسے موقع سے لے گیا ہے کہ اگر اس کو لوگوں نے نہ دیکھا اور معلوم نہیں کر سکے جیسا کہ کیسہ بر یا گرہ کٹ عام مجموعوں میں لوگوں کے روبرو گرہ کاٹ لیتے، جیب کتر لیتے ہیں۔ یہ بھی عرف میں چوری کے علاوہ دوسرا فعل گنا جاوے گا۔ ان دونوں صورتوں میں چوری کی سزا نہ دی جائے گی بلکہ اور سزا ملے گی۔ بعض علماءِ مجتہدین فرماتے ہیں کہ بلاشک غصب کی صورت میں تو چوری نہیں کیونکہ اخفا نہیں پایا جاتا جو چوری کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ہاں دوسری صورت میں چوری کے معنی پر ایک بات اور زیادہ ہوگئی کہ وہ سب کی آنکھوں میں خاک ڈال کر لے گیا، سو یہ اعلیٰ درجہ کی چوری ہے۔ اس لئے یہ شخص سزائے سرقہ کا مستوجب سمجھا جاوے گا۔ ان تینوں باتوں پر بہت سے مسائلِ فقہ مبنی ہیں۔ فاقطعوا ایدیھما یہ سزا ہے چوری کی کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ آیت میں اس کی بھی کچھ تصریح نہیں کہ کونسا ہاتھ کاٹا جاوے اور کہاں تک کاٹا جاوے؟ مگر جمہور نے آنحضرت ﷺ کے عہد کی سزا سے یہی ثابت کیا ہے کہ اول بار چوری کرنے سے پونچے تک داہنا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہیے اور نیز جب ایک بار چوری کرے تو داہنا ہاتھ کاٹ دیا جاوے اور دوبارہ کرے تو بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کرے تو دایاں پاؤں بھی کاٹ ڈالنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ علما صرف دو بار تک قطع کا حکم دیتے ہیں۔ باقی پھر قطع نہیں بلکہ حبس۔

---

[1] باوجود اس کے اہلِ یورپ کیا بدنی سزا نہیں دیتے بید مارتے، پھانسی دیتے ہیں اور چونکہ چور کی بابت یہ سزا نہیں تو دیکھئے ان کی عملداری میں چوری کا کیسا بازار گرم ہے۔ بدمعاش لوگ جیل خانہ کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ اس کی انہیں کیا پرواہ ہے اور عیسائی تو کوئی اس کی بابت اعتراض ہی نہیں کر سکتا کیونکہ بائبل میں ادنیٰ ادنیٰ جرموں پر قتل کرنا جلا دینا موجود ہے۔ ۱۲ منہ

یہ سزا آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں دی ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور نیز آپ کے خلفاءِ اربعہ سے خلفائے بنی العباس تک بھی اس قانونِ الٰہی پر عملدرآمد رہا ہے۔ شاہانِ اسلام ہندوستان و دیگر بلاد اپنے تمام علماء و قضاۃ کے فتوے کے بموجب اس پر عمل کرتے آئے ہیں۔ کتبِ تواریخ شاہد عدل ہیں اور اس میں حکمت بھی ہے کیونکہ جس ہاتھ سے اس نے یہ بدکام کیا تھا اس کی سزا میں ایسی نعمت سے محروم کر دینا پورا انصاف ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ سزا اس جرم کے انسداد کے لئے اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتی ہے اور کیوں نہ ہو آخر جس نے قرآن نازل کیا ہے اور وہ حکیم وعلیم ہے۔ جس کی علم و حکمت کے آگے بندوں کے علم و دانش کو کیا نسبت ہے۔ کوئی تو حکمت سمجھی ہے جو ایسا حکم جاری کیا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص الہام کو فرضی ڈھکوسلا سمجھے یا اپنی عقل کو خدا کے علم پر ترجیح دے۔ آج کل یورپ نے علوم میں ترقی کی مگر الحاد اور بدکاری حد سے زیادہ ترقی کر گئی ہے۔ ان کے رسم و رواج خواہ کیسے ہی قبیح ہوں ان کے مریدوں کے نزدیک تہذیب کا معیار قرار دیے گئے ہیں۔ اس لئے ان کے مرید تمام شریعت کو ان ہی کے رسم و رواج کے مطابق کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور اسی کو اعانتِ اسلام کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب اس سزا کی یہ توجیہ کرتے ہیں ''ص ۲۰۳ مگر جبکہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں کا انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رو سے اس سزائے بدنی کا دینا (یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا) کسی طرح جائز نہیں۔'' حضرت نے قزاقوں کی سزا کو جو ینفوا من الارض ایک صورت خاص میں ہے یعنی قید کرنا مؤخر سمجھ لیا حالانکہ مقدم ہے اس کے بعد آیت السارق الخ موجود ہے جس میں بجز ہاتھ کاٹنے کے چور کی اور کوئی سزا ہی بیان نہیں ہوئی۔ اس کو چوری کی سزا قرار دیا ہے اور بے سند چند چوروں کے اشعار اور ان کے خیالات نقل کر کے تمام کتبِ تواریخ کے برخلاف یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صحابہ کے عہد میں ہاتھ نہیں کاٹے گئے بلکہ قید کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر قید کئے گئے ہوں گے تو وہ ڈاکو جن سے ملک کو دہشت ہوگی نہ کہ چور اور لطف یہ کہ آپ بھی اقرار کرتے جاتے ہیں کہ ڈاکوؤں کو قید کیا گیا ہے مگر دونوں کو خلط کر دینے سے اور ملا کر بیان کرنے سے شاید بمقابلہ بیشمار احادیثِ صحیحہ و اجماع جمہور مسلمین اپنے خیال میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ جزاء بما کسبا سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ہی اس کے فعلِ بد کی سزا ہے۔ اس تقدیر پر اگر مال موجود نہیں رہا تو اس سے تاوان لینا درست نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ سفیان ثوری و احمد و اسحاق فرماتے ہیں لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ خواہ مالِ مسروق موجود ہو یا نہ ہو چور سے باوجود اس سزا کے وہ واپس لیا جاوے گا۔ مالک فرماتے ہیں اگر مقدور ہے تو واپس لیں گے ورنہ نہیں واللہ عزیز حکیم میں اس سزا کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک اعرابی کے سامنے بھول کر میں نے اس جملہ کی جگہ غفور رحیم پڑھ دیا۔ اس نے چونک کر کہا یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا اللہ کا اس نے کہا یوں نہ ہوگا پھر میرے یاد آیا تو عزیز حکیم پڑھا۔ کہنے لگا اب ٹھیک ہے کیونکہ غفور رحیم قطع ید کے مناسب نہیں فمن تاب کے متعلق تفسیر ہو چکی الم تعلم الخ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ قبول کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور نیز ایسا حکم دینا بھی اپنے بندوں کے لئے ہمارے لئے کچھ ظلم نہیں ہم مالک ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ

فَاحْذَرُوْا ۚ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۚ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ۚ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں سے کہ جو کفر میں دوڑ پڑتے ہیں کچھ غم نہ کریں (وہ منافق ہیں) جو اپنے منہ سے تو (یہ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل میں ایمان نہیں ا... کچھ وہ یہودی (بھی) ہیں جو جھوٹی بات بہت سنتے ہیں اور ان لوگوں کے کان بھرتے ہیں جو ہنوز ان کے پاس نہیں آئے۔ الفاظ کو ان کے بعض مواقع سے بدل[1] ڈالتے ہیں (اور لوگوں سے) کہتے ہیں تم کو یہ (حکم محرف) ملے تو لے لو اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے بچو[2] اور جس کو کہ خدا خراب کرنا چاہے تو اس کے لئے اللہ پر تیرا کچھ بس نہیں چل سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کا پاک کرنا خدا نے نہیں چاہا۔ ان کو دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔ بڑے جھوٹ کے سننے والے (اور) بڑے حرام خور پھر اگر تمہارے پاس آویں تو ان میں فیصلہ کر دو یا ان سے کنارہ کشی کرو اور اگر آپ ان سے کنارہ بھی کریں گے تو وہ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ میں فیصلہ کریں تو انصاف سے کرنا کس لئے کہ خدا کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے۔

ترکیب: الذین یسارعون الخ فاعل لایحزنك مفعول من الذین قالوا۔ الذین یسارعون کا بیان۔ ومن الذین هادوا معطوف ہے من الذین قالوا پر۔

تفسیر: پہلی آیات میں شرائع اور احکام بیان ہوئے جن کی مخالفت کرنا دو قوموں سے متوقع تھا۔ اس لئے نبی کو تسلی کے طور پر فرماتا ہے کہ ان کفر میں کوشش کرنے والی قوموں من الذین قالوا امنا الخ منافقین اور من الذین هادوا یہود سے کچھ رنج و غم نہ کرو کیونکہ امرِ حق کی مخالفت ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ منافقین کی یہ دو خصلتیں ہیں: اول سَمّٰعُوْنَ کہ وہ جھوٹی باتیں بہت جلد قبول کرتے ہیں جو کوئی اسلام کی مذمت میں ان سے کیسی ہی بے اصل بات کیوں نہ کہے اس کو مان لیتے ہیں یا یہ معنی کہ آپ سے جو زیادہ سنتے ہیں نہ عمل کرنے کے لئے بلکہ للکذب جھٹلانے کے لئے۔ دوم سماعون کہ جو قومیں ہنوز آپ کے پاس نہیں آئیں' ان کو دور سے ہی یہ لوگ بہکاتے اور اسلام سے بدگمان کرتے ہیں۔ یہ باتیں ان کی کفر میں کوشش کرنا ہے جس سے آنحضرت ﷺ کو ملالِ خاطر ہوتا تھا۔ یہود کے دو وصفِ بد یہ ہیں: اول یحرفون الکلم کہ جو بات حلال و حرام کے متعلق خدا نے قائم کر دی ہے اس کو بھی یہ اپنی خواہشِ نفسانی سے بدل ڈالتے ہیں۔ دوم یقولون کہ لوگوں سے کہتے ہیں اگر نبی تمہاری خواہش کے مطابق حکم دے تو لو ورنہ نہیں۔ ان جملوں کے متعلق مفسرین نے یہ قصہ نقل کیا

[1] احکام توریت۔

[2] یعنی اگر محمد ﷺ تم کو بعینہٖ وہی حکم دیں (جیسا کہ بدل کر انہوں نے دیا) تو مان لو ورنہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ف: توریت سفر احبار باب ۲۰ درس ۱۰۔ ۱۲ منہ

ہے کہ خیبر کے یہود میں سے دو معزز مرد و عورت نے زنا کر لیا تو حکم تورات (جو سنگسار کرنا یا قتل کرنا ہے) ان کو شاق معلوم ہوا اس لئے باہم قیل و قال ہو کر یہ بات ٹھہری کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کیا جاوے۔ چنانچہ آپ کے پاس آئے اور آپ نے بھی یہی حکم دیا جس کے انکار پر وہ نسخہ منگایا گیا جس کو یہود توریت سمجھتے تھے اس میں بھی یہی نکلا۔ فرماتا ہے کہ یہ گمراہ ازلی ہیں۔ آپ کہاں تک فہمائش کر سکتے ہیں اور نیز ان کے دل پاک کرنا اس کی تقدیر ازلی نے نہ چاہا ان کو دنیا اور آخرت میں رسوائی اور عذاب الیم ہے فان جاءوك اس آیت میں صاف ہے کہ اگر وہ آپ کے پاس آویں تو آپ اے نبی! مختار ہیں۔ اعراض کریں یا حکم دیں۔ اگر حکم دیں تو انصاف سے دیں۔ نخعی اور شعبی و قتادہ و عطا و ابی بکر اصم کہتے ہیں کہ یہی اختیار تمام احکام میں کفار کی نسبت باقی ہے۔ ابن عباس اور حسن بصری و مجاہد و عکرمہ فرماتے ہیں کہ حاکم اسلام کو جبکہ اس کے پاس کفار کا جھگڑا آوے خواہ وہ اہل ذمہ ہوں یا نہ ہوں بموجب آیت وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قانونِ آسمانی کے موافق فیصلہ کرنا چاہیے مگر بجز ناچار یہ کسی مسلمان کا قول نہیں کہ کفار میں ان کے قانون کے موافق حاکم اسلام فیصلہ کرے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ ع

اور (اے نبی!) وہ آپ کو کس طرح ثالث بناتے حالانکہ ان کے پاس تو خود تورات ہے کہ جس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں اور (سرے سے) وہ ایماندار ہی نہیں۔ تورات ہم نے نازل کی تھی اس میں اللہ کی ہدایت اور نور تھا۔ خدا کے فرمانبردار انبیاء یہود کو اسی پر چلنے کا حکم دیتے آئے ہیں اور (نیز) ان کے مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے امانت دار بنائے گئے اور اس پر محافظ بھی تھے پھر (اے یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب کا) حکم نہ دے سو وہی کافر ہیں۔

ترکیب: کیف ضمیر یحکمونك فاعل سے حال ہے وعندھم خبر التوراته مبتداء جملہ موضع حال میں ہے فیھا ھدی ونور جملہ حال ہے التوراته سے اسی طرح یحکم الخ للذین ھادوا کا لام یحکم سے متعلق ہے والربانیون اور الاحبار معطوف ہیں النبیون پر بما اے بسبب الذین استحفظوہ ای استودعوہ اعنی استحفظھم اللہ ایاہ من کتاب حال ہے ما سے۔

تفسیر: اس جگہ خدا تعالیٰ نبی علیہ السلام سے یہود کے آنحضرت ﷺ کے پاس جھگڑا لانے اور فیصلہ پر راضی ہونے پر تعجب ظاہر فرماتا ہے کہ یہ

ل یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء بنی اسرائیل گزرے ہیں سلیمان، داؤد، الیاس، الیسع، عزیر، ارمیا، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ سب توریت کے پابند تھے جب بخت نصر وغیرہ کی حوادث میں توریت جاتی رہی تو ان ہی بزرگوں نے جو کچھ مل سکا بہم پہنچا کر اس کے احکام کو منضبط کیا یہ اس معنی سے اس کے امانت دار اور محافظ تھے اور ان کے سوا یہود کے ربی یعنی مشائخ تارک دنیا اور احبار علماء بھی اسی کی تعمیل کرتے تھے جس کو یہود نے یوں پس پشت ڈال دیا۔ ۱۲ منہ

لوگ باوجودیکہ توریت کے معتقد ہیں اور اس میں احکامِ الٰہی ہیں اور اس کو خاص اللہ نے نازل کیا تھا جس پر انبیاء اور مشائخ و علماء چلتے تھے مگر اس کے حکم سے اعراض کر کے اے نبی! آپ کو حکم بناتا کہ جس کے منکر ہیں' کمال تعجب کی بات ہے یعنی ان کے قلوب ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ جس کتاب کو برحق سمجھتے ہیں اس کے احکام پر نہ چلنے کے لئے اس کو چھوڑ کر مخالف کے پاس جاتے ہیں۔ پس جن کی اپنی کتاب توریت کی نسبت یہ حالت ہو تو اس قوم کا نبی عربی کے مقابلہ میں حق سے چشم پوشی کرنے میں کیا کچھ حال نہ ہوگا؟ وما اولئک بالمؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ دراصل ان کا توریت پر ایمان ہی نہیں۔ اس کے بعد توریت کی مدح فرماتا ہے کہ جس کے وہ دراصل منکر ہیں۔ (۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ کہ توریت کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وہ کسی شخص کی تصنیف کردہ کتاب نہیں بلکہ منزل من اللہ ہے۔ جو خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ای التورۃ اور بہت جگہ ایسا ہی آیا ہے (۲) فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ہدیٰ سے مراد احکام و شرائع اور نور سے مراد توحید و تنزیہ باری تعالیٰ اور نبوت اور معاد کا بیان (۳) يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء آئے ہیں احکام و شرائع میں سب کے سب توریت پر چلتے تھے۔ ان کے لئے کوئی جداگانہ شریعت نہ دی گئی تھی۔ گویا وہ سب دینِ موسوی کے مجدد تھے۔ پھر انبیاء کی صفت میں اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کا جملہ لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمہاری طرح منحرف نہ تھے بلکہ مطیع تھے اور یہ بھی کہ وہ یہود و نصاریٰ نہ تھے بلکہ مسلمان۔ جس سے یہ بات پیدا ہوئی کہ تمام انبیاء بجز چند احکام کے سب متفق اور ملقب بہ اسلام تھے۔ للذین ھادوا کا لام یحکم سے متعلق مانا جاوے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ انبیاء احکامِ توریت پر چلنے کا یہود کو حکم دیتے تھے۔ احبار حبر بالکسر کی جمع ہے (فراء) ابوعبیدہ کہتے ہیں حبر بفتح الحاء ہے اور یہ تحبیر بمعنی تحسین سے مشتق ہے۔

چونکہ علم بڑی زینت ہے اس لئے یہود میں حبر کہتے تھے ربانی لوگ بمنزلہ مجتہدین کے ہوتے تھے اور احبار بمنزلہ عام علماء کے یا ربانیین درویش احبار علماء۔ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ یہ احبار کا صلہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کاہے کے عالم تھے یعنی اس چیز کے جو کتاب اللہ یعنی توریت میں سے حافظ کئے گئے تھے یا یحکم سے متعلق کیا جاوے کہ جو کچھ ان کو توریت میں سے یاد کرایا گیا تھا اس کا حکم دیتے تھے (کبیر) یعنی نہ صرف انبیاء ہی توریت پر یہود کو چلنے کا حکم دیتے آئے ہیں بلکہ ان کے بعد مشائخ اور علماء بھی اسی پر چلاتے تھے۔ بعد میں جو یہود نے توریت میں تحریف کرنی شروع کی تھی۔ غالباً اس کے دو سبب تھے: ایک خوف حکام کہ اگر ان کے برخلاف یہ احکام بیان کریں گے تو ہم کو ایذا دیں گے۔ اس کے دو جواب فرماتا ہے فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ کہ لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ خاص مجھ سے کیونکہ نافع و ضار میں ہوں۔ دوسرا سبب طمع تھا کہ لوگوں کی خواہش کے موافق کم زیادہ کر کے حکم دیتے تھے تاکہ لوگ ان کو کچھ دیا کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کہ دنیا چندروزہ اور بہت بے حقیقت ہے۔ اس کے لئے میری امانت میں خیانت نہ کرو۔ اس کے بعد بطور تہدید کے فرماتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ الخ کہ جو بدبخت خدا کی نازل کی ہوئی کتاب پر حکم نہ دے وہ کافر ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے سے جو کافر ہوتا ہے تو اس صورت میں کہ دل سے بھی اس کا منکر ہو ورنہ دل میں حق جاننے اور زبان سے حق کہنے پر جو کوئی خلاف کتاب اللہ کسی دنیاوی غرض سے فیصلہ کرے گا کافر نہ ہوگا بلکہ فاسق۔ یہاں سے وہ انگریزی نوکریاں جن میں خلاف قرآن حکم دیا جاتا ہے ممنوع و حرام سمجھی گئیں بلکہ جو قرآن کے مقابلہ میں ایکٹ کو دل سے پسند کر کے حکم دے گا تو بموجب آیت مذکورہ کافر ہو جاوے گا۔

ا یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ جو کتاب موسیٰ کے بعد توریت کے نام سے تصنیف کی گئی وہ ہرگز توریت نہیں اور یہ مجموعہ آج کل اہل کتاب کے ہاں توریت کہلاتا ہے قطعاً موسیٰ کے بعد تصنیف ہوا سو یہ بھی قطعاً وہ توریت نہیں کہ جس کے اوصاف قرآن میں مذکور ہیں جن کو پادری مغالطہ دینے کے لیے اس پر منطبق کر کے مسلمانوں کو اس کے تسلیم پر مجبور کیا کرتے ہیں۔

توریت کے گم ہونے پر بحث: لارڈ ولیم میور نے اپنی کتاب شہادت قرآنی میں اس آیت کے جملہ وعندھم التوراۃ اور اسی قسم کی دیگر آیات سے جو توریت کی مدح میں وارد ہیں یا توریت پر عمل نہ کرنے سے اہلِ کتاب پر الزام ہے۔ یہ بات ثابت کی ہے کہ آج کل جو اہلِ کتاب کے پاس توریت ہے وہی اصلی توریت بلاتغیر موجود ہے اور نیز ان کے ایک قدیم مرید نے جو در پردہ ان ہی کے حامیِ مذہب ہیں۔ صحیح بخاری اور فوز الکبیر سے یحرفون کی تفسیر میں تحریفِ معنوی مراد لینا نقل کر کے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ یہ توریت بلاتحریف وہی اصلی توریت ہے اور نیز اس کی سند میں بعض اقوال بے تک بھی نقل کر کے اس توریت کے ایک جملہ کے منکر کو بھی خواہ وہ مخالفِ قرآن ہی کیوں نہ ہو کافر بتلایا ہے مگر یہ سب دھوکا ہے۔ اولاً تو یوں کہ التورات سے مراد مجازاً یہ مجموعہ ہے کہ جس میں اصلی توریت کے بھی پیشتر مضامین موجود ہیں باعتبار تسمیۃ الکل باسم الجز کیونکہ مدعی بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس مجموعہ پر لفظ توریت مجازاً اطلاق ہوا ہے کس لئے کہ اصلی توریت اینٹوکس و بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں تلف ہوگئی۔ یہ مجموعہ تاریخ و مسائل بعد میں مشائخوں نے جمع کیا ہے۔ علاوہ اس کے توریت تو وہ ہے کہ جو خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور مجموعہ میں سینکڑوں مضامین وہ ہیں کہ جو بعد موت موسیٰ علیہ السلام درج کئے گئے۔ چنانچہ کتاب استثناء کا اخیر باب جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت اور قبر کے مفقود ہونے کا حال درج ہے اور جو شئیں مرکب ہو ایک سے اور اس کے غیر سے وہ نہیں رہتی۔ سکنجبین جو شہد و سرکہ سے مرکب ہے نہ وہ سرکہ کہلاتی ہے نہ شہد الا مجازاً پس مجازاً توریت کہنے سے اس مجموعہ کا اصل ہونا کیونکر لازم آ گیا۔ ثانیاً یوں کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد تک وہی اصلی توریت یہودِ عرب کے پاس موجود تھی اور وہ اس میں تحریراً تحریف نہیں کیا کرتے تھے بلکہ صرف بیان کرتے وقت الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ بنابر تحریف معنوی اور پھر اس توریت کی پیغمبر ﷺ نے نہایت مدح و عزت بھی کی تھی جیسا کہ مدعی ثابت کرتا ہے اور اس سے بھی ہم قطع نظر کر لیں کہ آنحضرت ﷺ عمر رضی اللہ عنہ پر توریت کے اوراق پڑھنے سے نہایت پر غضب ہوئے تھے جیسا کہ دارمی نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے اور اس سے بھی کہ آنحضرت ﷺ نے (لاتصدقوا اہل الکتاب) فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ جو آج کل یہود و نصاریٰ کے پاس مجموعہ صحیح و غلط روایات ہے کہ جس کو وہ توریت کہتے ہیں وہی اصلی توریت ہو۔ اگر اصلی ہوگا تو آنحضرت ﷺ کے عہد تک یہودِ عرب کے پاس ہوگا نہ کہ یہ جو قطعاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصنیف ہوا جس کا مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا اور یہی مذہب جمہور علماءِ اسلام کا ہے اور اس بات پر تمام فرقہ اسلامیہ متفق ہیں کہ توریت وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی نہ کہ وہ جو بعد میں بنائی گئی۔ واللہ اعلم۔ گرچہ آپ کو مقدمۂ تفسیر سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ یہ جو آج کل یہود و نصاریٰ کے پاس توریت ہے یہ ایک مجموعہ ہے صحیح اور غیر صحیح مرویات کا نہ کہ وہ توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن اس مقام پر اور بھی اس امر کا تحقیق کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ جب اس توریت کو دیکھا جاتا ہے تو بیشمار مقدمات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد اس کو ترتیب دیا ہے۔ منجملہ ان کے کتاب استثناء کے ۳۴ باب کی یہ عبارت ہے۔ ''سو موسیٰ خداوند کا بندہ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سزا میں مر گیا اور اسے اسی مواب کے ایک وادی میں بیت مغفور کے مقابل گاڑا۔ پر آج تک کوئی اس قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا کہ نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں اور نہ اس کی تازگی جاتی رہی۔ سو بنی اسرائیل موسیٰ کے لئے مواب کے میدانوں میں تیس دن تک رویا کئے اور ان کے رونے پیٹنے کے دن موسیٰ کے لئے آخر ہوئے اور نون کا بیٹا یشوع دانائی کی روح سے معمور ہوا کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے تھے اور بنی اسرائیل اس کے شنوا ہوئے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا انہوں نے ویسا کیا۔ اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔ ان سب نشانیوں اور عجائب اور

غرائب کی بابت جن کے کرنے کے لئے فرعون اور ان کے سب خادموں اور اس کی ساری سرزمین کے سامنے خداوند نے مصر کی سرزمین میں بھیجا تھا اور اس قوی ہاتھ اور بڑے ہیبت کے سب کاموں کی بابت جو موسیٰ نے تمام بنی اسرائیل کے آگے کر دکھائے''۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ عبارت جس پر توریت کا خاتمہ ہو گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کیا ان کے کسی معاصر کے ہاتھ کی بھی لکھی ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بہت عرصہ کے بعد جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان بھی مٹ گیا جو بنی اسرائیل میں قرنوں اور صدیوں زیارت گاہ خاص و عام رہ چکی ہوگی اور لطف یہ ہے کہ اس تمام توریت میں کسی جگہ بھی نہیں پایا جاتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھ رہے ہیں بلکہ یہ کوئی دوسرا مؤرخ ان کا حال تحریر کر رہا ہے اور جیسی یہ عبارت ہے اسی قسم کے اور صدہا مقامات ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صدہا سال والے شخص کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس بات کا خود اہل کتاب کو بھی اقرار ہے کہ یہ مقامات توریت میں کسی اور شخص نے بعد میں لکھے ہیں اور بلا سند حضرت عزیر علیہ السلام کا نام بتاتے ہیں۔ فرض کرلو کہ یہ عبارتیں حضرت عزیر علیہ السلام نے بعد میں زیادہ کر دیں مگر جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام نبی تھے۔ غلط باتیں کیونکر لکھتے پھر وہ جو سینکڑوں مقامات غلط فاحش ہیں کہ جن کے غلط ہونے کا اہلِ کتاب کے مفسرین کو بھی اقرار ہے جیسا کہ عدن سے جیحون و سیحون کا نکلنا اور خدا سے یعقوب کا کشتی لڑنا اور آدم کو پیدا کر کے پچھتانا اور اس سے خائف ہونا حضرت لوط علیہ السلام کا شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے بچھڑا پجوانا یا تاریخی واقعات میں غلطیاں ہیں وہ تو کسی طرح کلامِ الٰہی نہیں ہو سکتے۔ غیر لوگوں کے کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر منزل توریت ہو سکتے ہیں۔ پس جب اس آج کل کی توریت میں غلط باتیں بھی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور اشخاص کے کلام بھی مندرج ہیں تو یہ مجموعہ جو مرکب ہے کلامِ اصلی اور غیر اصلی سے ہرگز وہ اصلی توریت نہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ مضامین قرآن کے اور کچھ اور باتیں دیگر لوگوں کی لے کر کوئی کتاب مرکب کرے تو یہ مجموعہ ہرگز قرآن نہ شمار ہوگا۔ پس اسلامی عقیدہ کے بموجب یہ مجموعہ ہرگز توریت نہیں۔ کما لا یخفی۔

(۲) اصل حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کے اندر اندر جانے کس وقت فلسطیوں اور مصر کے بادشاہوں کی غارت گری میں جو کئی بار بنی اسرائیل پر واقع ہوئی توریت مفقود ہو گئی کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صندوق کو کھولا کہ جس میں توریت دھری تھی (جیسا کہ کتاب استثناء کے ۳۲ باب ۲۴ درس سے صندوق میں موسیٰ کا کتاب دھرنا پایا جاتا ہے) تو بجز پتھر کی دو لوحوں کے جو کوہ حورب سے موسیٰ لائے تھے اور کچھ نہ نکلا جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۸ باب ۹ درس میں مذکور ہے۔ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً ہزار برس پیشتر کا ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اسرائیلی بادشاہ اکثر بت پرست اور بدکار ہونے لگے کہ ہیکل کو بھی جلایا اور جو کچھ اس مقدس مقام میں تبرکات تھے سب کو لوٹ کھسوٹ کر برباد کر دیا بلکہ خود ہیکل میں بت رکھ دیے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے تخمیناً چار سو برس بعد یوسیاہ بن آمون کے عہد میں خلقیاہ کاہن نے کہیں ہیکل کے کسی کونے میں دبے ہوئے کئی سو برس کے بوسیدہ اوراق اٹھا کر یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو دبی ہوئی توریت دستیاب ہو گئی جس کو سن کر یوسیاہ بڑا رویا۔ پھر یہ مجموعہ بھی جس کو خلقیاہ نے مرتب کیا تھا اور جو بنی اسرائیل میں توریت سمجھا جانے لگا تھا بنوکد قیصر یعنی بخت نصر کی دوبارہ چڑھائی میں بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب بنی اسرائیل ستر (۷۰) برس کی اسیری کے بعد شہر بابل سے شام میں آئے تو ان کے پاس توریت تو کیا کوئی مذہبی کتاب بھی نہ تھی بلکہ وہ تو سرے سے اپنی زبانِ قدیم کو بھی بھول گئے تھے اور کلدانی زبان بولتے تھے۔ اس کے بعد مشہور کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے پھر از سرِ نو توریت کو مرتب کیا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایک بے سند بات ہے بلکہ جس کو خود عزیر کی کتاب مجموعہ بائبل میں شمار کرتے ہیں وہ بھی بقول محققین شمعون صادق کی تصنیف ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس پیشتر تھا۔ خیر یہ بھی سہی کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے پھر توریت کو مرتب کیا مگر آکس یعنی اینٹوکس سُریا کے بادشاہ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو اکہتر برس پیشتر ساڑھے

تین برس تک اور شلیم اور ہیکل کو ایسا برباد و نیست و نابود کر دیا کہ ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور شہر اور ہیکل کو جلا دیا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمام کتب دینیہ یہود کو جلایا۔ جیسا کہ مقابیس کی پہلی کتاب کے اول باب میں اس کا اقرار ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بجز ہیکل کے توریت اور کہیں نہیں رہی تھی۔ سو وہ عزیر علیہ السلام کا مرتب کردہ نسخہ بھی معدوم ہو گیا۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے مسیح سے ایک سو پینسٹھ برس پیشتر ہیکل کی تعمیر کی اور سن سنا کر ایک مجموعہ احکام و قصص بھی مرتب کیا اور نام توریت رکھا۔ اس کا ایک نسخہ ہیکل میں رہتا تھا (مفتاح الکتاب صفحہ ۱۳۵) اور یہی نسخہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک باقی تھا اس کے بعد حضرت مسیح سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے بادشاہ طیطس نے اور شلیم پر چڑھائی کر کے تمام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔ ہیکل اور اس نسخہ کو جلا دیا۔ لاکھوں آدمیوں کو تہ تیغ کر کے اس نقلی توریت کو بھی صفحہ عالم سے نیست و نابود کر دیا جس کا تمام یہود و نصاریٰ کو ملال رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیطس اس کو روم میں لے گیا۔ اس کے ٦٥ برس بعد آدرین قیصر شاہ روم نے جو بت پرست تھا' یہودیوں کی سرکشی دیکھ کر اور بھی شہر اور ہیکل پر ہل چلوا دیے اور پیٹر بت کا مندر بنا دیا اور شلیم کا نام اپنے خاندان کی یادگار پر ایلیہ رکھ دیا۔ اس کے بعد اور بھی بربادیاں اہل کتاب پر سخت سخت آئیں مگر پھر امن پا کے ایک مجموعہ مرتب احکام و قصص کا مشائخ یہود نے کیا اور اس کا نام تورات رکھا۔ اگرچہ پھر عمداً یا سہواً اس میں بھی صدہا غلطیاں اور تحریفات ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہود عرب کے پاس یہی نسخہ تھا۔ اب اگر بعض علماء اسلام کا یہ قول مان لیا جاوے کہ یہود مدینہ تحریف لفظی نہ کرتے تھے تو کیا اس سے یہ نسخہ موسیٰ کی اصل توریت ہو گیا؟ مولوی رحمۃ اللہ صاحب اپنی کتاب اظہار الحق کے صفحہ ۱۴۲ جلد اول میں فرماتے ہیں ''ان التورات الاصلی وکذا الانجیل الاصلی فقدا قبل بعثۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والموجودان الآن بمنزلۃ کتابین من السیر مجموعین من الروایات الصحیحۃ والکاذبۃ'' اس کے بعد علماء اسلام کے اقوال اور احادیث اس بات کی تائید میں کئی صفحہ تک درج فرماتے ہیں۔ فمن شاء فلیرجع الیہ۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے (اس) توریت میں ان پر یہ بات لکھ دی تھی کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے میں ویسے ہی زخم اور جو کوئی اس بدلہ کو معاف کر دے گا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو کوئی نہ چلے اس حکم پر کہ جس کو

اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ بھی ظالم ہے اور ہم نے (ان انبیاء کے) قدم بقدم مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا جو اپنے سے پہلے (نوشتوں) کی تصدیق کرتے تھے توریت (وغیرہ) کی اور ہم نے ان کو انجیل دی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور (وہ انجیل) اپنے سے اگلی چیزوں کی تصدیق کرتی تھی توریت (وغیرہ) کی اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ونصیحت بھی تھی اور انجیل والوں کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اس میں نازل کیا اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو کوئی اس چیز کا حکم نہ دے کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے سو وہی بدکار ہیں۔

ترکیب: وکتبنا اے فرضنا' ان النفس تقتل بالنفس خبران جملہ مفعول کتبنا والعین معطوف ہے النفس اسم ان پر۔ اور اسی طرح پر الانف اور الاذن اور السن اور الجروح معطوف ہیں فمن تصدق شرط فھو کفارۃ لہ جواب۔ بعیسی متعلق ہے قفینا سے۔

تفسیر: توریت کی مدح فرما کر اس کے بعض احکام کا بیان یہود پر تعریضاً کرتا ہے کہ دیکھو تم ان احکام کے بھی پابند نہیں جس طرح یہود نے زنا کی سزا میں یہ کر رکھا تھا کہ غریب کو قتل کرتے تھے اور امیر یا ذی عزت کو صرف تشہیر کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح قصاص کے بارے میں شریف کو غیر شریف کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس یہود کے دو گروہ رہتے تھے۔ ایک بنی قریظہ۔ دوسرا بنی نضیر۔ بنی نضیر ذرا اپنی کسی فوقیت پر نازاں تھے۔ اس لئے اگر کوئی بنی قریظہ میں سے کسی بنی نضیر کو قتل کرتا تھا تو اس کے بدلے میں قاتل کو برابر قتل کرتے تھے اور جو بنی نضیر کا کوئی شخص بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر ڈالتا تھا تو قاتل صرف دیت لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور عرب کے قبائل میں بھی یہی جہالت تھی کہ شریف کو وضیع کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے اس لئے ان آیات میں توریت کے قصاص کے متعلق احکام بیان فرما کر ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

وکتبنا علیھم فیھا۔ اس توریت میں بھی یہ حکم ہے سفر استثناء کے ۱۹ باب ۲۱ درس میں یہ ہے اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا اور سفر خروج کے ۲۲ باب ۲۴' ۲۵ درس میں یوں ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ' دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں' جلانے کے بدلے جلانا' زخم کے بدلے زخم' چوٹ کے بدلے چوٹ۔

علماءِ اسلام نے اصولِ فقہ میں اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی جس قدر شریعتیں منسوخ نہیں ہیں امت محمدیہ کو انہیں ماننا چاہیے بشرطیکہ ان شرائع کو قرآن نے یا پیغمبر علیہ السلام نے نقل کیا ہو کیونکہ کتبِ سابقہ محرف ہوگئیں۔ ان پر وثوق نہیں ہوسکتا (نورالانوار) چونکہ قصاص کے اس مسئلہ کو خداوند تعالیٰ نے بحوالہ توریت شریف ذکر فرمایا ہے سو یہی حکم اسلام میں بھی جاری ہے۔

ہر عضو کے بدلے دوسرے کا وہی عضو کاٹا جاوے گا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ' دانت کے بدلے دانت' ہاتھ کے بدلے ہاتھ' والجروح قصاص اور زخم کے بدلے زخم دیا جاوے گا مگر جس زخم کے دینے سے موت کا خوف ہو یا اس زخم کا طول وعرض وعمق معلوم نہ ہو سکے تو ان صورتوں میں زخم دینے والے کو ایسا زخم دینا متعذر سمجھ کر اس سے تاوان لیا جاوے گا جس کو شرع میں ارش کہتے ہیں۔ باقی اس ارش کی مقدار اور اس کے متعلق دیگر مسائل جزئیہ جو آئمہ دین نے قرآن واحادیث سے استنباط کر کے نکالے ہیں کتبِ فقہ میں کمال تشریح کے ساتھ مذکور ہیں جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہلِ علم نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ خواہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے خواہ کسی کافر ذمی کو قتل کرے یا کسی غلام یا عورت کو قتل کرے خواہ بڈھے یا لڑکے یا بیمار کو قتل کرے ان سب کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جاوے گا۔ کس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جان کے بدلے جان فرمائی ہے اور جانیں سب کی برابر ہیں اور یہی بات اصولِ سلطنتِ آسمانی کے موافق ہے اور تمدن کے لئے بھی نہایت نافع ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ یعنی جو شخص اپنے ہاتھ یا کسی عضو کاٹ دینے والے کو یا زخم لگانے

والے کو معاف کر دے اور اپنا بدلہ نہ چاہے تو یہ اس معاف کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے بدلے میں اس مظلوم کے گناہ معاف کر دے گا۔ بعض کہتے ہیں لہ کی ضمیر قاتل کی طرف پھرتی ہے کہ یہ معاف کرنا زخم کرنے والے کے لئے کفارہ ہو گیا۔ اب اس سے کچھ بدلہ نہ لیا جاوے گا مگر معنی اول سیاق عبارت سے نہایت مناسبت رکھتے ہیں۔

مظلوم کے معاف کرنے پر انتقام کا حاکم وقت کو مجاز ہے کہ نہیں: اس مقام پر ایک اور بحث ذکر کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ اگر مظلوم نے یا اس کے وارثوں نے قاتل یا زخم دینے والے سے دستبرداری کر لی‘ معاف کر دیا تو اس صورت میں حاکم کو بھی اس کو انتظاماً کوئی سزا دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟ یہ تو بالاتفاق ہے کہ ایسی صورت میں قاتل قتل سے اور زخم دینے والا زخم سے محفوظ رہے گا مگر تہدیداً قید یا کوئی اور سزا بھی حاکم کے اختیار میں ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ نہیں کیونکہ اب اس پر کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا مگر محققین کہتے ہیں حاکم کو بھی تہدیداً سزا دینے کا اختیار ہے نہ مقتول و مجروح کے حقوق کی وجہ سے بلکہ امنِ عام میں خلل پیدا کرنے کی وجہ سے قتل و زخم کی سزا سے کم سزا مالی یا جسمانی قید وغیرہ کا مجاز ہے۔ جب توریت کی ایسی حالت اور یہود کی ایسی نوبت تھی تو ان کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل شریف دے کر بھیجا۔ اس لئے فرماتا ہے **وقفینا علیٰ اثارھم بعیسٰی بن مریم** الخ عیسیٰ کی مدح میں **مصدقالما بین یدیہ من التوراۃ** فرمایا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے۔ اس مقام پر اہل کتاب کہتے ہیں کہ گو توریت کا حوادثِ مذکورہ میں کچھ ٹھیک نہیں رہا مگر جب کہ مسیح نے اس کی شہادت دی تو توریت گم شدہ پائی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے توریت کو ہاتھ میں لے کر یہ کہا ہو کہ یہ وہی اصلی توریت ہے۔ بلا تغیر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کسی موقع پر اس کی بعض آیات سے استدلال کرنا یا توریت کو منجانب اللہ کہنا اور اس کی مدح فرمانا سو ایسا حضرت عیسیٰ نے ضرور کیا ہو گا مگر اس سے اس مجموعہ کا اصلی اور بلا کم و بیش توریتِ موسیٰ ہونا لازم نہیں آتا اور کسی شے کی تصدیق کرنا یہ نہیں چاہتا کہ اس چیز کا وجود خارج میں بھی موجود ہو بلکہ وجود ذہنی کافی ہے مثلاً آج جو ہم موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام شام میں موجود بھی ہوں مگر مسیح کے بعد جو حوادث قیاصرۂ روم کی طرف سے پڑے ان میں تلف ہو جانے کے بعد پھر موجود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور **اتینٰہ الانجیل** اس میں صاف بیان ہے کہ انجیل وہ کتابِ آسمانی ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جس میں یہ چار وصف تھے **فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وهدًى وموعظۃ** کہ اس میں ہدایت اور نور اور تصدیق اور نصیحت تھی اور اسی انجیل پر اہلِ اسلام کا ایمان ہے۔

انجیل پر بحث: پس یہ جو آج چار شخصوں کی تاریخیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے ان کے حالات میں لکھیں جن کو انجیل متی انجیل مرقس انجیل لوقا انجیل یوحنا کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی وہ انجیل نہیں کہ جو ان پر نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ کتابیں حضرت مسیح علیہ السلام کے روبرو بھی نہیں لکھی گئیں بلکہ بہت زمانہ بعد۔ علاوہ اس کے خود عیسائیوں کے فرقوں میں بہت سی مختلف انجیلیں کہ جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ ہر شخص اپنی تصنیف کو انجیل کہا کرتا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل اگر ان کے پاس سے حوادثِ قیاصرہ میں گم نہ ہو جاتی تو اس تصانیف کی بنام نہاد انجیل کچھ ضرورت نہ پڑتی۔

خود ان چاروں کتابوں کی بھی تسلیم اور عدم تسلیم میں باہم بہت کچھ اختلاف رہا کیونکہ پہلی صدیوں ہی میں جعلی انجیلوں کی تصانیف کا بازار گرم تھا۔ اس لئے عیسائیوں کا پولوس مقدس اس بات کی بہت کچھ شکایت کرتا ہے کہ لوگوں نے خداوند کی انجیل کو پلٹ دیا۔ وہ اپنی ایک اور انجیل بتاتا ہے اور اس کے سوا اور انجیلوں کے سننے والے پر لعنت کرتا ہے۔ پھر ان چاروں انجیلوں میں بھی جو کچھ تحریفات اور کمیاں اور بیشیاں ہیں ان کا بھی خود عیسائی علماء کو اقرار ہے۔ پادری فنڈر گر یساخ وغیرہ کے حوالہ سے ہزاروں سہو اور اغلاط کا اختتام مباحثۂ

دینی اکبر آباد میں مقرر ہے۔ پس جب ان کا یہ حال ہے تو پولوس وغیرہ حواریوں کے خطوط تو کسی طرح بھی علماءِ اسلام کے عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نہیں ہو سکتی۔

واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں عرب کے بعض قبائل عیسائی تھے جیسا کہ یمن میں اور نجران میں بنی حارث اور یمامہ میں بنی حنظلہ اور تیمیہ میں بنی طے اور تغلب وغیرہ قومیں مگر ان سب کے پاس فرقہ ملیکیون اور ابیونوں اور سریانی اور مصری اور ارمنی عیسائیوں کی اناجیل تھیں نہ یہ اناجیل سوان کی تو کسی طرح سے قرآن میں تصدیق نہیں کیونکہ اسی زمانہ میں ابیونی اور مانکیز وغیرہ فرقہ تھے جن کو یہ فرقہ پراٹسٹنٹ جو سولہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا خود بدعتی اور گمراہ بتلاتا ہے وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ یعنی جو دلائل تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر دالہ ہیں تم ان کے مطابق حکم دو ورنہ تمہارے دعوے کے موجب تم فاسق ہو۔ کافر اور فاسق اور ظالم تین وصف خدا کے حکم پر عمل نہ کرنے والے کے بلالحاظ حقوق اللہ وحقوق العباد فرمائے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۷ / ۱۱

اور (اے نبی) آپ پر (بھی) کتاب برحق نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان (بھی) ہے۔ سو آپ ان میں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس سے فیصلہ کیجئے اور آپ اس حق رستہ کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے ان کی خوشی پر نہ چلنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور رستہ مقرر کر دیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن جو کچھ تم کو دے رکھا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو تم نیکیوں میں پیش قدمی کرو اللہ ہی کی طرف تم سب کو پھر کر جانا ہے سو تم کو وہ باتیں کہ جن میں جھگڑا کیا کرتے تھے آپ بتا دے گا اور یہ بھی ہے کہ آپ ان میں اس کے موافق فیصلہ کر دیجئے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلنا اور ان سے بچتے رہنا (ایسا نہ ہو کہ) وہ کسی حکم سے کہ جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے آپ کو بہکا نہ دیں پھر اگر (اس پر بھی) نہ مانیں تو یاد رکھئے کہ اللہ کو انہیں ان کے بعض گناہوں سے کسی بلا میں مبتلا کرنا منظور ہے اور بہت سے لوگ تو بدکار بھی ہیں۔ کیا وہ (اب) جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور ایمانداروں کے لئے کون شخص اللہ سے اچھا حکم دینے والا ہو سکتا ہے۔

ترکیب: بالحق حال ہے الکتاب مفعول انزلنا سے مصدقا ومھیمنا بھی حال ہے عما جاءک موضع حال میں ہے ا عادلا عما جاءک ولکن لیبلوکم لام متعلق محذوف ہے۔

تفسیر: چونکہ توریت کی بربادی کے بعد خدا تعالیٰ نے انجیل نازل کی تھی۔ اسی طرح انجیل کے معدوم ہو جانے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دین میں افراط وتفریط ہو جانے کے سبب قرآن مجید نازل کیا جس میں خدا تعالیٰ نے تمام کتب سابقہ کے مضامین ومطالب ہدایت افزا کو جمع کر دیا۔ اس لئے فرماتا ہے انزلنا الخ چونکہ قرآن توریت وانجیل کی اس بات میں تصدیق کرتا ہے کہ وہ برحق اور من اللہ تھیں اور ان کے عمدہ مضامین قرآن میں ہیں اس لئے ان کا مھیمن یعنی محافظ ہے کیونکہ جب وہ مضامین قرآن میں آئے تو اب ان میں کسی طرح کی تبدیلی وتحریف ممکن نہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے اتباع کی تاکید کرتا ہے اور تینوں امتوں میں جو وقتاً فوقتاً احکام جداگانہ بھیجے ان کی مصلحت فرماتا ہے لکل[1] جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا شرع ماخوذ ہے شروع فی الشئ سے وھوالدخول فیہ۔ شریعت کلامِ عرب میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔ شریعۃ بروزن فعیلۃ وہ امور کہ جن کو خدا نے بندوں پر مقرر کر دیا ہے منہاج کھلا ہوا رستہ بعض کہتے ہیں دونوں سے ایک چیز مراد ہے بعض کہتے ہیں شریعت سے مراد احکامِ ظاہریہ اور منہاج سے طریقت یعنی اس کے مکارم۔ (کبیر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؕۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

[1] انبیاء علیہم السلام کا اصولِ مذہب ایک ہے اس لئے یکے بعد دیگر تین کتابیں نازل ہوئیں جو ایک دوسری کی تصدیق وتجدید کرتی ہے۔ توریت' انجیل' قرآن۔ مگر مصالحِ وقت کے لحاظ سے احکام بدلتے رہے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ خدا چاہتا تو ایک ہی دستور العمل رکھتا' اختلاف نہ ہونے دیتا مگر بندوں کی آزمائش کے لئے میدان نہ رہتا۔ پچھلے لوگوں کو پہلی امت کے سخت احکام کی پابندی میں عذر ہوتا اب جبکہ ہر ایک زمانہ کے لوگوں کو ان کے موافق احکام عطا فرمائے تو اب جو کوئی کوشش نہ کرے اس کا قصور ہے۔ یہ بھی آزمائش الٰہی ہے۔ اس کے بعد امتِ محمدیہ کے تیز رو سواروں کو فرماتا ہے کہ ہاں میدان صاف ہے لو دوڑ وسعادت کے جھنڈے لے اڑو۔ ؎

کوئی توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بہ میداں درنمی آید سواران راچہ شد

فاستبقوا الخیرات اب اگلے احکام کی آرزو کرنا پرانی لکیر کا فقیر ہونا یہ ضد ہے جس کا ثمرہ مرنے کے بعد معلوم ہو جاوے گا فینبئکم الخ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جدید شریعت پر استقامت کی تاکید فرماتا ہے اور یہود ونصاریٰ کے داؤ گھات سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنایا کرو وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے رفاقت کرے گا تو وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ جن کے دل میں مرض ہے (یعنی نفاق) ان سے دوڑ دوڑ کر ملتے ہیں (اور آپس میں) کہتے ہیں کہ ہم کو خوف ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجاوے۔ سو عنقریب اللہ اپنے ہاں سے فتح لاتا ہے یا کوئی اور بات پھر تو اپنے دل کی پوشیدہ باتوں پر پچھتانے لگیں گے اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کی کمائی اکارت گئی سو وہ خسارہ میں پڑ گئے۔

ترکیب: الیھود والنّصٰرٰی لا تتخذوا کا مفعول اول اولیاء مفعول ثانی الذین فتری کا مفعول اول یسارعون مفعول ثانی فیصبحوا معطوف ہے یاء تی پر۔

تفسیر: چونکہ خدا سے نافرمانی کرنا اور فسق و فجور اور شرک و کفر میں ایک مرضِ روحانی ہے جو بیشتر ایسے لوگوں سے دلی میل جول رکھنے سے متعدی ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر ان سے دلی میل جول کی ممانعت کرتا ہے بقولہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اولیاء تک کلام تمام ہوگیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ الگ جملہ ہے یعنی وہ کفر و نفاق میں ہم جنس ہیں۔ ان کی باہم محبت قرینِ قیاس ہے مگر تم ان سے محبت نہ کرو اور جو ایسا کرے گا تو انہیں میں شمار ہوگا۔ روایت ہے کہ عبادۃ بن الصامت نے آنحضرت ﷺ کے روبرو حاضر ہو کر یہود کی دوستی قدیم سے دستبرداری کی مگر وہیں عبداللہ بن ابی منافق بھی کھڑا تھا۔ اس نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان سے ترک کرنے میں کسی مصیبت کا اندیشہ ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) اور فَتَرَی الَّذِیْنَ سے منافقوں کی گفتگو کا ذکر ہے کہ وہ ان سے دوڑ کر ملتے اور کہتے ہیں کہ ہم کو مصیبت کا اندیشہ ہے فَعَسَی اللّٰهُ سے اس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ اپنے رسول اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور اپنا حکمِ ازلی جو سلطنتِ آسمانی کے غلبہ اور ظہور کا ہے پردۂ اخفا سے عرصہ ظہور میں لاوے گا تو اسی وقت اپنے دل کی پوشیدہ باتوں پر (کہ اس رسول کو کبھی غلبہ نہ ہوگا چند روز میں ان مخالفین کے ہاتھ سے ان مسلمانوں کا یہ جوش و خروش سرد ہو جاوے گا ہم کیوں اپنے قدیمی دوستوں سے بگاڑیں) بڑے نادم ہوں گے اور مسلمان متعجب ہو کر کہیں گے کہ لو صاحب یہ منافقین بڑی سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور مخالفوں سے اندر خانہ کیسا میل جول ان کی شوکت پر بھروسہ رکھ کر کرتے تھے۔ چنانچہ جنگِ احزاب کے بعد مسلمانوں نے منافقوں کو سخت ملامت کی اور خدا تعالیٰ کی پیشین گوئی پوری صادق ہوگئی۔ چند روز میں اسلام کا غلبہ ہوگیا۔ مخالفوں کی تمام شوکت مٹ گئی۔ حبطت یعنی منافقوں کا ایمانِ ظاہر کچھ کام نہ آوے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ؗ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

ایماندارو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو جاوے گا تو بہت جلد اللہ ایک ایسی قوم کو موجود کرے گا کہ وہ جن کو دوست رکھے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ مسلمانوں سے نرم کفاروں سے سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی کچھ بھی پروانہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو

چاہے عنایت کرے اور اللہ کشائش دینے والا' خبردار ہے۔ تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایماندار ہیں کہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ جھکے رہتے ہیں۔

ترکیب: من یرتد شرط منکم من کی صفت یا حال فَسَوْفَ یُحِبُّھُمْ اور یُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ اَعِزَّۃٍ یُجَاھِدُوْنَ لَا یَخَافُوْنَ قوم کی صفت جو مفعول ہے یاتی کا۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں کفار سے دلی میل جول سے ممانعت کے بعد یہ فرمایا تھا کہ جو ان سے ملے گا وہ انہیں میں سے ہو جاوے گا یعنی مرتد ہو گا۔ اب اس آیت میں مرتدوں کے حالات بیان کرتا ہے۔ من یرتد ارتداد کے معنی پھر جانا۔ جو لوگ دینِ اسلام سے پھر جاتے ہیں ان کو مرتد کہتے ہیں۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ مرتدوں کے گیارہ گروہ تھے جن میں سے تین آنحضرت ﷺ کے روبرو ہوئے تھے: (۱) بنومدلج ان کا سردار ذوالحمار اسود عنسی ساحر تھا جس نے اطراف یمن میں قبضہ کر کے آنحضرت ﷺ کے عمال کو نکال دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے رئیسوں کی طرف لکھا آخر یہ شخص فیروز دیلمی کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔ اس کے قتل کی خبر اسی روز آنحضرت ﷺ نے دی تھی گو وہاں سے خبر دو مہینے بعد آئی تھی۔ (۲) بنوحنیفہ مسیلمہ کذاب کی قوم ملک یمامہ میں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ (۳) بنواسد طلحہ بن خویلد کی قوم جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور شکست کھا کر ملک شام میں بھاگ گیا تھا مگر اخیر میں پھر توبہ کر کے سچا اسلام اختیار کر لیا تھا اور سات قومیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئی تھیں۔ فزارہ عیینہ بن حصن کی قوم غطفان' قرہ بن سلمہ قشیری کی قوم بنوسلیم' فجاہ بن عبد یا لیل کی قوم بنویربوع' مالک بن نویرہ کی قوم اور بعض لوگ بنی تمیم کے جو سجاج بنت منذر کے مرید ہو گئے تھے اس عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ سے نکاح کیا تھا۔ کندہ اشعث بن قیس کی قوم اور بحرین میں بنوبکر بن وائل حطم بن زید کی قوم اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں غسان کے لوگ جبلہ کے مرتد ہو جانے سے مرتد ہو گئے تھے۔ جبلہ نے ایک شخص کے طمانچہ مارا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا حکم دیا۔ اس نے ہزار ہا روپیہ معاوضہ میں دینا چاہا مگر مدعی نے کہا میں بدلہ ہی لوں گا۔ اس خوف کے مارے وہ مرتد ہو کر روم چلا گیا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ اس وقت کے مسلمانوں سے تہدید کے طور پر فرماتا اور وعدہ کرتا ہے کہ اسلام کا مدار تم پر نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جاوے گا تو وہ ایک اور ایسی قوم لا دے گا جس میں یہ وصف ہوں گے۔ (۱) یہ کہ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے (۲) ایمانداروں کے حق میں نرم خدا کے دشمنوں سے گرم ہوں گے دبنا اور تقیہ تو کجا؟ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (۴) کسی کی ملامت اور برا کہنے کی امرِ حق کے اظہار میں کچھ بھی پروا نہ کریں گے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد عرب کی اس قدر قومیں مرتد ہو گئی تھیں ان کے مقابلے میں خدا کونسی قوم کو لایا تھا اور اس کا کون سردار تھا جس کے ہاتھ پر یہ وعدہ پورا ہوا جو تاریخِ اسلام سے واقف ہے بیساختہ کہہ دے گا کہ ان مرتدوں کے مقابلہ میں صحابہ انصار و مہاجرین اور اہلِ یمن کے لوگ اٹھے تھے جنہوں نے ان سب مرتد قوموں کو پست کر دیا تھا اور ان کے سردار اور خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اب اس آیت سے جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کی اس پیشین گوئی کے پورا ہونے سے تصدیق ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کا دوست بن کر رہے گا تو اللہ کا لشکر ہی غالب رہے گا۔ ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹھا اور کھیل مقرر کر رکھا ہے (یعنی) وہ لوگ کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ اس سے ہنسی اور مسخراپن کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل قوم ہے۔

ترکیب: ومن مبتداء متضمن شرط اللہ اور رسولہ اور والذین آمنوا یتول کا مفعول فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ خبر لا تتخذوا نہی انتم ضمیر اس کی فاعل الذین موصول اتخذوا فعل دینکم مفعول اول هُزُوًا وَّ لَعِبًا مفعول ثانی۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الذین کا بیان یہ تمام صلہ والکفار اس پر معطوف یہ سب مفعول اول یاایہا الذین آمنوا لا تتخذوا کا اولیاء مفعول ثانی۔

تفسیر: اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی برحق ثابت ہوتی ہے۔ اگر شیعہ یہ کہیں (کہ اس گروہ کا سردار اور اس وعدہ کی تکمیل کے مہتمم حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور لوگوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ کرنا اور ان کا حق تلف کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق باغ فدک نہ دینا ارتداد ہے۔ اس وجہ سے جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا وہ سب مرتد ہو گئے) تو ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت تمام انصار و مہاجرین کے مشورہ سے ہوئی تھی۔ اگر یہ سب اس وجہ سے مرتد ہو گئے تو پھر ان مرتدوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کب پست کیا اور خدا نے کب اپنے وعدہ کو سچا کیا اور وہ کون سی قوم معینِ اسلام پیدا ہوئی تھی بلکہ برخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں شریکِ رائے رہے اور ان عرب کی مرتد قوموں پر چڑھائی کرنے میں ان کے دل سے شریک رہے اور کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں برباد کر کے اسلام کے قبضہ میں کرنا اور اسلام کی بے نہایت ترقی کا پایا جانا سب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وزارت میں متحقق ہوا۔ رہا یہ احتمال کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے شریک نہ تھے اول تو لایخافون لومۃ لائم کے خلاف ہے۔ دوم پھر اس ارتداد کے مقابلہ میں بجائے مقابلہ کے مدد کرنا معاذ اللہ خدا کے وعدہ کو جھوٹا کر دینا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہی ارتداد مراد ہے جو دراصل اسلام سے پھرنا تھا اور جس کو سب ارتداد کہہ سکتے ہیں نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کو اول مقدم خلیفہ نہ بنایا کیونکہ اس کو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ارتداد نہیں قرار دیا بلکہ وہ ان لوگوں کو مسلمان سمجھتے رہے۔ مناکحت امامتِ صلوٰۃ نمازِ جنازہ تمام باتوں میں ان سے متفق رہے۔ اس کے بعد کافروں کی ولایت سے منع کر کے اللہ اور اس کے رسول کی ولایت اور حمایت میں رہنے کی ترغیب دلاتا ہے اور اللہ کی جماعت کے لئے انجام کار غلبہ کا وعدہ دیتا ہے۔ بقولہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا پھر مومنین کے یہ چند اوصاف ذکر کرتا ہے یقیمون الصلوٰۃ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ یہ بدنی اور روحانی عبادت کا اصل اصول ہے وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ مالی عبادت کا رکن اعظم ہے وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ رکوع سے مراد خضوع ہے کہ وہ یہ باتیں نہایت خشوع و خضوع سے کرتے ہیں۔ بعض نے اس کو يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے حال بنا کر حالتِ نماز میں اللہ کے لئے انگوٹھی دینا حضرت علی کی نسبت روایت کیا ہے۔ ومن یتول یہ اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کے ساتھ دوستی کرنے والوں کے حق میں بشارت دیتا ہے کہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ انجام کار خدا کا گروہ غالب رہے گا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ پھر اس کے بعد منافقوں کے ساتھ محبت کرنے سے ان کے چند اوصاف ذمیمہ بیان کر کے ممانعت کرتا ہے کہ انہوں نے دین کو کھیل کود سمجھ رکھا ہے اور جب کہ اذان کہی جاتی ہے تو اس پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے منافق اور یہود اذان سن کر واہی تباہی باتیں بنایا کرتے تھے۔ فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ یہ احمق ہیں ورنہ نماز و اذان میں عقلاً کوئی برائی نہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

کہہ دو کہ اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے اسی بات کا بدلہ لیتے ہو کہ ہم اللہ پر اور وہ جو ہماری طرف نازل ہوا اس پر اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہوا اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے بہت لوگ فاسق ہیں (اے نبی! سوان سے) کہہ دو کہو تو میں تم کو جو اللہ کے نزدیک بدتر لوگ ہیں وہ سنا دوں (وہ یہ ہیں) جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غصہ ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سور بنا دیے اور (وہ لوگ کہ) جنہوں نے شیطانوں کو پوجا انہیں لوگوں کا برا ٹھکانا ہے (اور یہی لوگ) سیدھے رستہ سے گمراہ ہیں اور جبکہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لے کر آئے۔ وہی لے کر نکلے بھی اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور آپ تو ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ اور ظلم اور حرام خوری میں دوڑ کر گرتے ہیں البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔

ترکیب: وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فَاسِقُوْنَ جملہ معطوف ہے ان امنا پر مثوبۃ تمیز ہے بشر سے من لعنہ اللہ جملہ بدل ہے بشر سے وعبد اگر ماضی کا صیغہ مانا جاوے تو اس کا عطف لعنہ اللہ پر ہے ورنہ القردۃ۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ جو اسلام کی عبادت و اذان پر ٹھٹھہ کرتے تھے اب ان سے بطور الزام کے کہا جاتا ہے کہ کیوں صاحبو ہم پر ٹھٹھا کرنے کا یہی باعث ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ اس نبی اور اس سے پہلے انبیاء پر نازل کیا ایمان رکھتے ہیں اور تم میں سے اکثر نماز و روزہ سے غافل اور فاسق ہیں؟ تو یہ تو کوئی عیب اور برائی کی بات نہیں۔ ہاں عیب اور برائی کے قابل وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کی صورتوں کو بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کیا اور انہوں نے طاغوت یعنی شیطان کی پرستش یعنی پیروی کی۔ چونکہ یہود میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں اور اس کو وہ تسلیم کرتے تھے اس لئے تعریضاً ان پر اس قابلِ عیب بات کا اشارہ کیا۔

بندر اور سور بنانا اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں یہود پر سبت کے روز شکار کرنے کی وجہ سے گذرا تھا کہ خدا نے ان کے چہروں کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر کے ایسا سوجا پھلا دیا تھا کہ بعض کی بندر کی صورت اور بعض کی سور کی صورت معلوم ہوتی تھی۔ آخر تین روز کے اندر اندر اسی میں ہلاک ہو گئے۔ اس کا بیان اوپر گذر چکا۔ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ میں یہود کی اس بت پرستی اور فسق و فجور کی طرف اشارہ ہے کہ جو بخت نصر کے عہد سے پہلے اور اس کے پیچھے ان میں توریت اور شریعت کے ترک کرنے سے واقع ہوئی۔ چونکہ یہود کا حسنِ ایمانی بالکل جاتا رہا خدا پرستی اور نیک بختی اور فسق و فجور ان کے نزدیک کچھ بھی وزن نہیں رکھتا تھا اس لئے وہ اغراضِ

دنیا کے واسطے جب آنحضرت ؐ کی مجلس وعظ و پند میں آتے تو ایمان ظاہر کرتے تھے مگر جب اٹھ کر جاتے تھے تو دامن و آنچل جھاڑ کر ویسے کے ویسے ہی اٹھتے تھے۔ ان کی اس حالت سے خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اذا جاؤکم قالوا آمنا الخ یعنی اس قوم کے شجر کہنہ میں اصلاح کی قابلیت ہی نہ رہی۔ یہ اس قابل ہے کہ اس کو زمین پر سے بالکل کاٹ دیا جاوے کہ اس کے کانٹے اور برے پھلوں سے اور بنی آدم کا مزاج روحانی خراب نہ ہو سوا ایسا ہی ہوا۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

وقف لازم

ان کے درویش اور علماء ان کو بری بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں اور یہودیوں نے کہہ دیا کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہے۔ تنگ ہو جاویں انہیں کے ہاتھ اور لعنت پڑے ان کے اس کہنے پر بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ تو ان میں سے بہتوں کو اور بھی سرکشی اور کفر کا باعث ہوگا اور ہم نے ان میں قیامت تک آپس کی عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے۔ جب کبھی آتشِ جنگ سلگاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور خدا مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کرتے اور ان کو نعمتوں کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور اس کو جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے پورا پورا مانتے تو کھایا کرتے اپنے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے (یعنی آسمان و زمین سے) ان میں سے ایک جماعت تو راہ راست پر ہے اور بہت سے ان میں سے برے کام کر رہے ہیں۔

ترکیب: وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف وکذا قولہ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جملہ بتاویل مصدر فاعل بئس لیزیدن کا فاعل انزل الخ كثیرًا مفعول اول طُغْيَانًا وَّكُفْرًا مفعول ثانی علت الخ جملہ بددعا کے لئے وَلَوْ ان شرط لکفرنا جواب وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوْا شرط لَاَكَلُوْا جواب شرط۔

تفسیر: پہلے جملہ میں ان کے عوام پر عتاب تھا کہ وہ حرام خوری اور بے دینی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہاں ان کے علماء اور درویشوں پر تنبیہ ہوتی ہے کہ پھر یہ لوگ کیوں ان کو ایسی بری باتوں سے منع نہیں کرتے؟ اور جب جس قوم کے علماء اور عوام کا یہ حال ہوگا تو وہ قوم کیونکر فلاح اور سعادت کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ اس لئے نصیحتاً فرماتا ہے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پھر مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی تفصیل کرتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ یہ بات غالباً مدینہ کے آس پاس کے رہنے والے بعض شریروں نے کی تھی نہ کہ کل یہود نے اور اس کفر کے کلمہ کہنے کا باعث علماءِ اسلام نے یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کہ کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دیوے یہودی بے ادبوں نے اس کا مطلب نہ سمجھ کر یہ کلمہ جواب میں کہہ دیا یا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا فقر و فاقہ دیکھ کر تمسخر کے طور پر یہ کہہ دیا ہو یا اس لئے کہ یہود کی سلطنت و شوکت کا زوال خیال میں آ گیا ہو۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا یہ جملہ بددعا کے طور پر اس کے جواب میں فرمایا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ہاتھوں کا بند ہونا اور کشادہ ہونا کنایہ ہے بخل اور جود سے زبانِ عرب میں سخی کو مبسوط الید کہتے ہیں۔ آیت میں اگرچہ خدا تعالیٰ کے لئے لفظ ید آیا ہے اور اسی طرح اور بہت جگہ ید اور وجہ کا اطلاق ہوا ہے مگر جمہور اہلِ اسلام آیاتِ تنزیہ پر لحاظ کر کے اس بات پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانیت اور ان کے لوازماتِ حدوث و امکان سب سے پاک اور منزہ ہے۔ شرحِ عقائد نسفی اور شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ کتب کلام میں اس کی تصریح ہے۔ پھر ہاتھ اور منہ اور ساق سے کیا مراد ہے؟ متقدمین فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ چونکہ قرآن و حدیث صحیحہ میں اس کی نسبت وارد ہیں اور ان کے معنی متبادر جو ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ اس کی ذات پاک کے لائق نہیں۔ اس لئے ہم ان الفاظ کے معانی کو اس کے سپرد کرتے اور الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں۔ متکلمین کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق مجازاً ہوا ہے۔ چنانچہ اس جگہ خدا کے ہاتھ کشادہ ہونے سے محاورۂ عرب کے موجب اس کا جواد کریم ہونا مراد ہے اور یہی حال تمام الفاظ کا ہے (کبیر) اور صحیح تر بھی یہی ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ الخ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ یہود نے جو اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا پر اعتراض کر کے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کہہ دیا اور ایسی کفر کی باتیں منہ سے بکنے لگے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ شریر اور بدنہادوں کا قاعدہ ہے کہ ان کو جس قدر نصیحت کیجئے وہ اس قدر ضد میں آ کر اور بھی کفر بکنے لگتے ہیں۔ جوں جوں قرآن میں ان کے لئے نصائح نازل ہوتے رہیں گے اسی قدر ان کا انکار اور ضد کر کے یہ کفر اور سرکشی میں آگے قدم رکھیں گے کیونکہ ان میں صلاحیت نہیں رہی۔ ہر ایک شخص اپنی خواہشِ نفسانی کا بندہ ہے اور اس کے جو کوئی سدِ راہ ہوتا ہے۔ اس سے جنگ و جدال پیش آتا ہے۔ کینہ و عداوت ظاہر کرتا ہے کس لئے کہ اتفاق کا باعث اتحاد مقصود ہے اور اختلاف و عداوت کا سبب اختلافِ اغراض و مقاصد ہے۔ سو اس حالت کو خدا تعالیٰ اپنا آسمانی قہر جتلا کر یہ فرماتا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور کچھ باہمی عداوت اور بغض پر منحصر نہیں بلکہ یہ حق کے مقابلہ میں بھی بار بار آتشِ فتنہ و فساد سلگاتے ہیں جس کو خدا اپنی رحمت کے پانی سے بجھا دیتا ہے۔ كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ پھر جب اس سے ناکام رہتے ہیں تو اور طرح طرح کے فساد اٹھاتے پھرتے ہیں۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا الخ پھر ان کے ذمائم بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ جو کچھ خرابیاں ان پر پڑیں دارین کی برکات سے محروم ہو گئے۔ خصوصاً یہود دنیاوی ذلتوں میں گرفتار کئے گئے۔ بخت نصر اور اینٹوکس اور طیطس وغیرہ کے حوادث میں مبتلا ہوئے۔ یہ سب بلا ان پر اس سبب سے ہے کہ انہوں نے توریت و انجیل پر عمل نہیں کیا۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ الخ اگر یہ آسمانی کتابوں پر عمل کرتے تو ان پر برکتوں کے دروازے کھل جاتے اور اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے یعنی ہر طرف اور ہر طرح سے ان پر رزق میں وسعت اور کشائش ہو جاتی یا اوپر سے کھانا آسمانی بارش سے آمدنی یا درختوں کے پھل مراد اور نیچے سے کھانے سے یا زمین کی پیداوار نباتات یا زمین کی اور آمدنی مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ توریت کو یہود نے ایسا چھوڑا کہ عالم سے ہی معدوم کر دیا۔ اسی طرح اپنی اپنی تصانیف کے لئے انجیل شریف کو کھو دیا۔ یہ کلام بالذات تو اسی

زمانہ کے لوگوں سے ہے۔ انہوں نے توریت وانجیل کی موجودگی میں ان پر عمل نہ کیا اور تبعاً آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود و نصاریٰ سے جیسا کہ اول سورہ میں اِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ وغیرہ میں ان کے خاندان کی نعماء کا ان پر ہونا ظاہر کیا ہے اور اگر خصوصاً آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود و نصاریٰ سے خطاب ہو تو توریت وانجیل سے مراد ان کے احکام ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقامۃ التوراۃ والانجیل اقامۃ احکامہا وحدودہا۔ اور آنحضرت ﷺ کے عہد میں گو توریت وانجیل اصلی موجود نہ تھی مگر ان کے احکام تو اس فرضی توریت وانجیل میں پیشتر موجود تھے۔ اس لئے وہ بھی عمل نہ کرنے سے موردِ الزام ہوئے۔ یہاں سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں توریت وانجیل اصلی کا موجود ہونا سمجھ لینا اور پھر اس سے آج کل کے فرضی مجموعہ کو وہی توریت وانجیل بتانا محض کم فہمی ہے اور دھوکا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
الْكٰفِرِیْنَ ۝ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ
وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ
رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝

اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اس کو پہنچا دو اور اگر یہ نہ کیا تو آپ نے اس کا کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ کافروں کو رہنمائی نہیں کرتا (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم جب تک توریت وانجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (سب کو) قائم نہ رکھو گے تو تم کسی طریقہ پر بھی نہیں اور البتہ ان سے بہتوں کو اس کلام سے کہ جو آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے اور بھی سرکشی اور کفر بڑھ جاوے گا سو آپ کافروں پر کچھ بھی افسوس نہ کریں۔

ترکیب: بلغ فعل بافاعل ما انزل الخ صلہ وموصول اس کا مفعول وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ شرط فَمَا بَلَّغْتَ جواب وَاللّٰهُ مبتدا یَعْصِمُكَ خبر حَتّٰی غایۃ ہے لَسْتُمْ کی۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو تبلیغِ وحی میں بلغ کے ساتھ تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اگر آپ کسی کے خوف و اندیشہ سے تبلیغِ دین میں کچھ کوتاہی کریں گے تو عہدِ رسالت کے ذمہ دار ہوں گے۔ چونکہ عرب کی مشرک قوموں سے تو مکہ ہی سے بسبب توحید ظاہر کرنے کے مخالفت سخت ہو گئی تھی وہ شب و روز نبی اور آنحضرت کی جماعت کی ایذا اور تکلیف دہی میں سرگرم تھے۔ اس لئے جب ان کے ظلموں کی برداشت نہ ہو سکی مکہ چھوڑ کر مدینہ میں رہنا اختیار کیا۔ یہاں یہود و نصاریٰ کے گروہ زور آور اور سرکش تھے۔ یہ بھی امرِ حق کے ظاہر کرنے سے جو ان کی طبائع کے خلاف اور رسمی مذہب کے برخلاف تھا سخت دشمن ہو گئے۔ رہے بیچارے انصار اور چند غریب اور مفلس مہاجرین سو وہ بظاہر تمام قبائلِ عرب اور یہود و نصاریٰ کے دفعِ ظلم و ستم پر پورے قادر نہ تھے۔ ایسی صورت میں انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے کہ ذرا لب بند کرے مگر چونکہ آپ اس کے رسولِ برحق اور نبیِ موعود تھے جن کے آنے پر تمام قوموں کی بھلائی اور نجات منحصر رکھی گئی تھی اسی لئے خدا نے تاکید سے بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ فرمایا اور لوگوں کے خوف اور دہشت کی بابت آپ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور ایسی حالت میں جس کا عشر عشیر حضرت مسیح علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام پر نہ تھی تب بھی وہ کفار کی گزند سے محفوظ

نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ کا محفوظ رہنا خصوصاً ایسے ملک میں کہ جہاں کوئی حاکم بھی ظالموں کے لئے داروگیر کرنے والا نہیں ایک بڑی دلیل منجانب اللہ ہونے کی ہے مگر کافروں کی آنکھوں پر ازلی پردہ ہے اور اس سے دیکھ نہیں سکتے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ کے یہی معنی ہیں۔ اس کے بعد مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ کی قسم خاص کو جو اس وقت ضروری التبلیغ تھی یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کو ایسے طور پر غلط کرنے کے لئے کہ جس کو وہ بھی تسلیم کر لیں یہ ارشاد ہوا قل یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ الخ کہ جب تم توریت و انجیل اور خدا کے تمام نوشتوں پر نہ چلو گے فلاح و سعادت کا منہ نہ دیکھو گے۔ یہ مقدمہ مسلم ہے۔ رہا ان کتابوں پر چلنا سو وہ ان کی تحریفات و تخریبات کی وجہ سے بجز قرآن مجید کے کہ جو ان کتابوں کا محافظ و مہیمن ہے یعنی سچا خلاصہ مع ترمیم الٰہی ممکن نہیں سو بغیر قرآن و نبی علیہ السلام راہِ ہدایت ملنی ممکن نہیں مگر یہود و نصاریٰ اس بات کو کب ماننے والے تھے بلکہ سرکشی اور عناد کرنے والے و لیزیدن الخ اس لئے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ پھر تم بھی کچھ ان کی اس حالت پر رنج و افسوس نہ کرو۔ فلاتاس الخ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ ۙ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ ؕ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

بے شک جو کوئی مسلمان اور یہودی اور صابی اور نصرانی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے اور اچھے کام بھی کرے تو اس پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غمگین ہوگا۔ البتہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لے لیا تھا اور ان کے پاس رسول بھی بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آیا جو ان کے دل کو ناپسند ہوئے تو رسولوں کے ایک فریق کو جھٹلایا اور کتنوں کو قتل کرنے لگے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ کچھ خرابی نہ آئے گی سو وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان پر عنایت کی تو پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بن گئے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں (اس کو) اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: من امن شرط فلا خوف الخ جواب جملہ خبر ان وَالصّٰبِئُوْنَ مبتدا اس کی خبر محذوف جیسا کہ فانی وقیار بہا لغریب ای فانی لغریب وقیار بہا کذلک کلما جآءَ شرط ھم جاء کا بسبب متعدی ہونے کے مفعول اول بما لاتھوی مفعول ثانی رسول فاعل فریقا الخ جملہ جواب۔

تفسیر: چونکہ یہود و نصاریٰ کو یہ گمان تھا کہ نجات یہودی یا نصرانی کے بعد اور کو نہیں ہوگی اور اب تک دونوں فریق کو یہی گمان ہے جیسا کہ ہنود کا گمان ہے۔ حالانکہ یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اس کا ابطال کرنا منصب خاتم النبوۃ کا فرض تھا۔ اگر یوں ابطال کرتے کہ تمہارا گمان غلط ہے تو چنداں موثر نہ ہوتا بلکہ وہ یہ طعن کرتے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اتباع سے منع کیا کرتا ہے۔ کیسا نبی ہے؟ بلکہ ایک ایسی مسلم بات بیان کی کہ جس کی تسلیم کے بغیر کسی عقلمند آدمی کو چارہ نہیں ہے جس سے خود بخود ان کے عقیدۂ فاسدہ کا ابطال ہو جاتا ہے۔ وہ یہ

کہ خدا نے انسان کو دو قوتیں عنایت کی ہیں جن کی تکمیل سے اس کی نجات ہے۔ ایک قوتِ نظریہ اس کی تکمیل یہ ہے کہ اشرف الموجودات حق سبحانہ کو مع صفات خصوصاً صفت اقامۃ حشر ونشر جزاء وسزا جانے۔ دوسری قوتِ عملیہ اس کی تکمیل یہ ہے کہ خالق کی تعظیم وعبادت کے بعد خلق کی نفع رسانی اس لئے اعلان عام کے طور پر فرماتا ہے کہ خواہ کوئی یہودی ہو خواہ نصرانی خواہ مسلمان خواہ صابی جوان دونوں قوتوں کی تکمیل کرے گا (اول کی طرف مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ میں اور دوسری کی طرف وَعَمِلَ صَالِحًا میں اشارہ کیا) وہ نجات کے دونوں حصوں کو حاصل کرے گا۔ اول یہ کہ اس کو وہاں کے عقوبات سے کچھ خوف نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ وہاں کے نعماء کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں ہاتھ سے چھن جانے پر کچھ حزن نہ کرے گا۔ چونکہ اس تکمیل کا نام اسلام ہے اس لئے ان کے مقابلے میں نجات کا انحصار اسلام پر کرنا بہت ٹھیک بات ہے۔ اس کے بعد یہود کی قدیم سرکشی بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ جو ایسی سرکش اور گمراہ قوم ہو اور اس گمراہی کو تسلیم بھی کرتی ہو نبی معہود کی اطاعت نہ کرے اور اپنی سرکشی میں نجات کا دعویٰ کرے بایں خواری توقع ملک داری کا مضمون ہے اور وہ قدیم سرکشی یہ ہے لقد اخذنا یعنی باوجودیکہ بنی اسرائیل سے عہد لے لیا تھا اس پر پے در پے انبیاء بھی بھیجتے رہے مگر جب کسی نے ان کے برخلاف کہا تو اس کے قتل وتکذیب کے درپے ہوگئے جیسا کہ زکریا ویحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ کیا اور لطف یہ ہے کہ باوجود اس قتل وتکذیب کے صرف نسلِ یعقوب وابراہیم سے ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ان پر کوئی بلا نازل نہ ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ وہ اندھے بہرے ہو جاتے تھے۔ پھر خدا ان کو کسی نبی کی معرفت متنبہ کرتا تھا۔ ثم تاب اللّٰه علیهم مگر چند روز بعد پھر وہ اندھے بہرے ہو جاتے تھے نہ حق کو دیکھتے تھے نہ کسی حق گو کی سنتے تھے۔ یہ خدا کا بڑا قہر اور باعثِ ہلاکتِ دارین ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

ربع لازم

بے شک وہ کافر ہو چکے جنہوں نے (یہ) کہا کہ خدا تو مسیح مریم کا بیٹا ہے حالانکہ خود مسیح (یہ) کہہ چکا ہے اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کیا کرو جو میرا اور تمہارا

دونوں کا رب ہے کیونکہ جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے تو ضرور اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور بے انصافوں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک وہ کافر ہو چکے جنہوں نے کہ اللہ کو تین میں کا تیسرا کہا حالانکہ بجز اللہ ایک کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے باز نہ آویں گے تو ضرور ان میں سے کافروں کو عذاب الیم پہنچ کر رہے گا پھر وہ کس لئے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے۔ جو اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں پاک دامن (سچی بندی) ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم ان کو کیسے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے چلے جاتے ہیں۔

ترکیب: ثالث ثَلٰثَةٍ ای احد ثلثۃ اور ایسے موقع میں بجز اضافت کے اور کوئی صورت جائز نہیں وَمَا مِنْ اِلٰهٍ من زائد اور الٰہ موضع مبتداء میں ہے اور خبر محذوف ہے اے وما للخلق الہ الا اللہ۔ الٰہ واحد بدل ہے الٰہ سے لَيَمَسَّنَّ جواب ہے قسم محذوف کا اور یہ قائم مقام ہے جواب شرط کے جو اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا ہے منہم موضع حال میں ہے الذین سے قد خلت موضع رفع میں صفت رسول کی كَانَا يَاْكُلٰنِ الخ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔

تفسیر: ابطالِ الوہیتِ مسیح: بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ کے بعد مجملاً اہل کتاب کو لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ کہہ کر پھر تفصیلاً ہر ایک عقیدۂ فاسدہ پر کلام کرتا ہے۔ چونکہ عیسائی اپنے دین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا عطر اور پچھلے نبی کا آراستہ کردہ اور روحانی مذہب خیال کرتے تھے۔ یہ خیال اس وقت تک صحیح تھا جس وقت تک کہ اس مقدس مذہب میں تحریف و تبدل نہ ہوئی تھی مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد پولوس اور اس کے مریدوں کی افراط و تفریط سے اس دین میں ایسا خلط ہوا کہ کچھ کا کچھ ہو گیا جس کی اصلاح اور درستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر منحصر تھی۔ اس لئے سب سے اول ان کی اول غلطی اعتقاد ظاہر فرماتا ہے اور یہ اعتقاد حد درجہ کی تاریکیِ روح کا باعث تھا۔ اس لئے اس کو لفظِ کفر سے تعبیر کیا۔ الوہیت مسیح کو لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ عیسائیوں کے اکثر فریق خصوصاً کلیساءِ عرب بلکہ آج کل کے رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ یعنی خدا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے بشکلِ مسیح ظہور کیا۔ جیسا کہ ہندوؤں کا اعتقاد اوتاروں کی نسبت ہے کہ ایشور یعنی خدا تعالیٰ شیر اور انسانوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس لغو اعتقاد کے ابطال پر دلائل کی ضرورت نہ سمجھ کر صرف مسیح علیہ السلام کے قول پر بس کیا کہ جس سے الوہیت کی نفی اور عبودیت کا ثبوت پایا جاتا ہے وقال المسیح الخ کہ مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا تھا اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا دونوں کا خدا ہے کیونکہ جو اس کے سوا اور کو پوجے گا وہ مشرک ہوگا کہ جس پر جنت حرام اور جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ انجیل مرقس کے ۱۲ باب ۲۹ درس میں ہے۔ یسوع (مسیح) نے اس کے جواب میں کہا کہ سب حکموں سے اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو اپنے خداوند کو سارے دل و جان و عقل وقوت سے پیار کر (یعنی اس کی خالصاً عبادت کر) انتہیٰ ملخصاً یہ مضمون اس جگہ کو پورا پایا گیا رہا انہ من یشرك باللّٰه دوسرے مواضع سے ثابت ہے اور ممکن ہے کہ ناقل انجیل نے یہ جملہ سہواً ترک کیا ہو۔ یہ نقل کلام مسیح نہ ہو اور اس مطلب کے مؤید اور بھی جملے اناجیلِ موجودہ میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح کا بندہ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ خود ان کا عبادت کرنا' روزہ رکھنا ان اناجیل میں مذکور ہے۔ پس اگر خدا ہوتے تو عبادت کس کی کرتے اور اپنا خداءِ واحد کیوں بتلاتے بلکہ آپ خدائی کے مدعی ہوتے۔ سوا ایسا کہیں نہیں پس ثابت ہوا کہ یہ قول غلط ہے۔ لوگوں نے افراطِ محبت سے پیدا کرلیا ہے۔

ابطالِ تثلیث: عیسائیوں کا دوسرا عقیدۂ بد تثلیث کا تھا اور اب بھی ہے کہ جس کو وہ موجبِ نجات سمجھتے ہیں۔ اس کو بھی خدا نے بلفظِ کفر تعبیر

کیا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ عیسائی (نہیں بلکہ پولوسی) کہتے ہیں کہ جوہر واحد[1] کے تین اقنوم (حصہ) ہیں اب ابن روح القدس اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ہوا۔ جیسا کہ آفتاب کا اطلاق قرص اور شعاع اور حرارت پر ہوتا ہے۔ اب سے مراد اللہ اور ابن سے کلمہ یعنی حضرت مسیح اور روح سے حیات یا جبرئیل اور عرب کے عیسائی بجائے روح القدس کے تیسرا اقنوم حضرت مریم کو قرار دیا کرتے تھے۔ اس کو تثلیث کہتے ہیں اس سے خدا منع کرتا اور عذابِ الیم کا خوف دلاتا ہے۔

اب اس خراب اور فاسد عقیدے کے بطلان پر چند دلائل قائم کرتا ہے: (۱) مَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الخ یہ بات کہ خدا ایک ہے۔ تمام انبیاءِ سابقین اور عقل اور خود مسیح کی شہادت سے ثابت ہے جو اناجیلِ مروجہ میں بھی اب تک پائی جاتی ہے اور تثلیث اس توحید کی صریح نقیض ہے۔ پس اس کے بطلان میں اب کیا کلام باقی ہے۔ اس کے جواب میں بعض پادری کبھی ان تینوں اقانیم کو صفات کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مراتبِ اجمال و تفصیل قرار دیتے ہیں مگر ان کے وجود مستقل ماننے اور باہم علت و معلول قرار دینے نے سب توجیہات کو باطل کر رکھا ہے۔ (۲) مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کہ اور رسولوں سے مسیح میں کوئی بات زائد نہ تھی پھر جب وہ خدا یا خدائی کا جز نہیں تو یہ کیونکر ہو گئے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدم علیہ السلام بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر مردہ زندہ کرنا تو حضرت الیاس علیہ السلام کا لڑکے کو زندہ کرنا (اول کتاب السلاطین ۱۷ باب) اور حضرت الیشع کے معجزات ۲ کتاب السلاطین میں بہت کچھ موجود ہیں۔ اگر خدا کا بندہ کہلانا تو اس لفظ کا اطلاق اور بھی سینکڑوں پر بائبل میں ہوا ہے جیسا کہ انجیل متی باب ۶ و دیگر مقامات سے ثابت ہے مگر آسمانوں پر اٹھایا جانا تو حنوخ کا کتاب پیدائش کے ۵ باب میں اور الیاس کا کتاب السلاطین کے ۲ باب میں اور کوئی وجہ خصوصیت پائی نہیں جاتی۔ (۳) وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ جس کی ماں ہوگی تو وہ ضرورت حادث ہوگا اور حادث نہ خدا ہے نہ خدائی کا جز و اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم تھی۔ دوم دونوں کا کھانا کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھوک اور پیاس کو دفع نہ کر سکتے تھے۔ کھانے کے محتاج تھے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں اور یہ تاویل کچھ مفید نہیں کہ مسیح میں الوہیت اور انسانیت جمع تھی۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ط وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ

ع ۱۱ / ۱۴

---

[1] ان تینوں اقنوم کو بعض نے وجود حیات علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سیل نے مقدمہ ترجمۂ قرآن میں لکھا ہے کہ عرب میں ایک فرقہ تھا جس کو لنیر مدتیس کہتے ہیں وہ بھی مریم کو تثلیث میں بجائے روح القدس داخل کرتا تھا جس طرح کہ میریا مائٹ کرانے والے لوگ داخل کرتے تھے۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے اتخذونی وامی الٰھین الآیہ انہیں لوگوں کے اعتقاد کے رد میں ہے۔ فرقہ ابیونی اس تثلیث کا اول سے منکر تھا اور ۲۰۰ عیسوی میں مارتمن فرقہ بھی منکرِ تثلیث تھا (رومن تاریخ کلیسا) چنانچہ فرقہ یونی ٹیرن اب تک منکر ہے۔ یہ خراب عقیدہ اریوس کے انکار اور اتھانیشس کے اصرار اور قسطنطین بادشاہِ روم کی حمایت اور شہر نائس میں کمیٹی کے مجبورانہ فتوے سے زیادہ رواج پایا گیا۔ گو اس کے بعد بھی اسی عقیدہ پر سالہا سال باہم جنگ و جدال رہا۔ یہ بلالوس اور اس کے گروہ نے حواریوں کے خلاف ہو کر پھیلائی تھی۔ ۱۲ منہ

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(اے نبی!) ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو نہ تمہیں ضرر دے سکتی ہیں نہ کچھ نفع۔ حالانکہ اللہ ہی سنتا جانتا ہے (اور) کہو کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہشوں پر چلو کہ جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکی اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے اور سیدھے رستہ سے بہک چکی ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے کافروں پر تو داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کر دی گئی ہے یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزرنے کے سبب سے وہ لوگ جس برے کام کو کرتے تھے ان سے باز نہیں آتے تھے۔ بہت ہی برے کام تھے جو وہ کیا کرتے تھے۔

ترکیب: مَالَا يَمْلِكُ مانکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی مفعول تعبدون لَا تَغْلُوْا فعل لازم ہے اور غَيْرَ الْحَقِّ صفت ہے مصدر محذوف کی ای غلو غیر الحق اور جائز ہے کہ حال ہو ضمیر فاعل سے ای لاتغلوا مجاوزین الحق مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ حال ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ متعلق ہے لعنوا سے۔

تفسیر: اب ایک اور دلیل یہود و نصاریٰ و مشرکین کے مقابلہ میں ایسی ذکر فرماتا ہے کہ جس سے اللہ کے سوا تمام چیزوں کا معبود ہونا باطل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ معبود وہ ہونا چاہیے جو نفع و ضرر کا مالک ہو اور یہی بات ہے کہ جس سے کسی کی عبادت اور اطاعت کی جاتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام اور مشرکین کے فرضی خدا نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ ضرر کیونکہ جب وہ اپنے ضرر کو دفع نہیں کر سکے (مسیح نے بقول نصاریٰ صلیب پر چیخ چیخ کر جان دی اور ایلی ایلی پکارا کیے) تو اور کا ضرر کیا دفع کریں گے۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ سے هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تک اس دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اہل کتاب سے خطاب کرتا ہے کہ تم اپنے دین میں غلو یعنی زیادتی نہ کرو اور اپنے سے پہلے گمراہ قوموں کی پیروی نہ کرو جو خود بھی گمراہ ہو چکیں اور لوگوں کو گمراہ کرتی تھیں جیسا کہ حور بابل اور نینوا کے بت پرست اور دراصل انہیں قوموں کے رسم و رواج نے اہل کتاب کو تباہ کیا۔ ادھر یونان اور روم کی بت پرست قوموں کی صحبت نے عیسائیوں کو خراب کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے اوپر جو انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پھٹکار پڑی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان یہود پر لعنت ہوئی کہ جو مائدہ کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ حالت تھی کہ نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے اور جس برے کام کو کرتے تھے لایتناھون (تفاعل من النھی ای لاینھی بعضھم بعضاً) کہ ایک دوسرے کو منع نہ کرتا تھا (یا بمعنی الانتھی) کہ اس میں کمی نہ کرتے تھے۔ پھر جب ان کی اس عہد میں یہ کیفیت تھی تو اب نبی آخر الزماں کے عہد میں تو جس قدر سرکش اور بدباطن یہ قوم ہو گئی تھی ظاہر ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

الجزء السابع (۷) ع ۱۱/۹

آپ تو ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ بہت ہی برا ہے جو کچھ کہ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا۔ وہ یہ کہ اللہ ان پر غصہ ہوا اور وہ عذاب ہی میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ اللہ اور نبی پر اور جو کچھ اس پر نازل ہوا ایمان لاتے تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے بہت تو بدکار ہیں۔ ایمان والوں سے زیادہ عداوت رکھنے والے آپ کو یہودی اور مشرک ملیں گے اور ان سب میں ایمان والوں سے زیادہ محبت کرنے والے آپ کو وہ لوگ ملیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں اہلِ علم اور درویش بھی ہیں اور وہ تکبر بھی نہیں کرتے اور جب وہ چیز سنتے ہیں کہ جو رسول پر نازل ہوئی تو (اے مخاطب!) تو ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھے گا۔ حق شناسی کی وجہ سے (اور وہ) دعا بھی کرتے ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے' ہم کو بھی گواہوں میں لکھ رکھ (اور یہ بھی کہتے ہیں) اور ہم اللہ پر اور جو کچھ حق بات ہمیں پہنچی اس پر کیونکر نہ ایمان لاتے۔ حالانکہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک جماعت میں ملائے پھر اللہ ان کو اس کہنے پر ایسے باغ بدلہ میں دے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی جزا ہے نیک بختوں کی اور جن لوگوں نے کہ کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخی ہیں۔

ترکیب: اَنْ سَخِطَ ان بتاویل مصدر خبر ہے مبتداء محذوف کی جو ھو ہے اور ممکن ہے کہ یہ بدل ہو ما قدمت کا جو محلاً منصوب ہوگا وھذا رجح ما اتخذوھم جواب ہے ولو کانوا یؤمنون کا 'عداوة منصوب ہے بوجہ تمیز ہونے کے اشد سے 'للذین اٰمنوا متعلق ہے عداوة سے 'الیهود معطوف علیہ والذین اشر کوا معطوف مجموعہ مفعول ہے لتجدن کا 'للذین متعلق ہے مودة سے 'الذین قالوا انا نصٰریٰ جملہ مفعول ثانی ہے لتجدن کا 'بان ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے ذلك کی 'واذا سمعوا معطوف ہے خبر ان پر جو لایستکبرون ہے اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو گو معنیً اس کو ماسبق سے علاقہ ہو۔ تری کو اگر رؤیۃ عین سے لیا جاوے تو تفیض حال ہوگا ونطمع حال عاملہ حال الحال الاولی ولکن مقید بالحال الاولی بتقدیر نحن او عطف علی نؤمن او حال من فاعل لا نؤمن۔

تفسیر: جب کہ خدا تعالیٰ یہود کے اسلاف کا حال بیان کر چکا تو اب خود ان کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ تَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مدینہ کے

یہود کعب بن اشرف وغیرہ مشرکین عرب کو جوش دلا کر اسلام کے مقابلہ میں ابھارتے تھے اور باوجودیکہ توحید اور اقرار نبوت موسیٰ اور تصدیقِ توریت میں اسلام ان کا ہم زبان تھا مگر اپنی خبث باطنی سے ان کے مقابلہ میں مشرکین عرب سے یاری کرتے تھے پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ اپنے نبی پر بھی بصدقِ دل ایمان لاتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا اس امر میں فرق بیان کرتا ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ کہ اگرچہ یہود سے نصاریٰ کا کفر بڑھ کر ہے (کیونکہ یہود سے تو صرف نبوت میں کلام ہے مگر نصاریٰ تو آدمی کو خدا کہتے ہیں) لیکن با این ہمہ ان میں ایک قسم کی خدا ترسی اور خوف آخرت اور دنیا سے نفرت پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں قسیس و رہبان بھی ہیں جو نہایت نرم دل ہوتے ہیں اور یہود میں سراسر حبِ جاہ ہے جو تمام سخت دلیوں اور عداوتوں کا سرچشمہ ہے۔ پس اسلام کا سب سے سخت تر دشمن اے نبی علیک السلام آپ یہود کو پاویں گے اور کافروں میں نرم اور رحم دل اسلام کے لئے عیسائیوں کو پاویں گے۔ پھر آگے ان عیسائیوں کی رحم دلی اور خدا ترسی کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ کلامِ الٰہی سنتے ہیں تو حق جان کر رونے لگتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو بھی نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کردے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کے لئے ثوابِ آخرت' جنت کا وعدہ اور تکذیب و کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کی سزا ذکر کرتا ہے۔

جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اِذَا سَمِعُوْا سے آخر تک عام عیسائیوں کے حق میں نہیں بلکہ نجاشی اور اس کے متبعین کے حق میں ہے۔ پس جب یہ ہے تو لتجدن الخ اسلام کی نسبت رحمدل اور بامروت ہونا بھی انہیں کے حق میں ہے کیونکہ سب کلام متصل ہے۔ یہ بات بھی یقین کرنے کے قابل ہے کہ مذہب عیسوی میں رحمدلی اور نرمی کا ایک بڑا بھاری حصہ ہے۔ مذہب کی پابندی کے لحاظ سے عیسائیوں کے نزدیک محمدیوں کا برا کہنا بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ان کو ستانا اور ان سے عداوت رکھنا۔ کس لئے کہ اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ادب سے ایمان لانے کی اور حواریوں کی تعظیم کی اور انجیل شریف کے تصدیق کی نہایت تاکید ہے اور عیسائیوں کے نزدیک مسیح پر ایمان لانے والا مستحقِ نجات ہے اور اس سے برادرانہ برتاؤ کرنا لازم ہے۔ ہاں جو لوگ کہ برائے نام عیسائی ہیں اور پورے ملحد ہیں یا وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرتے کرتے سخت دل ہوگئے ہیں جیسا کہ پادریانِ حال البتہ وہ تو مسلمانوں سے بجائے مودت کے عداوت اور سختی برتتے ہیں۔

یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے صلاح الدین مصری کے عہد میں جب کہ عیسائیوں نے متفق ہو کر بیت المقدس چھڑانے کے لئے مسلمانوں سے برسوں تک سخت خونخوار لڑائیاں کیں اور ایک بار باوجود امن مانگنے کے ہزاروں مرد و زنِ اسلام کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا۔ اس معرکہ کو حرب الصلیب[1] کہتے ہیں۔ یہ لڑائی مدتوں تک رہی تھی۔ کتبِ تواریخ میں اس کا مفصل ذکر ہے مگر ان کے برخلاف جب صلاح الدین نے بیت المقدس کو پھر واپس لیا تو کسی عیسائی کو ایذا تک نہیں دی بلکہ جو لڑنے کو جمع ہو کر آئے تھے ان کے زخمیوں کے علاج کئے۔ ان کو ضرورت کی چیزیں عطا کیں اور اس سے بڑھ کر جو عیسائیوں کی سخت دلی اور مسلمانوں پر بے حد ظلم اور زیادتی دیکھنی منظور ہو تو وہ سپین یعنی اندلس کے اس معرکہ کو دیکھے جب کہ عیسائیوں نے پادریوں کی ہدایت سے اندلس کے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو مغلوب کیا اور اس کے بعد ایک حکم نامہ جاری کیا کہ جو عیسائی ہو جاوے گا تو امن پائے گا ورنہ قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہزاروں مرد و زن مسلمان بھوک اور پیاس اور سردی کے مارے بن آئی مر گئے جو کہ عیسائیوں کی تلوار سے بچے تھے سینکڑوں گھروں کو مع اس کے مکان کے آگ لگا دی گئی۔

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے اورشلیم اور بیت المقدس اہلِ اسلام کے قبضہ میں چلا آتا تھا، پھر پطرس (پیٹر) راہب کی اشتعالک سے یورپ کے بادشاہوں نے جمع ہو کر دسویں صدی عیسوی میں بیت المقدس پر حملہ کیا اور شہر کو لے لیا اور چالیس ہزار مسلمانوں کو جن میں بچے اور بیمار' عورتیں اور بڈھے بھی تھے سب کو بے رحمی سے قتل کیا۔ (کتاب جان ڈیون پورٹ مطبوعہ ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۰۳) مگر ۱۱۸۸ء میں جب صلاح الدین مصری نے یہ شہر واپس لیا تو کسی کے ساتھ بدسلوکی نہ کی بلکہ آسائش دی۔ یہ لڑائی تخمیناً دو سو برس اہلِ اسلام اور اہلِ یورپ عیسائیوں میں رہی۔ ۱۲ منہ

سینکڑوں عورتوں کو بے عزت کر کے سپاہیوں نے قتل کیا۔ ہزاروں معصوم بچوں کے خون سے ان کے ماں باپ کے روبرو اپنے ہتھیاروں کو سرخ کیا۔ بوڑھے سے لے کر جوان تک بیمار سے تندرست تک کون تھا کہ جس پر ظلم کی تلوار نہ دھری گئی ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں برسوں کے رہنے والے مسلمانوں کو یکلخت ملک سے بدر[1] کر دیا۔ مقابر و مساجد کو گرا دیا۔ اس کے برخلاف اہلِ اسلام نے اپنے علماء کی ہدایت سے آج تک کسی ہندو یا عیسائی یا موسائی کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ صرف ایک حد تک جنگ قائم رکھی جس میں بچے اور عورتیں مستثنیٰ تھیں اور امن کے بعد یا اسلام یا اطاعت ظاہر کرنے کے بعد کسی کو بھی کچھ مضرت نہیں دی گئی۔ جس پر مسلمانوں کے مذہب کو ہلاکو اور سفاک اور بے رحم اور لڑاکا اور بدخواہ اور بُرا کہتے ہیں۔ بغور نظر کی جاتی ہے تو آیات مذکورہ میں عیسائیوں کے ایک خاص گروہ کی یہ مدح ہے جس سے مفسرین نے نجاشی اور اس کی قوم مراد لی ہے۔

مکہ معظمہ میں جب مشرکوں کے ہاتھوں سے اہل اسلام پر نہایت سختی پہنچنی شروع ہوئی کہ کوئی دھوپ میں ڈال کر کوڑوں سے پیٹا جاتا ہے' کسی کو قتل کیا جاتا ہے' کسی کو زخم لگائے جاتے ہیں' گوشت کاٹا جاتا ہے یہاں تک عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے والدین کو عذاب دیا جا رہا تھا کہ اتنے میں ابوجہل بھی آنکلا۔ اس بدبخت نے سمیہ والدہ عمار کی پیشاب گاہ میں نیزہ ایسا چلایا کہ وہ شہید ہو گئیں۔

ایسی حالت میں ۸۲ ایماندار کہ جن میں تیرہ عورتیں اور باقی مرد حضرت عمر بن الخطاب و جعفر بن ابی طالب وغیرہ تھے دریاءِ قلزم پار اتر کر ملک حبشہ میں ہجرت کر گئے۔ اس ملک کا بادشاہ اصحمہ نام نجاشی لقب عیسائی مذہب کلیسا افریقہ کے عقائد کا آدمی تھا۔ وہ یا تو ان اناجیل سے کہ جن کا اب عیسائیوں میں مفقود ہونا مسلم ہے جیسا کہ متی کی عبرانی انجیل یا انہیں اناجیل میں اس وقت تک لفظ احمد میں تغیر نہ ہوا ہوگا فارقلیط و معین وکیل جواب بنایا گیا ہے نہ بنایا گیا ہوگا اور صحائف کی وجہ سے وہ مدت پیشتر آنحضرت ﷺ کے ظاہر ہونے کا منتظر تھا اور مجملاً یہ جانتا تھا کہ یہ اخیر نبی عرب کے قبائل سے مبعوث ہوگا اس بات کی طرف اس کے کان لگے ہوئے تھے کہ صحابہ کی یہ جماعت اس کے ملک اور اس کے خاص شہر میں تاجروں کی ہوائی کشتیوں پر سوار ہو کر پہنچی اور ان کے بعد میں کفارِ قریش نے نجاشی کے لئے ہدیہ اور خط دے کر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بھیجا کہ یہ جماعت نئے مذہب کی پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ مسیح کو خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ کہتے ہیں' ان کو مقید کر کے ہمارے پاس واپس بھیج دیجئے تا کہ یہ آپ کے ملک میں شورش نہ برپا کریں۔

اس مراسلہ کے بعد نجاشی نے اپنے ارکینِ سلطنت و علماء و فضلا کی ایک مجلس قائم کی اور اس جماعتِ صحابہ کو بھی ان دونوں ایلچیوں کے روبرو طلب کر کے مسلمانوں سے پوچھا کہ تم میں سے اپنے نبی کا زیادہ قرابت دار کون ہے؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں ہوں۔ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کا تمام حال استفسار کیا۔ مہاجرین پر ظلم و ستم کا برپا ہونا بھی معلوم کیا۔ اس کے بعد پوچھا کہ محمد (ﷺ) نبی پر کوئی آسمان سے کتاب بھی نازل ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ کہا کچھ پڑھ کر سناؤ (چونکہ عرب و حبش میں چنداں فاصلہ نہیں اور نیز نجاشی عربی جانتا تھا۔ اس لئے باہم عربی میں تکلم ہوا کرتا تھا) جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھنی شروع کی۔ یہ پڑھتے جاتے تھے نجاشی اور ان کے ارکانِ دولت زار زار کلامِ الٰہی سن کر رقت سے روتے جاتے تھے اور یہ باتیں منہ سے کہتے تھے کہ جن کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں

---

[1] یہ ملک خلیفہ ولید شاہ دمشق کے سپہ سالار طارق غلام نے کہ جس کے نام سے جبل الطارق (انگریزی میں جبرالٹر) مشہور ہے ۹۷ھ میں فتح کیا اور عبدالرحمٰن بن معاذ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان ۱۳۹ھ میں اس کا اول بادشاہ ہوا۔ قرطبہ اس ملک کا دارالسلطنت تھا جس میں ایک مسجد تھی کہ جس کے ہزار سے زیادہ ستون تھے۔ علامہ قرطبی اور ابن العربی وغیرہ ہزارہا علماء و فضلا اس ملک میں گذرے ہیں۔ یورپ کا نیا فلسفہ انہیں علماءِ اسلام کا ایجاد ہے۔ آخر یہ ملک یورپ کے حسن و دولت کا چشمہ اہلِ اسلام بادشاہوں کی نالائقی اور عیش پسندی اور ان کے کارپردازوں کی حماقت اور خودغرضی اور ملک والوں کے فسق و فجور کی شامت سے ۱۶۱۰ء میں عیسائیوں کے ہاتھ آ گیا۔

نقل فرمایا۔ پس نجاشی مسلمان ہو گیا اور حضرت کے پاس ہدیے بھیجے اور صحابہ کی بڑی خاطر و تواضع کرتا رہا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ایمان والو! پاکیزہ چیزوں کو کہ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ حد سے بڑھو کیونکہ اللہ کو حد سے تجاوز کرنے والے پسند نہیں اور اللہ کی دی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور اس اللہ سے ڈرا کرو کہ جس پر تمہارا ایمان ہے۔ اللہ تم کو تمہاری لغو قسموں پر تو پکڑتا نہیں (ہاں) ان قسموں پر گرفت کرے گا کہ جن کو تم نے مستحکم کیا ہے۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلا دینا ہے کہ جس کو تم گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا پھر جس کو میسر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو[1] اور اپنی قسموں کو قائم رکھو۔ اللہ تم کو اپنی آیتیں یوں بتلاتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

ترکیب: حَلٰلًا میں تین وجہ ہو سکتی ہیں اول یہ کہ کلوا کا مفعول ہو اس صورت میں مما حال ہوگا۔ دوم یہ کہ ما رزقکم سے حال ہو کیونکہ یہ بمعنی الذی ہے۔ سوم یہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای اکلاحَلٰلًا باللغو فی ایمانکم ممکن ہے کہ حال ہو باللغو سے ای باللغو کائنا فی ایمانکم اور ممکن ہے کہ یؤاخذ کم سے متعلق ہو اِطْعَامُ مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف مِنْ اَوْسَطِ صفت ہے مفعول کی۔

تفسیر: چونکہ ان سے پہلی آیات میں نصاریٰ میں قسیس و رہبان ہونے کی وجہ سے ان کی مدح تھی جس سے دل میں رہبانیت کی خوبی کا خطرہ گذرتا تھا اور دراصل رہبانیت (یعنی حلال اور پاک اور لذت کی چیزوں کا کھانا پینا ترک کر بیٹھنا نکاح وغیرہ مستلذات کو اپنے اوپر حرام کر لینا) عنداللہ کوئی عمدہ چیز نہیں کچھ خدا کو بندے کی حالت ترفہ اور اس کے کھانے پینے سے چڑ نہیں اور نہ اس کا یہ مقصد کہ اس کو اپنی نعمتوں سے ترساوے، محروم رکھے ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لذاتِ جسمیہ میں مبتلا رہنا مبتدی کو معارفِ عقلیہ سے باز رکھتا ہے اور اسی لئے پہلی امتوں میں یہ ریاضت اور نفس کشی مروج ہوئی تھی تاکہ بہیمیت کا زور ٹوٹے مگر شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں تقربِ الٰہی اور بہیمیت کے مغلوب کرنے کا ایک ایسا عمدہ برقی آلہ قرار پایا ہے جو طرفۃ العین میں اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دے اور وہ استغراق فی ذات اللہ ہے جس کے مواضع صلوٰۃ و ادعیہ ہیں اور جس قدر ریاضت شریعت نے اس آلۂ برقی کے ساتھ مناسب سمجھی اس کو قائم بھی رکھا ہے۔ چنانچہ روزہ

---

[1] بشرطیکہ حانث ہو جاؤ یعنی ان قسموں میں پورے نہ اترو۔ صرف قسم کھانے پر کفارہ نہیں۔ بالاتفاق۔ ۱۲ منہ

رمضان وغیرہ لیکن ہر شخص کو ان پاک اور لذت کی چیزوں کے حرام کر لینے کا اختیار نہیں دیا۔ اس لئے فرمایا لَا تُحَرِّمُوْا، کُلُوْا الخ اور ان چیزوں کے حرام کرنے کا طریقہ قسم کھانا بھی ہوتا تھا کہ کسی چیز کے کھانے پر قسم کھا بیٹھے جس طرح ہنود میں آن کر لیتے ہیں اس لئے قسم کے مسائل اور ایسی بے فائدہ قسموں میں کفارہ دے کر اس قسم کے باہر ہو جانے کا حکم بھی ذکر کیا لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ (۱) یمین[1] لغو کا کچھ کفارہ نہیں (۲) یمینِ منعقدہ پر جبکہ حانث ہو یعنی قسم توڑ دے اس کا کفارہ ہے دس بھوکوں کو کھانا کھلانا اوسط درجہ کا یا ان کو کپڑا پہنانا یا ایک غلام آزاد کرے (۳) یا تین روزے رکھے (۴) اچھی قسموں پر تا بمقدار قائم رہنا چاہیے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ
عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ
بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا
فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا
وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ
یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

ع ۱۲ / ۲

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو محض گندے (اور) شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈالے اور تم کو ذکر الٰہی اور نماز سے روک دے۔ پھر تم (اب بھی) باز آتے ہو (یا نہیں) اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ (برے کاموں سے) بچتے رہو۔ پھر اگر نہ مانو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو جو کچھ کہ وہ (پہلے) کھا چکے اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیزگار ہو گئے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے پھر وہ (ممنوعات سے) ڈرے اور ایمان پر (قائم) رہے پھر وہ پرہیزگار اور نیک ہو گئے اور اللہ کو نیک لوگوں سے محبت ہے۔

ترکیب: رِجْسٌ موصوف مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ صفت خبر ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ کی فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ متعلق ہے یُوْقِعَ سے ویصد اس پر

[1] یمین لغو اور غموس کے معنی کا تعین اور کفارہ میں اس بات کی بحث کہ دو وقت کا کھانا کھلانا چاہیے یا ایک وقت اور ان کو غلہ دیا جاوے تو کس قدر دس شخصوں کو یا ایک شخص کو دس روز تک اور پھر کپڑا جو پہنا جاوے تو کس قدر ہو اور جو غلام کہ آزاد کیا جاوے تو مسلمان ہو اور روزے پے در پے ہوں یا بہ تفریق یہ سب مسائل آئمہ کے اجتہاد اور احادیث و اقوالِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہیں اور ان باتوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس بحث کو تفسیر سورۂ بقرہ جلد سوم صفحہ ۱۱۰۔۱۱۱ میں دیکھو۔ ۱۲ منہ

معطوف ہے عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ جار یصد سے متعلق وَعَنِ الصَّلٰوۃِ اس پر معطوف۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ سے مناظرہ ختم کر کے احکام شروع کئے تو یہ ان کی تیسری قسم ہے۔ اول تو لاتحرموا۔ دوم قسم کے مسائل لاتحرموا میں اس بات کی طرف وہم جا سکتا تھا کہ شراب بھی تو ایک مزہ دار چیز ہے اسی طرح جوا بھی سو یہ بھی حلال ہوں۔ اس لئے تصریح کر دی کہ یہ چیزیں طیبات میں داخل نہیں اس لئے رجس اور عملِ شیطانی ہیں۔ خمر' شراب' میسر جوا' انصاب ان گھڑت پتھر کہ جن کو ایام جاہلیت میں پوجتے تھے صنم تو ترشی ہوئی مورت اور نصب ان گھڑت پتھر' ازلام پانسے' تیروں سے جوئے کی طور بتوں کی قربانی کا گوشت تقسیم کرتے اور کبھی ان سے فال لے کر کاروبار کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تشریح اس سورہ کے اول میں ہو چکی۔

عرب میں شراب نہایت درجہ کی مرغوب چیز تھی۔ اس لئے اس کو تدریجاً حرام کیا۔ اول تو یسئلونك عن الخمر الخ فرمایا جس پر بعض نے پینا ترک کیا۔ بعض نے نہیں۔ پھر لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی نازل ہوا جس سے بوقتِ صلٰوۃ سب نے استعمال ترک کیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قرائن زبان سے اس کو صحابہ نے سخت حرام سمجھ کر مطلقاً ترک کیا اور اس کی حرمت پر امتِ محمدیہ کا اتفاق ہو گیا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اس آیت میں شراب کی حرمت چند در چند وجوہ سے مؤکد کر دی ہے: اول جملہ کو انما کے ساتھ صادر کیا۔ دوم اس کو بت پرستی کے ساتھ ملا دیا۔ سوم اس کو رجس یعنی ناپاک کیا۔ چہارم عملِ شیطان فرمایا کہ جو تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ پنجم اس سے بچنے کا حکم دیا۔ ششم اس کے اجتناب میں فلاح کا واقع ہونا بیان فرمایا تو ارتکاب میں فلاح کہاں۔ ہفتم اس کی علتِ تحریم انسان کا اپنے حواس سے معطل ہو جانا جو اس کی معاش و معاد میں مخل ہے۔ معاش میں تو باہمی رنجش اور عداوت کے پیدا کر دینے اور معاد میں نماز اور یادِ الٰہی سے غافل کر دینے سے۔ اس کے بعد اطیعوا اللّٰہ سے لے کر المبین تک اور بھی اس حکم کی تاکید کر دی۔ اب لفظ حرام کا اطلاق اس کی حرمت کے لئے کچھ ضرور نہ تھا۔ شراب کے جب اس قدر قبائح بیان ہوئے تو صحابہ کو ان لوگوں پر نہایت تاسف ہوا جو اس سے پہلے اس کو استعمال میں لاتے تھے۔ اس لئے ان کی تسلی کو یہ آیت لیس علی الذین نازل ہوئی کہ ایسی حالت میں ان پر کچھ گناہ نہیں یعنی جب توبہ کر لی' کفر کو ترک کیا پھر کبائر پھر صغائر سے باز آئے۔ اب اس سے پہلے فعل میں ان پر کچھ گرفت نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

ایمان والو! اللہ تم کو ایک ذرا سے شکار کے معاملہ میں آزماتا ہے کہ جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں تا کہ اللہ کو معلوم ہو کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے

اور پھر جو اس کے بعد بھی دست درازی کرے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے۔ ایمان والو احرام کی حالت میں شکار نہ مارا کرو اور جس نے اس کو تم میں سے قصداً مار ڈالا تو جیسا کہ اس نے مارا ہے ویسا ہی چار پایوں میں سے جس کو تم میں سے منصف مقرر کر دیں بدلے میں نیاز بنا کر کعبہ پہنچا دینا چاہیے یا کفارہ میں محتاجوں کو کھانا کھلاوے یا اس[1] کے برابر روزہ رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا چکھے۔ جو کچھ ہو چکا اللہ نے درگذر کی اور جو کوئی پھرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: بالغیب ممکن ہے کہ حال ہو من سے یا ضمیر فاعل یخافہ سے ای یخافہ غائبا عن الحق اور ممکن ہے کہ بمعنی فی ہو۔ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ حال ہے فاعل لَا تَقۡتُلُوۡا سے متعمدا حال ہے ضمیر فاعل قتلہ سے فَجَزَآءٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالواجب جزاء مثل اس کی صفت یا بدل اور مثل بمعنی مماثل مِنَ النَّعَمِ صفت ہے جزا کی۔

تفسیر: جس طرح لاتحرموا کے بعد شراب و قمار کو بسبب ان کی ذاتی قباحت کے مستثنیٰ کیا تھا اسی طرح حالتِ احرام و حرم میں شکار کو محض تعظیم کعبہ و حج کے لئے ممنوع فرمایا۔ یہ احکام کی دوسری قسم ہے۔ اول بطور تمہید کے یا ایہا الذین سے عذاب الیم تک فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہاری آزمائش ایک تھوڑی سی بات یعنی شکار سے کی جاتی ہے کہ جس پر تمہارا ہتھیار و ہاتھ پہنچ سکتا ہو اور پھر تم ہماری تعظیم کے لحاظ سے دست کشی کرتے ہو کہ نہیں؟

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال یہ آزمائش ایسی ہوئی کہ پرند و چرند شکار صحابہ کے ڈیروں میں گھسا چلا آتا تھا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے لے کر ذُو انۡتِقَامٍ تک یہ چند حکم دیتا ہے: (۱) یہ کہ حرم کعبہ کے اندر اور حالتِ احرام میں (کیونکہ انتم حرم دونوں کو شامل ہے) شکار نہ کرو۔ امام ابو حنیفہ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ صید یعنی شکار زبانِ عرب میں وحشی جانور کو کہتے ہیں خواہ کھانے میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ اس تقدیر پر بھیڑیا گیدڑ وغیرہ کے شکار کی بھی حرم میں ممانعت ہوگی اور جو ان کو مارے گا تو وہ تاوان دے گا جس کا ذکر دفعہ میں آتا ہے۔ ہاں چیل، کوا، سانپ، بچھو، ہڑکایا کتا جن کو آنحضرت ﷺ نے خمس فواسق فرما کر ان کے قتل کی حل و حرم میں بضرورت اجازت دی ہے مستثنیٰ ہیں۔ امام شافعی شکار کھانے کے قابل جنگلی جانوروں کو کہتے ہیں مگر دریائی شکار کی ممانعت بالاتفاق نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے (۲) یہ کہ جو کوئی ایسی حالت اور ایسی جگہ میں شکار کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کے بدلے میں اسی کا مثل چار پایہ کہ جس کو اہلِ اسلام کے دو منصف مقرر کر دیں ہدی بنا کر کعبہ یعنی حرم میں پہنچا دیوے کہ وہاں وہ ذبح کر کے فقراء کو دی جائے۔ (۳) یا اس کی قیمت سے اناج خرید کر مساکین کو تقسیم کر دیا جائے۔ (۴) یا ہر مسکین کے کھانا کھلانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے۔

اُحِلَّ لَكُمۡ صَيۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ صَيۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الۡـكَعۡبَةَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَالۡهَدۡىَ وَالۡقَلَاۤئِدَ ؕ ذٰ لِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ

[1] یعنی مسکینوں کے برابر روزے رکھے جتنے مسکین کو اس کی قیمت میں کھانا کھلا سکتا تھا۔ اگر مقدور نہ ہو تو اتنے روزے رکھے۔ ۱۲ منہ

اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

(احرام میں) دریائی شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے حلال کیا گیا ہے اور تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ کو جو معزز گھر ہے لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا دیا اور حرمت والے مہینوں کو اور نیاز کے جانوروں اور گلے میں پٹے ایڑے ہوئے جانوروں کو (بھی مامون بنایا) تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں جانتا ہے اور اللہ ہر بات سے آگاہ ہے۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ (بھی) کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ رسول پر تو صرف احکام پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو کچھ خفیہ کرتے ہو سب کو اللہ جانتا ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دو ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتا اور گو (اے انسان) تجھ کو ناپاک کی کثرت بھلی کیوں نہ لگے پس اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ترکیب: احلّ فعل مجہول صید البحر معطوف علیہ وطعامہ معطوف مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ متاعاً مفعول لہ ہے احل کا۔ حرم جمع حرام ککتاب وکتب ای ذوحرم ای احرام الکعبۃ مفعول اول قیاماً مفعول ثانی اور اگر جعل بمعنی خلق ہو تو قیاماً حال ہوگا۔ اور بیت الحرام بدل ہے الکعبۃ سے والشہر الحرام والھدی والقلائد معطوف ہیں الکعبۃ پر۔

تفسیر: یہ چار باتیں اس کے فعل کا تاوان ہیں۔ جیسا کہ فرمایا لیذوق وبال امرہ امام مالک وابو حنیفہ وشافعی وجمہور کے نزدیک اس کو ان تین باتوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے سب میں سزا محقق ہے۔ امام احمد و زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہر ایک بات اپنے موقع پر کرے اول ہدی مثل بھیجے اور نہ ہو سکے تو قیمت کو یا اس کا غلہ تصدق کرے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو روزے رکھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور جو کچھ علماء کا اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کے قیود میں اختلاف ہے۔ اس کو بیان کرتا ہوں۔ قصداً اس نے قتل کیا یا بے قصد۔ اس سے مر گیا جمہور کے نزدیک اس پر تاوان واجب ہوگا اور قصداً کی قید علی سبیل عادت ہے۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ قید قصد معتبر ہے بے قصد سے کچھ لازم نہیں آئے گا۔ اس نے کسی کو شکار بتلایا اور اس نے مار ڈالا تو یہ فعل اس کی طرف بھی منسوب ہوگا اور اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جزا خاص اسی کے قتل کرنے پر مرتب ہوگی۔ قتل اگر شکار کو زخمی ہی کیا ہے کہ جس سے اس کی قیمت میں کمی تصور ہو سکتی ہے تو جمہور کے نزدیک اس نقصان کا اندازہ کر کے صدقہ دینا پڑے گا۔ داؤد ظاہری کے نزدیک بغیر قتل کے جزا لازم نہیں کیونکہ جزا قتل پر مرتب ہے۔ جمہور کے نزدیک زخم بھی قتل کی ایک شاخ ہے۔ اسی کا مثل دے۔ مماثلت تو ضرور ہونی چاہیے مگر اس میں اختلاف ہے کہ مماثلت قیمت میں ہو یا صورت میں مماثلت ہونی چاہیے جیسا کہ ہرن سے بکری اور نیل گائے سے گائے صورت میں مماثل ہے۔ پھر یہ مماثلت جمہور کے نزدیک جو دو عدلوں پر مفوض ہے موضع قتل کے لحاظ سے دیکھی جائے گی کہ اس موضع میں اس کا مماثل قیمۃً یا صورۃً یہ جانور شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ شعبی کہتے ہیں اندازۂ قیمت بازار کے لحاظ سے ہونا چاہیے کیونکہ یہ وہیں پہنچایا جاوے

ل کعبہ میں ذبح ہونے کے لئے ایام حج میں اونٹ وغیرہ قربانی کے گلے میں شناخت کے لئے پٹا باندھ دیتے تھے۔ پھر اس کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا ایسے جانور کو قلائد کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اور چند مہینوں کو اور قلائد کو لوگوں کے واسطے قیام یعنی امن اور تعظیم کی چیز بنا دیا۔ اس لئے کعبہ میں اور محترم مہینوں میں کوئی کسی کو نہیں چھیڑتا۔ اسی طرح ہدی اور قلائد کو بھی۔ ۱۲ منہ

گا۔ قیمت سے جو اناج تقسیم کیا جاوے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گیہوں ہو تو ایک شخص کو ایک دن کا طعام نصف صاع دے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مد کہتے ہیں مد کا وزن صاع سے کم ہے اور نصف صاع سیر بھر سے کچھ زیادہ کا ہے۔ اس تقدیر پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس قدر مد ہوں اور ابوحنیفہ کے نزدیک جس قدر صاع ہوں اسی قدر روزہ رکھے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر یہ معاملہ کسی سے پہلے ہو چکا ہو تو اللہ معاف کرے گا اور جو آئندہ پھر کرے گا تو خدا اس سے انتقام لے گا۔ حرم اور احرام میں شکار کرنے والوں پر جو کچھ آخرت میں ہوگا سو ہوگا مگر دنیا میں بھی ایسے لوگ بلاءِ آسمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ سے احرام و حرم میں دریائی شکار کی اجازت عطا فرماتا ہے۔ صید البحر عام ہے خواہ وہ کھانے کی چیزیں ہوں یا نہ ہوں جیسا کہ صدف نکالنا یا بعض بحری جانوروں کو ان کے دانت یا ہڈیوں کے لئے شکار کرتے ہیں اور طعام سے مراد کھانے کی چیزیں جو کچھ دریا سے شکار کیا جاتا ہے۔ اس کی تین قسم ہیں ایک مچھلیاں سو یہ سب قسم کی حلال ہیں۔ دوم مینڈک سو یہ سب قسم کے حرام ہیں۔ علاوہ ان کے جو کچھ ہے وہ تیسری قسم میں شمار ہے سو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو ان کو حرام فرماتے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ اور اکثر فقہاء حلال سمجھتے ہیں۔ اس لفظ طعامہ سے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلائلِ خارجیہ سے طعام کو مچھلی میں منحصر کرتے ہیں۔ بحر سمندر کو کہتے ہیں مگر بالاتفاق عام مراد ہے خواہ دریا ہو خواہ حوضِ کبیر خواہ کنواں۔ (ک) وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا بری اور بحری جانوروں میں یہ فرق ہے کہ بحری تو وہی جانور ہیں کہ جو پانی میں پیدا ہوں اور وہیں زندہ رہ سکتے ہوں اور جو خشکی میں پیدا ہوتے اور پانی میں رہتے ہیں یا کبھی خشکی میں بھی رہا کرتے ہیں سو وہ سب بری جانور ہیں جیسا کہ مینڈک اور سرطان گوہ اور بگلا ان سب کے قتل کرنے میں محرم کو جزا لازم ہوگی۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ محرم کو صید بری حرام ہے مگر اور کسی کا شکار کیا ہوا بھی اس کے لئے حلال ہے کہ نہیں؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ وہ بھی حرام ہے۔ یہ حضرت علی و ابن عباس و ابن عمر و سعید رضی اللہ عنہم بن جبیر و اسحاق کا قول ہے۔ بدلیل آیتِ مذکورہ۔ دوسرا یہ کہ حلال ہے بشرطیکہ کسی محرم نے یا کسی نے محرم کے لئے نہ مارا ہو اور یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔ سوم یہ کہ گو محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو مگر اس کی شرکت سے نہ مارا گیا ہو۔ محرم کے لئے حلال ہے بدلیل حدیث ابی قتادہ یہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا قول ہے۔ احرام و حرم و شکار کے مسائل کے بعد کعبہ کی اور اس کی ہدی اور ماہ حج کی عزت و حرمت بیان فرماتا ہے جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الخ کہ ہم نے کعبہ اور ماہ حرام کو لوگوں کے قیام کا باعث بنایا کہ اس جگہ اور ان ایام میں کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا۔ عرب کے قبائل اور مہینوں میں لڑتے اور کٹتے مگر ان ایام میں اور اس جگہ کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس سے تجارت اور باہمی وہ منافع جن پر تمدن کا مدار ہے حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح ہدی اور قلائد کو بھی نہیں چھوتے تھے۔ سو یہ مکہ کے فقراء کے قیام کا باعث ہو گیا۔ سو ایسی عمدہ تدبیر کرنا (کہ لوگوں کے دلوں میں کعبہ اور مناسکِ حج کی عظمت پیدا کر کے وہاں کے لوگوں اور وہاں کے آجانے والوں کے لئے باعثِ امن اور سببِ آبادیِ مکہ کر دیا) بڑے علیم و خبیر کا کام ہے تاکہ تم کو بھی اللہ کے صفاتِ علم و رحمت و غضب کا حال معلوم ہو جائے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا الخ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (صفتِ غضب کے لئے آیا ان اللہ غفور رحیم رحمت کے لیے) اس کے بعد منہیات سے روکتا ہے۔ اول تو اس بے پروائی کے جملہ سے کہ ہمارے رسول پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ذمہ داری تم پر ہے مَا عَلَى الرَّسُوْلِ الخ۔ دوم یہ کہ ہم ہر چھپی کھلی بات جانتے ہیں' ہمارے سامنے گناہ کرنا؟ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الخ سوم یہ کہ جس چیز سے تم کو منع کیا جاتا ہے دراصل اس میں خباثت ہوتی ہے اور جس کا حکم دیا جاتا ہے اس میں خوبی ہوتی ہے۔ سو دونوں برابر نہیں گو ناپاک چیز بکثرت ہو۔ اس کے بعد فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ سے فرمانبرداری کی تمام حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے تاکید فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾

ایمان والو! بہت سی باتیں نہ پوچھا کرو کیونکہ اگر وہ تم پر کھولی جاویں تو تم کو رنج ہوگا اور اگر قرآن کے نازل ہوتے وقت ان کو پوچھو گے تو وہ تم کو (آپ) معلوم ہو جاویں گی۔ اللہ نے ان سے درگذر کیا اور اللہ معاف کرنے والا بردبار ہے۔ تم سے پہلے (بھی) ایک گروہ نے ان کو پوچھا تھا پھر تو وہ ان سے انکار کرنے لگے۔ خدا نے نہ تو بحیرہ ہی مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ہے مگر کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ تو بیوقوف ہی ہیں اور جبکہ ان سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہم کو تو وہی کافی ہے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور گو کہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہ راست پر آرہے ہوں۔

ترکیب: اِنْ تُبْدَ شرط تَسُؤْكُمْ جواب جملہ محل جر میں ہے صفت اشیاء کی ہو کر من قبلکم سالھا سے متعلق ہے۔ من بحیرۃ من زائدہ اور جعل بمعنی وضع سو یہ اس کا ایک ہی مفعول ہوگا اور بمعنی سمی ہو تو ایک مفعول محذوف ہوگا۔ ای ماسمی حیوانا بحیرۃ۔ حسبنا مصدر بمعنی اسم الفاعل مبتداء ماوجدنا جملہ خبر اولوکان وصیلہ واذا قیل شرط قالوا جواب۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ جس میں صاف اشارہ اس بات کا تھا کہ امر شریعت میں تم کو ازحد تکلیفات کرنا اور بال کی کھال نکالنا اور رسول سے دریافت نہ کرنا چاہیے اور حاجت سے زیادہ پوچھنا نہ چاہیے۔ چنانچہ اولاً مشرکین نے رسول کو جانے کیا سمجھ کر بات بات پر معجزات اور خدائی اقتدار کے ظہور کا سوال کرنا شروع کیا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا الخ اس کے بعد اہل اسلام میں سے کسی نے رسول کو مطلقاً غیب داں سمجھ کر دنیاوی بکھیڑے پوچھنے شروع کئے۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت میرا باپ کون ہے؟ (لوگوں کو ان کے باپ میں کلام تھا) کسی نے دینی مسائل میں ایسے سوالات کئے چنانچہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا حضرت حج ہر سال واجب ہے یا ایک بار (مسلم) اس لئے ادب سکھانے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

تم ایسے سوالات نہ کیا کرو کیونکہ ظاہر ہو جانے پر تم کو بُرا لگے گا۔ معجزات کا حسب خواہش ظہور تو منکر کی ہلاکی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ قوم صالح نے ناقہ کا سوال کیا۔ پھر ان پر آفت آئی۔ بنی اسرائیل نے رؤیت خدا کا سوال کیا ان پر بجلی گری اور اسی طرح بہت لوگوں نے انبیاء سے سوالات کئے۔ ظاہر ہونے پر منکر ہو گئے۔ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ الخ اور اگر آپ کہتے کہ تیرا باپ یہ نہیں تو اس کے لئے کیسی شرمناک بات ہوتی اور حج کو ہر سال کے لیے فرض کر دیتے تو بڑی دقت ہوتی۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے کہ جس کے سوال کرنے سے کوئی حلال چیز حرام ہو جاوے یعنی شارع سے پوچھو گے تو حکم اس پر قائم ہو جاوے گا۔ پھر ترک میں عذاب ہوگا

گول بات تھی اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں۔ ہاں قرآن نازل ہوتے وقت بعض مسائلِ ضرور یہ خودتم پر ظاہر ہوجاویں گے۔

جس طرح سوالات سے منع کیا تھا اسی طرح ازخود حلال چیزوں کو حرام بنانے اور ازخود مذہب و زندگانیِ انسانی' انسان کی آزادی کے برخلاف حکم گھڑ لینے سے منع کرتا ہے۔ بقولہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ الخ عرب میں ملتِ ابراہیمیہ کا متغیر کرنے والا آنحضرت ﷺ سے تخمیناً تین سو برس پیشتر ایک شخص عمرو بن لحی خزاعی مکہ کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ اس بیوقوف نے سینکڑوں چیزیں ازخود حرام اور بہت سی حلال کر دیں۔ مکہ میں بت بھی اس نے قائم کئے تھے۔ چونکہ ایسی بدرسمی یہ بدنصیب امراء اور سلاطین ایجاد کیا کرتے تھے اور عام لوگ تو بے تحقیق ان کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستان میں رنڈی نچانا' ساچق باجا گاجا' شادی غمی کے رسوم یہ سب امراء و سلاطین کی ایجاد ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى
اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ
بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ
مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا
مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ
وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا
فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ
لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ
أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٨﴾ ع ۱۴

ایمان والو تم اپنی فکر کرو۔ کوئی گمراہ ہوا کرے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب کہ تم ہدایت پر ہو، اللہ ہی کے پاس تم سب کو پھر کر جانا ہے۔ سو وہ تم کو آپ بتلا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ ایمان والو جبکہ تم میں سے کسی کے سامنے موت آوے وصیت کے وقت آپس کی گواہی کے لئے دو معتبر آدمی تم میں سے ہونے چاہییں یا اور دو غیروں میں سے ہوں۔ اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت پڑ جاوے سو ان دونوں گواہوں کو اگر تم کو شک ہو تو نماز کے بعد کھڑا کرو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس سے کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتے [1] گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے (اگر) ایسا کریں گے تو ہم گنہگار ہیں۔ پھر اگر معلوم ہو جاوے کہ

[1] خلاصہ یہ کہ وصیت کے وقت جبکہ مرنے لگے تو اپنے مال کے لئے جو اس کو کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہو یا اس میں سے کسی کے لئے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہو کہ اس میں سے اتنا فلاں کو دیا جاوے آپس کے دو گواہ کرنے چاہییں اور اگر سفر میں موت سامنے آوے تو آپس کے نہ ملیں تو غیر سہی۔ پھر موقع پر نماز کے بعد وہ دو گواہ یہ کہہ کر اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم کو کوئی لالچ نہیں گو جس کے حق میں یہ شہادت ہے ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور جو ہم ایسا کریں گے تو گنہگار ہیں پھر اگر یہ شہادت ٹھیک ہو تو خیر ورنہ میت کے دو قرابت دار کھڑے ہو کر جن کو میت کے مال اور حال پر پوری طرح واقفیت ہے یہ کہہ کر قسم کھائیں کہ ہماری ←

ان دونوں نے گناہ کمایا ہے (یعنی گواہی میں کمی زیادتی کی ہے) تو ان کی جگہ اور دو شخص میت کے قرابت مندوں میں سے کھڑے ہو کر کہ جن کا حق دبایا گیا ہے اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے سچی ہے اور ہم نے کچھ تجاوز نہیں کیا ہے (اگر) ایسا کیا ہو تو ہم ظالم ہیں۔ یہ اس لئے کہ قرین قیاس ہے کہ وہ اصل گواہی دیں یا ان کو خوف ہو کہ وارثوں کی گواہی کے بعد ہماری گواہی رد کر دی جاوے گی اور اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام سنو اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ترکیب: علیکم یہاں اسم فعل ہے جس سے انفسکم کو نصب ہوا والتقدیر احفظوا انفسکم' شہادۃ مبتداء مضاف بینکم مجازاً مفعول مضاف الیہ۔ اذا حضر اس کا ظرف حین الوصیۃ موت کا یا حضر کا ظرف او جاز ذلک اذا کان المعنی حضر اسباب الموت۔ اثنان خبر ذواعدل منکم اس کی صفت او آخران خبر پر معطوف من غیرکم اس کی صفت اور اسی طرح تحبسونھما مگر ان کے درمیان ان انتم الخ جملہ معترضہ آگیا۔ لانشتری الخ جواب قسم جو یُقسِمٰنِ ہے ان ارتبتم جملہ معترضہ ولو کان ولا نکتم بھی جواب قسم میں داخل ہے استحق کو معروف پڑھا جاوے تو اَوْلَیٰنِ فاعل ہوگا اور مفعول محذوف ای وصیتھما اور جو مجہول پڑھا جاوے تو فاعل ضمیر اثم ہے لتقدم ذکرہ و علیھم یا اپنی اصل پڑھو جیسا کہ وجب علیہ یا بمعنی فی ای استحق فیھم الوصیۃ۔

تفسیر: منجملہ اور خرافات کے اس نے بحیرہ وغیرہ مقرر کئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فطرت کی سادگی باقی رکھنے کے لئے فرماتا ہے کہ اللہ نے یہ بحیرہ سائبہ مقرر نہیں کئے ہیں بلکہ مفتریوں نے افترا کر لیا اور احمق جہلاء ان کے مقلد ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان سے کلام الٰہی کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے باپ دادا کا طریقہ ہم کو کافی ہے اور گو ان کے باپ دادا نرے احمق ہی کیوں نہ ہوں (اس قسم کی تقلید شرعاً حرام ہے۔ ایسی تقلید انسان کو شقی الدارین کر دیتی ہے)

بحیرہ بروزن فعیلہ بحر بمعنی شق سے مشتق ہے بحر ناقۃ اذا شق اذنہا۔ ابو عبیدہ اور زجاج نے کہا ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی اونٹنی پانچ بچے دیتی اور آخر نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر آزاد کر دیتے تھے نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ بوجھ لادتا تھا نہ ذبح کرتا تھا۔ اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو نہ کوئی پانی سے روکتا تھا نہ کھیت سے۔ سائبۃ بروزن فاعلۃ من ساب اذا جری۔ یہ وہ اونٹنی تھی کہ جس کو مشرکین بتوں کے نام پر جب سفر سے سلامت آتے یا بیماری سے تندرست ہوتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔ فراء نے کہا ہے کہ جس اونٹنی کے دس بچے پیدا ہوتے تھے اس کو بتوں کے نام پر متبرک سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ وصیلہ بمعنی موصلہ عرب میں جب کوئی اونٹنی مادہ بچہ دیتی تو اس مادہ کو اپنے لئے رکھتے اور جو نر بچہ دیتی تو اس کو اپنے بتوں کی نذر کرتے اور دونوں ایک ساتھ ہوتے تو کہتے کہ اس نے اس کو اس کے بھائی سے ملا دیا۔ تب یہ نر بتوں کے لئے ذبح نہ کیا جاتا۔ حام وہ نر اونٹ ہوتا تھا کہ جس کے بچے کا بچہ لدنے کے قابل ہو جاتا تھا تب اس کو چھوڑ دیتے تھے گویا اس نے اپنی پیٹھ کو بچا لیا حمی ظہرہ ای حفظہ عن الرکوب۔

← گواہی ان کی گواہی سے ٹھیک ہے اور ہم نے ان سے ذرا بھی فرق نہیں کیا اور جو ایسا کیا ہو تو ہم ظالم ہیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ پہلے دونوں گواہ خوفِ آخرت سے یا گواہی رد ہو جانے کے سبب دنیا کی رسوائی سے پوری پوری گواہی ادا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک اسی قسم کا واقعہ گذرا ہے۔ وہ یہ کہ ایک صحابی سفر میں مرنے لگے اور انہوں نے اپنا مال دو نصرانیوں کے سپرد کیا اور ان کو گواہ اس کا بنایا کہ میرے وارثوں کو یہ دینا۔ مال میں سے انہوں نے ایک چاندی یا سونے کا کٹورا اڑا کر جب اور مال وارثوں کو دیا اور قسم کھا گئے کہ یہی تھا۔ وارثوں کو کٹورے کا حال معلوم تھا۔ فہرست میں بھی تھا۔ وہ کٹورا کہیں بکتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس پر جھگڑا ہوا تب وارثوں میں سے دو نے ان کے مقابلہ میں قسم کھا کر گواہی دی کہ یہ کٹورا میت کا ہے اور ان گواہوں نے جھوٹ بولا' آخر وہ ان سے دلوایا گیا۔ ان دو نصرانیوں میں ایک تمیم بھی تھے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی خیانت کا اقرار کیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ آیت میراث سے یعنی جب میراث کا مسئلہ نہ تھا مورث کو کم زیادہ دینے کا اختیار تھا۔ جب یہ وصیت ضروری اور شہادت لابدی تھی مگر محققین کہتے ہیں کہ سپردگی اور غیر ورثہ کے لئے وصیت کرنے میں اب بھی اس کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ

کہ یہ جہال جو تمہارا کہنا نہیں مانتے تو تم کچھ پروا نہ کرو۔ تم اپنی فکر کرو کسی کا گمراہ ہونا تمہارے لئے کچھ مضر نہیں، جو کرے گا بھرے گا۔ ہاں حتی المقدور وعظ ونصیحت میں کمی نہ کرو۔ یہاں سے یہ نہیں نکلتا کہ تم کسی کو نصیحت نہ کرو بلکہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی وابن ماجہ وابن جریر ودارقطنی وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خدا کی حمد وثناء کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ تم اس آیت کو غیر معنی پر محمول کرتے ہو۔ حالانکہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے کہ جب لوگ کسی بری بات کو دیکھ کر اس کو دور نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ عنقریب سب پر بلاءِ عام نازل کرے گا۔ ایمان وجان کی حفاظت کے بعد جو علیکم انفسکم کے ساتھ تھی مال کی حفاظت کا حکم دیتا ہے بقولہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ شانِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ تمیم داری اور اس کا بھائی عدی عیسائی تھے۔ بدیل عمرو بن العاص کے غلام مسلمان مہاجر کے ساتھ مل کر ملکِ شام میں تجارت کو گئے وہاں جا کر بدیل کا وقت آخیر آیا تو کل اسباب کی فہرست لکھ کر اسباب میں خفیہ رکھ دی اور اسباب کو ان دونوں بھائیوں کے حوالہ کیا اور وصیت کی کہ میرے ورثا کو دے دینا۔ اس اسباب میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سنہری کام تھا جس کی قیمت تین سو مثقال تھی وہ تو مر گیا اور انہوں نے مدینہ میں آ کر سب اسباب دے دیا اور پیالہ رکھ لیا۔ وارثوں نے فہرست دیکھ کر پیالہ کا مطالبہ کیا۔ تب یہ قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو جب تم سفر پر ہو اور کسی کو موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تب وہ اپنے مال کی بابت کچھ وصیت کرنا چاہے تو اپنے لوگوں میں سے دو شخص معتبروں کو وصیت کر دے اور ان کو گواہ بنا لے اور اپنے نہ ملیں تو غیروں میں سے دو گواہ کر لے پھر اگر کچھ نزاع نہ ہو اور جو کچھ مال واسباب یا وصیت وہ ادا کریں اور وارث بلا نزاع سچ جان کر قبول کر لیں تو خیر ورنہ ان دونوں گواہوں سے نماز[۱] کے بعد کھڑا کر کے قسم لی جائے کہ اللہ کی قسم ہم اس قسم سے دنیا کی کوئی غرض نہیں رکھتے۔ گو کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو یعنی جھوٹ نہیں بولتے اگر اس قسم کے بعد کوئی خیانت نہ ظاہر ہو تو خیر ورنہ میت کے زیادہ قرابتوں میں سے (کہ جن کو ان وصیوں نے مستحق کر دیا جن کا حق دبایا گیا) دو شخص اٹھ کر قسم کھاویں کہ ہمارا کہنا سچ ہے اور ہم حق سے تجاوز نہیں کرتے۔ (پس اگر قسم کھاویں گے تو جس قدر مال کا وصیوں سے ان کو دعویٰ ہے دلایا جاوے گا) چنانچہ تمیم اور اس کے بھائی سے بعد نمازِ عصر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم لی کہ ہم نے اس کے مال میں کچھ خیانت نہیں کی۔ قسم کے بعد دونوں کو بری کر دیا گیا۔ عرصہ کے بعد وہ پیالہ کہیں سے بکتا ہوا پکڑا گیا۔ پھر یہ قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوا۔ آپ نے عمرو بن العاص اور مطلب بن ابی رفاعہ رضی اللہ عنہما سے جو بدیل کے زیادہ قرابت دار تھے قسم لی اور وہ پیالہ انہیں کو دلا دیا۔ تمیم نے مسلمان ہو کر اقرار کیا کہ بے شک میں نے جھوٹی قسم کھائی تھی اور حق وہی تھا جو کیا گیا (اپنے لوگوں میں سے ورنہ غیروں میں سے دو گواہ کر لو) عام مفسرین کہتے ہیں کہ اپنے سے اہلِ اسلام مراد ہیں اور غیر سے اس جگہ اور مذہب والے۔ پس اگر اپنے مذہب کے آدمی ایسے وقت نہ ملیں تو غیر مذہب کے دو عدل یعنی سچے آدمی گواہ یا وصی کر لیے جائیں۔ ابن عباس وابوموسیٰ وسعید بن جبیر وسعید بن المسیب وشریح وابن جریج وحسن بصری وزہری اور جمہور فقہاء کہتے ہیں اپنے سے مراد قرابت دار اور غیر سے مراد غیر قرابت دار کیونکہ کافر عادل نہیں۔ اس کی گواہی معتبر نہیں۔ یہ حکمِ وصیت اکثر فقہاء کے نزدیک آیتِ میراث سے منسوخ ہے یعنی اس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ فتأمل واللہ اعلم۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ

[۱] نمازِ عصر بعض نے کہا ظہر بعض نے عام رکھا ہے۔ ان اوقات میں وہ دعا قبول ہوتی ہے جھوٹ بولنے سے انسان ڈر جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ
وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ
مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ
بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ
اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا
وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ
وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جس دن اللہ رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہم کو کچھ بھی خبر نہیں تو ہی بڑا غیب داں ہے جبکہ اللہ عیسیٰ مریمؑ کے بیٹے سے فرمائے گا کہ تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری ماں پر کیا تھا جبکہ میں نے روح القدس[1] سے تمہاری مدد کی تو تم لوگوں سے (ماں کی) گود میں اور بڑی عمر میں بھی باتیں کرنے لگے اور جبکہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جبکہ تم گارے سے پرندوں کی صورت میرے اذن سے بناتے تھے پھر ان میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتے تھے اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتے تھے اور جبکہ تم مردوں کو (قبروں سے) میرے حکم سے باہر لا کھڑا کرتے تھے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا جبکہ تم ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے منکروں نے کہہ دیا کہ یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے اور (یاد کرو) جبکہ میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں تو حواریوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں جبکہ حواریوں نے کہا' اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تمہارا رب ہم پر آسمان سے کوئی خوان اتار سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے کہا) اللہ سے ڈرو[2] اگر تم کو ایمان

---

[1] روح القدس سے مراد اکثر کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں بعض کہتے ہیں ایک اور معزز فرشتہ ہے۔۱۲ منہ

[2] کیونکہ اس میں خدا کی قدرت کا امتحان ہے جو بڑی گستاخی ہے۔۱۲ منہ

ہے (حواریوں نے) کہاہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھاویں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو اور ہم کو معلوم ہو کہ تم نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم بھی اس پر گواہ ہو جاویں۔ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوان نازل کردے کہ وہ ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لئے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے اور ہم کو روزی دے اور تو ہی بڑا روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا' میں اس کو تم پر نازل تو کرتا ہوں پر جو اس کے بعد بھی تم میں سے کوئی ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ جہان بھر میں کسی کو بھی نہ دوں گا۔

ترکیب: يَوْمَ يَجْمَعُ کا عامل یہدیھم الی الجنۃ اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو اسمعوا کا اور اذکر بھی عامل ہوسکتا ہے ماذا موضع رفع میں ہے أُجِبْتُمْ کا مفعول ہو کر اور حرف جر یہاں محذوف ہے ای بماذا اجبتم۔ اذ قال اللّٰه بدل ہے یوم سے اور اذکر بھی محذوف ہوسکتا ہے اِذْ اَيَّدْتُّكَ اس کا عامل نِعْمَتِي ہے تُكَلِّمُ النَّاسَ حال ہے کاف ایدتک سے۔ فی المهد ظرف ہے تکلم کا' من الطین تخلق سے متعلق ہے۔ الطیر مصدر بمعنی فاعل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل طیر تھی جیسا کہ سید پھر تخفیف ہوگئی اذ جئتھم ظرف ہے کففت کا' واذا اوحیت معطوف ہے اذ ایدتک پر ان' امنوا مصدر ہو کر مفعول ہے اوحیت کا اذ قال الحواریون اس کا حال اذکر ہے یستطیع بمعنی یقدر ان ینزل الخ جملہ اس کا مفعول یا یستطیع کی تفسیر تکون کی عید ا خبر وآیۃ اس پر معطوف جملہ صفت مائدة۔

تفسیر: خدا تعالیٰ کی قرآن مجید میں عادت ہے کہ جہاں چند احکام و شرائع بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد یا تو ذات کے متعلق یا کچھ انبیاء کے احوال یا قیامت کے حالات اور آخرت کے درجات کا بھی ساتھ ہی ذکر فرماتا ہے تاکہ یہ ان احکام کے لئے مؤکد ہو جاوے۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ یہ قیامت کا حال ہے کہ ہم رسولوں سے یوں پوچھیں گے اور وہ یہ کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا کہ امر واقعی اور دلوں کی بات تو تو ہی جانتا ہے اور ظاہری قیل و قال کا جو ہمیں علم ہے سو وہ تیرے علم کے آگے بمنزلہ لاشے کے ہے۔ پس اس آیت میں اور جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا میں کچھ تعارض نہیں۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال شروع ہوتا ہے کہ قیامت کو ہم ان سے یہ سوال کریں گے اور اپنی نعمتیں یاد دلا کر کہیں گے کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالیجیو۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نہایت عاجزی سے اپنی برأت بیان کریں گے۔ اس ذکر سے غرض عیسائیوں کا خیال باطل غلط کرنا ہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدائی کا حصہ دار سمجھتے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر عیسائی مریم کو بھی خدا سمجھتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو قیامت کو لرز کر یوں عذر کریں گے کہ میں نے ان سے ایسی بات نہیں کہی۔ نہ میں کہہ سکتا تھا تو قادر ہے' خواہ معاف کرے خواہ عذاب دیوے۔ اُذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ یہاں سے وہ جو کچھ عیسیٰ پر خدا نے احسان کئے تھے یاد دلائے جاتے ہیں اور اشارتاً یہ بات جتلائی جاتی ہے کہ اگر وہ خدا یا اس کے بیٹے ہوتے تو ان کو ان احسانات کی حاجت کیا تھی۔ غرض کس لطف سے ابتداءِ ولادت سے لے کر ان کی موت تک کا حال جو عبودیت پر دال ہوا ہے اذ ذکر کے گناتا اور بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں جو ان پر گذری ہیں ان سے قیامت میں سوال کیا جاوے گا۔

(۱) اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الخ۔ یہ سب سے اول احسان ہے جو حضرت مسیح پر کیا تھا کہ روح القدس سے ان کی تائید کی تھی جس سے وہ لڑکپن میں بھی کلام کرتے تھے کہ جس وقت عادتاً لڑکے نہیں بول سکتے ورنہ پھر تائید روح القدس کی اور کلام کرنے کی خصوصیت کیا ہے؟ روح سے مراد جبرئیل القدس سے ذاتِ باری تعالیٰ۔ جبرئیل کی تائید یہ تھی کہ یہ ہر وقت اپنی ملکیت کا اثر ان کی بشریت پر ڈالتے رہتے تھے جس سے ان سے معجزات سرزد ہوتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ارواح کے درجات متفاوت ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاک روح عطا کی تھی جس کے آثار ہمیشہ جسمانیت اور بہیمیت پر غالب رہتے تھے۔ سو یہ تائید تھی لڑکپن میں کلام کرنا اور اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ کہنا انجیل طفولیت میں ثابت ہے اور آج اس کو مسلم الثبوت نہ کہنے سے اس کے جمیع واقعات کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔

---

۱ حواریوں نے کہا امتحان مقصود نہیں بلکہ اس نعمت میں سے کھانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہ وہ ہمارے اطمینانِ قلبی اور تیری تصدیق کا باعث ہوگا۔ ۱۲ منہ

خصوصاً جبکہ انجیل یوحنا کے اخیر باب میں تصریح ہے کہ مسیح نے جو کچھ کام کئے ہیں آج اگر وہ سب لکھے جاویں تو دنیا میں نہ سما سکیں اور کہلاً یعنی اخیر عمر میں قریب قیامت پھر آ کر کلام کریں گے۔

(۲) وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ کتاب کا بیان توریت و انجیل ہے سو حضرت عیسیٰ ان دونوں[1] کتابوں کو اور حکمتِ الٰہیہ اسرار و رموز کو جانتے تھے جیسا کہ لوقا کی انجیل کے ۲ باب ۱۶۔۱۷ سے ثابت ہے۔

(۳) وَاِذْ تَخْلُقُ الخ مٹی کے جانور بنا کے ان میں پھونکنا اور ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا۔ یہ معجزہ بھی آپ کا انجیل طفولیت میں موجود ہے۔

(۴) وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ اندھوں اور کوڑھیوں کا شفا دینا بھی لوقا کے ۱۷۔۱۸ باب میں مذکور ہے۔

(۵) وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ مردہ کا زندہ کرنا بھی لوقا کی انجیل کے ۸ باب میں مذکور ہے۔ یہ آخیر تینوں باتیں بڑے کام کی تھیں۔ اس لئے سب میں باذنی کا لفظ بھی زیادہ کر دیا تاکہ یہ خیال رہے کہ یہ کام مسیح اپنی قدرت سے نہیں بلکہ خدا قادر کی قدرت و اجازت و مدد سے کرتے تھے۔ ان باتوں سے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھ لینا خلاف عقل ہے۔

(۶) وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ خدا نے بنی اسرائیل یعنی یہود کے شر سے مسیح علیہ السلام کو محفوظ رکھا جبکہ مسیح نے ان کو معجزات دکھائے اور انہوں نے جادو بتلایا اور قتل کا قصد کیا تو خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔ زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودیوں کا درپے قتل ہونا اناجیلِ اربعہ میں مصرح ہے۔

(۷) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ جو لوگ حواریوں کی نبوت کے قائل ہیں وہ وحی سے وحیِ انبیاء مراد لیتے ہیں اور جو ان کو نبی نہیں سمجھتے تو بمعنی الہام یعنی القاء فی القلب خدا نے حواریوں کے دل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی توفیق پیدا کی سو وہ ایمان لائے۔ جیسا کہ اناجیل سے ثابت ہے۔

(۸) اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یہ اس وقت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریاءِ طبریاس کے پاس دعا کی تو خدا نے پانچ روٹیوں اور دو تلی ہوئی مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ یہ برکت دینا آسمان یعنی عالمِ غیب سے مائدہ نازل کرنا ہے جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۶ باب میں مذکور ہے۔ باقی یہ حواریوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو گو ان کتابوں میں نہ ہو مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں میں گفتگو ہوئی تھی وہ سب ان چاروں انجیلوں میں موجود ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مائدہ[2] کا نازل ہونا اس معجزہ مذکور کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے جو اناجیل اربعہ میں مذکور نہیں۔ پھر اس کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ ایک ایسے محل کا قصہ ہے کہ جہاں حواریوں کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ تب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس پر حضرت نے خفا ہو کر فرمایا کہ اگر تم کو ایمان ہے تو اللہ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ محض اطمینان اور اپنے کھانے کے لئے یہ سوال ہے ورنہ اس کی قدرت میں کچھ کلام نہیں۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی کہ الٰہی آسمان سے مائدہ نازل کر کہ ہمارے اول آخر کے لئے عید یعنی باعثِ خوشی ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو۔ خدا نے فرمایا میں مائدہ نازل کرتا ہوں مگر اس کے بعد جو ناشکری کرے گا۔ اس کو عذاب دوں گا جو جہان میں کسی کو نہ دوں گا۔ اس پر آسمان سے دسترخوان کہ اس کے اوپر بھی ایک بدلی اور نیچے بھی ایک بدلی تھی نازل ہوا۔ اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں تلی ہوئی مچھلی اور پانچ روٹیاں اور ترکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ بعض

---

[1] خبر یہ دو انجیلیں ہیں اول طفولیت عیسائیوں کے فرقہ ناسٹکس میں دوسری صدی میں مسلم تھی اور جو ایشیا و افریقہ کے اکثر گرجاؤں میں پڑھی جاتی اور جس پر عقائد کا مدار تھا۔ وہ یہی انجیل تھی اور بعد میں یوسبس اور اتھانسیس وغیرہ عیسائیوں کے مستند علماء بھی ان سے سند پکڑتے تھے۔ ۱۲

[2] زجاج کہتا ہے مائدہ بروزن فاعلۃ من ماد یمید اذا تحرک فاوکا نہا تمید بما فیہا۔ ابن انباری کہتے ہیں کہ مائدہ کو اس لئے مائدہ کہتے ہیں کہ وہ بمعنی عطیہ ہے۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں کہ ہر قسم کی نعمتیں اس میں تھیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ بات صرف ایک بار ہوئی۔ بعض کہتے ہیں چالیس روز تک نازل ہوتا رہا۔ ایک دن بیچ کر کے آتا تھا۔ پھر جب لوگوں نے سحر اور نظر بندی کی بدگمانی کی تو ان کے منہ سور کے ہو گئے۔ تین روز کے بعد تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

ایسا ہونا ممکن ہے مگر یہ قصص نہ تو قرآن میں ہیں نہ نبی ﷺ سے ان کا کچھ ثبوت ہے مورخوں کے اقوال ہیں مگر حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے ناشکری پر سخت عذاب آنے کی سنی تو پھر درخواست نہ کی اس لئے مائدہ نازل نہ ہوا کیونکہ اگر ہوتا تو اس کے نازل ہونے کا دن نصاریٰ میں عید کا دن ہو جاتا حالانکہ نہیں۔ قرآن سے بھی صرف دعا کرنا ثابت ہے۔

فقیر کے نزدیک مائدہ کا نازل ہونا پایا گیا جیسا کہ اس کا پتا انجیل یوحنا سے لگتا ہے اور عیسائیوں کے پاس بے اندازہ دنیا کا جمع ہونا اسی کا ثمرہ ہے۔ نیچر مفسر نے ان معجزات کے مٹانے پر بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جبکہ آیات قرآنیہ کی کوئی تاویل ہی نہ ہو سکی تو کہیں بے تک ف عطف ف تفریع کا جھگڑا لے بیٹھے کہیں یہ کہہ دیا کہ مفسرین کو یہود و نصاریٰ کی تقلید کی عادت ہے۔ غرض بے تک ہذیان ہے جس کی بنیاد نہ کسی دلیل عقلی پر ہے نہ نقلی پر بلکہ صرف اس بات پر کہ معجزہ کا وجود ممکن نہیں سو اس کا جواب مقدمہ میں ہو چکا' اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۱۱۷ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۱۱۸ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۱۹ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۲۰

وقف النبی ﷺ ۱۷ — ع ۱۶

اور جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے سے اللہ پوچھے گا کیا لوگوں سے تم نے ہی کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے' مجھے کیا ہوا تھا کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کا مجھے کچھ بھی حق نہ تھا۔ اگر میں نے (یہ) کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں نہیں جانتا تیرے دل میں کیا ہے؟ بے شک تو بڑا ہی غیب داں ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا کہ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان کا نگہبان رہا

جب تک کہ ان میں رہا۔ پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دی تو ان پر تو ہی نگہبان رہا۔ اور تو ہی ہر چیز کا نگراں ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو پھر وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو پھر تو ہی زبردست [1] حکمت والا ہے۔ اللہ فرماوے گا یہ وہ دن ہے کہ جس میں سچوں کو ان کا سچ (ہی) نفع دے گا ان کے لئے ایسے باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہا کریں گے اللہ ان سے خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش ہوں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: اِذْقَالَ اس کا عامل اذکر ہے۔ اِتَّخِذُوْنِی بمعنی صیر ونی ہو کر دو مفعول چاہتا ہے اول ی اور امی دوم اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اس کی صفت اَنْ اَقُوْلَ فاعل یَکُوْنُ لِیْ خبر۔

تفسیر: یہ وہ کلام ہے کہ جو عیسٰی علیہ السلام سے قیامت کے روز کیا جاوے گا جس پر وہ عاجزی سے کہیں گے کہ میں ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے تو خاص تیری ہی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور اپنی زندگی بھر یہی کہتا رہا۔ پھر میرے بعد کی تجھے خبر ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے اگر عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اور معاف کرے تو تو بڑا حکیم زبردست ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آج کے دن سچوں کا سچ کام آوے گا کہ ان کے لئے روحانی اور جسمانی جاودانی بہشت ملے گی جس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیز خدا ان سے راضی۔ وہ اس سے راضی رہیں گے اور بڑی مراد اور سب باتوں کا مآل کار بھی یہی ہے۔ **فائدہ:** سورۃ کو بندوں کے عہد پورا کرانے سے شروع کیا تھا پھر جس کا تتمہ بیانِ احکام اور یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا بطلان خصوصاً عیسائیوں کے اعتقادِ تثلیث کا رد۔ سو یہ تمام باتیں اس سورۃ میں ذکر کی گئیں اور پھر آخر میں اس عالم کی فنا اور حشر کا برپا ہونا اور انبیاء سے سوال کرنا اور صادقوں کا اپنے صدق کے بدل میں سعادتِ ابدی پانا بیان کرنا گویا اس عہد نامہ کا نتیجہ سامنے قائم کر دینا ہے۔ پھر سورۃ کو لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ الخ کے ساتھ ختم کرنا یعنی خدا تعالیٰ کی کبریائی و عظمت پر سخن تمام کرنا کیا ہی لطف رکھتا ہے۔ اور اس اثناء میں اپنے چند وہ وصف بیان فرمائے جو تمام سورۃ کے مضامین کے لئے مہر ہیں کیونکہ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ میں اس کی ذات و صفاتِ کاملہ کا ثبوت جس کے ضمن میں نقائصِ تثلیث و تثنیہ کا رد اور علی کل شیء قدیر میں اور بھی مخالفین کے عقائدِ باطلہ کا فساد کھول دیا۔ سبحان اللہ ان اسرار کا بیان کرنا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے (ولہ الحمد دائما)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ

---

[1] اس سے عرب کے ان عیسائیوں کے عقیدے کے بطلان کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی خدا کہتے تھے یا تثلیث کا ایک اقنوم مراد لیتے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] تجھے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ ۱۲ منہ

إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۞ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۞ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۞

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کو ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور اجالا بنایا۔ پھر بھی کافر (بتوں کو) اپنے رب کے برابر کر رہے ہیں۔ وہی ہے کہ جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر (ہر ایک کی) میعاد مقرر کی۔[1] اور میعاد اس کے نزدیک مقرر ہے[2] پھر بھی تم شک میں پڑے ہو اور وہی اللہ ہے (یعنی قادرِ متصرف) آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمہاری چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔ اور جب کوئی[3] آیت ان کے رب کی آیتوں میں سے ان کے پاس آتی ہے تو اس سے منہ ہی پھیر لیتے ہیں۔ جب حق (قرآن) ان کے پاس آ گیا تو اس کو جھٹلا کر رہے۔ ابھی انہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ جس کو ٹھٹھوں میں اڑایا کرتے تھے کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایک ایسی قومیں ہلاک کر دیں کہ جن کو ہم نے زمین پر ایسا بسایا تھا کہ جو تم کو بھی ویسا نہیں بسایا جن پر ہم نے برسانے کے لئے بادل چھوڑ رکھے تھے اور ان کے نیچے نہریں جاری کر دی تھیں پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور قومیں پیدا کر دیں۔

ترکیب: جَعَلَ بمعنی خَلَقَ اَلَّذِیْنَ الخ مبتدا یَعْدِلُوْنَ خبر بِرَبِّھِمْ اس سے متعلق ہو مبتداء اللہ خبر یعلم خبر ثانی اور ممکن ہے کہ اللہ ھو سے بدل ہو یعلم خبر فی السمٰوٰت اللہ سے متعلق ہے جو بمعنی معبود ہے۔

تفسیر یہی وہ سورۃ ہے کہ جو سب کی سب ایک بار نازل ہوئی۔ سورہ بقر اور نساء اور مائدہ تو مدینہ آنے کے بعد اور یہ ان سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔ مکہ میں مشرکینِ عرب کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کا وجود ان صفاتِ قاہرہ کے ساتھ بیان ہوتا تھا کہ جن سے تمام عالم میں اسی کا قبضہ و تصرف ثابت ہو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے جو منکر تھے۔ ان کے مقابلہ میں حشر و نشر کا اثبات ہوتا تھا اور جو خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر تھے صرف دہر کو پیدا اور فنا کرنے والا جانتے تھے ان کے مقابلہ میں اس کا وجود اس کے آثارِ قدرت و جبروت کے نشانوں سے ثابت کیا جاتا تھا اور نیز عرب یا مکہ کے مشرکوں کو اپنی دولت و راحت پر گھمنڈ تھا اور باوجود اس کفر اور بدکاری کے اس کے عذاب سے کچھ بھی ڈر نہ تھا ان کے مقابلہ میں ان سے پہلے کی قوموں کی حد افزوں ثروت و قدرت اور پھر آیاتِ الٰہی کے انکار سے ان کی ہلاکت بیان کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس سورۃ اور ان آیات میں انہیں مضامین کی رعایت ہے اور یہی کلام کی خوبی بھی ہے اور منصبِ الہام کا یہی فرض ہے کہ جس خرابی کو دیکھئے

---

[1] یعنی ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ زندگی معین ہے۔

[2] اور ایک میعاد یعنی قیامت کی جس میں فنا کلی ہوگی اس کے نزدیک مقرر ہے جیسا کہ افراد رجال کی فناء جزئی کا وقت مقرر تھا۔ ۱۲ منہ

[3] قرآن کی آیت یا معجزہ یا اس کے جلال و کبریائی کی نشانی زلزلہ، کڑک، قحط، وبا وغیرہ جب کفار کے سامنے پیش ہوتی ہے تو اس میں غور و تامل نہیں کرتے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اسی کی اصلاح کی تدبیر کرے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے وَالنُّوْر تک اول امر کا اثبات ہے جس کے لئے مشرکوں پر طعن کیا جاتا ہے کہ باوجودیکہ آسمانوں اور زمینوں اور نور وظلمت کا خالق اسی کو جانتے ہیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ بتوں یا اور خیالی معبودوں کو ملا کر اس کے برابر کرتے ہیں۔ ھوالذی سے اپنا حشر پر قادر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بات بتلا کر کہ جس نے تم کو اول بار مٹی[1] سے پیدا کیا کیا وہ دوبارہ نہیں زندہ کر سکتا پھر شک کیا؟ وھو اللّٰہ سے تیسری بات کا ثبوت کرتا ہے کہ دہر یا افلاک خود اس کے حکم کے مسخر ہیں۔ ان میں شب و روز اس کے تصرفات دیکھتے ہو۔ پھر اگر یہ اللہ کا فعل نہیں تو اور کس کا ہے؟ دہر کیسا؟ وَمَا يَاْتِيْهِمْ سے چوتھی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان سے پہلے لوگ بھی ایسا کر چکے ہیں۔ پھر ان کی تو کیا ہستی ہے۔ ان کو بھی ہم نے غارت کر دیا اور ان کی جگہ اور قومیں پیدا کر دیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع ۱

اور اگر ہم اس پر کوئی کتاب کاغذوں پر لکھی لکھائی بھیجتے پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تب بھی منکر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور کافروں نے کہا نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں[2] بھیجا گیا اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو کام ہی تمام ہو جاتا پھر ان کو مہلت بھی نہ ملتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو انسان ہی کی صورت بناتے[3] اور جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں اس میں ہم (پھر) ان کو ڈال دیتے اور تم سے پہلے بھی (بہت) سے رسولوں کی ہنسی اڑائی۔ پھر ہنسی اڑانے والوں پر (وہی) بلا آپڑی کہ جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

ترکیب: فی قرطاس ثابت کے متعلق ہو کر صفت ہوئی کتابا کی اور خود کتاب بمعنی مکتوب سے بھی متعلق ہو سکتا ہے ما یلبسون ما بمعنی الذی جملہ مفعول للبسنا ما کانوا بہ الخ فاعل حاق۔

تفسیر: ان چاروں باتوں کے بعد ایک پانچویں بات اور بھی قابلِ اثبات تھی۔ وہ یہ کہ مکہ کے کافر آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار اس شبہ سے کرتے تھے کہ فرشتہ آتا ہوا اس کے پاس کیوں نہیں دکھائی دیتا اور قرآن کا انکار اس بنا پر کرتے تھے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب ایک بار کیوں نہ نازل ہو گئی۔ یہ بار بار الہام کیسا اور نزولِ روح القدس کیا؟ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ اس کی اصل حکمت سے درگذر کر کے بوجہ

---

[1] چونکہ آدم مٹی سے اور ان سے سب آدمی پیدا ہوئے یا انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے جو غذاؤں سے حاصل ہوتا ہے اور غذائیں زمین کی پیداوار انجام مٹی ہیں اس لئے اس کا مٹی سے پیدا ہونا بیان فرمایا۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی عیاناً فرشتہ آکر تصدیق کرتا تو ہم مانتے۔ جواب دیتا ہے اگر فرشتہ آتا تو فیصلہ ہی ہو جاتا کس لئے کہ فرشتہ آنے کے بعد انکار کرنا اور یہ فرشتہ میں بھی شبہ کرتے عادت اللہ کے موافق ہلاکی کا باعث ہے۔ ۱۲ منہ

[3] کس لئے کہ فرشتہ کو اس کی صورتِ اصلی پر دیکھنے کی ان میں صلاحیت نہیں کیونکہ وہ نورِ مجرد ہے اور یہ آنکھیں عالمِ ناسوت دیکھنے کو بنائی گئی ہیں۔ پھر جب وہ آدمی بن کر آتا تو وہی شبہات اس کے حق میں پیدا ہوتے کہ اس کے فرشتہ ہونے کی کیا دلیل ہے۔ ۱۲ منہ

ان کے افہام کے قاصر ہونے کے صرف ایک عام فہم بات ذکر فرماتا ہے کہ اگر قرآن لکھا لکھایا نازل ہوتا تو اس کو بدرجۂ اولیٰ یہ لوگ سحر مبین کہہ دیتے اور اگر فرشتہ آتا تو دو خرابیاں پیش آتیں: اول یہ کہ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ جب ملائکہ آتے ہیں تو پھر کام ہی تمام ہو جاتا ہے (جیسا کہ لوط علیہ السلام کی بستی میں ملائکہ آئے۔ اول بار حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھتے ہی گھبرا گئے کہ اب اس بستی پر بلا نازل ہوتی ہے جس میں کہ میرا بھتیجا لوط بھی ہے)۔ دوم یہ کہ ملائکہ اجسام لطیفہ ہیں۔ ان کے بغیر اس کے کہ وہ کسی آدمی وغیرہ محسوس چیز کی شکل میں متشکل ہوں نظر آنے کی کیا صورت؟ ایسی حالت میں شبہ کرنے والوں کا شبہ پھر قائم ہو جاتا۔ اس کا کیا اعتبار کہ یہ فرشتہ ہے یا کوئی کہیں سے آدمی چلا آیا ہے؟ پس جب یہ دونوں شبہے غلط تو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا درست رہا۔ اس کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں ان کی از راہِ تمسخر ہیں جس کا نتیجہ پہلی امتیں خوب دیکھ چکی ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

(اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو تو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے۔ کہہ دیجئے اللہ کا۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم کر لیا ہے۔ وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع کر کے رہے گا جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رکھا ہے۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے اور اسی کا ہے جو کچھ کہ رات اور دن میں رہتا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔ کہہ دو کیا اللہ کے سوا کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے کوئی اور کارساز بنالوں حالانکہ وہی کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کہہ دو مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے اول میں ہی فرمانبرداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے کہ) ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ کہہ دو اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے جس سے اس دن وہ عذاب ٹل گیا تو اس پر بڑی مہربانی ہوئی اور یہ صریح کامیابی ہے۔

ترکیب: ما بمعنی الذی مبتدا لمن خبر قل اللہ ای ہو اللہ لیجمعنکم کلام مستانف یا الرحمۃ سے بدل اور لام جواب قسم محذوف الذین خسروا مبتدا فہم لا یؤمنون اس کی خبر اور چونکہ مبتداء میں معنی شرط تھے اس لئے ف خبر میں آئی لا تکونن عطف علی اُمرت ای قیل لی لاتکونن او علی قل ان عصیت شرط جواب محذوف یدل علیہ اخاف عذاب یوم مفعول اخاف والشرط معترض۔

تفسیر: پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں پھر کر دیکھو کہ انبیاء کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام کار رہوا۔ نینوا اور بابل اور صمورا اور صمید اکیسے کیسے شہر تھے ان کے لوگ کس لطف و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی دولت و حشمت کیسی تھی۔ ان کے تجملات دنیا کیا کیا تھے۔ پھر ان کی بت پرستی اور انبیاء کے انکار و گستاخی سے ان کو کیسا برباد کیا کہ سوائے ٹیلوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ ان کفار ومشرکین کو اس بات میں بھی کلام تھا کہ ان بستیوں کو ان کے گناہوں سے خدا نے غارت کیا ہے؟ اس بات پر یقین دلاتا ہے کہ تم بتلاؤ کہ آسمان و زمین کی سب چیزوں پر کس کا اختیار ہے یعنی خاص اللہ کا۔ پس اس سے یہ کیا بعید ہے؟ پھر تسلی دیتا ہے کہ ہمارے اس ہلاک کرنے سے کوئی ہم کو قہار محض نہ سمجھے بلکہ ہم نے اپنے اوپر بندوں کے لئے رحمت کرنا لازم کرلیا ہے دنیا میں تم اس کا ظہور دیکھ رہے ہو اور یہ فانی اور اس کے نعماءِ فانیہ کیا ہیں تم کو ہم قیامت میں جمع کریں گے۔ نعماءِ ابدیہ کے لئے عجب کلام ہے کہ لمن ما سے ذات باری کا اور کتب سے صفات کا اور لَيَجْمَعَنَّكُمْ سے آخرت کا ثبوت کس لطف کے ساتھ کیا ہے؟ مگر بدنصیب لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اس کے بعد اول بطور تمہید کے اللہ تعالیٰ کا جمیع مخلوقات پر قادر و مسلط ہونا بیان کرتا ہے۔ بقولہ ولہ ما سکن الخ کہ جس طرح زمانہ اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح زمانیات بھی یعنی جس پر کہ رات دن آتا ہے پھر سمیع علیم ہونا جتلاتا ہے جو معبودیت کے اوصاف مختصہ میں سے ہے۔ اس کے بعد ان بت پرستوں پر ایک کوڑا سا پڑتا ہے کہ جب اللہ ایسا ہے اور فاطر السمٰوات ہے سب اس کے قبضہ میں ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے هُوَ يُطْعِمُ اور وہ کسی کا محتاج نہیں وَلَا يُطْعَمُ کیا اس کو چھوڑ کر اور معبود مقرر کرلوں؟ پھر حکم ہوتا ہے کہ سنا دے کہ سب سے پہلے مجھے توحید پر چلنے کا حکم ہوا ہے (اگر یہ بری بات ہے تو سب سے اول مجھ پر عائد ہوگی) اور اگر میں بھی اس کے خلاف کروں تو مجھے بھی عذاب یوم عظیم کا ڈر ہے کہ جس سے بچنا بڑی مراد پانا ہے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُلْ لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

وقف لازم ۔ وقف لازم ۔ منزل ۲

اور (بندے) اگر اللہ تجھ کو کوئی دکھ دے تو پھر اس کو بجز اس کے کوئی بھی دفع نہیں کرسکتا اور اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی حکمت والا خبردار (بھی) ہے۔ پوچھو کس کی گواہی بڑی معتبر ہے۔ کہہ دو مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے (اس کو بھی) ڈراؤں۔ کیا تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہے۔ کہہ دو کہ میں تو اس بات کی گواہی نہیں دے سکتا۔ وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا ہی پہچانتے ہیں [1] جیسا کہ اپنی اولاد کو

---

[1] یعنی رسول اللہ ﷺ کو خوب پہچانتے ہیں۔ ان نشانیوں اور علامات سے جو ان کتابوں میں یا زبانی منقول تھیں۔ ۱۲ منہ

پہچانتے ہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رکھا ہے سو وہ ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: وَاِنْ یَّمْسَسْکَ شرط فلا کَاشِفَ جواب ھو مبتدا القَاھِرُ خبر فوق یا خبر ثانی ہے یا بدل ہے خبر سے یا حال ہے۔ای شیء مبتداء اَکْبَرُ شَھَادَۃً تمیز اللّٰہ مبتداء خبر محذوف ای اکبر شہادۃ۔

تفسیر: واضح ہو کہ انسان جو خدا کے سوا کسی اور معبود کو پوجتا ہے تو اس کو نافع وضار سمجھ کر اور طبائع عامہ میں جو بت پرستی نے رواج پایا تو اسی امید نفع وخوف نقصان سے کہ یہ معبود ہم کو اولاد و تندرستی وفراخدستی دیتے ہیں اور جو ان کی نذر و نیاز نہیں کرتا تو اس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ پھر اس پر جاہلوں میں سینکڑوں جھوٹے افسانے جو ان کے خیال کے مؤید ہیں' مشہور ہوتے ہیں یا کسی کے اندر ایسے کمالاتِ ذاتیہ صفاتیہ تصور کر کے جو خدا کے اوصاف کے ہم پہلو ہوتے ہیں عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں اسی لئے اور کبھی محض کسی کے قول او کسی معتبر کی شہادت سے کہ فلاں قابلِ پرستش ہے۔ چنانچہ مشرکین بہت سی چیزوں کو محض اپنے باپ دادا کے کہنے سے پوجتے تھے۔ پہلی بات کی نسبت فرماتا ہے وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ کہ نافع وضار اللہ کے سوا اور کوئی نہیں کیونکہ اس کے سوا جو ہے ممکن ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر دم اس کا دست نگر ہے جس کا اثر ہر روز ہم اپنی حالت سے محسوس کرتے ہیں۔ دوسری بات کی نسبت فرماتا ہے۔وَھُوَ الْقَاھِرُ یعنی تمام صفاتِ الوہیت تین یا تین اصل اصول ہیں: اول قدرتِ تامہ کہ اس کا سب پر زور ہو۔ اس پر کسی کا زور نہ چلے۔ دوم علم کہ ہر چیز کو جانتا ہو۔ سوم حکیم کہ تمام کائنات میں سلسلۂ نظام اسی کا رکھا ہو۔ سو یہ تینوں باتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اول کی طرف ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ دوسرے کی طرف الخبیر میں تیسرے کی طرف ھوالحکیم میں اشارہ کر دیا۔ تیسری بات کی طرف قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً الخ میں اشارہ کرتا ہے کہ اللہ سے زیادہ کس کی شہادت ہے۔ سو اس نے تو اس بات کی شہادت دے دی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہی نہیں اور نیز یہ بھی کہ یہ قرآن اس نے وحی کیا ہے۔ تمہارے اور پر جس کو یہ قیامت تک پہنچے ڈر سنانے کو اور اس بات کو اپنی کتابوں میں دیکھ کر اور اس نبی آخر الزماں کے اوصاف سن کر اہلِ کتاب[1] ایسا یقین جانتے ہیں کہ جیسا کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾

[1] یہ دوسرا جو بیان فرمایا اس سے کل اہل کتاب مراد نہیں بلکہ وہی جو اس جاننے کے قابل تھے۔ بہت یہودیوں نے اقرار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہماری کتابوں سے ثابت ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام انہیں کی خبر دے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

ع ۹

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے کہ جواللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاوے۔بات یہ ہے کہ ظالموں کو فلاح نہیں ہوتی اور جس دن کہ ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ معبود کدھر ہیں کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا پھران کی کچھ بھی چالا کی نہ چلے گی بجز اس کے کہ وہ کہیں گے۔قسم ہے اللہ اپنے رب کی ہم تو کسی کو (بھی) شریک نہ بناتے تھے (اے نبی!) دیکھو اپنے اوپر آپ کیسا جھوٹ بولے۔اوران کی وہ سب فتنہ پردازیاں جو کیا کرتے تھے گُم گذری ہو جائیں گی اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف[1] کان لگاتے ہیں۔اوران کے دلوں پر ہم نے اس کے نہ سمجھنے کے لئے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں (بھی) ثقل (ٹینٹ) ڈال رکھا ہے اور اگر وہ سب طرح کی نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی آیات پر ایمان نہ لاویں۔یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں۔منکر یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلے لوگوں کے قصہ (کہانیاں) ہیں اور وہ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں اور وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں اور ان کو کچھ بھی خبر نہیں اور آپ[2] ان کو اس وقت دیکھیں جب وہ جہنم کے کنارہ پر کھڑے کئے جاویں گے تو کہیں گے اے کاش ہم کو دنیا میں پھر بھیجا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاویں۔ان کی یہ حسرت ایمان کی رغبت سے نہ ہوگی بلکہ جس کو وہ پہلے سے چھپاتے تھے۔وہ ان کے آگے آئی (اس کی برائی ان پر کھل گئی)[3] اور اگر وہ واپس بھی بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے وہ منع کئے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگانی ہے اور ہم مرنے کے بعد اٹھائے نہ جائیں گے اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں کہ جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے وہ فرمائے گا کیا یہ[4] حق نہیں۔کہیں گے ہم کو اپنے رب کی قسم! ہاں (حق) ہے فرمائے گا تو لو اب اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب چکھو۔

ترکیب: فتنتھم کو مرفوع بھی پڑھا ہے تکون کا اسم بنا کر وان قالوا خبر و جاز العکس۔ اَنْ یَّفْقَھُوْہُ مفعول لہ ہے اے کراہۃ ان یفقھوا و قرا معطوف ہے اکنۃ پر حتیٰ اذا اپنے جواب یَقُوْل سے مل کر محل نصب میں ہے حتیٰ کا اس جگہ لفظوں میں کچھ عمل نہیں صرف معنی غایۃ دیتا

---

[1] یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے سنتے ہیں مگر ان کے دلوں پر پردے پڑے ہیں سمجھتے نہیں اور جو کوئی سمجھائے تو کانوں میں ٹیٹیاں ہیں اس کی سنتے ہیں۔اور جو آنکھوں سے اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو ایمان نہیں لاتے۔۱۲ منہ

[2] یعنی اب تو بڑے اتراتے پھرتے ہیں مگر جب لے جا کر جہنم کے کناروں پر کھڑے کر دیے جائیں گے اور اس وقت حسرت سے کہیں گے کاش ہم کو پھر دنیا میں بھیجا جائے کہ وہاں جا کر ہم اپنی رب کی آیات نہ جھٹلائیں اور ایمان لے آئیں اس وقت لے پیغمبر تو ان کو دیکھے تو ان کو حقیقت معلوم ہو کہ کیا حالت ہوگی۔۱۲ منہ

[3] یعنی ان کی حسرت وہاں بھی ایمان کی رغبت سے نہ ہوگی بلکہ برے کاموں کا نتیجہ دیکھ کر ڈریں گے اور اس سے بچنے کے لیے یہ آرزو کریں گے۔۱۲ منہ

[4] یعنی دوبارہ جی اٹھنا۔۱۲ منہ

ہے۔ یجادلونک حال ہے ضمیر فاعل جاؤک سے والاساطیر جمع ہے بعض کہتے ہیں اس کا واحد اسطورۃ ہے۔ بعض کہتے ہیں اسطارۃ اور بعض اسطار جو سطر متحرک الطاء کی جمع ہے اور سطر بسکون الطاء کی جمع سطور آتی ہے اور اسطر بھی۔ ولو تریٰ کا جواب محذوف ہے ای لتری امرا عظیما۔

تفسیر: اہلِ کتاب کو مشرکینِ عرب پڑھا لکھا قابلِ سند سمجھا کرتے تھے اور وہ بجز چند اہلِ انصاف کے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب مشرکوں سے ملتے تو بجائے ادائے شہادت کے جان بوجھ کر تکذیب ہی کر جاتے تھے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے (یعنی نبی نہیں اور نبوت والہام کا دعویٰ کر بیٹھے جیسا کہ تم محمد ﷺ کی نسبت اے اہل مکہ خیال کرتے ہو) اور اسی طرح جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے جیسا کہ اہلِ کتاب اور تم کر رہے ہو۔ کون زیادہ ظالم ہے یعنی جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ بھی ظالم ہے اور جو سچے نبی اور خدا کی آیات کا انکار کرے وہ بھی ظالم ہے۔ اب دونوں فریق میں سے ناحق کی یہ پہچان ہے کہ ظالم کو فلاح نہ ہوگی۔ اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو حسبِ وعدۂ الٰہی جیسا کہ توریت میں مذکور ہے۔ یہ خود خراب خستہ ہو جاوے گا۔ قتل کیا جاوے گا۔ اس کی جماعت تتر بتر ہو جاوے گی۔ یہ کامیاب نہ ہوگا اور جو تم ناحق پر ہو تو یہ کامیاب ہوگا اور تم ذلیل و مقہور ہو جاؤ گے۔ حالانکہ بالفعل تمہاری ذلت کا بظاہر اس نبی کی جماعت کے ہاتھ سے جو نہایت پست حالت میں ہے کوئی سامان نہیں۔

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی صداقت کے لئے اور کیا پیشین گوئی ہوگی جس کے مطابق آنحضرت ﷺ سرسبز اور کامیاب ہوتے گئے۔ مخالفین ذلیل و خوار ہو گئے نہ تنہا عرب کے مخالفین کو بلکہ اس وقت روئے زمین پر جو دو سلطنتیں قابض تھیں روم و ایران ان کو بھی نبی کے پیروؤں کے پاؤں میں ڈال دیا۔

اس کے بعد حشر میں کو جو کچھ مشرکین کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ اس کا ذکر فرماتا ہے بقولہ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا الی قولہ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ کہ حشر کو ہم سب کو جمع کر کے مشرکین سے پوچھیں گے کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں کہ جن کو تم پوجتے اور ان پر بڑا بھروسا رکھتے تھے۔ سو وہاں بجز اس کے اور کچھ جواب نہ بن آئے گا کہ قسم کھا کر کہیں گے ہم تو دنیا میں کسی کو خدا کا شریک نہ کرتے تھے۔ اپنی عادت کے موافق وہاں بھی کیسا جھوٹ بولے اور وہاں ان کے یہ سب ڈھکوسلے غلط ہو جاویں گے۔ سبحان اللہ! کس خوبی کے ساتھ شرک کی مذمت کی ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مکہ میں جبکہ مشرکین کا غلبہ تھا۔ ایک بار ابوسفیان اور ولید بن مغیرہ ونضر بن حارث اور عقبہ وعتبہ وشیبہ وامیۃ ابن خلف وحارث بن عامر وابوجہل بڑے بڑے سرکش کافر آنحضرت ﷺ کا قرآن سننے آئے۔ آپ اس وقت سہج سہج پڑھ رہے تھے۔ کان لگا کر سننے لگے۔ سن کر ایک نے کہا یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ جس سے کوئی کیسی ہی کھلی اور حق بات کیوں نہ ہو ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور ان کے کان میں بھی قدرتی ثقل ہے گویا کہ یہ حق سن ہی نہیں سکتے (الٰہی توبہ! جب قہرِ الٰہی کا پردہ دل اور آنکھوں اور کانوں پر پڑ جاتا ہے پھر ہزار معجزے دکھاؤ جب بھی نہیں مانتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہود نے کیا کچھ کم معجزے دیکھے مگر ایمان نہ لائے) اور اسی پر بس نہیں کہ خود نہیں مانتے بلکہ لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ پھر ان کا حشر میں تاسف کرنا اور جہنم کے کناروں پر کھڑے ہو کر رونا اور دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا کہ اب ایسا نہ کریں گے بیان فرماتا ہے اور اس حسرتناک پیش آنے والے دن کی کیفیت کا نقشہ دل پر کھینچتا ہے کہ جس سے انسان کی روح کپکپا اٹھتی ہے۔ ان جملوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت اور عالمِ حشر کا ثبوت عجب لطف کے ساتھ کیا گیا ہے جس لئے یہ کلام اول کے بعد آیا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ
مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

بے شک وہ تو خرابی میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھوٹ جانا[1]۔ یہاں تک کہ جب ان پر وہ گھڑی اچانک آ پہنچے گی تو کہیں گے افسوس ہماری کوتاہی پر (جو ہم نے قیامت کے بارے میں) کی اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔ دیکھو بہت ہی برا بوجھ ہوگا جس کو وہ اٹھائے پھریں گے اور دنیا کی زندگی ہے کیا مگر کھیل اور تماشا اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ پھر تم کیا نہیں سمجھتے (اے نبی!) ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتوں سے رنج ہوتا ہے سو وہ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں اور ایسے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں' پر وہ ان کے جھٹلانے اور ایذاؤں پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور البتہ آپ کو رسولوں کا (کچھ) حال معلوم بھی ہو چکا ہے۔

تفسیر: قیامت کے منکروں کو ایک اور طور سے نادم کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو اللہ سے ملنے کے منکر ہیں' خسارہ میں پڑ گئے کیونکہ جب وہ ساعتِ موت جو قیامت کبریٰ کا مقدمہ ہے یکا یک آ جاوے گی تو حیرت کریں گے اس وجہ سے کہ قیامت کا تو ان کو یقین ہی نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کا یقین نہیں ہوتا اس کے لئے کوئی سامان کافی نہیں کیا جاتا۔ ایسی حالت میں وہ دنیا کے لذات اور یہاں کی آسائش و کامیابی کے لئے ہی دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ آخرت کے لئے کوئی سامان نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں موت کا آ جانا گویا ایک ایسی عظیم الشان مہم کا پیش آ جانا ہے کہ جس کے لئے کچھ بھی سامان نہیں کیا گیا۔ ایسے وقت میں کس قدر تاسف ہوتا ہے۔ يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ دوم وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ[2] کہ وہ جو انہوں نے گناہ کمائے ہیں اور یا جو کچھ حسرت و افسوس کا انبار ہے سب کا بوجھ ان کی پیٹھ پر لدا ہوگا جو نہایت برا بوجھ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال مرنے کے بعد متشکل ہو کر نظر آویں گے۔ برے اعمال اس پر کریہہ شکل میں سوار ہوں گے۔ اچھے اعمال کے مراکب حسنہ پر یہ سوار ہوگا اور وہ اس کے جلیس و انیس و رفیق بھی ہو جاویں گے۔ بس اس سے زیادہ کون سے نقصان کی صورت ہے کہ عمرِ چند روزہ جو سعادتِ جاودانی حاصل کرنے کے لئے ملی تھی اس کو شقاوتِ جاودانی حاصل کرنے میں صرف کر دیا گویا پانی خریدنے کو نکلے تھے' ان داموں سے زہر خرید کر پی لیا۔ قد خسروا چونکہ یہ کوتاہ نظر جو قیامت کا انکار کرتے ہیں تو محض اس وجہ سے کہ لذائذ دنیا میں ایسے مدہوش ہیں کہ جیسے لڑکے کھیل کود میں مصروف ہو کر اپنے اصلی مقاصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس

[1] یعنی یہ انکارِ قیامت اسی وقت تک ہے کہ قیامت نہیں آتی۔ پھر جب اچانک آ گئی تو حسرت کریں گے اور پیٹھ پر گناہوں کا پشتارا ہوگا۔ ۱۲ منہ

[2] وزر کی جمع اوزار ہے جس کے معنی بار۔ چونکہ وزیر بادشاہ کے تمام کاروبار اٹھاتا ہے اس لئے اس کو بھی وزیر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

لئے فرماتا ہے کہ ماالحیوۃ الدنیا۔ یہ دنیا کھیل کود ہے۔ یعنی جس طرح کھیل کود کا تھوڑا سا وقت ہوتا ہے جس کے بعد وقت ضائع کرنے پر افسوس ہوتا ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے اور دار آخرت باقی اور وہاں کے لذائذ باقی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو مشرکین قیامت اور وہاں کے حساب و کتاب کی بابت جھٹلاتے تھے آپ کو بمقتضائے بشریت رنج ہوتا تھا۔ قد نعلم الخ میں خدا آنحضرت ﷺ کی تسلی کرتا ہے کہ ہمیں ان کا جھٹلانا اور آپ کا رنجیدہ ہونا معلوم ہے۔ وہ درحقیقت آپ کو نہیں بلکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ رسول کی تکذیب دراصل اسی کی تکذیب ہے کہ جس کا وہ رسول ہے۔ سو آپ صبر کیجئے پہلے انبیاء کو بھی لوگوں نے جھٹلایا اور ایذائیں دی ہیں۔ پھر خدا کا وعدۂ مقررہ جو کسی سے ٹل نہیں سکتا آ گیا۔ وہ ہلاک ہوئے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور (اے نبی) اگر آپ[1] پر ان کا منہ پھیرنا شاق گذرتا ہے تو آپ سے ہو سکے تو کوئی زمین میں سرنگ تلاش کر کے آسمان کے لئے سیڑھی پیدا کر کے ان کو کوئی نشان لا دیجئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر آپ ہرگز نادان نہ بن جانا (کہ عذاب کی جلدی کرنے لگو) مانتے تو وہی ہیں جو (دل سے) سن سکتے ہیں[2] (کفار مردے ہیں) اور مردوں کو تو اللہ ہی زندہ کرے گا۔ پھر وہ اس کی طرف پھر کر لائے جائیں گے۔

ترکیب: ان شرطیہ اِعْرَاضُهُمْ کبر کا فاعل فَاِنِ اسْتَطَعْتَ شرط اَنْ تَبْتَغِيَ مفعول استطعت فتاتیھم جواب۔ یہ دونوں شرط بعد جواب مل کر شرط اول کی جزا ہوئے۔

تفسیر: آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جو کفار کو تامل ہوتا تھا اس کے چند خیالی سبب تھے۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر معجزات کا سوال کرتے تھے اور عادت اللہ یوں جاری نہیں کہ لوگوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کیا جاوے۔ اس لئے جب بوقت صلیب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو صاف انکار کیا (انجیل) چنانچہ ایک بار حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف چند کفار قریش کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کسی معجزہ کا خواستگار ہوا جس کا ظاہر کرنا خدا تعالیٰ نے نہ چاہا اس لئے وہ جماعت اس وقت ایمان نہ لائی۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کو (اس لئے کہ آپ کی کمال رغبت تھی کہ کسی طرح یہ قوم جو ہلاکت کے دریا میں غوطہ کھا رہی ہے نجات پاوے) شاق معلوم ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) فرماتا ہے اگر تجھے اے نبی ان کا اعراض کرنا شاق معلوم ہو تو ہوا کرے، خدا تعالیٰ کو ان ازلی گمراہوں کی کچھ بھی خاطر نہیں تو ان سے ایمان کی طمع نہ کر اور مرضی الٰہی بغیر ان کو نشان دکھانا محال ہے (اس کو

---

[1] اگر تیرے دل میں بنی آدم کی ہمدردی کا جوش ہے اور تجھے ان کا منکر رہنا ناگوار گذرتا ہے تو جو تدبیر تجھ سے ہو سکے کر گذر۔ زمین میں سرنگ لگایا آسمان پر سیڑھی اور ان کی خواہش سے ان کو معجزہ دکھا مگر جب بھی وہ نہ مانیں گے۔ ازلی گمراہ ہیں۔ یہاں ایسا ہی منظر تھا۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی جو دل سے سن سکتے ہیں وہی ایمان لاتے ہیں اور یہ زندہ دلوں کا کام ہے اور منکر مردہ دل ہیں۔ پھر مردوں کو دنیا میں کیا ہدایت ہوگی۔ ان کو تو اللہ ہی قیامت میں زندہ کرے گا۔ ۱۲ منہ

آسمان تک سیڑھی بنانے اور زمین میں سرنگ لگانے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو عادتاً محال ہے) پھر تسلی دیتا ہے کہ اللہ ہی کو منظور نہیں ورنہ وہ چاہتا تو سب کو راہِ راست پر کر دیتا (وہ قادر مختار ہے جو چاہے کرے)۔

پھر اپنی نامرضی کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان میں ہدایت کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ یہ گمراہ ازلی ہیں۔ ان کی حیاتِ روحانی جاتی رہی۔ اس کو انما یستجیب الخ کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے کہ ان میں سننے کی اور ماننے کی لیاقت ہی نہ رہی جیسا کہ مردوں میں یہ طاقت نہیں رہی۔ ہاں اب ان مردوں کا زندہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے سو وہ دنیا میں تو زندہ نہیں کرے گا نہ ان کو یہ صلاحیتِ ایمان عطا فرمائے گا۔ ہاں صرف حشر کے روز کی زندگی باقی ہے۔ سو وہ اس روز زندہ کرے گا۔ پھر اسی وقت یہ لوگ مجبوراً اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ دنیا میں تو کرتے نظر نہیں آتے۔ جیسا کوئی حاکم کہے کہ یوں تو ہمارے پاس نہیں آتے مگر گرفتار ہو کر آویں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓىِٕرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

اور (کافر) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہ کی گئی۔ کہہ دو کہ اللہ نشانی نازل کرنے پر تو قادر ہے لیکن ان میں سے بہت سے جانتے ہی نہیں[1] اور جتنے حیوانات زمین پر چلتے پھرتے اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے پھرتے ہیں سب تمہارے ہی جیسے گروہ ہیں[2] ہم نے کتاب[3] میں کوئی بات نہیں چھوڑی۔ پھر وہ سب کے سب اللہ کے پاس اکٹھے کئے جاویں گے اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ اندھیروں میں پڑے ہوئے۔ جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے یا وہ گھڑی آجاوے تو کیا تم اللہ

---

1. کہ معجزہ نازل نہ کرنے میں کیا کیا مصلحت ہے۔ ۱۲ منہ

2. یعنی جس طرح بنی آدم کے گروہوں کے جدا جدا نام اور اقسام ہیں اسی طرح ان کے بھی چیونٹی' سانپ' بچھو' چیل' چڑیا' کو اہر ایک جنس اور نوع جدا ہے اور اس طرح ان کے بھی رزق اور اجل مقرر ہے اور اسی طرح ان کو بھی ان کے انواع کے مفید علوم انعام ہوئے ہیں۔ حشرات الارض زمین میں مناسب مواقع پر بل اور سوراخ بناتے ہیں۔ پرند اونچے اونچے درختوں میں کس خوبی سے گھونسلے بناتے ہیں کہ جس سے عقلاء کی عقل کی دنگ ہو جاتی ہے۔ پھر جب حیوانات پر ہماری یہ عنایت ہے تو نوعِ انسان کو ہم امورِ آخرت سے کیونکر بے بہرہ چھوڑ دیتے۔ جہاں نہ عقلاء وحکماء کی عقل پوری رہنمائی کر سکتی ہے اس لئے ہم نے انبیاء بھیجے اور سب سے اخیر اس نبی ﷺ کو بھیجا۔ پھر بار بار کیا ان سے نشانیاں اور معجزے ہی مانگتے ہو۔

3. کتاب یعنی لوحِ محفوظ۔ ۱۲ منہ

کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) بلکہ اسی کو پکارو گے۔ پھر اگر وہ چاہے تو جس مصیبت کے دور کرنے کے لئے اس کو پکارو گے اس کو دور بھی کرے اور جن کو اس کا شریک کرتے ہو ان کو بھول جاؤ۔

ترکیب: فراء نے کہا ہے ارایت کا لفظ عرب میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک رؤیۃ العین جب کسی کو کہے گا رایتک تو اس سے مراد ارایت نفسک ہے یہ شئی و مجموع ہوتا ہے ارایتکما ارایتکم دوسرے معنی رایتک اخبرنی جب ان معنی میں استعمال ہوگا تو ت مفتوحہ لاویں گے ہر حال میں ارایتک، ارایتکما، ارایتکم، ارایتکن بصریوں کے نزدیک ارایتک میں کاف جو ضمیر ثانی ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں بلکہ یہ حرف صرف خطاب کے لیے ہے۔ فراء کہتے ہیں کاف تاکید کے لئے نہیں۔

تفسیر: منکرینِ نبوت کے شبہات کی یہ چوتھی قسم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمارے کہنے کے موافق کیوں معجزہ نہیں دکھاتے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ خدا اس پر بھی قادر ہے مگر اس قسم کے معجزات انجام کار منکروں کے قطع و برید کا باعث ہو جاتے ہیں اور نیز عادت اللہ بھی یوں جاری نہیں اور ایسے معجزات کا کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ ایسے منکر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ پھر نبوت نہ ٹھہری بھان متی کا تماشا ٹھہرا۔ ان سب باتوں کی طرف اس جملہ میں اشارہ کرتا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اس جگہ ان کے شبہات کا رد کر کے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات کرتا ہے اور اس طرح سے کہ زمین پر چلنے والوں اور ہوا پر اڑنے والے پرندوں کا خیال کرو کہ ان پر ہماری کیسی رحمت ہے۔ پھر اگر ایسے معجزات میں تمہارے لئے رحمت ہوتی تو ہم ہرگز دریغ نہ کرتے کیونکہ ہم کو قدرت ہے اور قدرت کا ثبوت بھی ان چرند پرند مخلوقات میں غور کرنے سے ظاہر ہے کہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک اور چڑیا سے لے کر باز سیمرغ تک جس نوع کو دیکھو گے اس کے انتظامات اور آفرینش میں اس کی قدرت کی نشانی دکھائی دے گی اور ثبوت اس طرح پر کہ ان تمام انواع واقسامِ حیوانات کو غور کر کے دیکھو تو وہ بھی تمہاری مثل ہیں۔ کھانے میں' پینے میں' چلنے میں' لڑنے میں' ملاپ میں' بچوں کی پرورش اور گھر بنانے میں پھر جب اس رحیم و کریم نے ان حیوانات کو بغیر ایک معلم اور سردار کے خالی نہیں چھوڑا ہاتھیوں میں بھی ایک پیشرو' چیونٹیوں میں بھی ایک پیش رو ہے علیٰ ہذا القیاس تو پھر وہ اشرفِ انواعِ حیوان یعنی انسان کو بغیر معلمِ روحانی کے کیونکر خالی چھوڑتا اور اس زمانہ میں کہ تمام عالم میں گناہوں کی اور کفر بت پرستی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ اس معلم کی زیادہ ضرورت ہے اور اس وقت میں بجز محمد ﷺ کے تم کو اور کون دکھائی دیتا ہے۔ مافرطنا سے لے کر صراط مستقیم تک یہ بات بتلاتا ہے کہ قرآن میں ہر ایک قسم کے اسرار اور دلائل ودیعت رکھے گئے ہیں مگر کفار اندھے بہرے ہیں۔ ان کو وہاں تک رسائی نہیں۔ ایک فطری بات سے اپنی ذات کا نشان دیتا ہے کہ ان ملحد اور مشرکوں سے پوچھو کہ جب کوئی سخت مصیبت کا وقت آتا ہے تو روح کا میلان اپنی اسی چیز اصلی کی طرف ہوتا ہے اگر مانع نہ ہو تو اس حالت میں اسی کو پکارتے ہیں پھر وہی خلاصی دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا

هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾

اور البتہ ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے ہیں۔ سو ہم نے ان لوگوں کو خوف اور مرض میں مبتلا کیا کہ (کہیں) عاجزی کریں۔ پھر جبکہ ان پر ہمارا عذاب آیا تو کیوں نہ عاجزی کی لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے (بد) کاموں کو (ان کی نگاہ میں) آراستہ کر دکھایا تھا۔ پھر جبکہ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اسے بھول گئے۔ ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں ان پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو یکا یک پکڑ لیا پھر تو وہ ناامید ہو گئے۔ پس ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔

ترکیب: فَلَوْلَآ کلمہ تخصیص ہے اِذْ جَآءَهُمْ ظرف ہے تَضَرَّعُوْا کا۔ زین جملہ معطوف ہے قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ پر۔ ما کانوا جملہ مفعول ہے زین کا لھم اس سے متعلق ہے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ شدائد میں کفار بتوں کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر وہ اپنی رحمت سے ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے (غالباً مکہ یا عرب کے بت پرست ایسا کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کے بھی قائل تھے۔ البتہ بتوں اور تھانوں اور دیگر خیالی معبودوں کو خدا کی طرف کا رکن سمجھ کر پوجتے اور ان کو پکارتے تھے جیسا کہ اکثر ہندو کرتے ہیں) اب یہاں یہ بات بتاتا ہے کہ اے نبی علیک السلام ان سے بھی بڑھ کر سیاہ دل قومیں گذری ہیں کہ وہ مصیبت کے وقت بھی خدا کو پکارنا بھول گئی تھیں پھر جب ان کی یہ حالت ہوئی اور انبیاء کی تمام وعظ و نصیحت کو بالائے طاق رکھ دیا تو پھر ان پر اپنی نعمت کے دروازے کھول دیے۔ غلے اور میوے ہیں کہ خوب پیدا ہوتے ہیں۔ تجارت اور صنعت میں کامیابی ہے۔ الغرض ہر ایک قسم کی خوشی اور کامیابی دیکھی گئی۔ (جیسا کہ آج کل اہلِ یورپ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو ہے) یہ اس لئے کہ سختی سے وہ خدا کی طرف رجوع نہ ہوئے۔ کاش اس راحت اور سرور میں ہی اس کی طرف رجوع کریں مگر یہ بھی نہ ہوا کیونکہ ان کے دل سیاہ ہو گئے تھے۔ وہ اس سختی اور تنگدستی کے زمانہ کو اور پھر اس راحت و سرور کے عہد کو اپنے گناہوں پر خدا کی طرف سے تنبیہ و آزمائش خیال نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی سوءِ تدبیری اور خوش تدبیری کا نتیجہ کہتے تھے۔ ان کے محقق خدا کو وہمی چیز خیال کرنے لگے کہ صاحب ہم نے یوں کوشش کی اور یہ کیا اور یوں تدبیر کی تو یوں راحتیں ہم کو نصیب ہوئیں اور ایسا نہ کیا تھا تو تنگدستی 'بد اقبالی' تھی۔ اس میں خدا نے کیا کر دیا اور خدا کیسا جیسا کہ آج کل دہریوں کے خیالاتِ فاسدہ ہیں (مانا کہ عالمِ اسباب میں بندہ کی خوش تدبیری اور بدتدبیری کو دخل ہے مگر ارضی و سماوی راحت و مصیبت میں کیا دخل ہے اور نیز خوش تدبیری اور بدتدبیری ادھر سے ہے) پس جب ان کی یہ حالت ہوئی تو ان پر خدا کی طرف سے ناگہانی بلا نازل ہوئی اور وہ قومیں ہلاک ہو گئیں۔ ایسی راحت و سرور کی حالت میں بلا آنا بھی غضب ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ جیسا کہ بابل اور نینوا اور صمور کے لوگوں کے پاس انبیاء آئے تھے۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ الخ پھر ان پر بیماری اور قحط اور بے امنی کی بلائیں بھی نازل ہوئیں۔ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ تا کہ عاجزی اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ التضرع التخفع وھو الانقیاد و ترک التمر وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل سخت ہو گئے تھے جن میں الحاد و شہوت و تکبر کے سوا اور کچھ نہ تھا اس پر زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ الخ شیطان نے افعالِ بد کو ان کی آنکھوں میں خوب جچھا دیا تھا کہ وہ ان کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ فَلَمَّا نَسُوْا پھر جب وعظ و نصیحت کو بھول گئے تو فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ان پر راحت اور سرور کے دراز ے کھول دیے۔ امتحان و آزمائش کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے گناہ کرنے پر جب انسان کو سزا نہ ملے بلکہ راحت و کشائش پیش آوے تو اس کو قہرِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے (معالم) کیونکہ یہ ایسی راحت ہے جس طرح پھانسی

دینے سے پہلے اس کو ہر قسم کے کھانے پینے کی رخصت دیتے ہیں پھر قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ سینکڑوں نشان ان کے اجاڑ شہروں میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ہلاکت کبھی زلزلہ سے ہوئی جیسا کہ کئی سو برس ہوئے کہ اٹلی میں کئی شہر اور ہزاروں آدمی غارت ہو گئے اور کبھی کسی قہار بادشاہ کے ہاتھ سے اور کبھی آسمان سے پتھر برسانے سے اور کبھی وباء اور قحط سے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ع

(اے نبی!) کہو تم دیکھو تو سہی اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) معبود ہے جو تم کو انہیں لا کر دیوے۔ دیکھو ہم کیونکر طرح طرح سے دلیلیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ کہو تم دیکھو تو سہی اگر تم پر عذاب الٰہی یکا یک یا کھلم کھلا آ پڑے تو ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا؟ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا کرتے ہیں۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور نیک ہو جائے تو اس پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کرے گا۔ جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ان کی بدکاری کی وجہ سے عذاب پہنچے گا (اے نبی!) کہہ دو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب داں ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی کا پیرو ہوں جو مجھے الہام ہوتا ہے پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ پھر تم کیوں نہیں سوچتے؟

ترکیب: اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ شرط من اله جملہ جواب ارایتکم میں کاف کوئی اسم مستقل نہیں جس کو ارایت کا معمول بنایا جاوے بلکہ وہ حرف خطاب ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفعول محذوف ہے ارایتکم عبادتکم الاصنام۔

تفسیر: وہ ملحد جو کامیابی اور ناکامی کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہیں ان کا جواب دیتا ہے کیونکہ ارضی وسماوی بلیات میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ وہ عالم غیب سے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کی تمام صنعت اور دانش اور تدابیر کے آلات کان اور آنکھ اور دل ہے۔ اگر ان میں فتور ہے تو پھر کچھ نہیں

ا بابل اور نینوا کو اس وقت کی ترقی اور ترفہ میں لندن اور پیرس سے کچھ کم نہ تھے مگر ان پر کیا موقوف ہے۔ ہزاروں جگہ زمین کھودنے کے بعد شاہی محل اور سلطانی بارگاہوں کے نشان برآمد ہوتے ہیں۔ بہت سے شہر پہاڑ میں سے ایک قسم کا دھات سا گرم مادہ بہنے سے دفعتاً ہلاک ہوئے ہیں اس کے غضب سے ڈرنا چاہیے چند روز ہوئے کشمیر میں بہت۔ یہ لوگ زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

اور یہ سب اسی کی نعمت ہے۔ اس میں بندہ کو کیا دخل ہے۔ اس کی طرف اس میں اشارہ کرتا ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ الخ اور مشرکین پر بھی ایک چابک مارتا ہے کہ بھلا یہ چیزیں تمہارے کون سے معبود کے قبضہ میں ہیں۔ پھر ایسی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی بہکے جاتے ہو۔ پھر قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ ہم جس طرح فرادی فرادی ہر شخص کے بلا پر قادر ہیں اسی طرح قوموں کے عذاب سے جھرۃ کہ اس کے پہلے سے علامات دکھا کر اور بَغْتَةً کہ بے علامات کے یکا یک آفت بھیج کر بھی ہلاک کر سکتے ہیں کہ جس کے ظالم ہی مستحق ہیں۔ یہاں تک منکرینِ ذاتِ الٰہی اور نبوت کے شبہات کا جواب دیا جو وہ اپنی دنیاوی نعماء کے گھمنڈ پر طرح طرح کے معجزات طلب کرنے کے پیرایہ میں شبہات کرتے تھے۔ اس کے بعد انبیاء کے بھیجنے کی اصل غرض ظاہر کرتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ الخ کہ رسول صرف دنیا میں نیک و بد کے کام کے نتائج خیر و شر سے مطلع کرنے کو آتے ہیں باقی معجزات سو وہ ہمارے اختیار میں ہیں۔ جب مناسب جانتے ہیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے جو منکرین کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں بہت سا مال دے دیجئے یا زمین کے مدفون خزانے بتلا دیجئے اور بعض یہ شبہ کرتے تھے کہ پھر آپ کیوں کھاتے پیتے ہیں؟ ان کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَقُوْلُ کہ ان سے کہہ دے نہ تو میرے پاس خزانے ہیں نہ میں غیب داں ہوں کہ تم کو دفائن بتلاؤں نہ میں فرشتہ ہوں کہ جو نہ کھاؤں نہ پیوں انسان ہوں اس کی وحی اور الہام کا پابند ہوں۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ
مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ
مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

اور (اے نبی!) اس قرآن سے ان لوگوں کو ڈر سناؤ کہ جو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے سے ڈرتے ہیں حالانکہ ان کے سوا ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا تاکہ وہ بچتے رہیں اور (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو نہ نکالئے جو اپنے رب سے صبح و شام مناجات کرتے ہیں (اور) اسی کی رضامندی ڈھونڈتے ہیں نہ آپ پر ان کا کچھ حساب ہے اور نہ آپ کا ہی کچھ حساب ان پر ہے۔ آپ ان کو دھتکار دیں گے' آپ ظالموں میں ہو جاویں گے اور ہم نے ایک کا دوسرے سے ہی[۲]

[۱] ابن عامر غدوۃ اور العشی کو اس جگہ اور سورہ کہف میں واو اور ضمہ غین سے پڑھتے ہیں اور باقی بالالف پڑھتے ہیں جیسا کہ زکوٰۃ و صلوٰۃ کو نکرہ سمجھ کر۔

[۲] یعنی ہم نے دنیا میں امیر و غریب پیدا کئے اس امتحان کے لئے کہ امیر نیک غریبوں کو ان کی افلاس کی حالت میں دیکھ کر ان پر تکبر و نخوت کرتے ہیں یا اپنی نعمت کا شکر یہ۔ ۱۲ منہ

امتحان کیا ہے تا کہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے ہم میں سے عنایت کی ہے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا اور جب کہ آپ کے پاس وہ لوگ آویں کہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو سلامتی ہو تم پر تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کرنا لازم کر کے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانستگی سے کوئی برا کام کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک ہو جاوے تو اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے اور ہم یوں (اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں (تا کہ لوگ سمجھیں) اور تا کہ گنہگاروں کا رستہ (صاف) معلوم ہو جاوے۔

ترکیب: یخافون کا مفعول ان یحشروا جملہ لیس لھم ضمیر فاعل یحشروا سے حال ہے غداۃ کی اصل غداوۃ ہے۔ العشی کو بعض مفرد کہتے ہیں۔ بعض جمع عشیۃ یریدون حال ہے من شیء سے من زائدہ اور شیء مبتداء ہے علیك اس کی اصل خبر من حسابھم صفت شیء اس پر مقدم ہوگئی۔ اس لئے حال ہوگئی فتطرد جواب ہے ما نافیہ کا اس لئے منصوب ہوگیا گویا کہ یہ جواب النہی ہے ای لاانظر۔

تفسیر: پہلے تھا کہ انبیاء خدا کی طرف سے خوشی اور ڈر سنانے کو آتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس جگہ ڈر سنانے کا حکم ہوتا ہے اور خوف کو اس لئے یہاں ترجیح دی کہ منافع حاصل کرنے سے جو خوشی کا محل ہے اپنے نفس سے مضرت کا دور کرنا جو محلِ خطر ہے مقدم اور ارجح ہے اور خوف سنانے میں ان لوگوں کو مخصوص کیا کہ جو خدا کے پاس حاضر ہونے کے دن سے ڈرتے ہیں کہ جہاں اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی۔ اس لئے کہ دراصل خطرناک باتیں سن کر یہی لوگ پرہیز کیا کرتے ہیں اور جس کو قیامت کا یقین ہی نہیں وہ اس وعظ و پند اور خطرناک باتوں سے منتفع کم ہوتا ہے اور اس میں اثباتِ حشر کی طرف بھی ایک عجیب لطف کے ساتھ ایماء ہے اور منکرینِ حشر پر وہ تعریض ہے جو نفس پر اثر کرتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ الخ سے مراد کفار ہیں کیونکہ ڈر تو خدا کے پاس جانے سے انہیں کو ہونا چاہیے سو ان کا ڈرانا زیادہ مقصود ہے اور قوی یہ ہے کہ آیت میں عموم ہے۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ چونکہ انذار کا حکم ان کے لئے تھا کہ جو قیامت پر ایمان رکھتے اور اپنے رب کے پاس حاضر ہونے سے اپنے قصورِ اعمال کی وجہ سے ڈرتے ہیں اور جبکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت مکہ میں بیشتر غرباء اور فقراء ہی قیامت پر ایمان لانے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے جن کو مکہ کے دولت مند اور رئیس کفار بنظرِ حقارت دیکھتے تھے اور خدا کی بادشاہت میں دخل ہونے کا مستحق نہ سمجھتے تھے بلکہ وہاں سے نکالے جانے کے قابل دنیا پر قیاس کر کے اس لئے آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ تم ان پاک بازوں کو جو صبح اور شام اللہ کو اللہ ہی کے لئے پکارتے اور یاد کرتے ہیں عام ہے کہ نماز پڑھنے یا ذکر کرنے یا دعا کرنے سے ہو یعنی یہ گروہِ طالبانِ مولیٰ ہے ان کی حقارت و ذلتِ ظاہری کا اے مخاطب تجھ سے کچھ حساب نہیں اور نہ آپ کا کچھ محاسبہ ان سے ہے یعنی یہ کسی کا کیا لیتے ہیں اور کسی کو کیا دکھ دیتے ہیں جو ان سے اعراض کیا جاوے اور جو ان سے اعراض کرے گا تو خود خسارہ میں پڑے گا اور دولتِ دنیا اور اس کے اسبابِ مفاخر ہمارے ہاں کوئی عزت و امتیاز کی علامت نہیں۔ یہ دنیا میں ایک دوسرے کی آزمائش کے لئے ہے تا کہ غریب کو دیکھ کر امیر شکر بھی کرتا ہے کہ نہیں اور تا کہ متکبر لوگ ان فقراء کو دیکھ کر طعن کی راہ سے یہ کہیں کہ کیا وہ یہی ہیں کہ جن پر ہم میں سے خدا نے احسان کیا ہے کہ ان کو دینی بزرگی دی یا یوں کہو کہ مفلس لوگ اغنیاء کو دیکھ کر یہ کہیں کہ خدا نے ان کو نعمت دی۔ ان کو شکر ہم کو صبر کرنا چاہیے اور جو شکر کرے گا تو وہ خدا سے مخفی نہ رہے گا۔ پھر اس جماعت کی نسبت حکم دیتا ہے کہ اے نبی جیسا یہ تیرے پاس آویں تو آپ ان کو سلام کہیں اور یہ مژدہ سنائیں کہ خدا نے تمہارے لئے اپنی ذات پر مہربانی کرنی لازم کر لی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نادانستگی سے گناہ کر لے گا پھر اس کے بعد تائب اور صالح ہو جائے گا تو خدا معاف کر دے گا۔ نہ آنحضرت ﷺ نے اس گروہ کو اپنے پاس سے نکالا تھا نہ نکالنے کا قصد کیا تھا بلکہ یہ حکم صرف ان متکبرین کے مقابلہ میں دیا گیا ہے تا کہ ان کی عزت و حرمت ثابت ہو۔ عطا نے کہا ہے کہ اس جماعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ان میں خلفاءِ اربعہ اور بلال و سالم وابی عبیدہ و مصعب بن عمیر و جعفر وابن مظعون و عمار بن یاسر و ارقم بن ابی ارقم وابی سلمۃ بن عبدالاسد ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ سلمان اور خباب فرماتے تھے کہ یہ ہمارے لئے نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ ہم فقراء کے ساتھ نہایت انس و

محبت کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

چونکہ یہ سورہ باتفاق مفسرین مکہ میں یکبارگی نازل ہوئی۔اس لئے اس کی ہر ہر آیت کے لئے ایک جداگانہ شان نزول ہونا خیال میں نہیں آتا کہ فلاں آیت یہ ہوا تھا تو نازل ہوئی اور فلاں اس میں۔اس لئے ان آیات کے صاف صاف معنی ہم نے اوپر بیان کر دیے جس میں کوئی قصہ طلب بات نہیں کہ جس کے لئے کوئی خاص شانِ نزول تلاش کرنا پڑے لیکن مفسرین نے **ولا تطرد الذین الخ** کے لئے مختلف شانِ نزول نقل کئے ہیں۔تفسیر کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک بار آنحضرت ﷺ کے پاس قریش کے معززوں کی ایک جماعت گذری اور آپ کے پاس اس وقت صہیب اور بلال اور عمار و خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم فقراء حاضر تھے۔ان کو دیکھ کر قریش نے کہا کہ آپ نے کیا انہیں کو پسند کر لیا؟ اب ہم ان کے مطیع بنیں؛ اگر آپ ان کو دھتکار دیں تو شاید ہم لوگ آپ کے تابع ہو جاویں۔آپ نے اس سے انکار کیا۔پھر کہا اچھا جب ہم آویں تب ان کو اٹھا دیا کریں۔اس پر آپ نے کفار قریش کے ایمان لانے کے لئے ہاں کر دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔معالم التنزیل میں اقرع بن حابس تمیمی وعیینہ بن حصین فزاری کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے یہ بات چاہی تھی اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی تنفر کیا ہو۔فقیر کے نزدیک اس شانِ نزول کے معنی وہ ہیں جو مقدمۂ تفسیر میں ذکر ہوئے کہ مکہ کے سرداروں نے یا اور متکبروں نے فقراء المسلمین کے ساتھ مل کر بیٹھنا پسند نہ کیا۔اس پر آنحضرت ﷺ کے دل میں ان آیات نازل شدہ کا القاء ہوا گویا یہ القاء ہونا نازل ہونا ہے۔اس تقدیر پر سب روایات میں بشرط ثبوت توافق ممکن ہے واللہ اعلم۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۲

(اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ بے شک مجھے ان چیزوں کے پوجنے سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (اور یہ بھی کہہ دو) میں تمہاری خواہشوں کی

پیروی کرنے والا نہیں (اگر ایسا کروں) جب تو میں گمراہ ہو چکا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہا۔ کہہ دو میں تو اپنے رب کے ہاں کی ایک دلیل پر ہوں حالانکہ تم اس کو جھٹلا چکے ہو جس کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ بے شک حکم تو اللہ ہی کا حکم ہے جو حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے عمدہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہہ دو اگر میرے اختیار میں وہ بات ہوتی کہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہی ہو چکتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کو خشکی اور تری کی سب چیزیں معلوم ہیں اور کوئی ایسا پتہ نہیں جھڑتا کہ جس کو وہ نہ جانتا ہو اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں ہے اور نہ کوئی ایسی تر اور خشک چیز ہے کہ کتابِ مبین میں نہ ہو (یعنی لوحِ محفوظ میں)۔ اور وہی تو ہے جو رات کو تمہیں مردہ کرتا ہے اور تم نے جو کچھ دن میں کیا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھا بٹھاتا ہے تاکہ وعدہ مقرر پورا ہو پھر تم کو اس کی طرف پھر کر جانا ہے۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

ترکیب: اذاً ای ان اتبعتھا گویا قد ضللت وما انا جواب ہیں شرط محذوف کے بمفاتح جمع مفتح بالفتح کی جس کے معنی خزانہ کے ہیں اور مفتح یا مفتاح بمعنی کلید اس کی جمع مفاتیح آتی ہے الا فی کتاب ای الاھو فی کتاب۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ گنہگاروں کا طریقہ معلوم ہو جاوے کیونکہ جو آیاتِ الٰہی کے خلاف طریق ہے وہ گنہگاروں کا رستہ ہے۔ اب یہاں وہ گنہگاروں کا رستہ بتلاتا ہے کہ ان مشرکوں سے کہہ دو مجھے اللہ کے سوا اور کسی چیز کے پوجنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور ان سے یہ کہہ دو کہ یہ بلا دلیل و برہان جو تم نے اپنے اوہامِ باطلہ سے سینکڑوں معبود بنا رکھے ہیں۔ میں تمہارا اس امر میں کہا نہ مانوں گا اگر ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور یہ بھی کہ توحید پر جو میں قائم ہوں میرے پاس خدا کی طرف کی دلیل ہے کہ جس کو تم نہیں جانتے وہ یہ کہ اس کے سوا جو کچھ ہے محتاج ہے۔ پھر محتاج کا پوجنا کس عقل کا حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ ان کی بت پرستی پر ان سے عذابِ الٰہی کا آنا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس کو سن کر وہ جھوٹ جان کر یہ کہتے تھے کہ اچھا ابھی وہ عذاب آ جاوے چونکہ خدا کے ہاں ہر بات کا وقت مقرر ہے اس کی مصلحت اور اس کے حکم کی وجہ سے اور نیز انتظامِ عالم بھی یہ نہیں کہ جہاں بندوں نے سرکشی کی ان پر آسمان پر سے پتھر برسا کے ان کو ہلاک کر دے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو ماعندی ما تستعجلون کہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے قبضہ میں نہیں اگر میرے قبضہ میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں ابھی فیصلہ ہو جاتا یہ سب باتیں اللہ ہی کے حکم میں ہیں جو ہر چیز کی مصلحت جانتا اور اسی کے موافق کارروائی کرتا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ اس کے اس حکم و تحمل سے یہ نہ خیال کرو کہ وہ تمہیں بھول گیا یا وہ تم سے واقف نہیں بلکہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ کہ وہ خوب جانتا ہے۔ پھر اپنی غیب دانی ظاہر فرماتا ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ مفتح بالفتح خزانہ اس سے استعارہ ہے مکانِ غیب کی طرف' گویا وہ ایک خزانہ ہے جس میں امورِ غیب سربمہر رکھے ہوئے ہیں کہ جن تک بجز ان خزائن کے مالک حق سبحانہ کے اور کسی کی رسائی نہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ عندہ خزائن الغیب اور بالکسر بمعنی مفتاح یہ معنی ہوں گے اے عندہ مایتوصل بہ من خزائن الغیب یعنی سب ممکنات پر اسی کو قدرت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ تمام عالم خواہ جواہر خواہ اعراض سب کا فاعل یعنی پیدا کرنے والا وہی ہے اور فاعلِ مختار کو اپنے مصنوعات کا علم ہونا ضروری بات ہے یا یوں کہو وہ تمام مخلوقات کا مبداء ہے اور مبداء کا علم آثر کے علم کو مقتضی ہے جس سے اس کا تمام عالم کا عالم ہونا لازم آیا۔ یہ ایک ایسا حکمِ عقلی ہے کہ جس پر احاطہ کرنا عقولِ صافیہ کا کام ہے۔ عالمِ حس کے باہر جس قدر بطون ہیں وہ ہمارے لحاظ سے سب عالمِ غیب ہیں۔ پھر ان میں جو کچھ ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں پھر اس حکمِ عقلی کی توضیح کے لئے عقولِ عامہ کے سمجھانے کے واسطے چند نمونے بیان کرتا ہے: (۱) يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ وہ خشکی اور تری کی سب چیزیں جانتا ہے۔ جب انسان بر یعنی جنگل اور اس کی وسعت اور اس کے پہاڑوں اور غاروں اور بے شمار درختوں اور جڑی بوٹیوں کو تختۂ خیال پر رکھ کر نظر کرے گا اور پھر سمندر کی وسعت اور اس کی بیشمار مخلوقات کا تصور کرے گا اور سب کو اس کے بحرِ علم کا ایک قطرہ سمجھے گا تو کس قدر مفاتح الغیب

کے معنی ذہن نشین ہوں گے۔ (۲) مَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا کہ برگی چیزوں کا علم اجمالی نہیں بلکہ ہر ایک پتے کو بھی جانتا ہے تو اور بھی ذہن میں وسعت ہوگی۔ (۳) وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ کہ بھلا جو چیزیں تمہیں دکھائی دیتی ہیں اور ظاہر ہیں ان کا علم تو ہے ہی وہ تو زمین کے اندر مخفی چیزیں بھی جانتا ہے۔ یہاں سے عالم غیب کی طرف ذرا سا رخ کیا۔ (۴) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کہ اس سے بھی آگے بڑھو۔ تمام کائنات اور جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب کتاب مبین میں ہے کتاب مبین لوحِ محفوظ یعنی اس کے علم کا ایک مرتبہ یہ عجب نورانی تختہ ہے کہ جس میں تمام کائنات کا عالمِ ظہور میں آنے سے پیشتر ہی نقشہ کھنچ گیا ہے یعنی ازل میں پھر اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس کے بعد عالمِ حشر میں جمع کرنے اور مار کر زندہ کرنے اور وہاں جزاء و سزا دینے پر قادر ہونا انسان کی روزمرہ حالت سے ثابت کرتا ہے جو اس کی ان باتوں پر قدرت رکھنے کا پورا پورا فوٹو ہے یا عکسی تصویر۔ اور وہ انسان کا ہر روز مرنا اور صبح کو زندہ ہو جانا یعنی جاگنا اور سونا ہے۔ سوتے میں گو روح کی جسم سے مفارقت نہیں ہوتی مگر عالم حس سے منہ پھیر کر عالم خیال میں اپنی مدرکات کی سیر کرنے اور ان کے نتائج دیکھنے میں جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے موت کے ساتھ کہ اس وقت اس عالم سے غفلت اور دوسرے عالم میں اپنے کئے کو دیکھتا اور ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ پوری پوری تشبیہ ہے سو اس کو هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىکُمْ الخ میں بیان کرتا ہے۔ اعجازِ بیان اس کو کہتے ہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲

اور وہی اپنے بندوں پر بالا دست ہے اور وہ تم پر (ملائکہ) نگہبان بھیجا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ جاتی ہے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ کمی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کے آگے حاضر کئے جاتے ہیں جو ان کا برحق مالک ہے۔ دیکھو اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب: ویرسل ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو اور یہ بھی کہ یتوفکم پر معطوف ہو۔ مولٰھم الحق دونوں اللہ کی صفت ہیں۔ الحکم مبتدا لہ خبر مقدم وھو اسرع الخ جملہ لہ ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور معطوف بھی جملہ مقدمہ پر۔

تفسیر: اس جگہ اور دوسری طرح سے اپنی قدرت اور حساب و حشر کا برحق ہونا بھی انسان کی حالتِ اندرونی و بیرونی سے ثابت کرتا ہے تاکہ اس بے صبرے انسان کو جو بن دیکھے خدا پر اور بن دیکھے مرنے کے بعد کے حالات پر تردد کرتا ہے یقین ہو جاوے۔ (۱) وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ کہ اس کا اپنے بندوں پر قبضہ و اقتدار ہے۔ جب انسان اپنی ابتداءِ آفرینش کو دیکھتا ہے کہ ایک پانی کا قطرہ تھا۔ پھر رحم میں اس کے ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء کا درست کرنا، ہر چیز اس کے موقع پر لگانا، قویٰ عطا کرنا اور پھر کشاں کشاں اس کو باہر لانا اور ہر طرح کے کمالاتِ جسمانی اور روحانی سے مزین کرنا اور پھر بے اختیار اس کو کشاں کشاں دوسرے عالم کی طرف منزل بمنزل لے جانا۔ جب تک اس عالم کے منازل طے کرتا تھا (اور وہ منازل اس کی حیات کے لیل و نہار ہیں) تو اس پر اس کی طرف کے نگہبان مقرر تھے یعنی ملائکہ جو اس کو بلیات سے محفوظ رکھتے تھے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے:[1] لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ

ف: سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ مشرکوں کا برا طریقہ اور اس برے طریقہ پر چلنے والے کو سزا اور اپنا اس سزا پر قادر ہونا بیان کیا ہے اور اپنی ذات و صفات کے متعلق کس قدر اسرار ہیں فرمایا گیا ہے کہ جس کا مثل بیان کرنا بشر سے محال ہے۔ ۱۲ منہ

[1] ان آیات میں وجودِ ملائکہ پر تصریح ہے کیونکہ اعمال کا لکھنا قویٰ کا کام نہیں۔ ۱۲ منہ

اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ۔ اور وہ اس کے اعمال بھی لکھتے ہیں اور اس کے قوائے بدنیہ بھی نگہبانِ الٰہی ہیں۔ (۲) اور جب دوسرے عالم کی سڑک پر آیا تو حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ اس کے اس جسم سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے اور اس جسم سے (کہ جس کی حفاظت گلنے سڑنے سے روح کرتی تھی اور روح کے کمالات کا جسم آلہ تھا) تعلقِ بستہ کو کاٹنے کے لئے ملائکہ کا آنا۔ (۳) اور پھر اس کو مولیٰ حق کے پاس لے جانا اس کے قبضہ واقتدار اور بندہ کے عجز کی پوری دلیل ہے۔ اس سفر کا اور اس میں انسان کی بے کسی اور اضطراری کا ہر شخص مقر ہے۔ آخر کوئی تو ہے جو اس کا دل چاہے یا نہ چاہے مگر اس کو جوان پھر بڑھا کرتا ہے۔ اس کے سفر کے یہی منازل ہیں کہ جس میں بے اختیار گھستا جاتا ہے۔ اگر کہو انسان کے قویٰ جب کم تھے صغر سنی تھی اور جب زیادہ ہوتے گئے' جوانی شروع ہوئی اور جب کم ہونے شروع ہوئے' بڑھاپا آیا اور جب کم ہو گئے یا کوئی عارضہ پیش آ گیا۔ چراغ ٹھنڈا ہو گیا (اور یہی موت ہے اور یہ تمام حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے) تو اس پر یہ کہا جاوے گا کہ آخر ان قویٰ میں کسی کا تصرف ہے۔ کون کم زیادہ کرتا ہے' کون کمی زیادتی کے اسباب بہم پہنچاتا ہے۔ ضرور وہ اس کے جسم سے باہر اور ہے سو وہ بجز اللہ کے اور کوئی نہیں کہ جس کی طرف تمام علل واسباب کا سلسلہ تمام ہوتا ہے۔ ردّ کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ یہ خدا کے ہی پاس سے آیا تھا جو پھر وہیں چلا ہے۔ اس قبضہ کے بعد اَلَا لَهُ الْحُكْمُ گویا دلیل پر نتیجہ مرتب کر دینا ہے حکم فطری اور شرعی سب اسی کو ہیں اور اسرع الحاسبین میں انسان کی اس مہلتِ چند روزہ کی بے ثباتی کی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

(اے نبی! ان سے) پوچھو کون ہے جو جنگل اور دریا کی اندھیریوں سے بچا کر لایا کرتا ہے جس سے نہایت عجز اور چپکے چپکے دعا کیا کرتے ہو (اور کہتے ہو) اگر تو نے ہم کو اس بلا سے بچا دیا تو ضرور ہم تیری شکر گذاری کیا کریں گے۔ سو (ان سے) کہہ دو اللہ ہی تم کو اس بلا سے اور ہر بے چینی سے نجات دیا کرتا ہے۔ پھر بھی تم شریک ٹھہراتے ہو۔ کہہ دو وہی اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ تم پر اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب نکال کھڑا کر دے یا تم میں نااتفاقی ڈال دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ (دیکھو) ہم کیونکر پھیر پھیر کر ان سے آیتیں بیان کر رہے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

ترکیب: تدعونه موضع حال میں ہے ضمیر مفعول سے جو ینجیکم میں ہے۔ اسی طرح تضرعا وخفیه۔ بعض نے خفیة[۲] کو خیفة بھی پڑھا ہے۔ من الخوف من فوقکم او من تحت متعلق یبعث۔

[۱] عام حمزہ کسائی نے ینجیکم کو بالتشدید باقی نے بالتخفیف پڑھا ہے۔ نجا اور نجّا ایک معنی میں آیا ہے۔ الشیع الشیعة کی جمع ہے جیسا کہ اشیاع ہے۔ شیعہ ایک دوسرے کے تابع یلبس شیعکم یخلط امرکم۔

[۲] خفیة ضد آشکارا یہ عام قراء کا مذہب ہے، عاصم کی روایت میں کسرہ ہے یہاں بھی اور اعراف میں بھی خیفة اول اخفاء سے دوم خوف سے ہوگا۔ معالم ۱۲ منہ

تفسیر: یہ ان دلائل میں سے ہے جو اس کے کمال وقدرت اور رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ایک اور قسم ہے عرب کے مشرکین جنگلوں اور سمندر میں تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ پھر وہ جنگل کی اندھیریوں میں جو رات اور ابر اور درختوں کی وجہ سے زیادہ ہوا کرتی ہے' راہ بھول جاتے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے۔ اسی طرح سمندر میں رات اور ابر کی اندھیریوں میں جب دریا میں طوفان آتا اور گویا موت کے دروازہ پر پہنچ جاتے تب اس وقت نہایت گریہ وزاری سے خدا کو پکارتے اور دعا کرتے کہ اگر اب کے اس سے بچا دیا تو ہمیشہ شکر کیا کریں گے۔اس حال کو خدا یاد دلا کر فرماتا ہے کہ ایسی حالت میں اور اسی طرح ہر بیقراری کے وقت وہی نجات دیتا ہے۔ پھر تم اس کے ساتھ اوروں کو شریک بناتے ہو؟

مقصود یہ ہے کہ ایسی شدت کے وقت انسان فطرتی طور پر اپنے اصلی مرکز اور حقیقی معبود کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ اس وقت عوارضِ وہمانیہ دور ہو جاتے ہیں۔ پس اگر دراصل صرف ایک وہی مدبرِ عالم اور کارساز نہیں ہے تو اس کی طرف ایسی بیقراری میں رجوع کیوں ہے اور اس رجوع کے بعد مشکل کشائی کیوں ہے؟ اس آیت میں شرکِ خفی کے رد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لئے کہ ایسی حالت میں چار باتیں ہوتی ہیں۔ دعا' تضرع' اخلاص بالقلب جیسا کہ خفیہ سے ثابت ہے' ہمیشہ شکر گذاری کرنے کا وعدہ جیسا کہ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ سے ثابت ہے اور جب انسان اس تہلکہ سے نجات پا کر اپنی اس حالت کو بھول گیا اور اسباب ظاہرہ کی طرف منسوب کیا تو شرک ہوا۔قل هو القادر علی یہاں حالتِ حضر سے اپنی قدرت ویکتائی پر دلیل قائم کرتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ جنگل اور دریا ہی میں اس کے قبضہ میں تھے حضر میں نہیں بلکہ وہ حضر میں بھی تم کو کئی طور سے ہلاک کرنے پر قادر ہے یا تو اوپر سے یعنی آسمان سے کوئی عذاب نازل کرے پھر پتھر برسا دے' ژالہ باری کرے' بجلی سے تباہ کر دے یا نیچے سے عذاب بھیج دے۔ زلزلہ خسف بہتیری باتیں ہیں یا تم میں باہم پھوٹ ڈال کر ایک دوسرے کا عذاب چکھا دے۔ باہم اتفاق عجب نعمت و برکت ہے۔ گھر میں ہو تو گھر کا لطف' قوم اور ملک اور ملت میں ہو تو اور بھی لطف۔اس کے خلاف میں ویسا ہی عذاب دیتا ہے۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین چیزیں مانگیں جن میں سے دو ملیں ایک نہ ملی۔ یہ بھی منظور ہوا کہ تیری امت پر کوئی غیر مسلط ہو کر استیصال نہ کرنے پاوے گا اور یہ بھی کہ قحط سے ہلاک نہ ہوں گے مگر تیسری بات آپس کی پھوٹ نہ ہو۔ یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ اس لئے عہدِ خلفاء سے لے کر پھوٹ شروع ہوئی۔ وہ برکت جاتی رہی گو اور مذاہب میں بھی پھوٹ ہے۔ آئمہ میں مذہبی اختلاف بھی آ گیا۔اس کی حکمتِ غامضہ ہے۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

ع ۸ / ۱۴

اور آپ کی قوم نے تو اس کو جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق تھا تو کہہ دو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر ایک پیشین گوئی کا ایک وقت مقرر ہے اور تم ابھی جان لوگے اور جبکہ آپ ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو ہماری آیتوں میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں تو ان سے ٹل جاؤ جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگیں اور جو کبھی آپ کو شیطان فراموش کرا دے تو آپ یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں اور پرہیز گاروں پر ان ظالموں کی کچھ بھی جوابدہی نہیں۔ البتہ نصیحت کر دینا چاہیے۔ شاید وہ ڈرنے لگیں اور (اے نبی!) جنہوں نے کہ اپنا دین کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے ان کو چھوڑ دو اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور ان کو اس (قرآن) سے نصیحت کرتے رہو تا کہ کوئی شخص اپنے اعمال میں باندھا نہ جاوے (گرفتار نہ ہو جاوے) اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے اور وہ جس قسم کا بھی تاوان دے گا تو اس سے قبول نہ کیا جاوے گا۔ یہی ہیں وہ لوگ کہ جو اپنے اعمال میں گرفتار کئے جائیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کو سخت عذاب الیم ہوگا۔

ترکیب: لست علیکم متعلق ہے وکیل سے مستقر مبتداء لکل خبر من شیء من زائدہ ہے من حسابھم حال ہے والتقدیر شیء من حسابہم۔ ان تبسل مفعول لہ ہے ای مخافۃ ان تبسل الابسال المنع ای ترتھن فی جہنم بما کسبت (ابن عباس رضی اللہ عنہما) وقیل ان تبسل ای لان لا تبسل ای لاتسلم نفس للہلاک بما کسبت۔

تفسیر: ان خوف و عذاب کی باتوں کو سن کر بجائے تصدیق و عبرت کے مکہ کے مشرکین ان کی تکذیب کر کے آنحضرت ﷺ سے عذاب آنے کا وعدہ لیتے تھے کہ اگر فلاں روز عذاب آیا تو ہم تیری مان لیں گے اور اسلام قبول کر لیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان حق باتوں کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا۔ (بعض کہتے ہیں بہ کی ضمیر قرآن یا اسلام یا الیوم الموعود کی طرف پھرتی ہے) اور آپ پر ان کا ہدایت قبول کرانا لازم نہیں۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں اور رہا ان کے کہنے پر عذاب یا قیامت کا آنا سو یہ بھی نہیں کیونکہ ہر بات اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جو بہت سے مصالح اور انتظامِ عالم کے لحاظ سے ایک وقت پر منحصر ہے۔ تمہاری جلدی اور نادانی سے خدا ایسا نہیں کہ ابھی آسمان سے پتھر برسا کر یا آندھی یا زلزلہ کے صدمہ سے نسل قطع کر دے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ مشرکینِ مکہ تکذیب کے سوا قرآن اور ارکانِ اسلام کے ساتھ تمسخر بھی کیا کرتے تھے۔ ایک احمق نے تمسخر کی کوئی بات کہی۔ دس بیس لڑکوں نے اس کے ساتھ قہقہہ لگایا۔ اس سے مسلمانوں کو جو اتفاقاً ان کی مجالس میں جا بیٹھتے تھے بڑا رنج ہوتا تھا اور طبیعت مکدر ہوتی تھی۔ اس لئے حکم آیا کہ تم وہاں نہ بیٹھو۔ اٹھ کھڑے ہوا کرو کیونکہ منع کرنے اور رد کی تو قدرت نہیں۔ اب وہاں بیٹھ کر ان کی محفل میں شریک ہونا اور اسلام کا مضحکہ اڑوانا ناروا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں لگ جاویں یا یوں کہو کہ ان کی محفل میں نہ بیٹھو تا کہ اس کے بعد وہ اور دوسری بات میں تمسخر نہ شروع کریں اور جو بھولے سے بیٹھ جاؤ جب یاد آ جاوے تو ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوا کرو۔

جب کفار کی یہ عادت تھی کہ وہ عموماً اپنے جلسوں میں اسلام کی ہجو کیا کرتے تھے اور ایسے جلسوں میں اہلِ اسلام کو ان کے ساتھ شریک ہونے کی ممانعت ہوگئی تو ان کو وعظ و نصیحت کیونکر ہو؟ اس بات سے اہلِ اسلام کو فکر ہوئی کہ ہمارا منصبِ وعظ ترک ہوا۔ یہ لوگ جو

معاصی و شرک کریں گے نہ ممانعت کرنے سے ہم سے بھی مؤاخذہ ہوگا۔ اس لئے یہ فرمادیا وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ کہ پرہیزگاروں پر یعنی اہلِ اسلام پر ان کفار کا کچھ حساب دینا نہ ہوگا کیونکہ جو گناہ کرتا ہے وہی اس کا بدلہ پاتا ہے۔ اپنے برے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ نہ اہلِ اسلام وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو ان کو نصیحت کر دینی چاہیے تاکہ وہ بھی پرہیزگاری اختیار کریں۔ کفر و بت پرستی سے باز آویں۔ نصیحت کے لئے ان کی مجالس میں شریک ہونے کی اجازت ہوئی۔

اس کے بعد ان کفار کے دین کا لغو ہونا اور آخرت میں معذب ہونا ظاہر کر کے ان سے بے اعتنائی اور آنکھوں میں ان کی بے وقری پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بقولہ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا الخ کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو یعنی دل میں ان کے تجمل اور ان کے برخلاف ہونے کو کچھ جگہ نہ دو۔ تھوڑی سی زندگی ہے جس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اس پر ریجھے ہوئے ہیں۔ پھر تو عالمِ آخرت میں انسان اپنے کئے سے ماخوذ ہوگا نہ وہاں کوئی خدا سے زبردستی بچا سکے گا۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ اور نہ کوئی سفارش کر سکے گا وَلَا شَفِيْعٌ اور جو کچھ تاوان یا بدلہ فدیہ یہ دے کر چھوٹنا چاہے گا جیسا کہ دنیا میں جرمانہ بھگت کر جسمانی سزا سے بچ جاتے ہیں سو یہ بھی قبول نہ ہوگا۔ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا پھر وہاں ان کے لئے کیا ہے۔ شرابِ حمیم، جہنم کا گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو اور عذابِ الیم، سدا جینے کو ہوگا۔ یہاں کی یہ چندروزہ زندگی اور عیش و نشاط وہاں کے عذاب اور رنج و ہموم دائمی کے مقابلہ میں عمر قیدی کے لئے رات کا احتلام ہے۔ اس پر یہ غرور یہ غفلت! کفار کا نام لے کر ترک کرنے کا حکم نہ دیا کیونکہ پھر تو شخصِ خاص سے بحث ہو جاتی جو الہام اور نبوت کے فیضِ عام کے منافی ہے بلکہ ان کفار کے دو وصفِ بد ذکر کئے جس سے معلوم ہوا کہ صرف انہیں وصفوں کی وجہ سے ان سے حسد نفرت کا حکم دیا۔ وہ یہ ہیں: (۱) اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا کہ انہوں نے کھیل کود کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے حالانکہ مذہب اور دین تو وہ باتیں ہونی چاہییں جو اس کی روح کو منور اور دنیا میں اصلاح کریں اور جب عبادت شہوت پرستی ہوئی تو اس شخص کی زیاں کاری کا کیا ٹھکانا ہے؟ کس شائستہ طور سے کفار کے مذہب کا بطلان فرمایا۔ اگر آپ غور کر کے دیکھئے گا تو کفار کی ہر عبادت شہوت پرستی ہے۔ ہندوؤں کو دیکھئے بڑے بڑے معابد کے میلے، وہاں گانا اور ناچنا اور عورت مردوں کا بے حیا طور پر ملنا ہے اور کچھ نہیں۔ بخلاف حج کے کہ وہاں بجز خدا کی تسبیح و تقدیس کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح عبادت کیا ہے بھجن، گانا، بجانا، بھنگ پینا۔ اسی طرح عیسائیوں کے مذہب کو خیال کر لیجئے۔ چونکہ یہ مذہب ابتداء سے حقانی تھا۔ اس لئے اس میں کچھ آثار اس کے بھی باقی ہوں تو موجود مذہب کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (۲) غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا خدا کی پناہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے تو گویا عالمِ آخرت سے اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہے۔ رات دن ہے کہ دنیا کے حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ خواہ حرام طور سے ہو، خواہ حلال سے اپنے مطلوب و معشوق کے حاصل کرنے میں نہ اس کو ظلم کی پرواہوتی ہے نہ اس بات کا دھیان آتا ہے کہ آخر تا کجے یہاں ہوں گا اب بڈھا ہو کر پھر کیا جوان ہونا ہے۔ جب دوسرے عالم کا دھیان ہی نہیں تو وہاں کا سامان کیسا! سو یہ بھی بڑی حرمانِ آخرت کی وجہ ہے۔ ہنود و نصاریٰ کو عموماً دیکھئے کس قدر دنیا پر فریفتہ ہیں اور کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ الحمدللہ مسلمانوں میں اب تک عالمِ آخرت کا دھیان رہتا ہے مگر بعض حمقاء[1] یعنی نیا چر ترقیِ مذہبِ اسلام دنیا کے وافر ہونے کو سمجھتے ہیں۔ خواہ سود کھانے سے ہو۔ کیوں نہ ہو اس عقل کا کیا ٹھکانا ہے؟ واللہ اعلم

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗ

[1] گر ہمیں مکتب است ہمیں ملا۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

أَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

(اے نبی! ان سے) پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکاریں کہ جو نہ ہم کو نفع دے سکے اور نہ ضرر اور بعد اس کے کہ اللہ تم کو ہدایت کر چکا اس شخص کی طرح سے الٹے پاؤں لوٹائے جاویں کہ جس کو شیاطین نے جنگل میں بھلا کر بھونچکا کر دیا ہو۔ اس کے دوست اسے پکار رہے ہوں براہِ راست ہماری طرف چلا آ (اے نبی!) کہو بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور ہم کو تو اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور اسی کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا اور جس روز (ہو جانے کے لئے) فرمائے گا تو ہر چیز ہو جائے گی۔ اس کا قول برحق ہے اور اسی کی بادشاہت ہوگی جس روز کہ صور پھونکا جائے گا (اور) وہ چھپے اور کھلے کا جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا خبردار بھی ہے۔

ترکیب: من دون اللہ متعلق ہے ندعوا سے ما نکرہ موصوفہ یا موصولہ مفعول ندعوا ونرد معطوف ہے ندعوا پر اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ کالذی کاف حال ہے ضمیر یرد سے اے مستبعین للذی فی الارض متعلق ہے استہوتہ سے حیران غیر منصرف ہے کس لئے کہ اس کے مونث حیریٰ ہے یہ حال ہے استہوتہ کی ہاء سے لہ اصحاب جملہ متانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حیران کی ضمیر سے حال ہے وان اقیموا معطوف ہے لنسلم پر۔

تفسیر: وہ کفار جو اسلام و توحید پر ہنستے تھے اب ان کے مذہب بت پرستی کو رد کرتا ہے جو دراصل قابلِ مضحکہ بات ہے۔ وہ یہ کہ کسی کی اطاعت وعبادت کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک امیدِ نفع، دوم خوفِ مضرت۔ اور اللہ کے سوا جو کچھ عالم میں ہے ان دونوں کا اختیارِ کلی نہیں رکھتا۔ خصوصاً ہاتھ کے تراشیدہ بت۔ اس لئے فرماتا ہے قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ کہ کیا خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجیں جو نہ نافع ہیں نہ ضار پھر مضرتِ بت پرستی ظاہر فرما کر بت پرستوں کی ہنسی پر تاسف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا کہ کیا ہم پھر ویسے ہی گمراہ ہو جاویں کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں کہ پھر اس سے بدتر حال کوئی بھی نہ ہوسکتا: (۱) كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ کہ اس کو شیاطین نے جنگل میں بہکا دیا ہو استہوت مشتق ہے ہوئی فی الارض سے جس کے معنی بلندی سے گڑھے میں گرنا وقیل من اتباع الہوی قال ابن عباس رضی اللہ عنہ کالذی استہوتہ الغیلان فی المہامۃ فاضلوہ (معالم) یعنی جیسا کسی کو جنگل میں غولِ بیابانی راہ بھلا دیں۔ (۲) سو وہ حیران ہو جاوے قال الاصمعی یقال حار یحار حیرۃ وحیرا وزاد الفراء حیرانہ (کبیر)۔ (۳) لَهٗٓ اَصْحٰبٌ کہ اس کے یار اس کو راہِ راست کی طرف پکار رہے ہوں مگر وہ اس بدحواسی میں ان کی طرف بھی خیال نہ کرتا ہو۔ یہی حال بت پرستوں کا ہے کہ آبائی رسوم اور ملکی خیالات سے اس ورطۂ ضلالت میں اس طرح پڑے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اور ایسی حالت میں اللہ کی رہنمائی دراصل رہنمائی ہے تم حیران سرگردان بھٹکا کرو مگر ہم تو اس پر مامور ہیں۔ چونکہ ہدایتِ الٰہی کی دو شاخ ہیں اعتقاد کا درست کرنا۔ اس کی طرف[1] لِنُسْلِمَ لِرَبِّ

[1] سر جھکانا بھی رب العالمین کے لئے ذکر کے ساتھ اور وصف کے ساتھ کیونکہ سر ولی النعمۃ کے آگے جھکا کرتا ہے اور ولی النعمۃ بھی عالم کا بلکہ عالمین کا کہ جس نے غیر معبودوں کی وقعت کھودی۔ ۱۲ منہ

الْعٰلَمِيْنَ میں اشارہ کیا۔ دوم عمل اچھے کرنا اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر نماز ہے۔اس لئے اس کے بعد ان اقیموا الصلوٰۃ فرمایا اور عموماً پرہیزگاری کے لئے اتقوہ کہہ دیا۔ مشرکین اللہ کے مقابلہ میں اور چیزوں کو پوجتے تھے۔اب ان اندھوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات دو جملوں میں بتلائی جاتی ہے تاکہ عظمت ہو۔اول ھو الذی کہ اللہ وہ ہے جس کے پاس جانا ہے نہ کہ بتوں کے۔پھر سمجھ لو کہ اس سے کیا تعلق ہے؟ بلحاظ مبدا یہ دوسرا جملہ ہے۔ھو الذی خلق کہ اس نے سب کچھ بنایا۔تمہارے معبودوں نے کیا بنایا۔پھر ان کو پوجنا حمق ہے۔پھر چند اوصاف ممیزہ ذکر کرتا ہے(۱)یقول کن الخ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے(۲)قولہ الحق (۳)ولہ الملک الخ(۴)عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۵)وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ پھر جو کچھ ان اوصاف کی ترتیب میں نکتے ہیں بیان سے باہر ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ع ۱۵ وقف لازم

اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے (یہ) کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں اور ہم اسی طرح سے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تا کہ (وہ سمجھے) اور ان کو یقین کامل ہو جاوے۔ پھر جب کہ (ابراہیم پر) اندھیری رات آئی تو ستارہ کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں چھپ جانے والی چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے گا تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا پھر جبکہ آفتاب کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی چھپ گیا تو کہا اے قوم! میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ یہ کہ جن کو تم شریک بناتے ہو۔ میں نے تو یکطرفہ ہو کر اس کی طرف اپنا رخ کر لیا کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں تو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور (جب) ان سے ان کی قوم جھگڑنے لگی تو ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ (کے معاملے) میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا اور میں تمہارے معبودوں سے ہرگز نہیں[1] ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو۔ بجز اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے (تو ضرر پہنچ سکتا ہے) میرے رب کے علم میں ہر چیز ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور جن کو تم نے اس کا شریک بنالیا ہے ان سے میں کیوں ڈرنے لگا حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک کر رکھا ہے کہ جن کے لئے اس نے تم پر کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ پھر دونوں فریق میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے (بتلاؤ) اگر جانتے ہو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کچھ بھی شریک نہیں ملایا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

ترکیب: اذ قال مفعول ہے اذکر کا آزر بدل ہے ابیہ سے اصناما مفعول اول تتخذ کا آلھۃ مفعول دوم۔ وکذلک محلا منصوب ہے۔ اے کما ارینا اضلال ابیہ وقومہ اریناہ ذلک ای ملکوت السموت۔

تفسیر: ان دلائل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے جو ان کی قوم بت پرست اور ان میں گذرا۔ مشرکین عرب کو الزام دیتا ہے کیونکہ عرب کی بہت قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب اور یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک مسلم تھے (ایسا مسلم آج کل بھی دنیا میں کوئی ہوگا۔ یہ سب اس اب الانبیاء کے خلوص کا ثمرہ ہے) کہ دیکھو تمہارے بزرگ نے بت پرستوں کو کس طرح سے قائل کیا۔ پھر تم بت پرستی کرتے ہو؟ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ مفصلاً بیان کر آئے ہیں کہ حضرت شہرِ بابل یا اس کے اطراف کے رہنے والے تھے جس کے کھنڈرات تک بغداد سے چالیس میل کے فاصلہ پر دور تک سیاحوں کو عبرت ناک ٹیلوں میں دبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ طوفان کے بعد قطعاً اور اس سے پہلے غالباً بنی آدم کی آبادی سے ملک آرمینیا اور عراق اور ایران اور شام و ایشیا کو چک وغیرہ ایشیاء کا وسط حصہ آباد ہوا تھا یہیں سے پھر تمام ملکوں میں بنی آدم پھیلتے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔ آزر لقب ہو گا یا بالعکس اور یہ کہنا کہ آزر ان کے چچا تھے اور تارخ باپ اس لئے کہ کسی نبی کا باپ مشرک نہیں گذرا ہے محض تکلف ہے اور اس کے رد و اثبات میں کلام کو اس موقع پر طول دینا منصبِ تفسیر کے برخلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں بت پرستی کا از حد رواج تھا۔ حال کے زمانہ میں جو فرانس اور انگلینڈ کے لوگوں نے بابل اور نینوا کے بعض مقامات کو باجازت سلطانِ روم خلد اللہ مُلکہ کھودا ہے تو سنگِ مرمر کے عجیب و غریب ترشے ہوئے بت مختلف صورتوں کے برآمد ہوئے ہیں جو وہاں بطور نمائش کے رکھے ہوئے ہیں۔

ابتداءِ زمانہ سے ہی جب کہ لوگوں نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا تو علیٰ حسبِ مراتب الفہم خیالی گھوڑے دوڑانے لگے۔ یہ تو اکثر نے مانا کہ اللہ تعالیٰ صانعِ عالم ہے مگر اس کے ساتھ بعض جاہلوں نے ایک اور خالق مستقل مانا جو شر کا فاعل ہے اور بعض[2] لوگوں نے آگ کو

---

[1] یعنی تمہارے دیوی دیوتا میرا کچھ نہیں کر سکتے تم ذرا کر دو میں نہیں ڈرتا۔ اگر خدا ہی چاہے تو ضرر پہنچے۔ ۱۲ منہ

[2] کسی نے ملائکہ اور علویات کی خیالی صورت پر بت تراشے پھر کسی نے بنی آدم میں سے انبیاء و صلحاء و ابرار یا شاہان مُلک کو شریکِ خدائی سمجھا اور ان کی کوئی صورت فرض کر کے بت بنائے لات ہبل کرشن رام سب اسی کا نمونہ ہے غرض جس نے جس چیز کو اپنے خیال میں بشریت سے بالا پایا خدا بنالیا۔ ۱۲ منہ

بعض نے پانی کو اصل ٹھہرایا اور ایک قوم نے خصوصاً اہل بابل و نینوا کے لوگوں نے جو دنیاوی علوم اور صنعتوں میں بڑے ہوشیار تھے' افلاک اور ستاروں کو مدبر عالم خیال کر رکھا تھا۔ پھر ان کے نام کے سونے اور چاندی اور دیگر دھاتوں اور پتھروں کے بت اور عجائب غرائب اشکال مندروں میں رکھ چھوڑی تھیں جن کو وہ پوجتے تھے اور ان پر بعض اپنی اولاد کی قربانی کرتے تھے۔ بعض اور جانوروں کی قربانی کرتے اور دیگر نذرونیاز چڑھاتے تھے۔

اس ملک اور اس قوم میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اس وقت کے بادشاہ نمرود کو جو ضحاک تازی کا صوبہ تھا' نجومیوں نے حضرت کی خبر پہلے سے دی تھی۔ وہ اس خاندان کی حاملہ عورتوں کی احتیاط رکھتا تھا۔ لڑکوں کو قتل کرڈالتا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والدین نے کسی غار یا تہ خانہ میں چھپا رکھا تھا جو سن تمیز تک وہیں رہے۔ خداداد روشنی کب چھپائے چھپتی ہے۔ غار میں ہی ماں باپ سے قیل وقال شروع کر دی۔ اذ قال سے لے کر فی ضلال مبین تک اس کا ذکر ہے۔ پھر جب زیادہ شہرہ ہوتا چلا اور آپ اس غار سے لوگوں کے روبرو لائے گئے تو آفتاب غروب ہو چلا تھا مگر جس طرح خدا نے ان کی نظروں میں ماں باپ کی وہ بت پرستی حقیر و بے عزت کر دکھائی تھی اسی طرح ملکوت السموٰات یعنی آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے اندر جو کچھ اسرار حکمت تھے ان کے دل پر منکشف کر دیے تھے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِیٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ الخ رات جب زیادہ گئی تو زہرہ ستارہ چمکتا دیکھ کر وہ جو آپ کے اردگرد بہت سے بت پرست جمع تھے ان سے تعریضاً یہ کہا ھذا ربی کہ تمہارے خیال کے بموجب میرا یہ رب ہے؟ (کس لئے کہ ان پر ملکوت السموٰات منکشف ہو گئے تھے اور بدء الخلقت سے رشد عطا ہوا تھا وہ حقیقۃً ستارہ کو رب کیونکر کہتے) پھر جب وہ غروب ہوا تو الزام دیا کہ ایسی چھپ جانے والی چیزوں کو میں پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر جب چاند نکلا تو کہا یہ رب ہے جب وہ بھی چھپ گیا تو ان کے خیال قبول کرنے کی صورت میں تہذیباً اپنے آپ کو ہی گمراہ ہونا فرمایا (اس لئے کہ باوجود بڑے کے چھوٹے کو خدا بنانا اور بڑے کا بھی ڈوب جانا منافی الوہیت ہے) پھر جب صبح ہوئی اور آفتاب جگمگاتا ہوا نکلا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے یہ رب ہے پھر جب شام کو وہ بھی غروب ہو گیا تو ان کے الٰہ اکبر کا بے بنیاد اور مجبور ہونا مشاہدہ کرا کے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ جس نے آسمان و زمین اور ان سب کو بنایا اور شرک سے بیزار ہوں۔ پھر تو لوگوں کے غول کے غول آئے اور اپنے بتوں سے ڈرانے لگے۔ آپ نے فرمایا' مجھے ان سے کچھ مضرت نہیں بلکہ میرے خدائے قادر سے تم کو ڈرنا چاہیے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

ع ۱۶

اور یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا خبردار ہے اور ہم نے اس کو (ابراہیم کو) اسحٰق اور یعقوب عنایت کئے۔ ہم نے ان سب کو رہنمائی کی تھی اور اس سے پہلے ہم نوح کو ہدایت دے چکے تھے اور اس کی نسل میں داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نیکوں کو یوں بدلا دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (ہدایت دی) ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھے اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ہر ایک کو ہم نے جہان پر فضیلت دی تھی اور ان کے آباؤ اجداد میں سے اور ان کی نسل میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو برگزیدہ اور سیدھا راستہ دکھایا (اے نبی!) یہ اللہ کی ہدایت اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (سب) ضائع ہو جاتا۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت عطا کی تھی پھر اگر ان باتوں کو یہ لوگ نہ مانیں تو ہم نے (ان باتوں کے تسلیم کرنے کے لئے) وہ لوگ مقرر کر رکھے ہیں جو ان سے انکار ہی نہ کریں گے۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔ سو آپ ان ہی کے رستہ پر چلیں (اے نبی!) کہہ دو میں تم سے اس بات پر کچھ بھی اجرت نہیں مانگتا یہ تو صرف جہان بھر کے لئے نصیحت ہے۔

ترکیب: تلك مبتداء حجتنا موصوف اتیناھا صفت مجموعہ خبر علی متعلق ہے محذوف سے ای حجۃ علی قومہ درجات بالاضافۃ والتنوین اول صورت میں یہ مفعول ہے نرفع کا دوسری میں من مفعول ہے اور درجات یا ظرف ہے یا حرف جر محذوف ہے ای الی درجات۔ کلا منصوب ہے ھدینا سے ومن آباء ھم معطوف ہے کلا پر ای وفضلنا کلا من آبائھم اوھدینا کلا من آبائھم۔

تفسیر: فرماتا ہے یہ حجتیں ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلہ میں ہم نے دی تھیں۔ ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے چودہ (۱۴) انبیاء کا ذکر کیا اور ان کے جدِ امجد نوح علیہ السلام کا بھی ذکر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ خدا پرستی اور اتباعِ توحید کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موقوف نہیں۔ ان سے پہلے ان کے جدِ امجد نوح علیہ السلام بھی موحد و مخلص تھے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بعد بھی اس کی نسل میں سے یہ لوگ کہ جن کی بزرگی عرب و دیگر بلاد میں مشہور ہے وہ بھی موحد تھے مشرک نہ تھے۔ مع ابراہیم و نوح کے یہ اٹھارہ شخص ہیں نوح، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحیٰی، عیسیٰ، الیاس، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام۔ پھر فرماتا ہے کہ توحید کے سبب نہ صرف ان کو بلکہ ان کے بزرگوں اور بھائیوں اور اولاد کو برگزیدہ کیا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کی کہ ان کا ملاءِ اعلیٰ میں بھی مرتبہ بلند ہے اور دنیا میں بھی ان کی عزت و توقیر کی جاتی ہے اور ان کے طریق پر لوگ چلتے ہیں۔

(یہاں سے عصمتِ انبیاء ثابت ہوتی ہے) اور اس کے بعد تین چیزیں جو انہیں دونوں کی شاخ ہیں عطا کرنا فرماتا ہے۔ اول کتاب، دوم حکم یعنی حکومت، سوم نبوت۔ سیاست تین قسم پر ہے دنیاوی اور دینی اور روحانی دینی سیاست علماءِ دین کو ہوتی ہے جس کی طرف آتیناھم الکتاب میں اشارہ ہے کیونکہ کتاب کا دیا جانا عام ہے خواہ خاص ان پر الہام ہوا ہو یا نیابتاً ان کو ملی ہو۔ جیسا کہ علماء کو ملتی ہے۔

دنیاوی سیاست کی طرف الحکم میں اور روحانی کی طرف النبوۃ میں اشارہ ہے اور کبھی یہ تینوں ایک شخص کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ کبھی ایک ایک وصف ایک ایک میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان اٹھارہ انبیاء کے ذکر کیے بعد دیگر کرنے میں انہیں اوصاف کا لحاظ کیا گیا ہے یا کچھ ان کے صبر وشکر' مصیبت وراحت کا بھی لحاظ ہو۔ نوح علیہ السلام کا مفصل حال آگے آوے گا۔ ابراہیم علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً دو ہزار برس پیشتر عراق میں پیدا ہوئے اور اہواز یا بابل اپنے وطن سے ہجرت کر کے اول اول حران میں آبسے جو آج کل بھی عراق میں اسی نام سے مشہور ہے جس میں اہل اسلام رہتے ہیں پھر یہاں سے کوچ کر کے مع اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کے ملک شام کنعان میں آئے اور شہر نابلس سے کہ جس کو پہلے سکم کہتے تھے گذر کر بیت ایل یعنی یروشلم کے پاس اپنا خیمہ قائم کیا اور پھر یہاں سے عرب اور مصر میں بھی گئے۔ عرب وشام میں حضرت کی اولاد پھیلی۔ اسمٰعیل علیہ السلام سے عرب کی قومیں اور اسحٰق علیہ السلام سے شام میں بنی اسرائیل ودیگر قبائل ہوئے شام میں حضرت کی قبر ہے۔

اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو اسمٰعیل علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔ ملک شام میں ہی پیدا ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ یعقوب علیہ السلام اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے ہیں ومن ذریتہ کی ضمیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کرتی ہے کیونکہ بقول محققین مؤرخین ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہ تھے بلکہ عرب کے رہنے والے بعض کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام سے بھی پیشتر تھے داؤد علیہ السلام سلیمان علیہ السلام کے باپ یہ دونوں پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام یعنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی سو برس کے بعد شام بلکہ اور ملکوں کے بھی حاکم ہوئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو لڑکپن میں اسیر ہو کر مصر میں جا بکے اور پھر وہاں بہت کچھ اعزاز پایا اور اپنے باپ اور اس کی تمام اولاد کو مصر میں بلا لیا۔ جب سے تخمیناً چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں رہے اور ہزار ہا ہزار ہا مرد وزن ہو گئے۔ پھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں بھائی بھی وہیں پیدا ہوئے۔ مصر کے بادشاہ فرعون کو ان کی سرکشی کا خوف ہوا تو ان کو غلام بنایا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ تب موسیٰ و ہارون علیہما السلام تمام قوم کو لے کر پھر اپنے باپ دادا کے وطن قدیم ملک شام میں لے جانے کے لئے مصر سے نکلے۔ قلزم اتر کر چالیس برس تک عرب کے جنگلوں میں سرگرداں رہے۔ رستہ ہی میں انتقال ہوا۔ راستہ ہی میں توریت نازل ہوئی۔ وہیں معجزات کا ظہور ہوا۔ کوہ سینا بھی اسی ملک عرب کے غربی و شمالی کنارہ میں ہے۔ زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں دو نبی گذرے ہیں۔ ایک یحییٰ علیہ السلام کے والد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے قریب تھے۔ ایک زکریا عزیرا ورحجی اور یرمیاہ علیہم السلام کے عہد میں تھے۔ مسیح سے تخمیناً پانچ سو برس پیشتر' جنہوں نے بخت نصر کے حادثہ کے بعد دوبارہ پھر ہیکل کی تعمیر کی تھی۔ یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے یہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں الیاس علیہ السلام کو ایلیا بھی کہتے ہیں۔ یہ بخت نصر کے حادثہ سے پیشتر اس عہد میں تھے جبکہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اخزیاہ تخت نشین تھا۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو چھیانوے برس پیشتر اس بادشاہ کے عہد میں حضرت الیاس علیہ السلام آسمان پر زندہ چلے گئے اور ان کی جگہ ان کا شاگرد حضرت یسع نبی قائم ہوا۔ (۲ سلاطین ۲ باب) یونس علیہ السلام کو یوناہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو برس پیشتر تھے۔ ان کو شہر نینویٰ جانے کا حکم تھا۔ یہ وہاں جانے سے پہلوتہی کر کے شہر ترسیس کو بھاگنے کے لئے یافہ میں اتر گئے۔ ان کا قصہ بھی آئندہ بیان ہوگا۔ ان بزرگوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اگر یہ شرک کرتے تو خراب ہو جاتے۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اگر ان باتوں کو یہ موجودین نہ مانیں گے تو کچھ پروا نہیں ہم نے ان پر چلنے کے لئے اور قومیں تیار کر رکھی ہیں (وہ آئندہ آنے والی نسلیں ہیں۔ امت محمدیہ میں سے) پھر فرماتا ہے تو ان کی اصول دین میں اور صبر وتحمل میں اے نبی پیروی کر۔ یہاں سے بعض نے جزئیات شرائع بھی مراد لئے ہیں۔ وھوضعیف جدا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ

اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ الَّذِیۡ جَآءَ بِهٖ مُوۡسٰى نُوۡرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجۡعَلُوۡنَهٗ قَرَاطِيۡسَ تُبۡدُوۡنَهَا وَتُخۡفُوۡنَ كَثِيۡرًا‌ ۚ وَعُلِّمۡتُمۡ مَّا لَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمۡ‌ ؕ قُلِ اللّٰهُ‌ ۙ ثُمَّ ذَرۡهُمۡ فِىۡ خَوۡضِهِمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَلِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ‌ وَهُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اوران (یہود) نے جیسا کہ اللہ کی قدر کرنی چاہیے تھی کچھ بھی نہ کی جبکہ یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ بھی نازل نہیں کیا (اے نبی! ان سے) پوچھو وہ کتاب کس نے اتاری تھی کہ جس کو موسیٰ لائے تھے جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی جس کو تم اوراقِ متفرقہ کر کے رکھتے ہو جن میں سے کچھ دکھاتے اور بہت سے چھپاتے ہو۔ اور تم کو (اس کے ذریعہ سے) وہ باتیں تعلیم کی گئی ہیں کہ جن کو تم بھی جانتے نہ تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو اللہ ہی نے نازل کی تھی۔ پھر ان کو چھوڑ کر پڑے اپنی بدگمانیوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن بھی) وہ مبارک کتاب ہے کہ جس کو ہم نے نازل کیا جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تاکہ (اے نبی!) آپ اہلِ مکہ اور اس کے آس پاس والوں کو ڈر سناویں اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نماز کے بھی پابند ہیں۔

ترکیب: حق مفعول مطلق قدر کا مضاف ہے اور دراصل وصف ہے کیونکہ تقدیر یہ قدرہ الحق اس لئے یہ بھی منصوب ہے۔ اذ قالوا ظرف ہے ما قدروا کا قراطیس مفعول ثانی ہے تجعلون کا ای فی قراطیس۔ تبدونہا قراطیس کی صفت وعلمتم ایہا الیہود من القرآن جملہ موضع حال میں ہے یا جملہ مستانفہ۔ قل اللہ جواب ہے قل من انزل کا مصدق وصف ہے کتاب کا بغیر تنوین۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِيۡنَ کہ یہ عالم کے لئے نصیحت ہے جو خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ ایسے موقع پر منکرین نبوت کہہ دیا کرتے ہیں کہ خدا نے کچھ بھی کسی بشر پر نازل نہیں کیا۔ اسے کیا غرض، کیا مطلب؟ یا عقل کافی ہے وہی نیک و بد کی پہچان کرسکتی ہے۔ جیسا کہ آج کل ملحد یا منکرینِ نبوت آریہ وغیرہم کہتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اس عہد میں بھی یہ مشرکینِ مکہ نے کہا ہو یا کسی موقع پر ضد میں آکر کسی یہودی نے کچھ کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ بغوی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ مالک بن ضیف یہودی عالم نے مکہ میں آنحضرت ﷺ سے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا توریت میں یہ بھی ہے کہ خدا موٹی چیز کو پسند نہیں کرتا؟ حالانکہ وہ حبر تھا جو یہود کا مال کھا کھا کر تندیلا ہو گیا تھا۔ اس پر وہ غصہ میں آگیا اور یہ کہہ دیا کسی اور نے بھی ایسا کہا ہو مگر اس جواب سے غرض توحید اور مبدء و معاد ثابت کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلم الکل کے قول سے بھی ثابت کی گئی۔ نبوت اور کتاب کا برحق ثابت کرنا ہے جو قرآن مجید کے اجل مقاصد میں سے ہے اور توریت کا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونا ایک ایسی بات تھی کہ جس کو سب مانتے تھے۔ پس من شیء نکرہ جو ما نافیہ کے حیز میں آکر سالبہ کلیہ بن گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انزل علی موسیٰ موجبہ جزئیہ جو قل من انزل الخ کا مفاد ہے۔ پورا جواب الزامی و تحقیقی ہے یعنی اگر خدا نے کسی پر کچھ بھی نازل نہیں کیا تو پھر تورات کو موسیٰ پر کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی کہ جس کو تم اے اہلِ کتاب متفرق اجزاء میں کر رکھتے ہو کہ اس میں سے بہت کچھ چھپاتے اور کم ظاہر کرتے ہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہود عرب نے تورات کو متفرق اوراق میں اسی غرض سے رکھ چھوڑا تھا کہ اپنی خواہش کے موافق اوراق کو دکھاتے اور جو خلافِ منشاء تھے یا جن میں اسلام کی خبر تھی ان کو نہ دکھاتے تھے جیسا کہ دارمی نے روایت کیا ہے شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ

انہیں اوراق میں سے چند اوراق آنحضرت ﷺ کے روبرو لا کر پڑھنے لگے تھے جن کو سن کر آنحضرت ﷺ پر غضب ہوئے تھے۔ اب یہ بھی معلوم نہیں کہ ان یہود کے پاس توریت کے پانچوں حصوں میں سے کئی حصہ تھے یا سب تھے یا اور عہدِ عتیق کی کتابیں تھیں کہ جن پر مجازاً توریت کا اطلاق ہوتا ہے۔

پھر اس عہد میں کہ جب بخت نصر کا حادثہ گذرا اور پھر وینٹوکس اور طیطوس کے عہد میں صفحۂ عالم خصوصاً یروشلم اور تمام یہود میں توریت نہ تھی تو اس عہد میں کہاں ہوگی؟ وہ غالباً اسی مجموعہ مرکب صحیح وغلط کو جو آج کل ہے توریت کہتے ہوں گے۔ جس کو قرآن میں مجازاً توریت کہا۔ ولوسلم اصلی جب ہوگا اب تو کہیں نہیں ملتا۔ وَعُلِّمْتُمْ مَّالَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ اس میں یہود کو خطاب ہے کہ توریت کے بہت سے معانی جو آنحضرت ﷺ کی بعثت وشریعت کی پیشین گوئی کے متعلق تھے کہ جن کو حضرت کے ظہور سے پیشتر نہ تم سمجھ سکتے نہ تمہارے باپ دادا اب وہ تم کو بتلائے گئے یا عرب کی طرف خطاب ہے کہ تم اور تمہارے باپ دادا جاہل تھے۔ سو یہ علم شریعت وتوحید ومبداء معاد تم کو خدا کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن مجید کے سبب سے معلوم ہوئے۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ سو تم نے خدا کی قدر نہ کی جو قدر کرنی چاہیے تھی۔ قل اللّٰہ کہ اللہ نے کتابیں نازل کی ہیں۔ ان کو بڑا بیہودہ بکواس کرنے دو خصوصاً ھذا کتاب انزلناہ۔ یہ کتاب نازل کی یعنی قرآن جو مبارک بابرکت یعنی کثیر الفوائد ہے۔ قرآن مجید کی برکت ہے کہ جس سے عرب کی جاہل اور وحشی قومیں کیسی جلد کایا پلٹ ہوگئیں۔ کیسی انسانی اخلاق اور ملکی صفات میں تمام قوموں کے لئے پیشوا ہوگئیں۔ پستی سے اس ترقی کو پہنچیں کہ تھوڑے سے برسوں میں شرقاً غرباً بڑے بڑے سرسبز ملکوں کے مالک اور ان میں علوم وتہذیب پھیلانے کا سبب بن گئیں۔ دوم قرآن مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ کہ جو اس سے پیشتر خدا نے کتابیں نازل کیں ان کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ بھی منجانب اللہ تھیں اور ان کے مضامین توحید واصولِ شرائع میں سرتاسر موافق ہیں۔ پھر قرآن نازل کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے جس میں منکرینِ نبوت کا جوابِ شافی ہے اور وہ یہ ہے لتنذر ام القریٰ ومن حولها تاکہ تم مکہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خدا کا اس سے ڈر سنا دو۔

ام القریٰ یعنی گاؤں اور بستیوں کی ماں یا اصل عرب میں مکہ کو کہتے تھے کس لئے کہ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اول معبد خانہ کعبہ ہے کہ جس کی طرف ایامِ حج میں اور دیگر اوقات میں لوگ (اس جذبِ باطنی سے جو بچے کو ماں کی طرف کھینچتا ہے) رجوع کیا کرتے ہیں۔

اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت ونبوت حجاز یا عرب ہی کے لئے تھی کیونکہ ام القریٰ کے گرد میں تمام عالم شامل ہے۔ اگر کوئی جغرافیہ پر غور کرے تو ربع مسکوں کے لئے مکہ کو مرکز کہہ سکتا ہے جو یورپ اور ایشیاء اور افریقہ کے ملکوں کے لحاظ سے بیچا بیچ ہے اور نیز بہت آیات میں نبوتِ عامہ کی طرف اشارہ ہو چکا ہے جیسا کہ لیکون للعالمین نذیرا۔

منکرینِ نبوت (جیسا کہ آج کل آریہ وبرہمو وغیرہم) سے کوئی پوچھے کہ جس صورت میں تم خدائے قادر رحیم وکریم کا وجود تسلیم کر چکے ہو تو پھر بنی آدم میں سے ایک شخص کو اگر وہ اپنی رحمتِ خاصہ سے ایسا ممتاز کرے کہ اس پر الہام خاص ہو جو بوقتِ تخالف عقولِ عامہ حق کی طرف رہبری کرے یا جہاں عقل کو کامل رسائی نہیں اور ہے تو عقول عادات ورسوم اور تخیلات سے نجات نہیں پا سکتیں وہاں ان کو راہِ راست بتادے کیا یہ ممکن نہیں؟ جب ممکن ہے تو اس کی فعلیت ان کتابوں سے جو نازل ہوئیں کیوں مستبعد ہے؟ اچھا چاروں وید اگر ایشر کا کلام ہیں تو کس کی معرفت ایشر نے ان کو ظاہر کیا۔ کیا ان کی پوٹ باندھ کر بنارس میں پھینک دیا تھا؟ پھر فرماتا ہے کہ جو قیامت پر یقین رکھتے اور زکوٰۃ دیتے، نماز پڑھتے ہیں وہی خداترس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ
وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾
وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ
ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۱۷

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے جواللہ پرجھوٹ باندھے یا (یہ) کہے کہ مجھ کووحی آئی حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہواور (اس سے بھی بڑھ کرکون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ میں بھی وہ نازل کرسکتا ہوں کہ جواللہ نے نازل کیا ہے اور (اے نبی !) کبھی آپ اس وقت دیکھیں جبکہ ظالم موت کی جاں کنیوں میں گرفتار ہوں اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا (کرکہہ) رہے ہوں کہ اپنی روح نکالو۔آج تم کوذلت کا عذاب دیا جاوے گا۔تمہاری ان باتوں سے جوتم ناحق اللہ پر بنایا کرتے تھے اوراس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے اور (ہم یہ کہیں گے) تم ہمارے پاس ویسے ہی تنہا آئے جیسا کہ ہم نے تم کواول بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا' کواپنے پیچھے چھوڑ آئے اوراب ہم کوتمہارے وہ معبود بھی تمہارے ساتھ دکھائی نہیں دیتے کہ جن کوتم اپنے معاملات میں خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ضرورتم میں جدائی ہوگی اورتمہارے سب گمان غلط ہوگئے۔

ترکیب: کذبا افتری کامفعول بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اور مفعول لہ بھی۔اوقال عطف ہے افتری پر ولم یوحی الخ موضع حال میں ہے اذ ظرف ہے تری کا الظالمون مبتداء ظرف خبر۔

تفسیر: جس طرح نبوت اورالہامِ الٰہی کا انکار خدا تعالیٰ کی سخت ناقدری کرنا ہے۔اسی طرح خدا پر جھوٹ باندھنا یا نبوت اور وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا بھی بڑا ظلم ہے جیسا کہ پیغمبر کے مقابلہ میں یہ کہہ دینا کہ میں بھی جیسا کچھ خدا نے نازل کیا نازل کرسکتا ہوں بڑا ظلم ہے۔ومن اظلم الی انزل اللہ میں یہی بیان ہے۔ایسی باتیں بھی نزولِ قرآن کے وقت لوگوں نے کہیں تھیں۔چنانچہ قتادہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کچھ تک بندی سے کیا کرتا تھا جس پراس کودعویٰ ہوا کہ اوحی الی مجھے بھی وحی آتی ہے۔اسی طرح صنعاء یمن میں اسود عنسی کوخبط ہوا تھا۔اسی طرح مشرکینِ مکہ آیات سن کر کہہ دیا کرتے تھے۔لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ اور عبداللہ[1] بن سعد بن ابی شرح کے دل پر فیضِ صحبت سے (جو آنحضرت ﷺ کے کاتبِ وحی تھے۔جب یہ آیت آپ نے لکھوائی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ) اگلا فقرہ اس کے دل میں گذرا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ جب آپ نے یہ پڑھا تواس کے دل میں وسوسہ ہوا کہ یہ تو میں نے کہہ دیا تھا مرتد ہوکر چلا گیا اور جا کر کہنے لگا قرآن سے برابر تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں مگر بعد میں سمجھا کہ یہ فیضِ صحبت تھا اور ایک فقرہ سے کیا مساوات ہوسکتی ہے۔پھر ایمان لایا۔

[1] اگر یہ روایت صحیح تسلیم کرلی جائے تواس سے پادریوں کا قرآن کامثل ثابت کرنا مدعی سست گواہ چست کا مضمون ہے۔۱۲منہ

اس کے بعد اس ظلم کا ثمرہ تفصیلاً ظاہر کرتا ہے کہ ان کی موت کے وقت عجب حالت ہوگی جبکہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور ملائکہ موت ہاتھ بڑھا کر کہیں گے کہ عالم آخرت کے شدائد دیکھو اب کہاں ہٹتے ہو لاؤ اپنی روحِ خبیث کو نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب تمہاری اس ناحق کی گفتگو اور آیات سے تکبر کرنے پر ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاوے گا کہ تمہاری روح کو جسم کے ساتھ دنیا میں کمالاتِ روحانی اور اسبابِ جاودانی حاصل کرنے کے لئے پابستہ کیا تھا۔ تم نے وہاں اس کے برعکس کیا جب مال و جاہ اور اسبابِ شہوت و لذات جسمانیہ میں اس کو صرف کیا اب تم جیسے گئے تھے ویسے ہی کورے کے کورے آئے اور جو کچھ مال و جاہ جمع کیا تھا سب پیچھے چھوڑ آئے۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کے یہ معنی ہیں اور یہ بھی کہا جاوے گا کہ اب وہ تمہارے معبود دکھائی نہیں دیتے جن کی سفارش کا تمہیں بڑا بھروسہ تھا۔ سبحان اللہ! عالم آخرت کا خصوصاً وقتِ موت کا نقشہ کس خوبی کے ساتھ لوحِ سامع پر کھینچا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

بے شک اللہ ہی زمین سے دانہ اور گٹھلی (پھوڑ کر) نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو (ضرور اللہ ہی رات میں سے) صبح[۲] کو پھاڑ کر نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور آفتاب و ماہتاب کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ رکھا ہوا ہے۔ غالب خبردار کا اور اس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ پاؤ۔ ہم نے اہل علم کے لئے آیتیں کھول

---

[۱] اس میں اور ان آیات میں کہ جہاں انسان کے ساتھ اس کے اعمال و مکاسب کے ساتھ آنے کا ذکر ہے کچھ بھی منافات نہیں کیونکہ مال و جاہ کا چھوڑ آنا اور اعمال کا ساتھ لانا منافی نہیں اور کما کی تشبیہ صرف اس میں ہے۔ ۱۲ منہ

[۲] رات میں سے صبح کی پو پھوٹتی ہے۔ اس کے حکم سے۔ ۱۲ منہ

کر بیان کر دیں اور اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کر دیا۔ پھر (زمین پر) مقام[1] بھی ہے اور (اس میں) سپردگی بھی ہے۔ ہم نے سمجھداروں کے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دیں اور وہی ہے کہ جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں نکالیں پھر ان میں سے بعض کو سبز نکالا کہ جس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے ہیں کہ جھکے پڑتے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار کے باغ پیدا کئے کہ جو باہم صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور مزے میں جدا جب یہ پھلتے ہیں تو ان کا پھلنا اور پکنا تو دیکھو ان سب (باتوں میں) یقین لانے والوں کے لئے (اس کی قدرت کی بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب: سکنا مفعول ہے جعل کا سکن وہ شے ہے کہ جس کی طرف انسان سکون پکڑے جیسا کہ گھر گویا رات گھر ہے والشمس معطوف ہے سکنا پر حسبانا جمع حسبانۃ اور مصدر بھی ہے فمستقر مصدر یا ظرف اور اسی طرح مستودع اس کی خبر لکم محذوف۔ خبات نبات پر معطوف ہے مفعول ہے۔ اخرجنا کاقنوان بکسر قاف وضمہا جمع قنو کصنو وصنوان من النخل اس کی خبر مشتبہا حال ہے الرمان سے۔

تفسیر: اثباتِ نبوت کے بعد اپنے وجود اور صفات پر وہ چند دلائل دلچسپ اپنی مخلوقات کے حالات سے بیان فرماتا ہے کہ جن میں غور کرنے سے عاقل کو خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کا جلوہ اسی طرح دکھائی دیتا ہے کہ جس طرح آئینہ میں منہ۔ یہ چیزیں گویا جمالِ باکمال کے لیے اہلِ بصیرت کو آئینہ پر صفا ہیں اور وہ چند قسم[2] ہیں: (۱) فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی حب حبہ کی جمع دانہ گیہوں جوار باجرہ وغیرہ نوی نواۃ کی جمع گٹھلی جیسا کہ آم انبلی کھجور کی ہوتی ہے۔ فلق پھاڑنا یا چیرنا۔ نباتات تخم یا گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو زمین میں دبایا اور پانی دیا جاتا ہے تو ان میں سے پھوٹ کر دو شاخ نکلتی ہیں۔ ایک زمین کے اندر بیخ بن کر دوڑتی ہے۔ ایک ہوا میں باہر آ کر پھل پھول برگ نکالتی ہے۔ سو حب ونویٰ کو زمین میں اللہ ہی پھوٹنے کے قابل کرتا ہے۔ باوجودیکہ ایک ہی تخم ایک ہی کھیت ایک ہی طبیعت ہے پھر اس میں مختلف آثار کہ پتے کی اور صورت پھل کی اور پھول کی اور سب کے جدا مزے جدا تاثیریں اگر اس کی یہ قدرت کی کاری گری نہیں تو اور کیا ہے؟ (۲) زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرنا جس میں انسان زندہ سے منی مردہ چیز سے انسان زندہ چیز اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم پیدا کرنا بھی آ گیا۔ یہ بھی طبیعتِ جسمیہ کے برخلاف کام ہے۔ (۳) رات سے صبح کا نکلنا اور رات کو آرام گاہ بنانا اور آفتاب و ماہتاب کو ایک خاص چال پر معین کرنا طبیعتِ اجرامِ علویہ کے برخلاف کام اسی کا فعل ہے۔ (۴) ستاروں کو نور دے کر دریا اور جنگل کے سفر کا وسیلہ بنانا۔ عرب میں ستاروں کے حساب سے جنگل اور سمندر میں راہ طے کیا کرتے تھے۔ (۵) سب کو ایک شخص سے پیدا کر کے مختلف الحالات بنانا۔ (۶) مینہ سے زمین پر عمدہ باغ پیدا کرنا جس کے پھولوں اور پھلوں اور ان روشن بالیدگی میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پردۂ حسی کے اندر کوئی صانع ہے کاریگری میں اور رنگینی کر رہا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

ع ۱۸

---

[1] مستقر ٹھہرنے کی جا ظرف کا صیغہ یا ٹھہرنا مصادر اور اسی طرح یستودع سپردگاہ یا سپردگی یہ انسان پر دو حالتیں کے بعد دیگرے آتی ہیں اول مستقر عالم ارواح تھا پھر وہاں سے رخصت ہو کر رحم میں آیا اول حالت کے لحاظ سے یہ سپردگی کا مقام ہوا پھر وہاں سے دنیا میں آیا یہ دوسرا ٹھہرنے کا مقام ہوا پھر یہاں سے کوچ کر کے قبر میں پہنچا یہ دوسرا مقام سپرد ہے پھر وہاں سے جنت یا دوزخ ہر دوسرا مقام پر پہلے کے لحاظ سے مستودع ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ دلیل نباتات سے متعلق ہے دوم قسم احوالِ علویات سے پانچویں جو السماء کے حالات سے اور لطف یہ کہ سب میں انعام علی العباد ہے اور بھی ان دلائلِ خمسہ میں بلحاظِ تقدیم و تاخیر اسرار ہیں۔ ۱۲ منہ

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کے لئے بے سمجھے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں۔ وہ ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں پاک اور بالاتر ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے۔ جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ ہر بات جانتا ہے (لوگو) یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ سو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ باریک بین باخبر ہے۔

ترکیب: الجن جعلوا کا مفعول اول شرکاء مفعول ثانی 'للّٰہ شرکاء سے متعلق ہے۔ بغیر علم فاعل خرقوا سے حال ہے۔ بدیع السمٰوات خبر ہے مبتداء محذوف کی ذلکم مبتداء اللّٰہ خبر۔

تفسیر: تمام عالم نباتات سے لے کر فلکیات تک کو خاص اپنا پیدا کیا ہوا ثابت کر کے اور تمام عالم میں اپنا ہی تصرف و قبضہ کر کے ان بیوقوف مشرکوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے جنہوں نے جنوں کو یا اور شخصوں کو اس کا شریک بنایا تھا یا اب بھی بناتے ہیں۔

عرب کے بعض فرقے ان چیزوں کو جو آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں ملائکہ اور ارواحِ خبیثہ یا خاص جنوں کو (چونکہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں اس لئے ان سب پر لفظ جن کا اطلاق ہوتا ہے) پوجتے اور ان کے نام کی بوقتِ مصیبت دہائی دیتے اور ان کو عالم میں کارکن اور متصرف سمجھتے تھے اور آتش پرستوں کی بھی اطرافِ یمن میں حکومت تھی۔ وہ بھی بر تقلیدِ زردشت اس عالم کے دو خدا مستقل مانتے تھے۔ خیر کے خالق کو یزدان ظلمات اور شر کے خالق کو اہرمن کہتے تھے۔ یزداں کی فوج ملائکہ اور اہرمن یعنی ابلیس کی فوج کو شیاطین و جن قرار دیتے تھے اور ان میں جنگ و جدال کے قائل تھے۔ ادھر نجران وغیرہ علاقوں میں نصاریٰ تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ بھی بڑا شرک ہے۔ ان سب کے رد میں فرماتا ہے کہ بغیر سمجھے انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹیاں بھی گھڑ لیں کہ عیسائیوں نے بیٹا اور مشرکین عرب نے ملائکہ کو بیٹیاں کہا۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ خدا ان کی خانہ ساز باتوں سے پاک ہے۔ پھر اس پر چند دلائل ذکر فرماتا ہے: (۱) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی جو کچھ موجود ہے اس کا بنایا ہوا ہے۔ پھر وہ اہرمن کون ہے اور اس نے کیا بنایا ہے۔ وہ کیا اس کی مخلوق سے باہر ہے اور ایسے قادرِ مختار کو بیٹے بیٹیوں کی کیا ضرورت ہے؟ جو وہ ہیں تو بتلاؤ۔ انہوں نے کونسا آسمان کونسی زمیں اور کیا پیدا کیا ہے؟ (۲) اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کہ وہ قدیم اور مستغنی ہے۔ اس کو بیوی کی کیا ضرورت ہے اور جب بیوی نہیں بچے اور اولاد کیسی؟ (۳) وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اور والد خالق نہیں ہوتا و خلق کل شیء اگر وہ خالق نہیں تو یہ اولاد حادث ضرور ہے۔ پھر محدث یا خالق کون ہے؟ پھر اپنے چند وہ اوصاف بیان کرتا ہے کہ جن سے اس کا ان ذمائم سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اول وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کہ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ بات اوروں میں کہاں ہے۔ دوم وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ کہ وہ واجب الوجود ہے سب کا سلسلۂ احتیاج اس کی طرف تمام ہوتا ہے۔ وہی سب کا محافظ و حاجت روا ہے۔ سوم لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کہ اس کو اس عالم حسی کی آنکھ جو محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہے دیکھ نہیں سکتی لیکن وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ یہاں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عالمِ قدس میں خدا تعالیٰ کا

بندوں کو دیدار نہ ہوگا۔ علاوہ اس کے ادراک کی نفی ہے جو کنہ پر موقوف ہے نہ رؤیت کی جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

(لوگو) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینائی تو آ چکی پھر جو کوئی دیکھے تو اپنے بھلے کو اور جو کوئی اندھا ہی بن جاوے تو اپنے برے کو اور میں تو تم پر محافظ ہی نہیں ہوں اور اسی طرح پھیر پھیر کر ہم آیتیں بیان کرتے ہیں (تا کہ ان پر حجت ہو) اور تا کہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھ کر سنا دیا اور تا کہ ہم ان کو اہلِ علم کے لئے واضح کر دیں (اے پیغمبر!) آپ اس پر چلیں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے بجز اس کے (اور) کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرو اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو (کوئی) ان پر محافظ مقرر نہیں کیا ہے اور نہ آپ ان کے جواب دہ ہیں۔

ترکیب: من بکم جاء سے متعلق ہے۔ فمن شرط یا مبتداء ابصر جواب یا خبر وکذالك کاف موضع نصب میں صفت ہے مصدر محذوف کی اے نصرف الآیات تصریفا مثل ماتلونا ولیقولوا لام عاقبت ولیقولوا معطوف ہے محذوف برائے کذلک نصرف الآیات لتلزمھم الحجۃ ولیقولوا ولنبینہ معطوف ہے لیقولوا پر واللام علی الاصل والضمیر للآیات باعتبار المعنی اوللقرآن۔

تفسیر: اپنی ذات وصفات وتوحید پر دلائل بیان کر کے مشرکین کو ان کی نادانی پر کہ وہ اور چیزوں کو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے الزام دے کر ایک اعلانِ عام دیتا ہے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے خدا کی طرف سے بصائر (جمع بصیرۃ ای الا ادراک التام) یعنی سوجھ بوجھ ہے کہ جس سے انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی جو کوئی اندھا رہے اور اسی کفر وشرک کی اندھیریوں میں پڑا رہے تو اپنے لئے برا کرتا ہے اور جو کوئی اہلِ بصیرت ہو کر روشنی میں آئے گا تو اپنے فائدہ کے لئے اور آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ یہ بھی کہہ دو کہ میرا کام تو خبر دینا ہے میں تمہارا محافظ نہیں کہ خواہ مخواہ تمہیں ہدایت کرنا میرا ذمہ ہو۔ جب مبحثِ توحید کو تمام کر چکا تو اب آنحضرت ﷺ کی رسالت پر جو کچھ مشرکین و دیگر لوگوں کو شبہات تھے یکے بعد دیگر ایک نصیحت آمیز کلام کے ضمن میں ان کے جوابات دیتا جاتا ہے۔

قرانِ مجید ایک بار نازل نہ ہونے کا جواب: ایک شبہ ان کا قرآن مجید کے تدریجاً نازل ہونے پر تھا کہ یکبارگی یہ تمام وکمال کتاب آسمان سے کیوں نازل نہ ہوئی یہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وقتاً فوقتاً نازل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (ﷺ) کسی سے سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ درست اصمعی اور ابوالہیثم کہتے ہیں یہ درس سے مشتق ہے جس کے معنی پامال کرنا، قابو میں لانا، من درس الطعام اذا درسہ یدرسہ دراسا والدراس الدیاس ودرس الکلام من ہذا ای یدرسہ فیخفف علی لسانہ (ک) اس سے مراد ہے پڑھنا کیونکہ جو جس جملہ کو پڑھتا ہے وہ زبان پر رواں ہو جاتا ہے۔ قابو میں آ جاتا ہے۔ ابو عمرو وابن کثیر نے دارست بالالف ونصب التاء پڑھا ہے۔ اس کے معنی یہ کہ یہود وغیرہ

ا یعنی وہ دلیلیں جن سے دل کی آنکھیں کھلیں۔ ۱۲ منہ

سے پڑھ پڑھ کر حاصل کیا۔اس شبہ[1] کا جواب دیتا ہے کہ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الخ تصریف الٹ پلٹ کر بیان کرنا جس سے مراد وقتاً فوقتاً بیان کرنا یہ دو وجہ سے ہے۔ایک یہ کہ بار بار مختلف عنوانات سے بیان کرنے میں جو مضمون دلنشین ہوتا ہے۔ایک بار کہنے سے نہیں۔اس میں بندوں پر کامل شفقت ہے اور الزامِ حجت کہ ازلی سعادت منداس کو مفید عباد جان کر قبول کریں اور ازلی گمراہ یہ شبہ کریں کہ لوگوں سے محمد (ﷺ) سیکھ کر بیان کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں اہلِ علم قوم کو خوب معلوم ہوسکتا ہے کہ جو شخص مختلف عنوان سے بار بار نئے نئے دلنشین پیرایوں میں احکام وذات وصفات' عالم آخرت اور قصصِ انبیاء کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جس میں سرِ موتفاوت نہیں۔ یہ اسی لطیف الخبیر کا پرتو ہے کہ جس کو دنیا میں کوئی دیکھ نہیں سکتا اور جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جو آپ پر لا الہ الخ توحید کا حکم ہوا ہے آپ اس کے پابند رہو اور ان جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔ان کو خدا ہی نے گمراہ کر رکھا ہے ورنہ وہ چاہتا تو ہدایت پر آجاتے' شرک نہ کرتے۔پھر اے پیغمبر نہ آپ پر ان کی جواب دہی ہے نہ تو آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔پڑے بکنے دیجئے۔ازلی گمراہوں کی کس کس بات کا جواب دیا جاوے؟

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَاؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ١ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ۧ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًاؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

ع ۱۳ / ۱۹ — الجزء الثامن (۸)

---

[1] خلاصہ جواب یہ ہے کہ ہیر پھیر کر بیان کرنا ان وجوہ سے ہوا (۱) کہ بار بار بیان کرنے سے لوگوں کی آسانی ہو (۲) منکرین پر اور بھی اتمام حجت ہے کہ بار بار سمجھایا جاتا ہے اور پھر بھی نہیں سمجھتے۔ (۳) اہلِ علم کو بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ باوجود بار بار بیان کرنے کے پھر بھی تفاوت نہیں پاتے اور ممکن کہ کذالک نصرف الآیات سے مراد آثارِ قدرت ہوں کہ اپنی توحید اور یکتائی کی بار بار نشانیاں دکھاتے ہیں۔حوادثِ دہر اور ان کے جسم اور عالم کے تغیرات علویات سے لے کر سفلیات تک تاکہ ان پر حجت تمام ہو جاوے اور آپ کہہ اٹھیں کہ اے پیغمبر! آپ نے ہم کو پڑھ سنایا اور اہلِ علم کو اور علم حاصل ہو۔ یہ رحمت الٰہی ہے۔۱۲منہ

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

(مسلمانو!) یہ مشرک خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دیا کرو تا کہ (وہ بھی) اللہ کو جہالت میں آ کر گالیاں نہ دینے لگیں۔ ہم نے یوں ہی ہر گروہ کی نظروں میں ان کے عملوں کو مزین کر دیا ہے۔ پھر ان کو اپنے رب کے ہاں پھر کر جانا ہے۔ پھر وہ ان کو بتاوے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور انہوں نے اللہ کی سخت (سخت) قسمیں کھا کر کہا تھا اگر ہمارے پاس کوئی نشانی آوے گی تو اس پر ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور تمہیں (اے مسلمانو!) کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں ان کے پاس آویں تو بھی وہ ان پر ایمان نہ لاویں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں جیسا کہ وہ اول بار اس پر ایمان لائے تھے اور ہم ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ رکھیں۔ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتہ (بھی) بھیج دیتے اور ان سے مردہ بھی باتیں کر لیتے اور ان کے سامنے سب[1] چیزوں کو بھی لا کر کھڑا کر دیتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر کہ یہ خدا کو منظور ہوتا لیکن ان میں سے بہت تو جہالت ہی کرتے ہیں اور ہم نے ہر ایک نبی کے لئے اسی طرح سے (شریر) آدمیوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا کہ جو ایک دوسرے کو ملمع کی باتیں دھوکا دینے کو سکھایا کرتا تھا اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور ان کے ڈھکوسلوں کو چھوڑ دیئے تا کہ ان کی طرف ان لوگوں کے دل جھکیں کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ وہ ان کو پسند کریں اور تا کہ وہ غلط کام جو کرتے ہیں کئے جاویں۔

ترکیب: فیسبوا منصوب ہے جواب نہی ہو کر عدوًا یہ منصوب اس لئے ہے یا تو مصدر ہے من غیر لفظ الفعل لان السب عدوان فی المعنی اور حال مؤکدہ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول لہ بھی بغیر علم بھی حال ہے کذالك موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی اے کمازینا لکل امۃ عملھم زینا لھؤلاء عملھم وما یشعر کم مامبتداء و یشعر کم خبر اور وہ دو مفعول کی طرف متعدی ہے اول انھا ثانی محذوف تقدیرہ و مایشعر کم ایمانھم اول مرۃ ظرف زمان ہے وفذرھم بسکون الراء و ضمھا ولتصغی جمہور کے نزدیک لام مکسور ہے معطوف ہے غرورًا پر ای لیغروا ولتصغی بعض کہتے ہیں لام قسم ہے مکسور ہو گیا۔

تفسیر: مشرکین کے ان بیہودہ شبہات پر مسلمان ہنس کر ان کی بدعقلی کی دلیل ان کی بت پرستی سے پکڑتے ہوں گے اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے فرضی خداؤں کی خدائی باطل کرنے میں ان کی بے بسی اور دیگر قبائح بھی بیان ہوتے ہوں گے کہ جن سے ان معبودوں کی بے وقری ٹپکتی ہو گی جس کو مشرکین نے اپنے معبودوں کو گالیاں دینا مسلمانوں کی طرف سے سمجھ لیا۔ ہر چند وہ لوگ خدا کے بھی قائل تھے مگر ان میں دہریے بھی تھے کہ جن سے خدا تعالیٰ کو خصوصاً ربِ محمد (ﷺ) منزلِ قرآن کا نام لے کر (کیونکہ وہ منزلِ قرآن شیطان کو خیال کرتے تھے) مقابل میں گالیاں دینا کچھ مستبعد نہیں تھا۔ سوایسے حمقاء کے مقابلہ میں پڑھ کر گویا آپ خدا تعالیٰ کو برا کہلانا بلکہ خود برا کہنا ہے اس لئے اس آیۃ و لا تسبوا الذین میں اس کی ممانعت کر دی۔ حمقاء اور بے دین زبان دار لوگوں کے مقابلہ میں قرآن کی یہ آیت مدنظر رکھنی چاہیے جو اس امر میں اصل الاصول ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ ان کا حضرت ﷺ کی نبوت پر دوسرا شبہ تھا۔ وہ یہ کہ ہماری خواہشوں کے موافق یہ نبی کیوں معجزات نہیں دکھاتا؟ پھر اس پر وہ قسم کھا کھا کر زور دیتے تھے کہ بخدا ان میں سے کوئی بھی معجزہ اگر اس نے دکھایا تو ہم ضرور ایمان لے آویں گے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

---

[1] یعنی عالم غیب کی پوشیدہ چیزیں جن پر غائبانہ یعنی بن دیکھے ایمان لانا چاہیے تھا سامنے لا کر کھڑی کر دیں اور عالم غیب جنت دوزخ اور دیگر چیزوں کو عیاناً دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لاویں۔ کس لئے کہ ان کے دل شکی ہو گئے اس وقت ان کو بھی ڈھڈ بندی اور شعبدہ ہی کہنے لگے۔ معاذ اللہ جب ازلی محرومی ظہور کرتی ہے اور انسانی فطرت دوسرا رنگ پیدا کر لیتی ہے پھر وہ نہیں پلٹتی۔ اس میں ہادی اور ناصح کا کیا قصور اس بات کو حق سبحانہ ان آیات میں بیان فرما رہا ہے۔ ۱۲ منہ

کہ معجزات تو سب اللہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ قادر ہے جب چاہے ظاہر کر دے مگر ازلی گمراہوں کو اس سے کیا فائدہ ہوگا، وہ جب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ابن کثیر اور اہل بصرہ اور ابوبکر عاصم کوفی کی روایت انہا بکسر الف پڑھتے ہیں۔ علی الابتدا اور کلام کو مایشعرکم پر تمام سمجھتے ہیں/ اَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ دوسرا جملہ ہے اور دیگر قراء بفتح الالف پڑھتے ہیں اور خطاب مومنین کے لیے قرار دیتے ہیں۔ لایؤمنون میں لا کو زائد کہتے ہیں۔ پھر اس وقت ایمان نہ لانے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ الخ چونکہ یہ لوگ اس سے پہلے شق القمر وغیرہ معجزہ دیکھ کر جب ایمان نہ لائے اور ایسے مواقع میں ازلی گمراہ اور ازلی نیکوں کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ ازلی گمراہ ایسے معجزات دیکھ کر جب ایمان نہیں لاتے تو ان کے دلوں اور آنکھوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی معجزے پر یقین نہیں کرتے تو اب ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے۔ اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

حقیقت میں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے جو آیندہ دیگر سخت معاصی کے ارتکاب کا باعث ہوتی ہے۔ پھر کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ ہو۔ اس کے دل میں کچھ بھی اٹک باقی نہیں رہتی۔ ہندوستان کے اوباشوں، رنڈی بازوں، رقص دیکھنے والوں کو دیکھ لیجئے۔

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ کفار پہلے معجزات پر ایمان نہ لائے اور ان کی مرضی کے موافق معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بھی صاف ہو گئی۔ پھر وہ جو پادری اور نیاچر معجزات کی نفی ان آیات سے کرتے ہیں کہ جن میں کفار کی استدعا کے موافق معجزات سرزد نہ ہونے کا ذکر ہے۔ یہ ان کی کمال نادانی اور سوءِ فہمی ہے۔ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ الخ یعنی ان کی خواہش کے موافق ہم ان کے پاس ملائکہ بھی بھیج دیں اور مردے ان سے باتیں بھی کر لیں اور ان کے سامنے مری ہوئی چیزیں زندہ بھی ہو جائیں یعنی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو دکھایا جاوے تو بھی وہ ایمان نہ لاویں گے مگر جس کو خدا چاہے (اپنی رحمت کے صابن سے اس کے دل کا میل دھو دے)، وہ ایمان لے آوے۔ پھر جب ان ازلی گمراہوں کا یہ حال ہے تو بھاڑ میں پڑیں ہمیں کیا پڑی جو ان کے کہنے کے موافق معجزات دکھائیں۔ یہ جو جھک مارتے پھرتے ہیں پھرا کریں کیونکہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ ہر نبی کے دشمن آدمی اور جنوں میں سے سرکش اور نافرمان ہوتے آئے ہیں۔ جو وہ نبی کے برخلاف لوگوں کو ملمع کار باتیں سکھا کر گمراہ کیا کرتے ہیں۔ سو ان کا کہنا وہی مانتے ہیں جو یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی ان سے خوش ہوتے ہیں۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ

هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

(اے نبی!) ان سے پوچھو کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو منصف بناؤں حالانکہ اس نے تو تمہارے پاس کھلی ہوئی کتاب بھیج دی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے۔ پھر (اے نبی!) آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور آپ کے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہو گئیں۔ کوئی بھی اس کی بات کا بدلنے والا نہیں اور وہی (ہر ایک کی) سنتا (اور سب کی) جانتا ہے اور دنیا میں ایسے بھی بہت سے ہیں کہ (اے مخاطب!) اگر تو ان کا کہنا مانے تو وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دیں۔ وہ تو صرف خیالات پر چلتے ہیں اور وہ محض قیاس لڑاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بہکا ہوا ہے اور وہ راہِ راست پر چلنے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

ترکیب: افغیر اللہ ابتغی کا مفعول حکماء اس سے حال ویجوز العکس مفصلا الکتب سے حال ہے اور بالحق ضمیر مرفوع منزل سے۔ صدقا وعدلا تمیز ہیں اور مفعول لہ بھی اور حال بھی ہو سکتی ہیں۔ ھو اعلم خبر ان من بمعنی الذی یا نکرہ موصوفہ موضع نصب میں فعل محذوف سے جس پر اعلم دلالت کرتا ہے ای یعلم من یضل یا من استفہامیہ مبتداء و یضل خبر اور جملہ یعلم محذوف سے محل نصب میں۔

تفسیر: چونکہ پہلی آیتوں میں کفار کے اعتقادِ بد کو اور انکارِ نبوت اور شبہاتِ بے جا کو رد فرما کر آنحضرت ﷺ اور جملہ ایمانداروں کی تسلی کے لئے فرما دیا تھا کہ ان کی یہ سب باتیں ملمع کاری ہے (زخرف القول) جو ان کے مادۂ فاسدہ سے ابخرات کی طرح اٹھتی ہیں۔ ایک دوسرے سے بیان کرتا ہے اور اس کے دل میں جماتا ہے تم کو ان باتوں کی طرف خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس پر بحکم ''کس نگوید کہ دوغ من ترش است'' کفار کا یہ عذر بھی رد ہوتا ہے کہ چلو ہم کسی کو پنچ بنائیں وہ کیا کہتا ہے اس لئے فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پنچ بناؤں کہ جس نے مجھ پر وہ کتاب نازل کی کہ جس میں نیک و بد' سعادت و شقاوت کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اس کتاب کے برحق ہونے کی ایک دلیل تو خود یہی کتاب ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ کیونکہ الٰہیات اور احکام و قصص عبرت انگیز بصیرت خیز سعادت و شقاوتِ دارین کے اصول اس سچائی اور صفائی سے بیان کرنا خاصۂ کتابِ الٰہی ہے۔ سو یہ سب باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اگر آنکھ ہو تو دیکھ لو۔ اس کی طرف هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الخ میں اشارہ فرمایا اور اگر خود عقلِ خداداد نہ ہو اور کسی کی شہادت درکار ہو تو اہلِ کتاب دل میں اس کے برحق ہونے کے مقر ہیں کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں جو مجموعہ صحیح و غلط روایات کا ہیں تاہنوز صدہا نشان قرآن کے برحق ہونے کے پاتے ہیں۔ اس کی طرف وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ میں اشارہ کیا۔ اس کے بعد ان شبہات کو ہیچ و پوچ قرار دینے کے لیے فرماتا ہے کہ آپ کسی طرح سے شک میں نہ پڑیں۔ شمشیرِ یقین سے سب کی قطع برید کر ڈالنا چاہیے۔ اس میں خطاب آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر مراد اور ہیں۔

اس کے بعد پھر اطمینان کرتا ہے کہ کتابِ الٰہی کے دو حصہ ہوتے ہیں۔ ایک میں گذشتہ لوگوں کے واقعات اور آئندہ کے حالات' جنت و دوزخ' حساب و کتاب کی تشریح اور اپنی ذات و صفات کی توضیح ہوتی ہے۔ سو اس حصے کی دلیلِ اصالت تو صدق ہے یعنی سچائی اور دوسرے حصہ میں احکام روحانی و جسمانی' سیاسی و نوامیسی ہوتے ہیں۔ سو اس کی دلیل عدل یعنی افراط و تفریط سے پرہیز ہونا ہے۔ حالانکہ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا قرآن ان دونوں اوصافِ صدق و عدل میں پورا ہے جس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ کس لئے کہ وہ سمیع و علیم ہے۔ مکذبین کی باتیں سنتا ہے۔ ان کے دلوں کے راز جانتا ہے، ان کا کوئی داؤ اس سے مخفی نہیں۔ پھر فرماتا ہے اے پیغمبر! آپ وحی کے مطابق چلیں ان کے کہنے سننے کی پروا نہ کریں کس لئے کہ یہ اندھے ہیں۔ اگر آپ ان کے کہنے پر چلیں تو آپ تو گمراہ ہیں تم کو بھی گمراہ کر دیں کس لئے کہ حقیقت الامر ان کو معلوم نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں انکل اور قیاس سے کہتے ہیں۔ احکام سے لے کر قصص تک اور عالم آخرت

کے معاملہ سے لے کر صفات تک محض قیاسات باطلہ ہیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴

سو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس کو کھاؤ اگر تم کو اس کی آیتوں پر یقین ہے اور کیا وجہ کہ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا جاوے اس کو نہ کھاؤ حالانکہ جو چیز تم پر حرام ہے اس کی تفصیل ہو چکی ہے مگر وہ بھی جبکہ تم کو اس کی طرف ناچارگی ہو جاوے (تو درست ہے) اور (اے نبی!) بہت سے لوگ تم کو بے سمجھے (بوجھے) اپنی خواہشوں میں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور (اے لوگو) چھپے اور کھلے سب گناہ چھوڑ دو۔ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ اپنے کئے کی عنقریب سزا پائیں گے اور جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ اور وہ گناہ (بھی) ہے اور بے شک شیاطین تو اپنے رفیقوں کے دل میں تمہارے ساتھ جھگڑا کرنے کے لئے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو بے شک تم بھی مشرک ہو گئے۔

ترکیب: وما استفہامیہ مبتداء لکم خبر الاتا کلوا حرف جر محذوف ای فی ان لاتا کلوا حرف جر کے حذف ہونے کے بعد محل نصب میں ہے وقد فصّل جملہ حال ہے۔ ما اضطررتم الیہ ماموصولہ اضطررتم الیہ صلہ ماموضع نصب میں ہے جنس سے استثناء ہونے کے سبب معنی۔ کس لئے اللہ تعالیٰ نے جس پر اللہ کا نام لیا جاوے اس کے کھانے سے پرہیز کرنے پر تنبیہ کی ہے جو اباحت اکل کو مطلقاً چاہتا ہے۔

تفسیر: منجملہ مزخرفات قولِ کفار کے کہ جس کو شیاطینِ انس و شیاطینِ جن ملمع کار دلیلوں سے ان کے دلوں میں ڈالا کرتے تھے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ کفار جس طرح اور ناپاک چیزوں کو کھاتے تھے جیسا کہ خون وغیرہ اسی طرح جو جانور کہ از خود مر جاتا تھا یا بتوں پر چڑھایا جاتا تھا اور کسی طرح سے مر جاتا تھا' اس کو کھا لیا کرتے تھے اور ذبیحہ کو اپنا مارا سمجھ کر نہ کھاتے۔ اس کی بابت حکم دیتا ہے فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ کہ تم وہ جانور کھاؤ کہ جس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہے یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر اس کی تاکید فرماتا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ کہ تم ان کے شک ڈالنے کی طرف خیال نہ کرو۔ اگر تم کو اللہ کی آیتوں کی طرف یقین ہے اس کے بعد پھر تاکید فرماتا ہے مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کہ تم کفار کے ان شبہات کی طرف کہ اللہ کی ماری ہوئی (یعنی مردار) کو تو مسلمان کھاتے نہیں اور اپنی ماری ہوئی (یعنی ذبیحہ) کو کھاتے ہیں۔ یہ عجب بات ہے۔ خیال کر کے کیوں اس کے کھانے میں تامل کرتے ہو؟ یہ حرام نہیں کس لئے کہ

۱ یعنی جس ذبیح پر اللہ کا نام لیا گیا اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا گیا ہے اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ۔

قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ کہ جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں۔ان کی تفصیل وتشریح تو ہو چکی ہے۔اس کے بعد کی اس آیت میں قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ الآیہ[1] اس کی تفسیر آگے آتی ہے اور نیز یہ بیان سورہ مائدہ میں بھی ہو چکا ہے۔حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر الخ نزولاً گو یہ بعد ہے مگر ترتیبِ اصلی میں جو مطابقِ لوحِ محفوظ ہے مقدم ہے مگر وہ محرمات بھی حالتِ اضطرار میں مستثنیٰ ہیں۔ الاما اضطررتم الیه پھر کفار کے شبہ کو رد کرتا ہے کہ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ الخ کہ بہت سے دنیا میں شیاطین ہیں کہ وہ اپنی جہالت سے الٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ عرب میں سب سے پہلے یہ گمراہی عمرو بن لحی نے ایجاد کی تھی۔سواس کو یہ سرکش لوگ خوب معلوم ہیں وہ ان کو سزا دے گا۔

اس کے بعد قاعدہ کلیہ کے طور پر ایک عام حکم دیتا ہے جو تمام شرائع کی اصل ہے اور بتوں کے چڑھاوے اور مردار چیزوں کے کھانے میں دل پر تاریکی پیدا ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ کہ ظاہر اور باطن کے سب گناہ چھوڑ دو۔گناہِ ظاہری میں قزاقی' زنا بالاعلان' مردارخوری سب آگئے اور باطنی چھپ کر زنا کرنا' دل پر برے خیالات کو جگہ دینا' حسد و کبر کرنا' کیونکہ ان ہر ایک کی سزا پاوے گا۔اس کے بعد بالصراحة مردار کے کھانے سے منع کر کے بقولہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ کفار کے اس شبہ کا وحیِ شیطانی اور خطرۂ نفسانی ہونا ظاہر کرتا ہے۔ بقولہ وان الشیاطین الخ اور مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننے میں کفار کا کہا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ کس لئے کہ دوسرے کو تعلیم حکم میں خدا تعالیٰ کے برابر جاننا یہ شرک فی الحکم ہے۔

فوائد: (۱) فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ یعنی جو جانور حلال ہیں ان کو اللہ کے نام (تکبیر) سے ذبح کیا جاوے تو کھاؤ یعنی تمہارے لئے دینی طور سے اس کے کھانے میں اجازت واباحت ہے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ یہود نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ہم مردار نہیں کھاتے' آپ مار کر کھاتے ہیں۔تب یہ آیت نازل ہوئی۔کما اخرج ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عطا کہتے ہیں کہ یہ حکم کچھ ذبیحہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہر کھانے پینے پر بھی بسم اللہ ضرور ہے ورنہ وہ چیز حرام ہے مگر جمہور کے نزدیک اور چیزوں پر بسم اللہ امرِ مسنون ہے نہ کہ فرض کس لئے کہ اس آیت میں مما سے جانور مراد ہیں مگر جانور بھی حلال کہ جن کو کتاب وسنت نے حرام نہ کہا ہو اور یہ بسم اللہ کہنا بھی ذبیحہ کو باحادیثِ صحیحہ جب درست کرتا ہے جبکہ مومن یا اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو۔

(۳) اہلِ علم کے نزدیک اس آیت سے وہ ذبیحہ کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو خواہ جھٹکا کیا ہو یا گردن مروڑنے سے مار ڈالا گیا ہو یا بتوں کے نام سے ذبح ہوا ہو یا از خود اپنی موت سے مرا ہو الغرض اس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام پاک نہ لیا گیا۔پھر خواہ اس کو کسی نے مارا ہو۔ اہلِ کتاب نے یا ملحد یا کسی اور نے وہ حرام ہے۔اگر مسلمان سے بھی بوقتِ ذبح بسم اللہ کہنا ترک ہو جاوے خواہ عمداً خواہ سہواً علماء کا ایک گروہ کہتا ہے وہ بھی حرام ہے۔آیہ لم یذکر اسم اللّٰه علیه اس پر صادق ہے۔ یہ ابن عمر ونافع وشعبی وابن سیرین کا قول ہے اور ایک روایت سے مالک واحمد بن حنبل کا بھی قول ثابت ہوتا ہے اور داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں مگر علماء کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے اگر سہواً بسم اللہ کہنا ترک ہو گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔یہ حضرت علی وابن عباس وسعید بن مسیب وعطاء وطاؤس وحسن بصری وعبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وابوحنیفہ وغیرہ کا قول ہے اور مشہور امام احمد و مالک کا بھی یہی قول ہے۔وہ کہتے ہیں سہواً ترک دراصل ترک نہیں بھول چوک مسلمان کی معاف ہے۔امام

---

[1] سورہ مائدہ جس میں حرام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے گو نزول میں مؤخر ہے مگر اصل ترتیب میں اس آیت سے مقدم ہے اور نیز اس آیت کے بعد میں حرام چیزوں کا ذکر ہے اور اس قدر متاخر کو ایک متصل اور مسلسل کلام میں یہ کہنا کہ تم کو بتا چکے ہیں درست ہے۔۱۲ منہ

شافعی وغیرہ فرماتے ہیں اگر مسلمان عمداً بھی ترک کردے تو بھی ذبیحہ درست ہے کس لئے کہ آیت میں ذبح غیر اللہ کی حرمت مذکور ہے۔ یہ قول اس آیت کے بظاہر مخالف ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

وقف لازم

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسی روشنی کر دی کہ جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہو۔ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں پڑا ہوان سے نکل نہ سکتا ہو۔ ہم نے کافروں کے لئے ان کے کام مزین کر دیے ہیں اور ہم نے اسی طرح سے ہر گاؤں میں وہاں کے فاسق لوگ سردار بنائے تا کہ وہاں مکر کیا کریں اور ان کا مکر صرف انہیں کے لئے ہو۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں اور جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی[1] چیز نہ ملے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی تھی۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں کہ اپنی پیغمبری قائم کرتا ہے۔ عنقریب گنہگاروں کو خدا کے ہاں کی ذلت اور عذاب شدید پہنچے گا۔ ان کی مکاری کی وجہ سے۔

ترکیب: من مبتداء یمشی بہ موضع نصب میں ہے صفت ہے نورا کی کمن خبر۔ مثلہ مبتداء فی الظلمات خبر لیس بخارج حال ہے ضمیر مثلہ سے۔ اکابر مفعول اول جعلنا فی کل قریہ ثانی۔

تفسیر: پہلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کی اطاعت سے منع فرمایا تھا یہاں اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ قابل اطاعت تو وہ شخص ہے کہ جس کو خدا نے موت ظلمات طبیعت سے بسبب انکشاف و تجلیات روحانیہ کے زندہ کیا ہو اور اس کے ساتھ اس کے پاس خدا کی طرف کا ایک چراغ ہدایت بھی ہو (قرآن) کہ جس کی روشنی میں وہ لوگوں کو لانا چاہتا ہے نہ وہ کہ جو طرح طرح کی اندھیریوں میں ایسا مبتلا ہو کہ جو ان میں سے کبھی نکل ہی نہ سکے (کیونکہ نہ کفر و شرک کو برا جان کر ہادی کی تلاش کرے گا نہ ورطہ ظلمت سے نکلے گا) سو اول صفت تو نبی کی ہے اور دوسری کافر کی۔ پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں پس قابل اتباع نبی ہے نہ کافر۔ پھر اس کافر کی ظلمات سے باہر نہ آنے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ ان کی روحانیت میں قضاء و قدر نے خباثت کی طرف میل طبیعت رکھا ہے۔ جس طرح کہ نجاست کے کیڑے کو نجاست کی طرف میل طبعی ہے۔ وہ پاک چیزیں چھوڑ کر اسی پر ریجھتا ہے۔ اسی طرح یہ بدافعال ان کی آنکھوں

---

[1] یعنی وہی معجزات و نبوت جو رسولوں کو عطا ہوئے ہیں جب تک ہم کو نہ ہوں گے ایمان نہ لائیں گے۔ ۱۲ منہ

میں خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ پھر کیونکر ظلمات سے نکلیں؟ خدا ایسی حالت سے بچاوے۔ پھر فرماتا ہے کہ مکہ کے سرداروں پر ہی کچھ موقوف نہیں کہ وہ مومنین اور نبی کے مقابلہ میں لوگوں کو مکر وفریب سے گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں بلکہ ہم نے جس جگہ اور جس گاؤں میں نبی بھیجے وہاں کے مکاروں اور بدکاروں کو وہاں کی سرداری اور دنیاوی عزت دی تاکہ وہ اپنے کام میں پوری کامیابی حاصل کر کے ابدی جہنم کے مستوجب ہو جاویں (افسوس بعض کی دنیاوی ترقی اور کثرتِ مال وجاہ اسی کی ہلاکت آخرت کا باعث ہو جاتی ہے)۔

مکہ کے کافر سردار ابوجہل اور ولید بن مغیرہ جب آنحضرت ﷺ کا کوئی بڑا معجزہ دیکھتے تھے تو حسد وکبر کے مارے یہ حیلہ کرتے تھے کہ اس شخص میں کیا بات ہم سے زیادہ ہے؟ ہمیں کیوں نبی صاحب معجزات نہیں کیا گیا؟ ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبوت کے لئے ازل میں نفوسِ قدسیہ پیدا کئے گئے ہیں۔ وہی مناسب جان کر وحی اور نبوت قائم کرتا ہے ؎

کلاہِ خسروی و تاجِ شاہی بہر سر کے رسد حاشا و کلا

سو عنقریب ان متکبروں کو دنیا میں (جیسا کہ بدر کے دن یا فتح مکہ میں ہوا) یا آخرت میں تکبر کے عوض ذلت اور نخوت کے بدلے میں عذابِ شدید ملے گا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵/۲

پھر جس کو اللہ ہدایت دینی چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ ایسا بھنچا ہوا تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اس کو آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ان پر اللہ ایسی ہی پھٹکار ڈال دیا کرتا ہے اور آپ کے رب کا سیدھا رستہ تو یہ (اسلام) ہے۔ ہم نے سمجھنے والوں کے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں۔ ایمانداروں کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا کارساز ہوگا۔ ان کے ان عملوں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اور جس دن کہ ان سب کو جمع کر کے (پوچھے گا) کہ اے قوم جن! تم نے بہت سے آدمی اپنے کر لئے تھے اور ان کے انسان دوست عرض کریں گے کہ اے رب! ہم میں سے (دنیا میں) ایک دوسرے سے فائدہ لیتا رہا جنوں نے ہم سے نذر ونیاز لی ہم نے لوگوں سے دھوکا دے کر کمایا اور (اب) ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو

تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا یعنی سزا کا وقت آ گیا، اب آپ کے ہاتھ بات ہے) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہو گے مگر جب تک اللہ چاہے۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا اور خبردار ہے اور ہم اسی طرح سے (وہاں بھی)۔ ایک ظالم کو دوسرے کے ساتھ ان کے اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے، رفیق بنا دیں گے۔

ترکیب: فمن شرط یشرح جواب حرجا ای ضیقا بکسر الراصفۃ وفتحہا مصدر وصف بہ مبالغۃ کانما فی موضع نصب او حال من الضمیر فی حرج۔ مستقیما حال ہے صراط ربک سے والعامل ہذا حرجا بالفتح جمع حرجۃ وہی شدۃ الضیق یصعد قری مخففا من الصعو دو مشددا واصلہ یتصعد و معناہ یتکلف مالا یطق مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر: پہلے کافر کی مثال مردہ اور اندھیریوں میں پڑے ہوئے کی اور مومن کی زندہ اور نور میں چلنے والی کی بیان کی تھی۔ اب یہاں سے اس تعجب واستبعاد کو دور کر کے اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ باوجود اس قدر معجزات وآیات بینات کے پھر کیوں ایمان نہیں لاتے؟ وہ یہ کہ ایمان لانا اور کفر میں پڑا رہنا یہ سب باتیں قضاء وقدر کے بس میں ہیں جس کو ہدایت کرنا چاہتے ہیں اس کی آنکھوں سے یہ تمام حجابات جو اس کو ایمان کی روشنی کے دیکھنے سے مانع آتے ہیں اٹھا دیتے ہیں۔ سو اسلام قبول کرنے پر بسہولت آمادہ ہو جاتا ہے اور جس کو اسی گمراہی میں پڑا رہنا چاہتے ہیں اس کے دل سے یہ حجاب دور نہیں ہوتے۔ سو حیاتِ دنیا اور اس کے لذات وشہوات پر ایسا غش ہو جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کو جس میں لذاتِ روحانیہ اور عالمِ باقی کی طرف رہنمائی ہے ایسا سخت اور مشکل جانتا ہے کہ جیسا کوئی آسمان پر چڑھنے کو ہدایتِ عام ہے۔ ہذا صراط ربک مستقیما اسلام خدا کی سیدھی سڑک ہے جو دارالسلام تک پہنچتی ہے مگر اس پر چلنا ہر ایک کی تقدیر میں نہیں بلکہ سمجھ والوں کے لئے۔ پس جو اس پر چلیں گے ان کے لئے دارالسلام ہی سلامتی اور امن کا گھر یعنی جنت جو عند ربھم اس محبوبِ حقیقی کے پاس ہے اور وھو ولیھم وہ وہاں ان کا دوست بھی رہے گا۔ بما کانوا یعملون نہ صرف زبانی جمع خرچ اور جھوٹے دعوے کی وجہ سے بلکہ ان کے اعمالِ صالحہ اور کوشش سے جو حقیقی اسلام کی علامت ہے اور اسلام سے دل تنگ ہونے والوں کے لئے یہ ہوگا کہ یوم یحشرھم الخ ان سب کو جمع کر کے ان کے بہکانے والے اور خدائی کے مستحق بننے والے جن اور خبیثوں سے سوال ہوگا کہ تم نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ اور خراب کیا تھا۔ اس باز پرس کی وجہ ان جنوں اور خبیثوں کے دنیاوی یار یعنی ماننے والے یہ عذر کریں گے کہ دنیا میں باہمی رابطہ کر کے ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام لیا جنوں کو ہم نے بہکا کر اپنی نذر و بھینٹ اور پرستش پر آمادہ کر کے کام لیا اور ہم نے ان سے غیب کی باتیں دریافت کرنے اور دیگر تخویفات میں کام لیا تھا (ہندوستان میں اب تک سینکڑوں ارواحِ خبیثہ اور جن بھوتوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ ہندوستانیوں سے وہ خوب کام لے رہے ہیں اور سینکڑوں برہمن جوگی اتیت ساحر بھوت وغیرہ سے کرشمہ دکھلانے اور توہماتِ بے جا پیدا کر کے ڈرانے میں کام لے رہے ہیں اور اے رب! ہم اپنے لکھے کو پہنچے یا یہ معنی کہ زندگی بھر ایسا کرتے رہے۔ ہم سے بیوقوفی ہوگئی ان جنوں نے بہکا دیا۔ فرمائے گا جاؤ تم دونوں کے لئے جہنم ٹھکانا ہے ہمیشہ وہیں رہو گے۔ مگر جب اللہ چاہے تو نکالے سو وہ کیوں چاہے گا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میری آیتیں سنایا کرتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں اور ان کو تو دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال رکھا تھا اور وہ آپ ہی اپنے اوپر گواہی دیں گے کہ ہم منکر تھے۔ یہ اس لئے کہ آپ کا رب کسی گاؤں کو ان کے ظلم پر ان کی بے خبری میں ہلاک کرنے والا نہیں اور ہر کسی کو اپنے اعمال کے درجے ملیں گے اور آپ کا رب ان کے کام سے بے خبر نہیں اور آپ کا رب بے پروا رحمت والا ہے۔ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمہارے پیچھے جس کو چاہے قائم کرے جس طرح کہ تم کو اور لوگوں کی نسل سے پیدا کر دیا۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آنے والا ہے اور تم ہرگز روک نہ سکو گے۔

ترکیب: یقصون موضع رفع میں صفت ہے رسل کی اور حال بھی ہوسکتا ہے ھذا خبر ہے مبتدا محذوف کی یا یومکم کی صفت ان لم ان مصدریہ یا مخففہ ہے اور لام محذوف ای لان لم یکن ریک موضعہ نصب او جر۔

تفسیر: پھر اس عذر بارد کے رد کرنے کو ہر ایک جن وانسان سے خطاب کر کے فرمائے گا الم یاتکم رسل منکم الخ کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے جو تمہیں میں سے تھے جن سے بوجہ ہم زبان وہم قوم وموانست کے نصیحت حاصل کرنا بہت آسان تھا جو تمہیں میری آیتیں سناتے اور آج کے دن سے خوف دلاتے تھے؟ اس کے بعد وہ اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔ علماءِ اسلام میں سے جمہور بقرائن آیات ان اللہ اصطفیٰ آدم الخ وغیرہا اس بات کے قائل ہیں کہ رسول صرف انسانوں ہی میں سے مبعوث ہوئے ہیں جنوں کو بھی وہی تعلیم کیا کرتے ما منکم جو یہاں آیا ہے سو اس سے یہ مراد نہیں کہ جن وانسان کے ہر ہر فریق میں سے رسول آئے بلکہ دونوں کے مجموعہ میں سے کہ جو صرف انسانوں پر صادق آسکتا ہے۔ یا رسل انس کے نائب رسل جن تھے جن پر رسل کا لفظ مجازاً اطلاق ہوا۔ ضحاک کے نزدیک جنوں میں سے بھی رسول ہوئے ہیں۔

اس کے بعد رسول بھیجنے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کسی گاؤں کو بھی غفلت کی حالت میں مبتلائے عذاب نہیں کرتے بلکہ پیشتر رسول یا ان کے نائب صحابہ سے لے کر قیامت تک علماءِ کرام بھیج کر متنبہ کر دیتے ہیں۔ اب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دار آخرت میں جو کچھ سختی ونرمی، جنت ودوزخ اور ان میں ثواب وعتاب کے متفاوت درجات ہوں گے اس میں کچھ ہماری کسی پر بے رحمی وظلم وزیادتی یا کوئی ذاتی بغض ونفرت نہیں بلکہ مِمَّا عَمِلُوْا اور ہم تو کسی کی عبادت وریاضت کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ اور نیز بالذات ہم کو اپنی ہر مخلوق پر رحمت ہے۔ ذُو الرَّحْمَةِ اور اس رحمت سے یہ سمجھ کہ وہ تمہاری سرکشی کی سزا دنیا میں نہیں اور اپنے وعدۂ عذاب وثوابِ دنیا وآخرت کو پورا نہیں کرسکتا۔ اِنْ يَّشَاْ الخ وَاِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ اور تم اس کے آنے والے وعدہ کو روک نہیں سکو گے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ
لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ
الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو بھائیو تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ (عمل) کر رہا ہوں ۔ سو تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے لئے دارِ آخرت کا انجام اچھا ہے ۔ بے شک ظالموں کا تو بھلا ہوگا نہیں اور اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں سے مشرکین اس کے لئے حصہ لگا کر اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا پھر جو ان کے معبودوں کا ہو جاتا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ٹھہرتا ہے وہ ان کے معبودوں کو بھی پہنچ جاتا ہے ۔ کیا برا فیصلہ کر رہے ہیں اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کو تو ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا پسند کرا دیا تھا تا کہ ان کو خراب کریں اور ان کے دین میں غلطی ڈال دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ بات نہ کرتے سو آپ ان کو اور ان کے ڈھکوسلوں کو چھوڑ دیجئے ۔

ترکیب: مکانتکم ای حالکم' من موصولہ مفعول تعلمون' نصیبا مفعول اول جعلوا للہ اور مما ذرا جعل سے متعلق من الحرث ما کا بیان شر کاؤھم فاعل زین قتل مصدر مضاف الی المفعول مفعول زین ۔

تفسیر: ان ما توعدون لآت فرما کر قیامت اور وعدۂ الٰہی کے منکروں کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کو بمزید وثوق یہ حکم ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دو اچھا اگر تمہیں یقین نہیں تو تم جو کچھ کرتے ہو کئے جاؤ اور جو میں کرتا ہوں وہ میں کئے جاتا ہوں ۔ آپ معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے لئے دارِ آخرت اور وہاں کی خوبیاں ہیں اور اس کے ساتھ یہ حکم ناطق بھی سنا دیا کہ ظالموں کو فلاح نہ ہوگی ۔

اس کے بعد کفارِ عرب کی چند وہ حماقتیں بیان کرتا ہے کہ جن کو انہوں نے مذہب اور وسیلۂ نجات سمجھ رکھا تھا تا کہ معلوم ہو کہ ان کی سرکشی اور بے جا حجتیں ان کی بیوقوفی کا ثمرہ ہے ۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ کھیتی اور چار پایوں میں سے باوجود اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں حصہ لگا رکھتے تھے ۔ کچھ اناج اور کچھ جانوروں کو اللہ کے حصہ کا اپنے گمان کے بموجب قرار دیتے تھے اور کچھ اپنے بتوں کے نام کا (جیسا کہ بعض دیہات میں اناج اٹھاتے وقت ڈھیریاں لگاتے ہیں کہ یہ اللہ کے نام کی اور یہ مدار کی اور یہ سالار کی یہ قلندر کی ۔ اسی طرح جانوروں میں کرتے ہیں) اور اس پر لطف یہ تھا کہ اگر اللہ کی ڈھیری میں سے بتوں کی ڈھیری میں جا ملتا تھا تو نہ اٹھاتے تھے اور ان کی ڈھیریوں میں سے جو اللہ کی ڈھیری میں آملتا تھا تو اسے اٹھا کر بتوں کی ڈھیری میں ملا دیتے تھے کہ ان کو زیادہ حاجت ہے اور خدا کو کچھ حاجت نہیں ۔ اس پر فرماتا ہے کہ کیا ہی برا فیصلہ ہے ۔

منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ اپنے فرضی معبودوں سے اولاد کا سوال کیا کرتے تھے اور جب کئی اولاد ہوتی تھیں تو ان میں سے ایک کو اس بت خانہ کے پاس لے جا کر اس بت کے نام سے ذبح کر دیتے تھے جس طرح کہ ہندو بتوں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور یہ رسم بابل اور نینوٰی میں بھی تھی اور پھر کہیں ایک دن مقرر ہوتا تھا کہ جس میں ایک قسم کی نذریں ادا ہوتی تھیں یعنی بے زبان' معصوم بچے آگ میں ڈالے جاتے تھے ۔ کہیں ذبح کئے جاتے تھے ۔ ہنود میں بھی یہ رسم تھی جن کی صحبت سے جاہل اہلِ اسلام ایک بیٹے کو بجائے ذبح کرنے کے اولیاء اللہ کی خانقاہوں میں چڑھا دیتے ہیں اور کہیں اولیاء اللہ کے نام سے ان کے سر پر چوٹی رکھتے ہیں جس کو وہاں لے جا کر

بوقتِ معین مونڈتے ہیں۔ان باتوں کی نسبت فرماتا ہے۔وکذالک زین لکثیر الخ۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً
عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ
فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ
قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى
اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں یہ مواشی اور کھیتی اچھوتی ہے۔ ان کے خیال پر اس کو وہی کھائے جس کو وہ چاہیں اور بہت سے ایسے چار پائے بھی ہیں کہ جن پر چڑھنا اور لادنا حرام کر رکھا ہے اور ایسے بھی چار پائے ہیں کہ جن پر (بوقتِ ذبح) اللہ کا نام نہیں[1] لیتے اللہ پر جھوٹ بنا رکھا ہے۔ وہ ان کو بھی ان کے جھوٹ کی سزا دے گا اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چار پایوں کے پیٹ[2] میں ہے وہ تو ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا ہو تو پھر اس میں سب شریک ہیں۔ وہ ابھی ان کو ان باتوں کی سزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ بے شک وہ خرابی میں پڑ گئے جو اپنی اولاد کو بیوقوفی میں آ کر جہالت سے قتل کر ڈالتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھ کر اللہ کی دی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے تھے۔ ضرور وہ تو گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے کے لائق بھی نہ تھے اور وہی تو ہے کہ جس نے چھتری[3] دار اور بغیر چھتری کے باغ اگائے اور کھجور اور کھیتی پیدا کی کہ جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار بھی جو کہ باہم (صورت) میں ملتے جلتے ہیں اور (مزے میں) نہیں[4] ملتے جب وہ پھل لائیں تو ان کے پھل کھاؤ (پیو) اور کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دیا کرو (زکوٰۃ) اور فضول خرچی نہ کیا کرو کیونکہ اس کو فضول خرچ کرنے والے پسند نہیں اور چار پایوں میں سے اس نے کچھ بارکش بنائے اور کچھ بلند قامت زمین سے لگے ہوئے[5] جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ قسم کے جوڑے پیدا کئے بھیڑوں میں سے دو اور بکریوں میں سے دو۔ پوچھو کیا ان میں سے اللہ نے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا ان دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچے کو۔ مجھے سمجھ کر بتاؤ تو اگر تم سچے ہو اور اونٹ کے بھی دو نر مادہ اور گائے کے بھی دو نر مادہ۔ پوچھو کیا ان میں سے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس بچہ کو جو ان دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہے۔ کیا تم جبکہ خدا نے تمہیں یہ حکم دیا تھا تم موجود تھے پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹی باتیں لوگوں کو نا سمجھی سے گمراہ کرنے کے لئے بنائے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ترکیب: لایطعمھا موضع رفع میں صفت ہے حرث کی حجر بکسر حاء و سکونِ جیم اور بضم حاء و سکون جیم بھی جائز ہے۔ اس کے معنی منع اور حرام افتراءً مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے کس لئے کہ ان کا قولِ سابق افتراء ہے ای یفترون افتراءً اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔ اول صورت میں علیہ قالوا سے متعلق ہوگا۔ دوسرے میں نفس مصدر سے ما بمعنی الذی مبتداء خالصۃ خبر والتانیث لرعایۃ المعنی لان مافی البطون انعام وقیل للمبالغۃ کعلامۃ والمعنی حلال و صفہم منصوب ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے سفہاء مفعول لہ ہے یا تمیز مختلفا حال مقدرہ ہے۔ ایسا ہی متشابھا حمولۃ وفرشا معطوف ہیں جنات پر ای وانشاء من الانعام حمولۃ صالحۃ للحمل علیہا کالابل وفرشا کالغنم لانہا لفرش للارض لدنوھا منہا ثمانیۃ ازواج منصوب ہے جنات پر معطوف ہو کر یا بدل ہے یا کلوا محذوف ہے۔

تفسیر: کہ یہ ناپاک اور مکروہ فعل شیطان نے ان کی آنکھوں میں خوشنما کر دیا ہے۔ لیلبسوا علیہم دینھم کہ ان کے دین[6] کو اپنی طرف کے حاشیہ چڑھا کر خراب کر دے۔ ولیردوھم ارداء ہلاک کرنا قال اللہ تعالیٰ کدت لتردین اور تاکہ ان کو ہلاک و برباد کرے۔ دنیاء و آخرت میں ایسی جاہل قومیں رسوا و برباد ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اپنی کھیتی اور چار پایوں میں سے بتوں کے نام چڑھاتے تھے (جیسا کہ ہندوستان میں چڑھاوا چڑھتا ہے) اور اس کو حجر[7] یعنی اچھوتا کہتے تھے کہ بجز پجاریوں کے اور کسی کو کھانا درست نہ سمجھتے تھے اور عورتوں کے لئے بھی کھانے کی اجازت نہ تھی اور ان جانوروں پر تعظیماً سوار ہونا بھی برا اور حرام جانتے تھے اور ان میں سائبہ وبحیرہ وغیرہا بھی شامل ہیں جن کی تفصیل اوپر گذری ہے اور ان جانوروں پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام بھی نہ لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام سے ذبح کرتے یا یہ معنی کہ ان کو کسی کارِ

---

1. ذبح کرتے وقت یہ وہ تھے کہ جن کو بتوں کے نام پر چھوڑ رکھا تھا۔
2. ذبح کے وقت گابھن چار پوں کے پیٹ کے بچے پر کہا کرتے تھے۔ ۱۲ منہ
3. یعنی ٹٹیوں پر ان کی بیل چڑھتی ہی جائے انگور وغیرہ۔ ۱۲ منہ
4. فطرتِ اسلام یا ملت اسماعیلیہ وابراہیمیہ۔ ۱۲ منہ
5. یعنی چھوٹے قد کے جیسا کہ بھیڑ بکری یا زمین پر ذبح کے لئے لٹانے کے قابل۔ ۱۲ منہ
6. صورت میں تشابہ اور لذت میں خلاف۔ ۱۲ منہ
7. حجر حا کی کسر معنی المنع اور عقل کو بھی اسی لئے حجر کہتے ہیں کہ وہ قبائح سے منع کرتی ہے اور اسی لئے قاضی کے حکمِ امتناعی کو حجر کہتے ہیں۔ اس سے مراد کہ اور لوگ اس کے کھانے سے ممنوع کئے گئے تھے حسن وقتادہ نے حجر بضم بھی پڑھا بجز اللہ۔ ۱۲ منہ

خیر میں صرف نہ کرتے تھے اور اس فعل کو خدا کا حکم سمجھتے تھے۔ افتراء علیہ یہ سب افترا تھا خدا تعالیٰ پر۔

منجملہ ان کے یہ بات تھی کہ ان سائبہ اور بحیرہ کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو خالص اپنے مردوں کے لیے حلال جانتے تھے اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام کر رکھا تھا اور جو مردہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے کھانے میں مرد وزن سب شریک ہو جاتے تھے۔ اب ان کے بیہودہ ڈھکوسلوں کے رد میں فرماتا ہے سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ کہ ان کے اس وصف یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے کی خدا ان کو عنقریب سزا دے گا اور وہ علیم[1] ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے حکیم مہلت کسی مصلحت سے دے رکھی ہے ان ناپاک باتوں میں سب سے بری بات اولاد کا قتل کرنا ہے پیشتر رد کرتا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ الخ اور بعدہ ان چیزوں کا از خود حرام کر لینا تھا اس کی نسبت فرماتا ہے وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ اور یہ فعل ان کا خدا پر محض افتراء ہے اس نے تو نہیں فرمایا اور خود ان میں اس بات کی عقل نہیں قَدْ ضَلُّوا اور نہ اس بات کی قابلیت ہے وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ الخ یہاں سے لے کر انیسویں رکوع تک کھیتی اور مواشی کا اپنی رحمت و انعام سے پیدا کرنا اور بندوں کے لیے حلال ہونا ایسے عمدہ طور سے بیان فرماتا ہے کہ جس سے بتوں کے مقابلہ میں خاص اللہ تعالیٰ کا ہی خالق الاشیاء ہونا اپنے بندوں کے فوائد کے لیے ان چیزوں کا حلال و مباح کر دینا ثابت ہوتا ہے۔

طریق اول: هُوَ الَّذِي سے لے کر لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ تک یعنی ہر قسم کے باغ اور سب نباتات اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں سو تم شوق سے ان کو کھاؤ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ البتہ دو باتوں کی پابندی کرنی چاہیے ایک تو وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ اس میں علماء کے تین قول ہیں اول ابن عباس وعطاء وابن عمر و مجاہد و سعید وغیرہم کا کہ اس حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ یعنی عشر دسواں یا چالیسواں حصہ ہے اس کو بقدر امکان کٹنے کے روز ادا کرے ورنہ بعد میں اور حصاد کھیتی اور پھلوں کے کٹنے کو کہتے ہیں اور گو مدینہ میں آ کر دوسرے برس آیت زکوٰۃ نازل ہوئی مگر اس سے قبل واجب ہونا خصوصاً کھیتی وثمار میں کچھ تعجب نہیں اور ممکن ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہو۔ امام[2] ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت سے جس طرح ہر قسم کی پیداوار زمین پر عشر واجب ہے بلا قید زرع اسی طرح ہر مقدار پر بھی بلا قید خمسہ اوسق عشر واجب ہے۔ جمہور پانچ وسق میں عشر کہتے ہیں۔ دوسرا علی بن حسین وعطاء و مجاہد و حماد کا قول۔ وہ یہ کہ علاوہ عشر و نصف عشر کے کٹنے کے روز جو غرباء و مساکین کھیت اور باغ میں آ جاتے ہیں کچھ ان کو بھی دینا چاہیے کیونکہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیت مکیہ ہے (اور یہی قوی ہے) تیسرا قول سعید بن جبیر وغیرہ کا ہے کہ یہ حکم مکہ میں تھا مگر جب مدینہ میں زکوٰۃ عشر یا نصف عشر مقرر ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسری بات یہ کہ اسراف یعنی فضول خرچی نہ کرو جس میں بتوں کے نام پر یا معصیت میں دینا آ گیا۔ اس کے بعد مواشی کی بابت ذکر فرماتا ہے کہ عرب میں چار قسم کے جانور لوگوں کے پاس زیادہ تھے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے نر اور مادہ ہر ایک کو لیا جائے تو آٹھ[3] قسم ہوتی ہیں جن کو ثمانیہ ازواج کہا گیا اب آنحضرت سے فرماتا ہے کہ ان حمقاء سے پوچھیے کہ ان میں سے خدا نے نر کو حرام کیا ہے یا مادہ کو یا پیٹ کے بچہ کو (أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ) اور کیا تم اس وقت موجود تھے یا تم سے کہہ دیا ہے؟ جب یہ نہیں تو پھر کیوں خدا پر جھوٹ باندھ کر حرام کہتے ہو؟

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ

---

[1] اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی چیز کا حلال یا حرام کرنا علت مصلحت پر مبنی ہے۔ سو یہ بات تو اللہ ہی کا حصہ ہے کیونکہ وہ علیم ہے نہ کہ یہ حمقاءِ عرب پھر ان کو حرام و حلال کرنے کا کیا منصب ہے۔ ۱۲ منہ

[2] چھواروں اور منقیٰ میں تو جمہور کے نزدیک بھی جبکہ پانچ وسق تک پیدا ہو۔ ۱۲ منہ

[3] دنبہ بھی اس میں شامل ہے۔ ۱۲ منہ

مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

(اے نبی! ان سے) کہہ دو جو کچھ میری طرف وحی[۱] کیا گیا ہے میں تو اس (قرآن) میں کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر مردار یا بہا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کا جانور جو اللہ کے سوا غیر کے نام سے پکارا گیا ہو۔ اس پر بھی جو کوئی ناچار ہی ہو جاوے (اور کچھ کھالے) بشرطیکہ وہ نہ باغی ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو (اس کے لئے) آپ کا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور یہودیوں پر ہم نے ایک کھُر والا جانور حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکریوں کی چیزیں بھی ان پر حرام کر دی تھیں مگر وہ چربی جو ان کی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی (لپٹی) ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور ہم سچ کہتے ہیں پھر اگر (اے رسول!) وہ آپ کو جھٹلا دیں تو کہہ دو کہ تمہارا رب[۲] وسیع رحمت والا ہے (جو عذاب نازل نہیں کرتا) اور گنہگاروں سے اس کا عذاب دور ہونے والا نہیں۔

ترکیب: یطعمه طاعم کی صفت محلا مجرور الا ان یکون استثناء ہے جنس سے اس کا موضع نصب ہے ای لا اجد محرماً الا المیتة بالنصب خبر ہے یکون کی اسم الماکول محذوف او دمًا او ولحم خنزیر اس پر معطوف اوفسقاء عطف ہے لحم خنزیر پر۔ بعض کہتے ہیں موضع الا ان یکون پر معطوف ہے اور فانه رجس فاصل ہے اہل فسقا کی صفت ومن البقراء معطوف ہے کل پر اوالحوایا موضع نصب میں عطفاً علی ما السفح الصب وقیل السیلان ویستعمل لازما ومتعدیا والفرق فی المصدر فی الاول المصدر السفوح وفی الثانی السفح۔ الحوایا الامعاء جمع حاویة کضاربة وضوارب وقیل جمع حاویاء مثل قاصعاء وقواصع وقیل جمع حویة۔

تفسیر: اب دوسرے طریق سے مشرکین کے قول کو رد کرتا ہے کہ جو انہوں نے دائرۂ معیشت تنگ کرنے کے لئے بہت سی چیزوں کو از خود حرام کر رکھا تھا اور جس میں وہ اپنے معبودوں کی خوشنودی سمجھتے تھے وہ یہ کہ حرام کرنا کسی چیز کا خدا تعالیٰ کا کام ہے جو بندوں کی مصلحت پر نظر کر کے بذریعہ وحی اس کے حرام ہونے کی نبی کی معرفت خبر دیتا ہے اس لئے یہاں نبی کو فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ جو کچھ مجھ پر وحی کیا گیا یعنی قرآن اس میں تو میں کھانے کی چیزوں سے بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی حرام نہیں پاتا: اول میتة یعنی مردار اس میں نطیحه اور متردیہ اور درندوں کا پھاڑا ہوا اور لٹھ سے مارا ہوا یعنی بغیر ذبح کیا ہوا جانور بھی آ گیا کیونکہ ہر ایک مردار ہے۔ دوم دمِ مسفوح یعنی وہ خون جو بہہ کر جانوروں میں سے نکلتا ہے بوقتِ ذبح یا زخم یا کاٹنے سے اور وہ خون جو گوشت کے ساتھ لگا ہوتا ہے یا جما ہوا جسم میں ہوتا ہے جیسا کہ تلی اور کلیجی وہ حرام نہیں اس لئے اس کو آنحضرت ﷺ نے مستثنیٰ کر دیا جیسا کہ میتة سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کر دیا۔ سوم لحم الخنزیر یعنی سور کا

۱. یعنی قرآن ۱۲ منہ

۲. یعنی اس کی رحمت جلد عذاب نازل ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ آخر تو عذاب آوے گا ہی جو کسی کے روکے رکنے کا نہیں۔ ۱۲ منہ

گوشت۔ اب ان کے حرام ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے فانہ رجس کہ یہ ناپاک ہے یعنی علتِ حرمت ناپاکی ہے جس سے پیغمبر ﷺ نے اور بھی ناپاک جانوروں اور ناپاک چیزوں کو جو اس آیت میں مخفی تھیں ظاہر کر دیا جانور ہزاروں ہیں کس کس کے نام لئے جاتے۔ عام قاعدہ بتلا دیا کہ پرندوں میں جو چونچ اور چنگل سے شکار کرے اور صحرائی جانوروں میں جو درندہ ہو جس کی کچلیاں ہوں شیر' کتا' بھیڑیا' گیدڑ وغیرہ اور اسی طرح ناپاک چیزوں میں گوہ' موت' شراب داخل ہے کیونکہ اس کو تو بالتخصیص قرآن میں ناپاک کہا ہے۔ چہارم فسق یعنی وہ قربانیاں جو بتوں کے نام سے ذبح کی جاویں۔ اس کے بعد مدینہ میں سورہ مائدہ نازل ہوئی۔ اس میں موقوذہ ومتردیہ ونطیحہ کی حرمت آ گئی۔ حاصل کلام یہ کہ اگر عموم کھانے کی چیزوں کی نسبت ہے تو اس کے بعد جو کچھ کتاب وسنت سے حرام ہو وہ بھی اس میں داخل ہو مگر بوقتِ اضطرار ان کی بھی رخصت ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ الخ اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ ہم نے یہود[1] پر بھی ذی ظفر یعنی ناخون چری ہوئی چیزیں اور گائے بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس کی تشریح پہلے ہو چکی۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ تیری تکذیب کریں اور عذاب کے خواستگار ہوں تو کہہ دو کہ وہ بڑا رحیم وحلیم ہے' جلد باز نہیں مگر جب اس کا عذاب آتا ہے تو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔

ابحاث: (۱) قل لا اجد الخ یہ سورہ مکیہ ہے اس میں حصر کر دیا کہ کھانے پینے کی چیزیں جو شریعت محمدیہ علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حرام ہیں صرف یہی چار چیزیں ہیں پھر اسی بات کی متعدد مقامات میں تاکید بھی کر دی۔ چنانچہ سورہ نحل میں فرماتا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور کلمہ انما حصر کے لئے آتا ہے۔ ان دونوں مکی سورتوں سے بھی صرف چار چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا اور سورہ بقرہ میں فرمایا۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور سورہ مائدہ میں بھی فرمایا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یتلی سے مراد وہ ہے جو بعد میں فرمایا ہے۔ اعنی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ اور سورہ مائدہ اور بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں سے صرف انہیں چاروں چیزوں کی حرمت پائی جاتی ہے کیونکہ منخنقہ وغیرہا میں داخل ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ شریعتِ مصطفویہ میں اول سے آخر تک صرف انہیں چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

شبہ: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی چار چیزیں حرام ہوں اور انہیں میں حصر ہو جاوے تو نجاسات وقذورات گوہ' موت اور شراب اور گھر کا پلا ہوا گدھا اور کتا اور تمام درند پرند و چرند اور دیگر وہ چیزیں جو کتبِ فقہ واحادیث میں حرام لکھی ہیں' حلال سمجھی جاویں حالانکہ وہ اہلِ اسلام کے نزدیک حرام متصور ہوئیں ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ چار چیزیں حرام قرآن میں کی گئی مگر ان چاروں چیزوں کے ضمن میں اور چیزیں بھی ہیں جو انہیں چاروں سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ خواہ ان کو پیغمبر خدا ﷺ نے سمجھا اور اس کی تشریح فرمائی مثلاً انہیں آیات میں جو سور کو حرام کیا تو اس کی وجہ یہ فرمائی کہ فانہ رجس یہ ناپاک ہے۔ بس اس ناپاکی کو کتے اور دیگر درندوں میں آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر ہر ذی ناب اور ہر ذی مخلب کو بھی خنزیر کے ساتھ ملحق کر دیا اور اسی طرح شراب کو بھی نجس قرآن میں کہا ہے اور اسی وجہ سے قرآن میں اس کی نسبت فاجتنبوہ آ گیا کہ اس سے بچو۔ الغرض نجاسات کو حرام کیا اور بطور نمونہ خنزیر کا ذکر کر دیا کیونکہ اس میں زیادہ نجاست ہے اور نیز عرب کی قوم میں اس کا استعمال کرتی

---

[1] یعنی کچھ تمہاری خصوصیات نہیں ہمیشہ سے مصلحتِ الٰہیہ بندوں کو بعض مضر چیزوں سے جن کی مضرت خواہ جسمانی ہو خواہ اخلاقی ہو روکتی رہی ہے۔ اشیاءِ مذکورہ بالا میں اخلاقی اور جسمانی مضرت ہے اور نفس سرکش جو خواہشوں کے مرض میں گرفتار ہے اس کے لئے پرہیز ضرور ہے۔ حکیم روحانی کا یہ اہم کام ہے۔ ۱۲ منہ

ہیں اور اسی طرح خون بھی نجاست کا دوسرے طور سے نمونہ ہے اور کلیۃً اس لئے ایک آیت میں یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ بیان کر دیا جس طرح کہ مخنقۃ اور متردیۃ اور نطیحۃ میتۃ کے اقسام ہیں خواہ علماء صحابہ و تابعین و من بعدھم مجتہدین نے سمجھ کر ان کی تشریح کی ہو یا خود پیغمبر ﷺ نے۔ خلاصہ یہ کہ یہ چار چیزیں اور بہت سی ناپاک چیزوں کا نمونہ ہیں کیونکہ علتِ نجاست بیان ہوئی ہے۔ عام ہے کہ نجاست ظاہری ہو یا باطنی (۲) وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر میں علماء نے کلام کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے اونٹ مراد ہے۔ (چنانچہ تورات کتاب احبار باب ۱۱ میں یہ عبارت ہے مگر ان میں سے جو جگالی کرتے ہیں یا کھر ان کے چرے ہوئے ہیں ان کو نہ کھاؤ جیسا کہ اونٹ جگالی کرتا ہے پھر کھر اس کا چرا ہوا نہیں ہوتا سو وہ ناپاک ہے۔ تمہارے لئے خرگوش الخ اور سافن اور سور الخ اور سب چار پائے جن کے کھر دو حصے ہوں پر پاؤں چرے ہوئے نہ ہوں اور نہ جگالی کرتے ہو وہ ناپاک ہیں۔ تمہارے لئے جو ان کو چھوئے گا ناپاک ہوگا۔ چربی کی بابت بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

مشرک ابھی کہنے لگیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم از خود کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح ان سے پہلوں نے جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا (اے نبی! ان سے) کہو تمہارے پاس کچھ علم ہو (کتابی سند) تو اس کو ہمارے روبرو نکال کر لاؤ۔ تم تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم تو صرف اٹکلیں دوڑاتے ہو۔ (ان سے کہہ دیجئے) پس اللہ ہی کی دلیل قوی ہے[1] پھر اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا (یہ بھی ان سے) کہو تم اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو تمہارے ساتھ ہو کر اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے یہ (چیزیں) حرام کر دیں پھر اگر وہ گواہی بھی دیں تو ان کے ساتھ آپ گواہی نہ دیں اور نہ آپ ان لوگوں کی خواہشوں پر چلیں کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور نہ وہ آخرت پر یقین کرتے اور وہی اپنے رب کے برابر (اوروں کو) کرتے ہیں۔

ترکیب: ولا آباؤنا عطف ہے ضمیر پر جو اشرکنا میں ہے اور نحن کلمہ تاکید قائم مقام کلمہ لا ہے جو اس مقصد فصل کو پورا کر رہا ہے **ھلم** اسم فعل شھداء کم اس کا مفعول الذین موصول وصلہ اس کی صفت فان شھدوا شرط فلا تشھد جواب۔

تفسیر: ایسے جاہلوں کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ وہ جب حجت میں مغلوب اور ایسے افعال ضمیمہ کے ارتکاب پر ملزم کئے جاتے ہیں تو لاچار

[1] یعنی تمہارے پاس کوئی علمی سند ہو تو لاؤ پھر جب لا نہ سکے تو اللہ ہی کی دلیل غالب رہی۔ ۱۲ منہ

ہو کر یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اگر خدا کو یہ بات پسند ہی نہ ہوتی تو وہ نہ ہم سے سرزد ہونے دیتا نہ ہمارے باپ دادا سے کہ جن کی تقلید ہم کرتے آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کو یہ کام پسند ہے۔ اسی طرح مکہ کے کافروں نے کہا سو اس بیہودہ عذر اور باطل حجت کو رد کرنے کے لئے قبل ان کے کہنے کے خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عنقریب وہ ایسا کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا نہ شرک کرتے نہ کسی چیز کو از خود حرام کرتے۔ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو انبیاء کی تکذیب ہے وہ بذریعہ الہام الٰہی ان افعال[۱] کو منع کرتے ہیں۔ سو یہ تکذیب انہیں پر موقوف نہیں۔ ان سے پہلے لوگ یوں ہی انبیاء کی تکذیب کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ پھر اس عذر کو دوسری طرح سے رد کرتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پاس اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تمہاری ان باتوں سے خوش ہے۔ ھل عند کم من علم بلکہ کوئی سند نہیں صرف تم قیاس لڑاتے ہو۔ اس کے بعد ان کو اس مشیتِ الٰہی کے بارے میں تحقیقی جواب دیتا ہے مگر پہلے بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے لِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کہ خدا کی دلیل اور حجت قوی اور پوری ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح بندے کو قضا و قدر نے اپنے ازلی نوشتہ کا تابع کر رکھا ہے اسی طرح کچھ اختیار بھی دے رکھا ہے جس کو موقع پر استعمال میں نہ لانے سے بندے کو الزام دیا جاتا ہے یہ ہے حجتِ بالغہ اس لئے بہت سے لوگ دنیا میں برخلاف کرتے ہیں اور تقدیرِ الٰہی میں ان کا جہنمی ہونا بھی لکھا ہے سو وہ اس لیے یہ افعال ان کے اختیار کی وجہ سے ان سے سرزد ہونے دیتا ہے تا کہ دنیا میں ہدایت یافتہ اور گمراہوں میں امتیاز رہے۔ اس سے کچھ اس کی خوشنودی اور رضامندی نہیں سمجھی جاتی۔ ہاں اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دیتے فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ یا یوں کہو کہ یہ تو قطعاً معلوم ہے کہ دنیا میں سب ہدایت پر نہیں، کچھ گمراہ بھی ہیں۔ پھر ان گمراہوں کے افعالِ ذمیمہ کیونکر موافقِ مرضیٔ الٰہی سمجھے جاویں گے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ گمراہی اس کی مشیت ازلی سے ہے۔ اگر چاہتا تو نہ ہوتی۔ پھر ان کو ان کے خیال پر اور بھی قائل کرتا ہے کہ اچھا تمہارا اس بات پر کوئی گواہ ہے کہ خدا نے ان بحیرہ وغیرہا چیزوں کو حرام کیا ہے؟ فرماتا ہے اگر کوئی گواہی بھی دے تو اے نبی تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا وہ قطعاً جھوٹے اور بدعقل ہیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلنا، جھوٹا ہونا تو اس لئے کہ کَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور بدعقل ہونا اس لئے کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ الخ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

[۱] مشیت اور رضا میں فرق ہوتا ہے دنیا میں بھی اس کی بہت مثالیں ہیں۔ ہم بسا اوقات کسی وجہ خاص سے کوئی مکان گرانا یا گھر میں آگ لگانا یا کسی کو کچھ دینا چاہتے ہیں مگر مرضی کے خلاف۔ اسی طرح مرضیٔ الٰہی بھی ہے کہ سب نیک رستے پر چلیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے دنیا میں بتایا گیا مگر انتظامِ عالم اور نوشتۂ ازلی سے چاہا یہ بھی جاتا ہے کہ یہ گمراہی میں رہیں اس نازک مسئلہ کو اب تک بھی روشن دماغ عمدہ طور سے بغیر غور و تامل نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ مکہ کے جاہل بت پرست مگر جب حجت میں عاجز ہو جاتے اور قائل ہونا پڑتا تو دھاندلی کرنے کے لیے یہ مسئلہ مشیت و رضا کا اڑاتے جس کا جواب ان آیات میں دیا گیا۔ ۱۲ منہ

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(اوران سے کہو) ادھر آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو اور نہ تنگدستی کے مارے اپنی اولاد کو قتل کرو۔ ہم تم کو بھی روزی دیا کرتے ہیں اور ان کو بھی اور نہ کسی بے حیائی[۱] کے پاس جاؤ خواہ پوشیدہ ہو اور نہ اس جان کو قتل کرو کہ جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق پر یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا تا کہ تم سمجھو اور نہ تم یتیم کے مال کے پاس جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنی جوانی کو نہ پہنچے اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کیا کرو۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم ہی نہیں دیتے اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو۔ اگر چہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا تا کہ تم یاد رکھو اور یہ بھی کہ میرا ہی سیدھا راستہ ہے سو اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ یہ رستے تم کو اس کے رستہ سے (بھٹکا کر) پریشان کر دیں گے۔ یہ ہے جس کی اس نے تم سے تاکید کی ہے تا کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

ترکیب: ما بمعنی الذی اور عائد محذوف ای ماحرمہ اور مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے ان لاتشر کوا ان مفسرہ اور لا نہی کے لیے اور مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے تب لا زائد ہوگا ای حرم ربکم ان تشر کوا اور جملہ محل نصب میں ہوگا محذوفہ سے بدل ہو کر ماظھر وما بَطَنَ فواحش سے بدل الاشتمال ہیں منہا موضع حال میں ہے۔ ذلکم مبتدا وصاکم خبر۔ وان ھذا معطوف ہے ماحرم پر ای واتلوا علیکم ان ہذا الخ جملہ محلاً منصوب فتتفرق جواب نہی بکم موضع مفعول میں ہے۔

تفسیر: کھانے پینے کی چیزیں جو خدا نے حرام کی ہیں ان کو بیان فرما کر اب دوسرے طور پر ان کی حرام کی ہوئی چیزوں پر تعریض کرتا ہے کہ اے نبی! ان سے کہو کہ آؤ تمہیں میں بتاؤں کہ خدا نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں یعنی حرام اور قابلِ رعایت تو یہ باتیں ہیں کہ جن میں معاد اور معاش کی صدہا حکمتیں اور ہزار ہا بھلائیاں رکھی ہوئی ہیں۔ سو وہ نو باتیں جن کو بالترتیب ذکر فرماتا ہے: (۱) اَنْ لَّا تُشْرِكُوا الخ کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو۔ چونکہ عرب کی جاہل قوم میں کہیں تو بتوں کو اور کہیں ستاروں کو اور کہیں جنوں کو اور کہیں ارواحِ انبیاء وصلحاء کو خدائی اختیارات میں دخیل وحصہ دار جانتی تھیں اور ان کو نافع وضار سمجھ کر پکارتی منتیں مانتی تھیں۔ یہ ان کا شرک تھا۔ اس میں ہر قسم کے شرک کا اور ہر فرقہ کا رد ہے۔ (۲) بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو خدا کے بعد ماں باپ کا حق ہے۔ (۳) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ عرب میں فقر وفاقہ کے خوف سے اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے کہ ان کے لیے کھانے کو کہاں سے لاویں گے اور بیٹیوں کو زندہ زمین پر دفن کر دیتے تھے کہ اس کا بیاہ شادی کیونکر کریں گے اور بیٹی کو ایک مصیبت ذات سمجھتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ روزی کی تمہیں کیا فکر ہے تمہیں اور ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور اولاد کو بے تربیت چھوڑنا دینی ودنیاوی مصالح کی تعلیم سے غافل رکھنا بھی مار ڈالنا ہے۔ ماں باپ کے بعد اولاد کا حق تھا اس لئے اس کے بعد اس کو ذکر کیا۔ (۴) فحش کام نہ کرو خواہ خفیہ ہوں خواہ ظاہر اس میں زنا اور ناچ، گالی گلوچ وغیرہ سب آ گئے۔

[۱] بے حیائی، زنا اور اس کے دواعی ناچ رنگ شہوت انگیز قصے اور اشعار، گالی گلوچ، ننگی تصاویر رکھنا دیکھنا یا خلوۃ کی باتیں سننا، فحش بکنا اس میں ظاہر بے حیائی ہے اور باطن دل میں برے خیالات کو جگہ دینا تصوراتِ فاسدہ اور شہوت انگیز سے لذت اٹھانا اور ان سب سے بچنا چاہیے۔ کس لئے کہ یہ روح تاریک کرتی ہیں اور جس سے دنیا میں فساد اور فتنہ اور صدہا آفتیں برپا ہوتی ہیں۔ ۱۲ منہ

(۵) جس جان کا مارنا خدا نے منع کیا ہے اسے نہ مارو یعنی ناحق خون نہ کرو۔ (٦) یتیم کا مال بغیر کسی وجۂ شرعی کے نہ کھاؤ۔ (۷) ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ (۸) جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو خواہ اس میں کوئی کیوں نہ ہو۔ قرابت دار یا غیر۔ (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ توحید کا قائم رکھنا رسالت کا اقرار اور ظاہراً و باطناً خدا سے خوف کرنا۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن اور تدبیر المنزل کے تمام اصل الاصول یہ ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کی تمہیں خدا نے وصیت کی ہے اور دار السلام کا یہی سیدھا راستہ ہے ادھر ادھر نہ جاؤ ورنہ بہک جاؤ گے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع ۱۹

پھر (سنو) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی تاکہ جو نیک ہے اس کی تکمیل ہو جاوے اور ہر ایک چیز کی تفصیل و ہدایت و رحمت ہو جائے تاکہ وہ اپنے رب کے ملنے پر ایمان لائیں اور یہ (قرآن) کتاب مبارک بھی ہم نے نازل فرمائی ہے۔ سو اس پر چلو اور پرہیزگاری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے تاکہ تم نہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو قوموں پر نازل ہوئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر ہی رہے یا یوں کہنے لگو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ پر ہدایت ہو جاتے۔ لو تمہارے پاس بھی تمہارے رب کے ہاں سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ چکی۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتیں جھٹلائے اور ان سے کترائے۔ ہم بھی اپنی آیتوں سے کترانے والوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ کترایا کرتے تھے۔

ترکیب: تماماً مفعول لہ علی الذین احسن جار متعلق ہے تماما سے وتفصیلا الخ تماما پر معطوف ھذا مبتداء کتاب خبر ان تقولوا ای کراہۃ ان تقولوا وان کنا ان مخففہ واسمہا محذوف ای انا او تقولوا ان تقولوا پر معطوف۔ لو انا شرط لکنا الخ جواب جملہ مفعول تقولوا فمن مبتداء اظلم خبر ممن اس سے متعلق بآیات اللہ کذب کا مفعول۔

تفسیر: یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ ان اشیاءِ مذکورہ کا حرام کرنا کچھ نئی بات نہیں۔ ہم ہمیشہ انبیاء کی معرفت لوگوں کو اچھی بری باتوں سے خبر دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب دی تھی یعنی تورات (یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ جو کتاب بنام نہاد تورات موسیٰ کے بعد لوگوں نے جمع کی وہ ہرگز تورات نہیں جیسا کہ آج کل اہلِ کتاب کے پاس ایک مجموعہ تورات کہلاتا ہے) جو نیکوں کے لئے ناتمام نہ

تھی اور اس میں دینی باتیں سب تھیں اور اخلاق کی تعلیم میں ہدایت اور رحمت تھی تا کہ لوگوں کو خدا کے پاس جانے کا اس کتاب سے یقین ہو جائے۔ اس میں بھی اس قسم کے احکام تھے۔ خصوصاً احکامِ عشرہ کہ جن میں سے سبت کی تعظیم نکال دی جاوے تو یہی نوحکم رہ جاتے ہیں۔ گو عنوان کا فرق ہے۔ ثم تراخیِ بیان کے لئے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ فلاں فلاں چیزیں حرام کر کے ہم نے موسیٰ کو تورات دی تھی بلکہ یہ مراد کہ ان کے بیان کے بعد یہ کہتا ہوں کہ موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی۔ عرب کا یہود و نصاریٰ سے مدت سے میل جول تھا۔ ان سے توریت وانجیل کا حال سن کر دل میں آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش ہم پر کوئی کتاب نبی کی معرفت آتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت پر ہو جاتے۔ اس لئے تورات مقدسہ کا ذکر کر کے فرماتا ہے وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ لو یہ کتاب یعنی قرآن ہم نے نازل کر دیا ہے جو بڑی بابرکت کتاب ہے سو اس پر چلو اور پرہیز گاری اختیار کرو تا کہ تم پر خدا کی رحمت ہو۔

اور اس کتاب سے تمہارا عذر بھی باقی نہ رہا کہ ہم سے پہلے دو قوموں یہود و نصاریٰ پر کتاب اتری اور ہم کو بسبب غیر زبان ہونے کے ان کے مطالب سے خبر نہ ہوئی اور اب اس بات کے کہنے کا موقع بھی نہ رہا کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم بہت زیادہ ہدایت قبول کرتے کیونکہ اب تو تمہارے پاس خدا کی طرف سے بینہ یعنی دلیلِ واضح آ چکی ہے کہ جس نے حق و باطل کو کھول دیا اور نیز دنیاوی و دینی تعلیم و ترقی کے لئے یہ کتاب ھدیٰ یعنی سچا ہادی اور برحق مرشد و رہنما اور عالمِ قدس کی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے رحمت ہے مگر ان ازلی بدبختوں نے اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد اور سالہا سال کی آرزو حاصل کرنے کے بعد بھی اس کا انکار کیا اور اس سے رک گئے۔ ایسی صورت میں الزام دیتا ہے کہ بھلا اس سے زیادہ کون ظالم و بدبخت ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے رکے۔ حالانکہ اس نے تو بلاغرض تم پر عنایت و رحمت کی ہے۔ پس جو ایسی نعمت کی قدر نہیں کرتے ان کو عنقریب عذاب پہنچے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۶۳

کیا وہ (یہی) انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں (جان سے) یا آپ کا رب (آئے) یا اس کی بعض نشانیاں (قیامت) جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجاویں گی[1] تو جوکوئی اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں[2] کچھ نیکی نہ کی تھی تو اس کا ایمان اس کو کچھ بھی نفع نہ دے گا (اے رسول! منکرین سے) کہہ دو (اچھا) انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں (اے رسول!) جنہوں نے کہ اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور کئی فرقے بن گئے تو آپ کو ان کی کسی بات سے (بھی) سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ ان کو آپ بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے جو کوئی نیکی[3] لے کر آوے گا تو اس کا دس گنا بدلہ پاوے گا اور جو کوئی گناہ لے کر آوے گا تو صرف اتنی ہی سزا پاوے گا اور ان پر (ہرگز) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ (اے رسول! کافروں سے) کہہ دو میرے رب نے مجھے سیدھا رستہ بتا دیا ہے۔ صحیح مذہب ابراہیم[4] حنیف کا دین ہے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ کہہ دیجئے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خاص اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا رب ہے جس کا کوئی (بھی) شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول حکم بردار ہوں۔

ترکیب: یوم کا عامل لا ینفع ہے نفسا مفعول ایمانہا فاعل لم تکن الخ او کسبت الخ دونوں جملہ صفت ہیں نفسا کی۔ خیرا کسبت کا مفعول لست منہم خبر ان الذین دینا بدل ہے صراط سے جو معنی منصوب ہے۔

تفسیر: جب معجزات و آیاتِ بینات سے مخالفوں کی ہر طرح کی تسلی کی گئی توحید کے مضامین نئے نئے عنوان سے بیان ہوئے عالمِ آخرت اور وہاں کی جزاء و سزا کا نقشہ کھینچ دیا گیا مگر اس پر بھی کفار کا نہ ماننا اور اسی قدیم لکیر کا فقیر بنا رہنا حد درجہ کی سیاہ دلی ہے جس کی نسبت آخر کو یہی فرمانا پڑا کہ کیا اب تم اسی بات کے منتظر ہو کہ تمہارے پاس ملائکہ آویں یا خدا تعالیٰ[5] آوے یا اس کے ہاں کی کوئی خاص نشانی آئے جب تم مانو گے۔ پھر جب ایسا وقت آجائے گا تو تمہارا ایمان کچھ بھی فائدہ نہ بخشے گا کیونکہ جو کوئی اس وقت سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان میں آکر کوئی نیکی نہ کی ہو تو ہرگز اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ یہاں سے علماء کرام نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب انسان کو عالمِ آخرت کے نشان نظر آنے لگیں گے اور وقتِ نزع شروع ہو جائے۔ اس وقت کا ایمان ایمانِ یاس کہلاتا ہے معتبر نہ ہوگا[6]۔ ایسا ہی جب کسی قوم پر اس کے عذاب کے آثار نمودار ہو جاویں جن سے مراد بعض آیات ربک ہیں وہ بھی مقبول نہیں کیونکہ یہ حالتِ اضطرار و مشاہدہ ہے۔ ایمان بالغیب کا وقت جاتا رہا۔ فرماتا ہے کہ اچھا اس وقت کا انتظار کرو میں بھی کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی بخشتا ہے کہ گو آپ کا دل یہی چاہتا ہے کہ یہ ملتِ ابراہیمیہ فطرتِ اسلامیہ پر قائم ہو جاویں مگر جن سے کہ اس ملت کو چھوڑ کر نئے نئے رستے نکالے اور اس میں تفریق کر دی جیسا کہ کفار نے کیا (اس میں ملتِ اسلامیہ میں نئے فرقے پیدا کرنے کی بھی مذمت ہے) سو آپ پر ان کا کچھ محاسبہ نہیں۔ خدا ان سے آپ سمجھ لے گا پھر وہاں کے محاسبہ اور جزا کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو کوئی ایک نیکی کرے گا تو ہم اپنے فضل و کرم

۱۔ یعنی قیامت کے آثارِ کبریٰ۔ ۱۲ منہ

۲۔ یعنی ایمان کی حالت میں۔ ۱۲ منہ

۳۔ یعنی قیامت میں دنیا سے نیکی لے کر آوے گا تو دس گنا اجر ملے گا اور گناہ کا اتنا ہی۔ ۱۲ منہ

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے یکسو ہو گئے تھے اور حنیف یکسو کو کہتے ہیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

۵۔ کفار ایسی باتیں کہا کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

۶۔ جس وقت یہ سب علامات ظاہر ہو جائیں گی تو نہ توبہ قبول ہوگی نہ اس وقت پر ایمان لانا مقبول ہوگا آفتاب کا مغرب سے نکلنا۔ دجال کا ظاہر ہونا دابۃ الارض کا نکلنا اس سنت کا اجماع ہے کہ جب عذابِ الٰہی یا عالمِ آخرت کی نشانیاں انسان پر ظاہر ہوتی ہے تو اس وقت کسی کی توبہ قبول اور نہ حالتِ نزع کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حقانی۔

سے دہ چند بدلہ دیں گے (عدد مقصود نہیں بلکہ زیادتی مراد ہے) اور جو کوئی برائی کرے گا تو اس کا اسی قدر بدلہ پاوے گا' پھر آپ کو حکم دیتا ہے کہ ان کو کہہ دو میں ملتِ ابراہیم پر قائم ہوں جو سیدھی راہ ہے جو کہ مشرک نہ تھا جس کو کہ تم بھی مانتے ہو اور میرا مرنا جینا نماز و قربانی سب اسی کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ ان کلمات سے کیا ہی عشقِ الٰہی ٹپکتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۡۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو ڈھونڈوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی برائی کماتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔ پھر تم کو اپنے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ پھر وہ تم کو وہ بات بتاوے گا جس میں کہ تم اختلاف کرتے تھے اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنا دیا اور تم میں سے ایک کو دوسرے پر بلند مرتبہ کیا تاکہ جو تم کو دیا ہے اس میں تمہارا امتحان کرے۔ آپ کا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ غفور رحیم (بھی) ہے۔

ترکیب: قل اغیر اللہ اس کی ترکیب ومن یتبع غیر الاسلام میں گذر چکی۔ خلائف جمع خلیفہ مفعول ثانی جعل کا۔ فوق بعض رفع کا ظرف درجات کی ترکیب نرفع درجات میں بیان ہو چکی۔

تفسیر: مشرکین یا تو بتوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے تھے یا ستاروں کو یا جنوں کو یا ارواحِ انبیاء و اولیاء کو جیسا کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں یا عناصر کو لیکن بایں ہمہ سب خدا تعالیٰ کے قائل تھے اور ان چیزوں کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزیں بھی جانتے تھے اور اب بھی مشرکین کا یہی حال ہے اب ان سب کو ایک ایسی دلیل سے ساکت کرتا ہے اور اس کو اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ الخ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کے بعد بطور دلیل کے لاتا ہے کہ جس کا کچھ جواب ہی نہیں اور اس عمدہ بیان پر سورہ کو تمام کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جب یہ سب چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا رب' اور قاضی الحاجات وقتاً فوقتاً ہے تو کیا اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کیا جاوے۔ آقا کے رتبہ میں نوکر کو اور بادشاہ کی رعیت کو شریک کرنا کس عقل کا کام ہے۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ پھر ان کے ایک اور شبہ کو دفع کرتا ہے کہ اچھا میں جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ اس میں ذاتی کیا فائدہ ہے اور نہ ماننے میں میرا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے لئے کرتا ہے کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی نہیں اٹھاوے گا۔ اس کے بعد ان کو ایک طور سے اطمینان بھی دلاتا ہے اور اس کے ضمن میں شرک کو بھی رد فرماتا ہے کہ آخر کار تم کو خدا کے پاس جانا ہے۔ میرا جھوٹ سچ وہاں تم کو معلوم ہو جائے گا۔ وہ تم کو تمہارے اختلاف کو بتاوے گا کہ کیا تھا؟ اور وہاں ان معبودوں میں سے کوئی بھی کام نہ آوے گا۔

مکہ کے دولت مند مشرک موحدینِ مفلسین کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم اپنے معبودوں کی بدولت اس قدر مرفہ حال ہیں۔

یہ معبود خدا کی طرف سے کارساز ہیں جس طرح دنیا میں بادشاہ کا عملہ کارساز ہوتا ہے۔ بغیر ان کے بادشاہ کچھ نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس لئے افلاس وتنگدستی میں گرفتار ہیں (آج کل کے جاہل بھی یہی کہا کرتے ہیں کہ اگر فلاں کی نذرومنت نہ کی جائے تو ہمارے مال واولاد عزت وآبرو میں فرق آجائے گا) اس کے جواب میں فرماتا ہے اللہ ہی نے تم کو خلیفہ کیا ہے یعنی ایک مرتا ہے اس کی جگہ دوسرا قائم ہوتا ہے اور انتظامِ دنیا کے لئے مال وجاہ عقل وصورت میں ایسے انقلاب کے وقت مختلف الدرجات ہونا حکمتِ الٰہی کا مقتضی ہے ۔ اگر سب دولت مند ہوں یا سب فقیر ہوں یا سب بیمار یا تندرست ہوں تو دنیا قائم نہ رہے اور نیز اس میں تمہاری آزمائش بھی مقصود ہے کہ دیکھیں نعمتوں کے وقت کون ہماری طرف جھکتا ہے؟ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ اور مصائب میں کون صبر کرتا ہے۔ پس جو نعمتوں کا شکر اور مصائب میں صبر نہ کرے گا تو وہ سریع العقاب ہے اور جو شکر وصبر کرے گا تو اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سو یہ بات اس لئے ہے نہ کہ تمہارے خیالِ خام کی وجہ سے جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کے بعد محمد ﷺ اور ان کی امت سب کی جانشین ہے اور نیز یہ بھی کہ انسانوں میں سے خدا پرست اس کے خلیفہ ہیں۔ سبحان اللہ کلام کو کس لطف کے ساتھ شروع کیا تھا اور وسط میں کس خوبی کے ساتھ ان مقاصد کو ادا کیا اور پھر تمام کس عمدہ دلیل پر کیا۔ ولہ الحمد۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے سو اس سے آپ کے دل میں تنگی نہ پیدا ہو تاکہ آپ اس کتاب سے لوگوں کو متنبہ کریں اور ایمانداروں کو پند حاصل ہو (لوگو) اسی پر چلو جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اور معبودوں کی پیروی نہ کرو (لیکن) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو اور ہم کتنی ایک بستیاں غارت کر چکے ہیں کہ جن پر راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے ہمارا عذاب آپڑا پھر جبکہ ان پر (اچانک) ہمارا عذاب آپڑا تو یہی پکارنے لگے کہ بے شک ہم ہی زیادتی پر تھے۔

ترکیب: کتاب مبتداء محذوف کی خبر جو ذلک یا ھو ہے۔ انزل الخ اس کی صفت فلایکن لفظوں میں حرج کے لیے نہی ہے اور معنیٰ مخاطب کے لیے اے لاتخرج بہ لتنذر کا لام انزل سے متعلق و ذکری معطوف ہے کتاب پر اتبعوا سے من ربکم متعلق ہے۔ اولیاء مفعول لا تتبعوا کا من دونہ مفعول سے حال کم مبتداء من قریۃ بیان کم اھلکناھا خبر بیاتا اسم مصدر موضع حال میں ہے۔ بیاتاً ای لیلاً اور مصدر وقع موقع الحال یقال بات بیتا و بیاتا قائلون من قیلولۃ وھی النوم فی نصف النہار۔

تفسیر: فیضِ مبدءِ فیاض جوش زن ہے۔ عرب کی قوتِ روحانی جو عرصہ سے مردہ ہوگئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے قم باذن اللہ سے حرکت میں

آ رہی ہے۔ گھر گھر چرچے ہو رہے ہیں۔ مکہ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ایذا و تکالیفِ عشاقِ الٰہی کا بازار گرم ہے۔ ایسی حالت میں لگا تار ہدایت افزا مضامین کا مینہ برسانا اور اس سورۃ کا نازل ہونا نفوسِ بشریہ کو حرکت دینا ہے کہ جس میں مبدء و معاد کی تشریح اور دنیا کی بے ثباتی اور عالمِ قدس کے ناز و نعیم کی دوسری طرح پر عکسی تصویر کھینچی گئی ہو۔ اس لئے فرماتا ہے المص[1] ان چار حروف میں جو کچھ رموز و اسرارِ نہانی ہیں ان کو تو وہی عالم الغیوب جانتا ہے یا اس کا نبی محبوب مگر کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ سے آنحضرت ﷺ کو دعوتِ عامہ کے لیے ابھارا جاتا ہے جس کی کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً پہلے سے خبر دی تھی کہ اے نبی! ہم نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا ہے۔ بس آپ اس بات سے دل تنگ نہ ہوں کہ آپ اس سے لوگوں کو متنبہ کریں اور بدکاروں کو ڈرا دیں اور ایمانداروں کے لئے اس سے پند حاصل ہو یعنی اس تبلیغ دعوت عامہ میں کچھ دل نہ ہاریے۔ جب نبی کو تبلیغ کا حکم دیا اور قولِ ثقیل سے دل تنگ نہ ہونے کی تاکید کی تو لوگوں کو اس کی تعمیل پر مامور کیا۔ اتبعوا الخ کہ تاریکی کا زمانہ گیا جس عہدِ مبارک کا انبیاءِ سابقین سے وعدہ اور فاران پہاڑ کی چوٹیوں سے خداوند کی جلوہ گری کا مدت سے غلغلہ تھا وہ وقت آ گیا۔ پس اب تم اے لوگو! اسی کی پیروی کرو جو تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ پرانے سڑے بسے خیالات اور اپنے فرضی معبودوں کو چھوڑو۔ اس کے بعد ان مغرورِ دولت و جاہ کو یہ بھی سناتا ہے کہ تم اپنی مال و جاہ پر غرور نہ کرو کیونکہ بہت سی بستیاں[2] ایسی ہیں کہ جن کو ہم نے یکا یک ہلاک کر دیا۔ وہ رات کو سوتے تھے یا دوپہر کو قیلولہ میں تھے یکا یک عذابِ الٰہی نے آ لیا پھر اس وقت بجز اس کے کہ اپنے خطاکار ہونے کا اقرار کرنے لگے اور کچھ بن نہ پڑا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ
وَّمَا كُنَّا غَآئِبِیْنَ ۝ وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ﰳالْحَقُّ ج فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝

سو ہم کو ان سے بھی پوچھنا ہے کہ جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور رسولوں سے پوچھیں گے پھر ہم ان کو خوب (اچھی طرح سے بتائیں گے) اور ہم کہیں دور نہ تھے اور اس روز اعمال کا تلنا برحق ہے پھر تو جن کی تولیں بھاری ہوں گی وہی کامیاب ہوں گے اور جن کی تولیں ہلکی ہوں گی سو یہ وہی لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں[3] پر زیادتی کر کے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا تھا۔

ترکیب: الذین صلہ و موصول مفعول ہے لنسئلن کا بعلم لنقصن سے متعلق یا مفعول اس کا علیھم فعل سے متعلق۔ والوزن مبتدا

[1] المص۔ ان چاروں حروف میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے۔ ا۔ ل۔ م۔ ص۔ الف سے اشارہ اللہ کی طرف ل سے لطفِ الٰہی کی طرف م سے محمد کی طرف۔ ص سے صعود یعنی بلندی و رفعت کی طرف۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ نے اپنے لطفِ خاص سے محمد ﷺ اور ان کی امت کو دنیا و آخرت میں سربلندی اور رفعت عطا کی۔ ۱۲ منہ۔

[2] لوط کی بستیوں پر بھی اور عاد و ثمود کی قوم پر یوں ہی عذاب آیا۔ اس زمانہ میں بھی بعض شہروں میں شب کو زلزلہ شروع ہوا تو ہزاروں ہلاک ہو گئے بعض جا پر شباشب سیلاب نے غارت کیا۔ سینکڑوں شہروں پر وباء آئی۔ بہت کو ظالم بادشاہوں نے ہلاک کیا۔ غرض سینکڑوں طور عذابِ الٰہی کے ہیں ڈرنا چاہیے۔ رات کا عذاب اسی طرح دوپہر جو کہ عرب میں آرام کا وقت ہے اور یہی قہر ہے۔ ۱۲ منہ

[3] آیتوں کو جھٹلانا ان پر ظلم کرنا ہے۔ ۱۲ منہ

یومئذ ثابت کے متعلق ہو کر خبر الحق الوزن کی صفت اور بھی احتمال ہے۔

تفسیر: رسول کو تبلیغ پر اور امت کو قبول پر مامور کر کے اول رسول کی مخالفت کا دنیاوی نتیجہ بیان فرمایا تھا کہ ہم ان کو یکا یک مبتلائے بلا کر دیں گے (مسلمانوں پر جو آج کل نحوست ہے وہ نافرمانی رسول کریم ﷺ کا نتیجہ ہے) اب یہاں آخرت کا نتیجہ بیان کرتا ہے اور ضمناً عالم آخرت میں پیش آنے والی حالتیں بھی بیان فرماتا ہے۔ اول یہ کہ ہم ان لوگوں سے کہ جن کے پاس رسول یا ان کے نائب آئے اور انہوں نے نہ مانا' باز پرس کریں گے اور رسول سے بھی سوال کریں گے کہ آیا تم نے تو کچھ کمی احکام پہنچانے میں نہیں کی تھی؟ گو ہم سب کچھ جانتے ہیں کیونکہ اس وقت بھی ہم موجود تھے مگر یہ سوال صرف تنبیہ کے لئے ہوگا۔ سو ہم ہر بات ان پر کھول دیں گے جس کو وہ آج مخفی کرتے ہیں۔

بظاہر اس آیت میں اور اس آیت میں فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ وقولہ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ کچھ تعارض سا معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ نہ پوچھنے سے مراد عزت و احترام کا پوچھنا ہے اور یہاں پوچھنے سے مراد باز پرس کرنا ہے۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ حساب لیا جاوے گا' باز پرس ہوگی' فلاں باتوں پر سوال ہوگا اور عذراتِ باطلہ میں تمہاری بات بھی نہ پوچھی جائے گی تو اس کلام میں کچھ بھی منافات نہیں۔ اور علاوہ اس کے پوچھنے کا موقع اور نہ پوچھنے کا اور محل ہے۔ دوم وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٟالْحَقُّ کہ اس روز اعمال کا وزن ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کو ترازوئے عمل قائم ہوگی۔ ایک پلے میں نیکی اور دوسرے میں بدی رکھی جاوے گی۔ پس فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ جن کے اعمالِ نیک کی تولیں بھاری ہوں گی کہیں روزہ کی کہیں نماز کی کہیں صدقہ و خیرات کی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سو یہی فلاح پاویں گے عالمِ قدس میں حیاتِ ابدی کے مستحق ہوں گے جن کا مقام جنت ہے اور جن کی نیکی کی تولیں ہلکی ہوں گی فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا الخ سو وہ خسارہ میں پڑیں گے اور یہ خسارہ میں پڑنا انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیا کہ جو آیاتِ الٰہی پر ظلم کیا یعنی ان کی تکذیب کی یا ان پر عمل نہ کیا۔

اس ترازو سے مراد دنیا کی ترازو آٹا دال تولنے کی نہیں کہ اس پر اعمال کا تولنا (جو اعراضِ غیر قائم بالذات ہیں فلسفیوں کے کہنے سے) محال خیال کیا جاوے جس کی توجیہ میں اعمال کو مع ان کاغذوں کے تولنا کہا جاوے کہ جن میں وہ اعمال ملائکہ نے لکھے تھے بلکہ اس سے مراد ایک خاص موازنہ ہے جو اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح اس آیت اور اس آیت میں فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کچھ بھی مخالف نہیں کیونکہ جن کے اعمالِ صالحہ برباد ہو گئے ان کے لئے کون وزن قائم ہو سکتا ہے؟

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے تم کو زمین میں بسایا اور ہم نے تمہارے لئے اس میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔ تم کمتر شکر کرتے ہو اور ہم نے تمہارے دادا (آدم) کو پیدا کیا' پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھکو۔ پھر سب جھک پڑے مگر ابلیس جو جھکنے والوں میں سے نہ تھا (ہم نے) فرمایا تجھ کو کس بات نے جھکنے سے منع کر دیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا۔ عرض کیا میں اس سے بہتر ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اس کو خاک سے بنایا۔ فرمایا یہاں (جنت) سے پیچھے اتر جا پھر تیری کیا مجال ہے جو تو یہاں پر شیخی مارے۔ پس نکل باہر ہو تو ہی ذلیلوں میں کا ایک ذلیل ہے۔ عرض کیا مجھے اس دن تک کی مہلت دے کہ جب تک لوگ مر کر جی اٹھیں۔[1] فرمایا (جا) تجھے مہلت ہے۔ کہا پھر تو قسم ہے میں بھی جیسا کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے (ان کی تاک میں) آپ کے سیدھے رستہ ہی پر آ بیٹھوں گا (تا کہ بہکاؤں) پھر میں ان کے پاس ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے آیا کروں گا اور تو ان میں سے بہتیروں کو شکر کرنے والا نہ پاوے گا۔

ترکیب: معایش مفعول جعلنا جمع معیشۃ۔ ان لا لا زائدہ اور من جار حذف یہ مفعول ثانی ہے منع کا یا موضع حال میں اذ ظرف ہے تسجد کا منہا ای من الجنۃ وقیل من السموات فبما ب قسم کے لئے ما مصدریہ لا قعدن جواب قسم۔

تفسیر: پہلے اس سے لوگوں کو انبیاء کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور مخالفت میں عذابِ دنیوی سے بقولہ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اور آخرت کے عذاب سے سوال و وزن کرنے سے ڈرایا تھا۔ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ خوف اور نعماء و احسانات سے مسخر و مطیع ہوتا ہے۔ اس لئے خوفِ مضرتِ دارین کے بعد بنی آدم پر ان کے بزرگ وجدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام پر جو کچھ انعام و احسان کئے ہیں ان کو یاد دلاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ تخویف میں عالمِ آخرت کا اور احسان یاد دلانے میں اس کی ابتداء کا بھی بیان کر دیا جو آسمانی کتاب کا ایک ضروری کام ہے اور اس کو علمِ مبتدء و معاد کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ الخ زمین پر بنی آدم کا بسانا اور سب چیزوں پر مسلط کرنا اور پھر قدرتی چیزیں جیسا کہ پھل' ترکاری' غلہ وغیرہ اور صنعت کے متعلق گھی شکر کپڑا وغیرہ ان کے لئے مہیا کر دینا ایک ایسا احسان ہے کہ جس سے گردن اٹھ ہی نہیں سکتی مگر انسان بہت کم شکر کرتا ہے۔ نعمت میں مست ہو کر شہوات میں مصروف ہوتا ہے۔ تکلیف میں گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا یہاں سے ان کے بزرگ اور جد امجد حضرت آدم علیہ السلام پر جو احسان و احترام کیا تھا اس کو یاد دلاتا ہے کہ ان کو عمدہ شکل پر پیدا کر کے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نافرمانی اور تکبر کیا تو اس کو ملعون کر دیا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

[1] ابلیس نے جی اٹھنے تک زندہ رہنے کی دعا مانگی اس نے یہ بات سوچی تھی کہ میں موت سے محفوظ رہوں گا مگر خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا بلکہ ایک وقتِ خاص تک زندہ رہنے کی دعا قبول کی جو کہ خاص اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ابلیس کی دعا قبول کرنا گویا اس کی تمام عبادت کا معاوضہ اس کی خواہش کے مطابق دینا ہے۔ ۱۲ منہ

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

فرمایا یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر جا نکل۔ جو کوئی ان میں سے تیرے تابع ہوگا تو میں بھی تم سب سے جہنم ہی بھر دوں گا اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا رہو۔ پھر تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (ورنہ تم) خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کو برہنہ کرے اور (آ کر) کہنے لگا کہ (اے آدم وحوا!) تمہارے رب نے جو تم کو اس درخت سے منع کیا ہے تو اسی لئے کہ تم کہیں فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور ان سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر تو ان کو فریب[1] سے (کھانے کی طرف مائل ہی کر دیا) جوں ہی انہوں نے درخت کو چکھا تو ان کا ستر کھل گیا اور لگے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے اور ان کے رب نے ان کو پکار کر (کہا) کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کر دیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا صریح دشمن ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ اپنی جانوں کو برباد کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم تو برباد ہی ہو جائیں گے۔

ترکیب: مذءوم بالہمزہ مشتق ہے ذامتہ اذا عتبہ سے اور بعض نے صرف و سے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اس لئے ہمزہ کی حرکت ذال کو دے کر ہمزہ کو حذف کر دیا اور ممکن ہے کہ اس کی اصل مذیماً کہی جاوے کس لئے کہ فعل اس سے ذام یذیم آتا ہے۔ پس ی کو و سے بدل دیا جیسا کہ مکیل کو مکول اور مشیب کو مشوب کر لیتے ہیں۔ یہ اور اس کا مابعد حال ہے لمن مبتداء قائم مقام قسم لَاَمْلَئَنَّ خبر قائم مقام جواب قسم۔

تفسیر: اس میں آدم اور ان کی اولاد پر بھی احسان ہے کہ تمہارے ساتھ سرکشی اور حسد کرنے والے کو ہم نے یوں ذلت دی اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تم وہ ذات شریف ہو کہ پھر اپنے اس قدیمی دشمن کا کہنا مانتے اور اپنے محسن حقیقی کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ بات اے بنی آدم! کچھ تم پر ہی موقوف نہیں۔ تمہارے جدِ امجد بھی اس کے داؤ میں آ گئے تھے جن کو شیطان نے قسمیں دے کر ملمع کار باتیں بنا کر ایک درخت کے پھل کھانے پر برانگیختہ کیا کہ جس کے پاس جانے تک کی ممانعت کسی مصلحت سے ہم نے کر دی تھی۔ سو انہوں نے کھایا جس سے ان پر مصیبت پڑی۔ جنت سے نکالے گئے' کپڑے اتارے گئے۔ آخر نافرمانی کا مزہ پایا۔ پھر آدم روئے' توبہ کی تو معافی ہوئی۔ اے اولادِ آدم!

[1] یعنی قسمیں کھا کر فریب دے کر آخر کار اس درخت ممنوع کے کھانے کی طرف مائل ہی کر لیا۔ ۱۲ منہ

پھر بھی تم اس عدو مبین کا کہنا مانتے ہو اور جو جہالت سے گناہ ہو جاوے تو اپنے پدر بزرگ آدم کی طرح کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے؟ اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ نافرمانی کا نتیجہ شیطان نے کیسا پایا۔ راندۂ درگاہ ہو گیا۔ پھر تم کس دلیری سے گناہ پر گناہ کرتے ہو اور ادنیٰ مرتبہ اپنے جدامجد کے جلاوطن و خراب و خستہ ہونے کو بھی نہیں دیکھتے۔ کیا تم اب زمین پر قرار پا کر ملک اور جاگیریں اور باغات و دیہات حاصل کر کے مطمئن ہو گئے ہو کہ معصیت سے یہ چھن نہ جائیں گے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۵ ۹ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اللہ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ کہ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تم کو ایک وقت تک زمین ہی پر ٹھہرنا اور برتنا ہے (اور) فرمایا تمہیں یہیں زندگی بسر کرنی ہے اور یہیں مرنا ہے اور اسی میں سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے۔ اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہ چھپاتا ہے اور زیبائش بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس یہ سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ (یہ قدرتیں ہیں اللہ کی) کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھیں۔ اے بنی آدم! تم کو شیطان نہ بہکانے پاوے جیسا کہ تمہارے ماں باپ[1] کو جنت سے کپڑے اتروا کر نکلوا دیا تھا۔ ان کا ستر دکھانے کے لئے۔ وہ اور اس کی ذریت تم کو اس جگہ سے دیکھتے ہیں کہ تم جہاں سے ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا یار بنا دیا ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: بعضکم الخ جملہ حال ہے ضمیر فاعل اھبطوا سے لباسا مفعول انزلنا یواری اس کی صفت وریشا لباساً پر معطوف و لباس منصوب ہو تو ریشا پر معطوف ورنہ مبتدا ذالك جملہ خبر۔

تفسیر: کیوں نہیں ہم نے دنیا میں باہم ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ سو ایک پر دوسرے کو مسلط کر کے کیا ہم نہیں چھنوا سکتے؟ چونکہ آدم کے احسانات اس کی اولاد پر ہیں اس لئے آدم کے پیدا کرنے اور اس کی صورت بنانے کو مخاطبین کے پیدا کرنے اور صورت بنانے کے ساتھ اس رمز کے لئے تعبیر کیا ورنہ مراد بالذات آدم ہیں اس لئے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا سے انہیں کے خاص حال کو شروع کیا گو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے بنی آدم! تمہارے لئے بھی ہم نے ملائکہ کو روزی پہنچانے تدبیر و تصرف کرنے میں مسخر کر دیا ہے جو ایک قسم کا سجدہ ہے۔ اس قصہ کو جداگانہ غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ان سورتوں میں ذکر فرمایا ہے (۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ حجر (۳)

---

[1] آدم و حوا علیہما السلام۔ ۱۲ منہ

سورہ بنی اسرائیل (۴) سورہ کہف (۵) سورہ طٰہٰ (۶) سورہ صٓ۔

فائدہ: (۱) جنت میں گناہ کرنے سے حضرت آدم وحوا کا لباسِ عزت اتار لیا گیا تھا جس پر وہ نہایت شرمندہ ہو کر جنت کے درختوں کے پتے اپنے بدن پر ڈھانکتے تھے۔ پھر دنیا میں خدا نے آدم علیہ السلام کو کپڑا بنانا سکھایا جس سے ستر ڈھانکنا میسر آیا۔ اس بات کو خدا اپنی بڑی نعمت مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ کہتا ہے اور لباس کا نازل کرنا فرما کر ایک اور لباس کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی پرہیزگاری کا لباس بہتر[۱] ہے۔ اس کے بعد اولادِ آدم کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو اب تم شیطان کے بہکانے میں نہ آنا کہیں لباسِ تقویٰ تمہارا نہ اتار لے جس سے تم برہنہ ہو جاؤ۔ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتے ہیں اور وہ تم کو نظر نہیں آتے کیونکہ ان کا مادہ آتش لطیف چیز ہے جو محسوس بحس بصر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان خبیثوں سے کافر ہی دوستی رکھتے ہیں[۲]۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب کوئی بے حیائی (کا کام) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیں اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ پر وہ باتیں لگاتے ہو جن کو تم جانتے بھی نہیں (اور) کہہ دیجئے میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ نماز کے وقت اس کی طرف متوجہ ہوا کرو اور اس کو پکارو۔ خاص اسی کے فرمانبردار ہو کر۔ جیسا کہ تم کو اول بار پیدا کیا اسی طرح بارِ دگر پیدا کئے جاؤ گے۔ ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور جانتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ[۳] کر لیا کرو اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اس کو فضول خرچی کرنے والے پسند نہیں۔

ترکیب: واذا شرط قالوا جواب واقیموا معطوف ہے محل القسط پر معنی ای امر ربی فقال اقسطوا واقیموا الدین منصوب ہے مخلصین

۱ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس لباس میں پرہیزگاری ہو یا جس میں گرمی جاڑے سے بچ سکے وہی عمدہ لباس ہے۔ ۱۲ منہ
لباس التقویٰ۔ بقول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حسن خلق مراد ہے اور بقول عروہ بن زبیر اللہ سے ڈرنا مراد ہے۔ بعضوں نے پاکدامنی کہا ہے زید بن علی نے وہ چیزیں مراد لی ہیں جن کو لڑائی میں اپنے بچاؤ کے لئے پہنتے ہیں۔ خواجہ حسن بصری حیا مراد لیتے ہیں چونکہ حیا ہی سے پرہیزگاری کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ حقانی

۲ کیونکہ ناپاک کو پاک سے بوجہ مجانست رغبت ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی نماز کے وقت پاک اور ستھرا لباس پہنا کرو۔ ۱۲ منہ

ہے۔فریقاً منصوب ہے ھدٰی اور فریقاً ثانی منصوب ہے فعل محذوف سے ای اضل یدل علیہ مابعدہ اور یہ جملہ حال ہے تعودون سے جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔انھم جملہ قائم مقام دومفعولوں کے۔

تفسیر: اب ان شیاطین کے مریدوں اور دوستوں کے خصائلِ بد ذکر کرتا ہے۔منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جب وہ کوئی فحش بات کرتے ہیں زنا یا مغلظات گالیاں یا اور سینکڑوں بے حیائی کے کام تو عقل کے اندھے اس کو اللہ کا حکم اور باپ دادا کی عمدہ رسم بتاتے ہیں جس کے رد میں فرماتا ہے کہ کہہ دے خدا بری باتوں کا حکم نہیں دیا کرتا ہاں اچھی باتوں اور انصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ نماز کے وقت اسی طرف متوجہ ہوا کرو اور خاص اسی کو پکارو کیونکہ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ [۱] جس طرح دنیا میں مومن یا کافر کر کے لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔انہیں اعمال انہیں حالات میں آخرت میں دوبارہ جی اٹھیں گے۔اس لئے دنیا میں اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک فریق کو ہدایت عطا کی ہے اور ایک گروہ گمراہ ہو گیا اور گمراہ وہ ہیں کہ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست و کارکن بنا رکھا ہے اور پھر ایسے اندھے ہیں کہ الٹے اس گمراہی کو ہدایت سمجھتے ہیں۔وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ لباس کو زینت فرمایا تھا۔اس لئے اس زینت کو اس کے عمدہ موقع پر استعمال میں لانے کا حکم دیتا ہے کیونکہ جب دنیا میں امراء و سلاطین کے دربار میں بغیر لباس کے حاضر نہیں ہوتے تو نماز میں کہ خاص خدا تعالیٰ کا دربار ہے بغیر اس کے حاضر ہونا بے ادبی ہے اور اس میں مشرکین کی اس افراط و تفریط کا بھی رد ہے جس کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ بعض قبائلِ عرب برہنہ ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے۔عورتیں رات کو برہنہ طواف کرتی تھیں اور مسجد منیٰ میں آ کر کپڑے اتار ڈالتے تھے اور گھی و گوشت اچھی غذائیں کھانے بھی ان ایام میں ترک کر دیتے تھے۔اس کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ تم نماز کے وقت لباس پہنا کرو اور کھاؤ پیو فضول خرچی نہ کیا کرو۔یہ تمہارے لئے ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟ یعنی کسی نے بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ چیزیں اولاً و بالذات تو ایمانداروں کے لئے مخصوص ہیں بالتبع کفار بھی شریک ہیں یا یہ معنی کہ دنیا میں مومن و کافر سب شریک ہیں۔ ع چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست۔مگر قیامت کے دن ایمانداروں کے حصہ میں آئیں گی کفار محروم رہیں گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۱۰

(اے نبی!) پوچھو کہ اللہ نے جو آرائش اور پاک روزی اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے (اور) کہہ دو یہ چیزیں [۳] ایمانداروں کے لیے دنیا کی

۱۔ مجاہد و حسن کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح تم لاشے تھے تم کو دنیا میں پیدا اپنی قدرت سے کر دیا۔اسی طرح پھر موت کے بعد تم کو زندہ کر دے گا۔

۲۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح صحیح و سالم دنیا میں پیدا ہوئے تھے اسی طرح قیامت کے دن دوسری بار اٹھو گے۔حدیث میں آیا ہے: جس حال میں جو کوئی مرا ہے اس میں اٹھے گا شرابی مست و مخمور خدا پرست شاد و مسرور۔۱۲ منہ

۳۔ یعنی یہ نعماء ایمانداروں کے لئے دنیا میں حرام نہیں بلکہ مباح ہیں۔مقصود بالذات ان کے لئے پیدا کی ہیں۔تبعاً کفار بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔قیامت میں تو ایمانداروں کا ہی حصہ ہے ۱۲ منہ

زندگی میں ہیں۔ آخرت میں تو خاص انہیں کی ہیں۔ عقلمندوں کے لئے ہم یوں کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں (اور منکرین سے) کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کام حرام کئے ہیں خواہ ظاہر ہوں خواہ مخفی اور گناہ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کا ان چیزوں کو شریک بناؤ کہ جن پر کوئی سند نہیں اتاری اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ پر وہ باتیں لگاؤ کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

ترکیب: والطیبات معطوف ہے زینة اللہ پر ھی مبتداء اس کی خبر میں تین احتمال ہیں۔ اقوی یہ ہے کہ للذین ہے فی الحیوة متعلق ہے امنوا سے یافی الحیوة خبر اور للذین خالصة سے متعلق اور خالصة حال ہے اور عامل اس میں للذین ہے یا فی الحیوة الدنیا اور خالصة کو مرفوع بھی پڑھا ہے خبر ثانی بنا کر۔ ماظھر وما بطن بدل ہیں الفواحش سے۔

تفسیر: پھر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں تو اللہ نے حرام نہیں کیں۔ ہاں بے حیائی کی باتیں خواہ ظاہر ہوں خواہ مخفی اور گناہ جیسا کہ شراب پینا اور ناحق کی زیادتی اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانا کہ جس پر کوئی دلیل بھی نہیں اور خدا پر جھوٹی باتیں ناسمجھی سے لگانا حرام کی ہیں۔ (۱) زینت سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک لباس ہے کہ جس سے سترِ عورت ہو سکے۔ مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک عورت کے منہ ہاتھ پاؤں کے سوا کل بدن عند کل مسجد زمانِ صلوٰة یا مکانِ صلوٰة۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوئی کہ ہر نماز کے وقت ستر ڈھانکنا فرض ہے۔ اسی طرح ہر مساجد میں بھی۔ عام اوقات میں ستر ڈھانکنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔ (۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ زینت میں ہر قسم کی تزئین شامل ہے جیسا کہ نہانا خوشبو لگانا عمدہ نفیس کپڑے پہننا اور اسی طرح الطیبات من الرزق ہر قسم کے لذیذ کھانے اور خوشگوار کو شامل ہے۔ بجز اس زینت اور ان کھانوں کے کہ جن کو کتاب وسنت نے منع کیا ہے **فائدہ:** گناہ کی پانچ قسم ہیں۔ اول وہ کہ جن کا اثر بدنسب پر پہنچتا ہے سو وہ زنا ہے جس کو الفواحش میں تعبیر کیا ہے۔ دوم وہ کہ جن کا اثر عقل پر پہنچتا ہے۔ وہ شراب ہے جس کو الاثم سے تعبیر کیا ہے۔ سوم وہ جن کا اثر عزت پر پہنچتا ہے۔ چہارم وہ کہ جن کا اثر مال پر پہنچتا ہے اور جان بھی ان کی طرف البغی بغیر الحق میں اشارہ ہے۔ پنجم وہ کہ جن کا اثر بداس کی روح اور دین پر پہنچتا ہے ان کو ان تشرکوا الخ میں بیان کیا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا

ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا

تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ

فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا

یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی

الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہر قوم کے لیے ایک وقت (مقرر) ہے۔ پھر جب ان کا وقت آتا ہے تو وہ ایک ساعت اس سے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اے بنی آدم! جب کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آویں (اور) تم کو میری آیتیں سنائیں (تو مان لینا کیونکہ) پھر جو کوئی پرہیزگاری کرے گا اور سنور جاوے گا تو نہ اس پر کچھ خوف ہوگا نہ وہ کچھ رنج کرے گا اور جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھے تو وہی دوزخی بھی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا یہ وہی ہیں کہ جن کو ان کا حصہ نوشتہ[1] (ازلی) میں سے پہنچ رہا ہے یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتہ ان کی روح قبض کرنے آویں گے تو کہیں گے (اب وہ) کہاں ہیں کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے۔ کہیں گے وہ ہم سے غائب ہو گئے اور وہ اپنے اوپر اس بات کی گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کافر تھے۔ فرمائے گا تم بھی اور امتوں میں مل کر جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں جن اور انسان دوزخ میں جاؤ۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو دوسری جماعت پر لعنت کرنے لگے گی یہاں تک کہ جب سب کے سب جہنم میں گر چکیں گے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے ہمارے رب انہوں ہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا دوچند عذاب دے۔ فرمائے گا ہر ایک کو دوچند ہے لیکن تم کو معلوم نہیں اور پہلے پچھلوں کو کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کیا فوقیت ہے سو تم بھی عذاب چکھو (اور) اپنے کئے کا نتیجہ (پاؤ)۔ بے شک جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے اکڑ کر بیٹھ گئے نہ تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکہ میں اونٹ گھس جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں کہ ان کے لئے آگ کا بچھونا ہوگا اور (اسی کا) اوپر سے اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

ترکیب: امایاتینکم شرط منکم یقصون الخ رسل کی صفت یا حال فمن اتقٰی شرط فلا خوف جواب جملہ جواب شرط اول۔ والذین الخ مبتداء اولئك جملہ خبر فمن مبتدأ اظلم خبر یتوفونهم حال ہے رسلنا سے ما بمعنی الذی۔ تدعون میں ضمیر عائد اس کی طرف محذوف تقدیرہ تدعونہ فی النار متعلق ہے ادخلوا سے۔ کلما دخلت شرط لعنت جواب اذا ادار کو اصلہ تدارکوت کو د سے بدلا اور ساکن کر کے

---

[1] یعنی نوشتۂ ازلی کا۔ ۱۲ منہ

ادغام کردیا پھر ہمزۂ وصل اور زیادہ کردیا۔ جمیعا حال ہے فاعل ادار کو سے یہ سب شرط قالت الخ جواب و کذلک مفعول ہے نجزی کا۔

تفسیر: مسائلِ حلال وحرام بیان کرنے کے بعد کچھ آخرت کا حال بیان کرنا بھی ضرور تھا کہ جہاں اس دنیا کے تمام افعالِ نیک و بد کا بدلہ دیا جاتا ہے اور آخرت کی پہلی گھاٹی یا اول سیڑھی انسان کی موت ہے کہ پھر اس کے بعد سے وہاں کا دوسرا کارخانہ شروع ہوتا ہے اس لئے سب سے اول یہ فرمایا لکل امۃ اجل الخ کہ دنیا میں ہر ایک قوم کا ایک وقتِ معین ہے کہ جس کے افراد یکے بعد دیگر فنا ہونے سے وہ قوم فنا ہو جاتی ہے (پچاس ساٹھ برس میں وہ دور تمام ہوجاتا ہے۔ کل شاہجہاں کے لاکھوں سپاہی ہزاروں خادم تھے آج ان میں سے ایک خدمتگار تو کیا ان کی فوج میں سے کسی گھوڑے کی زین اور لگام بھی دکھائی نہیں دیتی نہ اس وقت کا کوئی موافق ہے نہ مخالف ہائے یہ سب کے سب کہاں چلے گئے اور اپنے عہد کی چیزیں بھی ساتھ لے گئے۔ وہ شاندار دربار اور اس کے امراء کہاں غائب ہوگئے۔ وہ ان کے محل کے تجمل اور ان کے سامان کہاں چھپ گئے؟ ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے سو یہ ایک وقت ہر شخص کے لئے ایسا معین ہے کہ نہ کوئی اس سے آگے بڑھ سکے نہ[1] پیچھے ہٹ سکے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر قومِ مخالفِ انبیاء کے عذاب کے لئے ایک وقت معین ہے ان کی جلدی سے پہلے نہیں ہوسکتا ہٹانے سے ہٹ نہیں سکتا۔

اب عالمِ آخرت کی سرگذشت شروع کرتا ہے اور وہاں کے عتاب وثواب کا سبب بھی بتلاتا ہے کہ روزِ ازل ہم نے کہہ دیا تھا کہ اے بنی آدم! میں اپنے رسول تمہارے پاس بھیجوں گا وہ تمہیں میری آیات سنائیں گے۔ پھر جس نے تقویٰ اور اصلاح اختیار کیا تو ان کے لئے کچھ خوف وغم نہیں اور جنہوں نے اس کو جھٹلایا سو وہ ہمیشہ جہنم میں رہا کریں گے۔

اب وقتِ موت سے لے کر ہمیشہ تک کا ان کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان کو ان کی تقدیر کا لکھا پیش آتا ہے۔ وہ یہ کہ بوقتِ نزع فرشتے جو ان کی جان قبض کرنے کو آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کو تم اللہ کا شریک کرتے تھے۔ جواب دیں گے کہ اب وہ کھو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔ آسمان میں اس کے انوارِ متجلی ہیں ان کی تجلیات اجرامِ علویہ میں بے انتہا ہیں۔ آفتاب، ماہتاب، ستارے سب نورانی چیزیں اسی لئے افلاک سے متعلق ہیں۔ اسی لئے ملائکہ اور ارواحِ مقدسہ کے لئے افلاک مسکن قرار پایا ہے اور بعد موت کے پاک روحیں اور نفوسِ مطہرہ اسی دارالبہجۃ والسرور وفضاء النور کی طرف صعود کرتی ہیں اور نفوسِ خبیثہ بعد مفارقت بدن کے عالمِ سفلی یعنی اس زمینِ تاریک وتار کی طرف ان کی مناسبتِ طبعی سے پھینکے جاتے ہیں۔ اس لئے فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ الخ کہ کفار ومتکبرین کے لئے نہ آسمان کے دروازہ کھلتے ہیں نہ یہ جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح ان کا اس عالمِ قدس میں۔ اس سے پہلی آیتوں قالَ

---

[1] کسی حکیم وفیلسوف نے موتِ طبعی کے دور کرنے کی تو کیا بڑھا یا روکنے کی بھی تدبیر نہیں نکالی۔ اسی طرح اقبال وادبارِ قومی کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جس طرح اقبال کسی کے زائل کرنے سے زائل نہیں ہوجاتا اسی طرح ادبار بھی کسی تدبیر سے نہیں رک سکتا اور جو آجاوے تو جا نہیں سکتا۔ یہ ہیں خدائی پیادے اور اس کے احکامِ مبرم بھلا کوئی ان سے سرتابی تو کرے۔ ۱۲ منہ

[2] آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایماندار کی روح کو ملائکہ آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے دروازے افلاک کے کھلتے ہیں (مشکوٰۃ) روحِ پاک اس تن کے قفس سے نکل کر سماوات کی طرف اس طرح دوڑتی ہے کہ جس طرح بلبل قفس سے نکل کر چمن کی طرف اڑتی ہے

توئی آں دست پرور مرغِ گستاخ | کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی | چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی
بیفشاں بال وپر زآمیزشِ خاک | بپرتا کنگرِ ایوانِ افلاک

ارواحِ خبیثہ جو اس دنیاءِ تنگ وتاریک کے لذائذ پر غش ہیں (اخلد الی الارض) وہ وہاں نہیں جانے پاتیں۔ بعض انبیاء زندہ ہی آسمانوں پر چلے گئے۔ ۱۲ منہ

اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ الخ میں حشر کے روز کا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ان کے لئے حکم ہوگا کہ ان کو ان سے پہلے جو گمراہ امتیں گزریں ہیں ان کے ساتھ ملا کر جہنم میں داخل کرو یہاں تک کہ جب سب وہاں جا پڑیں گے تو پچھلے لوگ خدا تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم کو تو ان بڑے بزرگوں نے گمراہ کیا ہے بری رسمیں چلا گئے تھے' ہم ان پر چلے۔ ان کو زیادہ عذاب دے۔ ان کے مقتدا کہیں گے کہ ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے۔ یہ بھی گمراہی میں...... شریک اور مساوی ہیں۔ انہوں نے ہمارا یوں اتباع کیا۔ حکم ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک کو ہر آن زیادہ عذاب ہے تم کو معلوم نہیں کہ دوسرے فریق کو بھی ایسا ہی روز افزوں عذاب ہو رہا ہے۔ پچھلی آیتوں میں ان کی یہ امید بھی توڑ دی ہے کہ کبھی تو نجات ہوگی۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم بھی نہیں دیتے وہی اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کے دلوں کی رنجشوں کو بھی ہم دور کردیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس اللہ کے لئے کہ جس نے ہم کو اس کی رہنمائی کی اور ہم تو کبھی راہ نہ پاتے اگر ہم کو اللہ ہدایت نہ کرتا۔ بے شک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول دین (حق) لے کر آئے اور (وہاں) ان کو سنادیا جاوے گا کہ تم اس جنت کے وارث کئے گئے ہو ان عملوں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: والذین مبتداء اولئك الخ خبر لاتکلف جملہ معترضہ ما موصولہ مع صلہ مفعول نزعنا من غل اس کا بیان تجری الخ جملہ حال صدورھم کی ضمیر سے والعامل معنی الاضافۃ۔ وما کنا الخ جملہ حال ہے ان ھدانا بتاویل مصدر محل رفع میں ہے مبتداء ہو کر کس لئے کہ لولا کے بعد جو اسم واقع ہوا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے' جواب لولا محذوف دلالت کرتا ہے اس پر لنھتدی ان تلکم ان مفسرہ ہے اور مخففہ بھی ہوسکتا ہے۔ تب اس کا اسم محذوف ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ خبر ہوگا تقدیرہ ای نودوا انہ تلکم الجنۃ اول صورت میں بیان ہوگا نداء کا۔

تفسیر: جبکہ اہلِ شقاوت کا مآلِ کار بیان فرما چکا تو اس کے بعد اہلِ سعادت کا حال بیان فرماتا ہے گرچہ اول آیت میں اجمالاً ان کا کچھ حال بیان کیا تھا کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ جیسا کہ کافروں کا بھی اجمالاً حال کھول دیا تھا کہ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ لیکن ہنوز کان مشتاق تھے کہ اصحاب النار اور اصحاب الجنہ کی کچھ اور بھی تفصیل فرمائی جاوے اس لئے کفار کے حال کی تفصیل فرما کر مومنوں کے حال کی تفصیل فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں (اور چونکہ اچھے کاموں کا ذکر آیا تو اس کے ساتھ ہی جملہ معترضہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ہم کسی کو طاقت سے بڑھ کر تکلیف بھی نہیں دیتے یعنی جن اعمالِ صالحہ پر دار الخلد ملتا ہے وہ کچھ ایسے بھاری اور مشکل بھی نہیں) وہ اہلِ جنت ہیں اور یہ بات بھی نہیں کہ جنت میں سے نکالے جانے کا یا موت

کا کھٹکا لگا ہو بلکہ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ کہ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ حیاتِ ابدی ان کو نصیب ہو گی اور یہ بات بھی نہ ہو گی کہ وہاں درجات متفاوتہ دیکھ کر کم رتبہ والے کو بڑے رتبہ والے پر رشک و حسد آوے اور پھر یہی کوفتِ قلبی اس کے تمام عیش کو سرد کر دے جیسا کہ دنیا میں بعض لوگوں کے پاس تندرستی' فراخ دستی آرام کے سامان مہیا ہوتے ہیں مگر پھر بھی کسی کے حسد و رشک میں یا کسی کاوش میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے یہ سب لذائذ اس کی آنکھوں میں ہیچ ہو جاتے ہیں اور وہ ان سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ برخلاف عالم قدس کے کہ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ کہ ہم ان کے دلوں کو بھی اس خباثت سے پاک کر دیں گے۔ کسی پر حسد[1] و رشک باہم کینہ و رنج کچھ نہ ہوگا۔ دنیا کی رنجشیں بھی دور ہو جاویں گی۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ان کے عمدہ اور نفیس باغوں اور محلوں سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کے فضل و رحمت اور انواع مکاشفات اور ہر قسم کی سعادتِ روحانیہ کے چشمہ اور انہار ان کے قدموں کے تلے سے بہیں گے۔ ان ناز و نعم میں وہ ہمیشہ اللہ کی ستائش کیا کریں گے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ الخ کہ سب طرح کی ستائش اس اللہ کے لئے ہے کہ جس نے ہم کو اس کی رہنمائی کی یعنی ہمارے دل میں راہِ راست کی طرف خواہش پیدا کی جو ہم کو اس دار الخلد میں لایا۔ (ع انبیاء جنت کی سیدھی سڑک ہے) جنت میں وہ تمام نعماء الٰہی دیکھ کر جن کی رسولوں نے خبر دی تھی تصدیق کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کے فرستادوں نے جو کچھ کہا تھا سب حق ہے۔ پھر وہاں منادی آواز دے کر کہے گا کہ یہ جنت تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو اس نے اپنے فضل سے تمہارے اعمال پر مرتب کیا۔ اللھم ارزقنا الجنۃ بلا حساب

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

(وقف لازم باختلاف) (ع ۵ / ۸ / ۱۲)

---

[1] یعنی جنت میں......آنے کا رستہ بتایا اگر وہ نہ چاہتا تو اس کا رستہ نہ ملتا یوں ہی بھٹکتے بھٹکتے مرجاتے جہنم میں جا گرتے۔ ۱۲ منہ

[2] بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۱۲

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ط اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا
مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ط قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج فَالْيَوْمَ
نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا لا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اہلِ جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم نے تو جو کچھ ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا اس کو حق پالیا پھر کیا تم نے بھی وہ جو کچھ تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا حق پایا۔ وہ کہیں گے ہاں پھر کوئی منادی ان میں پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار وہ جو لوگوں کو اللہ کے رستہ سے روکتے اور اس میں کجی نکالتے تھے اور آخرت سے بھی منکر تھے اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہوگا اور اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے کہ جو ہر فریق کو ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے اور وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ السلام علیکم اور وہ ہنوز جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کی آرزو میں ہوں گے اور جب ان کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کیجیو اور اعراف والے ان لوگوں کو[۲] (دوزخیوں کو) کہ جن کو وہ ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے پکار کر (یہ) کہیں گے نہ تو تمہارے جتھے ہی کچھ کام آئے اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا یہ وہی[۳] لوگ ہیں کہ جن کی نسبت تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ان پر اللہ کچھ بھی رحمت نہ کرے گا۔ (اے فقراءِ[۴] اسلام) چلے جاؤ جنت میں نہ تم پر کچھ خوف ہے (اور) نہ تم کو کوئی رنج ہوگا اور دوزخی اہلِ جنت کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی ڈال دو جو کچھ تم کو اللہ نے دیا ہے (اس میں سے کچھ دے دو) اہلِ جنت جواب دیں گے کہ ان دونوں[۵] چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کردیا ہے (اور ان پر) کہ جنہوں نے اپنا دین کھیل اور کود بنا رکھا تھا اور ان کو زندگیِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔ پس آج ہم بھی ان کو ویسا ہی بھول گئے جیسا کہ وہ اپنے اس روز کے پیش آنے کو بھول گئے تھے اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

ترکیب: نادی فعل اصحب الجنة فاعل اصحب النار مفعول ان مفسرہ جو بیان ندا کرتا ہے حقا وجد نا کا مفعول ثانی ہے۔ ماوعدربکم مفعول اول وعدکم بقرینہ اول کلام محذوف بینهم اذن یامؤذن سے متعلق ان مفسرہ اذن کی تفسیر کے لئے۔ الذین الظالمین کی صفت۔ یعرفون رجال کی قالوا تفسیر ہے نادیٰ اصحاب الاعراف کی۔ اھؤلاء جملہ قالوا کا بیان ہے اور اشارہ ہے اہل الجنة کی طرف خطاب کفار سے ہے۔

تفسیر: اس جگہ اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی باہم گفتگو کا ذکر کرتا ہے کہ جس سے حسرت ٹپکتی ہے کہ اہلِ جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے

---

۱ تلقاء اصل میں مصدر ہے اور بکسرِ تاء بہت ہی کم مصدر آئے ہیں جیسا کہ تبیان۔ ہاں اسماء بہت ہیں جیسا کہ تمساح اور تمثال اور جگہ تلقاء منصوب ہے ظرف مکان ہونے کی وجہ سے بمعنی ناحیة ۱۲ منہ

۲ یعنی متکبر اور دولتمند کافروں سے جو بڑے اتراتے تھے اعراف والے کہیں گے۔ ۱۲ منہ

۳ جو جنت میں غریب مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

۴ یعنی اہلِ اعراف ان فقراءِ اسلام سے کہ جن کے حق میں دنیا میں کفار نے قسمیں کھا کر یہ کہا تھا الزام دینے کے بعد یہ کہیں گے کہ خود ان کافروں پر اللہ کی رحمت نہیں ہوئی سو تم جنت میں بلاخوف داخل ہو جاؤ۔ ۱۲ منہ

۵ یعنی پانی اور کھانے کو۔ ۱۲ منہ

کہ لو جی ہم نے تو جو کچھ ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا برحق پالیا تم نے بھی جو کچھ تم سے وعدہ کیا تھا برحق پایا؟ وہ جواب دیں گے ہاں تب ایک فرشتہ آواز دے کر کہے گا کہ اے لعنت ہے خدا کی ظالموں پر جو لوگوں کو دنیا میں اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالتے تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے۔

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ جنت تو عالم قدس ہے جو آسمانوں سے بھی بالا ہے اور جہنم (زمین) کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہے پھر یہ باہم بات چیت کیونکر ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عالمِ قدس میں بُعد و مسافت ادراک و ابصار کو مانع نہیں۔ وہ اپنی جنت کی کھڑکیوں سے منہ نکال کر وہیں بیٹھے بات چیت کر سکیں گے وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ الخ اب یہاں سے اور بھی جنت دوزخ کے حالات کی تصریح کرتا ہے کہ جس سے وہاں کی اچھی طرح کیفیت ناظر کو معلوم ہوتا کہ دنیا اور اس کے لذائذ فانیہ پر لات مار کر عالمِ باقی کا شوق دل میں جوش زن ہو اور وہاں کے عذابِ دائمی سے دل میں خوف پیدا ہو، جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حدِ فاصل حجاب ہوگا جس کا ذکر اس آیت میں بھی آیا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ گو جنت اور دوزخ میں بہت کچھ فاصلہ ہے مگر تاہم عالمِ قدس اور عالمِ ظلمات کے درمیان ایک حدِ فاصل ضرور ہے جس کو حجاب اور دیوار سے تعبیر کیا ہے نہ یہ مراد کہ ان کے درمیان کوئی اینٹ گارے کی ایسی دیوار چنی ہوگی جیسی کہ آس پاس کے دو گھروں میں دیوار ہوتی ہے۔

اعراف کی بحث: اعراف عرف کی جمع ہے جس کے معنی بلند مکان کے ہیں اور اسی لئے عرف الدیک گھوڑے اور مرغ کی چوٹی کو کہتے ہیں جو سب جسم میں مرتفع ہوتی ہے۔ علماء کے اعراف کے بیان میں دو قول ہیں (اول) جمہور کا قول ہے کہ اعراف سے اس حجاب یا دیوار مذکور کی چوٹیاں مراد ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے (دوم) حسن بصری اور زجاج کا ایک قول ہے کہ اعراف بمعنی معرفت علی الاعراف ای علی معرفۃ اہل الجنۃ والنار رجال یعرفون کل واحد من اہل الجنۃ والنار بسیماہم (کبیر) کہ اہل جنت و دوزخ کے پہچاننے کے لیے خدا تعالیٰ ایسے لوگ وہاں مقرر کرے گا کہ جو ہر ایک کو ان کے علامات سے پہچانتے ہوں گے۔ پھر اس کی تفصیل میں چند قول ہیں۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوں گے کہ جو ملائکہ ہیں یا انبیاء علیہم السلام یا شہداء غرض وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے گواہ تھے جو ہر اہل خیر ایماندار، متقی اور اہل شر مشرک کافر فاسق کو پہچانتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اعراف یعنی بلند مقامات پر بٹھلا کر ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کا انجام کار جنت و دوزخ دکھا دے گا اور گویا وہ عدالتِ آسمانی میں ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کے لئے سچی سچی شہادت دینے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر گواہ ہوں گے جو بلند کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے جب تمام کا فیصلہ ہو چکے گا تب وہ جنت میں جاویں گے لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ کے یہی معنی ہیں کہ قبل فیصلہ فریقین جنت میں نہ جائیں گے مگر اس کا ان کو یقین ہے کہ بعد میں داخل ہوں گے طمع بمعنی یقین بھی آتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ حکایۃً عن ابراہیم علیہ السلام والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین وذلک الطمع کان طمع یقین۔ سو وہ اہلِ جنت کو بطور مبارکباد کے کہیں گے سلام علیکم کہ تم پر خدا کی سلامتی ہو اور جب اس مقام سے ان کی آنکھ جہنمیوں کی طرف پھرے گی تو خدا کی پناہ مانگیں گے کہ الٰہی تم ہم کو اس ظالم گروہ سے دور رکھیو۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو کہ جن کو وہ دنیا میں پہچانتے تھے باآوازِ بلند کہیں گے بطور ملامت و سرزنش کہ اے فلاں اے فلاں آج کے دن تمہاری جمیع مال و زر کہ جس کے لئے تم دین کو برباد کرتے تھے اور تمہاری وہ جمعیت نوکر چاکر لشکرِ فوج یار عوان برادری کے جتھے جن پر تم کو بڑا گھمنڈ تھا کچھ بھی کام نہ آئے۔ اہلِ جنت میں سے ان غریب و مفلسوں کی طرف اشارہ کر کے (کہ جن کو کفار دنیا میں اپنی شوکت و حشمت مال و جاہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اور ان کی نسبت قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان پر آخرت میں بھی کچھ رحمت نہ کرے گا) یہ کہیں گے کہ لو دیکھو یہی ہیں وہ کہ جن کی نسبت تم ایسا ایسا کہتے تھے۔ اے

اہل جنت! تم جنت میں رہو نہ تم پر کچھ خوف ہے نہ کچھ غم ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ادخلوا الجنة اہل اعراف کی طرف خطاب ہے کہ فریقین کا فیصلہ ہو چکا لو اب تم بھی جنت میں چلو، آرام کرو، تمہیں بھی نہ کچھ خوف ہے نہ غم کیونکہ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈرتے اور دعا کرتے تھے کہ کہیں ان میں نہ ملائے جائیں۔

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکی اور بدی مساوی ہوگی نہ جنت کے قابل ہوں گے نہ دوزخ کے جیسا کہ اہل الصلوٰۃ سے فساق یا اطفالِ مشرکین یا جو بغیر اجازت والدین کے جہاد میں جا کر شہید ہوئے سو ان کو خدا تعالیٰ جنت و دوزخ کے درمیان ایک بلند مکان پر جگہ دے گا کہ جو فریقین کا حال دیکھیں گے۔ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ الٰہی ان میں ہمیں داخل نہ کیجیو اور اہلِ جنت کو دیکھ کر ایک عجیب آرزو کے ساتھ ان کو سلام کریں گے اور دل میں جنت کی آرزو رکھتے ہوں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں جگہ دے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔

یہ قول حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے اور بعض احادیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس پر عبارتِ قرآنیہ کے لحاظ سے اعتراض ہو سکتا ہے کہ آیاتِ مذکورہ میں بعض الفاظ چسپاں نہیں ہوتے۔ اول لفظ اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ جنت اعمال کی وجہ سے ملے گی اور جب ان کے اعمال جنت کے قابل نہیں تو فضل سے ملنا کیسا؟ دوم اصحاب الاعراف ہونا اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ لوگ بلند مقام پر بٹھلائے جاویں گے جس سے عزت سمجھی جاتی ہے اور جب ان کی نیکی بدی سے زیادہ نہ ہوئی بلکہ مساوی جس لئے یہ ہنوز جنت میں داخل نہ کئے گئے تو پھر یہ عزت کیسی؟ لیکن ان اعتراضوں کے جواب بھی بہت سہل ہیں۔ اول کا یوں کہ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ایک قومِ معین سے خطاب ہے نہ کہ سب سے۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ بلند مقامات پر بٹھلانے سے تعظیم و شرف نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ ایک مرتبہ ہے۔ جنت دوزخ کے درمیان اور اس کی بلندی جہنم کے گڑھے سے ہے نہ کہ جنت سے وفیہ ما فیہ۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی ایک حسرتناک گفتگو نقل کرتا ہے جس کے سننے سے بدن کے روئیں کھڑے ہوتے ہیں وہ یہ کہ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ دوزخی جنتیوں سے نہایت عاجزی سے سوال کریں گے کہ جہنم کی گرمی اور اس کے شعلوں نے ہمارے دل بھون ڈالے پھر کچھ پانی ڈال دو یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے اوپر سے وہی پھینک دو، اہلِ جنت ان کے جواب میں کہیں گے ان الله حرمها علی الکافرین کہ خدا نے یہ چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ پھر آگے ان کے صفات بیان کرتے ہیں۔ اول اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا کہ جنہوں نے اپنا دین دنیا میں کھیل کود بنا رکھا تھا عمرِ گرانمایہ کو کس لہو و لعب میں صرف کیا۔ دوم غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ ان کی حیاتِ دنیا نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ اسی کے تجملات و لذائذ میں مصروف تھے۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا الخ سو آج ہم بھی ان سے یونہی پہلوتہی کریں گے جیسا کہ وہ کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور بے شک ہم نے ان کو وہ کتاب پہنچادی ہے کہ جس کو ہم نے خبر داری سے کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لئے۔ کیا وہ اس کے آنے ہی کا انتظار کر رہے ہیں جس دن اس کا وقت آجاوے گا تو جو اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہیں کہنے لگیں گے کہ تحقیق ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس سچی بات لائے تھے پھر ہمارے معبودوں میں سے کوئی ہے کہ جو ہماری سفارش کرے یا ہم واپس بھیجے جائیں تا کہ ہم جو کچھ کرتے تھے اس کے برخلاف کریں۔ بے شک انہوں نے آپ اپنا ستیاناس کیا اور جو کچھ کہ وہ (دل سے) گھڑ لیا کرتے تھے سب گیا گذرا ہوا۔

ترکیب: بکتاب بذریعہ ب مفعول ثانی جئنٰا کا کیونکہ یہ بمعنی اتینا ہو گیا۔ فصلناہ اس کی صفت علی علم بمعنی عالمین حال ہے فاعل فصلنا سے ھدًی ورحمۃ کتاب سے حال ہیں۔ یوم ظرف ہے یقول کا قد جاء ت جملہ مقولہ ہے۔ اسی طرح فھل لنا فیشفعوا منصوب ہے جواب استفہام کی وجہ سے۔ اونرد مرفوع ہے معطوف ہے موضع من شفعاء پر۔

تفسیر: اہل جنت کے درجات اور اہل دوزخ کے حالات اور اہل اعراف کے مقالات وکلمات کا ذکر عالم غیب کی ایسی خبر ہے کہ جس تک عقل کی بغیر مدد الہام الٰہی ہرگز رسائی نہیں اور ایسی باتیں بیان کرنا ہادیِ برحق کا اول کام ہے تاکہ انسان اپنے انجام سے خبر پا کر سعادت کی طرف مائل ہو۔ اس لئے ان آیات میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ اے لوگو! تم ان باتوں میں ہرگز شک نہ کرو کیونکہ ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب یعنی قرآن بھیجا ہے کہ جس میں کمالِ علم سے ہم نے ہر ایک کی تفصیل کر دی۔ منجملہ ان کے عالم آخرت کے یہ حال بھی ہیں کہ جن کو سن کر منکرینِ حشر تکذیب کرتے ہیں کیونکہ جو شقیِ ازلی اور کور باطن ہیں ان کو خدا کے نوشتوں اور اس کے فرستادوں پر یقین نہیں آتا۔ سو اس کتاب سے ان کو بے نصیبی ہے۔ یہ تو ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کی برکتوں سے حصہ پاتے اور اس کی کسی بات میں بھی شک نہیں لاتے ہیں۔ برخلاف ان بدنصیبوں کے جن کے دلوں کو حبِ مال وجاہ اور خواہشِ لذائذ جسمانیہ نے دنیا پر مائل کر دیا ہے۔ ان کے کان اس کا سننا بھی پسند نہیں کرتے کہ یہ نعمتیں اور یہ عیش ونشاط کے سامان چھوڑ کر کسی اور جہان میں جانا اور وہاں اپنے اعمال کی سزا پانا ہے اور پھر وہاں ہمیشہ رونا پیٹنا ہے۔ نعمتوں کی جگہ زقوم، سرد پانی کی جگہ کھولتا پانی پینا اور دہکتی آگ میں جلنا ہے اور سنتے بھی ہیں تو کب یقین کرتے ہیں بلکہ یہی کہنے لگتے ہیں کہ جب دیکھیں گے تو مانیں گے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ کے یہی معنی ہیں (تاویل مرجع اور کسی چیز کا انجام ومصیر من قولھم آل الشئ یؤل) ایسی خیالی باتیں اور وڑ کے سنا ہی کرتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے یوم یاتی تاویلہ الخ کہ جس روز اس کتاب کی تاویل یعنی جو کچھ اس میں قیامت کے حالات کے متعلق لکھا ہے ظاہر ہوگا اور وہ وقت آجائے گا تو پھر ایمان لانا ہی کیا فائدہ دے گا۔ تب تو اس کا مشاہدہ کر کے خود بخود وہ لوگ جو اس کو دنیا میں بھولے ہوئے تھے یہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسولوں نے جو کچھ کہا تھا برحق نکلا۔ پھر وہاں اصلاحِ نفس اور تکمیل کی مہلت کہاں؟ اس لئے اپنے اعمالِ بد کے بدنتیجہ کو پا کر یہ کہیں گے کہ ہائے آج کوئی ہو کہ ہماری سفارش کرے تا کہ ہم اس عذابِ ابدی سے نجات پاویں یا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاوے کہ وہاں جا کر تکمیلِ نفس اور اسبابِ سعادت حاصل کریں مگر یہ نہ ہوگا۔ انہوں نے آپ اپنے تئیں خسارہ میں ڈال دیا اور اب ان کی وہ تمام من سمجھوتیاں جاتی رہیں۔ آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی دیکھا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

(لوگو!) تمہارا رب وہی اللہ ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنا دیا پھر عرش پر جا بیٹھا۔ وہی رات کو دن کی پوشش[۲] بناتا ہے جو اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی چلی آتی ہے اور اسی نے آفتاب اور چاند اور ستارے (بنائے) جو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ دیکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ مبارک ہے اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ملک میں اس کے درست ہو جانے کے بعد خرابی نہ کرو اور اسی کو خوف اور امید سے پکارو کیونکہ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

ترکیب: ربکم اسم ان اللہ الخ خبر یغشی جملہ متانفہ اس کا فاعل ضمیر راجع اللہ کی طرف اللیل مفعول اول النہار مفعول ثانی وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ الخ معطوف ہیں السموات پر مسخرات ان سے حال ہے بامرہ مسخرات سے متعلق ہے تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً حال ہیں فاعل ادعوا سے اسی طرح خوفا وطمعا قریب مذکر آیا بلحاظ رحمۃ مونث کا صیغہ نہ آیا وزن فعیل ہونے کی وجہ سے۔

تفسیر: مسائل معاد کے بعد وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا ہر ایک چیز پر قبضہ واقتدار ثابت ہوتا کہ مسائلِ معاد کی تقویت ہو جاوے[۳] اور قرآن علم مبداء کے بعد معاد اور معاد کے بعد مبداء اور مسائل نبوت اور توحید کو یکے بعد دیگر لاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ آسمانوں اور زمین کے حالات و تغیرات حرکات و سکون اختلاف کواکب اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ یہ چیزیں از خود نہیں ہیں ضرور ان کو کسی حکیم و علیم نے بنایا ہے (چھ روز میں) معلوم ہوا کہ اس کائنات کا بنانے والا ہر صفت میں مخلوق سے نرالا اللہ تعالیٰ ہے۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش پر قائم ہوا اس جملہ کو خدا نے حسبِ موقع سات جگہ قرآن میں ذکر فرمایا ہے (۱) یہاں (۲) سورہ یونس میں (۳) رعد میں (۴) طٰہٰ میں (۵) فرقان میں (۶) سجدہ میں (۷) حدید میں اور احادیث میں بھی اس قسم کے الفاظ جناب باری تعالیٰ پر اطلاق کئے گئے ہیں۔ اس لئے فرقہ کرامیہ وغیرہ میں اہل بدعۃ نے ان لفظوں کو ان کے حقیقی معنی میں تسلیم کر کے خدا تعالیٰ کے لیے عرش یعنی تخت پر بیٹھنا ثابت کیا ہے اور ان کے مقلدین نے تو فی زمانہ یہ غلو کیا ہے کہ عرش اور اس پر بیٹھنے کے معنی جو اجسام سے مختص ہیں، تسلیم کر لئے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط فہمی ہے۔ اولاً تو یوں کہ اگر اس جملہ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو سورہ انعام میں جو هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ آیا اور اس کے بعد آپ ہی آسمانوں کی چیزوں کو اپنی ملک فرمایا بقولہ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ جس سے آپ اپنی ملک ہونا لازم آتا ہے اور نیز اور آیات وجہ اللہ و ید اللہ کو اور ان احادیث کو کہ جن میں خدا کا مصلے کے سامنے ہونا اور کنوئیں میں ڈول ڈالتے وقت اسی پر گرنا آیا ہے حقیقت پر محمول کرنا پڑے گا جس سے عرش کی خصوصیات باطل ہو کر اور بہت سی

---

[۱] قال اللیث الحث الاعمال حثت فلانا فاحتث فھو حثیث ومحثوث اے مجد سریع یعنی حث کے معنی جلدی کرنا حثیث جلدی کرنے والا دوڑنے والا۔ ۱۲ منہ

[۲] ڈھانکتا ہے رات کو دن سے۔

[۳] کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہان زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا قادر و علیم موجود ہے تو اس نے جو کچھ انسان کے مرنے کے بعد ظہور میں آنے کا وعدہ کیا ہے وہ بھی حق ہے اور اس کا اس عالم میں جزا و سزا دینا ممکن اور قابل پذیرائی ہے۔ ۱۲ منہ

جگہوں میں خدا تعالیٰ کا ہونا ثابت ہوگا جس کا کوئی بھی اہلِ اسلام قائل نہیں اور اگر ان کو آیات وصفاتِ متشابہات قرار دے کر مجازی معنی پر محمول کریں گے تو اس جملہ کو بھی مجازی معنی پر محمول کرنے سے کون مانع ہے۔ ثانیاً یوں کہ علاوہ بیشمار دلائل عقلیہ کے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اگر خدا عرش پر بیٹھا ہو تو اس کے لئے جسمانیت ثابت ہو۔ دوم اگر اِسْتَوٰی کے معنی استقر کے لئے جاویں تو ثم کا لفظ اس بات کو ثابت کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کس چیز پر بیٹھا تھا اور کاہے پر کھڑا ہوا تھا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے خوش کرنے کو ہوائیں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم ان کو کسی مردہ[1] شہر کے لیے رواں کر دیتے ہیں پھر ہم اس ابر سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے تاکہ تم سمجھو اور سنہری جگہ اپنے رب کے حکم سے اپنا سبزہ اگاتی ہے اور جو گندی ہے تو بجز حقیر چیز کے اور کچھ نہیں اگاتی۔ یوں پھیر پھیر کر ہم شکر کرنے والوں کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں۔

ترکیب: بشرا ب اور ش دونوں ضمہ سے یہ جمع ہے بشیر کی جیسا کہ قلیب وقلب اور تخفیف کے لیے بسکون شین بھی پڑھا گیا ہے اور بعض نے ب کی جگہ ن بھی پڑھا ہے۔ یہ حال ہے الریاح سے سحاب جمع سحابۃ اور اس لئے اس کی صفت میں ثقال جمع کا صیغہ آیا۔ نکدا کمتر وحقیر۔

تفسیر: اور اب اگر ہر وقت عرش پر بیٹھا رہتا ہے اور عرش کی حرکتِ دوری سے کبھی نیچے کبھی اوپر ہونے کی تکلیف بھی اٹھاتا ہے تو پھر پچھلی رات کو اس سے نیچے کیوں اتر آتا ہے اور زمین پر نمازی کے سامنے کیوں آ کھڑا ہوتا ہے (وغیرہ ذلک) بہت سے دلائلِ نقلیہ آیات و احادیث اس کی تنزیہ وتقدیس پر دلالت کرتی ہیں جن سے اس جملہ کے معنی مجازی لینے پڑے۔ اس سے آیت میں اور دیگر مقامات میں ماسبق ومالحق کو خیال کیا جاوے تو صاف معنی اس کے یہ ہوں گے کہ اس نے آسمانوں اور زمین پیدا کیا پھر وہ استوی علی العرش ای حصل لہ تدبیر المخلوقات علی ماشاء و ارادالخ ای استوی علی العرش الملک والجلال (کبیر) تمام کائنات کی تدبیر وتصرف کی طرف متوجہ ہوا عرش یعنی تختِ ملک وجلال پر بیٹھا۔ ققال کہتے ہیں العرش فی کلامہم ہوالسریر الذی تجلس علیہ الملوک ثم جعل العرش کنایۃ عن نفس الملک یقال ثل عرشہ ای انتقض ملکہ وفسد واذا استقام ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استوی علی عرشہ واستقر علی سریر ملکہ۔

کیونکہ اس کے بعد فرماتا ہے یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ کہ وہ رات کو دن سے بدلتا ہے کہ رات کے پیچھے دن دوڑتی چلی آتی ہے اور آفتاب وماہتاب وستارے سب اس کے حکم پر مسخر ہیں۔ ہر ایک ایک خاص بات پر مامور ہے۔ [illegible] سکتا۔ اس میں تمام عالم کا انتظام سربستہ ہے۔ سو یہ بات بغیر قادرِ مطلق کے ممکن نہیں۔ اتفاقی امور میں یہ انتظام کہاں۔ چونکہ عالم وجود کی دو

[1] یعنی خشک زمین کی طرف ان بادلوں کو روانہ کر دیتے ہیں۔ خشک زمین کو مردہ سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۲ منہ

قسم ہیں۔ ایک جسمانیات خواہ علویات یا سفلیات وافلاک وکواکب وعناصر جو محسوس ہوتے ہیں جن کو خلق کہتے ہیں۔ دوسری روحانیات ملائکہ و ارواح ونفوس ان کی تدابیر وانتظامات جو بظاہر انسان کو دکھائی نہیں دیتے جن کو عالم امر کہتے ہیں اس لئے اس کے بعد اول عالم کے انتظامات و اختیارات کو اَلَا لَهُ الْخَلْقُ میں دوسرے عالم کو جس کی خبر انبیاءؑ نے دی ہے (کہ ہزاروں فرشتے آفتاب کو کھینچتے ہیں بادلوں کو ملائکہ ہانکتے ہیں علی ہذا القیاس) والامر میں بیان فرمایا۔

بعد اس کے کہ اپنا خالق وقادر ہونا ثابت کر چکا بندوں کو تین حکم دیتا ہے جو اصول احکام ہیں۔ اول اُدْعُوْا رَبَّكُمْ کہ اپنے رب کو پکارو۔ آہستہ اور عاجزی سے یعنی خلوصِ دل سے نہ کہ غل مچا کر دکھانے کو۔[1] دوم زمین پر فساد نہ مچاؤ اس میں تمام حقوق العباد وحقوق اللہ آ گئے۔ سوم اُدْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا کہ خوف بھی رکھو اور اس سے امید بھی رکھ کر اسے پکارو اس کی مرحمتِ اجابت کے لیے پاس کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے بعد عالم سفلی سے اپنے وجود اور قدرتِ کاملہ پر دلائل بیان فرما کر انہیں دلائل سے دوسرے اہم مسئلہ حشر بالا جساد کو بھی ثابت کرتا ہے کہ جس طرح ہم اپنی قدرت سے سبزہ اگاتے ہیں اسی طرح حشر کے روز تم کو زمین سے دوبارہ پیدا کریں گے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جس طرح ابرِ رحمت ہر جگہ یکساں برستا ہے مگر زمین کی قابلیت کے موافق نباتات اگتے ہیں۔ اچھے سے اچھے اور برے سے برے اسی طرح قرآن اور نبوت کا ابرِ رحمت برابر فیض رساں ہے مگر جو ازلی گمراہ ہیں جن میں مادۂ ہدایت نہیں وہ اس سے فیض یاب نہیں جن کو قابلیت ہے وہ فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہواؤں میں تصرف کرنا کہ کبھی شمالی اور تھوڑی دیر میں جنوبی چلانا پھر بادلوں کا اٹھانا اور[2] بلدِ میت یعنی خشک شہر یا ز میں سے طرح طرح کے نباتات ایک ہی پانی سے پیدا کرنا اسی کے یدِ قدرت کا کام ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵۹ قَالَ الْمَلَاُ
مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ
وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ
لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۶۳
فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝۶۴ ع ۱۵

---

[1] عطا نے کہا ہے آمین دعا ہے اور دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا بہتر ہے اس لئے آمین کا نماز میں خفیہ کہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] اما البلد فکل موضع من الارض عامر او غیر عامر قال او مسکون فھو بلد والطائفۃ منہ بلدۃ والجمیع البلاد والفلاۃ تسمی بلدۃ قال الاعشٰی
وبلدۃ مثل ظھر الترس موحشۃ للجن باللیل فی حافاتھا رجل ۱۲ منہ

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا سو اس نے کہا' اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا' ہم تو تجھے صریح گمراہی میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں (نوح نے کہا) اے قوم میں تو کچھ بھی بہکا ہوا نہیں لیکن میں تو ایک رسول ہوں پروردگار عالم کی طرف سے جو تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور خدا کے ہاں کی میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی تمہیں میں سے ایک شخص کی معرفت تا کہ وہ تم کو متنبہ کرے اور تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جاوے سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پھر ہم نے اس کو (نوح کو) اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو غرق کر دیا کیونکہ وہ ایک اندھی قوم تھی۔

ترکیب: من الله غیره من زائدہ الہ مبتدا لکم خبر غیرہ کو بالرفع پڑھا جاوے تو الہ کی صفت ہوگی علی الموضع کی یا وہ اس کے موضع سے بدل جیسا کہ لا الہ میں الا اللہ۔ فی ضلال مبین مفعول ثانی لنراك اگر اس کو رؤیت قلب سے لیا جاوے ورنہ حال ابلغکم جملہ مستانفہ اور علی المعنی رسول کی صفت بھی ہوسکتا ہے لان الرسول ہوالضمیر فی انی فی الفلك حال ہے ضمیر معہ سے۔

تفسیر: مسائل مبدء و معاد اور ان کے دلائل ظاہرہ و براہین باہرہ کے بعد پھر[1] انبیاء علیہم السلام کے قصے ان چند فوائد کے لئے بیان فرماتا ہے۔ اول یہ کہ سرکشی اور انبیاء سے سرتابی کچھ محمد علیہ السلام کی قوم کی ہی عادتِ خاصہ نہیں بلکہ ہمیشہ سے لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا کرتے چلے آئے ہیں۔ دوم یہ کہ منکرین ہمیشہ انجامِ کار دنیا کی پھٹکار اور عذابِ نار میں مبتلاء ہوئے ہیں۔ سو یہ بھی ہوں گے۔ سوم یہ کہ محمد ﷺ نے باوجودیکہ نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کسی استاد مورخ کی صحبت پائی پھر انبیاء کے اس قدر مفصل صحیح صحیح حالات بیان کرنا بطور مؤرخین بلکہ ان نتائج کے ساتھ کہ جن کے سننے سے روح کپ کپا اٹھتی ہے ایک معجزۂ عظیمہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ اسی علام الغیوب کا کام ہے جس کا یہ نبی ہادی کافہ نام ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بھی ایک بڑی بھاری اور مستحکم دلیل ہے۔ اہلِ انصاف اور حق پسندوں کے لئے ان آیات میں جو کچھ رموز و اشارات ہیں اور جو کچھ انبیاء کا حسنِ تعلیم ہے وہ بیان سے باہر ہے اور نیز مطالب بھی ان آیات کے بہت صاف اور واضح ہیں۔ کچھ شرح کی حاجت نہیں کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید شریعتِ الٰہی کی کئی سو برس تک تعلیم کی مگر بجز چند اشخاص کے قوم نے نہ مانا اس لئے ان پر طوفان آیا کہ سب کے سب پانی میں غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے چند ایمانداروں کو اور کچھ جانوروں کو ایک کشتی میں کہ جس کو حضرت نوح علیہ السلام نے بامرِ الٰہی بنایا تھا بچا لیا۔ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم غالباً ملک آرمینا و ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔ چنانچہ چند سال[2] ہوئے کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف میں دبی ہوئی ایک کشتی دکھائی دیتی تھی جس کے دیکھنے کو دور دراز کے سیاح اور مورخ خصوصاً اہل یورپ آئے تھے۔ اس کشتی کی نسبت اکثر کا یہی گمان ہے کہ یہ نوح کی کشتی ہے۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ

---

[1] کیونکہ روم کا حصہ اسی سورہ میں بیان ہو چکا ہے ۱۲ منہ

[2] یہ واقعہ تیرہ سو (۱۳۰۰) ہجری کا ہے جس کو اردو انگریزی اخبارات نے بار بار بیان کیا ہے۔ ۱۲ منہ

سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ
وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ
اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

اور قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس نے (ہود نے) کہا اے قوم مجھ میں کچھ بھی بے وقوفی نہیں لیکن میں تو پروردگارِ عالم کی طرف سے (ایک) رسول ہوں۔ کہ تم کو اس کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تو تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے ڈرانے کے لیے تمہیں میں کے ایک شخص کی معرفت نصیحت پہنچی اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جبکہ تمہیں قومِ نوح کے بعد جانشین کیا اور تن و توش میں بھی اور لوگوں سے زیادہ کیا۔ پس اللہ کے احسان یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اسی لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کیا کریں اور جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں پھر تو جس سے سب کو ڈراتا ہے (یعنی عذاب سے) اگر سچا ہے تو لے آ۔ ہود نے کہا تم پر تو تمہارے رب کی طرف سے بلا اور غضب آ گیا کیا تم مجھ سے ان ناموں[1] میں جھگڑتے ہو کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن کی خدا نے کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں (کہ کیا) انجام ہوتا ہے پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تھیں اور وہ ماننے والے بھی نہ تھے۔

ترکیب: هودا بدل ہے اخاهم سے جو مفعول ہے فعل محذوف کا ای ارسلنا ان جاء کم بتاویل مصدر مفعول ہے عجبتم کا من ربکم ذکر

---

[1] یعنی یہ جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے اپنے معبود بنا رکھے ہیں ان کی اصل کچھ نہیں صرف نام ہی نام ہیں پھر ان پر مجھ سے جھگڑتے ہو جن کی کوئی بھی سند نہیں۔ ۱۲ منہ

کی صفت یا حال علی رجل حال بھی ہوسکتا ہے ای نازلا علی رجل اوجاء کم سے علی المعنی متعلق بھی ہوسکتا ہے لانہ فی المعنی نزل الیکم وفی الکلام حذف مضاف ای علی قلب رجل او علی لسان رجل فی الخلق زادکم سے متعلق وحدہ مصدر حال ہے اللہ سے ای مفردا یا فاعل لنعبد سے ای موحدین لہ ونذر معطوف ہے نعبد پر جو منصوب ہے ان مقدرہ سے ماکان الخ نذر کا مفعول۔

تفسیر: قومِ عاد کا تذکرہ: یہاں سے دوسرا قصہ قومِ عاد کا شروع ہوتا ہے یہ ایک قوم بعد طوفانِ نوح کے ملک عرب کے جنوبی حصہ میں آباد تھی۔ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر تھا۔ عرب کا وہ جنوبی حصہ کہ جس میں ان کی سکونت تھی یمن کہلاتا ہے اور یمن میں اس کا مسکن بمقام احقاف تھا کما قال تعالیٰ وَاذْکُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ اور یہ ایک ریگستان ہے جس کو رمل عالج کہتے ہیں ان کی وسعت آبادی عمان سے لے کر حضرموت تک تھی۔ لیکن یہ قوم نہایت شہ زور اور قدآور اور سرکش تھی کما قال تعالیٰ وَاذْکُرُوْا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً اس لیے ان کی حکومت عرب کے اکثر حصوں پر تھی اس قوم کو عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں یہ قوم بت پرست تھی جن بتوں اور دیوتاؤں کی یہ پرستش کرتے تھے منجملہ ان کے ایک کا نام صدی تھا اور ایک کا ہر داور ایک کا ہبا داس قوم کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ نے انہیں کی قوم میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی کر کے بھیجا جو عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد کے بیٹے تھے انہوں نے سب سے اول اپنی قوم کو توحید کی تعلیم کی قال یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اس بد بخت اور متکبر قوم نے ان کو دیوانہ بتایا اور جھوٹا ٹھہرایا اور کہا کہ کیا تیرے کہنے سے ہم اپنے سب معبودوں کو چھوڑ کر اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں گے؟ اس پر ہود علیہ السلام نے ان کو عذاب الٰہی سے خوف دلایا اور بہت کچھ سمجھایا مگر وہ کب ماننے والے تھے آخر یہی کہہ دیا کہ جس عذاب وقہر کا تو وعدہ کرتا ہے اسے لا تو سہی۔ اول بار خدا تعالیٰ نے ان پر تین برس کا قحطِ شدید ڈالا جس سے وہ عاجز آ گئے مگر ایمان تب بھی نہ لائے۔ اس عہد میں عرب کی قوموں کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی سخت مصیبت آتی تو اپنے چند لوگوں کو مکہ میں خدا سے دعا کرنے کو بھیجتے تھے اس مقدس جگہ میں اکثر دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس قوم نے بھی قیل بن غنز اور لقیم بن ہزال اور عبیل بن ضد اور مرثد بن سعد کو (یہ شخص در پردہ حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا) مکہ بھیجا کہ وہاں جا کر اللہ سے دعا کریں۔ یہ لوگ مکہ میں آ کر ایک شخص معاویہ بن بکر کے گھر پر ٹھہرے جو ان کی قوم کا بھانجا اور نواسا تھا۔ اس نے ان کی خاطر تواضع کی مہینوں اس کے گھر پر کھانے کھاتے، شراب پیتے رہے اس کی دو چھوکریاں گانا گانے والیاں تھیں ان کا خوب ناچ دیکھتے رہے۔ دعا وعا سب بھول گئے۔ وہاں یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ایک روز سیاہ ابر نمودار کیا جس کو وہ ریگستان کے قحط زدہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ھذا عارض ممطرنا اس ابر سے ضرور پانی برسے گا اور ابر کیا تھا قہر الٰہی تھا ایک سخت سیاہ آندھی اٹھی ہوئی آتی تھی بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا جب نزدیک آئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آدمی اور اونٹ اور بڑے بڑے درخت چیلوں کی طرح آسمان میں اڑ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اپنے مکانوں اور امن کی جگہوں کی طرف دوڑے مگر قہر الٰہی سے کوئی کہاں بچ سکتا ہے چھپر اور مکان اڑنے لگے، چھتیں اڑ گئیں، دیواریں گر پڑیں۔ کچھ تو وہیں تمام ہوئے اور جو گھبرا کر باہر نکلا تو آندھی کے طوفان نے بہت بلند اٹھا کر پتھریا زمین پر دے مارا گرتے ہی چور چور ہو گیا یہ طوفان عظیم الشان سات رات آٹھ دن برہا کما قال اللہ تعالیٰ فَسَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا (ای دائمۃ متتابعۃ) فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰی کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ پھر تو وہ قومِ عاد کے طویل القامت لوگ زمین پر کھجور کے پیڑوں کی طرف پچھڑے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے ایک جگہ محفوظ رہے اس تمام قوم کو اللہ نے ہلاک کر دیا البتہ وہ لوگ جو اطراف مکہ میں تھے بچ رہے۔ جن کو عاد الآخرۃ کہتے ہیں (کذا قال العلامۃ الثعلبی[1]

---

[1] ھو الامام العلامۃ ابن اسحٰق بن محمد بن ابراہیم الثعلبی ۱۲ منہ

فی العرائس) اس کے بعد ایک شخص نے مکہ میں اس واقعہ کی خبر دی وہ لوگ معاویہ کے پاس کھانا کھا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ چاندنی رات میں شتر سوار آتا ہوا دکھائی دیا جس نے آ کر یہ جانکاہ حادثہ سنایا انہوں نے پوچھا ہود کہاں ہے اس نے کہا وہ اور جو اس پر ایمان لاتے تھے زندہ وسالم سمندر کے کنارہ پر رہتے ہیں۔

قیل نے سن کر کہا کہ اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا جبکہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی اور مرشد نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور یہ شعر کہے۔

عصت عاد رسولهم وفامسوا
عُطاشا ما تبلهم السماء
وسيّرو قد هم شهر اليسقوا
فارو فهم مع العطش العناء
بكفر هم بربهم جهاراً
على آثارهم عاد الغفار

اس کے بعد وہ بھی حضرت ہود علیہ السلام سے جا ملا بعض علماء کہتے ہیں اس کے بعد ہود مکہ میں آ رہے تھے ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا۔ مطافِ کعبہ میں مدفون ہیں۔ اطرافِ یمن میں اب تک سیاحوں کو پرانے آثار عبرت خیز دکھائی دیتے ہیں جو اس برباد شدہ قوم کی یادگار خیال کئے جاتے ہیں۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

وقف لازم

كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ
وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (اس نے) کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کے ہاں سے دلیل بھی آ چکی ہے کہ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی بنا کر بھیجی گئی ہے سو اس کو اللہ کی زمین پر پڑی چرنے دو اور بری طرح سے اس کو چھیڑنا بھی نہیں (ورنہ) پھر تو تم پر عذاب الیم آ پڑے گا اور (اللہ کی نعمتوں کو) یاد کرو جبکہ تم کو قوم عاد کے بعد جانشین کیا اور تم کو زمین پر بسایا کہ تم نرم زمین میں محل چنتے ہو اور پہاڑوں میں کھود کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کے احسانات یاد کیا کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے غریب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے (یہ) کہا کہ کیا تم صالح کو اس کے رب کی طرف کا رسول جانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو جو کچھ اس کی معرفت بھیجا گیا ہے اس پر یقین کرتے ہیں۔ متکبروں نے کہا جس پر کہ تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ پھر تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہہ دیا کہ اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس چیز سے ہم کو ڈراتا ہے اس کو ہم پر لے آ۔ پھر تو ان کو زلزلہ نے آ لیا سو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے ان سے الٹا (موڑ کر) پھر کر (یہ) کہا کہ اے قوم بے شک میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کر چکا تھا لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

ترکیب: مِنْ رَّبِّكُمْ جاء تکم سے متعلق آیۃ حال ہے ناقہ سے والعامل فیہ معنی الاشارۃ تا کل مجزوم ہے کیونکہ جواب امر ہے جو قدروھا ہے فیاخذکم منصوب جواب نہی من سھولھا مفعول ثانی قصورا اول تنحتون جو بمعنی تتخذون لیا جاوے تو الجبال مفعول ثانی ورنہ من محذوف مان کر اس کو فعل سے متعلق کیا جاوے اور بیوتا کو مفعول قرار دیا جاوے۔ الملاء فاعل قال للذین اس سے متعلق لمن امن بدل ہے للذین استضعفوا سے باعادہ جاء کقولک مرت بزید باخیک اتعلمون الخ مقولہ بالذی کافرون سے متعلق ہے ان کنت شرط ائتنا بما تعدنا جملہ مقدم دال برجزاء جاثمین خبر فاصبحوا رسالۃ مفعول ثانی ابلغت کا۔

تفسیر قوم ثمود کا تذکرہ: یہ تیسرا قصہ قوم ثمود کا بیان فرماتا ہے۔ اس قوم نے جو ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھی، قوم عاد کے تھوڑے ہی دنوں بعد عرب کے شمالی و شرقی حصہ میں (جو مدینہ اور ملک شام کے درمیان ہے جس کو قدیم عرب ملک حجر کہتے تھے) نشوونما پایا اور نمود شہرت حاصل کی تھی۔ ہجرت کے نویں سال جو آنحضرت ﷺ تبوک تک ہرقلیس شاہ روم کی خبر حملہ سن کر تیس ہزار لشکر لے کر گئے تھے تو رستہ میں قوم ثمود کے یہ مقامات بھی وادی القریٰ کے اطراف میں ملے تھے جہاں آپ نے حکم دیا تھا کہ یہ محل غضب الٰہی ہے۔ یہاں کوئی نہ ٹھہرے اور اس سے پناہ مانگتے ہوئے نکل چلے۔ قوم ثمود نے پہاڑ کھود کر عجیب و غریب مکانات بنائے تھے اور اسی طرح پہاڑوں کے نیچے نرم زمین میں بھی عجیب و غریب محل بنائے تھے۔ گرمی اور سردی کے جدا جدا مکانات تھے اور یہ قوم نہایت مرفہ الحال تھی مگر بدنصیب بت پرست اور راہزن اور اعلاناً فاحش اور بدکار تھی۔ ان کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے انہیں میں سے حضرت صالح بن عبید بن حاذر بن ثمود کو مبعوث کیا اور نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے توحید و عبادت الٰہی کی تعلیم اور منادی کرنی شروع کی اور اپنی ایک اونٹنی کا معجزہ دکھا کر یہ کہا کہ یہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے نشانی ہے۔ اس کو برائی سے نہ چھونا ورنہ عذاب الیم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس قوم کے دن بھی پورے ہونے کو تھے جو اپنے ہادی اور مصلح کے ساتھ بجائے اطاعت و فرمانبرداری کے تمسخر اور بدسلوکی سے پیش آئے اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر کہا کہ لو اب لاؤ جس کا تم ڈرساتے تھے سو ان کو زلزلہ سے خدا نے برباد کر دیا۔

ان آیتوں کا صرف اسی قدر مطلب ہے مگر یہ قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے (اس لئے اس واقعہ اور عاد کے واقعہ کو عرب اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آتے تھے اور گویا یہ واقعہ ان کی آنکھوں کے روبرو تھا) اس لئے ہم یہاں تین باتوں پر بحث کرنا مناسب جانتے ہیں تاکہ پھر آیندہ سمجھنے میں اشکال نہ رہے۔

اونٹنی کس وجہ سے معجزہ تھی؟: (۱) وہ اونٹنی کس وجہ سے معجزہ تھی؟ قرآن مجید میں اس کی بابت کچھ تشریح نہیں مگر علماء نے اس کی وجہ مختلف بیان فرمائی ہے۔ بعض نے کہا اس وجہ سے کہ کفار نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا۔ چنانچہ اس قوم کے سردار جندب بن عمرو نے کہا کہ اگر آپ فلاں پتھر میں سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کر دیں جو خوب تیار ہو تو ایمان لاویں۔ صالح نے کہا اگر ایسا ہوا تو تم ایمان لاؤ گے؟ لوگوں نے اقرار کر لیا۔ صالح نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ اس سے ان کے دیکھتے دیکھتے ہی اس پتھر میں سے ایک عمدہ اونٹنی نمودار ہوگئی جو نہایت قد آور و توانا تھی۔ یہ معجزہ دیکھ کر جندا اور اس کی قوم کے چند آدمی تو ایمان لے آئے مگر اور لوگوں کو ذواب بن عمرو اور جناب نے بہکا دیا جو بتوں کے پجاری تھے اور شہاب بن خلیفہ کو بھی روک دیا جو اس قوم کا ایک معزز آدمی تھا۔ چنانچہ اس امر میں کسی شاعر نے یہ شعر بھی کہے تھے ؎

وکانت عصبة من آل عمر	الی دین النبی دعوا شهابا
عزیز ثمود کلهم جمیعًا	فهمت ان یجب ولو اجابا
لاصبح صالح فینا عزیزا	وما عدلوا بصاحبهم ذوابا
ولکن الغواة من آل حجر	تولوا بعد رشدهم ذبابا

بعض کہتے ہیں اس سبب سے کہ جس روز وہ پانی پینے کو گھاٹ پر آتی تھی تو اس روز وہاں اور کوئی چارپایہ نہیں آتا تھا اور اسی لئے ایک روز اس کے پانی پینے کا مقرر تھا تو دوسرا دن اور لوگوں کے مواشی کا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ وجہ تھی کہ جس قدر وہ پانی پیتی تھی اسی قدر دودھ لوگ اس سے وہیں دوہ لیتے تھے۔ والعلم عند اللہ مگر کوئی بات ضرور ایسی بات خلاف عادت ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس کو آیۃ اور کہیں ناقۃ اللہ کہا گیا ورنہ عام طور سے یا اسبابِ عادیہ میں سے کسی سبب یا صفت سے یہ اونٹنی ترجیح بلا مرجح اس لقب کا کیا استحقاق رکھتی تھی؟

(۲) اس کا بھی کچھ ذکر نہیں کہ اس کی کونچیں کیوں کاٹیں اور کس نے کاٹیں؟ بلکہ صرف اسی قدر آیا ہے کہ اس قوم میں سے سب سے بدبخت نے اس کی کونچیں کاٹیں۔ اس کی تفصیل علماءِ مورخین نے یوں کی ہے کہ اس ناقہ سے لوگوں کے مواشی بھاگتے تھے جس سے ان کو تکلیف ہوتی تھی اور نیز پانی بھی مواشی کے پینے میں کم آتا تھا۔ اس قوم میں دو عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے پاس سب سے زیادہ گائے بیل وغیرہ تھے۔ ایک کا نام عنیزہ بنت غنم تھا جو ایک بوڑھی عورت تھی اور اس کی بیٹیاں جوان جوان نہایت خوبصورت تھیں۔ اس نے قدار سے جو حرامی اور اپنی قوم میں شریر اور سینہ زور تھا یہ کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو مار ڈالے تو ان لڑکیوں میں سے جو بھی پسندِ خاطر ہو میں تجھے دوں اور ایک صدوق بنت محیا بن مہر نہایت قبول صورت عورت تھی۔ اس کا خاوند صنیم بن ہراوہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور اپنے مال میں سے اس نے بہت کچھ مومنین کی پرورش میں صرف کیا تھا۔ جب اس کو خبر ہوئی تو نہایت ناراض ہوئی اور اس سے طلاق لے کر مصدع بن مہرخ ایک سرکش اور بدمعاش کی طرف ملتفت ہوئی کہ اگر تو ناقہ صالح کا کام تمام کرے تو میں تیرے کام میں آؤں (کیا قدرتِ حق ہے ایک ہیں کہ دارِ آخرت کے مقابلہ میں اس عورت کو چھوڑ بیٹھے، دوسرے ہیں کہ دارِ آخرت کو چھوڑ کر اس پر فریفتہ ہو گئے ؏

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیماں کہ بس

ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

یہ دونوں بدمعاش آمادہ ہوئے اور اپنے ہمراہ اور سات بدمعاشوں کو شریک کیا کہ جنہوں نے ایک بار یہ تدبیر کی کہ رات میں صالح علیہ السلام کو گھر میں گھس کر مار ڈالو اور جوان کے اقارب پوچھیں تو مکر جاؤ کما قال تعالیٰ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ پس سب سے اول قدار نے تلوار سے ناقہ کے پاؤں زخمی کئے۔ پھر دوسرے نے وار کیا تو زمین پر گر پڑی۔ پھر سب نے مل کر ذبح کر ڈالا اور اس کا گوشت لے گئے اور اس ناقہ کا بچہ یہ حال دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر زار زار روتا اور ڈکراتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس پہاڑ میں جا کر غائب ہو گیا۔ صالح علیہ السلام نے اس حال سے خبر پا کر سخت ملال کیا اور فرمایا کہ اے قوم! تمہارا وقت پورا ہو گیا' اب ضرور تم پر قہر الٰہی آتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اس جگہ تو الرجفۃ یعنی زلزلہ ذکر ہوا ہے اور مقامات پر صیحۃ یعنی ایک سخت ہولناک آواز بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں یوں آیا ہے۔ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ اور سورہ الحاقہ میں لفظ طاغیۃ آیا ہے۔ واما ثمود فاهلكوا بالطاغية۔ بعض ناواقفوں نے اس کو اختلاف بیانی پر محمول کر کے قرآن مجید پر طعن کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی ناواقفی ہے کیونکہ تینوں باتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔ کس لئے کہ اس قوم پر دراصل زلزلہ شدید آیا تھا جس میں ہولناک آواز بھی تھی کہ جس سے روح پر صدمہ ہوتا تھا۔ سو ان کو کبھی زلزلہ سے غارت کرنا اور کبھی آواز سے غارت کرنا فرمایا کیونکہ دونوں باتیں ان کی ہلاکت کی سبب ہوئی تھیں اور لفظ طاغیہ کے معنی حد سے گذرنے والی چیز کے ہیں سو وہ دونوں کو شامل ہے۔ زلزلہ کو بھی اور آوازِ خوفناک کو بھی۔ اس کی تفصیل مؤرخین نے یوں بیان کی ہے کہ ناقہ قتل ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ لو اب تین روز تک تمہاری زندگی ہے۔ اس میں دنیا کو برت لو۔ تین روز کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے تمسخر سمجھا اور اس کی علامت پوچھی۔ فرمایا جمعرات کے دن جس کو تم سن کہتے ہو' علی الصباح تمہارے منہ زرد ہو جاویں گے اور غروبہ[1] یعنی جمعہ کے روز سرخ ہو جاویں گے اور پھر شیار یعنی ہفتہ کے دن سیاہ اور اتوار کے روز عذاب آوے گا اور یہ بات بدھ کے روز کہی جس روز کہ انہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا۔ سو ویسا ہی ہوا اور اتوار کو ہنوز رات باقی تھی کہ زلزلۂ عظیم اور اس کے ساتھ نہایت ہیبت ناک آواز نمودار ہوئی جس سے دو پہر تک بجز صالح علیہ السلام اور مومنین کے تمام قوم مر گئی جو گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام نے آ کر بڑی حسرت سے یہ کہا کہ اے قوم میں نے تو تمہیں بہت کچھ سمجھایا لیکن تم کب سمجھتے تھے۔ اللہ اپنے قہر و عذاب سے محفوظ رکھے۔ الامان۔ بحرمۃ النبی الامی سید الانس والجان۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ

[1] ان کے محاورہ میں ایام کے یہ نام تھے۔ ۱۲ منہ

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

اور لوط کو بھیجا جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا تم کیا وہ بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ جس کو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو شہوت میں آ کر عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر پلے پڑتے ہو بلکہ تم تو ایک بیہودہ قوم ہو اور اس کی قوم کا بجز اس کہنے کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ ان کو اپنے گاؤں سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ پاکیزگی ڈھونڈتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے کنبہ کو بچالیا مگر اس کی بیوی کو کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے اس قوم پر (پتھر اور گندھک) کا مینہ برسا دیا۔ پھر دیکھو تو گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔

ترکیب: اذ قال اس کا فاعل اذکر محذوف ما سبقکم جملہ حال ہے الفاحشۃ سے شھوۃ مفعول لہ ہے لتاتون کا یا مصدر موضع حال میں ہے۔ من دون النساء موضع حال میں ہے ای منفردین عن النساء۔ بل اس جگہ ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف متوجہ ہونے کے لئے یا محذوف سے اضراب ہے ای ما عدلتم بل انتم مسرفون۔ جواب منصوب اس کا بیان آل عمران میں آ چکا۔

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ: چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حران میں آ رہے تھے کہ کسدیوں کے ملک سے جو بابل میں تھا' ان کے والد حاران ان کی صغرسنی میں مر گئے تھے۔ پھر حران سے کوچ کر کے ملک کنعان میں سکم یعنی ترابلس تک آئے اور بیت ایل کے پاس اپنا ڈیرا قائم کیا۔ جب اس ملک میں قحط پڑا تو یہ سب ملک مصر کو چلے گئے۔ وہاں جا کر لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے پاس مواشی اور نقد مال بہت کچھ جمع ہوا۔ تب پھر ملک کنعان میں واپس آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو دریائے یردن کی ترائی کا ملک رہنے کو ملا اور وہ شہر صدوم میں جا کر رہے۔ وہاں کے لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے۔ مردوں سے بدفعلی کا ان میں رواج تھا۔ رستوں پر اور عام مجلسوں میں ناپاک اور گھناؤنے کام بے باکانہ کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو وعظ و پند کرتے تھے مگر یہ کب مانتے تھے اور ان کے ساتھ عمورہ اور ضبیان اور رومہ کے لوگ بھی ایسے ہی بدکار تھے اور یہ بستیاں صدوم کے آس پاس تھیں وہاں کے بعض پہاڑوں میں گندھک کی کان تھی۔ جب حضرت لوط علیہ السلام ان سے عاجز آئے اور بجائے توبہ کے ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو تین فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امرد لڑکوں کی شکل میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مہمانی کی روٹیاں اور ایک بچھڑا پکا کر لائے لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے کہ شاید دشمن ہوں کیونکہ دشمن اس عہد میں اپنے مخالف کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ تب انہوں نے کہا' خوف نہ کرو۔ ہم خدا کے فرشتے ہیں۔ صدوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا وہاں تو لوط علیہ السلام بھی ہے اور نیک لوگ بھی ہوں گے۔ انہوں نے کہا' لوط کو محفوظ رکھیں گے اور وہاں پانچ شخص بھی نیک ہوں گے تو ہم غارت نہ کریں گے پھر وہ وہاں سے چل کر صدوم میں شام کو شہر کے پھاٹک پر حضرت لوط علیہ السلام کو نظر آئے اور کہا ہم شب کو تیرے گھر مہمان رہیں گے۔ یہ خبر پا کر صدوم کے جوان سے بوڑھے تک حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے۔ حضرت نے منت کی اور کہا اگر تمہیں میری بیٹیاں درکار ہوں تو ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو بے عزت نہ کرو۔ آخر نہ مانے اور کواڑ توڑنے لگے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اندر کھینچ لیا اور پر جھاڑے جس سے وہ لوگ اندھے ہو گئے۔ فرشتوں نے لوط سے کہہ دیا کہ علی الصباح یہ شہر غارت ہوگا تو اپنے کنبہ کو لے کر راتوں رات نکل جا۔ سو وہ نکل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی' پیچھے رہ گئی۔ سو وہ نمک کا کھنبہ ہو گئی اور صبح کو فرشتوں نے شہر کو الٹ دیا اور پھر گندھک اور آگ برسائی جس کا دھواں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دور سے اٹھتے دیکھا۔ اس لئے

ان بستیوں کو موتفکا (المنقلبات) کہتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ص وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف کی حجت آ چکی ہے۔ پس ماپ تول کو پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور اصلاح ہو جانے کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو ایمان ہے اور تم ہر ایک (نیک) رستہ پر لوگوں کے دھمکانے کو اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اس کو اس کے رستہ سے روکنے کو اور اس میں کجی پیدا کرنے کو نہ بیٹھا کرو اور یاد کرو جبکہ تم کم تھے پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا؟

ترکیب: لاتبخسوا دو مفعول کی طرف متعدی ہے ایک الناس ہے دوسرا اشیاء ھم۔ توعدون و تصدون حال ہیں ضمیر تقعدوا سے مَنْ اٰمَنَ تَصُدُّوْنَ کا مفعول البخس نقص۔

تفسیر: یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو لوط علیہ السلام کے واقعۂ عبرت خیز کے بعد گذرا۔ مدین عرب کے شمالی و مغربی حصہ میں ان بیابانوں میں ایک بستی ہے جہاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلزم کو عبور کر کے کوہ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آ رہے تھے۔ اس لئے اس بستی یا قبیلہ کو مدین کہتے تھے۔ انہیں میں سے ایک شخص حضرت شعیب بن صیفون بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام کو نبی کر کے ان میں بھیجا۔

(محمد بن اسحٰق نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے۔ شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم) یہ وہی شعیب ہیں کہ جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے ہاں رہے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کی جو پھر مصر کی طرف واپس جاتے وقت کوہ طور کے قریب خدا تعالیٰ کی تجلی دیکھی ان کو نبوت ملی۔ شعیب علیہ السلام کو یہودی محاورہ میں یترو بھی کہتے ہیں۔ ی۔ ت۔ ر۔ و۔ مدین اور اس کے پاس ایک گنجان درختوں سے گھرا ہوا دوسرا گاؤں ایکہ بڑی شریر اور بت پرست قوموں سے آباد تھا جو ناپ اور تول میں کمی بھی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی اور ان کا عام دستور تھا اور زمین پر ہر طرح سے فساد مچاتے پھرتے تھے اور رستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے اور رہزنی کرتے اور تکلیف دیتے تھے اور نیز لوگوں کو شعیب علیہ السلام کے پاس آنے سے بھی روکتے اور بہکا

دیتے تھے کہ یہ دغاباز اور فریبی ہے۔اس کے پاس نہ جانا اور جاؤ تو اس کا کہنا نہ ماننا اور حضرت کی تعلیم اور شریعت میں سینکڑوں جاہلانہ نکتہ چینیاں کرتے اور عیب لگاتے تھے۔ان سب باتوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے بڑے نرم لفظوں سے منع کیا اور توحید و خدا پرستی کی سب سے اول ہدایت کی کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اور اس کے بعد ان کو ان کا وہ احسان یاد دلایا جو ان پر ہوا تھا کہ وہ لوگ پردیسی مدین کی نسل کے تھے جو بیگانے ملک میں آرہے تھے۔سو خدا نے ان کو بہت بڑھایا۔اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور (جو کچھ احکام) مجھے دے کر بھیجا ہے اگر اُس کو تم میں سے ایک گروہ نے مان لیا ہے۔اور دوسرے گروہ نے نہیں مانا ہے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہم میں اور تم میں فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔اُس کی قوم کے سرکش سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم پھر ہمارے مذہب میں آملو۔شعیب نے کہا کیا ہمیں نفرت ہو تو بھی (آملیں)۔ہم نے اللہ پر بڑا ہی جھوٹ باندھا اگر ہم تمہارے مذہب میں آملیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو نجات بھی دی ہو۔اور ہمیں نہیں لائق ہے کہ ہم پھر اُس میں آملیں مگر ہمارا رب اللہ ہی چاہے (تو بے بسی ہے) اللہ نے ہر ایک چیز کو اپنے علم میں لے لیا ہے اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے۔اے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق سے فیصلہ کر دے اور تو بہت ہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کے تابع ہو گئے تب تو تم برباد ہی ہو جاؤ گے۔پھر تو اُن کو زلزلہ نے آلیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ترکیب: وان کان شرط فاصبروا جواب والذین ک مفعول پر معطوف۔اَوَلَوْ كُنَّا جملہ استفہام انکاری ان عدنا شرط قَدِ افْتَرَيْنَا جملہ دال بر جزا بعد عدنا سے متعلق۔الاستثناء منقطع یا متصل ای الا وقت مشیۃ اللہ اذا ان اور اس کی خبر میں متوسط جملہ جواب ان اتبعتم۔

تفسیر: حضرت پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے پیشتر وہ غریب تھے اس لئے ایک روز وہاں کے سرداروں نے متفق ہو کر حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا یا تو آپ مع اپنے متبعین کے پھر ہمارے مذہب و طریقہ کو اختیار کرلیں ورنہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ (اگرچہ ابتداءِ عمر سے حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ملت و مذہب بت پرستی کے شریک نہ تھے مگر نبوت اور منادی سے پہلے ان کو وہ اپنے مذہب و ملت میں خیال کرتے تھے جس لئے پھر ملت میں لوٹ آنے کا حکم دیا) شعیب علیہ السلام نے کہا ہم کو اس مذہب سے نفرت ہو تو بھی آملیں یعنی ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اگر ایسا کریں تو گویا ہم نے خدا تعالیٰ پر بڑا ہی جھوٹ باندھا ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا
هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ
وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

ع ۱۱

جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ کبھی وہاں بسے بھی نہ تھے جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خراب ہوئے پھر ان سے شعیب نے منہ پھیرا اور (یہ) کہا) اے قوم! میں تو تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت بھی کر چکا پھر اب منکروں پر میں کیا افسوس کروں۔

ترکیب: الذین الخ مبتداء کان لم الخ خبر یا کان لم حال ہے ضمیر کذبوا سے اور دوسرا الذین کذبوا بدل ہے فاعل یغنوا سے کانوا الخ خبر کانوا کا اسم ضمیر متصل ھم الخاسرین خبر۔ الاساء شدۃ الحزن ای علی ذلک فھو آس۔

تفسیر: ہاں اگر تقدیر میں یونہی لکھا ہو اور اللہ ہی چاہے تو اس کا کچھ کہنا ہی نہیں (کیونکہ دل جو انسان کے تمام افعال کا محرک ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے چاہے اس کو ہدایت کی طرف پھیر دے خواہ بدی کا داعیہ اس میں ڈال دے خوف کا مقام ہے)۔

مگر وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ ہمارا اسی پر بھروسہ ہے۔ اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ کردے۔ یہ بھی عذاب کے خواستگار ہیں۔ آخر اس قوم کا بھی وقت قریب آ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان پر ایک دھواں سا اٹھایا جس کی گرمی دلوں کو کباب کرتی تھی (فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ) یہ دھواں جس کو ظلہ سے تعبیر کیا ہے وہاں کی زمین اور پہاڑوں کے اوخنۂ ناریہ تھے جو بوقتِ زلزلہ پیدا ہوئے تھے اور ادھر خدا نے زلزلہ بھیجا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ جس نے تھوڑی سی دیر میں ہلاک کر دیا۔ پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔

ایسی آسمانی مصیبت کے وقت مہیب آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ سو اوپر سے دھوئیں کا ابرِ آتشیں اور نیچے سے زلزلۂ عظیم' اس پر ہیبت ناک آواز بری موت کا سامان ہے کہ جس کے تصور سے دل لرزتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی عادت ہے کہ وہ اپنا منہ چھپاتا پھرا کرتا ہے اور زمین کو پکڑتا ہے سو اس قوم نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا جو اوندھے کے اوندھے پڑے ہوئے جان نکل گئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین اس بلا سے محفوظ رہے۔ پھر شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو اوندھا پڑا اور ان کے گھروں کو اجاڑ اور بے وارث دیکھا کہ گویا کبھی ان کے گھروں میں کوئی بسا ہی نہ تھا۔ بڑی حسرت کے ساتھ تاسف اور رنج کر کے یہ خطاب ان مردوں سے کیا اور کہا کہ اے قوم! میں تو تمہیں اللہ کے احکام پہنچا چکا تھا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی تھی مگر تم نے نہ مانا پھر اب تم پر کیا رنج کیا جائے۔

مروی ہے کہ جب اس آتشیں بلا کو ایک شخص عمرو بن جلہم نے دیکھا تو یہ اشعار کہے ؎

یا قوم ان شعیبا مرسل فذروا　　　　عنکم شمیرا و عمران بن شداد

انی اری غیمة یا قوم قد طلعت — تدعوا بصوب علی حناة الوادی

فانه لن یری فیها ضحاء غدا — الا الرقیم یمشی بین انجادی

شمیر اور عمران ان کے پجاری تھے اور رقیم کتے کا نام تھا۔ ابجد اور ہوز اور حطی اور کلمن اور سعفص اور قرشت ان کے بادشاہوں کے نام ہیں اور اس عہد میں ان کا بادشاہ کلمن تھا۔ یہ قصہ اس سورۃ ہود و شعراء میں بیان ہوا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ کَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا بَیَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی وَّهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوۡا مَکۡرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾

اور ہم نے جس بستی میں کوئی نبی بھیجا تو یہی کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے سختی کی جگہ راحت بدل دی یہاں تک کہ لوگ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کو بھی سختی اور راحت پہنچی ہے پھر تو ہم نے ان کو یکا یک پکڑ لیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو ان باتوں پر جو وہ کرتے تھے پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والوں کو اس بات کا خوف نہیں رہا کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آپڑے اور وہ سوتے ہوں اور کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آپڑے اور وہ کھیلتے ہوں کیا وہ اللہ کے فتنہ سے بے خوف ہو گئے پھر اللہ کے فتنہ سے نڈر تو وہی قوم ہوتی ہے کہ جو خرابی میں پڑنے والی ہوتی ہے۔

ترکیب: الحسنة مفعول ہے بدلنا کا۔ حتیٰ ان عفوا ای کثروا وقالوا معطوف ہے عفو پر مس کا الضراء والسراء فاعل آباءنا مفعول۔ فاخذنا عفوا پر معطوف بغتةً منصوب ہے صفت مصدر محذوف کی ہو کر وهم لایشعرون حال ہے مفعول اخذنا سے ولو شرط لفتحنا جواب برکات مفعول فتحنا علیهم اس سے متعلق ہمزۂ استفہام و مفتوحہ عطف کے لئے اگر او کو ساکن پڑھیں گے تو او ایک کلمہ ہو گا جو تردید و تشقیق کے لئے آتا ہے بیاتا اور ضحی حال ہیں هم ضمیر مفعول سے۔

تفسیر: ان انبیاء کے قصص سن کر (کہ جن میں منکرین پر نکال و عذابِ الٰہی آنے کا ذکر ہے اور جن کی عرب کے لوگ دل سے تصدیق بھی کرتے تھے) آنحضرت ﷺ کے عہد کے کافروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ عذابِ الٰہی منکرینِ انبیاء پر شاید انہیں دو چار

ل عفی النبات والشجر والوبر اذا کثرت ومنہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم واعفوا اللحی ۱۲ منہ کشاف

مواضع میں واقع ہوا ہے اور کہیں ایسی بات نہیں ہوتی جب ہر منکر پر یہ عذاب نہیں ہوا تو اب کیا ضرور ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر بھی واقع ہو؟

اس لئے فرماتا ہے کہ ایسی کوئی بستی یعنی آبادی نہیں کہ جہاں ہم نے کوئی نبی نہ بھیجا ہو اور وہاں کے لوگوں کو اولاً راحت و تکلیف کے ساتھ نہ آزمایا ہوتا کہ وہ اس راحت و مصیبت کو خدا کی طرف سے سمجھ کر جھکیں، عاجزی کریں یعنی اول وہاں قحط اور وباء اور بے امنی پیدا کی اور اس کے بعد ارزانی، تندرستی، امینت بھی عطا کی۔ پھر بعد میں اور بھی راحت و فراغ دستی ایسی دی (کیونکہ مصیبت کے بعد راحت پانے سے انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے منعم کی قدر دانی اور شکر گزاری کیا کرتا ہے بشرطیکہ وہ انسان بھی ہو) کہ جس سے وہ اس پہلی مصیبت کو بھول گئے اور خوب پھلے پھولے اور یہ سمجھنے لگے کہ اجی یہ راحت و مصیبت کچھ گناہ اور فرمانبرداریِ انبیاء علیہ السلام کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ دہر اور زمانہ کا مقتضٰی ہے کہ کبھی ارزانیِ مال و اسباب کی برکت صحبت و امن ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کے برخلاف ہوتا ہے اور یہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے یوں ہی دستور چلا آتا ہے۔ چنانچہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو یہی باتیں پیش آئی ہیں۔

یہ خیال بھی ہمیشہ سے بے دینوں کو پیدا ہوتا آیا ہے آج کل بھی نئی روشنی کے ملحد ایسا ہی کہتے ہیں اور کامیابی اور ناکامی اپنی کوشش کی کامیابی اور ناکامی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں اور اس کی نظیر میں اکثر بے دینوں اور ملحدوں کے وہ شہر اور ملک پیش کیا کرتے ہیں کہ جہاں باوجود ہر قسم کی بدکاری کے ہر قسم کے عیش و عشرت و اقبال مندی روز افزوں ہوتی ہے جیسا کہ یورپ کے شہر اور وہاں کے ملک۔

مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ جس صورت میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے (اور ہم کو ضرور تسلیم کرنا چاہیے) کہ اس جہان کا بانی بھی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ معطل یا عاجز بھی نہیں ہو گیا ہے بلکہ تمام عالم کی چیزیں اسی موجودِ حقیقی کی طرف مستند ہیں۔ بیوقوف آدمی یہ خیال کر سکتا ہے کہ کپڑے کی کل جو کپڑا بن رہی ہے اور اس تیز حرکت سے اپنے تمام کام نہایت چستی سے کر رہی ہے وہ از خود کرتی ہے آپ ہی چلتی ہے اس میں کوئی شریک نہیں مگر دانشمند یہی کہے گا کہ نہیں بلکہ انجینئر ہی اس کو دخانی قوت سے حرکت دے رہا ہے۔ وہ جب ان کے مبداءِ حرکات کو بند کر دیتا ہے تو سب بند ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس عالم کے تصرفات کو کوتاہ نظر ان کے اسبابِ ظاہرہ کی طرف منسوب کرتا ہے مگر دانشمند سب کو ان کے مسبب الاسباب کی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر وہ صانعِ عالم جو کارکن ہے ضرور اپنے بندوں کے افعالِ ناشائستہ سے ناخوش اور افعالِ حمیدہ سے راضی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں انبیاء کا ہدایت کے لئے بھیجنا کوئی تعجب کی بات ہے؟ اور انبیاء کے نافرمانوں پر عذاب نازل کرنا کیا مشکل ہے۔ عام ہے کہ وہ عذاب اسبابِ عادیہ کے وسیلہ سے ہو۔ جیسا کہ زلزلہ اور پانی کی طغیانی اور ہوا کا طوفان یا بجلی کی کڑک یا زمین کا پھٹ کر لوگوں کا دفعۃً اس میں غرق ہو جانا یا پہاڑوں میں سے آتشیں مادہ کا رواں ہو کر بہنا اور اس سے شہروں اور ملکوں کا غارت ہونا یا قحطِ شدید کا ہونا یا کسی سفاک قوم کا مسلط ہو کر استیصال کر دینا یا بغیر اسبابِ عادیہ کے ہو جیسا کہ فرشتوں کا بستیوں کو اٹھا کر الٹ دینا۔ رہی یہ بات کہ ملحد اور بے دینوں کے شہر عیش و عشرت کے سامان سے بھرپور ہیں۔ ان پر کیوں عذاب نہیں آتا؟ سو یہ اس کا حکم ہے جو اس نے ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔ آخر جب حد سے گذر جاتی ہے تو پھر وہ دفعۃً ان بلاؤں میں سے کہ جن کا ابھی ذکر ہوا کسی نہ کسی میں گرفتار کر کے غارت ہی کر دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ الخ نینوی اور بابل اور صیدوم وغیرہ اور ان کے بادشاہوں کے تجمل اور سامانِ عیش اور اقبال کیا ان لوگوں کے سامان سے کم تھے، نہیں ہرگز نہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ وہ لوگ کہ جن پر ان کے گناہوں کی نحوست نازل ہوئی۔ اگر ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول

دیتے۔ آسمان کی برکتیں وقت پر پانی برسنا اور زمین کی برکات اچھی طرح نباتات کا اگنا کھیتی اور درختوں میں عمدہ پھول اور پھل آنا۔ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے دو سبب ہیں۔ ایک فاعلی جو سماوات ہیں۔ ان کی تاثیریں زمین پر پہنچتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی اور ماہتاب کی رطوبت و برودت علیٰ ہذا القیاس ہر ستارے اور ہر گردشِ فلک کی ایک تاثیر خاص اس فاعلِ حقیقی نے رکھی ہے۔ دوسرا سبب مادی زمین اور عناصر ہیں۔ جب ان کی تاثیریں ان پر پڑتی ہیں اور یہ حسبِ مادہ و استعداد ان کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات و جمادات حیوانات سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب برکت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان اسباب کو بندوں کو فوائد کے موافق کردے اور بے برکتی اس کا برعکس اور یہ بات تو خاص اس نے اپنے ہی دستِ قدرت میں رکھی ہے۔ یہ چیزیں پتلوں کی طرح سے اس کے ہاتھ سے ہلتی ہیں۔ اب فرماتا ہے کہ جس طرح ہم مطیع کے لئے منعم ہیں۔ برکٰتٍ من السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کو نصیب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم عاصی و ناشکر کے لئے منتقم بھی ہیں۔ ہمارے عذابِ دنیا و آخرت سے کسی کو نڈر اور بے خوف و خطر نہ ہونا چاہیے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی الخ کیونکہ ہمارا عذاب انسان کو یکا یک آلیتا ہے اور ہمارے مکر یعنی تدابیر ناموافق عباد سے بھی نڈر نہ ہونا چاہیے۔ ہم جب چاہتے ہیں سب ظاہری اسباب و سامان کو منقلب کر دیتے ہیں اسی کی تلوار اسی کو کاٹنے لگتی ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

کیا ان لوگوں کو کہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث بنتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں۔ تب وہ سن بھی نہ سکیں۔ یہ ہیں وہ بستیاں کہ جن کی خبریں (اے نبی!) ہم تمہیں سنا رہے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔ پھر جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر کب ایمان لانے والے تھے۔ یوں مہر کیا کرتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر اور ہم نے تو ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہ پایا اور ان میں سے اکثر کو تو نافرمان ہی پایا۔

ترکیب: لم یهد یتبین للذین الخ اس سے متعلق۔ ان مخففہ اسم اس کا محذوف انه یہ جملہ فاعل ہے یهد کا ای لم یتبین لهم مشیئتنا وقدرتنا علی اہلاکہم بذنوبہم من عہد میں زاید ای ماوجدنا عہدا لاکثرہم۔

تفسیر: یہاں تک منکرین کے قصہ اور ان پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کے وقائع بیان فرمائے تھے۔ اس کے بعد یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ کچھ انہیں بستیوں پر حصر نہیں جن کا کہ ہم نے حال بیان کیا بلکہ جہاں کہیں انبیاء آئے وہاں یہی بات پیش آئی۔ اب یہاں ان تمام تاریخی واقعات اور عبرت آمیز حادثات کا نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ کیا ان لوگوں کو پہلے لوگوں کے حال سے عبرت پیدا نہیں ہوتی کہ ان کو ہم نے ان کی

بدکاری کی وجہ سے ہلاک کردیا۔ صفحۂ زمین سے مٹاڈالا۔ اب یہ لوگ ان کے وارث ہو گئے ہیں۔ ان کے عمدہ مکانات میں رہتے ہیں جس زمین کے لئے وہ لڑتے سر کٹواتے تھے اس کو میری میری کہتے تھے اب وہ ان کے قبضہ میں ہے۔ اب اسی طرح سے یہ بھی سرکشی کرتے ہیں۔ بدکاری اور بت پرستی سے باز نہیں آتے۔ رسول سے مقابلہ کرتے ہیں۔ کیا ہم ان کو بھی اسی طرح سے ہلاک نہیں کر سکتے۔ ان میں ان سے کونسی بات زیادہ ہے' کونسی قوت مانع ہے؟ مگر یہ بیوقوف مغرور مست بادۂ غفلت نہیں سمجھتے کیونکہ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ہم نے ان کے دلوں پر مہر کردی۔ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ یعنی وہ ان باتوں کو اور ان واقعات کو دل سے نہیں سنتے (اگر دل سے سنتے تو عبرت ہی نہ کرتے)

پھر متنبہ کرتا ہے کہ وہ بستیاں ہیں کہ جن کا ہم تمہیں حال سناتے ہیں یعنی عاد وثمود ولوط وشعیب کی اجڑی ہوئی بستیاں جو تمہیں سفرِ تجارت میں آتے جاتے ملتی ہیں۔ انہیں کے تو یہ واقعات ہیں کہ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے اور ان کو خوب سمجھایا مگر وہ ایسے کب تھے کہ جس بات کا ایک بار انکار کر چکے پھر اس پر ایمان لے آویں یعنی بڑے ہٹیلے۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور وہ کافروں کے دلوں پر ایسی ہی مہر کردیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اکثر کو ہم نے اپنے عہد ازلی پر قائم نہ پایا اور اکثر کو بدکار ہی دیکھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰی يٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

ع ۱۳

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ سو ان لوگوں نے معجزوں کی بڑی بے ادبی کی۔ پھر دیکھ مفسدوں کا کیسا

انجام ہوا اور موسیٰ نے کہا' اے فرعون میں ایک رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ میں اس بات پر قائم ہوں کہ اللہ کی طرف سے بجز سچ کے اور کچھ نہ کہوں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے میں بڑی نشانی لایا ہوں سوتو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔ اس نے کہا اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اس کو لے آ۔ اگر تو سچا ہے۔ تب موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ وہیں اژدہا بن کر ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا ہی تھا کہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا نظر آیا۔ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا بے شک یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ پھر تم کیا رائے دیتے ہو؟ وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو رہنے دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ وہ تیرے پاس ہر ایک واقف کار جادوگر کو لے آویں اور فرعون کے پاس جادوگروں نے آ کر کہا کیا ہم کو کچھ انعام ملے گا اگر ہم ہی غالب آ گئے؟ اس نے کہا ہاں اور تم کو تقرب بھی حاصل ہوگا۔ جادوگروں نے کہا اے موسیٰ یا تو تو ہی ڈال اور یا ہم ہی ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا تمہیں ڈالو پھر جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور لوگوں کو ڈرایا اور وہ بڑا جادو بنا لائے تھے۔

ترکیب: حَقِیْقٌ فعیل خبر مبتداء محذوف کی ای انا فاذ اللفاجاۃ یہ ظرف مکان کے لئے ہے ھی مبتداء ثُعْبَانٌ خبر ان ھذا یرید قال کا مفعول۔ لاجرا اسم ان لنا خبر جملہ دال بر جزا ان کنا یہ تمام جملہ مقولہ ہے قالوا کا۔ فلما القوا شرط سَحَرُوْا وَاسْتَرْھَبُوْا جواب۔ وَجَآءُوْ جملہ مستانفہ یا معطوفہ۔

تفسیر: قصہ موسیٰ وفرعون: یہ چھٹا قصہ موسیٰ کا ہے چونکہ یہ بہت بڑا واقعہ ہے اس لئے اس کو ان پہلے واقعات سے فصل دے کر بیان فرمایا یعنی ان واقعات کا نتیجہ تمام کر کے اس کو شروع کیا گیا۔ گرچہ یہ قصہ متعدد مطالب کے ادا کرنے کے واسطے قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے لیکن اس جگہ بہت کچھ ذکر ہوا ہے۔ تفسیر سورہ بقرہ میں ہم اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ مع جغرافیہ مصر وقلزم وتیہ بیان کر چکے ہیں اس لئے اس جگہ اعادہ کرنا طول دینا ہے۔

(۱) فرعون۔ اس لفظ کو اہلِ لغت نے تفرعن سے مشتق بتایا ہے کہ جس کے معنی متکبر کے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ فِرُوءُ سے لیا گیا جس کے معنی لغت قدیم مصر میں شہنشاہِ اعظم کے ہیں۔ عربوں نے معرب کر کے فرعون بنایا اور اس کی جمع فراعنہ بنائی۔

فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں بلکہ شاہانِ مصر کا لقب ہے۔ ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے جو مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے۔ جس طرح ہندوستان میں راجہ اور قدیم روم کے بادشاہوں کو قیصر کہتے تھے۔ سلطنت مصر کے چار دور ہیں۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا ھُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ ھٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْھَآ اَھْلَھَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ

اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور ہم نے (اس وقت) موسیٰ کو وحی کی کہ تم بھی اپنا عصا ڈال دو۔ پھر تو جو کچھ وہ (سانگ) بنا رہے تھے سب کو یکا یک نگلنے لگا۔ پس حق قائم رہ گیا اور جو وہ کرتے تھے مٹ گئے۔ سو وہ[1] یہاں پر مات کھا گئے اور ذلیل ہو کر الٹے پھر گئے اور جادوگر سجدے میں گر کر کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا (ہیں) میرے حکم سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ یہ تو تمہارا ایک بڑا مکر (پکھنڈ) ہے کہ جس کو تم نے (اس) شہر میں آ کر گانٹھا ہے تا کہ لوگوں[2] کو شہر سے نکال کر لے جاؤ۔ سو تم کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوائے ڈالتا ہوں۔ پھر تم سب کو سولی دیے دیتا ہوں۔ وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کے پاس پھر کر جانا ہے اور تو ہم سے اسی لئے بدلہ لیتا ہے تا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے (صبر عنایت کر) اور ہم کو مسلمان کر کے موت دے۔

ترکیب: ان الق مفعول اوحینا فاذا مفاجات کے لئے ہے مبتدا تلقف خبر۔ صاغرین حال ہے انقلبوا سے قبل متعلق ہے آمنتم سے الی ربنا متعلق۔

تفسیر: اول فراعنہ کا کہ جن کی سلطنت ایک ہزار چھ سو بائیس (۱۶۲۲) برس تک رہی۔ ان میں اخیر بادشاہ سمنی توس تھا جس کو کمبیس شاہِ ایران نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو بیس (۵۲۰) برس پیشتر قتل کر کے ان کے خاندان کو تمام کر دیا اور ایرانیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ دوسرا دور سکندر اعظم تک ایک سو چورانوے (۱۹۴) برس تک ان کی سلطنت رہی۔ پھر تیسرا دور بطلیموسیون کا ہے جن کی سلطنت سکندر سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام سے تیس برس پیشتر تک رہی۔ چوتھا دور رومیوں کا ہے جو مسیح علیہ السلام کے تیس برس قبل ولادت سے لے کر چھ سو انتالیس (۶۳۹) عیسوی تک رہی۔ اس کے بعد سے یعنی اٹھارہویں سال ہجری سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں ہے (خدا ہمیشہ رکھے) حال کا بادشاہ توفیق بن اسمٰعیل ہے۔ یہ پانچواں دور ہے پھر اس میں بھی مسلمانوں کے متعدد خاندان حکمراں رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں خاندانِ فراعنہ سے امنو[3] فیس دوم بادشاہ تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چودہ سو بانوے (۱۴۹۲) برس پیشتر بحر احمر یعنی قلزم میں مع اپنی فوج کے غرق ہوا۔ اس کے بعد مصر میں خاندانِ فراعنہ سے دوسرا بادشاہ قائم ہوا۔ بعض جو کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام پھر مصر میں لے گئے اور ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ غلط بات ہے۔ ہرگز قرآن و احادیث سے یہ نہیں سمجھا جاتا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ

[1] فرعون اور اس کا دربار۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اسرائیل کو۔ ۱۲ منہ

[3] یہ نام یونانی تاریخوں سے لئے گئے ہیں۔ اگر عرب اور ایران کے نزدیک ان میں تغیر ہو تو کچھ عجب نہیں۔ چنانچہ مورخینِ اسلام نے موسیٰ کے عہد کے فرعون کا نام ولید بتلایا ہے۔ کسی نے ابوالعباس بن ولید بن مصعب بن ریان کہا ہے۔ منہ۔

قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتے ہیں کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔ فرعون نے کہا ہم ابھی ان کے بیٹوں کو مارے ڈالتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتے ہیں اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو کیونکہ زمین اللہ کی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے اور انجام (بخیر) پرہیزگاروں کا ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو آپ کے آنے سے پہلے بھی ایذائیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک اور تم کو ملک میں خلیفہ کیا چاہتا ہے پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔

ترکیب: الملاء قال کا فاعل مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اس کی صفت اَ ہمزۂ استفہام کے لئے تذر کا فاعل اَنْتَ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ مفعول لِيُفْسِدُوْا تذر سے متعلق وَيَذَرَكَ منصوب معطوف ہے لیفسدوا پر جملہ مقولہ ہوا قال کا۔ ان الارض جملہ محل علت میں ہے اِسْتَعِيْنُوْا سے وَيَسْتَخْلِفَكُمْ منصوب معطوف ہے یھلك پر۔

تفسیر: (۲) یوسف علیہ السلام کے عہد میں حضرت یعقوب مع تمام خاندان کے کنعان سے ملک مصر میں آرہے تھے۔ یہاں ان کی نسل بڑی پھلی پھولی ہزاروں اسرائیل ہو گئے۔ اس عہد کے بادشاہ کو جو بڑا جبار و سرکش تھا' یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ پردیسی لوگ ہمارے ملک میں قابض ہو جاویں اس لئے اس نے ان کو سخت کاموں پر مامور کر رکھا تھا۔ خصوصاً جب سے اس کو نجومیوں نے یہ کہا تھا کہ اس قوم میں ایک شخص بڑا اقبال مند پیدا ہوگا جس سے تیرے ملک و اقبال میں فرق آ جائے گا تو اور بھی تکلیف دیتا تھا۔ کسی سے کھیتی کراتا تھا۔ کسی کو کسی مبتذل خدمت پر مامور کر رکھا تھا اور ایک عام حکم دے دیا تھا کہ جس اسرائیلی کے لڑکا پیدا ہو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ دائیاں اس خدمت پر مامور تھیں۔ الغرض ہر طرح سے بنی اسرائیل کو اپنے بس میں کر رکھا تھا۔ آخر بقول شخصے

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

خدا نے عمران اسرائیلی کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ ان کی والدہ نے ان کو دائیوں سے چھپانے کے لئے ایک تنور میں ڈال دیا کہ یہاں نہیں دیکھیں گے۔ ان پر خدا کا سایہ تھا۔ تنور سرد ہو گیا مگر اگلے روز یہ مناسب جانا کہ ان کو کسی صندوق میں بند کر کے توکل بخدا دریائے نیل میں ڈال دیجئے۔ مبادا خبر ہو جاوے تو میرے سامنے اس کو ہلاک کر دیں گے۔ چنانچہ وہ صندوق یا ٹوکرا بہتا بہتا بڑے دریا سے اس کی اس شاخ میں پڑ گیا جو فرعون کے محلوں میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ فرعون کی بیٹی نے دیکھا تو اٹھا لیا اور اپنی ماں کے پاس لائی۔ ماں نے فرعون سے اجازت لے کر اس کو فرزندی میں رکھ کر پرورش کیا کیونکہ فرعون کے بیٹا نہ تھا اور قدرت خدا کی دیکھو دودھ پلانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی مقرر ہوئیں یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام بفضلِ الٰہی جوان ہو گئے اور فرعون کے بیٹے کہلاتے تھے۔ ان کو اقتدارات وہی تھے جو شہزادوں کے ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بہت سے ظلم ان کی وجہ سے ان کی سفارش سے موقوف ہو گئے مگر فرعونی (کہ جن کو قبط

کہتے تھے) اس بات کو اس پر محمول کرتے تھے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے دودھ کا حق ادا کرنے کو ان کے حالِ زار پر رحم کھاتا ہے اور اپنے حقیقی بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی محبت و عزت سے پیش آتے تھے جن کو لوگ رضاعی بھائی سمجھتے تھے مگر بنی اسرائیل میں عموماً یہ بات معلوم تھی کہ موسیٰ ہارون کے حقیقی بھائی عمران کے بیٹے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ[1] ۚ لَىٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ[2]

[1] بما عہد عندک کے کئی معنی ہیں۔ اول یہ کہ اس عہد کے وسیلہ سے جو تجھ سے خدا نے کیا ہے اور وہ عہد موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے کیا تھا غالباً قبول کرنے کی بابت ہوگا کہ ہم تیری دعا قبول کریں گے اور فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام کا مستجاب الدعوات ہونا بارہا معلوم ہو چکا تھا۔ دوم یہ کہ ان چیزوں کے سہارے جو تیرے رب نے تیرے پاس رکھی ہیں وہ کیا چیزیں تھیں۔ بعض کہتے ہیں وہ کچھ اسماءِ الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم کر رکھے تھے۔ جب ان کو ذکر کر کے دعا کرتے قبول ہی ہوتی اسماء وصفات کی تاثیر سے وہی منکر ہیں جو اس سر سے نا آشنا محض ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا سوز وگداز تھا جس کے سہارے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، بلائیں ٹلتی ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی بنی اسرائیل کو زبردستی بیگار میں پکڑ کر فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ عمارتیں بلند محل بنوائے تھے سب برباد ہو گئے۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ فرعون ←

فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے فرعونیوں کو برسوں کی قحط سالی اور میووں کی کمی میں گرفتار کردیا تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ پھر جو کبھی ان پر فراغ دستی آتی تو کہتے یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر سختی آپڑتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کی نحوست بتاتے تھے۔ دیکھو نحوست تو اللہ کے نزدیک انہیں کی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں اور (فرعونی) کہنے لگے جب کبھی تو (اے موسیٰ!) ہمارے پاس کوئی نشانی ہمارے جادو کرنے کے لیے لائے گا تو ہم تجھ پر ایمان لانے کے نہیں۔ پھر تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا کھلی کھلی نشانیاں بنا کر سو وہ (اس پر بھی) اکڑا ہی کیے اور وہ ایک نافرمان قوم تھی اور جب ان پر عذاب آپڑتا تو موسیٰ سے کہنے لگتے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے اس عہد کے وسیلہ سے جو تجھ سے کیا ہے دعا کرو۔ اگر تم نے ہم سے عذاب دور کردیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کو رخصت کردیں گے۔ پھر جب ہم ان سے وہ عذاب ایک وقت تک کہ جس تک ان کو ٹھا' ٹال دیتے تھے تو فوراً عہد شکنی کرنے لگتے تھے (آخر کار) ہم نے ان سے بدلہ لیا سو ان کو دریا میں غرق کردیا کیونکہ وہ ہماری آیتیں جھٹلایا کرتے تھے اور ان سے غفلت کیا کرتے تھے اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور خیال کی جاتی تھی مشرق سے مغرب تک اس سرزمین (شام) کا وارث کردیا کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور آپ کے رب کی خوشخبری بنی اسرائیل کو پوری ہوگئی۔ ان کے صبر کی وجہ سے اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم چنتی اور بلند عمارتیں بناتی تھی سب کو منہدم کردیا۔

ترکیب: اٰلَ فِرۡعَوۡنَ مفعول اَخَذۡنَا بِالسِّنِيۡنَ الاصل فی سنة سنہ لامہاہا۔ وقیل لامہا واو لقولہم سنوات و اکثر العرب یجعلہا کزیدون والبعض یجعل النون حرف الاعراب وکسرت العین اعلاما بانہا جمعت علی غیر القیاس یہ اخذنا سے متعلق الطوفان (قیل مصدر وقیل جمع طوفانة وھو الماء الکثیر المغرق۔) وَالۡجَرَادَ جمع جَرَادَةٍ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ مفعول اَرۡسَلۡنَا آیات موصوف بینات صفت مجموعہ حال ہے ہر واحد سے اور ثنا فعل با فاعل القوم مفعول اول مشارق الخ مفعول ثانی ما کان یصنع ما بمعنی الذی اسم کان ضمیر جو راجع ہے ما کی طرف یصنع فعل فرعون فاعل جملہ خبر کان۔

تفسیر: (۳) فرعون کا شہر مصر یہ نہیں کہ جس کو آج کل قاہرہ مصر کہتے ہیں بلکہ دریائے نیل کے پورب اور پچھم میں بسا تھا جو ہامون نو یا نوامون اپنے ایک دیوتا کے نام سے آباد کیا تھا جس کے سو پھاٹک اور دو ہزار مستحکم قلعے تھے جن میں بیٹھ کر دشمن سے بخوبی لڑ سکتے تھے۔ اس کے غربی حصے میں برج اور بادشاہی محلوں کے نشان اور بڑے بڑے پتھر کے لمبے ستون جن کا طول ۲۰ گز قطر ۳ گز ہے اور ایک صحن میں بادشاہ کی ایک سنگ مرمر کی تصویر جس کی بلندی ۲۲ گز اور وزن چوبیس ہزار آٹھ سو انتالیس من ہے ٹوٹے پھوٹے پڑے نظر آتے ہیں۔ ستائیس میل کے دور میں اس کے خرابات مسافروں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر کا مشرقی حصہ بھی بہت بڑا ہے جس میں سینکڑوں بت خانے دکھائی دیتے ہیں۔ فرعون کے محل کے نشان اور ٹوٹے پھوٹے برج اب تک موجود ہیں۔ اسی کے ایک حصہ کا نام عمسیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا تھا اور ممفیس بھی اسی کو یا اس کے کسی حصہ کو کہتے تھے جس کو اہل اسلام منف کہتے ہیں۔ یہ شہر بخت اور کمبیس[1] شاہ ایران کے ہاتھوں سے اجاڑ ہوا اور پھر جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو ہجرت سے اٹھارہویں سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح کیا اور ہر کلیوس (ہرقل[2]) شاہ روم کے ہاتھ سے لیا تو یہ اور بھی برباد ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نیل کی شرقی سمت میں فسطاط کی بنیاد

← اور اس کی قوم کچھ اپنی حفاظت اور بنی اسرائیل کی محکومی کی بابت منصوبے باندھتے اور اس کے محل چنتے تھے سب گر گئے۔ ان کی کچھ تدبیر نہ چلی۔ خدا کا چاہا ہو کر رہا پر رہا۔ ۱۲ منہ

[1] غالباً یہ کیخسرو ہے جس نے بخت نصر کے بعد بابل کو غارت کیا اور مصر پر بھی حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] ہرقل شاہ روم کا ماتحت بادشاہ مقوقس ان دنوں مصر کا حاکم تھا یا اس کا بیٹا۔ ۱۲ منہ

ڈالی اور ایک مسجد بھی بنائی جس کا طول پچاس گز اور عرض تین گز تھا۔ یہ شہر جدید خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں مصر کا پائے تخت رہا۔ چنانچہ جب کافور[1] جوان کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا مر گیا تو قیروان سے ابو تمیم معز باللہ اسماعیلیوں کے چوتھے خلیفہ نے اپنے غلام اور سپہ سالار قائد جوہر کو مصر پر روانہ کیا۔ اس نے آ کر جو بڑے لشکرِ جرار کے ساتھ آیا تھا یہ ملک خلفاءِ عباسیہ کے قبضہ سے نکال لیا اور اپنے شیعہ مذہب کے موافق خطبہ پڑھوا دیا اور فسطاط کو غارت کر دیا۔ پھر چند روز کے بعد معز باللہ بڑے فوج کے ساتھ آیا اور سکندریہ پر قبضہ کرتا ہوا رمضان المبارک ۳۶۲ء میں داخل ہوا اور فسطاط کے پاس اور شہر قاہرہ[2] کی بنیاد ڈالی۔ پھر یوماً فیوماً قاہرہ کی رونق اور آبادی بڑھتی گئی۔ آخر جب سلاطینِ اسماعیلیہ کی سلطنت مصر سلطان صلاح الدین یوسف کے ہاتھ آئی تو اس نے فسطاط اور قاہرہ اور قلعہ کے ارد گرد آٹھ میل کے دور میں پختہ شہر پناہ بنوا دی تھی۔ اس قاہرہ کو فرعون کا شہر کہنا بڑی غلطی ہے۔ چونکہ مصر فرعون کا شہر ہے اس لئے اس کے تاریخی واقعات بیان کرنا مناسب مقام ہوا۔

(۴) الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی حمایت میں سرگرم رہنے لگے اور جب سے کہ آپ ایک بار منف میں گئے اور وہاں ایک قبطی کو اسرائیلی سے لڑتے دیکھا اور اس کے ایک مکا مارا اور وہ مر گیا تو فرعون کے لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلی اور وہی شخص ہے جو ہماری سلطنت کی تخریب کا باعث ہوگا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام یہاں سے جان بچا کر مدین گئے اور وہاں سے لوٹتے وقت کوہِ طور کے حوالی میں ان کو مصر جانے اور فرعون کو سمجھانے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بہت مشکل سے فرعون تک رسائی ہوئی۔ وہاں جا کر کہا' میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ جھوٹ بولنا میرا شیوہ نہیں' میں معجزات لے کر تیرے پاس آیا ہوں تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کے وطن شام میں جانے دے۔ فرعون نے کہا اچھا اگر تیرے پاس کوئی معجزہ ہے تو دکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا جس سے فرعون اور اس کا دربار ڈر کر بھاگ نکلا پھر اس کو ہاتھ میں لیا تو ویسی ہی لاٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرا معجزہ یہ دکھایا کہ ہاتھ اپنی بغل میں دے کر جو باہر نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے موسیٰ علیہ السلام کو وادیِ مقدس میں ملے تھے۔ فرعونیوں نے ان کو جادو سمجھ کر ان کے مقابلہ کے واسطے اپنے تمام جادوگروں کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرایا۔ جادوگروں نے نظر بندی کر کے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کے اسی طرح سے سانپ بنا دیے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن کر سب کو نگل گیا جس سے لاکھوں آدمی جو اس میدانِ مقابلہ میں تھے ڈر گئے اور جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون سخت ناراض ہوا اور جادوگروں کو کہا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) سے ملے ہوئے تھے۔ تم نے باہم مشورت کر لی ہے تاکہ تم اس شہر سے بنی اسرائیل کو نکال کر لے جاؤ۔ اچھا ابھی معلوم ہوئے جاتا ہے۔ حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر درختوں پر لٹکا کر سولی دے دو۔ جادوگروں نے کہا کچھ پروا نہیں' کچھ پروا نہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں سو وہ ہم کو صبر عنایت کرے گا۔ اس کے بعد فرعونیوں نے صلاح دی کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالئے تاکہ زمین میں فتنہ برپا نہ کرے اور تیری اور تیرے معبود کی پرستش نہ چھوڑا دے۔ فرعون نے اور بھی بنی اسرائیل کو تکالیف دینی شروع کیں جس سے وہ چیخ اٹھے۔ موسیٰ نے کہا

---

[1] یہ کافور آشیدی وہ شخص ہے کہ جس کی دیوان متنبی میں یہ شاعر مدح لکھتا ہے یہ بنی العباس کا ایک آزادہ کردہ تھا۔

[2] یہ وہی قاہرہ ہے کہ جو آج کل شاہ مصر توفیق پاشا' تابع سلطان عبدالحمید خان خلد اللہ ملک کا پایہ تخت ہے۔ مصر میں چند سال ہوئے اعرابی بادشاہ سپہ سالار لشکرِ مصر نے بغاوت اختیار کی تھی۔ نہر سویز کی حفاظت کی وجہ سے (جو انگریزوں اور فرانس کے لئے ہندوستان کا رستہ ہے) انگریزوں نے شاہ مصر کی اعانت کی اور اپنی فوج مصر میں بھیج دی جس سے محمد احمد سوزانی نے جو مہدی کہلاتا ہے مقابلہ کیا اور انگریزوں اور مصریوں کو متواتر شکستیں دے کر افریقہ کا ایک بڑا حصہ لے لیا اور آئندہ مصر پر قبضہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں' دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

صبر کرو۔ انجام کار نیک بختوں کو فلاح ہوتی ہے۔ خدا کا ملک ہے جسے چاہے دے وہ تمہارے دشمن کو عنقریب ہلاک کر کے زمین پر تمہیں حکومت دیا چاہتا ہے۔ پھر دیکھئے تم کیا کرتے ہو؟ اس کے بعد کئی برس تک موسیٰ علیہ السلام مصر میں فرعونیوں کو معجزات دکھلاتے رہے۔ کبھی اولے برسے کبھی تمام پانی خون ہو گیا مینڈکیاں درو دیوار پر چڑھ گئیں۔ چچڑیوں نے ستایا لیکن یہ زیادہ تنگ ہوتے تھے تو فرعونی فرعون سے کہتے وہ موسیٰ کو بلا کر وعدہ کرتا کہ اگر یہ بلا تو نے اپنے خدا سے کچھ کہہ کے دور کرا دی تو ہم ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے مگر جب وہ بلا دور ہوتی تھی پھر ویسے کے ویسے منکر ہو جاتے تھے اخیر ایک بار مصر میں غریب سے امیر تک سب کا پہلوٹھا بیٹا مر گیا جس سے تمام مصر میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں نے فرعون سے کہا شہر غارت ہو گیا ہے۔ انہیں جہاں کہیں اپنی قربانی کرنے جاتے ہیں' جانے دیجئے بنی اسرائیل عمسیس سے مرد وزن مال و اسباب لے کر قربانی کے بہانے سے نکلے جب کئی منزل مشرقی جانب طے کی تو بحر قلزم پر آ گئے۔ خدا نے ان کو یہاں سے پار کر دیا' اس جگہ غرق نہ کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

اور بنی اسرائیل کو ہم نے دریا سے پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے کہ جو اپنے بتوں کے ارد گرد بیٹھے تھے[1] بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسے کہ ان کے لئے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا تم بڑی جاہل قوم ہو۔ یہ لوگ (بت پرست) جس دین میں ہیں وہ خود غلط ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بھی سب باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں حالانکہ اسی نے تو تم کو جہان پر بزرگی دی ہے اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچا دیا کہ جو تم کو بری طرح کا عذاب دیتے (اور) تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تو تمہارے رب کا بڑا احسان ہے۔

ترکیب: جَاوَزْنَا فعل بافاعل باتعدیہ کے لیے بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مفعول اول البحر مفعول ثانی کما لهم اٰلِهَةٌ مایا مصدریہ ہے اور بعد کا جملہ صلہ یا بمعنی الذی والعائد محذوف و اٰلِهَةٌ بدل منہ تقدیرہ کالذی ھولھم اور کاف اور جس پر یہ داخل ہے الہ کی صفت ہے ای الٰھا مماثلا للذی

[1] مصر کے لوگ بت پرست تھے اپنے دیوتاؤں کی مورتیں مندروں میں رکھ کر پرستش کرتے تھے۔ بیل اور گائے کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اس کے ذبح کرنے والے کو مار ڈالتے تھے اور بلی کو بھی پوجتے تھے اور اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے اور اس کو بڑا دیوتا جانتے تھے جیسا کہ قدیم اہل ہند کا دستور تھا۔ ایسی پرستش سے فرعون کا دماغ چل گیا تھا جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ ۱۲ منہ

لھم۔ اغیر اللہ صفت ہے الہا مفعول ابغیکم مقدم ہونے سے حال ہوگئی۔ یسومونکم اور یقتلون الخ آل فرعون کی صفت۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا اور اس کو دس ملا کر پورا کر دیا سو اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا (پورا) ہوا اور موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو کوہ طور پر جاتے ہوئے کہہ گئے کہ میری قوم میں میری نیابت کرتے رہنا اور اصلاح کرنا اور مفسدوں کے رستہ پر نہ چلنا اور جبکہ موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور اس کے رب نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے رب! مجھے دکھا کہ آپ کی طرف دیکھوں۔ فرمایا تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کو دیکھو۔ پھر اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لو گے پھر جبکہ ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چورا چورا کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے تو پاک ذات ہے۔ میں نے تیرے حضور میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر تم کو بزرگی بخشی سو جو میں نے تم کو دیا اس کو لے لو اور شکر گذاری کرتے رہو اور ہم نے (موسیٰ کے لئے) تختیوں پر ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پس ان کو مضبوط ہو کر لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان میں سے اچھی باتوں پر عمل کیا کریں۔ میں تم کو ابھی بدکاروں کے گھر دکھاتا ہوں[1] (کہ کیسے اجڑے پڑے ہیں)

ترکیب: اربعین کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے ای تم بالغاھذا العدد ولیلة منصوب ہے تمیز ہونے کی وجہ سے لمیقاتنا لام بمعنی وقت قال رب الخ شرط یا جواب ہے لما جاء موسٰی کا مَوْعِظَةٍ وَتَفْصِیْلًا مفعول کَتَبْنَا کا من کل شیء صفت ہے اس کی جو مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہے۔

تفسیر: فرعون کا قصہ مجملاً اسی جملہ میں تمام کر دیا (ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومه الخ) قلزم کو عبور کر کے عرب کے ریگستانی اور

---

[1] نافرمانی اور بدکاری کے سبب کیسے اجڑے پڑے ہیں۔۱۲

کو ہی بیابانوں قادسیہ وغیرہ میں آپڑے۔ یہاں اسرائیلیوں نے جو لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو مصریوں کے صحبت یافتہ تو تھے ہی منہ میں پانی بھر آیا کہ حضرت ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے لئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس بات پر بہت سرزنش کی کہ تم بڑے واہی لوگ ہو۔ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ اور کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تجویز کروں جس نے کہ تم کو لوگوں پر فضیلت عطا کی اور فرعون کے پنجہ سے نجات دی۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی۔ موسیٰ نے اس بیابان میں جبکہ کوہ طور کے پاس آئے' خدا تعالیٰ سے احکام ملنے کی درخواست کی جو بنی اسرائیل کے لئے دستور العمل ہوں۔ حکم ہوا کہ یہاں آکر تیس رات عبادت کر پیچھے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر آپ کوہ طور پر گئے۔ وہاں تیس کی جگہ چالیس راتیں لگ گئیں۔ اسی چلہ میں ایک بار علیہ السلام موسیٰ کو دیدار الٰہی کا شوق ہوا کہ کاش میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ چونکہ یہ آنکھیں تو جسمانیات میں سے اجسام لطیفہ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں جہاں کہ آنکھ کی شعاعیں لطافت کی وجہ سے منعکس نہیں ہوتیں (آئینہ میں جب تک پیچھے کوئی چیز نہیں لگاتے قلعی نہیں کرتے۔ شعائیں منعکس نہیں ہوتیں بالکل آر پار نفوذ کر جاتی ہیں۔ اس لئے صورت نہیں دکھائی دیتی) چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں جو نہ جسم ہے نہ کثیف بلکہ سب سے زیادہ لطیف اس لئے جواب دیا کہ لن ترانی کہ تو مجھے نہ دیکھ سکے گا اور موسیٰ کا اطمینان کرنے کو ایک بات بتلائی کہ پتھر تجھ سے زیادہ سخت ہے جس قدر انسان میں انفعال اور قابلیت ہے خصوصاً انبیاء علیہم السلام میں ہے' پتھر میں کہاں اور انسان کا ادراک کجا پتھر کجا انسان کی روح (جو عالم قدس کے حوضوں میں دھوئی ہوئی ہے جس میں خدا تعالیٰ سے تقرب کی سخت مناسبت رکھی ہوئی ہے) ایک ایسی قابل اور منفعل ہے جیسی کہ بارود آگ کا اثر قبول کرنے میں۔ پس اے موسیٰ! میں عالم غیب کے پردہ کو ذرا سا اٹھا کر اس پہاڑ ناقابل پر ایک یوں ہی سی تجلی کرتا ہوں اگر وہ اس کی تاب لا سکا اور ٹھہرا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ لے گا۔ پس جب یہ ٹھہر گئی تو خدا نے پہاڑ پر تجلی کی جس سے وہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یعنی خاص وہ مقام کہ جس پر تجلی کی تھی نہ کہ کل کوہ طور۔ اس تجلی میں موسیٰ بھی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جب ہوش آیا اور حقیقتِ امر منکشف ہوئی اور اپنے سوال کا منشاء نادانستگی معلوم ہوا تو کہا' الٰہی میری توبہ پھر ایسا سوال کروں گا۔ سبحانك اور تو آنکھوں کے ساتھ نظر آنے سے پاک ہے وانا اول المؤمنین اور بغیر آنکھوں کے دیکھے سب سے اول میں ایمان لانے والا ہوں۔

اہلِ سنت و معتزلہ کا اختلاف دیدارِ الٰہی میں: جمہور اہلِ اسلام اس بات کے معتقد ہیں کہ قیامت کو اہلِ جنت دیدارِ الٰہی کی دولت سے مشرف ہوں گے اس کی عیاناً زیارت کریں گے مگر جس طرح آج کل فلسفی خیالات کے دریا رواں ہیں اسی طرح بنی العباس کے عہد میں تھے جبکہ علوم یونانیہ کا عربی میں ترجمہ ہوا اور منطق اور فلسفہ میں مسلمانوں نے توغل کیا۔ تو ایک فریق خیالاتِ فیلسوفانہ کا پیرو ہو کر قرآن کو اس کے ساتھ مطابق کرنے لگا جن کو معتزلہ کہتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو دیکھے تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا سو اس کے لئے کوئی جگہ تجویز کرنی پڑے گی۔ پھر جسم بھی ماننا پڑے گا اس لئے انہوں نے اس آیت کا سہارا پکڑ کر قیامت میں دیدارِ الٰہی کا انکار کر دیا اور جس قدر آیات و احادیث دیدارِ الٰہی کے بیان میں وارد ہے سب کی تاویل کر دی۔ اگرچہ علماءِ اہلِ سنت نے بہت کچھ جواب دیا مگر ہم یہاں یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں انسان کی نگاہ خاص محسوسات کے دیکھنے سے زیادہ تجاوز نہیں کر سکتی۔ مگر جنت جو عالمِ قدس ہے وہاں یہ حال نہ ہو گا وہاں کے اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہوں گے۔ وہاں ویسی ہی آنکھیں ملیں گی پھر اب اس عالم میں جب روحانی طور پر اہلِ صفاء خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف بلکہ ہر وقت اسی کی درگاہِ قدس میں حاضر رہتے ہیں اور جن کی آنکھوں میں عالمِ محسوسات ایسا لاشی ہو گیا ہے کہ جس طرح آفتاب کے روبرو ذرات کے تارے۔ عارف جدھر دیکھتا ہے اس کو خدا ہی نظر آتا ہے۔ ہر کاروبار میں اسی کے یدِ قدرت دکھائی دیتے ہیں وللہ در من قال ؎

بخدا غیرِ خدا در دوجہاں چیزے نیست

بے نشان است کز و نام و نشاں چیزے نیست

تو پھر اس عالم میں عام مومنین کیوں اس کو نہیں دیکھیں گے بلکہ ضرور دیکھیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کی تو فرمایا کہ میں نے تجھ کو اپنے ساتھ کلام کرنے سے اور رسالت سے لوگوں پر فضیلت دی۔ سو جو تجھ کو دیا جاوے اس کو شکر کر کے لے لے یعنی اس کو بس غنیمت جان' یہ کیا کم بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

خدا کیوں کر کلام کرتا ہے: خدا نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اس کی حقیقت بیان کرنے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں انہیں حروف واصوات سے اس کا کلام تھا جن سے کہ باہم آدمی کلام کرتے ہیں اور پھر ان میں سے محققین اس کے حادث ہونے کے بھی قائل ہیں یعنی کلامِ خاص اور اس کے حروف والفاظ خاص گو حادث ہیں مگر وہ صفاتِ کلام کہ جو ان حروف والفاظ سے ادا ہوتی ہے قدیم ہے ہر شخص سے اسی کے موافق کلام کرتا ہے۔ کچھ عربی وعبرانی الفاظ کی قید نہیں بلکہ ملائکہ سے انہیں کے موافق مگر حنابلہ وحشویہ اس کلام کلی کے افراط کو بھی قدیم کہتے ہیں۔ پھر کرامیہ ان حروف والفاظِ حادثہ کا محل ذاتِ باری تعالیٰ قرار دیتے ہیں معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کا محل کوئی ذات مبائن ذات اللہ ہے۔ جیسا کہ شجر وغیرہ یعنی کسی درخت وپتھر میں سے کوئی آواز پیدا ہوتی تھی جس کے ساتھ خدا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتا تھا۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ وہ کلام اس کی ایک صفتِ خاص ہے جو ازلی اور قدیم ہے جو ان حروف واصوات سے مغائر ہے۔ پھر اس بات میں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا سنا تھا۔ دو قول ہیں ابو منصور ماتریدی کہتے ہیں کہ اصوات حروف تھے جو کسی درخت سے پیدا ہوتے تھے۔ اشاعرہ کہتے ہیں بغیر اس کے موسیٰ علیہ السلام اسی صفتِ حقیقیہ کو سنتے تھے۔

فقیر کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام اپنے مخلصین سے اس بات کا محتاج نہیں کہ وہ حروف واصوات سے ہو بلکہ وہ روحانی طور سے ہے کہ جن کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ دیکھو اشراقی لوگ بغیر صوت وحروف کے کیونکر کلام کرتے ہیں اور دوسرا اس کو کیونکر سن لیتا ہے۔ خواب میں کہ حواسِ ظاہرہ معطل ہوتے ہیں نہ آنکھ دیکھتی ہے۔ نہ یہ کان سنتے ہیں پھر کس طرح سے کلام ہوتا ہے۔ روحانیات اور لطیف چیزوں کا جدا ہی معاملہ ہے۔ تختے اور پتھر میں سے آواز پیدا ہونے کا قائل ہونا ایک بے سند بات ہے کہ جس کو حقائق شناس پسند نہیں کرتے اور خدا کا یہ کلام کچھ موسیٰ علیہ السلام ہی پر منحصر نہ تھا بعد میں بھی انبیاء سے کلام ہوا ہے بلکہ اب تو اولیاء[1] اللہ سے کلام ہوتا ہے مگر سننے کو کان درکار ہیں۔

الالواح کی کیفیت: وکتبنا له فی الالواح الخ تورات موجود کے سفر خروج کے ۳۲ باب ۱۵ درس میں ان لوحوں کی بابت لکھا ہے ''موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے (لوحیں جن کو الواح کہتے ہیں) اس کے ہاتھ میں تھے۔ دونوں طرف ادھر اور ادھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا اور ان کے شور وغل کی آواز سنی تو ان لوحوں کو پھینک دیا اور پہاڑ کے نیچے آ کر توڑ ڈالا۔ پھر چونتیسویں ۳۴ باب کے اول ہی میں لکھا ہے پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کے مطابق دو لوحیں پتھر کی تراش اور میں ان لوحوں پر وہ باتیں جو پہلی لوحوں پر تھیں جنہیں تو نے توڑ ڈالا لکھوں گا۔ صبح کو تیار ہو جا اور سویرے کوہ سینا پر چڑھ اور میرے آگے وہاں پہاڑ کی چوٹی پر حاضر ہو۔ الخ

علماءِ اہلِ کتاب کوہ طور پر چلہ بھر روزہ رکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو صرف یہ دو پتھر کے تختے عطا ہونے کے قائل ہیں کہ جن پر دس احکام لکھے ہوئے تھے۔ بت پرستی کی ممانعت' والدین کی تعظیم' یوم سبت کی عزت وغیرہ اور اس کے بھی کہ ان لوحوں کو موسیٰ علیہ السلام نے ایک چوبی صندوق میں رکھوا دیا تھا (خروج باب ۴۰) مگر مفسرینِ اسلام ان الواح سے مراد تورات لیتے ہیں اور اس چالیس روز کے چلہ اور روزہ کو جو کوہ

[1] یہ کلام وہ نہیں کہ جو انبیاء پر نازل ہوا جیسا کہ توریت وقران۔ ۱۲ منہ

سینا یا طور پر واقع ہوا نزولِ تورات کا باعث سمجھتے ہیں۔ کس لئے کہ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ان دولوحوں کے دس حکموں پر صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ جمیع مسائل ضروریہ کی تفصیل اور ہر قسم کی نصیحت ان میں نہیں۔ جانوروں کی حلت وحرمت اور شریعت کے مسائل ان میں کہاں ہیں؟ اور نیز سفر استثنیٰ کے ۲۷ باب کی ۸ آیت میں نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء و ۱۸۳۹ء میں یہ عبارت ہے و براں سنگہا تمامی کلمات ایں توریت را بخطِ روشن بنویس'' اور کتاب یشوع کے ۸ باب ۵ اور س مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے بموجب حکمِ موسیٰ کے ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پر توریت کو لکھ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل توریت انہیں الواح میں تھی اور بہت بڑی کتاب نہ تھی جس کو مذبح کے پتھروں پر اس عہد کے موافق کندہ کرنا ناممکن ہوتا گو بعد میں اہلِ کتاب نے (تمامی کلماتِ ایں توریت) کو شریعت کے ساتھ بدل دیا مگر اصل عبارت سے مدعا ثابت ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ؕ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں اپنی آیتوں سے ان کو (یعنی ان کے دلوں کو) پھیر دوں گا کہ جو زمین پر ناحق کا تکبر کیا کرتے ہیں اور اگر وہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر راہِ راست دیکھیں تو اس کو رستہ نہ بنائیں اور اگر ٹیڑھا راستہ دیکھیں تو اس پر چلنے لگیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جنہوں نے کہ ہماری آیتیں اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو ان کے عمل ضائع ہو گئے۔ وہ بدلہ تو اسی کا پاویں گے کہ جو کیا کرتے تھے۔

ترکیب: اَلَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ الخ مفعول ہے اصرف کا وان یروا شرط لا یؤمنوا بھا جواب ذلک مبتداء بِاَنَّھُمْ جملہ ثابت کے متعلق ہو کر خبر و الذین مبتداء کذبوا فعل ضمیر فاعل راجع الذین کی طرف بِاٰیٰتِنَا مفعول کَذَّبُوْا معطوف علیہ وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ اس پر معطوف تمام جملہ صلہ الذین حَبِطَتْ خبر اور ممکن ہے کہ ھل الخ ہو۔

تفسیر: پہلے تھا کہ میں تمہیں تورات دیتا ہوں جس میں ہر قسم کی نصیحت اور سب شریعت ہے۔ اس کو خوب مضبوط ہو کر لو اور میں ابھی تمہیں بدکاروں کے ملک میں لے جاتا ہوں یعنی شام اور اس کے اطراف مواب وغیرہ میں جہاں حتی اور اموری اور عمالیق بت پرست بدکار لوگ بستے ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو دیکھ کر تمہارا بھی رنگ بگڑ جائے۔ اب یہاں فرماتا ہے کہ تم اپنی حالتِ ایمان کو جہاں تک ہو سکے قائم رکھو کس لئے کہ بگڑتے کچھ دیر نہیں لگتی اور کون بگڑتے ہیں وہ جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں۔ آپ کو اوروں سے اچھا جانتے اور اتراتے ہیں۔ پھر وہ خدا کے ہادی انبیاء اور علماء سے بھی سرکشی کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ خدا کی آیتوں سے روگردانی کرنا ہے اور وہ جو ہر قسم کی آیات و معجزات دیکھ کر بھی نہیں مانتے اور وہ جو حق بات دیکھیں تو اسے نہ مانیں بری بات کے جھٹ سے پیرو ہو جائیں انبیاء اور علماء سمجھا دیں تو ہزاروں حجتیں اور جھوٹے عذرات پیش کریں۔ شیطانی کام میں جھٹ کود پڑیں۔ مال اور جان سے دریغ نہ کریں۔ یہ تینوں خصلتیں انسان کی روح پر اپنا ایسا اثر پیدا کرتی ہیں کہ پھر وہ دنیا میں جس قدر خدا کی آیتیں ہیں خواہ اس کی آیاتِ قدرتِ عالم اور اس کے حالات و تغیرات ہوں

یا آیاتِ منزلہ کتابِ الٰہی کے جملہ جن سے عالم آخرت اور اس کی ذات وصفات پر تنبیہ ہوتا ہے یا انبیاء کے معجزات ہوں جو ان کی صداقت کی دلیلیں ہیں اور نبی کی تصدیق سعادتِ دارین کا وسیلہ ہے ان میں سے کسی کو بھی نہیں مانتا اور اس کی ایسی حالت ہو جاتی خداتعالیٰ کی طرف سے محرومی اور آیات سے روکا جانا ہے اور اسی لئے اس کا سبب ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا فرمایا اور اس کے بعد ان آیات کی تکذیب کرنے والے کی سزا بھی بیان کردی کہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ان کے عمل برباد ہو جائیں گے کس لئے کہ عمل خیر جو آخرت میں نفع دیتا ہے جو خلوص پر مبنی ہو اور جب تکذیب آیات اللہ ہوئی تو خلوص کہاں؟ گویا بنی اسرائیل کو ملک شام میں داخل ہونے سے پہلے ان کی جبلی کجی کی طرف اشارہ کر کے تنبیہ کرتا ہے کہ وہاں چل کر تم ایسے نہ ہو جائیو اور اس میں سب کے لئے عموماً تہدید بھی ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

وقف لازم

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد[1] اپنے زیور سے ایک بچھڑے کا ڈھانچہ ڈھال لیا جس کی بیل کی سی آواز تھی۔ یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات کر سکتا ہے نہ ان کو کوئی رستہ بتا سکتا ہے۔ اس کو (خدا) بنا تو لیا اور وہ (بڑے) ظالم تھے اور جب شرمندہ ہوئے اور سمجھے کہ ہم گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر مہربانی نہ کرے گا اور نہ ہم کو بخشے گا تو ضرور ہم خراب خستہ ہو جاویں گے اور جبکہ موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے لوٹے تو کہا تم نے میرے بعد کیا ہی جھک مارا کیا تم اپنے رب کے حکم سے جلدی کر بیٹھے؟ اور موسیٰ تختیاں پھینک کر اور اپنے بھائی (کے بال) پکڑ[2] کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھ کو ضعیف سمجھا اور مجھ کو مار ہی ڈالا ہوتا سو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوا اور نہ مجھ کو ظالم لوگوں میں ملاؤ۔

ترکیب: وَاتَّخَذَ فعل قَوْمُ مُوْسٰى فاعل عجلًا مفعول جسداً لغت یا بدل یا بیان مِنْ حُلِيِّهِمْ متعلق اتخذ سے علی بضم الحاء وکسر اللام وتشدید الیاء وھو جمع اصلہ حلوی فقبلت الواو یاء وادغمت فی الیاء الاخری ثم کثرت اللام اتباعا لھا ویقرء بکسر الحاء فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ مفعول مالم یسم فاعلہ

[1] یعنی جبکہ وہ کوہِ طور پر گئے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنے لگے۔ ۱۲ منہ

سُقِطَ کا وَالتقدیر سقط الندم فی ایدیہم غَضْبَانَ اور اَسِفًا حال ہیں موسیٰ سے۔ اسی طرح یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ بھی الاعداء مفعول ہے لَا تُشْمِتْ کا۔

تفسیر: یہاں سے پھر وہی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے جو کوہِ سینا پر گذرا جبکہ تورات لینے گئے اور چالیس روز تک وہیں رہے۔ پیچھے ہارون کو چھوڑ گئے تھے بنی اسرائیل نے جب تیس روز گذر گئے یہ خیال کیا کہ موسیٰ مر گئے چونکہ مصریوں کی صحبت سے بت پرستی کے بڑے شائق تھے اور مصری لوگ بیل کو پوجا کرتے تھے اس لئے انہوں نے بھی بچھڑا بنایا۔ سامری بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سنار اور اپنا کام میں بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کی استدعا سے بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات لے کر جو مصریوں سے لائے تھے ایک بچھڑا ڈھالا اور کہا تمہارا اور موسیٰ کا یہی خدا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں یہ قصہ اور بھی تفصیل سے ہے قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ الخ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ الخ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ الخ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ باوجودیکہ ہارون علیہ السلام نے منع کیا مگر لوگوں نے سامری کے کہنے سے سونے کا بت بنا ہی لیا۔ سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ کہنے لگا کہ میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ میں نے رسول کے پاؤں تلے کی ایک مٹھی لے کر اس میں ڈال دی، میرے دل کو یہی بھایا۔

(۱) مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فعل سامری کا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو ہارون علیہ السلام کو سرزنش کی تو صرف اس پر کہ آپ نے ان کو کیوں نہیں منع کیا۔ ہارون علیہ السلام نے عذر کیا۔

ع

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں شامل کر لے اور تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ نے فرمایا) جنہوں نے بچھڑا بنایا ان پر تو ابھی ان کے رب کا غضب اور دنیا کی رسوائی آتی ہے اور ہم جھوٹ بنانے والوں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو بے شک آپ کا رب توبہ کے بعد معاف کرنے والا رحم کرنے والا بھی ہے۔ اور جب کہ موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں پر خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔

ترکیب: الذین مع صلہ اسم اِنَّ سَیِّئنا لَهُمْ الخ جملہ خبر وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ مبتدا ان ربك جملہ خبر والتقدیر غفور لھم و رحیم بھم لما سکت شرط اَخَذَ الْاَلْوَاحَ جواب هُدًى معطوف علیہ وَرَحْمَةٌ معطوف لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ سے متعلق لِلَّذِیْنَ رحمۃ سے متعلق جملہ مبتداء موخر فِیْ نُسْخَتِهَا ثابت کے متعلق ہو کر خبر ضمیر مونث الواح کی طرف راجع ہے۔ یہ تمام جملہ حال ہوگا الواح سے۔

تفسیر: کہ میں نے منع کیا مگر نہ مانا میرے قتل کے درپے ہو گئے اور نصِ قرآن سے بھی یہی ثابت۔ پس وہ جو آج کل توریت میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے یہ کام کیا اگر تاویل پذیر نہیں تو محض غلط اور الحاقِ یہود ہے۔ ہارون خدا کے برگزیدہ سے یہ بت پرستی بعید از قیاس ہے اور جو کوئی مسلمان کھل کر یہ بات کہے وہ کافر منکرِ نصِ قرآن ہے۔ (۲) بچھڑا جو سونے کا سامری نے بنایا اس میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں کہ کسی صنعت سے اس کو مجوف ڈھالا تھا کہ ہوا کے سامنے رکھنے سے اس سے گائے کے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی جس سے ان احمقوں نے نہ صرف اپنا خدا بلکہ موسیٰ کا بھی خدا اس سامری جاہل کے کہنے سے تسلیم کر لیا اور اس کے اردگرد ناچنے گانے 'قربانی چڑھانے' سجدہ کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ سامری نے اس میں جبرئیل کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی ڈال دی تھی جو اس نے اس وقت اٹھائی تھی جبکہ جبرئیل عبورِ قلزم کے وقت نمودار ہوئے تھے یا جب کوہ طور پر آئے تھے جس سے وہ حیوان ہو کر بولنے لگا جیسا کہ قرآن میں اس کی تصریح ہے۔ فریق اول کہتا ہے کہ قرآن میں صرف سامری کا عذر نقل کیا ہے کہ میں نے ایسا کیا۔ اب یہ کیا ضرور ہے کہ جس کسی کے قول کو قرآن حکایت کرے وہ قول فی نفسہٖ صحیح بھی ہو۔ بت پرستوں اور جہلاء کے بہت قول نقل ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وغیرہ تو پھر کیا ان کا یہ کہنا سچ ہے؟ قرینِ قیاس ہے کہ سامری نے بنی اسرائیل سے فریب کیا ہو کہ اس کو بنایا تو مجوّف ہو جس میں ہوا کے ذریعے سے آواز پیدا ہوتی تھی اور کہہ دیا کہ یہ میں نے رسول کے پاؤں کی مٹی ڈال دی ہے اور وہ وہی بوقتِ ملامتِ موسیٰ سے کہہ دیا اور قرآن میں یہ نہیں کہ اس مٹی کے ڈالنے سے وہ بولتا تھا یا سچ مچ کا بچھڑا بن گیا تھا۔ اگر قدمِ رسول[1] کا ایسا اثر ہوا تو کیا تعجب ہے رسول سے مردہ روحیں زندہ ہوتی ہیں۔ ان کی خاکِ پا سے اگر جماد حیوان ہو جائے تو کیا بعید ہے۔ (۳) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جنہوں نے بچھڑا بنایا ان پر خدا کا غضب اور ذلت پڑے گی۔ چنانچہ ان کی توبہ یہ قرار پائی کہ قتل کئے جاویں اور پھر وبا بھی آئی اور نیز چالیس برس بیابان میں حیران پھرے ولما سکت توریت موجودہ میں جو لوحوں کا ٹوٹ جانا اور بار دیگر کندہ کرا کے لانا لکھا ہے الحاق ہے کیونکہ ایسی کیا وہ کچی مٹی کی تھیں جو گرتے ہی چکنا چور ہو گئیں۔ پڑھنے اور دوسرے پتھر پر نقل کرنے کے قابل نہ رہی تھیں۔ پس قرینِ قیاس وہی ہے جو قرآن سے سمجھا جاتا ہے کہ غصہ میں ڈال دی تھیں۔ غصہ دور ہوا تو اٹھا لیں۔ لوحیں اس لئے دی گئی ہوں گی کہ اس عہد میں خصوصاً جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس کاغذ نہ ہوگا اور حفظ کا قرآن کی طرح رواج نہ تھا اور نہ پتھر کی سلیں ساتھ ساتھ لئے پھرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ

[1] رسول سے مراد جبرئیل ہے۔ ۱۲ منہ

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وقتِ مقررہ کے لئے منتخب کئے۔ پھر جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو موسیٰ نے کہا' اے رب اگر تو چاہتا تو پہلے ہی سے ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا۔ کیا آپ ہم کو اس فعل پر ہلاک کریں گے کو جو ہمارے احمقوں نے کیا ہے۔ یہ تو صرف تیری آزمائش ہے تو اس میں جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے تو ہی ہمارا مالک ہے سو ہم کو معاف کر دے اور ہم پر مہربانی کر اور تو ہی سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے اور ہمارے نام اس دنیا میں بھی بہتری لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہوئے۔ فرمایا میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں ڈالتا ہوں اور رحمت بھی ہر چیز کو شامل ہے۔

ترکیب: اختار کا فاعل مُوسٰی قَوْمَهٗ مفعول اول بواسطہ حرفِ جر جو محذوف ہے ای من قومہ۔ سبعین مفعول ثانی رجلا اس کی تمیز اور ممکن ہے کہ سَبْعِيْنَ قَوْمَهٗ سے بدل ہو والتقدیر سبعین رجلا منہم حسنة مفعول ہے اَكْتُبْ لَنَا کا وَفِي الْاٰخِرَةِ معطوف ہے فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا پر مَنْ اَشَآءُ مفعول ہے اُصِيْبُ کا كُلَّ شَيْءٍ وسعت کا مفعول رجفة کے لغوی معنی ہیں زلزلہ کے جو بڑا سخت ہو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد کڑک ہے۔

تفسیر: یہ اسی بیان کا بقیہ ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلنے کے بعد تیسرے مہینے بیابانِ سینا میں آئے اور بنی اسرائیل نے کوہ سینا کے سامنے خیمے کھڑے کئے اور موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے اوپر بلائے گئے۔ وہاں سے نیچے اتر کر بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا تم نہاؤ پاک صاف ہو تیسرے روز تم پر خدا تعالیٰ جلال ظاہر کرے گا۔ چنانچہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور وہاں ان پر خدا کی تجلی ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو اور ہارون اور ندب اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کے ساتھ اوپر چڑھ۔ تب موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو لے کر اوپر گئے اور موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا اور کڑک شروع ہوئی اور خدا کا جلال کوہِ سینا پر آیا اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام چالیس رات دن رہے اور وہاں موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی (ملخصاً از سفر خروج باب ۲۴)

اس موقع کی بابت خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا ان ستر سرداروں کو بچھڑا پوجنے کے بعد معذرت کے لئے ہمراہ لے گئے تھے یا یہ اول بار کا ذکر ہے؟ قوی یہی ہے کہ اول دفعہ کا معاملہ ہے ان لوگوں کو ساتھ اس لئے لے گئے تھے کہ یہ بھی خدا کی تجلی دیکھ کر بنی اسرائیل کے سامنے جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے پایا اس کے برحق ہونے کی شہادت ادا کریں مگر جب وہاں جا کر انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو جب مانیں گے جبکہ خدا کو عیاناً دیکھ لیں گے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ رجفة سے مراد صاعقہ ہے (ای الصاعقة اور رجفة الجبل فصعقوا منہا ابوالسعود) تب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ بات ان بیوقوفوں سے سرزد ہوئی اس کی سزا میں ہم سے مواخذہ نہ کیجئے۔ یوں تو آپ ہمیں پہلے ہی سے ہلاک کر سکتے تھے یہ تیری آزمائش ہے اس میں تو جس کو چاہے قائم رکھ کر ہدایت کرے جس کو چاہے بے صبری میں مبتلا کر کے گمراہ کرے تو ہمارا ولی یعنی کارساز ہے اس کارسازی کی وجہ سے اول تو ہماری بیماریاں دور کر دیجئے۔ گناہ معاف کیجئے۔ فاغفرلنا اور پھر اس کے اثرِ بد کو بھی عائد نہ ہونے دیجئے وارحمنا اور پھر ہم کو سعادتِ دارین سے بھی بہرہ ور کر واکتب لنا الخ کیونکہ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (ہدنا تبنا ورجعنا الیک قال اللیث الہود التوبة) ہم نے تیری طرف گناہ اور نافرمانی ترک کر کے رجوع کیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ الخ کہ مجھ میں وصفِ غضب بھی ہے۔ جس کو چاہوں اس میں مبتلا کروں اور میری رحمت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا

يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾

ع ۱۹

سو اس کو تو میں انہیں کے لئے لکھے دیتا ہوں کہ جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے جو رسول یعنی نبی امی کی پیروی کریں گے۔ جس کو وہ اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاویں گے جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دے گا اور ان کو بری باتوں سے روکے گا اور پاک چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرے گا اور ان سے بارگراں[1] کو اور ان طوقوں کو جو ان گلے میں پڑے تھے اتار ڈالے گا پھر جو کوئی ان پر ایمان لاوے گا اور ان کی عزت وندد کرے گا اور اس روشنی پر چلے گا جو اس کے ساتھ نازل کی جاوے گی سو وہی کامیاب ہوگا۔

ترکیب: الذین الخ یہ جملہ محلا مجرور ہے کیونکہ صفت ہے للذین مجرور کی اور مبتدا بھی ہوسکتا ہے اور اس کی خبر یامرھم یا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہے النبی الامی الذی الرسول کی صفت مکتوبا حال ہے یجدونہ کی ضمیر سے والمراد یجدون اسمہ عندہم مکتوبا یا یجدون سے متعلق ہے یامرھم اور ینھھم اور یحل اور یحرم اور یضع سب جملہ حال ہیں النبی سے یا مستانفہ ہیں فالذین مبتدا اٰمَنُوْا وَعَزَّرُوْا وَنَصَرُوْا وَاتَّبَعُوْا اس کے صلہ اولئك الخ خبر۔

تفسیر: موجودات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کو میری رحمت گھیرے ہوئے نہ ہو۔ ادنیٰ مرتبہ وجود ایک ایسی نعمت عام ہے جس سے کوئی شے بھی محروم نہیں مگر اس کے بعد جو اور صدہا نعمتیں ہیں ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں علاوہ اس کے بالذات اس کے نزدیک کوئی چیز مبغوض نہیں۔ اگر اس کو نفرت ہے تو بالعرض بندوں کے برے افعال پر۔ اے موسیٰ بنی اسرائیل اور نسل ابراہیم کو اس رحمت خاصہ سے کہ جس کا تو اپنی قوم کے لئے سوال کر رہا ہے کچھ خصوصیت نہیں بلکہ اس رحمت کو میں ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں کہ جو يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الخ یعنی جن لوگوں میں یہ اوصاف مذکورہ ذیل پائے جاتے ہیں وہ اس رحمت سرمدی کے مستحق ہیں۔ واضح ہو کہ احکام الٰہی جو بندے کی سعادت کا ذریعہ ہیں دو قسم کے ہیں۔ اول ترک کرنا یعنی جو باتیں اس کے حق میں بری ہوں ا جن کا اثر بد اس کی روح پر پہنچتا ہو ان کو چھوڑ دینا ان سے بچنا الگ رہنا جیسا کہ زنا' چوری' تکبر' حسد' قتل ناحق' خیانت' دغا بازی' جھوٹ بولنا' ناپاک چیزوں کا کھانا' ماں باپ سے بدسلوکی' کرنا اقارب اور دوستوں سے برائی کرنا وغیرہ سو ان کی طرف اجمالاً اس لفظ میں اشارہ کر دیا یتقون یعنی جو تقویٰ کرتے ہیں بری باتوں سے باز رہتے ہیں۔ دوم: کرنا یعنی اچھی باتوں کو عمل میں لانا پھر عمدہ کاموں کی دو نوع ہیں۔ نوع اول وہ جو مال سے متعلق ہیں صدقہ و خیرات اقارب کے ساتھ نیک سلوک اس کو یؤتون الزکوٰۃ میں بیان فرمایا۔ اگر سب بر واحسان کے کاموں میں مال صرف نہ کر سکے تو

[1] بارگراں وہ سخت احکام ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اہل کتاب کے لئے تھے اور اسی طرح طوق وہ اس کی نافرمانی کی پھٹکاریں ہیں جو وقتاً فوقتاً ان کے گلوں میں ڈالی گئیں۔ ان سب باتوں کو رسول امی یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت سے دور کر دیں گے۔ ۱۲ منہ

چالیسواں حصہ جس کو زکوٰۃ شرعی کہتے ہیں ادا کرنا تو ضرور ہے۔ اسی لئے بعض علماء نے زکوٰۃ سے مراد اس جگہ زکوٰۃ فرض لی ہے۔ نوع دوم وہ افعال جو اس کی ذات سے متعلق ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسم ہیں۔ اول وہ جو قوتِ نظریہ یعنی علم سے متعلق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت و رسولوں پر ایمان لانا۔ دوم وہ جو قوتِ عملیہ سے متعلق ہیں۔ سجدہ کرنا، روزہ رکھنا وغیرہ ذلک ان دونوں قسموں کی طرف وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ ہے۔ نظریات تو ظاہر ہیں باقی عملیات اس سے اس طرح پر سمجھے جاتے ہیں کہ جب کوئی شے پائی جاتی ہے تو اس کا مقتضیٰ بھی پایا جاتا ہے اور آیاتِ الٰہی پر ایمان لانے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اعمالِ صالحہ بھی کرے کس لئے کہ ایمانِ کامل کے اندر تینوں باتیں ہونی چاہییں۔ تصدیق بالجنان، اقرار باللسان، عمل بالارکان (اعضاء)۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے موسیٰ! جس رحمتِ خاصہ کا تو خواستگار ہے تیرے عہد میں تو یہ اس شخص کو حاصل ہوگی جس میں اوصافِ مذکورہ بالا ہوں گے اور نبی آخر الزماں کے عہد میں یہ اس کو نصیب ہوگی کہ جو نبی امی پر ایمان لائے گا اور ان کا اتباع کرے گا تا کہ فلاح نصیب ہو ورنہ اس کا تقویٰ اور زکوٰۃ دینا کافی نہ ہوگا۔ اس جگہ نبی آخر الزماں کی موسیٰ علیہ السلام سے نو صفتیں بیان فرمائیں۔ (۱) وہ رسول ہوگا (۲) نبی ہوگا۔ رسول کے بعد نبی کا ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عام طور کا رسول نہ ہوگا بلکہ رسولوں میں نبی ہوگا۔ جس طرح سادات کے سردار کو شیخ السادات کہتے ہیں یا کہتے ہیں بادشاہوں کا سردار اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ رسالت میں شانِ توجہ الی المخلوق اور نبوت میں شانِ توجہ الی الخالق غالب ہوتی ہے یا بالعکس (۳) باوجود اس رسالت اور نبوت کے وہ امی[1] ہوگا۔ علوم رسمیہ اور نوشت و خواند رسمیہ حاصل نہ کی ہوگی مگر باوجود اس کے تمام علم الاولین والآخرین کا سرچشمہ ہوگا حقیقت میں یہ ایک بڑا ظاہر معجزہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتِ خاص ہے (۴) کہ یہ لوگ اس نبی کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاویں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ کی دینی کتابوں میں کہ جن کو وہ توریت و انجیل سمجھتے تھے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک نہ ہوتا تو آپ کو الزام دیتے اور آپ بھی باوجود خواستگاری ایمان قبول کرنے کے افترانہ باندھتے جو باعثِ نفرت و بد اعتقادی ہوتا۔ اس وقت یہود و نصاریٰ کا اس امر میں الزام نہ دینا اور گردن نیچے جھکا لینا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اور صفات اور مولد سب کچھ لکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ اس وقت کے بہت سے علماءِ اہلِ کتاب کے اقرار اور شہادت سے ثابت ہوا ہے اور جب کہ انبیاءِ بنی اسرائیل نے اور شلیم اور شام اور بیت المقدس کی بابت چھوٹے چھوٹے حوادث کی خبر دی تو کیا اس عظیم حادثہ کی کوئی بھی خبر نہ دیتا کہ سینکڑوں برسوں تک شام اور بیت المقدس کے در و دیوار سے اسلام جلوہ گر ہے اور رہے گا۔ پس ضرور خبر ہوگی حالانکہ آج کل ہم کو اس توریت و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اور صفات نہیں ملتے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے تحریف کر دی یا وہ اصل کتاب مفقود ہوگئی مگر آفتاب کہیں فانوس میں چھپ سکتا یا اس پر کوئی چادر کا پردہ ڈال سکتا ہے؟ دیکھو آج کل کی توریت سفر استثناء باب ۱۸ اور انجیل یوحنا باب ۱۴ اور دیگر صحائف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارات کس قدر جلوہ گر ہیں۔ انجیل مذکور کے مقام مذکور میں اور انجیل برنباس میں اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا ہے اور لفظ فارقلیط کہ جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے قدیم نسخوں میں صاف موجود ہے اور اس بحث کو ہم بارہا بحوالہ کتب مسلمہ اہلِ کتاب ثابت کر چکے ہیں۔ (۵) یہ کہ وہ لوگوں کو نیک باتیں تعلیم کرے گا۔ (۶) یہ کہ وہ بری باتوں سے منع کرے گا اس میں کوئی مؤرخ شک نہیں کرتا کہ عہدِ آدم سے لے کر جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و پند نے دنیا میں اثر کیا۔ عالم تاریک کو

---

[1] امی بضم ہمزہ منسوب بطرف ام یعنی اصل اعنی یہ شخص جس اصل فطرت پر پیدا ہوا ہے اس پر قائم ہے یا امتِ عرب کی طرف منسوب ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے نحن امۃ امیۃ لانکتب ولانحسب۔ یا ام القریٰ مکہ کی طرف منسوب ہیں اور بفتحِ ہمزہ بھی آیا ہے بمعنی قصد کیونکہ آپ مقصود ہیں مگر باوجود اس کے آپ کو خدا تعالیٰ نے وہ علوم عطا کئے تھے جو کسی کو بھی نہیں دیے گئے۔ پھر آپ کو امی کہنا اور یہود سے پوچھنے کا محتاج ثابت کرنا جیسا کہ بعض خفیہ کرسٹین لکھ چکے ہیں، صریح کفر ہے۔ ۱۲ منہ

منور کر دیا بت پرستی کی جڑ کاٹ دی۔ درندوں کو ملکی صفات بنا دیا۔ ایسا کسی کے وعظ نے اثر نہیں کیا۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل نبوت کی ہوگی (مثلاً کوئی کاتب ہونے کا دعویٰ کر کے نہایت عمدہ لکھ کر دکھاوے تو اب بجز کوڑھ مغز کے اور کون اس کے کاتب بلکہ خوش نویس ہونے میں شک کر سکتا ہے۔ اس کا کمال ہی اس کی دلیل ہے ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ (۷) لوگوں کے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال کرے گا (۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کرے گا یعنی اس کی شریعت عقلِ سلیم کے فطرتی اصول پر مبنی ہوگی۔ اہلِ عقولِ صافیہ کو آپ کی شریعت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوگا۔ ہر بات حکمت پر مبنی دیکھ کر (۹) وہ بنی اسرائیل پر احکام سخت شریعتِ موسویہ کے بارِ گراں اور طوق ان کے گلوں میں پڑے ہوئے ہوں گے۔ سب اتار دے گا اور شریعتِ موسویہ کی سختی دیکھنی منظور ہو تو توریت موجودہ میں سے سفر احبار و سفر خروج و عدد دیکھے تو معلوم کر لے گا کہ بنی اسرائیل کی گردنوں پر کیسے بھاری طوق ڈال کر ان کو مسخر کیا تھا۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ پھر جو کوئی اس رسول اور اس کی کتاب پر جو نور ہے ایمان لائے گا اور رسول کی عزت و مدد کرے گا تو فلاح پائے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے نبی!) کہہ دو لوگوں میں تم سب کی طرف اس اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے سو اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم کو رستہ ملے اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک ایسا بھی گروہ ہے کہ جو حق کی رہنمائی کرتا اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

ترکیب: جمیعا حال ہے الیکم سے الذی الخ جملہ صفت ہے اللہ کی جو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے امۃ موصوف یھدون ویعدلون صفت مجموعۃ مبتداء مؤخر من قوم موسیٰ خبر مقدم۔

تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں اس رحمتِ خاصہ کو متقیوں کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ شرط یہ قرار پائی تھی کہ وہ نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی اتباع کریں کہ جس کا لقب نبی امی ہے۔ اب اس جگہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اس عہد کے مطابق سب بنی آدم کو خبر دیجئے کہ وہ نبی امی جس پر ایمان لانے پر حصولِ رحمت کا مدار ہے میں ہی ہوں میں تم سب کی طرف ہو کر آیا ہوں سو تم ایمان لاؤ اور اتباع کرو الیکم جمیعًا جمہور اہلِ اسلام اس آیت سے یہ بات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تمام عالم کے لیے نبی ہیں۔ دنیا میں آپ کے ظہور کے بعد بموجب اس وعدے کے جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا کسی کی کوئی اطاعت قابلِ پذیرائی نہ ہوگی جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لائے گا جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی میری خبر پا کر جو مجھ پر ایمان نہ لائے گا جہنم میں جائے گا۔ رواہ مسلم۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی خبر نہ پہنچی تو وہ معذور ہیں بشرطیکہ توحید پر قائم ہوں یہاں سے یہود و نصاریٰ کا قول باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عرب کے نبی ہیں۔ یہ نبوتِ عامہ بھی آنحضرت ﷺ کا خاص حصہ ہے۔ الذی لہ ملک السمٰوٰت الخ یہ دعویٰ چونکہ بڑا بھاری دعویٰ ہے اس لئے اول تو اس کا امکان ثابت کیا مگر یہ ثبوت تین باتوں پر

موقوف تھا: اول یہ کہ اس جہان کا کوئی مالک و متصرف بھی ہو کیونکہ اگر خدا نہیں تو پھر اس کی طرف سے پیغام کیسا اور پیغمبری کیا؟ اس لئے اس بات کو اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ثابت کیا کہ آسمانوں اور زمین کے حالات و تصرفات میں نظر کرنے سے یہ تو ہر اہلِ عقل ماشا ہے کہ ضرور کوئی ان کا بنانے والا ہے جس کی ان پر بادشاہت ہے۔ دوم یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ایک شخص ہو کیونکہ اگر کئی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ رسول جو ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے دوسرے خدا کا بندہ ہو اور یہ احکام اس کی مرضی کے برخلاف ہوں۔ اس بات کو لا الہ الا ھو میں ثابت کیا۔ سوم یہ کہ عالم حشر و نشر بھی ہو جہاں رسول کی اطاعت و نافرمانی کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہو کیونکہ اگر یہ نہیں تو مرنے کے بعد نیست ہو گئی رسول کو مانا تو کیا ملا اور نہ مانا تو کیا گیا اس لئے اس بات کو یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میں ثابت کیا جو یہاں زندہ کرتا ہے وہ کیا دوبارہ نہیں کر سکتا؟

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے رسولِ برحق ہونے کے دلائل کی طرف اشارہ کرتا ہے نبوت کا ثبوت معجزات سے ہے سو آنحضرت ﷺ کے معجزات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو آپ کی ذاتِ کریم میں ودیعت رکھے گئے ہیں وہ بہت سے ہیں۔ از انجملہ آپ کا امی ہو کر تمام الٰہیہ مبدؤ معاد و احکام و قصص انبیاءِ سابقین کا بیان کرنا اس کی طرف رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ میں اشارہ ہے اور اس میں اس وعدہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا جس کا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو اعلان کیا جیسا کہ سفر استثنیٰ میں ہے۔ دوم: وہ جو خارقِ عادت باتیں آپ سے سرزد ہوئیں جیسا کہ چاند کا شق کرنا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، جن کو کلماتِ الٰہی کہا جاتا ہے ان کی طرف یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ میں اشارہ مع لحاظِ تقدیم اہم بالذات ایمان باللہ کے ہے۔ اس کے بعد اتبعوہ فرمانا کلام کو مدلل کر کے نتیجہ نکالنا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی طرف التفات کرتا ہے کہ ان میں سے بعض حق پرست اور منصف بھی ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ سو انہوں نے بے تردد اس رسول کو مان لیا۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور بنی اسرائیل کے ہم نے بارہ قبیلے الگ الگ کر دیے اور موسیٰ کی طرف جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا تو یہ وحی کی تھی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (چنانچہ مارا) پھر تو اس سے بارہ چشمہ پھوٹ نکلے۔ ہر ایک شخص کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہو گیا اور ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا (اور فرمایا) ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ (پیو) اور ہم نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا لیکن وہی خود اپنی جانوں پر ستم کرتے رہے۔

ترکیب: قطعنا بمعنی صیرنا تب اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ ممیز اسباطا تمیز بلکہ بدل لانہ جمع امما دوسرا بدل مجموعہ مفعول ثانی ورنہ تقدیر یوں ہوگی فرقنا ھم فرقا۔ ان اضرب ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے اس تقدیر پر یہ مفعول اوحینا ہوگا اور بمعنی ای بھی ہو سکتا ہے۔ تب یہ اوحینا کی تفسیر ہوگی۔ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ ممیز عینا تمیز یہ انبجست کا فاعل منہ اس سے متعلق انفسھم منصوب ہے یظلمون سے الانبجاس الانفجار والاسباط جمع السبط ہو ولد الولد والمراد بھا القبائل۔

تفسیر: یہاں بنی اسرائیل پر جو کچھ اس نے ان بیابانوں میں انعام و عنایت کی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ باوجودیکہ انہوں نے قلزم کا معجزہ دیکھا جس میں ان پر بڑی عنایت تھی کہ ان کو اس سمندر کی کھاڑی سے خشک نکال دیا اور ان کے مخالف اور دشمن کو ان کی آنکھوں کے روبرو مع فوج و حشم غرق کیا مگر پھر پار اتر کر موسیٰ علیہ السلام سے ایک اور معبود کی استدعا کی اور پھر اس کی غیبت میں جبکہ وہ کوہ سینا پر چالیس روز غائب رہے تو سونے کا بچھڑا بنا کر پوجا مگر اس کے بعد بھی ہم نے ان پر یہ عنایت کی اور اس پر وہ دن بدن یہ نافرمانیاں اور سرکشیاں کرتے تھے۔

یہ واقعات کوہِ سینا سے کوچ کرنے کے بعد ظہور میں آئے تھے۔ اس تمام قصہ کی تفصیل سورہ بقرہ میں بضمن تاریخ بنی اسرائیل بیان ہو چکی ہے۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ یعنی انتظامِ بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ان کے بارہ فرقے مقرر کر دیے۔ ہر ایک کو اسباط کہتے تھے۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے ہر ایک کی اولاد ایک سبط جداگانہ تھا۔

واوحینا الی موسٰی یہ ایک بیابان کا ذکر ہے جہاں کہ بنی اسرائیل نے اپنے خیمہ قائم کئے ادھر وہاں پانی نہ تھا نہ کوئی دریا تھا نہ چشمہ نہ کنواں نہ تالاب۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کی درخواست کی تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مار جس سے اس میں سے بارہ چشمے بہنے لگے جس میں سے ہر ایک سبط نے جدا گھاٹ مقرر کر کے پانی پیا۔ یہ بات ان بیابانوں میں دو ایک بار وقوع میں آئی۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ اسی پتھر میں سے پانی پیا کرتے تھے اور اس کا بھی قرآن سے کچھ ثبوت نہیں کہ بنی اسرائیل اس پتھر کو ساتھ ساتھ لادے پھرتے تھے اور یہ کہ وہ یہ پتھر تھا جو موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ان بیابانوں میں سایہ دار درخت اور سایہ کا تمام قوم کے لئے سامان بھی کم تھا۔ لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ اس لئے خدا نے ان پر ابر قائم کر دیا کہ اس کا خیمہ ان کے ساتھ رہتا تھا وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى جب خدا نے اس بیابان میں پانی اور قدرتی سائبان عطا کیا تھا تو وہاں نہ کھیتی ہوتی تھی نہ اناج بہم پہنچ سکتا تھا۔ ان کے کھانے کے لئے من و سلویٰ بھیجا جس کی تفسیر سورہ بقرہ میں ہو چکی مگر اس پر بھی بنی اسرائیل كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھاتے تھے جو نافرمانی پر نافرمانی کرتے تھے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

۱۰ع۵

اور جبکہ ان کو (بنی اسرائیل کو) حکم ہوا کہ اس گاؤں میں چل رہو اور وہاں (جا کر) جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور معافی مانگنا اور اس کے دروازہ میں سے سجدہ کرتے ہوئے جانا تو ہم تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے (اور) نیکوں کو عنقریب ہم زیادہ انعام دیں گے۔ پھر تو ان میں سے نالائقوں نے جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کو دوسری بات سے بدل دیا۔ تب تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے ایک بڑی بلا نازل کر دی (یہ ضرور) ان کی بدکاریوں کی وجہ سے۔

ترکیب: قیل سے لھم متعلق ہے اسکنوا الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ ھذہ القریۃ صفت و موصوف مفعول فیہ حطۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای امرنا حطۃ سجدا حال ہے ادخلوا کے فاعل سے نغفر مجذوم ہے جواب امر کی وجہ سے قولا بدل کا مفعول موصوف غیر الذی صفت یا حال قیل کا مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیر ہے جو الذی کی طرف راجع ہے۔

تفسیر : یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا قصہ ہے ان کے خلیفہ یوشع بن نون کا جبکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک شام میں پہنچے اور یردن ندی کو عبور کیا۔ اس قریہ سے مراد شہر یریکو ہے جس کو اریحا بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر یروشلم سے بیس میل اور دریائے یردن سے ۹ یا ۷ میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اب اس جگہ یا اس کے متصل ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے جس میں اعراب یعنی بدوی لوگ اکثر رہتے ہیں۔ اس شہر پر بنی اسرائیل سے اور کنعانیوں سے بڑی لڑائی ہوئی اور آخر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور شہر کو غارت کر دیا۔

اسی شہر کے اس واقعہ کا خدا تعالیٰ یہاں ذکر فرماتا ہے کہ ان سے یعنی بنی اسرائیل سے کہا گیا (غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وصیت کی ہوگی کہ جب تم اس شہر میں گھسو تو اس کے پھاٹکوں میں سے سجدہ یعنی سرنگوئی اور فروتنی کرتے اور خدا سے اپنے جرموں کی جو تم نے میرے روبرو کیے ہیں معافی مانگتے گھسنا تاکہ ملک شام میں ہمیشہ تم پر خدا کی نظر عنایت رہے اور تمہارے دشمن مغلوب رہیں یا خاص اسی وقت یوشع نے حکم دیا ہوگا) مگر یہ جو وہاں پہنچے تو بجائے عاجزی اور فروتنی کے اترانے لگے اور وہاں کی لوٹ چھپانے لگے جس کا چھپانا ان پر سخت جرم تھا اصلی حکم کو بدل دیا اس لئے ان پر آسمانی بلا نازل ہوئی یعنی عی کے لوگوں نے بنی اسرائیل کو شکست دے کر ان کے لوگوں کو قتل کیا۔ یہ واقعہ کتاب یوشع کے ۷ باب میں کسی قدر مذکور ہے۔ تب یوشع اور سارے اسرائیلی بزرگوں نے کپڑے پھاڑے اور خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے شام تک پڑے رہے اور اپنے سروں پر خاک دھری اور یوشع بولا' ہائے اے خداوند مالک! تو اس قوم کو کس لئے یردن پار لایا الخ تب خداوند نے فرمایا' اٹھ کھڑا ہو۔ کس لئے یوں اوندھا پڑا ہے؟ بنی اسرائیل نے گناہ کیا اور انہوں نے اس عہد سے جس کی بابت میں نے ان کو حکم دیا عدول کیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں میں سے بھی کچھ لیا اور چوری بھی کی اور ریاکاری بھی کی اور اپنے اسباب میں ملا بھی لیا اس لئے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے' لعنتی ہوئے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَـِٔيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

وقف لازم — النصف — معانقة

اور اے نبی! آپ ان (یہود) سے اس شہر والوں کا حال تو پوچھئے جو سمندر کے کنارہ تھا جبکہ وہ سبت کے دن حد سے بڑھنے لگے جبکہ ان کے سبت کا دن ہوتا تو ان کے پاس مچھلیاں پانی پر تیرا آتیں اور جس دن سبت کا نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ یوں ان کو ہم آزمانے لگے ان کی بدکاری کی وجہ سے اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا

کہ کیوں ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو کہ جن کو اللہ ہی ہلاک کرنا یا سخت عذاب دینا چاہتا ہے۔ وہ بولے خدا سے بری الذمہ ہونے کے لئے اور شاید کہ وہ ڈر بھی جاویں۔ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان سے کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا کہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور گنہگاروں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے برے عذاب میں مبتلا کیا پھر جبکہ وہ جس چیز سے منع کئے گئے تھے باز نہ آئے تو ہم نے حکم کر دیا کہ پھٹکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔

ترکیب: اذیعدون حاضرۃ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے یہ اصل یعتدون تھا اب اس کو مخفف بھی پڑھ سکتے ہیں اور مشدد بھی۔ اذ تاتیھم ظرف ہے یعدون کا حیتان جمع حوت وکوی سے بدل دیا گیا۔ شرعًا حال ہے حیتانھم سے یوم لایسبتون ظرف ہے لاتاتیھم کا معذرۃ مفعول ہے ای وعظنا للمعذرۃ۔

تفسیر: یہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں گذرا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد جبکہ بنی اسرائیل ملک شام میں آ گئے اور یہاں کی سلطنت ان کی قوم میں ایک عرصہ سے قائم ہوگئی۔ یہ قصہ بھی سورہ بقرہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔

عَنِ الْقَرْيَةِ اس قریہ سے مراد وہ گاؤں ہے جہاں یہ واقعہ گذرا ہے جس کو علما مورخین ایلہ کہتے ہیں اور اس گاؤں سے سوال کرنے سے مراد ان لوگوں کے حال سے سوال نہ کرنا ہے اور سوال کس سے کرے؟ بنی اسرائیل یعنی یہود سے جو آنحضرت ﷺ سے مقابل تھے اور سوال کرنے کا جو حضرت کو حکم دیا تو یہ کوئی فرض واجب کے طور پر نہیں بلکہ وَاسْئَلْهُمْ الخ سے مقصود یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود کو بخوبی معلوم ہے۔ اس کا تواتر ان کے ہاں چلا آتا ہے خواہ ان سے پوچھ دیکھو وہ ہرگز انکار نہ کریں گے نہ یہ کہ آپ ضرور ان کے پاس جا کر پوچھئے جس کے مطابق آپ پوچھنے بھی گئے ہوں بلکہ آپ کو خود یقین تھا' پوچھنے کی کیا ضرورت۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ جس سے مقصود یہ کہ مخاطب کو بھی اس بات کا اقرار ہے اور غرض اس قصہ سے یہود کی پشتینی سرکشی ظاہر کرنا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ سے بھی برسر پرخاش تھے۔ خلاصہ اس قصہ کا یہ ہے کہ یہود پر سبت یعنی ہفتہ کے روز شکار اور دنیاوی کاروبار کی سخت ممانعت تھی۔ اس گاؤں کے لوگ سمندر کے کنارے بستے تھے پانی کی نالیاں مچھلیاں آنے کے لئے کھود رکھی تھیں سو ہفتہ کے روز مچھلیاں آتیں اور دنوں میں نہ آتیں۔ انہوں نے ہفتہ کے روز شکار کرنا شروع کیا۔ بعض لوگوں نے منع کیا اور بعض نے کہا ان لوگوں پر کوئی بلا آیا چاہیے منع کرنے سے یہ نہ مانیں گے۔ انہوں نے کہا بے شک مگر ہم تو بری الذمہ ہو جاویں۔ آخر جب کھلم کھلا سرکش ہو گئے تو ان کے چہروں میں اس قسم کا ورم ہوا جس سے بندروں کی شکل معلوم ہونے لگی۔ آخر اسی میں تین روز بعد مر گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ

اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

(اور یاد کر) جبکہ ان کے رب نے (بنی اسرائیل کو) اعلان کر دیا تھا کہ ان پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا کہ جو ان کو سخت تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ البتہ آپ کا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ معاف کرنے والا' نہایت مہربان بھی ہے اور بنی اسرائیل کو ہم نے زمین پر متفرق جماعتیں کر کے بکھیر دیا۔ کچھ تو ان میں سے نیک ہیں اور کچھ ان میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں اور ہم نے ان کو نعمتوں اور سختیوں سے (دونوں طرح سے) آزمایا تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس دنیاءِ خسیس کی چیزیں (ناجائز طور پر) لیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ ہم کو معاف ہی ہو رہے گا اور اگر ایسا ہی اور اسباب (دنیا) ان کے پاس آ جاوے تو اسے بھی لے کر رہیں۔ کیا ان سے کتاب ؔمیں یہ عہد نہ لیا گیا تھا کہ خدا کی نسبت سچ بات کے سوا اور کچھ نہ کہیں گے اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو پڑھ بھی چکے ہیں اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ کیا تم نہیں سمجھتے اور جو لوگ کتاب کو خوب پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم بھی نیکوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔

ترکیب: تاذن بمعنی اذن ای اعلم الی یوم القیامۃ تاذن سے متعلق سوء العذاب مصدر مضاف ہے۔ امما مفعول ثانی ہے یا حال ہے منھم الصالحون امم کی صفت یا بدل دون ذلك ظرف یا خبر ورثوا الكتاب صفت ہے خلف کی یاخذون حال ہے ضمیر ورثوا سے درسوا معطوف ہے ورثوا پر الم یوخذ جملہ معترضہ ہے میثاق الكتاب مفعول مالم یسم فاعلہ یؤخذ کا۔ ان لا یقولوا الخ تفسیر ہے میثاق کی والدار الاخرۃ مبتداء خیر الخ والذین مبتداء واقاموا اس پر معطوف انا لا نضیع خبر۔

تفسیر: ان خوفناک واقعات سننے کے بعد یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ یہ جو کچھ ہوا ہم سے پہلے لوگوں پر ہوا' ہم پر نہ ہوگا بلکہ ہم سے خدا تعالیٰ کا عہد ہے کہ ہم کو اب تک برومند کرے گا۔ اس خیالِ فاسد کو دفع کرتا ہے کہ یہ عہد نیکوں اور انبیاء کے فرمانبرداروں کی نسبت ہے نہ کہ بدکاروں کے لئے کیونکہ و اذ یاد کرو جس وقت کہ تاذن ربک الخ خدا تعالیٰ نے انبیاءِ بنی اسرائیل کی معرفت یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم بدی کرو گے تو وہ ابد تک تم کو تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے دے گا جو تم کو سخت تکلیف میں مبتلا رکھیں گے۔ چنانچہ سفر استثناء کے گیارہویں باب ۲۶ درس میں اور نیز ۸ باب درس ۱۹ میں موجود ہے مگر بنی اسرائیل نے بدکاری کی اس لئے داؤد علیہ السلام کے بعد سے جو ان پر دشمن مسلط ہونے شروع ہوئے تو آج تک ہیں کبھی بابل اور نینوہ کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا کہیں شاہانِ مصر نے برباد کیا۔ پھر سکندر اعظم کے عہد سے لے کر آج تک یہودی محکوم و اسیر چلے آتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان پر قہرِ الٰہی کا بھڑک اٹھتا ہے جو لوگوں کے ہاتھوں سے سخت سخت اذیتیں پاتے ہیں پھر اس کے ساتھ ہی یہ فرماتا ہے کہ سب بنی اسرائیل برابر نہ تھے وَقَطَّعْنٰهُمْ الخ ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی مگر اس کے بعد تو اکثر ناخلف وارث و مالک کتاب یعنی تورات کے بن گئے جو لوگوں سے دینی امور میں رشوت لیتے اور کہتے ہیں کہ خدا معاف کرے گا مگر آئندہ بھی وہی قصد رکھتے ہیں یعنی باوجود اس لفافہ کی توبہ کے اگر پھر کوئی دے تو لینے کو موجود باوجودیکہ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ حق بیان کرنا مگر اب اپنی دنیاوی آمدنی فوت ہونے کے خوف سے امرِ حق یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو چھپاتے ہیں اور آخرت کو دنیا کے بدلے میں کھو بیٹھے حالانکہ دنیا سے آخرت کا گھر بہتر ہے جہاں سدا رہنا ہے لیکن یہ احمق سمجھتے نہیں مگر اب بھی جو ان میں سے راہِ راست پر قائم ہیں ہم ان کے اجر

ل یعنی توریت میں عہد نہیں لیا ہے کہ سچ ہی کہیں گے' رشوت نہ لیں گے' انصاف کریں گے۔ اس کو پڑھ چکے ہیں۔

ضائع نہ کریں گے۔ اس میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ خدا پرست اہلِ کتاب کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌ ۢبِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور جبکہ ہم نے بنی اسرائیل پر سائبان کی طرح پہاڑ اٹھایا اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ان پر آہی پڑا (تو ان سے کہا گیا) جو کچھ ہم نے[۲] تم کو دیا اس کو مضبوطی سے لو اور جو اس میں ہے اس کو یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور جبکہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو باہر نکالا اور انہیں کو ان پر گواہ بنا کر (یہ کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ کہا کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں۔ یہ اس لئے (کیا) تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد سے تھے[۳] پھر (اے خدا) کیا تو ہم کو بیہودہ لوگوں کے کام سے ہلاک کرتا ہے اور ہم یوں کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں اور تا کہ وہ رجوع کریں۔

ترکیب: الجبل مفعول ہے نتقنا بمعنی رفعنا کا اور فوقهم اس کا ظرف ہے وظنوا جملہ معترضہ یا معطوف ہے نتقنا پر یا حال انہ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے من ظهورهم بدل ہے بنی آدم سے بدل الاشتمال باعادۃ الجار ذریتهم اخذ کا مفعول الست بربکم بیان ہے اشهدهم کا ان تقولوا مفعول لہ ہے اشهد کا ای مخافۃ ان تقولوا اور اسی طرح او تقولوا جملہ محل تعلیل میں ہے۔

تفسیر: اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا یہ واقعہ جو کوہ سینا کے پاس گذرا تھا۔ یہ بات بتلانے کے لئے بیان کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے ان کے سر پر پہاڑ اٹھا کر عہد لیا گیا تھا۔ اس پر بھی وہ اس عہد کے پابند نہ رہے۔ یہ قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ تاریخ بنی اسرائیل میں تفسیر سورہ بقرہ کے ذیل میں بیان ہو چکا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ چونکہ بنی اسرائیل سے عہد لینے کا ذکر آیا تھا اس لئے مناسب ہوا کہ بلا خصوصیت بنی اسرائیل اپنے اس عہد کو بھی یاد دلائے جو اس نے تمام بنی آدم سے لیا ہے تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ عہدِ الٰہی کی پابندی صرف بنی اسرائیل پر ہے۔

۱۔ قال فی الکشاف قلعناہ ورفعناہ کقولہ ورفعنا فوقهم الطور۔
نتق فشاندن وجنبانیدن صراح۔ ۱۲ منہ

۲۔ یعنی توریت اور اس کے احکام۔ ۱۲ منہ

۳۔ جیسے بڑوں کو کرتے پایا دیکھا ہم نے بھی کیا۔ ۱۲ منہ

اس عہد کی تفسیر میں علماء کے دوقول ہیں:

عہدِ الست کی تحقیق: اول جمہور مفسرینِ اہل سنت کا ہے کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تمام ذریت سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ اس طور سے لیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑے۔ پھران کو عقل اور گویائی عطا کر کے کہا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں۔ سب نے کہا بلٰی' کیوں نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تا کہ تم قیامت کو یہ نہ کہو کہ ہم کو خبر نہ تھی۔ تم کو معلوم رہے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں تم میرا کسی کو بھی شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا' وہ تم کو میرا عہد یاد دلائیں گے۔ سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ تیرے سوا اور کوئی نہ معبود ہے نہ رب ہے۔ سب نے اقرار کرلیا (رواہ احمد) اس مضمون کو آنحضرت ﷺ سے چند صحابہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو روایت کیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے جس کو ترمذی نے اپنی کتاب میں بیان کیا اور مسلم بن یسار کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے پوچھا' آپ نے اس میں یوں فرمایا۔ پھر یہی مضمون اخیر تک نقل کیا۔ کسی قدر کمی زیادتی کے ساتھ۔ اس کو مالک اور ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح سے اور بھی محدثین نے مختلف عنوان سے اس آیت کی تفسیر میں روایات بیان کی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں جیسا کہ سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر اور ضحاک اور عکرمہ اور کلبی۔

دوسرا قول جمہور معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کے ظہور یعنی پشتوں سے ان کی ذریت اس طرح سے نکالی کہ وہ نطفہ پشتِ آباء میں تھے۔ پھر اپنی ماؤں کے رحم میں آئے۔ پھر ان کو علقہ پھر مضغہ پھر کامل الخلقۃ بنا کر نکالا پھر عقل و حواس عطا کیا جس سے وہ اس کے مصنوعات میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے۔ سو یہ دلائل گویا خدا کی طرف سے عہد اور خود ان کو اس بات پر گواہ بناتا ہے اور ان کی حالتِ احتیاج و حدوث گویا اس عہد کو تسلیم اور قبول کرتا ہے خدا تعالیٰ کا وہ دلائل پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور اس کا اس حالت میں ہونا زبانِ حال سے اقرار کرلینا اور گواہ بننا ہے۔

اس عہد کی رو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تا کہ کسی کو اس کے بعد یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے' وہی بری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم ان کے بعد پیدا ہوئے' انہیں کی پابندی کرتے رہے۔ اگر گناہ کیا تو انہوں نے' قصور وار ہیں تو وہ' کس لئے کہ ہر ایک شخص پر اس عہد کی پابندی ضرور ہے جب تم کو عقل و ادراک ہے تو کیوں ایسی باتوں میں جو تمہارے عہدِ خداوندی کے برخلاف ہیں ان جاہلوں کی پابندی کرتے ہو۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔

دلائل معتزلہ کے یہ ہیں اول یہ کہ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بدل ہے بنی آدم سے پس اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت نکال کر ان سے عہد لیا نہ کہ آدم کی پشت سے بلکہ آدم کا تو اس میں کچھ ذکر بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر آدم کی پشت سے ذریت نکالنا مراد ہوتا تو مِنْ ظُهُوْرِهِمْ نہ فرماتا بلکہ من ظہرہ کیونکہ آدم ایک شخص تھا جس کے لئے ضمیر مفرد چاہیے نہ کہ جمع اور اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی ذریتِ آدم کی نسبت صادق آ سکتا ہے نہ کہ آدم کی نسبت کیونکہ آدم کا کون باپ دادا مشرک تھا؟

دوم عہد کسی اہل عقل و ادراک سے لیا جاتا ہے نہ کہ غیر اہلِ فہم و ادراک سے۔ پس اس وقت اولادِ آدم کو ضرور عقل و ادراک ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہم کو یاد ہونا چاہیے تھا حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں۔ علاوہ اس کے بنی آدم کروڑوں بلکہ ان گنت ہیں۔ پھر اس قدر لوگ آدم کی پشت سے چیونٹی کیا ذرہ سے بھی کم فرض کئے جاویں تو بھی نکل نہیں سکتے کیونکہ ان کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا

چاہیے تھا جو دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہوا اور جواب عالم وجود میں لوگ پیدا ہوئے ہیں ان کو ان ذرات کا عین کہا جاوے تو بھی ممکن نہیں کیونکہ عین تو کیا یہ ذرات ان انسانوں کے (جو اجسام مخلوق از مادۂ منویہ ہیں) جزو بھی نہیں رہیں۔ احادیث سو وہ اخبار احاد ہیں جو نصِ قرآنی اور بداہۃ عقل کے مقابلہ میں قابلِ التفات نہیں۔

اہلِ سنت: ان دلائل کا یہ جواب دیتے ہیں۔ اما الاول فجوابہ مراد خدا تعالیٰ کی یہ ہے کہ سلسلہ وار ہر ایک بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریت نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے۔ مثلاً زید کو عمرو کی پشت سے اور عمرو کو اس کے باپ خالد کی علی ہذا القیاس تو لامحالہ اوپر کی طرف حضرت آدم پر سلسلہ منتہی ہوگا چونکہ سب کا مبتداء آدم ہیں تو گو صراحۃً آدم کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جبکہ اس طرح سے ایک دوسرے سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدم کی پشت سے نکلنا کہا۔ اس غرض کے لئے من ظہر آدم نہ کہا بلکہ من ظہورھم فرمایا اور اسی لئے انما اشرک آباؤنا کہنا بھی بلحاظ مشرک نسلوں کے ان سلاسل میں سے صحیح ہوا۔ اما الثانی فجوابہ۔ واضح ہو کہ انسان درحقیقت نفسِ ناطقہ یا روح ہے اور گو حادث ہے مگر اجسام کے پیدا ہونے سے بہت پہلے سے ہے اور اس کا ادراک اس عالمِ حسی میں بذریعہ آلاتِ جسمانیہ کے ہے اور دوسرے عالم میں ان کی کچھ احتیاج نہیں۔ جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اخذ من ظہورھم کی تفسیر ہے کہ گو ارواح جو جواہرِ باقیہ اور نفوسِ صافیہ ہیں آدم کے حدوث میں ہم قدم ہیں مگر دنیا میں ظہور ترتیبی ہونے کی وجہ سے سب کا آدم علیہ السلام پیش خیمہ ہیں سو خدا تعالیٰ نے جب آدم کو دنیا میں بھیجا تو ان کے ذریعہ سے تمام نفوس وارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے اور ان کا ظہور جسم آدمی کے وسیلہ سے تھا۔ آدم کی پشت سے ترتیب وار نکالا۔ رہا ان کا چیونٹیوں کے مانند ہونا سو یہ تشبیہ ہے بلحاظ حالتِ اجمالیہ کے جو ان ارواح کو اس وقت عارض تھی اور اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ ان میں کچھ نورانی اور کچھ ظلمانی تھے یعنی اہلِ سعادت کی روحیں منور تھیں اور اہلِ شقاوت پر ازلی تاریکی تھی۔ سو وہ دراصل اجسامِ عنصریہ نہ تھے کہ جن کا مجموعہ بڑے پہاڑ سے زیادہ فرض کر کے آدم کی پشت سے نکلنا محال خیال کیا جاوے۔ رہی یہ بات کہ پھر ہم کو وہ عہد کیوں یاد نہیں اور جب یاد نہیں تو ایسے وقت کے عہد سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ اس جسم سے جب تو نفوس متعلق کئے جاتے ہیں تو اس کے آثار اس پر فائض ہوتے ہیں اور اس عالم میں روح جو عالمِ قدس کا نام پروردہ طائر ہے جب جسمِ عنصری کے پنجرے میں بند ہوتا ہے تو وہاں کے حالات بالکل بھول جاتا ہے۔ اسی کی تدبیر و تصرف میں مصروف رہتا ہے اور اسی لئے خاص دنیا کے سینکڑوں معاملات ہم بھول جاتے ہیں۔ سو اس عہد کے تمسک کا یہ فائدہ ہے کہ جب انسان اس عالم میں جاوے گا اور حجابِ جسمانی اٹھ جاوے گا تو اس کو اپنی اگلی پچھلی سب باتیں یاد آجاویں گی۔ سو یہ تمسک اس عدالت میں پیش کیا جاوے گا اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ دنیا میں ہم کو اس سے آگاہی نہ تھی کیونکہ انبیاء اور ان کے نائبین کہ جن میں سے ایک عقلِ سلیم بھی ہے اس کو یاد دلا چکے ہیں۔

اور جو مراد معتزلہ عہد سے لیتے ہیں وہ بھی ہمارے قول کے منافی نہیں علاوہ اس کے اخذ صیغہ ماضی تو ہمارے ہی قول کی تائید کرتا ہے۔ ہذا تحقیق المقام والعلم عند اللہ العلام۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اور آپ ان کو اس شخص کا حال[۱] بھی سنا دیں کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں سو وہ ان سے نکل گیا۔ پھر اس کے پیچھے شیطان پڑ گیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کے سبب بلند مرتبہ کرتے لیکن وہ خود پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش پر چلا سو اس کی کہاوت کتے کی کہاوت ہو گئی کہ اگر تو اس کو کھدیڑے تو بھی ہانپے اور جو اس کو یوں ہی چھوڑے تو بھی[۳] ہانپے۔ یہی حال ان لوگوں کا (اہل مکہ) ہے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو دانستہ جھٹلایا سو آپ ان سے یہ حالات بیان کرتے رہیے تاکہ وہ غور کریں جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ستم ڈھایا ان کی کیا ہی بری کہاوت ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی راہ پاتا ہے اور جن کو گمراہ کرے تو وہی تباہ کار ہیں۔

ترکیب: نباء الذی جملہ مفعول اتل فمثلہ مبتداء کَمَثَلِ الْکَلْبِ خبر ان تحمل شرط یَلْھَثْ جزا جملہ محل حال میں ہے ذلک مبتداء مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ الخ خبر ساء بمعنی بئس اس کا فاعل ضمیر ہے۔ جس کی تمیز مثلاً ہے القوم موصوف الذی موصوف کذبوا الخ صلہ جملہ صفت یہ موصوف صفت بحذفِ مضاف مخصوص بالذم اور وہ مضاف مثل ہے کس کے لئے کہ مخصوص بالذم جنس فاعل سے ہوتا ہے اور فاعل مثل ہے وانفسھم الخ اما ان یکون معطوفاً علی کذبوا فیدخل فی خیر الصلہ بمعنی الذین جمعوا بین التکذیب بآیات اللہ وظلم انفسھم واما ان یکون کلاماً منقطعاً۔ کشاف۔

تفسیر: عہد الٰہی کا ذکر کر کے اس عہد کے توڑنے والوں کا حال پر وبال سناتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ جب مخصوص لوگوں پر عہد شکنی سے وبال آیا تو اور کسی کا کیا ٹھکانا ہے؟ فرماتا ہے کہ اے نبی تو ان لوگوں کو اس کا حال سنا کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں، نشانیاں، کرامات یا علم کتابِ الٰہی دیا اور وہ خواہش نفسانی کے تابع ہو کر عالم باقی سے رکا اور عالم فانی اور دنیاؤں کی طرف جھک پڑا اور اس کا کتے کا سا حال ہو گیا کہ جو دوڑنے پر بھی ہانپتا ہے اور بیٹھا بھی ہانپتا ہے یعنی بغیر اضطراری حالت کے بھی گناہ کی طرف مائل ہے اور حالتِ اضطرار میں بھی۔ اس طرح ازلی گمراہ ہیں کہ گو ان کو بسببِ ضعف کے خواہش نہ ہو مگر تو بھی فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں بوقتِ غلبۂ نفس تو ہوتے ہی تھے۔ علماءِ مفسرین کے اس شخص کی بابت کہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے چند قول ہیں ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہم و مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مواب کے میدانوں میں نہر یردن کے اس پار شہر یریحو کے مقابل اترے تو بلق بن

---

۱ مشتق از لہث معناہ از تشنگی زبان بیروں آوردن صراح۔ یعنی زبان باہر نکالے۔

۲ بنی اسرائیل کو یہ قصہ معلوم تھا کہ باوجود آیات یعنی کرامات عطا ہونے کے نفس کی خواہش پر چل کر بلعم بن باعور نے یہ خلعتِ بزرگی اپنے تن سے اتار ڈالا اور دین و دنیا میں خراب ہوا۔ یہود کو عبرت پکڑنی چاہیے کہ وہ رشوت اور دیگر خواہشات میں آ کر یہ کچھ کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی کتے کو بیٹھا رہنے دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپتا ہے اور جو دوڑایا جائے تو بھی ہانپتا ہے۔ برخلاف اور حیوانوں کے کہ وہ دوڑنے میں ہانپتے ہیں۔ یہی مثال ذلت دہشت میں خدا کے منکروں کی ہے۔ وہ راحت و مصیبت دونوں حالوں میں ہانپتے رہتے ہیں نہ راحت میں شکر، نہ مصیبت میں صبر، نہ نرم احکام کی برداشت، نہ گرم کی۔ ۱۲ منہ

صفور جو موابیوں کا بادشاہ تھا ڈرا اور اس نے بلعام کے پاس قاصد بھیجے کہ آ کر ان پر بددعا کر۔ اول اس نے انکار کیا۔ آخر آنے پر راضی ہوا اور رستہ میں اس کی سواری کا گدھا بیٹھ گیا۔ جب اس کو مارا تو خدا نے اس کو گویائی دی کہ میں از خود نہیں بیٹھا بلکہ فرشتہ مجھے روکتا ہے۔ بلعام بلق کے پاس گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر بنی اسرائیل کو دیکھا مگر اس کے منہ سے بجائے لعنت کے کلمات برکت بنی اسرائیل کے حق میں بیساختہ نکلے (یہ قصہ توریت کتاب عدد کے ۲۲۔۲۳ باب میں مفصلاً مذکور ہے) اس آمادگی پر بلعام کی تمام کرامات و برکات جو خدا نے اس کو دی تھیں سلب ہو گئیں بنی اسرائیل کو سنایا جاتا ہے کہ جو مقبول الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے اس کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب تم محمد ﷺ کا مقابلہ کرتے ہو کہ جس کا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے۔ وہ چشمہ تو نہ بند ہو گا مگر تم بلعام کی طرح خاک ہو کر بہہ جاؤ گے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما و سعید بن المسیب و زید بن اسلم و ابو وراق رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ امیہ بن الصلت کی طرف اشارہ ہے جو کتب سماویہ سے واقف اور آنحضرت ﷺ کی رسالت سے ماہر تھا مگر حسد سے برگشتہ ہو گیا۔ قتادہ و عکرمہ و ابو مسلم کہتے ہیں یہ عام ہے اس میں ہر ایک شخص کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو خدا علم و ہدایت دے اور وہ خواہش نفسانی کا تابع ہو کر اس کو چھوڑ دے۔ علماء کو بھی اس قصہ کو سن کر پرحذر رہنا چاہیے۔ اللّٰھم ثبتنا علی الھدٰی۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

۲۲ ع ۱۰ ۱۲

اور ہم نے بہت سے جن اور آدمی جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ جن سے سمجھ نہیں سکتے اور ان کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھ نہیں سکتے اور ان کے کان کہ جن سے سن نہیں سکتے۔ وہ ایسے ہیں جیسے کہ چارپائے بلکہ ان سے بھی بدتر یہی لوگ بے خبر۔ اور اللہ کے سب ہی نام اچھے ہیں سو اس کو انہیں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو ان کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں۔ وہ ابھی اپنے کئے کا بدلہ پالیں گے اور ہماری مخلوقات میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جو حق کی رہنمائی کرتا اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

ترکیب: کثیرا الخ مفعول ہے ذرانا کا' لجھنم اس سے متعلق من الجن والانس کثیرا کا بیان' لھم قلوب جملہ لغت ہے کثیرا کی اولئک مبتداء کالانعام خبر وکذا ما بعدہ الاسماء موصوف الحسنی صفت مجموعہ مبتداء مؤخر للّٰہ خبر مقدم الذین الخ جملہ مفعول ذروا کا و من الخ نکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی جار متعلق ہے خلقنا سے جملہ خبر ہے امۃ موصوف یھدون الخ صفت مجموعہ مبتداء۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ کہ جس کو خدا گمراہ کرتا ہے وہی زیاں کار ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے گمراہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ یہ نہیں کہ وہ بری باتوں کا حکم دیتا ہے شرک و کفر کی تعلیم کرتا ہے بلکہ یہ

معنی کہ وہ ازل میں ہی ایسے برے پیدا ہوئے ہیں پھر دنیا میں جو وہ ظاہر ہوتے ہیں تو خدا کی دی ہوئی قدرت واختیار کو اچھے کام میں صرف نہیں کرتے۔اس لئے ان کی نسبت فرماتا ہے وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ۔ اور یہ کیوں جہنم کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی ازلی گمراہی کے مقتضی سے اپنے اختیارات وقدرتِ خداداد کو کام میں نہیں لاتے۔کس لئے کہ آلاتِ مکاسب کو انہوں نے معطل کر دیا۔منجملہ ان کے علوم وادراک کا چشمہ دل ہے۔سو لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وہ اپنے دلوں سے کچھ سمجھتے نہیں۔باوجودیکہ جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ کے تراشے ہوئے بت یا وہ اشخاص جن کے نام کے یہ بت ہیں قضاء وقدر میں کچھ اختیار نہیں رکھتے مگر پھر ان کو پوجتے اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔عالم کے تغیرات اور اس میں گوناگوں تصرفات دیکھتے ہیں جس سے ہر اہلِ قلب یہ سمجھ سکتا ہے کہ کوئی قادرِ مختار پسِ پردہ ان کو ہلا جلا رہا ہے مگر وہ نہیں سمجھتے۔دنیا کی ہر چیز آنی جانی اور ہر عیش کو فانی دیکھتے ہیں کیا خوب کہا ہے کسی نے ۔

دنیا کی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
آ کے جو نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جا کر جو نہ آئے وہ جوانی دیکھی

عزیزان لختِ جگر کو اپنے ہاتھ سے سپردِ خاک کرتے ہیں۔دنیا کے کامگاروں پر در و دیوار کو حسرت آلود آنکھوں سے روتے دیکھتے ہیں۔عمدہ قلعہ اور شاہی مکانات کے خرابات دیکھتے ہیں۔پھر یہ نہیں سمجھتے کہ آخر ایک روز ہمیں بھی جانا ہے اور ہم پر بھی یہی دن پیش آنا ہے۔ اسی طرح آنکھیں ہیں کچھ نہیں دیکھتیں۔کان ہیں حق نہیں سنتے سو ایسے لوگ چار پائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کیونکہ چار پایوں کو جس قدر قدرت عطا ہوئی اس کو اپنے محل پر کام میں لاتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہر شخص کا ٹھکانا مقرر ہو چکا کسی کا دوزخ کسی کا جنت لوگوں نے عرض کیا کہ پھر لکھے پر تکیہ کر کے کچھ نہ کیا کریں۔فرمایا کئے جاؤ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اس سے ویسے ہی عمل آسانی سے سرزد ہوتے ہیں۔اچھوں سے اچھے' بروں سے برے (متفق علیہ) ان غافلوں کا ذکر کے مومنوں کو ذکرِ الٰہی کی ترغیب دیتا ہے اور اپنے اسماء سے یاد کرنے کا حکم کرتا ہے اور اپنے ناموں میں کجروی کرنے سے منع فرماتا ہے۔تین قسم کی کجروی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کے پاک ناموں کا اوروں پر اطلاق کیا جاوے۔دوم بری صفات کے نام اس کے لئے مقرر کئے جاویں جیسا کہ نصاریٰ اس کو اب کہتے ہیں۔سوم جو نام اس کے شرع سے ثابت نہیں اور نا معلوم المعنی ہوں ان کا اطلاق کیا جاوے۔

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمۡلِيۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِيۡ مَتِيۡنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِيۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ

فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ہم ان کو ٹھہر ٹھہر کر ایسا پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور ہم ان کو ڈھیل دیتے جاتے ہیں کیونکہ ہماری تدبیر مستحکم ہے۔ کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ان کا صاحب (پیغمبر) دیوانہ نہیں۔ وہ تو محض کھلا کھلا ڈر سنانے والا ہے۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی اور اس کی طرف بھی کہ شاید ان کی اجل قریب آ گئی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ کونسی بات پر ایمان لاویں گے جس کو خدا گمراہ کرے پھر اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتا ہے۔

ترکیب: والذین الخ مبتداء سَنَسْتَدْرِجُهُمْ خبر من حیث اس سے متعلق املی مبتداء محذوف کی خبر ای انا املی اور ممکن ہے کہ نستدرج پر معطوف ہو کیدی اسم ان متین خبر مَابِصَاحِبِهِمْ ما نافیہ اور کلام میں حذف تقدیرہ اولم یتفکروا فی قلوبہم ما بہ جنۃ اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لئے ہو اور ممکن ہے کہ بمعنی الذی ہو۔ وان عسٰی جائز ہے کہ ان مخففہ ہو مثقلہ سے اور مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور دونوں صورتوں میں محلِ جر میں ہے عطفاً علی ملکوت ان یکون عسٰی، کا فاعل اور یکون کا فاعل ضمیر اور قَدِ اقْتَرَبَ الخ خبر۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہ کہہ کر کہ ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن و انسان پیدا کئے ہیں۔ اخیر میں یہ بھی فرمایا تھا وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ کہ ہماری مخلوق میں سے نیک اور حق پسند بھی ہیں یعنی جنت کے لئے مخلوق ہوئی ہے۔ اب یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ وہ ازلی جہنمی جو ہماری آیتیں جھٹلایا کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہم دنیا میں فوراً ان سے مؤاخذہ کریں تاکہ جہنمی اور جنتی کی یہ پہچان ہو کہ جس پر دنیا میں سختی ہے وہ جہنمی اور عتابِ الٰہی میں گرفتار ہے اور جو مرفہ الحال ہے وہ اس کے نزدیک محبوب ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ان کو دنیا میں باوجود گناہ اور کفر کے نعمت و عیش ہر قسم کی کامیابی میں رکھ کر دفعۃً پکڑ لیں گے یعنی ایسی حالتِ ناز و نعیم میں ہوگا کہ موت آ جائے گی یا تو یہاں عیش و عزت میں تھا یا دفعۃً وہاں عذاب و ذلت میں جا پڑا یا دنیاوی ناگہانی میں گرفتار کیا جاوے کہ جس کی اس کو خبر بھی نہ ہو۔

یہاں تک ان لوگوں کے قصورِ فہم کا بیان تھا جو اپنی ازلی گمراہی کی وجہ سے اس کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اب یہاں سے ان کے بیہودہ شبہات کا جواب ہے جو وہ معلم روحانی سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرتے تھے۔ منجملہ ان کے یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اول تو اس وجہ سے کہ آپ کے افعال ان کے افعال کے برخلاف تھے۔ دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر طالبِ مولا ہونا اور لذائذِ دنیا پر لات مارنا اور قوم کی تکالیف پر تحمل کر کے شب و روز ان کی رہنمائی کی فکر میں رہنا البتہ دنیاداروں کی نظروں میں جنون ہے۔ دوم تمام مرادیں اور کل دلی خواہشوں کی کامیابی دارِ آخرت پر محمول کرنا اور بھی دیوانگی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے فرماتا ہے اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ الخ حالانکہ آپ کا عاقل ہونا بھی مسلم تھا۔ وہ بات کہ جس سے آنحضرت ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے سب سے بڑھ کر تعلیم توحید تھی۔ اس لئے فرماتا ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا الخ کہ توحید کے امر میں تم آسمان اور زمین کی بادشاہت کو دیکھو بلکہ ہر چیز میں غور کرو۔ غور کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ایک ذرہ کے حالات میں بھی غور کیجئے گا تو وہ سینکڑوں زبان سے اس کی یکتائی کی گواہی دے گا۔ جب توحید و نبوت برحق ہیں تو اپنی بے ثباتی کی طرف بھی دیکھو کہ دفعۃً اجل نہ آ جائے۔ پھر سعادت حاصل

۱ لاستدراج استفعال من الدرجۃ بمعنی الاستنزال درجۃ بعد درجۃ الامہال واطال المدۃ ونقیضہ الاعجال الملی زمان مان طویل من الدہر ومنہ قولہ واہجرنی ملیا ای طویلا ویقال ملوۃ وملاوۃ من الدہر ای زمان طویل فمعنی واملی لہم ای امہلہم واملی لہم مدۃ عمرہم لیتمادوا فی المعاصی ولا اعاجلہم بالعقوبۃ ۔۱۲ ابو محمد عبد الحق

کرنے کا کونسا زمانہ آئے گا۔ اصل یہ ہے کہ جس کو وہ گمراہ کرے کون ہدایت دے سکے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(اے رسول!) وہ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کا کب وقت مقرر ہے تو کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے وقت کو تو اس کے سوا اور کوئی بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ بھاری (حادثہ) ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر اچانک ہی آ جاوے گی۔ آپ سے پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ کہہ دیجئے اس کی خبر تو خاص اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر آدمی جانتے بھی نہیں۔

ترکیب: مرساھا مبتداء ایان خبر (اور یہ مبنی ہے اس لئے کہ یہ معنی استفہام اس میں پائے جاتے ہیں بمعنی متی) اور موضع جر میں ہے بدل ہو کر الساعۃ سے تقدیرہ یسئلونک عن زمان حلول الساعۃ علمھا مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف مبتداء عند ربی خبر۔

تفسیر: جبکہ کلام توحید و نبوت و قضاء و قدر میں آیا تو اس کے بعد معاد کا ذکر بھی مناسب ہوا کیونکہ مقصود بالذات قرآن میں یہی چار مطالب ہیں یا یوں کہو کہ پہلے آیات میں اجل کا قریب ہونا بیان کیا تھا جو بڑے کھٹکے کی بات تھی۔ اس لئے تمام عالم کی اجل کا جس کو قیامت کہتے ہیں' بیان کرنا بھی مناسب مقام معلوم ہوا تا کہ بندوں کے دلوں پر کھٹکا لگا رہے۔ ہر وقت توبہ کرتے رہیں۔ توشۂ آخرت تیار رکھیں۔

یسئلونك ابن عباس ؓ کہتے ہیں یہود کے ایک گروہ نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا کہ اے محمد! (ﷺ) ہم کو خبر دے کب قیامت آئے گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ قریش نے آپ سے پوچھا تھا۔

مُرْسٰهَا مصدر ہے بمعنی ارساء جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا ارساء بمعنی اثبات کہتے ہیں۔ رسا یہ رسوا اذا ثبت مگر بھاری چیز کے ٹھہرنے کو ارساء کہتے ہیں جیسا کہ آیا ہے والجبال ارساہا چونکہ قیامت بھی سخت چیز ہے۔ اس لئے اس کے لئے بھی مُرْسٰهَا آیا۔ الساعۃ اسماءِ غالبہ میں سے ہے جیسا کہ النجم ثریا کو کہتے ہیں۔ قیامت کو اس لئے الساعۃ کہتے ہیں کہ دفعۃً آئے گی یا حساب لوگوں کا ایک ساعت میں ہو جائے گا۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ اسی طرح اور بہت سی آیات میں اس کا وقت مخفی رکھا گیا ہے کہ قولہ تعالیٰ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا حدیث متفق علیہ میں بھی آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے وقتِ قیامت پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید ہے التجلیۃ اظہار الشیء والتجلی ظہورہ اس کے اخفا میں یہ مصلحت ہے کہ بندہ ہر وقت مستعد رہے۔ ثقلت الخ یہ وصف ہے الساعۃ کا جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ اس کے بھاری ہونے کی یہی وجہ ہے کہ آسمان پھٹ جائیں گے' ستارے ٹوٹ پڑیں گے سب فنا ہو جاویں گے پھر ایسا دن ثقیل نہ ہو تو کیا ہو۔

سدی کہتے ہیں ثقلت بمعنی خفیت ای لم یعلم احد من الملائکۃ المقربین والانبیاء المرسلین متی یکون حدوثہا لا تاتیکم الا بغتۃ یہ پہلے جملہ کی تاکید اور الساعۃ کا وصف ہے یسئلونك كانك حفی عنها الحفی لطیف محسن کو کہتے ہیں۔ ابن انباری کہتے ہیں ھفی بی حفیا وحفاوۃ وتحفی بی تحفیا والحفی الکلام وللقاء الحسن ومنہ قولہ تعالیٰ انہ کان بی حفیا ای بار الطیفا یعنی تجھ سے وہ پوچھتے ہیں گویا کہ تو ان پر بڑا مہربان ہے

کہ مخفی نہ رکھے گا یا حفی فعیل من الاحفاء وھوالالحاف فی السوال ومنہ احفاء الشوارب یعنی آپ سے پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ قیامت کے قائل تمام اہل کتاب اور اہل اسلام ہیں۔ حکماء اور بت پرست قومیں نہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

(اور یہ بھی) کہہ دیجئے میں اپنے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر اس قدر کہ جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت کچھ فائدہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو ایمان لانے والی قوموں کے لئے نذیر اور بشیر ہوں۔ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تا کہ اس کے پاس آ کر آرام پاوے۔ پھر جبکہ وہ اس سے لپٹ جاتا ہے تو ہلکا سا حمل لئے پھرتی ہے۔ پھر جبکہ بوجھل ہو جاتی ہے تو (خاوند اور بیوی) اپنے رب اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا (بچہ) دیا تو تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔ پھر جبکہ وہ ان کو (پورا پاٹھا بچہ) دیتا ہے تو خدا کے دیے ہوئے میں اللہ کے اور حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ سو اللہ ان کے حصہ دار بنانے سے برتر ہے۔ کیا وہ ان کو حصہ دار بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ان کی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے پیچھے نہ آویں تو تم کو یکساں ہے کہ ان کو بلاؤ یا چپ رہو۔

ترکیب: الاماشاء اللہ استثناء ہے جنس سے ولو کنت شرط لا ستکثرت جواب وما نافیہ مسنی الخ معطوف ہے لاستکثرت پر تتمہ جواب ہے جعل بمعنی خلق زوجھا اس کا مفعول فلما تغشاھا شرط حملت الخ جواب فمرت بہ تشدید راء سے پڑھا جاوے گا تو مرور سے مشتق ہوگا اور بالتخفیف والالف مارت من المور وھوالذھاب والمجی فَلَمَّآ اٰتَاهُمَا الخ شرط جعلالہ جواب شُرَكَآءَ جمع شریک مفعول جعلا فیما آتاھما جار متعلق فعل سے۔

تفسیر: دوسرا شبہ: دوسرا شبہ منکرین کا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر یہ تھا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمارے کہنے کے موافق

کیوں ہمارے دنیاوی مضرات دور نہیں کر دیتے' قحط کھودو' ہم محتاج ہیں غنی کر دو۔ ہمارے فلاں عزیز و اقارب قریب مرگ ہیں یا مر گئے ہیں ان کو تندرست یا زندہ کر دو اور ہم کو کیوں غیب کی باتیں نہیں بتلاتے۔ ہم کو اس مال میں نفع ہوگا یا نقصان' مینہ کب برسے گا۔ فلاں مفقود الخبر کہاں ہے کب آئے گا۔ کوئی اونٹ کھوئے گئے کو پوچھتا تھا کہ کہاں ہے؟ اور اسی قسم کے طعن کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ غزوہ بنی المصطلق سے واپس لوٹے تو رستہ میں ایسی آندھی آئی کہ جس سے لوگوں کے جانور بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے رفاعہ کا مدینہ میں مرنا بھی بیان فرمایا کہ لو آج وہ مر گیا، اتنے میں اپنے ناقہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر عبداللہ بن ابی منافق نے ہنس کر کہا خوب مدینہ جو اس قدر دور ہے وہاں کے آج کے واقعہ کی تو خبر دیتے ہیں مگر چار قدم پر اپنے ناقہ کا حال معلوم نہیں کہاں ہے؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا کہ فلاں جگہ فلاں درخت میں اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے جاؤ لے آؤ۔ چنانچہ لوگ گئے تو وہیں پایا، ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی قل لا املك الخ کہ نہ مجھے عالم قضاء و قدر میں اختیار ہے نہ میں غیب داں ہوں میں تو صرف نذیر خدا تعالیٰ کے عذاب اور بری باتوں کے برے نتائج سے ڈر سنانے والا اور بشیر یعنی عالم آخرت کے ثواب اور نیکی اور فرمانبرداری کے عمدہ نتائج سے خوشخبری سنانے والا ہوں۔

اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ میں بطور اعجاز و خرقِ عادات کے جس قدر نفع و ضرر کے اختیارات خدا تعالیٰ نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے تھے ان کا استثناء ہے۔ اسی طرح وہ غیب کی باتیں بھی مستثنیٰ ہیں جو اعجاز و رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ جن میں فرماتا ہے فلا یظھر علی غیبه احد الامن ارتضیٰ الخ یہ کہنا کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ میں اور عام لوگوں میں بجز نذیر و بشیر ہونے کے کوئی تفاوت ثابت نہیں۔ اگر ما بالفخر ہے تو آپ کے لئے یہی نذیر و بشیر ہونا ہے نہ آپ خرقِ عادات پر قادر تھے نہ پیش گوئیوں پر اور اسی لئے نہ قرآن میں آپ کے خرقِ عادات ہیں نہ پیش گوئیاں محض کم فہمی ہے کیونکہ آیت میں جو نفیِ قدرت و غیب دانی ہے تو وہی ہے کہ جس کو مخالفین نبی کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے معجزات و پیش گوئیاں بہت سی صادر ہوئی ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ خلاصہ یہ کہ قدرتِ کاملہ اور علم محیط خاص اللہ ہی کے لئے ہے۔ میں بندہ ہوں' خدائی میں شریک نہیں۔ رہی نبوت سو اصل مقصود بالذات تو اس سے بندوں کو ان کی بھلائی پر واقف کر دینا ہے۔ الہام اور وحی کے ذریعہ سے اور یہ گو کافر و مومن کے لئے ہے مگر متنفع چونکہ مومن ہیں اس لئے انہیں کا ذکر کیا گیا۔ ھوالذی خلقکم من نفس واحدة یہاں سے صامتون تک پھر اثباتِ توحید میں کلام ہوتا ہے کس لئے کہ نبوت ثابت کی اور وہ اوصافِ الوہیت جن کو لوگ غلطی سے نبی میں خیال کرتے تھے نبی سے سلب کئے گئے تو ان اوصاف کا صحیح محل بیان کرنا کہ جس سے توحید اور مشرکوں کی بیوقوفی ثابت ہو جاوے عین مقصودِ قرآن ہے یعنی یہ قدرت و کمال مجھ میں نہیں میں تو بندہ ہوں بلکہ یہ قدرتِ کاملہ اور علمِ بسیط اس ذاتِ پاک کے لئے ہے کہ جس نے تم سب کو (اس میں میں بھی آ گیا) ایک جان سے پیدا کر دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اور پھر اس کی بیوی حوا کو بھی اس سے نکالا۔

پیدائش حوا کی: مشہور ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ بعض احادیث اور توریت سے بھی یہ ثابت ہے مگر بعض محققین جیسا کہ امام رازی اور علامہ ابوالسعود و دیگر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وجعل منها میں من جزئیت کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے یعنی یہ بات نہیں کہ حوا کو دراصل آدم کی بائیں پسلی سے بنایا کہ ایک پسلی کی حوا بن گئی ہوں بلکہ یہ مراد کہ جنسِ آدم سے حوا کو پیدا کیا کس لئے کہ اُنس جنسیت سے ہوتا ہے نہ کہ جزئیت سے اور نیز جو ایک ہڈی سے بنا سکتا ہے وہ ابتداءً کیا نہیں بنا سکتا۔

رہی روایت سو اس میں ایک کنایہ ہے یعنی عورت مرد کے پہلو میں رہتی ہے۔ اس کو پسلی سے پیدا ہونے کے ساتھ تعبیر کیا اور بائیں پسلی سے اشارہ ہے اس کے زیر دست ہونے کی طرف کیونکہ دایاں بائیں سے زبر ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔ اس توجیہ کے بموجب تو بعض ملحدوں کے اس اعتراض کو گنجائش ہی نہ رہی کہ حوا آدم کا جزوِ بدن تھی تو بیٹی تھی پھر کس حکمت سے خدا نے آدم کو بیٹی کا خواستگار کیا۔ کیا اور

عورت نہ دے سکتا تھا؟

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا یہ عورت کے پیدا کرنے کی غایت بیان فرماتا ہے کہ مرد کو عورت سے سکون حاصل ہوتا ہے یعنی دن کو ادھر ادھر پھرتا ہے رات کو گردانِ کبوتر کی طرح پھر اپنے آشیانہ میں آ رہتا ہے اور سکون کے معنی راحتِ قلب کے بھی ہیں۔ سو عورت سے بھی مرد کو راحتِ قلبی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے تمام غموم و ہموم کے لئے مونس اور ہم پہلو رفیق ہے۔ آدمی کو کیا جانوروں کو بھی اپنے جوڑے سے دلی انس ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا الغشیان اتیان الرجل المراۃ وقد غشاھا اذا علاھا۔ اس کے معنی عورت کو ڈھانک لینا یعنی صحبت کرنا کیونکہ جب مرد اس پر پڑتا ہے تو اس کو ڈھانک لیتا ہے اور اسی رمز کے لئے ایک جگہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ آیا ہے مگر اس شرمناک حالت کو کس لطف کے ساتھ کن عمدہ لفظوں میں بیان کیا ہے۔ بنی آدم کا فطرتی توالد و تناسل بیان ہوتا ہے تاکہ انسان کو اپنی ابتداءِ حالت سے خبر ہو اور یہ بھی کہ اس کو کس نے بنایا ہے۔ آیا خدا تعالیٰ نے یا اس کے نکمے اور نکھٹو معبودوں نے؟

یعنی جب میاں بیوی جمع ہوتے ہیں تو حملت حملاً خفیفاً فمرت بہ وہ حامل ہوتی ہے اور حملِ خفیف ہوتا ہے جس سے وہ بخوبی چلتی پھرتی، کاروبار کرتی ہے۔ والحمل بالفتح وہ چیز جو عورت کے پیٹ میں یا درخت کے اوپر ہوتی ہے پھل پھول والحمل بالکسر بوجھ جو پیٹھ پر لادا جاتا ہے۔ فلما اثقلت دعوا اللّٰہ ربھما الخ اور جب عورت بھاری ہو جاتی ہے تو خوف ہوتا ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس سے زندہ سلامت بھی رہتی ہے کہ نہیں۔ اس لئے میاں بیوی دونوں خدا سے دعا کرتے ہیں (کیوں نہ ہو شدت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے) کہ اگر تو نے ہم کو اچھا اور جیتا جاگتا بچہ دیا تو ہم تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔ پھر جب خدا ان کو بامراد بچہ دیتا ہے تو خوشی میں آ کر خدا کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی ملا لیتے ہیں۔ کوئی طبائع کی طرف منسوب کرتا ہے جیسا کہ دہریہ' کوئی کسی ستارہ کے طلوع و غروب کی طرف کوئی اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں کی نذر و نیاز مانی تھی تو خدا نے یہ مراد دی۔

عام مفسرین اس جگہ یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں آدم و حوا کی طرف روئے سخن ہے اور ایک قصہ بھی روایت[1] کرتے ہیں کہ جب حضرت حوا حاملہ ہوئیں تو ابلیس نے آ کر ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں ایسی اور ایسی چیز ہے کیونکر باہر آئے گی۔ اچھا اگر میرے دعا سے بیٹا پیدا ہو اور سہولت سے ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھنا اور حارث شیطان کا ملائکہ میں نام تھا یعنی شیطان کا بندہ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس بات پر خدا فرماتا ہے کہ انہوں نے خدا کا شریک بنایا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آدم اپنی اولاد کے نام عبداللہ عبدالرحمٰن خدا کی عبدیت کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس میں ان کے کئی بیٹے مر مر گئے۔ شیطان نے آ کر کہا کہ اگر تم عبدالحارث رکھو تو جئے گا چنانچہ ویسا ہی کیا۔

متقدمین حسن اور عکرمہ اور ابن کیسان آیت کے وہی معنی بیان کرتے ہیں جو ہم نے بیان کئے کہ اس میں عام بنی آدم کی طرف اشارہ ہے جو شرک کرتے ہیں اور جنسِ زوج اور زوجہ کی طرف جعلا اور دعوا کی ضمیریں پھرتی ہیں جو قرینۂ مقام سے سمجھی جاتی ہیں۔ آدم و حوا کا تو اس میں کہیں ذکر تک بھی نہیں اور اسی طرح متاخرین میں امام فخر رازی وغیرہ محققین قاطبۃً اس قصہ کا ذکر کرتے ہیں بچند دلائل۔

(۱) یہ کہ بعد میں تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ جمع کا صیغہ آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مراد ہے۔

(۲) يُشْرِكُوْنَ مَالَا يَخْلُقُ کہا اگر شیطان نے ان کو بہکایا ہوتا و ما کی جگہ لفظ من آتا جو ذوالعقول کے لئے آتا ہے۔

(۳) آدم کو خدا نے ہر چیز کے نام تعلیم کر دیے تھے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کلھا اور نیز ایک بار شیطان سے زک بھی پا چکے تھے، پھر کیا ممکن تھا کہ اس کا نام نامعلوم ہوتا اور معلوم ہونے پر اس لعین کو خدا کا شریک کرتے اور یہ قصہ بھی کسی سندِ صحیح سے ثابت نہیں نہ آدم

---

[1] سمرہ سے حاکم نے اس قصہ کو روایت کیا ہے اور نیز ترمذی نے بھی مگر ان دونوں روایتوں میں کلام ہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں اور کلام بڑے بڑے نقاد حدیث نے کیا ہے۔ ۱۲ منہ

علیہ السلام کے کسی بیٹے کا نام عبدالحارث کہیں دیکھنے میں آیا ہاں عرب کے مشرکین عبدالشمس عبدالعزیٰ عبدمناف عبدقصی عبداللات اپنی اولاد کے نام رکھتے تھے جس طرح کہ آج کل جہال سالار بخش مدار بخش نام رکھتے ہیں سو ان میں لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۫ۖ وَ ہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾

جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (وہ بھی تو) تم جیسے بندے ہیں سو ان کو پکار دیکھو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمہاری فریادرسی کریں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں کہ جن سے چلتے ہیں۔ کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے پکڑتے ہیں۔ کیا ان کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھتے ہیں۔ کیا ان کے کان ہیں کہ جن سے وہ سنتے ہیں (ان سے) کہہ دیجئے اپنے سب معبودوں کو بلالو پھر سب مل کر مجھ پر داؤ کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا مددگار تو وہ اللہ ہے کہ جس نے کتاب نازل کی اور وہی نیک بختوں کی مدد کیا کرتا ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

ترکیب: عباد خبر ان امثالکم اس کی صفت فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا مجزوم ہے جواب امر فادعوا کی وجہ سے اور فَادۡعُوۡہُمۡ جملہ دال برجزا ہے ان کنتم صادقین سے اَ استفہام کے لئے ارجل رجل بالکسر کی جمع موصوف یمشون بھا اس کی صفت مجموعہ مبتدا الھم خبر مقدم اسی طرح اس کے مابعد کے جملہ ہیں اور یہ استفہامِ انکاری ہے کیدون اصل میں کیدونی تھا ی مفعول کو حذف کر کے کسرہ اس کے قائم مقام چھوڑ دیا گیا ہے تا کہ حذف ی پر دلالت کرے۔

تفسیر: یہاں سے ان کے معبودوں کی اور ایک حالت بیان فرماتا ہے کہ جس سے وہ قابلِ پرستش نہیں ہو سکتے۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو مانا کہ ان پتھروں کے بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو کہ جن کی یہ فرضی مورتیاں ہیں سو وہ بھی تمہاری طرح خدا کے بندے ہیں۔ حدوث و احتیاج میں تمہارے ہم پلہ ہیں۔ پھر ان میں کونسی بات الوہیت کی ہے۔ اچھا ان کو پکارو۔ دیکھیں وہ تمہیں جواب بھی دیتے ہیں کہ نہیں۔ اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو ورنہ محض غلط اوہام کی پرستش کرتے ہو اور اگر ان مورتوں اور تراشے ہوئے پتھروں کو پوجتے ہو تو یہ تو بالبداہتہ تم سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں' آنکھ کان بھی ہیں یہ تو ان سے بھی بے بہرہ ہیں۔ الھم ارجل یمشون بھا پھر جب ان کے نہ پاؤں ہیں کہ جن سے چل سکیں اور چل کر تمہاری مدد کو پہنچیں نہ ہاتھ ہیں کہ جن سے تمہارے دشمن کو روک سکیں۔ نہ تم کو کچھ دے سکیں نہ آنکھیں ہیں کہ تمہارا حالِ زار دیکھ کر تم پر رحم کریں' نہ کان ہیں کہ تم جو ان کے نام کی دہائی دیتے ہوئے پکارتے ہو الغیاث مچاتے ہو۔ اے فلاں! میری مدد کیجیو۔ بوقتِ مصائب کہتے ہو اٹھتے بیٹھتے یا اللہ کی جگہ فلاں پکارتے ہو۔ ان باتوں کو سن سکیں۔
مشرکین کے خیالات میں یہ بات بھی جمی ہوئی تھی کہ اگر ہم ان کو نہ پوجیں اور ان کی معمولی نذر و نیاز ادا نہ کریں تو یہ ہم کو مضرت

پہنچاویں گے جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو زین خاں کالی بھوانی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس خیال کے رد کرنے کو اپنے پیغمبر ﷺ کو فرماتا ہے کہ تم ان سے کہہ دو کہ سب سے زیادہ تو ان کا میں منکر اور مخالف ہوں۔ بھلا دیکھیں تو سہی کہ یہ میرا کچھ بھی نقصان کر سکتے ہیں۔ تم ان سب کو پکارو اور میرے نقصان کی ترغیب دو۔ قل ادعوا شر کاء کم الخ۔ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو دیکھو میرا کارساز مددگار وہ اللہ ہے کہ جس نے کتاب نازل کی جس میں تمام عالم کی حیاتِ جاودانی ونفعِ دو جہانی ہے اور وہ کچھ میرا ہی کارساز و مددگار نہیں بلکہ سب نیک لوگوں کا مددگار ہے۔ ان پر بھی تمہارے معبودوں کا کچھ اثر نہیں چل سکتا۔ اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ الخ بلکہ وہ لوگ کہ جن کو تم پوجتے ہو نہ تمہیں کچھ مدد دے سکتے ہیں نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں۔ بقولِ نصاریٰ مسیح کو یہود نے سولی دی۔ کچھ نہ کر سکے۔ اسی طرح اور بزرگ جن کو تم پوجتے ہو موت اور مرض سے نجات نہ پا سکے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

اور اگر تم ان (مشرکین) کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو سنیں گے ہی نہیں اور آپ ان کو اپنی طرف تکتے ہوئے دیکھتے ہو حالانکہ ان کو کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ سو (اے نبی!) آپ ان سے درگزر کرو اور اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو اور جو کبھی شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں گدگدی پیدا ہو جائے (کہ بدلہ لینا چاہیے) تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ وہ سنتا (اور) جانتا ہے۔ پرہیزگاروں کو جب کبھی کوئی شیطانی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اسی وقت (راہِ راست) دیکھنے لگتے ہیں۔

ترکیب: وان شرطیہ تدعو شرط لا یسمعوا جواب یَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ مفعول ثانی وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ جملہ حال ہے فاعل ینظرون سے

۱ حقیقت میں ہادیِ برحق کو مخالفوں نے چشم زن سے نہیں دیکھا یا تراھم وھم لا یبصرون میں اب تعارض نہیں آ ہار ہا یہ معنی کر لے نبی کفار تجھے تو دیکھتے ہیں حیرت و تعجب سے کہ یہ شخص ہم کو ایک نئے رستہ کی طرف بلاتا ہے مگر لا یبصرون اندھے ہیں اس رستہ کی خوبی اور اس کے برکات وانوار نہیں دیکھتے اول معنی کی مناسب ایک نقل ہے کہ سلطان محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا ابوالحسن نے اثناءِ تذکرہ میں فرمایا کہ جس نے شیخ بایزید بسطامی کو دیکھا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے محمود نے عرض کیا کیا شیخ قدس سرہ۔ رسولِ کریم ﷺ سے بھی بڑھ گئے آپ کو کفار نے دیکھا مگر ان پر آتشِ جہنم حرام نہیں ہوئی ابوالحسن نے فرمایا کہ کفار نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہی نہیں اگر دیکھتے تو کفر پر نہیں رہتے اور یہ آیت پڑھ دی محمود سن کر حیران رہ گیا۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کفار نے اپنی تیرہ باطنی سے نہیں دیکھا اس کو ابوبکرؓ وغیرہ نے دیکھا۔ ۱۲ منہ

۲ ابن کثیر وابوعمرو وکسائی طیف اور باقی طائف بالالف پڑھتے ہیں۔ واحدی کہتے ہیں طیف کو بعض مصدر کہتے ہیں ابو یزید کہتے ہیں اس کی گردان ہے طاف یطوف طوفا وطوافا اور بعض اس کو مشدد بھی پڑھتے ہیں جیسا کہ ہیں اور ہیّن میت اور میّت اس کے معنی ہرنے پھرنے کے ہیں اور اسی لیے خواب مشوش کو طیف کہتے ہیں اور خیال کو بھی ازہری کہتے ہیں کلام عرب میں طیف جنوں کو کہتے ہیں اور غضب کو بھی کس لیے کہ غصہ میں انسان جنوں کے مشابہ ہو جاتا ہے اور وسوسہ کو بھی۔ اور طائف بمعنی طیف ہے جیسا کہ عافیۃ اور عاقبۃ اس قسم سے کہ جن کے مصدر بروزن فاعل وفاعلۃ آئے ہیں قال الفراء فی ہذہ الآیۃ الطائف والطیف سواء وھو ما کان کالخیال الذی یلم بالانسان ۱۲ منہ

واما شرط فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ جواب انہ الخ جملہ محل علت میں ہے فاستعذ سے الذین موصول اتقوا صلہ مجموعہ اسم ان اذا مَسَّھُمْ شرط تذکروا جواب مجموعہ خبر ان النزغ الوسوسۃ وکذا النغز والنخس والنسغ۔

تفسیر: بت پرستی کرنے سے مشرکین کا حسنِ باطنؒ جاتا رہا ہے اور اسی لئے سچی بات ان کے دل تک نہیں پہنچتی۔ یہاں اس کی تصویر کھینچی جاتی ہے کہ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری بات ہی نہیں سنتے یعنی سماعتِ باطنی جاتی رہی باوجودیکہ اے نبی! تجھ کو وہ ظاہر دیکھتے ہیں حالانکہ نہیں دیکھتے بصارتِ باطنی جاتی رہی (کاش جمالِ مصطفیٰ ﷺ کو ذرہ بھی دیکھ لیتے تو اس شمعِ عالم افروز کے نور سے بت پرستی کی تاریکی میں نہ پڑتے) اللہ درمن قال ؎

چشم باز و گوش باز واین ذکا خیرہ ام بر چشم بندیِ خدا

اس لئے جس نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بار دیکھ لیا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہوگئی مگر افسوس عرب کے منکرین کی کوری پر چراغ کے نیچے اندھیرا اس کو کہتے ہیں جب ان کی یہ حالتِ زار ہے تو اے نبی خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ معافی اور سہل گزاری اختیار کیجئے۔ ملامت تشدد نہ کیجئے لیکن چونکہ آپ ہادی اور آپ کا کام ہدایت ہے اچھی باتوں کا حکم دیئے جائیں۔ نصیحت کرتے رہئے اور جو اس پر جاہل آپ سے ناخوش ہوکر ایذا کے درپے ہوں اور زبان طعن و تشنیع کھولیں تو ان سے اعراض کیجئے۔ مقابلہ اور پرخاش نہ کیجئے (عرف اور عارفہ اور معروف اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کا کرنا نہ کرنے سے معروف ہو) جب یہ آیت نازل ہوئی تو جبرئیل سے آپ نے پوچھا جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے مل اور جو تجھ پر ظلم کرے تو معاف کر اور جو تجھے نہ دے تو اس کو دے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم مکارمِ اخلاق کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی جملہ ہو نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے پیروؤں نے جو کچھ بدی کے بدلہ میں لوگوں سے ان کے ظلم و ایذا پر برداشت کر کے نیک سلوک کئے ہیں بیان سے باہر ہیں۔

اور جو کبھی بشریت سے دل میں ان کے برا کہنے اور ایذا دینے سے کچھ خیال آجاوے تو فاستعذ باللہ اللہ سے پناہ مانگ کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ تیرے دل سے اس خیال کو دور کرے گا اور چونکہ عام مسلمانوں کی حالت نبی کے مانند نہیں ان کو شیطانی وسوسہ کا مس کر جانا کچھ مشکل نہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تو ان کو اللہ کو یاد کرنا لازم ہے جبکہ انسان کو کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کو مغلوب اپنے آپ کو غالب سمجھ کر آتا ہے تب اس پر عالمِ اجسام کے ظلمات طاری ہو جاتے ہیں مگر جب وہ اپنے آپ کو عاجز خدا کو قادر سمجھتا ہے تو اندھیرے سے نکل جاتا ہے۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور ان کے بھائی[1] تو ان کو گمراہی میں گھسیٹے لئے جا رہے ہیں پھر کمی نہیں کرتے اور جب ان کے پاس آپ کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کیوں کوئی آیت گھڑ نہیں لاتے تو کہہ دیجئے میں تو اسی پر چلتا ہوں کہ جو مجھ کو میرے رب کی طرف سے وحی کیا گیا۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بینائی ہے اور اس قوم کے لئے جو

[1] شیاطین

ایمان لاتی ہے ہدایت اور رحمت ہے۔

ترکیب: اخوانھم مبتداء یمدونھم جملہ خبر واذا لم الخ شرط قالوا الخ جواب لولا اجتبیتھا انشاء تھا من قبل نفسک ذلک مقولھم ماموصولہ یوحی الی جملہ صلہ مجموعہ مفعول ہے اتبع کا۔ من ربی یوحی سے متعلق ھذا مبتداء بصائر موصوف من ربکم صفت مجموعہ خبر وھدی ورحمۃ خبر پر معطوف لقوم رحمۃ سے متعلق البصائر جمع بصیرۃ وہی مجج والبراہین۔

تفسیر: غضب کی حالت میں پرہیزگاروں کی یہ حالت بیان کی تھی کہ جب وہ خدا تعالیٰ کو یا اس کے صفاتِ قاہرہ کو یاد کرتے ہیں تو اس تاریکی جسمانیت سے باہر آ کر دفعۃً بینا ہو جاتے ہیں یعنی یکایک آنکھیں سی کھل جاتی ہیں۔ خلاف شیاطین کے بھائیوں کے یعنی غیر خدا پرست لوگوں کے کہ غصہ اور غضب کی کیا خصوصیت ہے۔ وہ جس بری بات میں پڑتے ہیں تو ان کے بھائی شیاطین خواہ جن ہوں خواہ انس ان کو سرکشی میں اور بھی بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر کمی نہیں کرتے۔

یہ بات نہیں کہ اگر بشریت سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا تدارک کریں۔ استغفار کریں' نادم ہوں۔ خدا تعالیٰ کو یاد کریں بلکہ اس میں اصرار اور غلو کرتے کرتے حد کو پہنچا دیتے ہیں اور ان کے مددگار وسوسہ دلانے والے بھائی انسان یا جن ان کو ابھارتے اس حد تک پہنچا دیتے ہیں کہ رسول کے مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض کج بحثی کی نظر سے طرح طرح کے معجزات طلب کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی خواہش کے موافق رسول وہ معجزہ نہیں دکھاتا تو کہتے ہیں لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا کہ تو از خود کیوں نہیں بنا لایا یا تو نے خدا سے اس کی درخواست کیوں نہ کی کیونکہ تو کہتا ہے کہ وہ میری دعا قبول کیا کرتا ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا کہ اے نبی تو ان سے کہہ دے میں تو صرف وحیِ الٰہی کا اتباع کرتا ہوں' اپنی طرف سے کوئی درخواست نہیں کر سکتا۔ ہر امر میں جہاں ضرورت پڑتی ہے وحی کا منتظر رہتا ہوں نہ مجھے کچھ اس کی ضرورت ہے کہ تمہاری خواہشوں کی پیروی کروں۔ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ ہے کہ جس کے برابر کوئی معجزہ نہیں۔ جب تم اس کو نہیں مانتے تو پھر اور کس معجزہ کے قائل ہو گے؟

اور یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصائر یعنی بینائی ہے اور ہدایت اور رحمت۔ قرآن مجید کی مدح میں تین لفظ وارد ہوئے ہیں۔ بصائر کیونکہ قرآن کی وجہ سے توحید اور نبوت اور معاد کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور انبیاءِ گذشتہ اور ان کے مطیع اور نافرمانوں کا حال بھی آئینہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بصائر کہا۔ تسمیۃ السبب باسم المسبب۔ دوم ہدایت معارفِ توحید و نبوت و معاد میں لوگوں کی دو قسم ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ان چیزوں کا گویا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کو اصحابِ عین الیقین کہتے ہیں۔ دوم وہ جو ایسے نہیں بلکہ متدل ہیں جن کو اصحابِ علم الیقین کہتے ہیں۔ سو اول قسم کے لئے قرآن بصائر ہے اور دوم کے لئے ہدایت اور عامۃ المومنین کے لئے رحمت اور چونکہ تینوں فریق مومنین میں سے تھے اس لئے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ فرمایا۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

اور جبکہ قرآن پڑھا جاوے تو اس کو سنا کرو (خاموشی کے ساتھ) اور چپ رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے اور صبح و شام اپنے رب کو دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر نہ کہ چلا کر یاد کیا کرو اور غافل نہ ہو جایا کرو۔ وہ لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں۔ اس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے اور اسی کی پاکی بیان کرتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

ترکیب: اذا قرئ شرط فاستمعوا جواب وانصتوا اس پر معطوف تضرعاً وخیفة حال ہیں فاعل اذکر سے مصدر ہیں و دون الجھر معطوف ہے تضرعاً پر والتقدیر مقتصدین بالغدو متعلق ہے اذکر سے والآصال اس پر معطوف۔ وہی جمع الجمع لان الواحد اصیل وفعیل لا یجمع علی افعال بل علی فُعُل ثم فُعُل علی افعال فالواحد اصیل وجمعہ اُصل وجمعہ آصال لایستکبرون خبر ان۔

تفسیر: جبکہ قرآن کو بصائر اور ہدایت اور رحمت فرمایا تو اس کے بعد یہی حکم دیتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اس کو چپ ہو کر سنو تاکہ تم اس کو سمجھو اور اس کا بصائر اور رحمت و ہدایت ہونا تمہارے لئے متحقق ہو اور اسی لئے بعد اس کے لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ بھی فرما دیا کیونکہ بغیر اس کے قرآن کے برکات سے حصہ نہیں ملتا۔ آیت کے ظاہر الفاظ سے حکم عام سمجھا جاتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے اس کو چپ ہو کر سننا واجب ہے مگر علماء نے شانِ نزول کے لحاظ سے اس کو خاص کیا ہے اور ان کے چند قول ہیں۔ اول حسن اور اہلِ ظاہر کا قول ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو چپ ہو کر سننا چاہیے خواہ کوئی رستہ چلتا سنے خواہ مکتب میں خواہ امام پڑھے۔ یہ آیت کو عام رکھتے ہیں تخصیص نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت کے لئے آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں سکوت اور قرآن سننے کا حکم ہوا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں عین نماز میں لوگ کلام کر لیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سوم یہ کہ جب امام قرآن آواز سے پڑھے تو مقتدیوں کے لئے سکوت کر کے سننے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جہری پڑھا رہے تھے، فارغ ہو کر پوچھا کہ کیا کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی تو ایک آدمی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں بھی کہتا تھا قرآن مجھ سے چھنا جاتا ہے۔ صلوٰۃِ جہریہ میں پڑھنے سے رک گئے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور یہی مضمون ابن مسعود عمران بن حصین و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اس طرح مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ انما جعل الامام الخ جس کے اخیر میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی منقول اذا قرئ فانصتوا کہ جب امام پڑھے تو مقتدی کو چپ کرنا چاہیے اور اسی طرح ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔ اس حدیث کو بھی ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور اسی حدیث کو امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور احمد اور مالک نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی اور اسی مضمون کی اور بہت سی احادیث امام محمد و ابوبکر بن شیبہ وغیرہ لوگوں نے روایت کی ہیں، لہٰذا اس آیت اور ان احادیث پر لحاظ کر کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سننے اور سکوت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور صحابہ میں عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے تھے۔ امام شافعی اور بعض محدثین آیت اور احادیث مذکورہ کو مخصوص کر کے امام کے پیچھے صرف الحمد پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں نہ اس طرح سے کہ امام بھی پڑھے اور وہ بھی پڑھے بلکہ جب امام سکتہ کرے تو پڑھے۔ ترمذی کہتے ہیں واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرء الرجل اذا جھر الامام بالقرأة وقالوا یتبع سکتات الامام اور دلیل ان کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ من صلی صلوة لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز ناقص ہوگی مگر محدثین خصوصاً امام احمد نے جو امامِ حدیث ہیں اس حدیث کو حالتِ انفراد پر محمول کیا ہے یعنی الحمد کا پڑھنا جو ضروری ہے تو اس حالت میں ہے کہ جب اکیلا ہو۔ امام کے پیچھے نہیں۔ چنانچہ ترمذی کہتے ہیں امام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب

اذا کان وحدة واحتج لحدیث جابر بن عبدالله حیث قال من صلی رکعته لم یقرء فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الا مام پس جب امام محدثین کے نزدیک اس حدیث کے کہ جس سے الحمد پڑھنا ضروری ثابت کیا جاتا ہے یہ معنی ہوئے تو پھراس سے آیت خاص کرنا جو بقول بیہقی بالا جماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے محض تکلف ہے اوراس آیت مکیہ کوسکوت بوقت خطبہ پرمحمول کرنا جومدینہ میں آ کرمشروع ہوااور بھی تکلف ہے۔نظر بریں آیت جماعت میں مقتدی کوسکوت کرنااور دل سے قرآن سننا چاہیے۔

واذکر ربك الخ جبکہ قرآن مجید کے سننے کا حکم دیا جوایک جماعت تھی تواس کے بعد بندہ کوازخود بھی ذکرِالٰہی کرنے کا حکم دینا کلامِ سابق کا تتمہ بیان کر دینا ہےاور نیز قصص واحکام وعظ و پند بیان کر کے سورۃ کوذکرِالٰہی کے حکم پرتمام کرنا گویا تمام شریعت کاعطر کھینچ دینا ہےاور دنیا کے سب کاروبار کا آخر کار بتلا دینا ہے ذکرخواہ بالقلب ہوخواہ باللسان خواہ قرآن مجید کے پڑھنے سے ہوخواہ اس کا کوئی نامِ پاک وردکرنے سے۔علیٰ حسب مراتب سب ذکرِالٰہی ہے۔آیت میں اس ذکر کے لئے چند قیدیں لگائی ہیں (۱) فی نفسك اس سے مراد یہ کہ جن الفاظ کوزبان سے ادا کرتا ہوان کے معانی سے واقف ہو دل بھی اس کی طرف متوجہ ہوورنہ

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر   ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(۲) تضرع کے ساتھ ہو یعنی عجز و نیاز ہو بلحاظ جلالِ خوف اور بلحاظِ جمالِ امید بھی ہو (۳) خیفۃ زجاج کہتے ہیں اصل خوفۃ تھا واؤ کو یٰ سے بدل لیالانکسار ماقبلھا اس خوف کے مراتب ہیں کبھی اپنی تقصیرِعبادت کا کہیں اس کی بے نیازی کا ؎

یار بے پروا و فریادِ دلِ من بے اثر   گہ زدل فریاد میدارم گہ از فریاد رس

(۴) ودون الجهر من القول مراد یہ کہ مخافت اور جہر کے درمیانی طور سے ذکر ہو جیسا کہ آیا ہے ولاتجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلًا حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار صحابہ چیخ چیخ کر تکبیر وتہلیل پہاڑوں پر چڑھتے اترتے کسی سفرِ جہاد میں کرتے تھے' فرمایا کہ تمہارا رب بہرہ اور غائب نہیں ع نعرہ کمترزن کہ نزدیک ست یار۔یعنی اس قدر بلند آواز ہو کہ جس کو آپ سن سکے کیونکہ اس ذکر سے خیال متاثر ہوتا ہےاور خیال کے متاثر ہونے سے ذکرِقلبی وروحانی میں قوت حاصل ہوتی ہےاوران ارکانِ ثلاثہ میں سے ہرواحد دوسرے سے قوی اور ہرایک کے انوار دوسرے میں منعکس ہوتے ہیں اوران کا انعکاسات سے بہت کچھ قوت اور جلااور انکشاف اور عالمِ اجسام کے ظلمات سے عالمِ انوار کی طرف ترقی حاصل ہوتی ہے۔ (۵) بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ غدو جمع غدوۃ آصال جمع اُصل اوراصل کا واحد اصیل ہے۔اول دن کوغداوہ اوراخیردن کواصیل کہتے ہیں یعنی صبح[1] اورشام ذکر کیا کر کیونکہ ان دونوں وقتوں میں انقلابِ لیل ونہار سے ایک عجیب تغیر پیدا ہوتا ہے جواس کی کمالِ قدرت کی دلیل ہے اوران اوقات میں ملاءِاعلیٰ کی توجہ بھی بندوں کے قلوب کی طرف ہوتی ہےاور یہی وجہ ہے کہ اس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (۶) وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ یعنی ہروقت دل میں اس کا دھیان رہے۔چلتے پھرتے کھاتے بیٹھتے تاکہ ملائکہ سے مشابہ ہوجاوے۔ان الذین یہاں سے یہ بات بیان کرتا ہے کہ جب ملائکہ کا باوجود اس تقدس کے یہ حال ہے کہ وہ اس کی عبادت سے تکبرنہیں کرتے اور تسبیح اور سجدہ کرتے رہتے ہیں۔پھرتم کوتو انسان ہوکر آلائشِ شہوات وظلماتِ جسمانیہ سے پاک ہونے کے لئے اور بھی ذکرِالٰہی میں مشغول ہونا چاہیے۔اس جملہ کوسن کرسجدہ کرنا واجب ہے۔

---

[1] ذکر سے عام مراد ہےاورنماز کی فرضیت سے پہلے صرف صبح وشام ذکرِالٰہی فرض تھا۔بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے مرادنماز ہے پھرنمازوں میں سے صبح وشام کی نماز کی تاکید کی خصوصیت سے یہاں اس لیے آئی کہ یہ دونوں وقت ملائکہ کے پہرہ بدلنے کے ہیں جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہےاور بالخصوص صبح کی نماز کے لیے آیا ہے ان قرآن الفجر کان مشهودا مگرتعمیم اولیٰ ہے ۱۲ منہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يَسۡـَٔـلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ‌ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝۲ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝۳ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۝۴

(اے رسول!) آپ سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں' کہہ دو کہ مال غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے۔ سو اللہ سے ڈرتے رہو اور باہمی[1] معاملات درست رکھو اور اپنی حالت کو درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ (تر و تازہ) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو نماز پڑھتے اور ہمارے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں یہی وہ سچے مسلمان ہیں (اور) انہیں کے لئے ان کے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش اور عزت کی روزی۔

ترکیب: عن الانفال یسئلون سے متعلق' الانفال مبتداء للّٰہ والرسول خبر المؤمنون مبتداء الذین موصول اذا ذکر شرط وجلت جواب جملہ صلہ و اذا تلیت شرط و جواب مل کر جملہ معطوف ہے پہلے صلہ میں داخل مجموعہ خبر وَ عَلٰى رَبِّهِمۡ جملہ یا حال ہے یا صلہ میں داخل بذریعہ عطف الذین یقیمون صلہ و موصول پہلے الذین سے بدل حقًّا مفعول مطلق ہے فعل محذوف سے عند ربھم درجات بمعنی اجر کا ظرف۔

تفسیر: یہ سورہ ایام جنگ بدر میں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ حسن اور عکرمہ و جابر بن زید و عطا وغیرہم ائمہ تفسیر سے منقول ہے ابو الشیخ و ابن مردویہ و نحاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور اس کو سورۂ بدر بھی کہتے ہیں۔ اس کی پچھتر یا چھہتر آیات ہیں۔

انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اور نافلہ اس کو کہتے ہیں جو اصل پر زائد چیز حاصل ہو۔ غنیمت کے مال کو اس لئے انفال کہتے ہیں کہ وہ برخلاف اور امتوں کے ایک نفع کی بات ثوابِ جہاد سے زائد (جو اصل ہے) خاص اس امت کو حلال ہے۔ ان کو حلال نہ تھا۔ جیسا کہ اب تک عہد عتیق کے مختلف مقامات سے ثابت ہے اور نمازِ نفل کو بھی اس لئے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد بات ہے اور وہ جنگ میں سردارِ سپاہِ اسلام کو انعام کے طور پر دیتا ہے اس کو بھی نفل کہتے ہیں۔ اس جگہ مراد مالِ غنیمت ہے جو کفار سے مقابلہ کے بعد لیا جاتا ہے جس کو لوٹ

[1] اور اپنی حالت کو درست کرو۔

[2] اس آیت کو اگلی آیت فان خمسہ الخ سے منسوخ قرار دینا ایک زائد بات ہے کس لیے کہ الانفال للّٰہ و رسول کے معنی یہ ہیں کہ انفال کا حکم اللہ و رسول کے اختیار میں ہے سو یہ بات اگلی بات کہ اس کی یوں تقسیم ہونی چاہیے کچھ منافی نہیں۔

[3] انفال میں اور دیگر معانی انعام وغیرہ کو اس جگہ مراد لینا ممکن ہے مگر مراد غنائم ہیں۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں۔اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ جنگ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین کا مال قبضہ اہل اسلام میں آیا تو اس کی تقسیم میں لوگوں کا اختلاف ہوا۔ جوانوں نے کہا ہمارا حق ہے ہمیں نے شکست دی' بڈھوں نے کہا ہم تمہاری پشت پر تھے۔ اس لئے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تب یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس میں غنیمت اللہ اور رسول کے لئے قرار پائی یعنی اللہ کا مال ہے جس طرح وہ رسول کو تعلیم کرے تقسیم کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب کو برابر تقسیم کر دیا جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔ فرمایا اللہ سے ڈرو' آپس میں سلوک رکھو' غنیمت پر جھگڑا نہ مچاؤ' ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔ پھر آگے حقیقی ایمانداروں کا وصف بیان فرماتا ہے کہ ان میں یہ پانچ باتیں ہوتی ہیں۔ اول جبکہ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو محبت اور خوف کے مارے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ دوم جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو اور بھی سن کر ایمان مستحکم ہو جاتا ہے۔ سوم وہ ہر کار بار میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ تینوں وصف تو قوتِ نظریہ سے متعلق تھے۔ قوتِ عملیہ کے متعلق (۴) نماز پڑھتے ہیں (۵) اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ﴿۶﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾

(یہ حکم بھی بظاہر ایسا ہی ناگوار ہے) جیسا کہ آپ کے رب نے ان کے گھر سے حکمت کے ساتھ باہر نکلنے کا آپ کو حکم دیا تھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت تو اس سے ناخوش ہی تھی۔ حق ظاہر ہو جانے پر بھی تو (اے پیغمبر!) ایسا جھگڑ رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ بھی رہے ہیں اور جبکہ اللہ تم کو دو چیزوں میں سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ یہ تم کو ملے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ اپنے حکم سے حق کو حق کرنا اور کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے اور مجرم پڑے برا مانا کریں۔

ترکیب: کما صفت ہے مصدر محذوف کی ای ھذہ الحالۃ فی کراھتھم لھا مثل اخراجک فی حال کراھتھم وقد کان خیرا پس یہ کما خبر ہوگی مبتداء محذوف کی جو ھذہ ہے وان فریقاً جملہ حال ہے ک اخرجك سے یجادلونك الخ جملہ حال ثانی ہے کانما جملہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔ اذ یعدکم کا عامل اذکر محذوف کم مفعول اول اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ مفعول ثانی یعد کا انھالکم بدل ہے مفعول ثانی سے بدل الاشتمال۔

تفسیر: کما اخرجك اس تشبیہ میں علماءِ مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ ازانجملہ سب سے راجح یہ ہے کہ تقسیم بھی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اے پیغمبر اس جنگ کے لئے آپ کا بحکمِ الٰہی گھر سے نکلنا ناگوار تھا لیکن جس طرح وہاں ان کی ناخوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا ایسا ہی یہاں بھی لحاظ نہیں کس لئے کہ حکمتِ الٰہی اور انجامِ کار کے عمدہ نتائج تک ان کی عقلیں نہیں پہنچتیں۔ بندے تو بالعقل کی آسانی کو اور

موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔ اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف اور مشقت اور دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا مگر اس جنگ نے مشرکینِ مکہ کی جو اسلام میں سدِ راہ تھے کمر ہی توڑ ڈالی۔ اسی طرح غنیمت میں شرعی تقسیم کا قائم کرنا' آیندہ لشکرکشی اور فتوحات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ ان آیات میں جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخوں میں آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ابوسفیان شام سے ایک کاروانِ تجارت کے ساتھ آرہا ہے۔ جس میں صرف چالیس آدمی ہیں اور بہت کچھ اسباب ہے۔ اس کے تعاقب میں آنحضرت ﷺ تخمیناً تین سو انصار و مہاجرین لے کر نکلے۔ اس کو بھی خبر لگ گئی۔ تو وہ سمندر کے کنارے کنارے دوسرے رستہ ہولیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف دوڑایا کہ جلد میری مدد کو پہنچو ورنہ مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔ جب آنحضرت ﷺ ذفران کی وادی میں پہنچے تو قریشِ مکہ کے آنے کی خبر ملی جو ابوسفیان کی مدد کو آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جبرئیل کی معرفت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں میں سے ایک کا وعدہ کرلیا ہے خواہ قافلہ کو گرفتار کرلو خواہ کفارِ مکہ پر فتح حاصل کرلو تمہاری کیا مرضی ہے؟ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا جو بہتر ہو کیجئے۔ اسی طرح انصار کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا کفار سے مقابلہ کرو۔ ان سے پہلے چل کر میدانِ بدر میں پانی پر ڈیرہ ڈال دو مگر بعض لوگوں نے عذر کیا کہ ہم لڑائی کا سامان لے کر نہیں آئے۔ ہم تخمیناً تین سو وہ تقریباً ایک ہزار آخر اکثر مسلمان آمادۂ جنگ ہوئے اور بدر میں لڑائی ہوئی جس میں کفار کو نمایاں شکست ہوئی۔ یہ تھا آنحضرت ﷺ سے حق بات پر جھگڑنا جو جبرئیل کی معرفت ظاہر بھی ہو چکی تھی اور یہ تھا ان کا موت کی طرف کھینچ کر لے جانا کیونکہ کثرت و شوکتِ قریش ادھر اپنی قلت و ضعف موت کا ظاہری سبب تھا جو آنکھوں کے روبرو تھا۔ اس لئے ان باتوں میں سے قافلہ کا لوٹنا جس میں کھٹکا نہ تھا' پسند تھا اور اللہ کو تو کافروں کی جڑ کاٹنی اور اسلام کا بالا کرنا منظور تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بہت سے کفار مارے گئے بہت سے گرفتار ہو کر آئے۔ ان آیات میں ان باتوں کا ذکر اور مسلمانوں کا گلہ ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ؕ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝١٢ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ

وَرَسُولَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

اور (یاد کرو) تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے۔ سو وہ تمہاری فریاد کو پہنچا (وعدہ کیا) کہ میں لگا تار تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا اور یہ تو اللہ نے صرف تمہارے لئے مژدہ اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لئے کیا تھا اور فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ وہ زبردست اور حکمت والا ہے اور یاد کرو جبکہ اللہ اپنی طرف کی تسکین دینے کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو اس سے پاک کرے اور شیطانی ناپاکی تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے تمہارے قدم جمائے جبکہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی کافروں کے دل میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مارو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ (اس کو) سخت عذاب دیا کرتا ہے (کافروں سے کہو) لو یہ چکھو (اور یاد رہے) کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب سخت ہے۔

ترکیب: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ ممکن ہے کہ اذ اول سے بدل ہو انی اے بانی جملہ تفسیر ہے اِسْتَجَابَ کی یا بیان مردفین بضم المیم وکسر الدال واسکان الرامن اردف مفعولہ محذوف ہے مردفین امثالھم۔ یہ حال ہے الملائکۃ سے وَلِتَطْمَئِنَّ معطوف ہے بشریٰ پر ای ماجعلہ الا لتطمئن وما النصر الخ جملہ حال ہے فاعل جعل سے النعاس مفعول ثانی ہے یغشیکم کا منہ صفت ہے امنۃ کی جو حال ہے النعاس سے یا مفعول لہ وینزل معطوف ہے یغشی پر ویذھب معطوف ہے یُطَهِّرَ پر وقس علیہ البواقی اذ یوحی بدل ہے اِذْ يُغَشِّيْكُمْ سے اور عامل ان کا استجاب ہے وقیل اذکر انی سے لے کر کل بنان تک یوحی کا بیان ہے النعاس النوم الخفیف۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں سے کہ جن کا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا یہ ایک بات یعنی احقاق حق و ابطال باطل مقصود تھی کما قال لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ اور یہ جنگ کرنے سے حاصل ہوتی تھی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں جو جو کفر کو مٹانے اور اسلام کو بالا کرنے کے لئے اس نے اپنی قدرت کے کرشمے دکھائے اور مسلمانوں پر فضل و کرم کیا ان کا ان آیات میں ذکر فرماتا ہے۔ ہر ایک بات کو اذ اذ سے ذکر فرماتا ہے۔ وہ موقع یاد دلا کر فقال: (۱) اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ غوث مدد استغاثہ مدد طلب کرنا۔ آخر آنحضرت ﷺ میدانِ بدر میں جا پہنچے۔ گرمی کے دن تھے اور بدر میں جو پانی تھا اس کو اول آ کر مشرکین مکہ نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا[1]۔ ادھر تو غنیم کی کثرت کہ وہاں مع ساز و سامان مکہ کے تخمیناً ہزار بہادر جنگجو تھے ادھر تخمیناً تین سو آدمی بھوکے پیاسے بے سروسامان ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں ہوئے اور اسی سے فریادرسی کے امیدوار ہوئے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک خیمہ میں گئے اور آنحضرت ﷺ نے رو بقبلہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر نہایت عجز و انکسار سے دعا کرنی شروع کی کہ الٰہی تو اپنے وعدہ کو پورا کر۔ اگر اہلِ حق کی یہ جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا کوئی نام لینے والا نہ رہے گا۔ دعا کرتے کرتے رداءِ مبارک مونڈھوں سے گر پڑتی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور ہاتھ تھام کر عرض کی کہ یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ کی دعا خدا نے قبول کر لی۔ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ تب یہ آیت اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ لے کر جبرئیل نازل ہوئے یعنی فریاد قبول کر لی۔ آپ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے مسلح ہو کر آئے ہیں۔ مُرْدِفِيْنَ کے معنی یکے بعد دیگرے چنانچہ اول ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا۔ پھر تین ہزار ہو گئے۔ پھر پانچ ہزار جیسا کہ آلِ عمران میں

[1] بعض مؤرخین کہتے ہیں پانی پر تو اول ہی سے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا مگر کسی قدر بارش وقت پر ہو جانے سے مشرکین نے بھی اسی لئے پانی کا زیادہ خیال نہیں کیا تھا۔ ۱۲ منہ

ہے۔اس بات پر تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلح ہو کر مسلمانوں کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کو بھی دکھائی دیے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ کی کہ نہیں کی؟ کتبِ احادیث سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ایک مشرک پر حملہ کے لیے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی۔ اقدم حیزوم بعض کہتے ہیں جنگ نہیں کی صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لئے نازل ہوئے تھے جیسا کہ اس جملہ میں وما جعله الله الا بشرٰی الخ سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف تمہارے اطمینان کے لئے تھا اور نہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر یہ بات تو جب بھی پائی جاتی ہے کہ جب فرشتوں کا جنگ کرنا تسلیم کر لیا جاوے۔

(۲) اِذْ يُغَشِّيْكُمُ الخ یہ بھی اسی روز کا دوسرا واقعہ ہے جب خدا نے مسلمانوں کو مضبوط کرنا چاہا تو خلافِ عادت ان پر نیند مسلط کر دی۔ اس نعاس یعنی نیند میں علماء کے دو قول ہیں۔ اول یہ کہ جنگ سے اول اس رات کہ صبح کو جنگ ہوگی حق سبحانہ نے مسلمانوں کو راحت سے سلایا جس سے ماندگی سفر کی دور ہوگئی اور دل بھی صبح کو قوی تھے۔ ایسے قلق واضطراب میں کہ موت سامنے دکھلائی دے رہی ہو نیند آنا انعامِ الٰہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بہ وقتِ جنگ ایک ایسی حالت طاری ہوگئی جس سے اطمینان اور دل سنبھل گئے۔ یہ صاف معجزہ ہے عین صفِ جنگ میں سب کا اونگھنا خلافِ عادت ہے۔ روایات سے اخیر قول کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جو نیند کے مارے جھک جھک نہ پڑتا ہو۔ اس لئے اس کو امنة منه کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔ امنہ امن و اطمینان دلانے والی اس پر خدا نے یہ فضل کیا۔ (۳) کہ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً مینہ برسایا جس سے چند فائدے ہوئے۔ اول لِّيُطَهِّرَكُمْ کہ مسلمان نہا کر پاک ہو گئے اور پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور ریت میں بھی قدم جمنے کے قابل ہو گئے۔ دوم يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وسوسۂ شیطانی کہ بے پانی کے فتح مشکل ہے دور کر دیا (رجز) وسوسہ مشقت۔ سوم لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مسلمانوں کے دل قوی کر دیے۔ جسمانی آسائش سے بھی اور آسمانی مدد کے آثار سے بھی چہارم وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ قدم جما دیے۔ ظاہری طور پر بھی کیونکہ ریتے میں دھنسے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں جنگ میں دشواری ہوتی ہے اور یوں بھی ثابت قدمی ہوگئی۔ اس بارش میں بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس اونگھ کے بعد ایک بادل اٹھا اور پانی برسا جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ دوم یہ کہ اس اونگھ سے پہلے بارش ہوئی۔ بدر میں جو پانی کی جگہ تھی اس پر مشرکین نے اول سے قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمانوں کو پانی نہ ملنے سے بڑی تکلیف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آسمانی پانی برسا دیا۔ (۴) اِذْ يُوْحِيْ الخ یہ اس روز کا چوتھا واقعہ ہے کہ خدا نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مسلمانوں کو ثابت قدم کر دینا' بظاہر ان کے شریکِ حال ہو کیونکہ جب کوئی اپنے ساتھ ایک جماعت مددگار دیکھتا ہے تو دل قوی ہو جاتا ہے یا اس طور سے کہ جس طرح شیاطین کو دل میں وسواس ڈالنے کا قابو دیا گیا ہے اسی طرح ملائکہ کو نیک خیال پیدا کرنے کا جس کو لَمّہ والہام کہتے ہیں سو ملائکہ نے مسلمانوں کے دل میں بہادری القاء کی اور دلوں ہی کی قوت وضعف پر فتح وشکست ہے۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ یہ کلام بھی ملائکہ سے متعلق ہے کہ ان سے یہ بھی کہا تھا سو ملائکہ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا اور اسی طرح فاضربوا الخ کا بھی ملائکہ کو حکم ہوا تھا کیونکہ ملائکہ کو طریقِ جنگ معلوم نہ تھا۔ سو ان کو بتلایا کہ ان مقامات پر مارو کہ ان سے آدمی جلد نکما ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومنوں سے خطاب ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عضو رئیس سے لے کر جو گردن و سر ہے جنس تک جہاں قابو پاؤ مارو اس جنگ میں عین مقابلہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریتے کی ایک مٹھی پھینکی۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں نہ جا پڑا ہو۔ اس موقع پر دلیرانِ اسلام نے مار مار کر ان کے ڈھیر کر دیے۔ ستر مارے گئے ستر مدینہ میں قید ہو کر آئے۔ باقی بھاگ گئے۔ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے سردارِ کفر مارے گئے۔ کفر کا آج زور ٹوٹ گیا۔ عرب میں مسلمانوں کی دھاک مچ گئی۔ پھر ان کی اس رسوائی کا سبب بھی بیان کرتا ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کہ انہوں نے رسول کی نافرمانی کی تھی جس کا یہ مزا چکھا اور آیندہ جو نافرمانی کرے گا سزا پائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

ع ۱۶/۲

مسلمانو! جب کہ تم کفار سے (صف بصف) مقابل ہو جاؤ تو ان کو پیٹھ نہ دینا اور جو کوئی اس روز ان کو پیٹھ دے گا بجز اس کے کہ کوئی حیلہ جنگ کرتا ہو یا لشکر میں پناہ لینے کو آتا ہو تو وہ خدا کا غضب لے کر پھرے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے۔ پھر تم نے ان کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور (اے محمد! ﷺ) آپ نے مٹی نہیں پھینکی[1] جبکہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی اور (یہ) اس لئے کہ اللہ مسلمانوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کیا چاہتا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بات یہ ہے اور اللہ کو تو کافروں کا فریب بگاڑنا تھا (اے کافرو!) اگر تم فتح کے خواستگار تھے تو لو تمہارے پاس فتح بھی آ چکی اور اگر تم باز آؤ تو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہو اور اگر تم پھر کرو گے تو ہم بھی پھر مدد کریں گے اور تم کو تمہاری فوج کچھ بھی فائدہ نہ دے گی۔ اگرچہ وہ بہت ہی کیوں نہ ہو اور بے شک اللہ تو ایمانداروں کے ساتھ ہے۔

ترکیب: اِذَا لَقِيْتُمْ شرط فَلَا تُوَلُّوْا جواب جملہ ندا ہے۔ زَحْفًا مصدر موضع حال میں قبل ہو مصدر طحال الحذ وفۃ ای یزحفون زحفا الادبار جمع دبر مفعول ثانی ہے تولوا کا۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ شرط یومئذ ظرف دبرہ مفعول ثانی فقد باء جواب الا متحرفا استثناء فی ہذہ الاحوال ای لایجوز التولی فی ای حال الا فی التحرف ای التعطف لقتال بان تریھم الفرۃ کیدا ویزید الوقوع علیھم کرۃ او متحیزا ای منضما الی فئۃ ای جماعت المسلمین ذلکم ای الامر ذلکم۔

تفسیر: چونکہ اس جنگِ بدر میں کامیابی بظاہر اسباب استقلال اور ثابت قدمی سے واقع ہوئی اس لئے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ہر ایک جنگ میں صبر و استقلال کا حکم دیتا ہے۔ بقولہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا الخ زحف کے معنی آہستہ آہستہ قریب ہونا اصل میں زحف چوتڑوں کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد لشکر ہے۔ دوسرے لشکر کا مقابلہ ہونا ہے۔ اس آیت میں بجز دو صورتوں کے مقابلہ کفار سے بھاگنا حرام قرار

[1] معجزہ رمی تراب

دیا گیا ایک یہ کہ حیلہ اور داؤ مقصود ہو بظاہر تو بھاگنا معلوم ہو مگر الٹ کر مارنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ بھاگ کر اسلام کے لشکر میں آملنا مقصود ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ حکم عام ہے مگر اگلی آیت تخفیف سے یہ بھاگنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ میں مقابلہ کفار میں بھاگنا ان سات گناہ کبیرہ میں شمار ہوا ہے جو باعث ہلاکت ہیں مگر ابی سعید و ابونصرہ و عکرمہ و نافع و حسن و قتادہ و ضحاک کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص جنگِ بدر کے لئے تھا کیونکہ یہ اول جنگ تھی اور نیز یومئذ کی قید سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے اور یومئذ سے مراد یوم الزحف ہے نہ یوم بدر اور نیز جنگِ بدر کے بعد یہ آیت اتری ہے اور اس کے لفظ عام ہیں۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ الخ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا کوئی کہتا تھا کہ میں نے بہادری کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اس کے فضل سے ہوا بلکہ نبی ﷺ نے بھی جو وقتِ مقابلہ ایک ریتے اور کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے جس سے مسلمانوں نے ان کا کام تمام کیا یہ بھی ہمارے یدِ قدرت کا کام ہے۔ اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے عُجب اور انانیت کا خاتمہ کر دیا۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا[1] عام مفسرین کے نزدیک کفار کی طرف خطاب ہے کہ تم جنگ سے پہلے کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہتے تھے کہ اے اللہ! جو دینِ حق ہو اس کو فتح یاب کر۔ چنانچہ ابوجہل نے بھی ایسا ہی کیا تھا' سو تم نے فتح دیکھ لی۔ بدر میں اسلام غالب رہا اور اگر تم باز آؤ اور توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر مقابلہ کرو گے تو ہم پھر اسلام کو فتح یاب کریں گے اور تمہاری کثرت و شوکت کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ ہم ایمانداروں کے ساتھ ہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ۝۲۱ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا
يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ
وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کیا کرو اور اس کو سن کر منہ مت پھیر لیا کرو اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ خدا کے نزدیک سب زمین پر چلنے والوں میں سے بدتر وہ حیوانات ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں جو کچھ سمجھ نہیں رکھتے اور اگر اللہ ان میں کچھ بہتری جانتا تو ان کو سنا ہی دیتا اور اگر ان کو سناتا بھی تو منہ موڑ کر الٹے پھر جاتے۔ مسلمانو! اللہ اور (اس کے) رسول کا کہنا مانا کرو جبکہ تم کو وہ ایسی بات کی طرف بلا وے جو تم کو حیاتِ جاودانی بخشے

[1] کفار نے مکہ سے نکلتے ہی دعا کی تھی کہ الٰہی دونوں فریق میں سے جو حق پر ہو...... اس کو فتح دے۔ اب ان سے بطور طنز فرماتا ہے لو فتح مل گئی۔ ۱۲ منہ

اور آگاہ رہو کہ اللہ تو انسان کے دل پر مطلع رہتا ہے اور یہ بھی کہ تم اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو کہ جو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ عام ہوگا) اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

ترکیب: وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ جملہ حال ہے وَلَا تَوَلَّوْا سے شر الدواب اسم ان الصم البکم موصوف الذین موصول لا یعقلون صلہ جملہ صفت مجموعہ خبر ان اذا ظرف ہے استجیبوا کا للرسول جار اس فعل سے متعلق۔ وانہ معطوف ہے ان اللہ پر مجموعہ معطوف اور معطوف علیہ مفعول واعلموا لاتصیبن جملہ مستانفہ اور جواب ہے قسم محذوف کا ای واللہ لاتصیبن الظالمین خاصۃً بل تعم اور نہی بھی ہو سکتی ہے اور کلام معنی پر محمول ہوگا ای لاتدخلوا فی الفتنۃ فانہا عقوبۃ عامۃ۔

تفسیر: فرمایا تھا ان اللہ مع المؤمنین کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ خدا کا تمہارے ساتھ ہونا کچھ تمہارے نام کے مسلمان کہلانے سے نہیں بلکہ ان شرائط سے ہے۔ (۱) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ (۲) وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کہ رسول کا حکم سن کر روگردانی نہ کرو۔ حقیقت میں جب تک مسلمانوں میں یہ دونوں باتیں رہیں خدا کا سایہ ان پر رہا، دنیا کی سرسبز سلطنتیں باوجود بے سروسامانی کے ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر اسی مضمون کی تاکید فرماتا ہے کہ تم ان منافقوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو زبان سے تو سمعنا کہتے ہیں اور دل سے نہیں سنتے۔ قضاء و قدر نے ان میں حق کے سننے اور ماننے کا مادہ ہی نہیں دیا۔ جیسا کہ چارپایوں میں نہیں جو زمین پر چلنے والوں میں مذموم سمجھے جاتے ہیں۔ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے ہیں۔ اس کے سواء عقل بھی نہیں جو باعثِ شرف ہے اور خدا نے جو ان میں یہ قابلیت نہیں رکھی تو اس لئے کہ وہ ازلی گمراہ ہیں۔ اگر سنتے بھی تو اعتراض کر جاتے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْہِمْ الخ کی بابت بعض مفسرین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ قصی بن کلاب وغیرہ سینکڑوں برس کے مردوں کو زندہ کر دیں۔ اگر وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں گے تو ہم بھی مان لیں گے کیونکہ وہ عرب کے بزرگ ہیں۔ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو خدا ان کو سنوا دیتا مگر ان میں قابلیت نہیں۔ اگر وہ زندہ بھی ہوں اور سن بھی لیں تب بھی نہیں مانیں گے۔ اس کے بعد اسی اطاعت کی تاکید فرماتا ہے۔ اس کا نفع بتلا کر اور عدولِ حکمی کا نقصان جتلا کر فقال لما یحییکم کہ اللہ اور رسول تم کو کسی عبث اور ضرر رساں بات کی طرف نہیں بلاتے بلکہ اس کی طرف جس میں تمہاری زندگانی ہے (یعنی قرآن کیونکہ یہ حیاتِ روحانی کا باعث ہے اور ممکن ہے کہ جہاد خصوصاً مراد ہو کیونکہ اس میں شہادت ملتی ہے جو حیاتِ ابدی کا باعث ہے) کما قال وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ اور نیز اس میں دشمن پر فتح یابی اور ثروت حاصل ہوتی ہے جو اصل زندگانی دنیا ہے۔ مغلوب اور مقہور قوم کی زندگی کیا بلکہ موت ہے

برے حال جیا تو میں خاک جیا مرے جینے کا کچھ بھی مزا ہی نہیں

یہ اطاعت کا فائدہ ہے۔ اب خلاف کرنے میں نقصان بتلاتا ہے واعلموا الخ کہ نافرمانی کر کے غرہ نہ کرو کہ توبہ کر لیں گے دل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ ہو جاتا ہے یعنی اس کام کے کرنے کی توفیق نہیں دیتا اور نیز ایک عام فتنہ پیدا کر دیتا ہے جو نیک و بد سب کو مبتلا کر لیتا[1] ہے۔

---

[1] یعنی خدا کی نافرمانی سے دنیا پر مصائب نازل ہوتے ہیں جن پر نیک و بد بھی آ جاتے ہیں جیسا کہ وبا اور قحط یا غیر قوموں کا محکوم ہونا یا آپس کی پھوٹ جس کا برا اثر نیکوں پر بھی پہنچتا ہے چونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگوں نے معصیت اختیار کی خلیفۂ برحق کو شہید کیا تو صحابہ میں عام فتنۂ جنگ وجدل قائم ہوا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مبتلا ہوئے۔ اس لحاظ سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت صحابہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو اس فتنہ کے مبتلاؤں کو برا سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ آیت میں تصریح ہے کہ یہ فتنہ ظالم اور غیر ظالم سب پر پہنچے گا۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا[1] وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور (اس وقت کو) یاد کرو جبکہ تم زمین پر کم اور مغلوب تھے (مکہ میں) ڈرا کرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں پھر اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور اچھی روزی دی تاکہ تم شکر کیا کرو۔ مسلمانو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کیا کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم (خوب) جانتے ہو کہ خیانت بری چیز ہے اور آگاہ رہو کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں اور یہ بھی کہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں فتح دے گا اور تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: وتخونوا یجوز ان یکون مجزوما عطفا علی الفعل الاول ای لاتخونوا اماناتکم وان یکون نصباً علی الجواب بالواو وانتم تعلمون جملہ حال ہے فاعل لاتخونوا سے وان اللہ معطوف ہے انما اموالکم پر معطوف اور معطوف علیہ اعلموا کے مفعول ہیں ان تتقوا شرط یجعل لکم جواب۔

تفسیر: ان آیات میں اپنی نعمت اور مسلمانوں کی پہلی حالت جتلا کر جو اطاعت و توکل پر محرک ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور آپس کی خیانت سے منع فرماتا ہے جو باہمی اتفاق اور محبت میں خلل انداز اور اسلام کی جماعت میں خلل پیدا کرنے والی چیز ہے اور خیانت کا باعث بیشتر اولاد اور مال کی محبت ہوتی ہے۔ سو اس کو فتنہ قرار دیتا ہے اور دار آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ فرماتا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے۔ کفر و شرک و کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے لئے تین باتیں کریں گے: اول تم میں اور کافروں میں فرق کر دیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تمہارے دل منور، چہرے روشن، مکارمِ اخلاق، فتح مندی، غلبہ دیں گے۔ آخرت میں نجات، جنت اور ان کے لئے اس کے برخلاف۔ فرقان کے معنی مجاہد نے دنیا اور آخرت کی رستگاری اور مقاتل بن حیان نے دینی شبہات سے چھٹکارا اور عکرمہ نے نجات پانا خوفناک چیزوں سے بیان کئے ہیں۔ یہ مصدر ہے جیسا کہ رجحان۔ دوم تمہاری برائیاں چھپا دیں گے۔ سوم آخرت میں معاف کر دیں گے اور وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ میں دنیا اور آخرت کی نعماءِ جلیلہ کی طرف اشارہ ہے۔ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ الخ میں کسی خاص خیانت اور کسی شخص کا نام نہیں بلکہ عموماً ہر قسم کی خیانت کی ممانعت ہے۔ خواہ مال کی ہو خواہ غنیمت کے مال کی خواہ آبرو اور کسی راز کی۔ مگر مفسرین نے اس کو بعض اشخاص کی خیانت اور ان کے واقعہ کی

[1] فرقان سے اس جگہ مراد یوم بدر ہے چونکہ یوم بدر کو یوم فرقان بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

طرف بھی لگایا ہے۔ چنانچہ سدی نے کہا کہ اس میں منافقوں اور بعض دیگر شخصیتوں کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین سے میل ومحبت رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی باتیں جو جنگ سے متعلق ہوتی تھیں ان کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ زہری اور کلبی کہتے ہیں کہ اس میں ابی لبابۃ رفاعۃ بن عبدالمنذر انصاری کی طرف خطاب ہے کہ انہوں نے یہود بنی قریظہ[1] کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے ان کا قتل کیا جانا بتلا دیا تھا جس کے جرم میں انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا کہ جب میری توبہ قبول ہوگی تو آنحضرت ﷺ خود کھول دیں گے۔ چنانچہ سات روز کے بعد توبہ قبول ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے کھولا۔ بعض نے کہا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ کے ارادہ سے مطلع کر دینا چاہا تھا کہ آپ ان پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور (اے نبی! یاد کرو) جبکہ کافر آپ پر داؤ کرتے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اور وہ داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور خدا خوب داؤ کرنا جانتا ہے اور جبکہ ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (اچھاجی) سن لیا۔ اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے قصہ ہیں اور وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہ دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر عذاب الیم بھیج دے اور اللہ تو ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور اللہ کو شایاں نہیں کہ وہ معافی مانگتے ہوں اور (پھر) ان کو عذاب آوے اور اللہ ان کو کس لئے عذاب نہ کرے گا

[1] بنی قریظہ یہود کا ایک قبیلہ مدینہ کے پاس رہتا تھا۔ انہوں نے باوجود معاہدے کے جنگ احزاب میں جبکہ مشرکوں نے مدینہ کا آ کر محاصرہ کرلیا تھا۔ حضرت سے سخت بدعہدی کی تھی مشرکین کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ اکیس روز محاصرہ رہا۔ جب وہ تنگ آئے تو آپ نے ابی لبابہ کو بھیجا جو انہیں کی گڑھی میں رہتے تھے کہ باہر نکلو ہم تم سے کوئی اقرار نہیں کرتے۔ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے آپ کا ارادہ انہیں بتلا دیا' یہ خیانت تھی۔ ۱۲ منہ

حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور یہ اس کے متولی بھی نہیں۔ اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں لیکن بہت سے ان میں سے جانتے بھی نہیں اور بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی (قیامت میں ان سے کہا جائے گا) اپنے کفر کرنے کے بدلہ میں عذاب چکھو۔

ترکیب: وَاِذْ یَمْکُرُ اور اذ قالوا کا عامل عامہ مفسرین کے نزدیک اذکر ہے والا رجح ماذکرنا فی مقدمۃ تفسیرنا۔ و اذ شرط قالوا جواب شرط۔ ان شرطیہ ھذا کان کا اسم الحق خبر ہے دونوں میں فاصل من عندك الحق کی صفت فامطر الی عذاب الیم جواب شرط مجموعہ مقولہ ہے قالوا کا۔ اللھم نداء ای یا اللہ۔ ان لایعذبھم ای فی ان لایعذبھم فھو فی موضع نصب او جر۔ صلاتھم جمہور صلوۃ کو بالرفع اور مکاء کو بالنصب پڑھتے ہیں اور اعمش بالعکس پڑھتے ہیں۔ مکاء کی ہمزہ و سے بدل ہے من مکا یمکو[1]۔

تفسیر: ان آیات میں خداتعالیٰ آنحضرت ﷺ کے قیامِ مکہ کی چند باتیں یاد دلاتا ہے جو مسلمانوں اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف دیتی تھیں کہ ہم نے تم کو ان حوادث سے بچایا جیسا کہ یہ بیان کیا تھا کہ تم مکہ میں بہت کم اور نہایت کمزور تھے ہم نے تم کو مدینہ میں امن دیا۔ تمہاری شوکت وقوت پیدا کی۔ ازانجملہ وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ ہے۔ جب قریش نے دیکھا کہ لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے تو دل میں نہایت طیش کھا کے ایک مقام دارالندوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور ابوجہل بن ہشام وابوسفیان وطعیمہ بن عدی ونضر بن الحارث و امیۃ بن خلف وزمعۃ بن الاسود وابوالبختری بن ہشام وحکیم بن حزام وغیرہ جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی نسبت تجویزیں کرنی شروع کیں۔ کسی نے کہا ان کو ایک مکان میں قید کر دو کہ یہیں مرجائے۔ کسی نے کہا اس کو جلاوطن کر دو۔ ابوجہل نے کہا کہ قبائلِ قریش سے ایک ایک جوان لے کر ایک بار اس کو مار ڈالے۔ بنی ہاشم تمام قبائلِ قریش کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکیں گے۔ آخر دیت پر فیصلہ ہو جاوے گا۔ یہ سب نے تسلیم کیا اور رات کو آنحضرت ﷺ کا محاصرہ ٹھہرایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی۔ آنحضرت ﷺ ابوبکر کو ساتھ لے کر جبلِ ثور کے غار میں جا چھپے۔ علی کو اپنے بستر پر سلا گئے۔ صبح کو دیکھا تو آنحضرتؐ نہ ملے۔ پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے غارِ ثور تک پہنچے۔ اس کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر ہٹ گئے کہ اگر اس میں کوئی جاتا تو جالا نہ ہوتا۔ اس بات کو اِذْ یَمْکُرُ الخ میں یاد دلایا کہ اللہ کا داؤ چل گیا ان کا رد ہوا۔ ازانجملہ اِذَا تُتْلٰی الخ ہے آنحضرتؐ جب قرآن کی آیات سناتے تو نضر بن حارث جو فارس اور حیرہ میں تجارت کو جاتا تھا اور وہاں سے رستم واسفندیار کے قصہ سن کر آیا کرتا وہ حضرت ﷺ کے مقابلہ میں یہ کہتا تھا کہ ایسے قصہ میں بھی بیان کر سکتا ہوں۔ ازانجملہ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ[2] ہے یہ بھی نضر بن حارث کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ ابوجہلؒ نے کہا تھا سو بدر کے روز عذاب دنیاوی پالیا وما کان اللہ ان کے قول کے جواب میں یہ فرمایا کہ بالفعل ہم ان کو دو سبب سے عذاب نہیں کرتے۔ اول یہ کہ اے محمد آپ نبی الرحمۃ ان میں موجود ہو تمہاری موجودگی میں عذاب کیونکر آوے۔ دوم وہ خود یا بعض مسلمان مکہ میں خدا سے معافی مانگ رہے ہیں مگر دونوں باتوں کے بعد مَالَھُمْ اَلَّا یُعَذِّبَھُمُ خدا ان کو کیوں عذاب نہ کرے گا حالانکہ قابلِ عذاب یہ باتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ ایمانداروں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور خود اس کے اہل نہیں۔ کیونکہ اس کے اہل ایماندار[3] ہیں۔ دوم ان کی عبادت مسجد الحرام کے پاس ایک لغو حرکت ہے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جس سے مسلمانوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔

---

[1] مکاء بروزن فعال جیسا کہ غناء اور رخاء مکا یمکو اذا صفر والمکاء الصفیر التصدیۃ من صدی یصدی تصدیۃ اذا صفق بیدیہ کشاف ۱۲ منہ

[2] کہ اگر یہی دین کہ جس کی طرف محمد ﷺ بلا رہے ہیں برحق اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی عذاب الیم نازل کر دے۔ تب بھی ہم اس کو نہ مانیں گے۔ اللہ رے ضد! ۱۲ منہ

[3] یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اہلِ اسلام میں سے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کا مالک ومتولی ہمیشہ متقی فریق رہے گا اور آج تک یہی ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ[1] جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

ع ۹ / ۱۸

کافر تو اپنا مال اس لئے خرچ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور بھی خرچ کریں گے پھر تو وہ ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر وہ مغلوب ہو کر رہیں گے اور کفر کرنے والے جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے تا کہ خدا ناپاک کو پاک سے جدا کرے اور ایک ناپاک کو دوسرے پر دھر کر ڈھیر بنائے پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی ہیں زیاں کار۔ آپ کافروں سے کہہ دیں اگر باز آجاویں تو ان کے گذشتہ قصور معاف کر دیے جاویں گے اور جو پھر وہی کریں گے تو پہلوں کا دستور بھی چلا آتا ہے اور ان سے اس وقت تک لڑو کہ کچھ بھی فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور بالکل اللہ ہی کی پرستش رہ جاوے پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے اور اگر نہ مانیں تو (مسلمانو!) یاد رکھو اللہ تمہارا بھی کارساز ہے جو بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

ترکیب: يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ خبر ہے ان کی لیصدوا يُنفِقُونَ سے متعلق ویجعل کا۔ الخبیث مفعول الاول بعضه اس سے بدل بدل البعض علی بعض مفعول ثانی بواسطہ جرای لبعض الخبیث علی بعض او بعض الخبیث غالبا علی بعض ان ینتهوا شرط یغفر جواب۔ ماقد سلف مفعول مالم یسم فاعلہ یغفر کا۔ فتنة اسم ہے کان تامہ کا کله الدین کی تاکید یہ اسم اللہ خبر نعم المولی المخصوص بالمدح اللہ محذوف۔

تفسیر: یہاں ان کے قابلِ عذاب ہونے کی ایک اور بات بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے مال اللہ کے رستے سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدر کی جنگ میں ابوجہل وغیرہ قریش کے مال داروں نے خدا پرستوں کے مقابلہ میں ان کفاروں کو کھانا دیتے تھے جن کو ہدمِ اسلام کے لیے میدانِ بدر میں لائے تھے۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتا ہے کہ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے بعد ابو سفیان نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ مال صرف کیا اور جنگِ احد میں لوگوں کو چڑھا لایا پھر اس خرچ کرنے کا مآل کار بتلایا ہے کہ یہ ان کے لئے آخرت میں یا اگر وہ مسلمان ہو گئے تو دنیا میں حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ دوم وہ اس خرچ کرنے سے غالب نہ ہوں گے بلکہ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں جہنم میں جائیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا اور یہ خرچ کرنا ان کا اس لئے ہے تا کہ دنیا میں خبیث اور طیب یعنی کافر اور مومن میں امتیاز ہو جاوے یا پاک اور ناپاک مال میں امتیاز ہو جاتے۔ ناپاک شیطانی کاموں میں اور پاک

---

[1] الرکوم الجمع والضم یقال ارکم الشیء یرکمه اذا جمعه والقی بعضه علی بعض من لقر والرکام الرمل الترکم والحساب وغیرہ۔ ۱۲ منہ

رحمانی کاموں میں صرف ہوا کرتا ہے پھر اس کل ناپاک کا تودہ لگا کر جہنم میں ڈال دیا جاوے گا اور اس تجارت میں ان کو سخت خسارہ ہوگا کیونکہ نفع کے لئے صرف کیا تھا۔ الٹا نقصانِ دارین حاصل ہوا۔

اس کے بعد کفار کو اعلان دیا جاتا ہے کہ تم باز آؤ گے اور اسلام لاؤ گے تو تمہارے یہ گناہ کفر کی حالت کے معاف ہو جائیں گے اور نہیں تو عادتِ الٰہی جاری ہے کہ وہ جماعت انبیاء کو سرسبز کیا کرتا ہے۔ نمرود فرعون سب ہلاک ہوئے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم ان سے جنگ کئے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ فتنۂ کفر و معاصی نہ مٹ جائے اور زمین پر راستی نہ قائم ہو جاوے اگر اس میں وہ باز آ گئے تو خیر ورنہ تم اطمینان رکھو خدا تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ سب سے اچھا حامی و مددگار ہے کسی کی پروا نہ کرو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے فیصلہ کے دن جبکہ دو لشکر آ ملے تھے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جبکہ تم ادھر کے ناکے پر اور وہ ادھر کے ناکے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا اور اگر تم آپس میں جنگ کا وعدہ بھی کرتے تو وقت پر یکساں نہ پہنچتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کرنا تھا جو مقدر ہو چکا تھا تا کہ جو ہلاک ہو تو حجت تمام ہو کر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے تو حجت تمام ہو کر زندہ رہے اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اِنَّمَا غَنِمْتُمْ ما بمعنی الذی والعائد محذوف من شیء حال من العائد المحذوف والتقدیر ما غنمتموہ قلیلا او کثیرا یہ سب مبتداء فان للہ خمسہ جملہ خبر و فی الفاء وجہان احدہما انہا دخلت فی خبر الذی لما فیہا معنی الشرط وان وما عملت فیہ فی موضع رفع خبر مبتداء تقدیرہ فالحکم ان للہ خمسہ والثانی ان الفاء زائدۃ وان بدل من الاولی اذ انتم بدل ہے یوم سے العدوۃ[1] بالضم والکسر القصوی اعلی لا اصل والقیاس ان تکون قصیا کالدنیا لانہا صفۃ تقلب واو ہا یاء افرقا بین الاسم والصفۃ۔

[1] العدوۃ بضم العین فی موضعین وکذا بالفتح والکسر وقری بہا ایضا ہی شطا الوادی و عاقبۃ عدت لان یتجاوز ہا ما فی الوادی من ماء وغیرہ وقال ابو عمرو ہی المکان المرتفع (ٹیلہ) والدنیا تانیث الادنیٰ من الدنو ای القرب من المدینۃ والقصویٰ تانیث الاقصیٰ من قصی یقصو ای البعد والمعنی انتم بالجانب القریب من المدینۃ وعدوکم بالجانب البعید ۱۲ منہ

تفسیر: چونکہ کفار کے ساتھ جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور نصرت و مددِ الٰہی کا وعدہ ہوا تھا جس سے کفار پر فتح و غلبہ اور ان کے مال پر قبضہ ہونا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس کے بعد اس مال کی تقسیم اور اس کے حصے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے بعد اس کی تصریح و تشریح کے لئے نازل کیا۔

واضح ہو کہ فے اور غنیمت اکثر اہلِ علم کے نزدیک ایک ہی چیز ہے یعنی وہ مال کہ جو غلبہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آوے اور فے بعض اہلِ علم کے نزدیک وہ مال ہے کہ جو بغیر جنگ و جدل کفار سے ہاتھ آوے جیسا کہ وہ مسلمانوں سے دب کر جزیہ دینا قبول کرلیں یا وہ محصول جو ان سے لیا جاتا ہے یا ان کے لاوارث مالِ غنیمت کی تقسیم خواہ وہ کسی قدر ہو (مگر غیر منقول اسباب جائیداد و املاک محققین[۱] کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ امام کے اختیارات میں رہیں گے جن کو وہ حسبِ ضرورت خرچ کرنے کا مجاز رکھتا ہے)۔ اس آیت میں یوں تقسیم کی گئی کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ان میں سے ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں اللہ اور رسول اور رسول کے قرابت مندوں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کے لیے ہوگا یعنی اس خمس کے پانچ حصے کئے جاویں گے مگر ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس کے چھ حصے کئے جاویں گے۔ پانچ تو یہی اور چھٹا اللہ کا حصہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے ہوگا کیونکہ للہ بھی مذکور ہے۔ جمہور کے نزدیک لفظ للہ محض تعظیم کے لئے افتتاحِ کلام میں آیا ہے جیسا کہ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ میں آیا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کو حصہ کی کیا حاجت ہے اور تعمیرِ کعبہ امام اور اہلِ اسلام کا فرض ہے اور نیز خیبر کے غنائم میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے یہی فرمایا تھا کہ صاحبو میرے لئے تو اس میں سے خمس ہے سو وہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حصہ آپ کے مصارفِ خانہ داری میں صرف ہوتا تھا اور ذی القربیٰ کے حصہ کو اپنے اقارب میں صرف کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اقارب کی تفسیر میں کہ جن کو حصہ دیا جاتا تھا اہلِ علم کے مختلف قول ہیں۔ بعض نے سب قریش کو لیا ہے۔ مجاہد و علی بن حسین نے بنی ہاشم کو خاص کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنی ہاشم اور بنی المطلب مراد ہیں نہ بنی عبد شمس نہ بنی نوفل کیونکہ جبیر بن معطم و عثمان رضی اللہ عنہما نے آ کر آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے بنی المطلب کو دیا حالانکہ ہم اور وہ آپ سے قرابت میں مساوی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اور بنی ہاشم ایک ہی ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت میں اسلام کی مدد کی تھی (فی الصحیح) فقراء اور مسافرین اور یتامیٰ میں جمہور کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی قرابت اور غیر قرابت کی کچھ قید نہیں۔ کوئی ہو مگر امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں بھی قرابت کی قید ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس خمس کی تقسیم میں علماء کے دو قول ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا حصہ جمہور کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہ اور شافعی بھی ہیں اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت باقی نہیں[۲] رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کا حصہ ہتھیاروں اور اسبابِ جہاد کی خرید میں صرف کرتے تھے (معالم) بعض نے کہا کہ وہ ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل کو تقسیم ہوگا۔ اسی طرح آپ کے اقارب کے حصہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی اور مالک کہتے ہیں کہ بعد میں بھی آنحضرت ﷺ کے اقارب کو حصہ ملے گا۔ مرد کو دوگنا عورت کو اکہرا۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اقارب کی خبرگیری بھی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے۔ جب آنحضرت ﷺ ذاتی حوائجِ بشریہ سے مبرا ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس ان میں سے غربا اور یتامیٰ کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہے۔ اس تقدیر پر وہ خمس اس زمانہ میں مساکین و یتامیٰ و ابن السبیل کو بیت المال کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دیا جاوے گا۔ رہے غنیمت کے چار حصہ باقی ان کی تقسیم آیت میں مذکور نہیں۔ احادیث سے علماء

---

۱ امام ابوحنیفہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی بعد وفات ۱۲ منہ

نے ان کا مجاہدین میں تقسیم کرنا ثابت کیا ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طور سے کہ سوار کے لئے دو حصے پیدل کا ایک حصہ دیگر علماء نے تین حصے قائم کئے ہیں ایک گھوڑے کا دو اس کی ذات کے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مالکیہ کہتے ہیں امام کو اختیار ہے ہر حاجت اور ضرورت میں حسبِ مصلحت صرف کرے[1] اور کہتے ہیں کہ خلفاءِ اربعہ آپ کے بعد ایسا ہی کیا کرتے تھے کیونکہ ایسا نہ ہو تو امام کے پاس کوئی ذخیرہ کافی جمع نہ ہو۔ جس کو بوقتِ ضرورت امورِ مہمہ میں صرف کیا جاوے اور نیز ایسی صورت میں سلطنتِ اسلام کا ضعف متصور ہے۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صحابہ کو چند مواقع پر ضرورت سمجھ کر اس طرح سے تقسیم کیا مگر اب موقع اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے واللہ اعلم۔ اسی طرح فے بھی اکثر کے نزدیک رائے امام کی طرف مفوض ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اس کے بعد اس حکم تقسیم کو مؤکد کرتا ہے کہ یہ جو ہم نے فرمایا ہے اس کو تسلیم کرو اور برحق جانو اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اور اس پر یقین کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فیصلہ کے دن (یعنی بدر کے روز جبکہ دو لشکر اسلام اور کفر کے ملے تھے) نازل کیا ہے وہ کیا نازل کیا تھا۔ آیات اور ملائکہ اور وہ دن جمعہ کا روز رمضان کی سترہویں تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے کہ جس نے باوجود قلت کے تم کو فتح دی۔ پھر یوم الفرقان یعنی بدر کے دن کا بیان کرتا ہے۔ اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا عدوی ابن کثیر و نافع وابوعمرو اس کو بالکسر باقی قراء بالضم پڑھتے اور دونوں طرح سے درست ہے۔ عدوی کنارہ اور بانبداری کو کہتے ہیں اور اس کی جمع عدی آتی ہے۔ دنیا تانیثِ ادنیٰ بمعنی قریب اس کی ضد قصویٰ جو اقصیٰ کی تانیث بمعنی بعید جیسا کہ اکبر کی تانیث کبریٰ ہے۔ عُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا یعنی وادیِ بدر کا وہ کنارہ جو مدینہ کے رخ اور عُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وہ کنارہ جو مکہ کی جانب ہے۔ اس مدینہ کی طرف کے گوشہ میں لشکرِ اسلام پڑا تھا اور پرلے کونہ پر لشکرِ کفار اور وہیں پانی بھی تھا۔ والرکب قافلہ جس کے لئے مسلمان نکلے تھے۔ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ نشیب میں تھا یعنی سمندر کا کنارہ اس میدان سے تین میل کے فاصلہ پر چلا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے اگر جنگ کا کوئی وقت معین کیا جاتا تو اے اہلِ اسلام تم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے وقتِ معین پر نہ پہنچتے یہاں اتفاقاً تم کو ان سے بھڑا کر کفر کا کام تمام کرادیا تاکہ قدرتِ حق دیکھنے کے بعد جو کفر میں پڑ کر ہلاک ہو تو دیدہ ودانستہ یعنی حجت دیکھ کر اور جو ایمان لائے تو حجت دیکھ کر۔

اِذۡ یُرِیۡکَہُمُ اللّٰہُ فِیۡ مَنَامِکَ قَلِیۡلًا ؕ وَلَوۡ اَرٰىکَہُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡہُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾ ع

جبکہ (اے نبی!) آپ کے خواب میں اللہ ان کو کم کر کے دکھارہا تھا اور اگر ان کو بہت کر کے تمہیں دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور کام میں جھگڑا ڈال دیتے لیکن اللہ نے بچالیا کیونکہ وہ دلوں کے راز سے واقف ہے اور جبکہ تم ان سے مقابل ہوئے تو ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ ایک ہونے والی بات کو پورا کرے اور سب کاموں کی انتہاء اللہ ہی کی طرف ہوتی ہے۔

ترکیب: اذ منصوب ہے باضمار اذکر یا بدل ثانی ہے یَوۡمَ الۡفُرۡقَانَ سے یا متعلق ہے سمیع علیم سے یری کا فاعل اللہ ک مفعول اول ہم مفعول ثانی قلیلا مفعول ثالث فی فعل سے متعلق ولو شرط لَفَشِلۡتُمۡ الخ جواب واذ معطوف ہے اذ اول پر یہ بھی بدل ہے۔

---

[1] یعنی خمس کے بعد غنیمت کے چار حصے۔ ۱۲ منہ

تفسیر: یہ بھی یوم الفرقان کے بیان کا تتمہ ہے۔ مجاہد اور مقاتل کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے بدر کا واقعہ دکھایا۔ اس میں کفار تھوڑے دکھائی دیے۔ آپ نے اس بات کی صحابہ کو خبر دی۔ اس سے ان کو اور بھی جرأت مقابلہ کے لئے ہوئی۔ پھر جب مقابلہ کا وقت آیا اور دونوں طرف سے صفیں بندھیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہ میں کفار کو کم کر کے دکھایا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مخالفین ہم کو اس قدر کم دکھائی دیتے تھے کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تو انہیں ستر سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ سو خیال کرتا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہزار تھے۔ مسلمانوں کی نظر میں بوقتِ مقابلہ کم کر کے دکھانا دو وجہ سے تھا ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کا خواب اور آپ کا فرمودہ غلط نہ نکلے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کو جرأت ہو اور رعب دل میں نہ آوے۔

وَيُقَلِّلُكُمْ فِىٓ اَعْيُنِهِمْ اسی طرح کافروں کی نظروں میں مسلمان کم نظر آتے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ بعض مشرکین نے کہا کہ قافلہ تو سلامت نکل گیا، تم بھی واپس چلے چلو۔ ابوجہل نے سن کر کہا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے دوست آج تمہارے مقابلہ میں آئے ہیں۔ ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں گے واپس نہ جائیں گے۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے پکڑ کر باندھ دو۔ اگر کافروں کی آنکھ میں مسلمان بہت دکھائی دیتے تو ہیبت کے مارے بھاگ جاتے مقابلہ نہ ہوتا مگر لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اللہ کو تو ایک بات جو مقدر ہو چکی تھی، پوری کرنی تھی اور سب باتیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔

شبہ:

کیا خدا نے پیغمبر اور اس کے اصحاب کو غلطی میں مبتلا کیا ہزار کو سو کر کے دکھایا؟ نفس الامری واقعہ کو مخفی کیا جہلِ مرکب میں پھنسایا اور کیا عالم اسباب میں ایسا ممکن ہے؟ **جواب** یہ روایت باعتبار ان کی قوت و دلیری کے تھی۔ سو اس لحاظ سے وہ اسی قدر تھے یہ جہلِ مرکب نہیں نہ غلطی ہے بلکہ چشم حقیقت بین کو نفس الامر پر مطلع کیا اور کفار کا غرور و عجب مسلمانوں کی اصلی طاقت دیکھنے کے لئے حاجب ہو گیا۔ ان کو برعکس دکھائی دیا۔ دنیا میں حس غلطی کرتی ہے خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ انسان کے جمیع قویٰ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ رات دن دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ کسی کو کوئی چیز اچھی کر کے دکھاتا ہے اسی کو دوسرے کی نظر میں مکروہ بناتا ہے جس قوم اور دولت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے ان کی نظر میں مخالف کو کمزور دکھاتا ہے۔ مخالف کو ان پر جرأت دلا کر مقابلہ کرا دیتا ہے۔ ان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ مسبب اسباب کی ہر روز نئی شان ہے آنکھ ہو تو دیکھ لو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٤٥ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[1] وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝٤٦ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝٤٧ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

[1] ریح ہوا مگر مراد اقبال و شوکت ہے شبہت الدولۃ وقت نفاذ ہا و تمشیۃ امر ہا بالریح وہبو بہا یقال ہبت ریاح فلان اذا انت لہ الدولۃ ونفذ امرہ ۱۲ منہ

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ

اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

ایمان والو! جب تم کسی لشکر سے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کیا کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور برداشت کیا کرو کیونکہ اللہ برداشت کرنے والوں کے ساتھ ہے اور تم ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترانے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکنے لگے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ کے علم میں ہے اور جبکہ ان کو شیطان نے ان کے کام عمدہ کر دکھائے اور کہہ دیا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا ساتھی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو اپنے الٹے پاؤں چلتا بنا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ مجھے وہ نظر آتا ہے جو تمہیں نہیں سوجھتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (چونکہ) اللہ کی سخت مار ہے۔

ترکیب: فَتَفْشَلُوْا موضع نصب میں ہے کیونکہ جواب نہی ہے اور اسی طرح تذھب ہے۔ بطرا ورِئَآءَ النَّاسِ مفعول لہٗ خرجوا کے ویصدون معطوف ہے معنی مصدر پر غالب مبنی ہے اسم لا کی وجہ سے۔ لکم اس کی خبر الیوم معمول خبر ہے۔ من الناس حال ہے ضمیر لکم سے فلما تراء ت شرط نکص رجع جواب علی عقبیہ حال ہے ای ھاربًا وقال معطوف ہے نکص پر۔

تفسیر: فتح بدر کے سامانِ غیبی ذکر فرما کر اور یہ بات جتلا کر کہ اللہ تمہارا مددگار ہے۔ مسلمانوں کو یہ چند حکم دیتا ہے۔ اول یہ کہ جب تمہارا لشکرِ مخالفین سے مقابلہ ہوا کرے تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو خوب یاد کیا کرو کیونکہ یہ فتح و ظفر اس کی طرف سے ہے اور نیز اس کی یاد سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ للہ در من قال ؎

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

اور مخالفین پر ہیبت پڑتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ میں تکبیر اور نعرہ اللہ اکبر بلند کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عام ہے ذکر قلبی اور لسانی سب کو شامل ہے۔ دوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ نامردی پیدا ہو جاوے گی اور تمہاری ہوا بگڑ جاوے گی کیونکہ اتفاق میں جو فرادیٰ قوتیں مجتمع ہو کر ایک اثر پیدا کرتی ہیں اختلاف میں وہ بات کہاں رہتی ہے؟ سوم یہ کہ جب اعداء کے مقابلہ کو نکلو تو لوگوں کو بہادری دکھلاتے اور تکبر کرتے نہ نکلو جیسا کہ جنگِ بدر کے لئے قریش ابوجہل وغیرہ نکلے تھے۔ اکڑتے جاتے تھے کہ ہم یوں کریں گے، یہ کریں گے اور فتح پا کر وہاں شراب نوشی کریں گے اور ناچ دیکھیں گے۔ پھر ان متکبرین کے چند حالات بیان فرماتا ہے۔ اول تو یہی کہ وہ بطراً اور ریاءً نکلے تھے۔ دوم یہ کہ لوگوں کو ہمیشہ اللہ کے رستہ سے روکا کرتے تھے۔ مکہ میں غرباءِ مسلمین پر آفت برپا کر رکھی تھی۔ سوم یہ کہ شیطان نے ان کے برے اعمال ان کی آنکھوں میں اچھے کر دکھائے تھے۔ اس بدی کو وہ نیکی سمجھتے تھے اور شیطان نے ان سے بدر کے روز یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارا حمایتی ہوں تم پر کوئی غالب نہ آئے گا مگر جبکہ اس نے ملائکہ جبرئیل وغیرہ کو دیکھا تو یہ کہہ کر الٹا پھر گیا کہ میں تم سے الگ ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روز شیطان سراقہ بن مالک سردار بنی بکر بن کنانہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ حسن اور اصم کہتے ہیں کہ بغیر کسی شکل میں ظاہر ہونے کے اس نے دل میں کفار کے وسوسہ ڈالے تھے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿٥٤﴾

جبکہ منافقین اور وہ کہ جن کے دلوں میں مرض ہے یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو (مسلمانوں کو) ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے حالانکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ زبردست حکمت والا ہے (کفایت کرتا ہے) اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ ملائکہ کافروں کی جان نکالتے ہوں گے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوں گے اور (کہتے جاتے ہوں گے لو) دوزخ کا عذاب چکھو یہ بدلہ ہے تمہارے ان کاموں کا جن کو تم نے آگے بھیجا تھا اور اللہ تو بندوں پر (کچھ بھی) ظلم نہیں کرتا۔ فرعونیوں اور ان سے پہلوں جیسی گت ہوئی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائی تھیں پھر اللہ نے ان کو ان کے گناہوں پر پکڑ لیا کس لئے کہ اللہ قوت والا سخت عذاب کرنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تو کسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا کرتا ہے بگاڑتا نہیں جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو خراب نہیں کر لیتی اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ فرعونیوں اور ان سے پہلوں جیسی گت ہوتی ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں جھٹلائیں سو ان کو ہم نے ان کے گناہوں سے پکڑ لیا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

ترکیب: اِذْیَقُوْلُ ممکن ہے کہ معمول اذکر ہو یا زین کا ظرف ہو۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مفعول ہے یتوفی کا الملائکۃ فاعل ذوالحال یضربون حال وذوقوا ای یقولون معطوف ہوگا یضربون پر یہ بھی حال ہو کر ملائکہ کا مقولہ ہوگا اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو یعنی بعد موت کے ہم ان سے کہیں گے۔

تفسیر: چونکہ تزیین شیطانی کا ذکر آیا تھا کہ شیطان نے مکہ کے کافروں کو یوں گمراہ کر رکھا تھا۔ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ تزیین کچھ انہیں میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافق کہ جن کے دل میں مرض شک ونفاق ہے بدر کے واقعہ کی نسبت مسلمانوں کو یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔ محمد (ﷺ) کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہزار جنگجو اور بہادر قریش سے لڑنے چلے ہیں۔ اس کی نسبت خدا تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ غرور نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے اور جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ زبردست بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کے بعد ان منکرین کا وہ حال بیان فرماتا ہے جو موت کے وقت ہوگا کہ اے نبی! یا اے دیکھنے والے! اگر تو ان کا وہ وقت دیکھے کہ جب فرشتے ان کی جان نکالتے اور ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوں گے تو تجھے حیرت ہو۔ کفار جب دنیا سے جاتے ہیں تو ادھر ان کو عالم آخرت کے ظلمات وعذاب میں جانے کا غم ادھر لذت دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہوتا ہے۔ سو ان کے منہ اور پیٹھ پر مارنے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ یہ تمہارے اعمال کے نتائج ہیں جو تم نے یہاں کے لئے بھیج

رکھے[1] تھے۔ اللہ نے تم پر ظلم نہیں کیا یعنی اس تنزیین کی قلعی اس وقت کھل جائے گی جس طرح کہ فرعونیوں اور ان سے پہلوں پر کھل گئی۔ دنیا میں ان کے عروج واقبال جاتے رہے۔ اپنے گناہوں سے ہلاک ہوئے جو کوئی خدا کی دی ہوئی نعمت کو پہلے آپ خراب نہیں کر لیتا تب تک از خود خدا اس سے وہ نعمت نہیں لیتا یعنی جب اس نعمت کی ناقدری کر کے بیجا صرف کرتا ہے تو پھر خدا اس سے چھین لیتا ہے جیسا کہ فرعونیوں اور ان سے پہلوں کے ساتھ کیا۔ ان کو ہلاک کیا۔ فرعونیوں کو قلزم میں غرق کیا۔ تم اب بھی تزیینِ شیطان سے نہیں بچتے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ[2] مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

بے شک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ کے نزدیک وہ بدتر ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا۔ سو وہ ایمان نہیں لاتے (یہ) وہ لوگ کہ جن سے آپ نے عہد کیا تھا پھر وہ ہر بار عہد توڑ ڈالتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔ پھر جو کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ایسی سزا دیں کہ جس سے ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور جو آپ کو کسی قوم کی دغا کا اندیشہ ہو تو ان کے عہد کو ان کی طرف برابر پھینک مارو کیونکہ اللہ دغاباز پسند نہیں آتے اور کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارے قابو سے نکل گئے۔ وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور ان کے مقابلہ کے لئے جو کچھ قوت بہم پہنچ سکے بہم پہنچاؤ اور منجملہ اس کے گھوڑے باندھنا ہے کہ جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھاؤ اور ان کے سوا ان لوگوں پر بھی کہ جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ ہی ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تمہیں ملے

---

[1] ورنہ حقیقی تو معنی مراد ہی ہیں کہ فرشتے ان کے منہوں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ ۱۲ منہ

[2] وآخرین من دونہم لاتعلمونہم مراد ایران وروم ودیگر بلاد کے وہ کافر ہیں کہ جن کو مسلمان اس زمانہ میں اچھی طرح جانتے بھی نہ تھے جیسا کہ کئی صدیوں سے فرانس وروس وانگلینڈ وغیرہ نئی طاقتیں پیدا ہوگئی ہیں جو اسلام کے جھنڈے کو زمین پر گرا دینا چاہتے ہیں جیسا کہ حرمتِ صلیب میں چاہا تھا ۱۲ منہ۔

گا اور تمہارا کوئی حق رہ نہ جاوے گا اور اگر وہ کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر توکل کرو کیونکہ وہ سنتا' جانتا ہے اور اگر وہ کافر آپ سے فریب کرنا چاہیں گے تو آپ کا بھی اللہ کارساز ہے وہ کہ جس نے آپ کو اپنی فتح اور مسلمانوں سے قوت دی۔

ترکیب: اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا خبر ان فاما شرط تَثْقَفَنَّهُمْ تجدہم چونکہ شرط کا کلمہ ان ما کے ساتھ مؤکد ہو گیا اس لئے اس کے بعد فعل کو نون تاکید کے ساتھ لانا مستحسن ہوا فَشَرِّدْ جواب شرط فرق بھم ای بسببھم متعلق ہے شرد سے۔ من موصولہ خَلْفَهُمْ ثبت کے متعلق ہو کر اس کا صلہ یہ سب شرد کا مفعول ہوا خیانۃ مفعول ہے تخافن کا فانبذا طرح عہدھم علی سوا حال ہے ای مستویا سب جواب شرط۔ من قوۃ ومن رباط الخیل ما کا بیان ہے الذین کفروا یَحْسَبَنَّ کا فاعل سَبَقُوْا مفعول اور بعض نے تحسبن بھی پڑھا ہے۔

تفسیر: کافروں کو کہا تھا کُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ اب ان ظالموں میں سے زیادہ تر راندۂ درگاہوں کا ذکر اور ان کی عادت کا بیان فرماتا ہے کہ ان سے کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ کہ سب میں بدتر وہ کافر ہیں کہ جن میں دو وصف ہیں۔ اول یہ کہ وہ اپنے کفر پر مصر ہیں' ایمان نہیں لاتے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے عہد کو ہر بار توڑ ڈالتے ہیں۔ اس کی کچھ رعایت نہیں کرتے۔ اب ان سے کیا کرنا چاہیے؟ کہ اگر کہیں جنگ میں ہاتھ آ جاویں تو ان کو ایسی سزا دے کہ جس کو سن کر ان کے بعد کے کفار پریشان ہو جاویں۔ یہ تو ان کا حال تھا کہ جنہوں نے کھلم کھلا عہد توڑ ڈالا۔ جیسا کہ بنی قریظہ یا جنہوں نے جنگِ بدر میں باوجود عہد کے کفار کو ہتھیاروں کی مدد دی۔ پھر قائل ہونے کے بعد بھی جنگِ احزاب میں مخالفوں سے جا ملے اور جن سے عہد شکنی کا گمان ہو اور اس کی علامات پائی جاویں تو ان کو آپ بھی صاف طور پر مطلع کر دیجئے کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا تا کہ آپ پر عہد شکنی کا دھبہ نہ لگے اور ایسے چالاک کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمارے قابو میں ہیں' ہم ان سے عاجز نہیں۔ مگر اے اہلِ اسلام! بظاہر تم بھی ان کے مقابلہ میں جہاں تک قوت بہم پہنچ سکے پہنچاؤ۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں علاوہ رباط الخیل یعنی جنگ کے لئے گھوڑے باندھنے کے تیراندازی بھی عمدہ قوت تھی مگر اس زمانہ میں بجائے اس کے عام مسلمانوں کو قواعد سکھلانا عمدہ اور نو ایجاد توپیں اور بندوقیں اور دو خانی جہازات اور دیگر سامانِ حرب پہنچانا عمدہ موقعوں پر اور ریل اور تار برقی لگانا فرض کفایہ ہے۔ اس قوت کا فائدہ دشمنوں کو خوف دلاتا ہے کیونکہ اعدا نہ کسی علم سے ڈرتے ہیں' نہ کسی معاہدہ سے' نہ کسی صنعت وحرفت سے' نہ نئی روشنی کے لباس وعادات سے وہ تو قوتِ جنگ سے ڈرتے ہیں جس میں یہ ہے اسی کی عزت' اسی کے لئے عہد ہے۔ اس میں جو کچھ مسلمانوں کا صرف ہو اس کا اجر اللہ کے ہاں سے پورا ملے گا۔ پھر اس طاقت وشوکت کے بعد بھی اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو صلح کر لیجئے اور اسلام پر بھروسہ رکھئے۔ ان کے کید ومکر آپ پر کچھ نہ چلیں گے۔ اللہ کافی ہے' جس نے آپ کے بغیر اسباب ظاہرہ اپنی فتح[1] اور مومنین سے بھی مدد کی ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

[1] اللہ کی فتح ہر قسم کی کشائش جو نبی ﷺ کو میسر آئی یہ بڑی مدد تھی۔ ۱۲ منہ

كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور (اے رسول!) اللہ ہی نے مسلمانوں میں باہم محبت پیدا کردی۔ اگر آپ دنیا بھر کی سب چیزیں بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دل میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے مگر اللہ نے ان کے دل میں الفت پیدا کردی کیونکہ وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (اے نبی!) اللہ آپ کو اور جس قدر آپ کے پیرو مسلمان ہیں بس کرتے ہیں۔ اے نبی! ایمان داروں کو جہاد کی رغبت دلاؤ۔ اگر تم میں سے بیس بھی صابر (مستقل مزاج) ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو کافروں کے ہزار پر غالب آویں گے۔ اس لئے کہ وہ ناسمجھ قوم ہے۔ اب خدا نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ضعف ہے۔ سو اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آویں گے اور جو تم میں سے ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آویں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

ترکیب: والف معطوف ہے ایدک پر حسبك ای کافیک مبتداء اللّٰہ خبر ومن اللّٰہ پر معطوف۔ ان شرطیہ یکن تامہ عشرون فاعل منکم ان سے حال یہ شرط یغلبوا جواب شرط مِائَتَيْنِ يَغْلِبُوْا کا مفعول من الذین کفروا الفا کا بیان بانھم جملہ علت ہے یغلبوا کی۔

تفسیر: اور اس نے اس کے دل میں الفت دی جو کسی کے اختیار کی بات نہ تھی۔ جس وقت آنحضرت ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے جس طرح تمام روئے زمین پر کفر و بت پرستی کی تاریکی محیط تھی (کیونکہ اس وقت خدا پرست روئے زمین پر یہود اور عیسائی خیال کئے جاتے تھے۔ سو ان کی جو کچھ حالت خراب تھی اور جس قدر ان میں بت پرستی تھی تو اریخ سے ظاہر ہے) اسی طرح ملک عرب میں علاوہ بت پرستی و زنا کاری کے باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا بھی کچھ حساب نہ تھا۔ جہاں کسی نے ایک قبیلے کے لڑکے کو ایک طمانچہ مار دیا دوسرا قبیلہ ان پر چڑھ آیا۔ پھر یہ آتشِ جنگ قرنوں تک فرو نہ ہوتی تھی۔ مدینہ کے رہنے والوں اوس اور خزرج دو قبیلوں میں صدیوں سے عداوت اور کشت و خون تھا۔ پس جونہی مکہ میں اس آفتاب ہدایت نے طلوع کیا جس طرح تمام عالم کو منور کیا اسی طرح تمام عرب میں محبت اور اتفاق پیدا کردیا۔ اگر یہ ایک ایسا معجزہ نہیں کہ جو تمام معجزاتِ انبیاءِ سلف کا عطر ہے تو اور کیا ہے؟ اس نعمت کو خدا تعالیٰ ظاہر کرتا ہے اور عزیز حکیم میں اس مصلحت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس سے روم و ایران پر غلبہ دیا گیا اور آسمانی سلطنت کا جھنڈا قائم کیا گیا۔ ان عربوں کو آسمانی بادشاہت کا لشکر قرار دے کر آنحضرت ﷺ کو اپنی اور اپنی فوج کی مدد کا بھروسہ دلا کر دعوتِ عام اور مخالفین کے ساتھ جنگ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ اس پاکباز جماعت کے دس سو پر بھاری (کیونکہ خاصانِ خدا کی روح کی کہ جو نورِ الٰہی سے منور ہے باطنی طور پر مخالف پر بڑی ہیبت ہوا کرتی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ اور دنیا کے سردار اولیاء اللہ کی ہیبت میں دب جاتے ہیں) مگر خدا نے تمہارے ضعف پر نظر کر کے تم پر تخفیف کردی کہ اگر اس پاکباز لشکر کے دس ہوں گے تو بیس پر اور سو دو سو پر بھاری ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بات علما نے ثابت کی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں خصوصاً بدر کی جنگ تک اپنے سے دو چند کفار سے مقابلہ کرنے کا حکم تھا مگر اس کے بعد دو چند سے مقابلہ کرنے کا حکم باقی رہ گیا۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ میں اس طرح بھی اشارہ ہے کہ وہ دارِ آخرت اور ثواب کو نہیں جانتے اس لئے تم سے برابری نہ کرسکیں گے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

نبی کو جب تک زمین پر کافروں کا خون نہ بہالے کافروں کو صرف قیدی بنا کر رکھنا مناسب نہیں۔ مسلمانو تم دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ (تم کو) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ (تقدیر) نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لے لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ملتی (خیر) جو کچھ تم کو غنیمت ہاتھ لگی ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اے نبی! ان قیدیوں سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں (یہ) کہہ دو کہ اگر اللہ کو تمہارے دل میں کچھ بھی نیکی معلوم ہوگی تو تم کو اس سے بہتر دے گا کہ جو تم سے لیا گیا ہے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے اور اگر آپ سے (اے نبی!) وہ دغا کرنا چاہیں گے تو (کچھ پروا نہیں) اس سے پیشتر خود اللہ سے دغا کر چکے ہیں جس لیے اس نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِنْ یَّکُوْنَ کا جملہ کان کا اسم کتاب مبتدا من اللّٰہ صفت اول سبق صفت ثانی یا سبق خبر لَمَسَّکُمْ جملہ جواب لولا۔ لمن لام قل سے متعلق ہے فی ایدیکم صلہ من الاسریٰ من کا بیان ان یعلم اللّٰہ جملہ مقولہ ہے قل کا وان یریدوا معطوف ہے ان یعلم پر یا مستانفہ۔

تفسیر: بدر کی لڑائی سے آنحضرت ﷺ ستر قیدی کفار کے لے کر مدینہ میں آئے۔ ان قیدیوں کی بابت کہ جن میں حضرت کے چچا عباس اور علی کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لوگوں سے رائے طلب کی گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ آپ کی قوم ہے۔ خدا ان کو توفیقِ ہدایت دے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قتل کرنا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا' آگ میں جلا دیجئے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ کو ابوبکر کی رائے پسند آئی۔ ہر ایک سے چالیس اوقیہ[۱] لے کر چھوڑ دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ سے خود ان کا اور ان کے بھتیجے عقیل کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا جس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں فقیر[۲] ہو گیا۔ آپ نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں دبا کر آیا ہے کہاں ہے چونکہ اس کی کسی کو بھی خبر نہ تھی یہ سنتے ہی عباس رضی اللہ عنہ اسلام[۳] لائے۔ کتبِ حدیث میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔

۱؎ اوقیہ سونے کا ایک وزن تھا جس کے چالیس درہم ہوتے تھے۔ درہم کچھ کم چار آنے کا تھا۔

۲؎ جب بحرین کا اخراج آنحضرت کے حضور میں آیا تو عباس سے کہا جس قدر تجھ سے اٹھ سکے اٹھالے اس فدیہ کے معاوضہ میں اسی طرح مالا مال ہو گئے۔ ۱۲ منہ امام کے اختیار میں چار باتیں یہ ہیں یا قیدیوں کو فدیہ لے کر یا مفت چھوڑ دے یا مار ڈالے یا غلام بنا کر رکھے سب اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے بجز نیچریوں کے وہ تقلید یورپ غلام بنانا درست نہیں جانتے۔ ۱۲ منہ

۳؎ جب قیدی فدیہ لے کر چھوڑے جانے لگے تو جعفر نے عباس سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل کا بھی فدیہ دے کر چھڑا لو تو عباس نے کہا اتنا نقد کہاں سے لاؤں اس پر سردارِ دو جہاں نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں مدفون کر آئے ہو کہاں ہے نکالو یہ سن کر عباس مسلمان ہو گئے کیونکہ اس مدفون سونے کی خبر سوائے ان کے اور ان کی بیوی کے اور کسی کو نہ تھی۔ حقانی

فدیہ لینا اور قتل کرنا آنحضرت ﷺ کے لئے دونوں فعل مباح تھے اور اسی لئے لوگوں سے مشورہ لیا تھا لیکن زیادہ تر مناسب وقت ان کا قتل کرنا تھا تا کہ پھر سرکشی نہ کرتے اور انبیاء علیہم السلام پر ترکِ اولیٰ پر بھی عتاب ہوتا ہے۔اس لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدی بنا رکھے اور خوب قتل نہ کرے۔اے مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہوئے جو دنیا کا اسباب ہے۔اللہ تو تمہارے لئے عالم باقی کی تیاری کر رہا ہے۔وہ حکیم اور زبردست ہے۔مصلحت[1] اور حکمتِ قتل کو خوب جانتا ہے۔اگر تقدیرِ الٰہی میں روزِ ازل نہ لکھا گیا ہوتا (کہ تم ان سے فدیہ لوگے پھر وہ تم پر چڑھائی کریں گے اور نیز یہ کہ ان میں سے بہت لوگ اسلام لاویں گے اور یہ کہ تم کو فدیہ لینا درست ہے) تو تم کو اس فدیہ لینے پر عذابِ الیم ہوتا (عمر رضی اللہ عنہ کی رائے عالم بالا کے منشا کے مطابق تھی) خیر اب جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے یا غنیمت میں لائے ہو وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔کھاؤ پیو اللہ غفور رحیم ہے لیکن آیندہ ڈرتے رہو اور اے نبی! ان قیدیوں سے کہہ دو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تاسف نہ کرو۔اگر تمہارے دل میں نیکی ہوگی اور تم اسلام لاؤ گے تو اس سے بہتر تم کو دلایا جائے گا (زمین کی سلطنتیں کسریٰ اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کو ملنے ہیں) اور خدا تمہارا یہ گناہ بھی معاف کر دے گا۔وہ غفور رحیم ہے اور اگر اے نبی وہ تمہارے پاس سے جا کر پھر شرارت کریں گے تو کچھ پروا نہیں۔اول اللہ سے شرارت کی تھی جس کا بدلہ یہ پایا کہ تمہارے ہاتھ میں قید ہوئے۔پھر اللہ ہی ان سے بدلہ لے لے گا۔وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

[1] گو یہ حکم قتل سخت تھا مگر مصلحت وقت کے مناسب تھا اور ایسے مصالح کو وہی خوب سمجھتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور وہی ایسی مصلحت کا خیال کر کے باوجود رحم دلی اور مہذب ہونے کے کورٹ مارشل کا حکم دیتے ہیں نبی علیہ السلام چونکہ بالطبع رحیم و کریم تھے فدیہ لے کر چھوڑ دیا چونکہ دراصل مصلحتِ وقت کے خلاف تھا اس لیے ان آیات میں اس کی طرف اشارہ کر کے عتاب ہوتا ہے۔۱۲ منہ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر چکے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) کہ جنہوں نے (مہاجروں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی۔ وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اگر تم سے دینی امر میں مدد چاہیں تو تم ان کی مدد کرو مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہا ہے اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم یہ (باہمی) مدد نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد مچ جائے گا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستہ میں جہاد (بھی) کیا اور وہ کہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور وہ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کو بھی آئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا سو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور قرابت دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں (بموجب کتاب الٰہی۔ بے شک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

ترکیب: الذین مع صلہ اسم ان والذین اس پر معطوف اولئک مبتداء بعضھم خبر جملہ خبر ان والذین مبتداء مالکم الخ خبر۔ ان استنصروکم شرط فعلیکم جواب الا ای اِنْ لَّاتَفْعَلُوْہُ الضمیر یعود الی النصر وقیل الی الولاء شرط تکن جواب فتنۃ و فساد کبیر اسم ہیں کان کے والذین مبتداء اولئک الخ جملہ خبر حقا کی ترکیب بیان ہو چکی۔ والذین مبتداء متضمن بمعنی شرط فاولئک جواب یا خبر۔

تفسیر: جبکہ بدر کے قیدیوں کو بشرط اطاعت عوض دینے کا وعدہ کیا اور ان کو دلاسہ دیا تو ان آیات میں انصار و مہاجرین کو اجر آخرت کا دلاسہ دیتا ہے یا یوں کہو کہ جب ان قیدیوں کو عہد لے کر چھوڑا اور ان میں سے بہت نے بدر کے موقع پر آسمانی مدد اور اسلام کا برحق ہونا دیکھا تھا اس لئے اسلام کی طرف مائل ہوئے اور نیز عرب کے قبائل نے بھی آنحضرت ﷺ سے عہد باندھنا شروع کیا اور عرب میں اس جنگ کی کرامات واعجاز نے شہرت پائی جس سے مخالف قبائل خصوصاً مکہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے مشرف بہ اسلام ہونے شروع ہوئے مگر ان میں سے بعض تو ترکِ وطن کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی اور بہت ایسے تھے کہ جن سے جورو بچے گھر بار خویش و تبار نہ چھٹ سکے۔ اس لئے تو مسلمانوں اور دیگر قبائل کی بابت کوئی قاعدہ اتحاد و ہمدردی کا مقرر ہونا ضرور تھا۔ پس ان آیات میں مع فضائلِ مہاجرین و انصار اس کو بیان فرمایا اور مسلمانوں کے مرتبے بھی ظاہر کر دیے۔ ہجرت اور نصرتِ اسلام کے اعتبار سے اس عہد میں مسلمانوں کی چار قسم تھیں: اول قسم وہ ہیں کہ جو ابتداء میں حضرت پر ایمان لائے اور ہجرت کر کے آپ کے ساتھ مدینہ میں آ رہے جیسا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، عبداللہ ابن مسعود و ابوذر وغیرہم رضی اللہ عنہم اس جملہ میں چار صفات کے ساتھ ذکر کیا۔ ان الذین امنوا الخ صفت اول یہ کہ وہ اللہ اور ملائکہ اور قیامت اور انبیاء پر صدقِ دل سے ایمان لائے۔ اب ان کے ایمان میں شک کرنا ضعفِ ایمان ہے۔ صفت دوم ھاجروا کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خویش و اقارب وطن اور فرزند و زن سب کو چھوڑ دیا۔ یہ بات اپنے آپ کو قتل کر دینے سے کچھ کم نہیں۔ جلاوطنی کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں۔ سو جس طرح انہوں نے اپنے مذہبِ قدیم کو چھوڑا اسی طرح وطنِ قدیم سے بھی منہ موڑا اور ہجرت میں قبائح اخلاقی و روحانی کے ترک کی طرف بھی اشارہ ہے۔ صفت سوم و چہارم جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اپنی جان سے اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ جان کو اللہ کے لئے سخت تہلکوں میں ڈال دیا مگر نبی کریم ﷺ پر آنچ نہ آنے دی۔ مکہ میں جبکہ مخالفوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا۔ خلفاءِ اربعہ نے رفاقت سے کبھی منہ نہیں موڑا نہ کبھی تقیہ کیا نہ کبھی آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑا۔ پھر بدر اور غارِ ثور ہر موقع میں ساتھ رہے اور مال کا تو کچھ ذکر نہیں۔ کئی بار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا تار تار

دے دیا۔ اس میں جہادِ روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری قسم ان سے دوسرے درجہ میں یہ لوگ ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا کہ جنہوں نے اہلِ اسلام کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یعنی انصار انہوں نے اپنی جان اور مال کو اسلام کی اعانت میں صرف کر دیا ہے۔ ان دونوں قسموں کی بابت فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ کہ آپس میں ایک دوسرے کا رفیق جان و مال بلکہ دین و ایمان کا ساتھی ہے اور اولیاء میں جو ولایت ہے وہ ولایتِ نصرت واتحاد ہے کہ ایک دوسرے سے اتحاد رکھے۔ بعض مفسرین نے ولایتِ ارث بھی مراد لی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابتداءِ اسلام میں انصار و مہاجرین میں سے ایک کو دوسرے کا دینی بھائی بنا کر وارث قرار دے دیا تھا کیونکہ مہاجرین کے اہلِ قرابت تو ہنوز وہاں آئے ہی نہ تھے مگر جب اسلام پھیل گیا اور مکہ فتح ہو گیا۔ ہجرت کی ضرورت نہ رہی۔ آیتِ میراث یا انہیں آیات کے اخیر جملہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ سے اہلِ قرابت میں میراث قائم کر دی اور اسی جملہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ذوالارحام کو وارث قرار دیا ہے اور فی کتاب اللہ سے مراد لوحِ محفوظ ہے نہ کہ قرآن تاکہ حصصِ مقررہ مراد لے کر ذوی[1] الارحام کو خارج کیا جاوے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کرتے ہیں اور اگر ایسا کریں گے تو عصبات کا بھی خارج ہونا لازم آوے گا۔

یہ دونوں قسم کے مسلمان اسلام کے رئیس اور سردار اور مقتدی ہیں۔ تیسری قسم کے وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے مدینہ میں نہ آئے جن کی نسبت فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا ان کے حق میں دو حکم دیتا ہے۔ اول مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ کہ تم پر ان کی حمایت کچھ ضرور نہیں۔ جب تک کہ یہ ہجرت نہ کریں۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں بعد میں بھی فرض ہے۔ اس جگہ سے کہ جہاں دین کو آزادی سے نہ ظاہر کر سکے۔ دوسرا حکم یہ کہ اگر وہ تم سے دینی امر میں مدد طلب کریں تو ضرور مدد کرو کیونکہ وہ اہلِ ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو کہ جن سے تمہارا عہد ہے اور اس حکم کی تائید کرتا ہے کہ کفار بھی باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ جنسیتِ کفر خواہ وہ یہود ہوں' خواہ نصاریٰ' خواہ مشرکینِ عرب سب کو تمہارے مقابلہ پر آمادہ کرتی ہے۔ ایک دوسرے کا مددگار بن جاتا ہے اور اگر تم آپس میں مدد نہ کرو گے تو فتنۂ کفر اور بڑا فساد قائم[2] ہو جاوے گا۔ اب ان دونوں پہلی قسموں کے مسلمانوں کی مدح فرماتا ہے۔ والذین آمنوا الخ کہ وہ سچے مسلمان ہیں اور ان کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے (حیف ہے ان متعصبین پر جو خلفاءِ اربعہ کو جھوٹے مسلمان اور قابلِ عذاب کہتے ہیں)

چوتھی قسم کے وہ مسلمان ہیں جو بعد میں ایمان لائے اور پھر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ اخیر جہادوں میں شریک ہوئے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ بھی تمہیں میں شمار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ① فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ

---

[1] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ ہو گیا اور ایک دوسرے کے وارث ہوئے۔ مثل قرابت داروں کے لیکن...... اولوالارحام بعضھم اولی ببعض سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

[2] حقیقت میں آج کل جو مسلمانوں کی سلطنتیں معرضِ زوال میں ہیں۔ اسی وجہ سے ہیں۔ اندلس میں عیسائیوں نے تمام مسلمانوں کو مقہور کیا۔ مسلمانوں کے اور بادشاہ مدد کو نہ پہنچے، اسی طرح حضرت سلطان پر چڑھائی ہوئی' ایران و کابل نہ اٹھے۔ برخلاف ان کے ایک ادنیٰ عیسائی کی مدد میں سب مدد کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۳ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۶ ع

جن مشرکوں سے تم نے عہد و (پیمان) کرلیا تھا اب اللہ اور رسول کی طرف سے ان کو صاف جواب ہے۔ سوا ے مشرکو! تم ملک میں چار مہینے تک پھر و چلو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہ سکو گے اور یہ (بھی جان لو) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن سب لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے دستبردار ہیں۔ پھر اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جواب بھی پھرے رہو تو یاد رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے اور (اے نبی! اب آپ) کافروں کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دیجئے۔ مگر وہ مشرک جن سے تم عہد کر چکے ہو۔ پھر انہوں نے تم سے کچھ بھی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہے تو ان کے عہد کو ان کی مدتِ مقررہ تک پورا کرو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔ پھر جب حرمت[1] کے مہینے گذر چکے تو جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ قتل کرو اور ان کو گرفتار کرلو اور ان کو گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور جو کوئی مشرکوں میں سے آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔ پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ ایک بے علم قوم ہے۔

ترکیب: براۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ورسولہ عطف ہے اللہ پر الی متعلق ہے براۃ سے۔ من المشرکین بیان ہے الذین کا اربعۃ اشہر ظرف ہے فسیحوا کا وان اللہ معطوف ہے انکم پر مفعول ہے واعلموا کا۔ واذان معطوف ہے براۃ پر فاذا شرط فاقتلوا الخ جواب فان تابوا شرط فخلوا الخ جواب وان شرط احد فاعل استجارک محذوف کا جس کی تفسیر استجارک ثانی ہے۔ فاجرہ جواب

---

[1] ذیقعدہ، ذی الحج، رجب، محرم یعنی ان چار مہینوں میں حسبِ دستورِ قدیم عرب امن ہے۔ اس کے بعد جو کوئی مشرک مل جائے اس سے لڑو جن قبائل مشرکین سے عہد و پیمانِ امن ابتداءِ اسلام میں ہوا تھا اب وہ بذریعہ اس اعلان کے توڑ دیا گیا۔ یہ سورۃ مدینہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جبکہ اسلام کا زور ہو گیا اور بڑے بڑے قبائلِ عرب اسلام میں آگئے تھے۔ اب اس عہد کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر کوئی عہد ہو اس کی میعاد تمام ہونے پر ضرور ہے کہ پیشتر سے اعلان کر دیا جاوے۔ اس سورۃ میں یہ اعلان ہے براءۃ کے معنی ہیں بیزاری اور یکسوئی کے جس کا مرادی ترجمہ صاف جواب بہت مناسب ہے۔ ۱۲ منہ

حتیٰ غایۃ ہے اجرہ کی ذلک مبتدا بانھم خبر۔

تفسیر: چونکہ اخیر انفال میں اہلِ عہد پر چڑھائی کرنے کی ممانعت تھی اور اس سورۃ میں تمام عہدوں کو ختم کر دیا ہے اور نیز ان دونوں کے مطالب بھی ملتے جلتے ہیں اس لئے دونوں سورتوں میں فصل کے لئے لوحِ محفوظ میں بسم اللہ نہیں۔ گویا دونوں ایک ہی سورۃ ہیں۔ گو نازل ہونے میں دونوں میں کئی برس کا فاصلہ ہے کس لئے کہ انفال دوسرے سال ہجری میں نازل ہوئی اور براۃ کی بابت ابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مدینہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے جو آٹھواں سال تھا۔ اس سورۃ کے تیرہ نام ہیں فاضحہ حافرہ مخزیہ وغیرہا مگر دو نام زیادہ مشہور ہیں۔ توبہ اور براۃ اس سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھنے کی چند وجہ علماء نے بیان کی ہیں (۱) وہ جو ترمذی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ ہم نے پوچھا بسم اللہ اس پر کیوں نہیں لکھی؟ جواب دیا کہ حضرت پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو کاتبوں سے اس کے موقع پر لکھوا دیتے تھے۔ چونکہ ان دونوں کا مضمون یکساں تھا تو ہم نے دونوں کو ایک سورۃ سمجھ لیا مگر حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک سورۃ ہیں (۲) صحابہ کا دونوں سورتوں کے ایک ہونے میں اختلاف تھا۔ بعض دونوں کو ایک بعض دو کہتے تھے۔ اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی مگر فصل کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی گئی (۳) حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے اس امر میں پوچھا فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لئے ہوتی ہے چونکہ اس سورۃ میں کفار کے لئے امن نہیں، اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی تا کہ آثارِ غضب الٰہی ظاہر ہوں (۴) امام قشیری کہتے ہیں صحیح یہی ہے کہ جبرئیل اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ نہ لائے اسی طرح لکھی گئی زیادتی نہ کی گئی۔ (تیسیر القاری شرح صحیح البخاری) اور یہ جو مشہور ہے کہ اس سورہ کا اول منسوخ التلاوہ ہو گیا اس کے ساتھ بسم اللہ بھی ساقط ہوئی اس کو صاحب تیسیر وغیرہ نے ناپسند کیا ہے۔

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ الخ اس کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ آٹھویں سال مکہ فتح ہوا تو بہت سی قوم میں اسلام لائیں اور بہت نے آنحضرتؐ سے عہد و پیمان کر لیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے حلیفوں[1] سے جنگ نہ کریں گے۔ مدد کے موقع پر مدد بھی دیں گے۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی ان سے عہد کر لیا تھا، جب نویں سال ہجری میں آنحضرتؐ شام کی طرف غزوۂ تبوک[2] کو تشریف لے گئے تو پیچھے بہت سی قوموں نے بدعہدی کی۔ منافقوں نے بہت افواہیں اڑائیں وہاں سے لوٹنے کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں ان بدعہدوں کی اور غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں اور غلط باتیں اڑانے والوں کی سرزنش ہے۔ آنحضرتؐ نے اس سال حاجیوں کا قافلہ سالار ابوبکر کو کیا اور بعد میں علی کو اپنے ناقہ پر سوار کر کے بھیجا کہ وہاں مجمع عام میں یہ آیات لوگوں کو سنا دیں کہ آیندہ سے ہم سے کسی مشرک کا کوئی عہد باقی نہیں رہا۔ پس ابوبکرؓ نے احکامِ حج تعلیم کئے۔ علیؓ نے یوم النحر کو جمرۃ العقبیٰ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کو اس سورہ کی تیس یا چالیس و بقول مجاہد تیرہ آیات سنا دیں اور کہہ دیا کہ سال آیندہ میں خانہ کعبہ میں کوئی مشرک نہ آوے نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور ہر ایک عہد والے کا عہد تمام ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اے علیؓ اپنے بھائی سے کہہ دیجو کہ ہم نے خود عہد کو پس پشت ڈال دیا، اب تلوار ہے یا تیر۔

ان آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین متعاہدین سے بیزاری اور براءت کی گئی ہے کہ اب ہمارا تمہارا کچھ عہد باقی نہیں رہا اور یہ کہ خواہ ان کا عہد زیادہ مدت کے لئے ہو خواہ کم کے لئے سب کو چار مہینے کے لئے مہلت دی گئی۔ ان چار مہینوں کو اشہر حرم فرمایا

---

۱ حلیف ہم سوگند عرب میں دستور تھا کہ ایک دوسرے سے اتفاق و اتحاد کی بابت حلف کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ حلیف کہلاتے تھے جو ایک دوسرے کے لیے خون بہانا اپنی نجابت کا جوہر جانتا تھا۔ ۱۲ منہ

۲ تبوک عراق عرب میں ایک چشمہ ہے لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ ہرقل شاہِ روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکرِ جرار آتا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس ہزار آدمی لے کر وہاں تک گئے وہاں کچھ نہ پایا۔ یہ چڑھائی گرمی کے دنوں میں تھی اور صحابہ میں افلاس بہت تھا۔ اس لئے اس کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ اسی مقام کے قریب خالد بن ولید نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر کے وہاں کے نصرانی کو گرفتار کیا تھا۔ ۱۲ منہ

یعنی وہ مہینے کہ جن میں جنگ حرام ہے۔ علماء میں اختلاف ہے کہ اس جگہ اشہر حرم سے کونسے چار مہینے مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے وہی چار مہینے مشہور ہیں کہ جن میں جنگ کرنی عرب میں ممنوع تھی۔ یعنی ذیقعدہ' ذی الحج' محرم' رجب۔ پس جن کے لئے عہد معین نہ تھا ان کے لئے حج اکبر کے دن سے لے کر محرم تک مہلت تھی اور جن کی مدت چار مہینے یا زیادہ ہے۔ ان کے لئے پورے چار مہینے حج اکبر کے روز سے لے کر دسویں ربیع الثانی تک مہلت قرار پائی تھی۔ حج اکبر کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں عمر اور ابن الزبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہم و عطا و طاؤس و مجاہد کہتے ہیں عرفہ کا دن کیونکہ بڑے ارکان اسی روز ادا ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں نحر کا دن۔ پس اس کے بعد کسی کا عہد باقی نہیں بجز ان کے کہ جنہوں نے آپ سے عہد شکنی نہ کی تھی وہ بنو حمزہ کنانہ کا ایک قبیلہ تھا۔ پھر اس کے بعد جو کوئی کہیں مل جائے قتل کیا جائے یا غلام بنایا جائے۔ ان کا محاصرہ کیا جاوے۔ ان کے راستے روکے جاویں۔ اگر توبہ کریں چھوڑ دیے جائیں مگر ان میں سے جو کوئی کلام الٰہی سننے کے لئے آوے وہ قتل نہ کیا جاوے بلکہ اس کی جگہ میں پہنچا دیا جاوے جبکہ وہ کلام الٰہی سن چکے۔ یہ خلاصۂ احکامات ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۞ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۞

مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر عہد ہو سکتا ہے مگر ان کا کہ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے۔ پھر جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تو تم بھی (اپنے عہد پر) قائم رہو کیونکہ خدا پرہیز گاروں سے محبت رکھتا ہے (ان کا عہد) کیونکر (باقی رہ سکتا ہے) حالانکہ اگر وہ تم پر قابو پاویں تو تمہارے لئے نہ قرابت کا لحاظ رکھیں نہ عہد کا وہ تم کو اپنے منہ کی (چکنی چپڑی) باتوں سے خوش کرتے ہیں اور دل ان کے پھر رہے ہیں اور اکثر تو ان میں سے فاسق ہیں۔ وہ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ چکے ہیں۔ پھر لوگوں کو اس کے رستہ سے روک چکے ہیں۔ بہت ہی برا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ وہ کسی ایماندار کے لئے بھی نہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم جاننے والوں کے

لئے کھول کر آیتیں بیان کر رہے ہیں اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد بھی اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو پھر کفر کے سرداروں کو قتل ہی کر ڈالو کیونکہ ان کی کچھ بھی قسمیں نہیں تاکہ وہ باز آویں۔

ترکیب: عھد اسم یکون اور خبر یا کیف ہے جو استفہام کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے یا للمشرکین ہے اور عند دونوں صورتوں عھدا یا یکون کا ظرف ہے یا عند اللّٰہ ہے فما زمانیہ یا شرطیہ ای فاستقیموا لھم مدۃ استقامتھم وان اِسْتَقَامُوْا فَاسْتَقِيْمُوْا۔ يُرْضُوْنَكُمْ حال ہے یا جملہ مستانفہ فان تابوا شرط فاخوانکم جواب۔

تفسیر: اس مقام پر ان کے عہد کو تمام کرنے کا سبب بیان فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ بجز ان شخصوں کے کہ جن سے تم نے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کے پاس سال حدیبیہ میں عہد کیا تھا یعنی قریش کا ایک گروہ سب کو لوگوں نے بنوحمزہ بنوکنانہ کہا ہے۔ جن کا پہلی آیات میں استثناء کیا گیا تھا۔ ان کے سوا اور کسی کا عہد باقی نہیں اور یہ بھی جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔

ان کے عہد پر قائم رہنے کی وجہ بجز مشرکین کہنے کے اور کوئی نہ بیان کی تھی جس میں اشارہ تھا کہ انسان کے تمام اخلاق اور سب خوبیوں کے غارت کرنے کے لئے ایک شرک کافی ہے جو جہل اور حبِ دنیا اور خود غرضی اور مالکِ حقیقی کی احسان فراموشی پر مبنی ہے۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا اب یہاں سے ان کے چند عاداتِ نامحمود عہد شکن کو ذکر کرتا ہے۔ (۱) یہ کہ اگر وہ تم پر قابو پاویں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔ (۲) وہ زبانی تم سے چپڑی چکنی باتیں کرتے ہیں مگر دل میں کاوش رکھتے ہیں۔ (۳) ان میں اکثر فاسق ہیں۔ اگرچہ سب کافر فاسق ہیں مگر بعض کافر اپنے مذہب کی رو سے پرہیز گار بات کے پورے ہوتے ہیں مگر یہ عہد شکن ایسے بھی نہیں۔ (۴) انہوں نے تھوڑی سی دنیا پر آیاتِ الٰہی کو بیچ ڈالا یعنی فوائد دنیا کو دین پر مقدم رکھا۔ اس میں یہودِ بنی قریظہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو بدعہدی میں شامل تھے (۵) کسی مومن کے بارے میں نہ عہد کا لحاظ رکھتے ہیں نہ قرابت کا۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ورنہ مستوجبِ جنگ ہیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع ۸

تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے کہ جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کے نکالنے کی فکر میں ہو گئے اور انہوں نے پہلے تم سے (چھیڑ) شروع کی۔ کیا ان سے

ڈرتے ہو؟ ڈرتو اللہ ہی کا چاہیے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ تم ان سے جنگ کرو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور مسلمانوں کی ایک قوم کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دل کی جلن نکالے گا اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ نصیب کرے گا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔
کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور ہنوز خدا نے تم میں سے ان کو تو معلوم ہی نہیں کیا کہ جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو۔

ترکیب: قوما موصوف نکثوا وھموا صفت مفعول تقاتلون وھم الخ جملہ حال ہے تقاتلون سے۔ اول مرۃ منصوب ہے بَدَءُوْکُمْ کا ظرف ہو کہ فاللہ مبتداء احق الخ ان تخشوہ مبتداء ہے پھر یہ جملہ خبر ہے مبتداء سے پھر یہ جملہ دال برجزا ان کنتم الخ سے۔ یُعَذِّبْ وَیُخْزِ وَیَنْصُرْ وَیَشْفِ جواب امر ہیں جو قَاتِلُوْ ہے ویتوب جملہ مستانفہ ہے ان تترکوا جملہ مفعول حسبتم۔

تفسیر: ان آیات میں کفار سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے اور مسلمانوں کو ان سے نہ جنگ کرنے میں عار دلاتا ہے کہ تم ان مشرکوں سے کیوں نہیں لڑتے کہ جنہوں نے عہد توڑ ڈالے اور انہوں نے مکہ سے رسول کے نکالنے کا قصد کیا۔ دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا تھا جس کی تفصیل اوپر گذری اور انہوں نے پہلے تم سے چھیڑ کی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ان سے ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے عمرہ کے لئے مکہ کا قصد کیا۔ آپ تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب مکہ کے قریب ایک جگہ آئے جس کا نام حدیبیہ ہے جو مکہ سے تخمیناً نو میل براہ قدیم مدینہ کی جانب واقع ہے تو مشرکین مکہ آمادہ جنگ ہوئے اور مانع آئے۔ آخر باہم صلح ہوگئی کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر اور نہ کوئی باہم ایک دوسرے کے حلیف کو ستا دے۔ آپ وہیں سے مدینہ واپس چلے آئے۔ اطراف مکہ میں قبیلہ بنی بکر قریش کے عہد میں آ گیا اور خزاعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں آیا۔ ان دونوں میں مدت سے عداوت تھی۔ ایک بار بنی بکر کا ایک شخص دف پر آنحضرت ﷺ کی ہجو کر رہا تھا، خزاعہ کے ایک شخص نے منع کیا۔ اس نے نہ مانا تو اس کا دف توڑ ڈالا۔ اس نے اپنی قوم سے فریاد کی، باہم دونوں قبیلوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ بنی بکر نے قریش سے مدد طلب کی باوجود معاہدہ کے چند سفہاءِ قریش عکرمہ بن ابی جہل و صفوان بن امیہ و سہل بن عمرو وغیرہم نے لباس بدل کر خزاعہ پر شب خون مارا۔ یہ وہ اول بار ان کی عہد شکنی تھی جس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی حضور میں فریادی آیا۔ تب آپ نے آٹھویں سال ہجری میں مکہ پر لشکر کشی کر کے مکہ کو فتح کیا۔ فرماتا ہے کیا ان سے ڈرتے ہو ڈرنا تو اللہ سے چاہیے۔ ان سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھ سے مغلوب کرے گا جس سے ایمانداروں کے دل ٹھنڈے ہوں گے اور دل کا غبار نکلے گا اور ان میں سے جس کو چاہے گا توبہ بھی نصیب کرے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ کفارِ عرب مقہور و مقتول و مغلوب بھی ہوئے فتح مکہ میں اور اس کے بعد ہزاروں اسلام بھی لائے۔ ام حسبتم یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ نہ ہوگا کہ جماعتِ اسلام میں اگر یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ اور امتحان نہ کیا جاوے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کون ہیں اور کس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا غیر کو دلی دوست نہیں بنایا؟ یہ کسوٹی ہے تم اس پر کسے جاؤ گے جو اس پر کھرا رہا وہی حقیقی ایماندار ہے ورنہ منافق ہے جہاد سے غرض قتال نہیں بلکہ اخلاص ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٧ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾
اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ لا
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

وقف لازم

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اور خود کفر کا اقرار بھی کرتے جائیں۔ یہی ہیں جن کے عمل اکارت گئے اور دوزخ میں یہی ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کیا کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا ہوا اور خدا کے سوا کسی سے ڈرتا بھی نہ ہو۔ انہیں سے توقع ہے کہ ہدایت پاویں۔ کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا آباد کرنا اس شخص کے برابر کر دیا ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہوں گے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہیں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد بھی کیا تو ان کے خدا کے نزدیک بڑے درجے ہیں اور یہی ہیں کہ جو اپنی مرادوں کو پاویں گے۔ ان کا خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغوں کا مژدہ دیتا ہے کہ جن میں ناز و نعم دائمی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

ترکیب: شَاهِدِيْنَ حال ہے فاعل يَعْمُرُوْا سے اِن يعمروا کان کا اسم للمشرکین خبر۔ فی النار ظرف مقدم ہے تخصیص کے لئے۔ من موصولہ آمن و معطوف تھا صلہ سب فاعل یعمر سِقَايَةَ مصدر کالعمارۃ وصحت الیاء لما کانت بعدھا تاء، تانیث والتقدیر اجعلتم اصحاب السقایۃ الخ مثل من امن الذین الخ مبتداء اعظم خبر۔

تفسیر: مکہ کے بت پرست قدیم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور ایامِ حج میں لوگوں کو پانی بھی پلایا کرتے تھے۔ اسلام کے مقابلہ میں وہ اپنی نیکیوں پر فخر کرتے تھے کہ ہم مجاورِ بیت اللہ اور اس کے خادم ہیں۔ ہم سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کس کا رتبہ ہے؟ پھر اس پر محمد (ﷺ) ہم سے لڑنے اور عہد تمام کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ یہود نے بھی اس بارہ میں تصدیق کر کے یہی کہا تھا کہ تم ہی عند اللہ بڑے درجے رکھتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسلمانوں میں سے بھی جو مکہ میں رہتے تھے اور ہجرت کر کے مدینہ میں نہ آتے تھے۔ مسلمانوں کی ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ اور اعانتِ رسول کریم پر اپنے ان اعمال تعمیر مسجد الحرام اور پانی پلانے کو فوقیت دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جواب میں جو انہوں نے ملامت کر کے ہجرت کی تاکید کی) یہی کہا تھا۔ فرماتا ہے مشرکین کا کام مساجدِ الٰہی کی تعمیر کرنا نہیں کس لئے کہ وہ کفر کے مقر اور شرک کے مرتکب ہیں اور مساجد کی آبادی خواہ تعمیرِ عمارت، خواہ اس کی رونق اور وہاں رہ کر عبادت کرنا خلوص اور توحید پر مبنی ہے سو وہ ان میں کہاں؟ بلکہ ان کے کفر و شرک نے ان کے اچھے کام تعظیم والدین، مہمان نوازی وغیرہ کو بھی اپنی تاریکی میں ڈھانک لیا اور اپنے شعلے سے جلا دیا۔ اس لئے یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یعنی ان کے اس کام کا کچھ ثواب

نہیں بلکہ ان کا کام کالعدم ہے۔ فرماتا ہے کہ مساجد کی تعمیر تو ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے، نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، سو ان کے لئے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں یعنی ان کا راہ صواب پر ہونا قرین قیاس ہے۔ عسیٰ کلام الٰہی میں فائدہ یقین دیتا ہے۔ یہ ان کی پہلی نیکی کا جواب ہے۔ رہا حاجیوں کا پانی پلانا کہ جس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی فخر تھا اور جس کو وہ جہاد اور ہجرت کے برابر سمجھتے تھے۔ اس کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ کام اللہ اور قیامت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کام ان کو سعادت کا رستہ نہیں دکھاوے گا۔ سعادت تو جان اور مال اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے سو وہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ واضح ہو کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہیں۔ روح، بدن، مال۔ جب تک وہ ان تینوں کو مہذب اور درست نہ کرے گا سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ روح کی تہذیب یہ ہے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان لاوے، مبدء و معاد ذکر کرنے سے یہ غرض کہ جو ان کے وسائل ہیں ملائکہ اور اللہ کی کتابیں اور اس کے رسول پر ایمان لانا موقوف علیہ ہے بغیر ان کے مبداء و معاد پر ایمان قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے اور جب روح منور ہو جاتی ہے تو وہ اپنے حیز طبعی عالمِ نور اور عالم سرور کی طرف بے خود ہو کر کھنچتی ہے اور اپنے ساتھ اس جسم اور اس کے مایۂ عیش اور شہوات کے اور مال کے صرف کرنے کا موقع بنی نوع کی نفع رسانی اور ان کو ورطۂ ہلاکتِ جاودانی سے نکال کر کرسیِ سعادت پر بٹھانے میں ہے اور اپنے محبوبِ حقیقی کا نام پاک زمین پر روشن کرنے میں اور اس رستہ میں جو سدِّ راہ ہیں ان کے دور کرنے میں ہے اور اس کا نام جہاد ہے۔ جہاد کیا ہے گویا جلتوں کو آگ میں سے نکالنا یا ڈوبتوں کو تھامنا ہے۔ اس میں جان اور بدن اور مال تینوں صرف ہوتے ہیں اور ان کی پوری تہذیب اور آراستگی ہو جاتی ہے اور یہ لوگ گویا ہمیشہ کے لئے توحید اور حق پرستی کا نشان زمین پر چھوڑ جاتے ہیں یا سعادت کا مدرسہ یا حیاتِ جاودانی کا چشمہ جاری کرتے ہیں جس کے صلہ میں ان کو سعادتِ عظمیٰ اور حیاتِ جاودانی عطا ہوتی ہے۔ اس لئے اول ان کے مساعی جمیلہ کو بیان فرماتا ہے اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ یہ تین کام ہوئے۔ ایمان لانا، ہجرت کرنا، جہاد کرنا اب ان کے نتائج ذکر کرتا ہے اولئك اعظم درجة عند الله کہ ان کا درجہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ واولئك هم الفائزون اور وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ کہ ان کا رب اپنی رحمت کی انہیں بشارت دیتا ہے۔ (اپنی رحمت اور ان کا رب جو کچھ مقامِ عشق میں لطف دے رہا ہے بیان سے باہر ہے) یہ تیسری بات ہوئی۔ جس میں تین چیزیں ہیں اول رضوان اپنی خوشنودی کی بشارت کہ اللہ ان سے ہمیشہ خوش رہے گا۔ دوم جنت یعنی ایسے باغ ملیں گے کہ جن میں نعیم و نازِ دائمی ہیں۔ سوم اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہ تین انعام تو ان کے تین مساعیِ جمیلہ کے بدلہ میں تھے مگر اپنی طرف سے خدا تعالیٰ ایک اور بڑھ کر انعام کا مژدہ سناتا ہے۔ وہ کیا اجر عظیم۔ اس کی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اجرِ عظیم دیدارِ الٰہی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی اجر نہیں۔ اس بشارت میں خلفاءِ[1] اربعہ بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ اب ان فضائل اور ان اوصاف کے مقابلہ میں تعمیرِ مسجد اور حاجیوں کو پانی پلانا کیا ہے۔ فرض کرو کہ کسی نے سونے کی مسجد بنائی اور شربت اور دودھ کی سبیل لگائی۔ پھر کیا یہ کام ابقاءِ اسلام اور احیاءِ ملتِ خیر الانام کے حق میں اشاعتِ علوم اور بناءِ مساجد اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آج کل جو مسلمانوں کا ستارہ پستی پر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو نیکی بھی نہیں آتی۔ ایک فریق جو حامیِ قوم اور ریفارمر اٹھا تو انہوں نے دین اور اسلام کو سلام کر کے محض انگریزی تعلیم اور ان کی وضع کو وسیلۂ ترقی جانا۔ اول تو اس میں حصولِ دنیا نہیں اور جو ہو تو اسلام کی پروا نہیں مرتد ہی کیوں نہ ہو جائے پر کوئی نوکری مل جائے۔ اگر ایسا ہو تو اسلامیوں کو کیا خوشی ہو گی۔ سینکڑوں عیسائی دولتمند ہیں، ہوا کریں نہ ان کو خدا کے کلام اور پیغمبر علیہ السلام کے علوم باقی رہنے کی فکر نہ اس کی کوئی تدبیر دوسرا فریق ایسا اٹھا کہ اس نے بدعات میں سرگرمی کرنا باعثِ اجرِ

[1] فضائلِ خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم۔

عظیم سمجھ لیا ہے۔ ان کے نزدیک ابقاءِ اسلام اور کارِ خیر ہے تو یہ ہے۔ برخلاف ان کے مخالفوں کی مفید کوششیں کیا غضب ڈھا رہی ہیں۔ کہیں زنانہ مدارس ہیں کہیں واعظ ملکوں میں پھرتے ہیں۔ کہیں تصانیف کا بازار گرم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

ایمان والو! تم اپنے باپ اور بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے عزیز رکھیں اور جو کوئی تم سے ان کی رفاقت کرے گا تو وہی ظالم ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر تم کو اپنے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت کہ جس کے مندہ ہو جانے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات کہ جن میں تم پسند رکھتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے عزیز تر ہیں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب لا دے اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ البتہ بہت سے موقعوں میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے (خصوصاً) حنین کے دن جبکہ تم اپنی کثرت دیکھ کر اترائے۔ پھر تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور باوجود وسیع ہونے کے تم پر زمین تنگ آ گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر خدا نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر دلجمعی بھیجی اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو سزا دی اور یہ ہے کافروں کا بدلہ۔ پھر اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا توبہ نصیب کی اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: اولیاء جمع ولی مفعول لاتتخذوا ان شرط جملہ ماقبل دال بر جزا۔ حسب خبر کان یہ تمام جملہ شرط فتربصوا جواب یوم حنین مواطن سے بدل جو نصر کم ظرف ہے۔ اذ کا عامل نصر ہے تغن کا فاعل ضمیر جو کثرت کی طرف راجع ہے۔

تفسیر: مسلمانوں کو کفار سے اعلاناً جنگ کا حکم دیا گیا جہاں فریقِ مخالف میں سے ان کو اپنے بال بچوں کنبہ برادری سے لڑنا پڑتا تھا۔ ایک

شخص مسلمان اور باقی کافر دشمنِ اسلام۔ ایسی صورت واقع تھی اور نیز عموماً ہجرت کا بھی حکم صادر ہوا تھا جس میں کنبہ بھائی بند جگر کے ٹکڑے چھٹتے تھے۔ تجارت بگڑتی تھی۔ افلاس کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں جو انسان کو فطرتی طور پر جہاد و ہجرت سے باز رکھتی تھیں مگر ملاءِ اعلیٰ میں دنیا پر راستی اور توحید کے انوار پھیلانے کا ذریعہ مسلمانوں کا مدینہ میں مجمع ہو کر جہالت اور کفر و بت پرستی کی سیاہی کو آب شمشیر سے دھونا قرار پا گیا تھا۔ اس لئے بتاکید حکم دیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اے گروہِ مومنین! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر پسند کریں تو تم ان کو دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا وہ بے انصاف و ظالم ہوگا اور اگر تم کو اپنے اقارب اللہ اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر محبوب معلوم ہوں تو دیکھو پھر خدا کیا کرتا ہے یعنی تم پر بھی بلاءِ آسمانی نازل ہوتی ہے۔

غزوۂ حنین میں ملائکہ کا نازل ہونا: اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ تم اپنی کثرت و شوکت پر نازاں نہ ہونا صرف مددِ آسمانی تمہارے ساتھ ہے جس نے تم کو بہت مواقع میں فتح مند کیا جہاں کہ تمہاری کچھ بھی قوتِ ظاہری نہ تھی اور خصوصاً[1] جنگِ حنین میں کہ جہاں تمہارے پاس بہت کچھ سامان اور بہت لشکر تھا جس پر تم کو ناز ہوا تھا۔ باوجودیکہ تمہارے مخالف کم تھے وہاں تمہارا ناطقہ بند ہو چلا اور تم پر زمین تنگ آ گئی تھی۔ وہاں تمہاری کثرت کچھ بھی کام نہ آئی۔ آخر پھر ہم نے تم پر مددِ غیبی بھیجی۔ تمہارے دل میں جرأت ڈالی اور تمہاری مدد کو ایسی فوج ملائکہ کی اتاری جس کو تم نہیں دیکھتے تھے جس سے مخالفین کو مقہور کیا ان کے کفر کی وجہ سے۔ پھر اس کے بعد خدا نے توبہ نصیب کی۔ بھاگنے والوں کو بھی جو جنگ سے بھاگے تھے اور نیز کفار میں سے بھی داخل زمرۂ اسلام ہوئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۵

---

[1] آٹھویں سال ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا تو دو ہزار اس وقت کے نومسلم اور بہت سے انصار و مہاجرین جن کے مجموعہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں کوئی دس ہزار کوئی بارہ ہزار کہتا ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف چلے جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جب کہ مکہ فتح کیا تو ہوازن اور ثقیف جو وہاں دو قبیلہ تھے۔ انہوں نے از راہِ تکبر یہ کہا کہ محمد (ﷺ) نے مکہ کو فتح کر لیا۔ وہاں کے لوگ جنگ سے ناآشنا تھے۔ ہم سے لڑے تو معلوم ہو۔ لیجئے اس سے پہلے ہم ہی اس پر گرتے ہیں۔ ہوازن کا سردار ملک بن عوف تھا۔ ثقیف کا کنانہ بن عبدیالیل انہوں نے تخمیناً چار ہزار سپاہ جمع کر کے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں پہاڑ کی تنگ گھاٹیوں میں تیر اندازوں کو بٹھا رکھا تھا۔ شنبہ کے روز شوال میں کوچ کیا اور لشکرِ اسلام ان گھاٹیوں میں آیا۔ نومسلم تیروں کی تاب نہ لا کر بھاگ اٹھے۔ ان کے ساتھ مسلمان بھی بھاگ پڑے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ عباس اور ابوسفیان بن حارث اور چند لوگ ٹھہرے رہے۔ آنحضرتؐ نے ایک مشتِ خاک اٹھا کر مخالفوں کی طرف پھینکی جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اور سب کی آنکھوں میں جا پڑی اور عباس رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو پکارا تو سب دوڑ پڑے اور ملائکہ آسمان سے ابلق گھوڑوں پر نمودار ہوئے کفار نے ہزیمت پائی مع مال و اسباب لشکرِ اسلام کے اسیر ہوئے۔ ۱۲ منہ

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ڽ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

مسلمانو! مشرک تو نرے گندے ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو تنگدستی[1] کا ڈر ہے تو اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے ابھی غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ خبردار، حکمت والا ہے۔ ان لوگوں سے بھی لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ حرام سمجھتے ہیں اس چیز کو کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں اور اہل کتاب سے (لڑو) جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ماتحت ہو کر جزیہ نہ دیویں اور یہودی کہہ چکے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہہ چکے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ تو[2] ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ اپنے سے پہلے کافروں کی ریس[3] کیا چاہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بہکے جاتے ہیں! انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبانوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی رب بنا لیا اور ان کو حکم تو یہی دیا گیا کہ خدائے واحد کی پرستش کرتے رہیں جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔

ترکیب: نجس بفتح بجیم بمعنی ناپاکی نجاستہ العین مصدر ہے مذکر مونث پر اطلاق ہوتا ہے بکسر الجیم ناپاک نجاستہ حکمی خبر ہے المشرکون کی۔ المسجد الحرام لایقربوا کا مفعول بعد متعلق ہے لایقربوا بعد عامهم سے بدل یا بیان ہے وان خفتم شرط فسوف الخ جواب۔ ولا معطوف ہے باللہ پر باعادۃ الجار ولا یحرمون لایومنون پر اور اسی طرح ولا یدینون من بیان ہے الذین کا حتی غایۃ ہے قاتلوا کی۔

تفسیر: ان آیات میں دو حکم صادر فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ مشرکین اس سال کے بعد کہ جس میں یہ حکم سنایا گیا ہے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ میں نہ آنے پاویں کیونکہ ناپاک ہیں جنس کے لفظ سے بعض علماءِ ظاہریہ نے مشرکین کو نجس العین سمجھا ہے۔ ان کا ہاتھ بھی کسی پاک چیز سے لگنا درست نہیں۔ امامیہ بھی اسی طرف گئے ہے مگر جمہور علماءِ اسلام اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ وہ نجس العین نہیں کیونکہ خدا نے ان کا کھانا پینا حلال کیا اور ان کے برتنوں سے مسلمانوں نے قرنِ اول میں پانی لیا اور پیا۔ ان کی نجاست باطنی ہے یعنی کفر و شرک اور ظاہری بھی ہے تو بقول قتادہ یہ ہے کہ وہ غسلِ جنابت نہیں کرتے، ناپاکی سے احتراز نہیں کرتے اور مسجد الحرام کے سوا اور مساجد میں داخل ہونے کی بابت اختلاف ہے۔ اہل مدینہ جمیع مساجد سے منع کرتے ہیں۔ امام شافعی و ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور مساجد میں آنے کی ممانعت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھا تھا اور وفدِ ثقیف کو وہیں اتارا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ میں بھی

1. کہ ان کے نہ آنے سے تجارت بند ہو جاوے گی۔ ۱۲ منہ
2. یعنی بے اصل باتیں ہیں۔ ۱۲ منہ
3. پہلے بت پرست قومیں بھی اپنے دیوتاؤں کو ایسا ہی سمجھتی تھیں۔ مصر کے لوگ اور روم کے باشندے اور کنعان کی قومیں سو انہوں نے ان کی پیروی اختیار کی ہے۔ حالانکہ انبیاءِ بنی اسرائیل کی معرفت خدائے واحد کی پرستش کا حکم ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

داخل نہ ہونے دینے سے یہ مراد ہے کہ زور شوکت کے ساتھ نہ جاویں لفظ نجس تو یہی کہہ رہا ہے کہ مقاماتِ مقدسہ میں نہ جانے پاویں اور اسی پر علماء کا عمل ہے۔ (ک) دوسرا حکم یہ ہے کہ زمین پر توحید و راستی پھیلاؤ اس کے مخالفوں کی شوکت توڑو۔ یہ اسلام کا اعلیٰ کام ہے۔ پس جب اسلامیوں کو ان سے مقابلہ کی قدرت ہو تو اول ان کو ہدایت کی طرف بلایا جاوے۔ اگر نہ مانیں تو ان کو اعلانِ جنگ کر کے اطاعت اسلام اور جزیہ[1] دینے پر مجبور کیا جاوے خواہ وہ کافر اہل کتاب ہوں یا مجوس خواہ کسی ملک کے ہوں مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خاص عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہ لیا جاوے یا وہ ملک چھوڑ دیں یا وہ اسلام قبول کریں اور عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے۔ پھر جزیہ کی مقدار میں کلام ہے۔ عطا اور یحییٰ بن آدم و ابوعبید و ابن جریر کہتے ہیں کہ شرع نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جیسا کہ موقع ہو اور جو قرار پا جاوے اور آنحضرت ﷺ نے جو اہلِ یمن اہلِ بحرین وغیرہ سے لیا وہ کوئی مقرر تعداد نہیں ہوئی مگر امام شافعی رحمہ اللہ آنحضرت ﷺ کے فعل کو حد معین کر کے ایک دینار اور امام ابوحنیفہ بارہ چوبیس اڑتالیس درہم علی حسبِ استطاعت مقرر کرتے ہیں۔ اہلِ کتاب سے جنگ کرنا اور جزیہ یعنی رعیت بنا کر ٹیکس لینا فرمایا تھا۔ اب ان کی وہ حرکات ناشائستہ بیان فرماتا ہے جن کے سبب یہ حکم دیا گیا: اول یہود سے شروع کیا کہ انہوں نے عزیر یعنی عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہا تھا۔ یہ سب یہود نے نہیں کہا تھا بلکہ ایک خاص فرقہ نے جو بقول بعض علماءِ یہود بنی قریظہ تھے اور پھر نصاریٰ کا حال بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ بجز بعض فریق کے نصاریٰ کے جملہ فرقوں کا آج تک یہی عقیدہ ہے۔ فرماتا ہے یہ انہوں نے اپنے سے پہلے گمراہوں کی تقلید کی ہے۔ وہ بھی اپنے معتقد علیہ بزرگوں کو بڑھاتے بڑھاتے خدا یا اس کا بیٹا ہی بنا کر چھوڑتے تھے۔ ان پر اللہ کی مار کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ خلافِ عقل و نقل بات پر اڑ رہے ہیں اس کے سوا ان دونوں فرقوں نے ایک اور غضب ڈھا رکھا تھا۔ وہ یہ کہ یہود نے اپنے احبار یعنی مولویوں کو اور نصاریٰ نے راہبوں اپنے درویشوں کو اور مسیح کو خدا بنا رکھا تھا۔ احبار رہبان کو خدا بنانے[2] کی یہ صورت تھی کہ خلافِ عقل و خلافِ توریت و انجیل جو کچھ فتویٰ دیتے تھے اس کو خدا کے حکم کے برابر جانتے تھے۔ رومہ کے پوپ خدائی کرتے تھے۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

النصف

[1] جزیہ دینا ہی ان کی ذلت ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں نہ کہ اور زیادہ اہانت۔ ۱۲ منہ

[2] اسلام میں بھی جو اپنے مشائخ اور ان کی قبور سے ایسا کرتے ہیں کہ ان کو سجدہ کرتے اور قاضی الحاجات جانتے اور خلاف شریعت باتوں کو مانتے ہیں اسی میں داخل ہیں۔ اتخذوا احبارہم۔ الخ

مگر علماءِ دین اور آئمہ مجتہدین کے ان فتوؤں کے پیرو جو وہ کتاب و سنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں اس میں داخل نہیں ہو سکتے ان کا مسائلِ مذکورہ میں اتباع خدا اور رسول کا اتباع ہے۔ ۱۲ منہ

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تو اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہ رہے گا اور کافر پڑے برا مانا کریں گے۔ وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرکوں کو ناگوار گذرے۔ ایمان والو! بہت سے احبار اور رہبان تو لوگوں کا فریب سے مال کھا رہے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے رستہ سے روک رہے ہیں اور (یہ وہ) لوگ ہیں جو سونا اور چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ سو ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو جس دن کہ اس مال کو دوزخ کی آگ سے تپایا جاوے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پیٹھوں پر داغ دیا جاوے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ مال ہے کہ جس کو تم اپنے لئے گاڑ گاڑ کر رکھتے تھے۔ لو اپنے جمع کئے ہوئے مال کا مزہ چکھو۔

ترکیب: ان يطفئوا مفعول يريدون یا اس کی تفسیر۔ لياكلون خبر ہے ان کی ویصدون اس پر معطوف والذين مبتداء يكنزون خبر عليها مفعول مالم يسم فاعله يحمٰى کا جو یوم کا معنی عامل ہے ای يعذب في يحمٰى سے متعلق جباههم الخ مفعول مالم يسم فاعله تكوى کا بها تكوٰى سے متعلق اس کا آلہ هذا مبتدا ما كنزتم الخ خبر۔

تفسیر: کافروں کے پہلے تین عیب قابلِ جنگ وتقریر جزیہ بیان فرمائے تھے: اول یہ کہ وہ دینِ الٰہی کے برخلاف چلتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ دوم یہ کہ یہود نے عزیر اور نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ تو اب تک مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہود میں سے یہ بات سب نے نہیں کہی تھی بلکہ مدینہ کے بعض یہود نے اور بعض شام کے یہود بھی ایسا کہتے تھے جس لئے اس حماقت کا قوم پر الزام دیا گیا۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

سوم یہ کہ وہ اپنے مشائخ اور درویشوں کے یہاں تک تابع ہوئے کہ ان کو خدا کی طرح حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھنے لگے۔ باوجودیکہ ایسی باتوں کی ممانعت کی گئی تھی مگر نہ مانا۔ پہلی قوموں کی مانند جاہل ہو گئے۔ تاریکی میں پھنس گئے۔

پیشین گوئی در بابِ ظہورِ اسلام: اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ نے جو ان کو تاریکی میں سر ٹکرانے سے نجات دینے کے لئے ایک چراغِ ہدایت روشن کیا تو اس کو پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں۔ اپنے منہ کی بیہودہ باتوں اور لغو اعتراضات سے پیش آتے ہیں۔ پر کیا ہوتا ہے اللہ تو اپنے نور کو پھیلا ہی کر رہے گا، گو وہ اس کو نہ چاہیں یعنی اس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ سب غلط اور

[1] یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان جو کچھ جال پھیلاتے اور بہروپ بدلتے تھے سب مال و زر کے لئے تھا جس کا انجام جہنم میں داغ دیا جانا ہو گا۔ یہود و نصاریٰ پر کیا موقوف ہے یہ مال و زر کی طمع ایسی بلا ہے کہ جس سے بشر بمشکل نجات پا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے بعض گروہ کو بھی اس مرضِ مہلک نے ہلاک کیا اور اولیاء کرام کا بہروپ بدل کر درویشوں، پیرزادوں نے وہ ڈھونگ بنائے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کہیں میلہ، کہیں نذر و نیاز کا طریقہ اور پھر اس بزرگ کے خدائی اختیارات کی حکایات اور پھر ان علماءِ سوء کا ان کی تاویلات کرنا اور علمی قلعی چڑھا کر رواج دینا، کہیں راگ رنگ کی مجالس کو اور جملہ لہو و لعب کو دین بنانا اور بحث میں علمی زور دکھانا۔ پھر پیر جی کا خلافِ شرع اپنی تعظیم و تکرمت کے احکام جاری کرنا، سجدے کرانا، نذرانے وصول کرنا اور در پردہ شہوات و لذات کے مزے اڑانا سب اگلے احبار و رہبانوں کی تقلید ہے۔ حق سبحانہ اپنے نبی پاک کی محبت اور اتباع نصیب کرے۔ آمین۔ ۱۲ منہ

پُر اوہام مذہب پر غالب ہو کر بنی آدم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے۔ سو وہ دینِ حق کو غالب ہی کر کے رہے گا۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایسا ہو چکا یعنی وہ روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور عہدِ مہدی علیہ السلام میں پھر پھیلے گی۔ یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے۔ وہ لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج کل مشنری کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو ان کے فریب سے ان میں ایک خباثت کا نشان بتلا کر مطلع فرماتا ہے کہ وہ مکاران فریبوں سے مال مارتے اور اس کو جمع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے جیسا کہ ہندوؤں کے برہمن اور پنڈت کرتے ہیں۔ سو ایسے لالچیوں کی بات کا کیا اعتبار ہے؟ ایسے مال سے قیامت میں تپا کر ان کے منہ اور پیٹھ اور پہلو داغ دیے جاویں گے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور بعد زکوٰۃ دینے کے مال جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷

جس دن سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اس دن سے اللہ کے دفتر میں تو مہینوں کا شمار بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار ادب کے مہینے ہیں۔ یہ رستہ تو سیدھا ہے۔ سو تم ان مہینوں میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو (ناحق لڑ کر) اور سب مشرکوں سے لڑو جس طرح کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور واضح ہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مہینے کا ہٹا دینا صرف کفر کی بدعت ہے، جس سے کافر دھوکا دیے جاتے ہیں کہ کسی سال میں تو اس کو (لوند کے مہینہ کو) حلال اور کسی حال میں حرام سمجھ لیتے ہیں تاکہ خدا کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر کے جس کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال بنا لیویں۔ ان کی بدکرداریاں ان کو بھلی کر کے دکھائی گئی ہیں اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

ترکیب: اِثْنَا عَشَرَ ممیز شَهْرًا تمیز یہ خبر ہے ان کی۔ عدۃ ای عدد الشهور اسم ان فی کتاب اللہ صفت ہے اثنا عشر کی۔ یوم کتاب کا معمول ہے کیونکہ یہ مصدر ہے منہا الخ جملہ صفت ہے اثنا عشر کی اور یہ جملہ مستانفہ اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ النسیء کی خبر زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ اس کی صفت یضل صفت ثانی یحلونه جملہ صفت ہے فاعل کفروا کی لیواطئوا ای لیوافقوا عدۃ ای عددا۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو خدا بنا لیا یعنی حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھا۔ یہاں مشرکینِ عرب کی طرف خطاب ہوتا ہے کہ وہ کیا اس بات سے خالی ہیں؟ پھر ان باتوں میں سے ایک بات بیان فرماتا ہے جو جہاد و قتال سے مناسب تھی۔

وہ یہ کہ عہدِ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ ان چار مہینوں کی نہایت تعظیم

کرتے تھے۔ان میں مار دھاڑ چڑھائی سب موقوف ہو جاتی تھی۔ کوئی اپنے دشمن کو بھی نہ چھیڑتا تھا۔امن عام ہو جاتا تھا اور وہ مہینے یہ تھے ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم، رجب لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت بھی ایجاد کر رکھی تھی کہ جب ان کو کسی سے لڑنے بھڑنے کی ضرورت آ پڑتی تو ان میں سے ایک مہینے کو ہٹا دیتے تھے مثلاً محرم کو صفر کے بعد ڈال دیتے تھے اور باوجودیکہ لڑنا منع تھا۔محرم کو صفر قرار دے کر لڑتے بھڑتے اور یہ ایجاد بعض کہتے ہیں بنی کنانہ میں سے ایک شخص نعیم بن ثعلبہ کا تھا اس کے جانشینوں میں سے حضرت ﷺ کے عہد تک جنادہ بن عوف زندہ تھا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس کا موجد عمرو بن لحی تھا جس کی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اس کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے دیکھا۔(صحیح مسلم)

اس کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں تو جس دن سے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں بارہ مہینے سے ہیں جن میں یہ چار حرام ہیں یعنی واجب الاحترام۔سوان میں اے مسلمانو! زیادہ تر احتیاط کرو ظلم نہ کرو اور جب کفار تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔(النسی ءمصدر کا طریق وقیل مفعول کالجریح من النسیۃ بمعنی التاخیر منہ و النسیۃ فی البیع وقیل من النسیان علی معنی المتروک)اور مہینے کا ہٹا دینا کفر کی رسم ہے۔حرام کو حلال کرنے کے لئے بعض کہتے ہیں کہ سردی گرمی کے موسم کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسیوں کے مطابق کرتے تھے تاکہ حج موسم خاص میں آیا کرے۔چنانچہ جس سال آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو مہینہ قمری اپنے اصلی موقع پر تھا۔تب آپ نے فرمایا کہ ان الزمان قد استدار کھیئۃ الحدیث (بخاری) اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں ان چار مہینوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں۔ ہر مہینے میں گناہ اور ظلم ممنوع ہے۔بعض کہتے ہیں ان کی زیادہ رعایت ہے۔اگر کافر ان میں چڑھائی نہ کریں تو ابتداءً مسلمانوں کو بھی ان مہینوں اور مسجد الحرام کے پاس جنگ نہ کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ایمان والو! تمہیں کیا ہوا کہ جب تم کو خدا کی راہ (جہاد میں) باہر چلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر لیٹے جاتے ہو۔کیا آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر بیٹھے ہو۔سو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی آسائش ہے کیا بہت ہی کم۔اگر تم باہر نہ نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ اور لوگ پیدا کر دے گا اور تم اس کا

کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوگا) خود اللہ اس کی مدد کر چکا ہے جبکہ اس کو کافروں نے (اس طرح) نکال دیا تھا کہ دو میں دوسرا ابھی تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ اس وقت وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ کچھ غم نہ کر کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور اس کی ایک ایسے لشکر سے مدد کی کہ جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کی بات کو ہیٹا کر دیا اور اللہ ہی کی بات ور ہے اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِثَّاقَلْتُمْ الکلام فیھا مثل الکلام فی ادرأتم ماضی بمعنی مضارع ای مالکم تتثاقلون اور موضع اس کا نصب ہے ای ای شئ لکم فی التثاقل من الآخرۃ فی موضع الحال ای بدلا من الآخرۃ ثانی اثنین حال ہے نصرہ کی ضمیر مفعول سے احد اثنین والآخر ابوبکر اذ بدل ہے پہلے اذا سے اذیقول بدل ثانی ہے۔

تفسیر: ہجرت کے نویں سال آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپس آتے ہی جنگِ تبوک کا اعلان کر دیا تھا کیونکہ شام سے ایک قافلہ نے آ کر خبر دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو اس کے خوشامدیوں نے یہ خبر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اور اس کے ملک میں قحط ہے۔ لوگ بے سرو سامان ہیں۔ ایسے وقت میں اس کا ملک آسانی سے ہاتھ آ سکتا ہے اس لئے اس نے ایک شخص قباد کو چالیس ہزار فوج کا کمان افسر مقرر کیا اور عرب کے نصرانی قبائل لخم و جذام و عاملہ و غسان وغیرہ کو مدد کے لیے معین کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ خبر پا کر لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کیا اور مسلمان قبائلِ عرب میں نقیب بھیج دیے کہ جلد مع ساز و سامان آویں چونکہ اس سال قحط تھا اور وہ دن گرمی کے تھے اور کھجوروں کا موسم تھا اور سفر بھی دور کا تھا اور شاہِ روم سے مقابلہ کی خبر تھی۔ مسلمانوں میں نہایت تنگدستی تھی کہ فقراء صحابہ میں دس کے پاس ایک سواری اور کرم خوردہ اور سڑی چربی کے سوا خوراک نہ تھی۔ منزلوں پانی نہ تھا۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ و جیش العسرۃ و غزوہ فاضحہ بھی کہتے ہیں کہ جس میں منافقوں کی فضیحت ہوئی۔ ان وجوہ سے لوگ خصوصاً منافقین آرام طلب چلنے سے درنگ کرتے تھے۔ تب یہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نازل ہوئی جس میں مسلمانوں پر تہدید و تاکید شدید ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ نے اس سخت وقت میں مدد کی ہے کہ جب اس کے پاس کوئی سامان بھی نہ تھا اور وہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا ہے جس کی تشریح صحیح بخاری و دیگر کتب میں بہت کچھ ہے جس کا خلاصہ جو آیت کے الفاظ سے متعلق ہے یہ ہے کہ جب مکہ میں کافروں کا ظلم و ستم حد سے گذر گیا اور دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے قتل کی تدبیر کی تو آنحضرت ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس راز سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا تو شب کو موقع پا کر دونوں صاحب جبلِ ثور میں جو مکہ سے تخمیناً تین میل ہے ایک غار میں آ چھپے۔ آپ کے ساتھ دوسرے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ثانی اثنین اس جگہ میں تین رات رہے۔ کفارِ قریش ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ ان کے پاؤں اوپر پھرتے چلتے غار میں سے دکھائی دیتے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نسبت خیال کر کے کہ مبادا گرفتار ہو جاویں غم کرتے تھے جس پر آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ کچھ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ نے اس پر اطمینان نازل کیا اور ملائکہ کی فوج سے مدد کی جو کفار کو ادھر سے ان کے دل میں خیال واپسی پیدا کر کے واپس کرتے تھے۔ آخر کافروں کی بات پست ہوئی اور خدا کا بول بالا ہوا۔ وہ نور جو فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تھا۔ آخر کار تمام عالم میں پھیلا۔ وہ حکمت والا زبردست ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ

بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا
خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

ہلکے اور بوجھل ہو کر (یعنی سامان اور بے سامانی کے ساتھ ہر حالت میں) جہاد کے لئے نکلو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے (بہت) بہتر ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ اگر سرِ دست نفع ہوتا اور سفر بھی کم ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو دور دراز کی مشقت دکھلائی دی اور وہ بھی اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم کو قدرت ہوتی تو آپ کے ساتھ نکلتے (جھوٹی قسمیں کھا کر) اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے ان کو اجازت ہی کیوں دی یہاں تک کہ آپ کو سچے خود ہی ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو (الگ) معلوم کر لیتے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے میں آپ سے (گھر رہنے کی) اجازت نہیں مانگتے[1] اور اللہ ہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے رخصت تو وہی لوگ مانگا کرتے ہیں کہ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر اور ان کے دل میں شک پڑے ہوئے ہیں۔ سو وہی اپنے شک میں بھٹکتے رہتے ہیں اور اگر باہر نکلنا چاہتے تو اس کی کچھ تیاری بھی کرتے لیکن خود اللہ ہی کو ان کا اٹھنا پسند نہ ہوا۔ سو ان کو بٹھلا دیا اور کہہ دیا گیا کہ اور بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو اور اگر تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تم میں کچھ خرابی ہی پیدا کرتے اور تم میں فتنہ پیدا کرنے کے لئے کوشش کرتے اور تم میں ان کے جاسوس (سننے والے) بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ انہوں نے پہلے بھی فتنہ کرنا چاہا تھا اور آپ کے لئے (بہت کچھ) جوڑ توڑ لگائے تھے۔ یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہ گئے۔

ترکیب: خِفَافًا وَّثِقَالًا حال ہیں ضمیر فاعل انفروا سے لو کان کا اسم محذوف ای مادعوتم الیہ عرضا خبر جملہ شرط لَّاتَّبَعُوْكَ جواب حتي

[1] کہ اجازت مانگ کر بہانہ بنا کر جہاد سے بیٹھ رہیں۔ ۱۲ منہ

متعلق ہے محذوف سے ای ہلا اخرتھم الی ان یتبین والباقی واضح۔

تفسیر: آخر آنحضرت ﷺ کے پاس تیس ہزار لشکر جمع ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں ستر ہزار تو پنجشنبہ کے دن رجب کے مہینے میں نویں سال آپ نے کوچ کیا۔ ادھر منافق ہیں کہ ہر منزل سے اجازت لیتے اور بہانے بناتے اور پیچھے رہے جاتے ہیں۔ بہت نے مدینہ ہی میں عذر کرنے شروع کر دیے۔ ہزاروں جھوٹی قسمیں کھانی شروع کیں کہ ہمیں یہ عذر ہے' یہ ضرورت ہے۔ ہم کو چلنے کی طاقت نہیں' بخدا اگر طاقت ہوتی تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو باہر نکلنے اور جہاد کرنے کا حکم دے کر ان منافقوں کے عذرات باردہ کو رد فرماتا ہے کہ اگر غنیمت ہاتھ لگتی اور پاس کا سفر ہوتا تو آپ کے ساتھ چلتے وہ ابھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہمیں قدرت ہوتی تو چلتے اور آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو خود پیچھے رہ جاتے۔ ان کا جھوٹ سچ معلوم ہو جاتا اور بے ایمان لوگ اجازت مانگتے ہیں۔ ایمانداروں کا کام نہیں۔ اگر آپ کے ساتھ جاتے بھی تو کیا کرتے' جھوٹی خبریں اڑاتے۔ جیسا کہ پہلے بھی کر چکے ہیں الخ انفروا خفا فاو ثقالا حسن وضحاک ومجاہد کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جوان اور بڈھے سب چلیں۔ بعض کہتے ہیں ہلکے سے مراد تنگدست اور بھاری سے غنی بعض کہتے ہیں سامان لے کر اور بے سامان بھی پاپیادہ اور سوار یعنی ہر حال میں چلو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے۔ دیکھو فتنہ[1] میں تو خود ہی پڑے ہوئے ہیں اور بے شک کافروں کو جہنم نے گھیر رکھا ہے۔ اگر آپ کو بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو رنجیدہ کرتی ہے اور جو آپ کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا کام ٹھیک کر رکھا تھا اور خوشیاں کرتے

[1] یعنی رسول کی نافرمانی کیا کم فتنہ ہے۔ ۱۲ منہ

ہوئے جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے اس کے سواہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑے گی۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسہ بھی کرنا چاہیے (اور) کہہ دیجئے تم تو ہمارے حق میں دوخوبیوں میں سے ایک نہ ایک کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ خدا تم پر کوئی اپنی طرف کا عذاب بھیجے یا ہمارے ہاتھوں سے کوئی سزا دے۔ سو انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں (اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم خوشی سے دو یا بے دلی سے تمہاری خیرات تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی کیونکہ تم ایک فاسق قوم ہو اور ان کی خیرات قبول نہ ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے اور وہ نماز کو بھی آتے ہیں تو محض سستی سے اور کچھ دیتے بھی ہیں تو محض برے دل سے۔

ترکیب: منهم خبر ہے من یقول کی اور جملہ معطوف ہے کلام سابق پر۔ اِنْ تُصِبْکَ شرط تسئوهم جواب الا مافاعل یصیب کا ان یصبکم مفعول ہے نتربص کا بکم اس سے متعلق ان تقبل کا مفعول مالم یسم فاعلہ نَفَقٰتُهُمْ جملہ موضع نصب میں ہے بدل ہو کر مفعول منهم سے۔

تفسیر: منافقوں میں سے ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس نے یہ عذر کیا کہ میں رومی عورت دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے' اجازت دیجئے۔ آپ نے ترش رو ہو کر فرمایا' اجازت۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ باقی ان کے حالات ترجمہ سے ظاہر ہیں۔ ہمارے لئے دوخوبیوں میں ایک تو ضرور ہے یا شہادت یا فتح وغنیمت۔ بعض منافق آپ نہ جاتے تھے۔ روپیہ اور سامان ہارے دل سے دیتے تھے۔ ان کی نسبت فرمایا یہ قبول نہ ہوگا۔ آخر جب آنحضرت ﷺ نے ثنیۃ الوداع میں آ کر لشکر کی ترتیب دی۔ بڑا جھنڈا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک نشان زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اور ہر قبیلہ کا ایک جدا نشان مقرر کیا اور آنحضرت ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مدینہ میں خبر گیری کے لئے چھوڑا۔ یہ لشکر ہرقل کے مقابلہ میں چلا اور مدینہ اور شام کے درمیان جو تبوک ایک قلعہ یا پانی کا چشمہ تھا مدینہ سے چودہ منزل جہاں ہرقل کے لشکر سے مقابلہ ہونے کی خبر تھی وہاں دو مہینے یا بقول بعض بیس روز یا بقول بعض بارہ روز قیام کر کے ہرقل کے لشکر کا انتظار کیا۔ چونکہ ہرقل کو آنحضرت ﷺ کے آثار نبوت کتب سابقہ سے معلوم تھے اور وہ پہلے سے معجزات وخرق عادات سن چکا تھا اس لئے اس کا حوصلہ نہ پڑا۔ آنحضرت ﷺ سالماً غانماً مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اس معرکہ اور سفر میں لوگوں نے بہت سے معجزات آنحضرت ﷺ کے دیکھے اور اس لشکر کشی سے نہ تنہا عرب بلکہ اطراف وجوانب عرب میں بھی شوکت اسلام نمودار ہوگئی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ
وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

الثلثة

پس آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کریں[1] خدا یہی چاہتا ہے کہ ان کو اس سے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب دے اور مریں بھی تو بے ایمان ہی مریں اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ ایک قوم (ظاہر و باطن میں) فرق رکھنے والی ہے۔ اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار یا سر گھسانے کی جگہ مل جائے تو رسیاں توڑاتے ہوئے اسی کی طرف دوڑ پڑیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ پر زکوٰۃ کی تقسیم میں الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر ان کو بھی اس میں سے (ان کی خواہش کے موافق) مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور اگر اسی پر راضی ہو جاتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور (یہ) کہتے کہ ہم کو اللہ کفایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ہم کو اپنے فضل سے اور دے گا ہم تو اللہ ہی سے رغبت رکھتے (تو بہت بہتر ہوتا) زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور اس کے ملازموں کے لئے ہے اور جن کے دل پر چائے جاتے ہیں ان کے لئے اور غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور قرض داروں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کے لئے ہے (یہ) اللہ کی طرف سے مقرر ہو چکا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ (سو ان سے) کہہ دیجئے وہ تو تمہاری بہتری کو بہت جلد سنتا ہے (اور) اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات مانتا ہے اور جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہے اور جو اللہ کے رسول کو ستاتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔ وہ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھایا کرتے ہیں تا کہ تم کو راضی رکھیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی راضی رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر وہ ایمان رکھتے ہوں۔

ترکیب: تَزْهَقُ منصوب ہے معطوف ہے یعذب پر ان مقدر ہے لَوْيَجِدُوْنَ شرط لولوا جواب منھم خبر مقدم ہے مَنْ يَّلْمِزُكَ کی اذا مفاجات کے لئے ظرف زماں یہ ف کی جگہ جواب شرط میں واقع ہے۔ ھم مبتدا و یسخطون خبر اور یہ اذا کا عامل ہے للفقراء الصدقات کی خبر وَالْمَسٰكِيْنَ وما بعدھا اس پر معطوف اذن خبر ہے مبتداء محذوف کی ھو ویقرء بالاضافۃ والتنوین۔

تفسیر: ان کے قبائح اور دار آخرت سے محرومی کا ذکر فرما کر ان کے مال و اولاد کا انجامِ کار ذکر کرتا ہے کہ جس پر بیشتر دنیاداروں کو ناز و افتخار ہوتا ہے کہ اے دیکھنے والے! تو ان کے مال و اولاد کو دیکھ کر تعجب و حیرت نہ کر۔ یہ ان کے لئے دنیا میں باعثِ عذاب ہوگا یا بایں معنی کہ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر مصائب میں مبتلا ہوں گے۔ یا یہ اولاد کی موت اور ناہنجاری کی وجہ سے بھی ان کو رنج پہنچاوے گی۔ مال میں روح لٹکی رہے گی۔ اب ان کے اور چند بدخصائل ذکر فرماتا ہے: اول یہ کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہیں

---

[1] یعنی اس نافرمانی پر جو ان کو مال اور اولاد کی ترقی ہے اس سے حیرت نہ کھو کہ نافرمانی میں کیوں پھلتے پھولتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ اولاد اور مال ان کے لیے وبال ہے دنیا کا بھی اس کے تلف ہونے پر جو لازمی بات ہے ان کو سخت صدمہ پہنچے اور آخرت کا بھی کہ مریں تو بدنصیب اسی ذہن بلے سے ایمان ہی مریں ۱۲ منہ۔

اور حال یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی پناہ مل جائے تو وہیں چلے جائیں۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کو تقسیم صدقات وزکوٰۃ وغنایم میں الزام لگاتے ہیں۔ وہ الزام چند وجہ سے تھے۔ بعض اس وجہ سے کہ آنحضرت ﷺ کو حسب حاجت وحسب مصالح جو لوگوں کو کم زیادہ دیتے دیکھتے تھے اس پر ان کو اعتراض تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ غنایم تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شخص بنی تمیم میں سے جس کا نام خرقوص بن زہیر اور لقب ذوالخویصرہ تھا۔ آیا اور کہا انصاف کیجئے الحدیث اور بعض اس طور سے کہ زکوٰۃ لینا بے فائدہ بات ہے۔ پیغمبر کو کیا پڑی جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور پھر اس کو تقسیم کرے (آج کل کے پوادر بھی یہی کہتے ہیں) اول تو ان کا یہ جواب دیا کہ یہ اعتراض ان کا خود غرضی سے ہے۔ اگر خود ان کو مل جائے تو وہ خوش ہو جائیں ورنہ ناراض۔ دوسرا جواب صلی یعنی اس کام کی مصلحت بضمن مصارف بیان فرمائی کہ ان صدقات کو حضرت اپنے اور اپنے اقارب کے لئے نہیں لیتے بلکہ دنیا میں نائب خدا بن کر اس سے بیچاروں اور درماندوں کی حاجت روائی اور سلطنت آسمانی کا انتظام کرتے ہیں کیونکہ صدقات فقراء ومساکین وغیرہ آٹھ جگہ دیے جاتے ہیں[1]۔ سوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت کچھ باتیں بناتے ایذا دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کچھ پروا نہیں محمد (ﷺ) اُذُن یعنی جو سنتا باور کر لیتا ہے، ہم انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اس کو بھی باور کر لیتے ہیں۔ منجملہ ان منافقوں کے ایک جلاس بن سوید اور نبتل بن حارث تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس کا شنوا ہونا تمہاری بہتری کے لئے ہے۔ آگے وجوہ بہتری فرماتا ہے۔ یومن الخ

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ
مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ
اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ۧ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ

وقف لازم ع ۱۵

[1] وہ آٹھ یہ ہیں فقیر مسکین اور مسکین فقیر سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ عاملین یعنی زکوٰۃ کے وصول کرنے والے ان کی تنخواہ اس میں سے دی جاتی ہے۔ مؤلفۃ القلوب یعنی وہ لوگ کہ جن کو اسلام کی طرف ممنون احسان کر کے لایا جاتا تھا جیسا کہ ابوسفیان وحارث بن ہشام وسہل بن عمرو وغیرہ کو آنحضرت دیتے تھے مگر ایسے لوگوں کو دینا کچھ ضرور نہیں ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں قرض داروں کو فی سبیل اللہ یعنی جہاد اور مصالح ملکی میں اور مسافروں کو ان میں سے جس کی زیادہ ضرورت سمجھی جائے، دیا جاوے۔

نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ ہِیَ حَسْبُہُمْ ۚ

وَلَعَنَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۶۸﴾ کَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کَانُوْٓا

اَشَدَّ مِنْکُمْ قُوَّۃً وَّاَکْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِہِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

بِخَلَاقِکُمْ کَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ بِخَلَاقِہِمْ وَخُضْتُمْ کَالَّذِیْ

خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ

ہُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ یَاْتِہِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ

وَّثَمُوْدَ ۬ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰہِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ[1] ؕ اَتَتْہُمْ

رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَہُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ

یَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ

یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُہُمُ

اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ

عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۷۲﴾

وقف لازم

ع ۹ / ۱۵

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو ناخوش کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے کہ جس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈر رہے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی بات ظاہر کرے۔ کہو ہنسا کرو۔ اللہ تو وہ بات ظاہر ہی کر دے گا جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو کہہ دیں گے ہم تو صرف ہنسی دل لگی کرتے تھے۔ تو (اے نبی!) کہہ دو کہ کیا ہنسی بھی کرتے تھے تو اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول ہی سے۔ بہانے مت بناؤ۔ تم ایمان لا کر ضرور کافر ہو چکے (اچھا) اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں گے تو دوسرے گروہ کو اس لئے عذاب دیں گے کہ وہ تو مجرم

[1] المؤتفکات المنقلبات یقال افکہ فائتفک ای قلبہ فانقلب والمادۃ تدل علی التحول والصرف ومنہ قولہ تعالٰی یؤفک عنہ من افک۔ ۱۲

ہی تھا۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہیں جو بری باتیں (یعنی کفر) بتاتے اور اچھی باتوں سے (یعنی ایمان و اسلام لانے سے) روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ سکیڑ لیتے ہیں (خیرات نہیں کرتے) اللہ کو بھول گئے سو اللہ بھی انہیں بھول گیا۔ کچھ شک نہیں کہ منافق بڑے[1] ہی بد ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور عورتوں اور کفار سے دوزخ کا وعدہ کر لیا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہی ان کو بس ہے اور اللہ نے ان پر پھٹکار کر دی اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔ جس طرح کہ تم سے پہلی امت (ہلاک ہوئی) جو تم سے بھی بہت زیادہ قوی اور (تم سے) زیادہ مال اور اولاد رکھتی تھی، اپنا حصہ برت گئے۔ سو تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا۔ جیسا کہ تم سے پہلوں نے اپنا حصہ پالیا۔ تم نے ہنسی کی جیسا کہ انہوں نے ہنسی کی تھی۔ یہی وہ ہیں کہ جن کی کمائی دنیا اور آخرت میں ملیامیٹ ہوگئی اور یہی خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے پاس ان سے پہلوں کی خبریں نہیں آئیں؟ نوح اور عاد کی قوم کی اور ثمود اور قوم ابراہیم کی اور مدین کے باشندوں کی اور ان کی کہ جن کی بستیاں الٹی گئیں۔ ان کے رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے پھر خدا تو ان پر کاہے کو ظلم کرنے لگا تھا بلکہ خود وہ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اچھی باتیں سکھاتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہی ہیں کہ خدا ان پر رحمت کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔ اللہ نے ایماندار مردوں اور عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر لیا ہے کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور ہمیشہ کی بہشت میں اچھے مکانوں کا بھی وعدہ کر لیا ہے اور اللہ کی خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہوگی' یہ ہے بڑی کامیابی۔

ترکیب: انه جملہ قایم مقام دو مفعول یعلموا کے من شرطیہ موضع مبتداء میں فان جواب ان کا فتح مشہور ہے۔ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے فجزاؤھم ان لھم نار الخ اسم ان لہ اس کی خبر ان تنزل موضع نصب میں ہے یحذر کا مفعول ہو کر باللّٰہ اور اس کے معطوفات مجرور ہیں۔ ب کے جو تَسْتَهْزِءُوْنَ سے متعلق ہیں۔

تفسیر: ان آیات میں منافقین کے حالات ذکر کر کے ان پر تہدید و تنبیہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ کا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بات بھی کہ ان کے مرد و عورت یکساں ہیں۔ جیسے مرد خبیث بے دین ہیں اسی طرح عورتیں بھی جو کہ منافق اور بے دین ہیں۔ بری باتوں کی تعلیم کرنے والیاں ہیں' بھلی باتوں سے منع کرتی ہیں۔

منجملہ ان کے حالات و اقوالِ ذمیمہ کے (جو وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ مخلصین کے حق میں کہتے تھے جنگِ تبوک سے پیچھے رہ کر اعنی مدینہ میں بیٹھ کر اور نیز فوج میں شامل ہو کر جو کہ شرماشرمی چلے گئے تھے) ایک یہ ہے کہ وہ تحقیرِ اسلام کرتے تھے اور گستاخانہ کلمات بکا کرتے تھے جن پر بسا اوقات آنحضرت ﷺ بذریعہ وحی مطلع کئے جاتے تھے۔ پھر جب پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو ہنسی دل لگی کے طور پر کہتے تھے۔ پس جب وحی نازل ہوتی تھی تو آیات سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں وہ باتیں آشکارا نہ ہو جائیں اور وہ ہمارے دل کے راز نہ کھل جائیں۔ اس کی طرف یحذر المنافقون الخ میں اشارہ فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کہ کیوں ناحق کے عذر کرتے ہو تم کافر ہو چکے اگر تمہارا ظاہری کچھ ایمان تھا بھی وہ بھی رخصت ہوا۔ اسی جگہ سے علماءِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جو دینِ محمدی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے کافر ہو جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اچھا ہم ان لوگوں کو جو صدق دل سے توبہ کرتے ہیں یا ان کے کلمات حدِ کفر تک نہ پہنچے تھے' معاف کر دیں گے تو اس کے برخلاف دوسرے گروہ منافقین کو جو دل سے توبہ نہیں کرتے جھوٹے عذرات پیش کرتے ہیں ضرور عذاب کریں گے۔ ازانجملہ یہ کہ وہ بری باتیں سکھلاتے' اچھی باتوں سے منع کرتے' اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں سو وہ اللہ کو بھول گئے اللہ ان کو بھول گیا۔ یہ علی سبیلِ مشاکلت فرمایا۔ مراد یہ کہ جس طرح انہوں نے اللہ سے اعراض و بے اعتنائی کی اسی طرح عالمِ آخرت میں اعراض و بے اعتنائی خدا تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے گی۔ جیسا کوئی بوئے گا ویسا کاٹے گا۔ اس کا بدل اور اس جرم کی سزا ان کے لئے بیان فرماتا ہے کہ وعد اللّٰہ ان کو ابدی جہنم ہے اور لعنت اور عذابِ دائمی ہر صفتِ بد کے مقابلہ میں ایک سزا، پھر ان بادۂ غفلت اور مۓ نخوت کے مستوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ

[1] منافق کئی طرح کے تھے ایک تو بالکل اسلام کے منکر مگر کسی مصلحت سے اسلام قبول کر لیا تھا یہی تمسخر اور نئے نئے طعن کرتے تھے اور دوسرے سے کہ کچھ اسلام کو بھی برحق جانتے تھے وہ کمبخت ان اول قسم کے منافقوں کے کہے سنے میں آ کر ان کی باتوں میں شریک ہو جایا کرتے تھے پھر جب ان پر تنبیہ ہوتی تو حیلے بہانے اور غدر کرنے لگتے کہ یوں تھا اور یہ تھا فرماتا ہے خیر اچھا ہم نے تمہارے عذرات پھر قبول کر لیے تو اس سے تو وہی لوگ معاف کیے ←

ذرا آنکھ کھول کر تو دیکھو کہ کدھر ہیں وہ صاحبانِ جاہ وحشم اور کہاں گئے وہ والیانِ فوج وخدم؟ وہ ان کے نعیم وناز اور وہ ان کے ماہ رویان خوش انداز کہاں ہیں۔ وہ عمدہ مکان، وہ باغ جنت نشاں کس طرف ہیں۔ دیکھو وہ تم سے زیادہ مال واولاد رکھتے تھے جس کے نشہ میں انبیاءِ الٰہی سے نافرمان ہوئے۔ ان کی باتوں کو ٹھٹھوں میں اڑانے لگے تو شعلہ قہر الٰہی نے ان کو نیست ونابود کر دیا اور دریا رعدم کی موجوں میں ٹکراتے قعر جہنم میں پہنچے۔ اب بجز خرابات اور مکانوں کی بنیادِ شکستہ کے ان کے حال زار پر کوئی رونے والا بھی نہیں۔ پھر تم بیچارے کیا ہو۔ چلو تم بھی چندروزہ مزے اڑا چکے۔ ان کی چال چل چکے اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے پاکباز بندوں کے لئے ان کے افعالِ حمیدہ ایمان و صلوٰۃ وزکوٰۃ بیان کر کے ان کے لئے عالم قدس میں حیات جاودانی اور جنات الفردوس میں سرور وشادمانی کا وعدہ فرماتا ہے جس سے سعیدِ ازلی کا دل بے خود عالم قدس کی طرف کھنچا جاتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے۔ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (یہ باتیں) ہم نے نہیں

← جائیں گے جو دوسروں کے کہنے سننے میں آ کر شریک ہو گئے تھے مگر وہ لوگ جو بانی مبانی اور دل میں اسلام لانے کے بدخواہ ہیں ضرور ہی سزا پائیں گے اپنے جرم کے بدلہ میں پھر فرماتا ہے کہ بعضهم من بعض کو یہ سب آپس میں ایک ہیں سگ زرد برادر شغال سب کج طبع بد باطن ہیں اچھے کاموں کے بدلے برے پسند کرتے ہیں فرماتا ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہے ان سے پہلے امتوں میں بھی ایسے تھے یہ بھی ان کی روش پر چل رہے ہیں پھر جوان کا انجام ہوا ان کا بھی ہوگا۔ ۱۲ منہ

کہیں حالانکہ وہ ضرور کفر کا کلمہ کہہ چکے اور اسلام لاکر کافر ہو چکے ہیں اور اس بات کا ارادہ کر چکے ہیں کہ جس کو نہ پا سکے اور یہ اسی کا بدلہ نکالا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر توبہ کریں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر نہ مانیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار اور کچھ ان میں سے وہ بھی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے دے گا تو ضرور خیرات کریں گے اور نیک ہو کر رہیں گے۔ پھر جبکہ اس نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کیا، رمنہ موڑ کر پھر گئے۔ پس اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس لئے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور خفیہ مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ وہ بڑا غیب داں ہے۔

ترکیب: مَاقَالُوْا جواب قسم یحلفون قسم کے قائم مقام مَانَقَمُوْا کا مفعول ان اغناھم اللّٰہ ای وما کرھوا الا اغنا اللہ ایاھم لئن شرط لنصدقن جواب۔

تفسیر: ان آیات میں ان گمراہانِ ازلی کے شجرِ حیات کو قطع و برید کر دینے کا حکم دیتا ہے کہ جن میں کسی قسم کا مادۂ اصلاح باقی نہیں رہا۔ فقال جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ ان لوگوں سے جہاد کر اور ان پر نرمی نہ کر جیسا کہ آپ کی عادت حمیدہ ہر شخص سے نرمی اور لطف کی ہے۔ کفار سے جہاد تلوار سے اور منافقین سے زبان سے کرو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کیونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے ان کے قتل نہ کرنے کی وجہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ عرب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قابو پا کر قتل کرتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ یہ بھی ان منافقوں کا ایک حال بیان ہوتا ہے کہ کلمہ کفر کہہ کر مکر جاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز ایک حجرہ کے سایہ میں بیٹھے آرام فرما رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک آدمی کرنجی آنکھوں کا آتا ہے جو شیطان کی طرح دیکھتا ہے۔ اس سے بات نہ کیجیو۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص ایسا ہی آیا۔ آپ نے بلا کر پوچھا کہ تو اور تیرے دوست مجھے کس بات پر گالیاں دیا کرتے ہیں وہ شخص اپنے یاروں کو جا کر لایا' سب قسم کھا گئے کہ ہم نے گالیاں نہیں دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معالم) وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا کے معنی علماء نے مختلف بیان کئے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنگ تبوک میں منافقوں نے یہ قصد کیا تھا کہ مدینہ میں جا کر عبداللہ بن ابی کو تاج پہنا دیں گے سو یہ بات ان کو نصیب نہ ہوئی۔ فرماتا ہے کہ یہ باتیں اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو اللہ اور رسول نے غنائم سے غنی کر دیا۔ پہلے مفلس تھے وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اس میں بھی بعض منافقوں کی اللہ سے وعدہ خلافی کا ذکر فرماتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں اس میں ثعلبۃ بن حاطب انصاری کی طرف اشارہ ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے اس عہد پر دعا کرائی تھی کہ اللہ مجھ کو مال دے گا تو میں خیرات دوں گا اور نیکی کروں گا۔ جب آنحضرت ﷺ کی دعا سے اس کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں ہو گئیں کہ مدینہ کے جنگل میں بھی نہ سما سکیں تو دور لے گیا اور جمعہ جماعت ترک کر دی۔ پھر جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے دو شخص زکوٰۃ لینے گئے تو نہ دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر وہ لایا تو نہ آپ نے نہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی حیات میں قبول کی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

(اے رسول!) وہ جو با مقدور مسلمانوں کی خیرات میں طعن کرتے ہیں اور وہ جو اپنی مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے ان سے (بھی) ہنستے ہیں اللہ ان سے ہنسے گا اور ان کو عذاب الیم ہے۔ ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو یا نہ مانگو۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش چاہیں گے تو بھی اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ سے ٹل کر بیٹھنے پر خوش ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنا برا سمجھا اور کہہ دیا کہ گرمی میں نہ نکلو (پس آپ) کہہ دیں جہنم کی آگ تو سخت ہی گرم ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے سو تھوڑا سا ہنس لیں اور بہت کچھ روئیں ان کاموں کے بدلہ میں جو کیا کرتے تھے اور اگر خدا آپ کو ان کے[1] کسی گروہ کی طرف پھر لاوے، پھر وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو گے کیونکہ اول مرتبہ تم گھر میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے سو اب بھی اور پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو۔

ترکیب: الذین الخ مبتداء مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ کا بیان۔ فی الصَّدَقٰتِ متعلق ہے یلمزون سے۔ والذین مبتداء فَيَسْخَرُوْنَ خبر جملہ معطوف ہے اول الذین پر سَخِرَ اللّٰهُ منھم خبر سَبْعِيْنَ منصوب علی المصدر والعدد یقوم مقام المصدر کقولک ضربتہ عشرین ضربۃ قلیلا و کثیرا صفت ہے مصدر محذوف کی۔

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی عادت و طعنہ زنی کو بیان کرتا ہے کہ جو اہل اسلام مقدور والے ہیں ان پر بھی طعن کرتے ہیں کہ یہ ریا کار ہیں اور جو مفلس اور مزدور اپنی مزدوری میں سے صدقہ دیتے ہیں ان پر بھی ہنستے ہیں۔ غزوۂ تبوک کے لئے جب تیاری کا حکم دیا اور لوگوں کو اس میں مال و زر سے مدد دینے کی ترغیب دی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا کہ آٹھ ہزار تھے چار اہل و عیال کے لئے باقی رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعائے برکت دی۔ پھر عاصم بن عدی عجلانی سو وسق[2] کھجور کے لائے۔ پھر ابو عقیل انصاری آدھ سیر چھوہارے لائے اور عرض کیا کہ رات بھر مزدوری کر کے سیر بھر حاصل کئے تھے نصف گھر میں دیے نصف یہاں حاضر کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کے اوپر رکھوا دیے۔ منافقوں نے اشارے کرنے شروع کئے کہ وہ دونوں اس قدر لائے کہ ان کا نام ہوا اور یہ میاں اس لئے لائے کہ میرا بھی صدقہ دینے والوں میں ذکر ہو۔ اس قصہ کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الخ فرماتا ہے کہ ان سیاہ دلوں کے لئے اے نبی! اگر آپ ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے تو خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا کیونکہ یہ کافر ہیں اور کافر کی بخشش نہیں۔ مدینہ

---

[1] یعنی جہاد سے آپ اے پیغمبر! اگر صحیح و سالم ان منافقوں کے پاس واپس آویں اور یہ آپ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگیں تو آپ اجازت نہ دیں۔ ۱۲ منہ

[2] عرب میں ایک پیمانہ تھا جس میں کئی من غلہ آتا تھا۔ ۱۲ منہ

کے جو منافق جنگِ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے اور اپنے کھجور کے باغوں میں بیٹھ کر خوشیاں کرتے تھے اور لوگوں کو بھی جانے سے منع کرتے تھے کہ سخت گرمی ہے۔ ان کی دونوں باتوں کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتا ہے۔ دنیا کی گرمی کے مقابلہ میں جہنم کی سخت گرمی ہے یعنی اگر یہ نہ برداشت کی تو وہ کیونکر برداشت کرو گے جو تمہارے لئے مقرر ہو چکی ہے اور اس چند روزہ خوشی کے مقابلہ میں آخرت کے غموم وہموم پر ہمیشہ رویا کرو گے۔ اب عقل ہے تو کم ہنسو بہت روؤ کہ بڑی مصیبت پڑے گی (ماضی کو بصیغۂ امر تعبیر کیا۔ قطعی ہونے کے سبب سے) ان کی ایک اور حیلہ گری کی پیشتر سے خبر دیتا ہے کہ اے نبی! اگر تم تبوک سے واپس آؤ گے۔ ان کے ایک گروہ کی طرف جو اس وقت تک زندہ ملیں گے یا نفاق پر قائم رہیں گے تو وہ آپ سے کہیں گے اگر آپ چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ فاستاذنوک للخروج حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ چلو نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو کیونکہ تم اوّل بار بیٹھے رہے سو بیٹھے رہو جیسا کہ اور بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ نہایت عتاب ہے یہ جملہ خبر ہے بمعنی نہیں تاکید کے لئے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ[1] وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

اور جو کوئی ان میں سے مرجاوے تو (اے نبی!) کبھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ بدکاری کرتے کرتے مر گئے اور آپ ان کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کریں۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ اس سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جان بھی نکلے تو کفر ہی میں نکلے اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو چھوڑ جائیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ انہیں تو عورتوں کے ساتھ میں رہنا پسند آیا اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے لیکن رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور انہیں کے لئے خوبیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ خدا نے ان کے لئے بہشتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

---

[1] خوالف خالف کی جمع گھر کی بیٹھنے والی عورتوں کو خوالف کہا کرتے ہیں کیونکہ یہ خلف یعنی بعد مردوں کے گھروں میں رہتی ہیں جبکہ وہ باہر چلے جاتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

ترکیب: مِنْهُمْ مَّاتَ دونوں احد کی صفت ہیں ابدا ظرف ہے لاتصل کا اذا انزلت شرط استاذن جواب۔ خوالف جمع خالفة ہے المراة ھم اعد سے متعلق جنت موصوف تجری الخ صفت خٰلِدِیْنَ حال ہے ضمیر لھم سے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقین کے لئے آنحضرت ﷺ کو استغفار سے منع کیا تھا اب یہاں ان کی نمازِ جنازہ اور ان کی قبر پر دعا کے لئے کھڑا ہونے سے بھی منع فرماتا ہے جو انسان کے لئے نجات کا بڑا وسیلہ تھا یعنی مغفرت اور رسول کی شفاعت کے دائرہ سے خارج کر دیا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مر گیا تو آنحضرت ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے لوگوں نے بلایا۔ آپ پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ اس کی نماز نہ پڑھیے' ہٹ آئیے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو اختیار دیا گیا ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ میرے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے اللہ اس کو بخش دے گا تو میں اس سے بھی زیادہ استغفار کرتا۔ آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد یہ آیت وَلَا تُصَلِّ الخ نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کو ایک تو یہ بات منظور تھی کہ منافقوں پر یہ حال کھل جائے کہ ان کا سردار خواستگارِ شفاعت ہوا جس سے ان کے دل میں بھی اسلام کی حقیقت راسخ ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ نفاق کی رسوائی ہو کہ ان پر نماز و استغفار کا بھی حکمِ الٰہی نہیں۔ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ یہاں سے لَا يَفْقَهُوْنَ تک ان کے مال و اسباب و اولاد کی بے ثباتی اور دارِ آخرت میں کار آمد نہ ہونا اور دنیا میں مصیبت کا سبب ہو جانا بیان فرماتا ہے اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ظاہر کرتا ہے۔ اولاد و مال کا وبال ہونا اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ بہت سے آدمیوں کو اولاد و مال کے وبال میں گرفتار دیکھا ہے۔ اولاد کو پالا اور پرورش کیا جب وہ کسی لائق ہوئے یا بات چیت کرنے لگے۔ طوطے کی طرح بولتے بولتے چل دیے اب ماں باپ کے دل کا ناسور ہے کہ رات دن آنکھوں سے غم کے آنسو جاری ہیں۔ دنیا سیاہ ہوگئی یا وہ ہوشیار ہو کر آوارہ اور بدچلن ہوئے۔ ماں باپ کی جان کے لیوا خون کے پیاسے' الٰہی توبہ اسی طرح مال کا حال ہے کہ کوئی مصیبت آپڑی تو اس کو یاد کر کے عمر بھر روتے ہیں اور اگر یہ کچھ نہیں تو یہ تو ضرور ہے کہ ان کی محبت میں دل چور ہے مرتے وقت ہر چیز کو آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ مولیٰ سے غافل ہو کر مرنا اور داغِ مفارقتِ دنیا ساتھ لے کر جاتا ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور کچھ دیہاتی بہانہ ساز بھی آئے تا کہ ان کو بھی رخصت دی جائے (کہ گھر میں رہیں) اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا[۲] وہ تو بیٹھ ہی رہے (آئے تک بھی نہیں) سو ابھی ان میں سے کافروں کو دردانگیز سزا ہونی ہے۔ ضعیفوں پر کوئی الزام نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر کہ جن کو سفر خرچ میسر نہیں بشرطیکہ گھر بیٹھ کر بھی وہ اللہ اور رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور نہ ان پر بھی کچھ الزام ہے جبکہ وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سوار کرائیں' آپ نے کہہ دیا کہ تمہارے سوار کرانے کو میرے پاس کچھ نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اس رنج میں کہ ان کو سفر خرچ میسر نہیں واپس لوٹ گئے۔ الزام تو صرف ان پر ہے جو باوجود مالدار ہونے کے آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔ ان کو تو عورتوں کے ساتھ رہنا پسند آ گیا اور ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اس لئے وہ نہیں جانتے[۳] جب تم (جہاد سے) لوٹ کر آؤ گے تو تمہارے آگے عذر کریں گے' کہہ دینا عذر نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے۔ تمہارے حالات تو اللہ ہم کو بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔ پھر تم اس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: حرج اسم لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الخ خبر اذا کا عامل حرج ہے۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ معطوف ہے عَلَى الْمَرْضٰى پر۔ اذا ما کا جواب تولوا قلت حال ہے فاعل تولوا سے من بیان ہے تَفِيْضُ کا' حزنا مفعول لہ ہے تفیض کا۔

تفسیر: مدینہ کے منافقوں کے سوا عرب کے دیگر قبائل میں سے بھی ایسے لوگ تھے جو جنگ تبوک میں شامل نہ ہوئے تھے۔ از انجملہ عامر

۱۔ رخصت مانگتے تھے' پیچھے رہ جانے کے لئے کہ جہاد یعنی جنگ تبوک میں جانا نہ پڑے جو گرمی اور افلاس کے زمانہ کی لڑائی تھی اور مقابلہ میں قیصر روم تھا جس کی دہشت ان کم اعتقادوں کے دلوں پر تھی۔ یہ وقت بڑے امتحان کا تھا۔ آپ کے ایماندار ہی پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ جانثاری کے لئے تیار ہو گئے اور ساتھ بھی گئے اور باقی جو دعویٰ اسلام میں جھوٹے یا سست تھے اور بزدل یا آرام طلب تھے وہ بہانے اور حیلہ سے رخصت اور اجازت مانگنے لگے کہ چلنے میں ہمیں یہ عذر ہے کہ فلاں کام ضروری درپیش ہے۔ اس صورت میں انہیں لوگوں پر عتاب ہو رہا ہے اور ان کے حیلے اور بہانے اور رخصت مانگنے پر ان کی سست اعتقادی اور بزدلی اور آرام طلبی پر جو بمقابلہ دار آخرت کے درجات کے تھی تشنیع کی جا رہی ہے اور ان سچے ایمانداروں جانبازوں کی جنہوں نے دار آخرت اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشش کی مدح اور ان کے درجات اور فضائل بیان ہو رہے ہیں۔ خلفاءِ اربعہ اور جلیل القدر صحابہ انصار و مہاجر انہیں میں داخل ہیں جن کو شیعہ زبردستی اسلام اور نیکی سے خارج کرتے ہیں اور باہمی خلافت کے نزاع سے ان کی ان تمام مساعیٔ جمیلہ پر پانی پھیرتے ہیں جو انصاف سے بعید ہے۔

۲۔ اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا یعنی اسلام کا دعویٰ جھوٹا کیا تھا یا اعانت و تائید اسلام کا اقرار جو بوقت اسلام لانے کے کیا جاتا تھا اس میں جھوٹے نکلے وہ اپنے گھر ہی بیٹھ رہے' عذر کرنے بھی نہیں آئے۔ ۱۲ منہ

۳۔ کہ جہاد میں دنیا و آخرت کے کیا کیا فوائد ہیں۔ ۱۲ منہ

بن الطفیل کے چند لوگ تھے آکر آنحضرت ﷺ سے عذر کرنے لگے کہ ہم کو رخصت دیجئے۔ آپ نے فرمایا مجھے پہلے ہی سے تمہارا حال اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا تھا اور بعض ایسے تھے کہ وہ عذر کرنے بھی نہیں آئے۔ متکبرانہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ اول فریق کی طرف وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ میں اور دوسرے کی طرف وَقَعَدَ الَّذِيْنَ میں اشارہ کرتا ہے۔ قسم ثانی کے لوگ منافق تھے۔ ان کی نسبت عذاب الیم کا حکم سنایا گیا۔ چونکہ پیچھے رہ جانے والے عذرات باطلہ پیش کرتے تھے اس لئے اس کے بعد اصلی عذر والوں کا ذکر کر دیا کہ یہ لوگ نہ جاویں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کا عذر صحیح ہے۔ فقال لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الخ یہ چار قسم کے لوگ ہیں کہ جن کا عذر قبول ہے اور جن پر جہاد میں جانا فرض واجب نہیں۔ اول ضعفاء اس کی تفسیر میں ابن عباس ؓ وغیرہ نے فرمایا کہ ضعیف سے مراد ہے لنگڑے لولے اپاہج، بہت بوڑھے اور لڑکے اور عورتیں۔ دوم مرضٰی جمع مریض یعنی بیمار۔ اب رہے مالی حالت کے معذور سوان کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ کہ نہایت تنگ دست بے سروسامان ہیں۔ خواہ وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں عذر آور ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔ دوم یہ کہ ان کا عذر اور وجہ معقول حضرت ﷺ کے روبرو (بعد آپ کے امام کے حضور) ثابت ہو گیا ہو جن کی طرف وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ الخ میں اشارہ ہے۔ معقل بن یسار و صخر بن خنساء و عبداللہ بن کعب انصاری و علیہ بن زید انصاری و سالم بن عمیر و ثعلبۃ ابن غنم و عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سات شخص حضرت کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم کو سواری دیجئے۔ چونکہ سواری نہ تھی۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تمہارے لئے کوئی سواری نہیں۔ تب وہ ناداری پر روتے ہوئے واپس چلے آئے۔ ان چاروں قسموں کے علاوہ جو تندرست و غنی تھے ان کے رہ جانے پر عتاب فرماتا ہے کہ ان پر گناہ ہے اور خبر دیتا ہے کہ جب تم واپس آؤ گے۔ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ تو تم سے عذر کرنے آویں گے تو کہہ دینا کہ مت عذر کرو، تمہارا حال معلوم ہو چکا اور اچھا آئندہ معلوم ہو جاوے گا کہ کیا کرتے ہو۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا
عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾
يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا
حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ
مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ
مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ

ع ۱۲

الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

تمہارے آگے جبکہ تم ان کے پاس لوٹ کر آؤ گے تو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ ان سے درگذر کرو تو ان سے منہ پھیر لینا کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے (یہ) بدلہ ہے اس کا جو وہ کیا کرتے تھے (دنیا میں) تمہارے خوش کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ پھر اگر تم ان سے خوش بھی ہو جاؤ تو اللہ تو بدکار قوم سے خوش ہونے کا ہی نہیں۔ گاؤں[1] والے کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہوتے ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں ان کو نہ جانیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے برے زمانہ کے منتظر رہتے ہیں۔ انہیں پر برا زمانہ آوے اور اللہ سنتا (اور) جانتا ہے اور کچھ بدو ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب اور رسول کی دعا کا وسیلہ بھی جانتے ہیں۔ ہاں یہ ان کے لئے موجب تقرب ہے۔ بہت جلد اللہ ان کو اپنی رحمت میں لے لے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مہاجرین وانصار میں سے جو (نیک کاموں میں) پیش قدمی کرنے والے[2] ہیں اور جو نیکی میں ان کے پیرو ہیں ان سب سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور ان کے لئے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے تلے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہا کریں گے' یہ ہے بڑی کامیابی۔

ترکیب: جزاء مفعول مطلق ای یجزون جزاء مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے من الاعراب خبر ہے من کی مغرما مفعول ہے یتخذ کا ویتربص کا مفعول الدوائر جمع دائرۃ یہ معطوف ہے یتخذ پر السوء بالضم مصدر ہے و مابفتح بمعنی الفساد۔ السابقون مبتداء رضی اللہ عنهم الخ جملہ خبر ہے۔

تفسیر: چونکہ جھوٹ بولنا زمانہ سازی کرنا منافقوں کا کام ہے۔ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ بوقتِ واپسی آنحضرت ﷺ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور حیلہ بنائیں گے تا کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمان ان سے درگذر کریں اور راضی ہو جاویں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ واپس آئے تو ایسا ہی ہوا کہ جد بن قیس وغیرہ ستر منافق آکر عذر کرنے لگے' قسمیں کھانے لگے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے سَیَحْلِفُوْنَ الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ ان ناپاکوں سے منہ پھیر لو یعنی منہ نہ لگاؤ اور اگر تم ان کی قسمیں کھانے سے خوش بھی ہو گئے تو بدکار لوگوں سے خدا تو خوش نہ ہوگا۔ الاعراب[3] جنگل کے رہنے والے اہلِ بادیہ عرب کے قبائل جنگلوں میں رہا کرتے تھے بلکہ اب بھی ان کو بدو یا بدوی کہتے ہیں۔ ان قبائل میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک یہ کہ وہ شوکتِ اسلام سے دب کر مسلمانوں کا ساتھ دیتے اور اسلام ظاہر کرتے تھے اور صدقہ اور زکوٰۃ صرف ایک تاوان اور چٹی خیال کرتے تھے اور مسلمانوں کے لئے برے وقت کا انتظار کرتے تھے کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے جس کے جواب میں بطور بددعا کے فرماتا ہے کہ انہیں پر کوئی گردش آوے یا خبر دیتا ہے کہ جس کا ظہور بھی ہوا ان کی نسبت فرماتا ہے۔ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا کہ یہ کفر ونفاق میں بڑے اشد ہیں اور بسبب جنگلی ہونے کے مجالست اور مکالمت اہلِ علم نصیب نہیں ہوتی کتاب وسنت اور احکامِ الٰہی سے جاہل ہیں۔ جیسا کہ اسد اور غطفان اور تمیم اور ان کے برعکس بعض ایسے بھی تھے کہ اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے تھے اور اپنے صدقہ و

[1] یعنی وہ دیہاتی جو تبوک میں شریک نہیں ہوئے یا عموماً گنوار بوجہ جہالت کے کفر ونفاق میں بڑے سخت ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] پیش قدمی اسلام میں کہ سب سے اول ایمان لائے یا عموماً ہر نیک کام میں دوڑ پڑنا اور پیش قدمی کرنا ان کا شیوہ ہے۔ ۱۲ منہ

[3] عربی کی جمع عرب جیسا کہ یہودی کی یہود اور اعرابی جنگلی کو کہتے ہیں یعنی گنوار اس کی جمع اعراب یا اعاریب۔ ۱۲ ک

خیرات کو باعث ثواب اور رسول کی دعا کا وسیلہ جانتے تھے کیونکہ آنحضرت صدقہ دینے والوں کے لئے دعاءِ خیر و استغفار کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ ذی البجادین[1] اور اس کی قوم ان کو ومن الاعراب من یومن الخ میں ذکر کرتا ہے۔

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم: اس کے بعد صحابہ انصار و مہاجرین کے محامد بیان فرماتا ہے جو اسلام کے رکن اور اسلامیوں کے پیشوا ہیں۔ ان کی دو قسم ہیں اول سابقون اولون سو مہاجرین میں سے تو ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ وغیرہم وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے۔ سعید و قتادہ و ابن سیرین کہتے ہیں وہ ہیں کہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ شعبی کے نزدیک بیعتِ رضوان والے اور انصار میں سے عقبۂ اولیٰ والے سات شخص اور عقبۂ ثانیہ والے ستر اور پھر وہ جو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعلیم سے مسلمان ہوئے۔ دوم وہ جو اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ یعنی ان کے علاوہ اور صحابہ مہاجرین اور انصار بعض کہتے ہیں اس میں وہ بھی شامل ہیں جو قیامت تک ایمان و ہجرت و دین میں ان کے پیرو ہیں۔ ان کے لئے دو وعدے کرتا ہے۔ اول یہ کہ وہ اللہ سے اور اللہ ان سے راضی۔ دوم یہ کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب شیعہ کو اس آیت کے بعد صحابہ مہاجرین و انصار سابقینِ اول کی نسبت بدگمانی نہ کرنا چاہیے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

مع ۵ — وقف منزل

اور بعض تمہارے آس پاس کے بدو بھی منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں سو ابھی ہم ان کو دوہری سزا دیں گے۔ پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جاویں گے اور کچھ اور بھی ہیں کہ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے کام کئے ہیں۔ کچھ نیک اور کچھ بد۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا (نہایت) مہربان ہے۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے لیا کرو۔ اس سے ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر بھی کرو۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے راحت ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ ہی تو ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کیا کرتا اور صدقہ لیا کرتا ہے اور اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: مُنٰفِقُوْنَ مبتداء وممن خبر مقدم مردوا اس کی صفت ومِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ومن اھل المدینۃ قوم

---

[1] بجاد بروزن کتاب موٹی لنگی کو کہتے ہیں جس میں خط پڑے ہوئے ہوں۔ یہ عبداللہ صحابی کا لقب اس لئے ہوا کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا تو صرف ایک چادر تھی جس کو پھاڑ کر ان کی والدہ نے آدھی تہبند کی جگہ باندھ دی اور آدھی اوڑھا دی ملخص از قاموس وغیرہ۔

کذلک لَا تَعۡلَمُهُمۡ صفت ثانیہ وآخرون معطوف ہے منافقوں پر اور ممکن ہے کہ مبتداء ہو اور اعترفوا صفت وخلطوا خبر وآخر معطوف ہے عملا پر۔

تفسیر: باہر کے گنواروں ہی پر کچھ موقوف نہیں کہ وہ منافق اور حیلہ باز ہیں بلکہ بعض اہلِ مدینہ اور مدینہ کے آس پاس کے گنوار جن کو کہ آنحضرت ﷺ کا وعظ و پند سننا بھی ممکن ہے اور اہلِ اسلام سے پیشتر میل جول رکھتے ہیں' مردوا علی النفاق نفاق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس فن میں ایسے چالاک ہیں کہ باوجود فراستِ تامہ کے اے نبی! ان سے تم واقف بھی نہیں ہاں ہم ان کو جانتے ہیں۔ مدینہ کے منافق بنی اوس وخزرج میں سے تھے اور اردگرد کے قبیلہ مزینہ وجہینہ واشجع واسلم وغفار میں سے تھے۔ آخرکار بہت سے تائب ہو گئے تھے۔ فرماتا ہے کہ ہم ان کو دوگنا عذاب کریں گے کیونکہ کافروں سے بڑھ کر ہیں۔ دگنے عذاب کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں ایک قتل اور قید ہونا اور دوسرا عذابِ قبر۔ بعض کہتے ہیں کہ دیکھا دیکھی اسلام کے سخت کاموں میں شریک ہونا' زکوٰۃ دینا' شوکتِ اسلام کو دیکھنا' اس کے احکام کی جبراً وکرہاً پابندی کرنا ایک عذاب ہے۔ موت اور قبر کا دوسرا' جہنم کا عذابِ عظیم کہ جس کی طرف لوٹ کر جائیں گے ان دونوں کے علاوہ وآخرون الخ اب یہاں سے ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے کہ جو جنگ سے کچھ نفاق کی وجہ سے نہ بیٹھ رہے بلکہ سستی اور کاہلی سے جس پر وہ نادم اور تائب ہوئے۔

ان کا جہاد میں نہ جانا برا کام تھا اور پھر توبہ وندامت کرنا اچھا یا اور دیگر حسنات' نیک اور بدعمل کے مخلوط کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں تین باتیں ذکر فرماتا ہے: اول عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ الخ کہ اللہ ان کو معاف کرے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ لفظ عسیٰ کلام الٰہی میں تحقیق کے معنی دیتا ہے اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ بندہ کو اپنی توبہ وندامت پر ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے قبولیت کی امید رکھے۔ دوم یہ کہ اے رسول! ان کے مال سے صدقہ جو وہ دیویں تو قبول کر لے۔ اس سے وہ پاک ہوں گے۔ یہ ان کے گناہوں کا کفارہ ان کے لئے باعثِ برکت ہوگا۔ عام ہے کہ زکوٰۃ ہو یا صدقہ نافلہ ہو اور ان کے لئے دعا کرو۔ سوم یہ کہ ایسے تائبین ونادمین کے لیے توبہ قبول کرنے کا اور ان کے صدقات قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ چند آدمی تھے جو آرام طلبی کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہوئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ کے قریب آ پہنچے تو ندامت کے مارے انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا کہ جب آنحضرت ﷺ ہمیں کھولیں گے تو کھلیں گے۔ آپ نے مسجد میں آ کر دیکھا پھر پوچھا۔ پس فرمایا کہ میں بھی جب ہی کھولوں گا کہ جب اللہ حکم دے گا۔ چنانچہ کئی روز وہ بندھے رہے۔ روتے رہے آخر یہ آیت نازل ہوئی تب کھلے۔ پھر انہوں نے اس کے کفارہ میں اللہ دیا۔ ان میں [1] ابی لبابہ بھی تھے۔

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۚ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ

[1] ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں دس تھے بعض کہتے ہیں سات تھے۔ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس کے شکریہ میں اپنا گھر بار اللہ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ثلث بہت ہے۔ ۱۲ منہ

الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ
إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ
أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ
فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ
بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ
شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ
قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع

اور (اے نبی!) کہہ دو کام کیے جاؤ۔ ابھی اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارا کام دیکھ لیں گے اور ابھی تم اس کے پاس واپس لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے۔ پس وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور بعض اور بھی ہیں کہ جو حکمِ الٰہی کے انتظار پر رکھے گئے ہیں یا وہ ان کو عذاب کرے یا معاف کرے اور اللہ سب کچھ جانتا' حکمت والا ہے اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے (مدینہ میں) ایک مسجد ضرر دینے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور اس کو (ابو[2] عامر) کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پیشتر لڑ چکا ہے تیار کی ہے اور قسمیں کھانے لگیں گے ہم نے تو محض خیر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی جا کر کھڑے نہ ہونا (ہاں) وہ مسجد کہ جس کی اول ہی دن سے پرہیزگاری پر بنیاد رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپ وہاں کھڑے ہوں[3] اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو (بھی) پاک رہنے والے پسند ہیں۔ بھلا جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھے وہ بہتر یا وہ جو اپنی بنیاد نرم ریتلے کڑاڑے[4] کے کنارہ پر قائم کرے جو گرنے کو ہو۔ پھر وہ اس کو جہنم کی آگ میں (دھم سے) لے بھی گرے اور اللہ بے انصاف قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ بنیاد کہ جس کو انہوں نے قائم کیا تھا ان کے دلوں میں ہمیشہ شک قائم کرتی رہے گی۔
یہاں تک کہ ان کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں اور اللہ علیم حکیم ہے۔

ترکیب: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ معطوف ہے وآخرون اعترفوا پر والذین معطوف ہے وآخرون مرجون پر ای ومنھم الذین

---

[1] شفا بالفتح کنارہ جرف ندی کا وہ کڑاڑا جو پانی کی ٹکروں سے گر رہا ہے ہار اس کا مصدر ہور ہے ہیں بولتے ہیں الجرف یہور جبکہ وہ کڑاڑا پیچھے سے پھٹ جاوے اس کو جرف ہار کہتے ہیں اور جب گر پڑے تو انہار۔ حقانی

[2] اشارہ ہے ابو عامر کی طرف جو پیغمبرِ خدا کا دشمن تھا۔ قبیلہ بنی غنم نے اس مسجد کو بنایا اور ابو عامر کو اس کا امام بنانا چاہا لیکن ابو عامر مر گیا۔ یہی مسجد' مسجدِ ضرار ہے۔ حقانی

[3] امامت کریں۔ ۱۲ منہ

[4] یہ قباء میں ایک پہلی مسجد تھی جو حضور کی تشریف آوری پر بنی تھی جس کو مسجدِ قوت الاسلام کہتے ہیں ۱۲ منہ

اتخذوا اور ممکن ہے کہ مبتداء ہو والخبر اَفَمَنۡ اسس والعائد محذوف ای منھم۔ ضرارا ممکن ہے کہ مفعول ثانی ہو اتخذوا کا وکذلک مابعدہ والمصادر کلھا واقعۃ موضع اسم الفاعل ای مفرا ومفرقا۔ لمسجد مبتداء اسس الخ اس کی صفت احق ان تقوم اے بان تقوم الخ خبر۔

تفسیر: اب ان عذر کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں اور دیگر بندگان کے لئے ترغیب وترہیب میں ایسی بات کہتا ہے کہ اگر کوئی اس کا لحاظ رکھے تو معاصی سے بچنے اور طاعتِ الٰہی کے اختیار کرنے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ فقال وَقُلِ اعۡمَلُوۡا الخ کہ تم اعمال کئے جاؤ آئندہ جو کچھ اسلام میں کوشش کرو گے وہ اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو آپ معلوم ہو جاوے گی اور بعد مرنے کے اللہ کے پاس جاؤ گے جو چھپی اور کھلی سب باتیں جانتا ہے۔ تمہارا دلی خلوص یا ظاہر داری اصلی عذر یا بناوٹ وہ سب تم کو بتلا دے گا اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کی تین قسم بیان فرمائیں: اول وہ منافق کہ جو مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ۔ دوم وہ جو توبہ کر گئے جن کو اس قول میں بیان فرمایا وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ سوم وہ جو حالتِ توقف میں تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ ان کو حکمِ الٰہی کے انتظار میں رکھا گیا ہے کہ جیسا چاہے ان کے حق میں حکم دے معاف کرے توبہ نصیب کرے یا عذاب دے۔ یہ وہ تین شخص ہیں کہ جن کا قصہ آگے آتا ہے۔ کعب بن مالک وہلال بن امیہ ومرارہ بن ربیع۔ انہوں نے توبہ میں مبالغہ نہیں کیا نہ عذر کیا جیسا کہ ابولبابہ اور اس کے ساتھیوں نے کیا تھا۔

مسجدِ ضرار کا بیان: منافقین بجائے اعانت اسلام اس کے مٹانے اور کسر شان میں بھی کوشش کرتے تھے۔ منجملہ ان باتوں کے جو وہ کرتے تھے۔ ایک یہ تھی وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا الخ کہ اسلام اور مسجد تقویٰ کو ضرر پہنچانے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کہ کچھ اس میں بھی آنے لگیں گے اور خدا کے دشمن ابو عامر راہب کے انتظار اور ٹھہرنے کے لئے ایک مسجد جدید بنائی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایامِ جاہلیت میں ایک شخص ابو عامر تھا۔ اس نے رومن کیتھولک عیسائیوں سے کچھ کتبِ قدیمہ توریت و انجیل پڑھ لی تھیں اور ان کے مذہب باطل کے اوہام اور خیالاتِ خام اس کے دل پر نقشِ حجر ہو گئے تھے جس پر اس کو عرب میں پیشوا بننے کا خبط سمایا تھا مگر جب نبیِ آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو پھر آفتاب جہانتاب کے مقابلہ میں ذرہ کو کیا رتبہ اس لئے رشک وحسد میں آ کر آنحضرت ﷺ کا مقابلہ کیا۔ حالانکہ اس کا بیٹا ابوحنظلہ اسلام میں وہ برگزیدہ تھا کہ جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ احد کی جنگ میں بھی ابو عامر نے یہ کہا تھا کہ جو قوم تیرے مقابلہ کے لائق اے محمد (ﷺ) میں پاؤں گا ان کے ساتھ ہو کر تجھ سے لڑوں گا۔ چنانچہ عرب کے قبائل کو ابھارتا رہا، آخر جب قبیلۂ ہوازن نے بھی اسلام سے شکست پائی تو اب یہ عرب سے ناامید ہو گیا اور شام کی طرف نکل گیا وہاں بھی کچھ منصوبے باندھتا رہا۔ وہیں سے اس نے مدینہ کے منافقوں سے کہلا بھیجا کہ تم قوت اور ہتھیار بہم پہنچا رکھو اور ایک مسجد بھی بنا رکھو کہ میں قیصرِ روم کے ہاں سے ایک لشکر لاتا ہوں کہ جس سے محمد (ﷺ) اور اس کے یاروں کو شکست دے کر مدینہ سے نکال دوں گا۔ مدینہ کے منافقوں میں سے بارہ کم عقلوں نے ایک مسجد انہیں اغراضِ فاسدہ سے بنائی جس کو اسلام میں مسجد ضرار کہتے ہیں۔ یہ مسجد بمقابلہ اس مسجد کے بنائی تھی جو تقویٰ اور دینداری پر بنائی گئی تھی جس کو مسجدِ قوتِ اسلام کہتے تھے۔ اس کی تعمیر سے یہ لوگ ان دنوں میں فارغ ہوئے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ جنگِ تبوک کے لئے سفر کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔ آخر خواستگار ہوئے کہ بطورِ تبرک آپ بھی ایک روز وہاں چل کر نماز پڑھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں برسرِ سفر ہوں انشاء اللہ واپس آ کر۔ پس جب واپس آئے تو ان لوگوں نے آ کر پھر درخواست کی۔ اتنے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں مسجدِ ضرار کی برائی بیان ہوئی اور ان کے راز سے آگاہی دی گئی جس پر آنحضرت ﷺ نے مالک بن دخشم ومعن بن عدی وعامر بن سکن وغیرہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جا کر اس کو ڈھا دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو جلا دیا اور کوڑی بنا دیا لیکن وہ غضبِ الٰہی کے شعلہ اس میں سے دنوں تک نکلتے رہے۔ اب بھی قباء میں مسجدِ ضرار کی جگہ پر کوڑا کرکٹ پڑا رہا کرتا ہے۔ لمن حارب اللہ سے ابو عامر کی طرف

اشارہ ہے۔

فرماتا ہے کہ یہ مسجد انہوں نے بناتو ان وجوہِ فاسدہ سے کی ہے مگر چونکہ جھوٹ کے عادی ہیں، قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہماری غرض تو اس سے یہ تھی کہ مینہ بوندی میں اور سردی گرمی میں آسانی ہو۔ مہمان کے ٹھہرنے کی جا ہو جاوے۔ فرماتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے یہ جھوٹے ہیں۔ اے نبی! آپ اس میں جا کر کھڑے بھی نہ ہو جیے۔ جو مسجد کہ اول روز سے خدا ترسی پر بنائی گئی تمہارا کھڑا ہونا اس میں مناسب ہے۔ اس مسجد کو کہ اول روز تقویٰ سے بنائی گئی۔ بعض مسجدِ قباء قرار دیتے ہیں جہاں آنحضرت ﷺ ہفتہ میں ایک بار تشریف لے جایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور اکثر علماء اس کو مسجد نبوی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح مسلم میں آیا ہے۔ اس مسجد کی مدح دو سبب سے ہے۔ ایک یہ کہ تقویٰ سے بنائی گئی۔ دوم یہ کہ اس میں ایسے لوگ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا رہتے ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں عقائد فاسدہ اور اعمالِ سیۂ سے پاکی مراد ہے جو طہارتِ ظاہری کو بھی شامل ہے یعنی پاخانہ میں ڈھیلا لینے کے بعد پانی سے استنجا بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض آثار سے ثابت ہے۔ اس کے بعد ان دونوں مسجدوں کا موازنہ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ کجا یہ اور کہاں وہ کہ جس کی بنیاد جہنم کے کنارہ پر ہو اور اس میں گر پڑنے کے قریب ہو۔ دونوں برابر ہو سکتی ہیں۔ جہنم کے کنارہ پر بنائے جانے سے مراد نفاق اور بدنیتی سے بنایا جانا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں استعارہ مکنیہ ہے۔ تقویٰ و رضوان کو دل میں بنیاد سے تشبیہ دی ہے اور پھر بنیاد کی تاسیس کا ذکر تخییل ہے یا یہ ایک تمثیل ہے اس بات کی کہ ایک نے تو اپنے دینی محل کو تقویٰ اور نیک اعمال اور اخلاص پر قائم کیا اور مستحکم بنیادوں پر اس محل کو چنا اور دوسرے نے اس کو ریاکاری و کفر کے ریتلے کنارے پر قائم کیا جو گرنے کو ہو اور پھر لے کر دھم سے گر بھی گیا ہو۔ جہنم کے عمیق گڑھے میں ڈال دیا۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ

لِلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

بے شک اللہ تو ایمانداروں کی جان اور مال کو جنت کے عوض میں خرید چکا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس ماریں اور مارے جائیں اس نے اپنے اوپر سچا وعدہ قائم کرلیا ہے جو توراۃ[1] اور انجیل اور قرآن میں (لکھا گیا ہے) اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے۔سو اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشیاں مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے (یہ وہ ہیں جو توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر کرنے والے خدا کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھی باتوں کے سکھانے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور احکام الٰہی کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور آپ ایمانداروں کو خوشخبری سنا دیں۔ نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعائیں مانگا کریں۔ گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کو یہ معلوم ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا صرف ایک وعدہ سے تھا جو اس نے اس سے کرلیا تھا پھر جبکہ اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے کیونکہ ابراہیم بڑے نرم دل (اور) بردبار تھے۔

ترکیب: بان الباء ھنا للمقابلۃ وعدا مصدر ای وعدھم بذلک وعدًا حقًا اس کی صفت فِی التَّوْرٰىةِ الخ ثابت کے متعلق ہو کر صفت ثالث التائبون خبر ہے مبتداء محذوف کی اے ھم التائبون ویجوز ان یکون مبتداء والخبر الآمرون و ما بعدہ وھو ضعیف۔

تفسیر: جبکہ جہاد سے کنارہ کشی کرنے کی وجہ سے منافقین کے قبائح اور فضائح اور ان کی اقسام اور ہر قسم کی لائق سزا دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی بیان فرما چکا تو فضائلِ جہاد اور اس کی حقیقت کی طرف پھر رجوع کرتا ہے۔ پس فرماتا ہے ان اللّٰہ اشتری الخ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مکہ میں لیلۃ العقبہ میں ستر انصار نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔ تب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اپنے لئے اور اللہ کے لئے یارسول اللہ! جو چاہیے ہم سے شرط کرا لیجئے۔ فرمایا اللہ کے لئے یہ کہ اسی کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور میرے لئے یہ کہ جس چیز سے اپنے نفس اور مال کو محفوظ رکھو اس سے مجھے بھی۔ لوگوں نے کہا جب ہم نے ایسا کیا تو کیا ملے گا فرمایا جنت۔ لوگوں نے عرض کیا بہت فائدہ مند بیع ہے ہم اس کو ہرگز واپس نہ کریں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم) اس آیت میں فرماتا ہے کہ اللہ نے جنت کے عوض میں ایمانداروں کی جان اور مال کو خرید لیا بائع روح مشتری اللہ مبیعہ جسم و مال قیمت جنت۔ پھر فرماتا ہے کہ خریدنے سے ہمارا کیا مطلب ہے۔ یہ کہ تم جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ مار دو یا مر جاؤ یعنی یہ جان و مال گو اللہ ہی کا عطیہ ہے مگر اس کو اللہ کی راہ میں صرف کرو۔ اس کے بدلہ میں تم کو حیاتِ جاودانی اور سعادتِ روحانی ملے گی۔ اس بات کو خرید و فروخت کے پیرایہ میں ادا کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جنت کا طالب ہو کر جان و مال کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اس کو بیچ چکے مالک جہاں اس کے صرف کرنے کا حکم دے دریغ نہ کرے۔ حقیقت میں کیا ارزاں سودا ہے کجا یہ مال و جسم فانی کہاں وہ حیاتِ جاودانی۔ کہاں یہ دنیا کا مال کہاں اس کا جمالِ باکمال ؎

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پھر آگے ان لوگوں کی نو صفت بیان فرماتا ہے جو اخلاقِ حمیدہ اور تنویر روح اور تمدن اور باہمی اصلاح کا عطر ہیں۔ (۱) اَلتَّآئِبُوْنَ یعنی ہر قسم کی برائی سے جو بشریت سے صادر ہوگئی توبہ کرتے ہیں نہ کہ اس پر اڑتے ہیں (۲) العابدون اللہ کی عبادت کرنے والے (۳) اَلْحٰمِدُوْنَ خدا تعالیٰ کی ہر حال میں حمد کرتے ہیں جو کچھ اس نے عنایت کیا ہے اسی حالت میں اس سے خوش ہیں (۴) السائحون

---

[1] توریتِ موجودہ کی بھی متعدد مقامات سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے پر اور مال و جان سے اس کو عزیز رکھنے پر جس کو ان اللہ اشتری الخ سے تعبیر کیا ہے۔ بہبودی اور فلاح کے وعدے نکلتے ہیں جن کو اس امت کے لئے جنت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ استثناء کے ۲۸ باب میں ۱۴ درس تک یہی بیان ہے اور ۳۲ باب ۲ درس میں ان اللہ اشتری کا بعینہٖ مضمون موجود ہے انجیل متی کے ۵ باب ۱۲ درس میں اس کے عوض پانی کا وعدہ ہے اور دیگر مقامات میں بھی۔ ۱۲

روزہ رکھنے والے کیونکہ روزہ میں جب انسان خواہشوں کے دروازے بند کر لیتا ہے تو اس پر معارف کے دروازہ کھل جاتے ہیں۔ پھر وہ اس میں عالم جلال کی سیر کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد خدا کے لئے سفر کرنے والے ہیں طلب علم یا جہاد کے لئے یا ہجرت کے لئے من السیاحۃ (۵۔۶) رکوع اور سجدہ کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے تخصیص بعد التعمیم (۷۔۸) اس سے اپنی تکمیل پر بس نہ کرنے والے بلکہ اوروں کو بھی اس میں شریک کرنے والے یعنی بھلی باتوں کا حکم دینے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے (۹) اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ہر امر میں احکام الٰہی کی رعایت رکھنے والے۔ اس میں ہزاروں باتیں آگئیں جہاد میں چونکہ مخالفین یگانہ لوگ تھے ان سے لڑنا شاق تھا اس لئے اول ان سے بیزاری ظاہر کر کے یہاں ان کے لئے استغفار سے بھی منع کرتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لئے استغفار کی تھی اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ وہ ایک وعدہ کا پورا کرنا تھا جو اس نے اپنے باپ سے کر لیا تھا مگر جب معلوم ہوا کہ کفر پر مرا تو علیحدگی اختیار کی خدا کے سپاہی کو اپنے بیگانہ سے کچھ مطلب نہیں حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

اور خدا کا کام نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دیئے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کو وہ باتیں نہ بتلا دے کہ جن سے وہ بچتے ہیں۔ بے شک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا حمایتی ہے نہ مددگار۔ البتہ اللہ نے نبی اور مہاجرین اور ان انصار پر بڑا فضل کیا جنہوں نے تنگدستی کے وقت نبی کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا ہی چلے تھے۔ پھر اس نے ان پر بھی رحم کیا (کہ ان کو سنبھال لیا) کیونکہ وہ ان پر نہایت نرم، بہت مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی (مہربانی کی) کہ جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ باوجود فراخی کے ان پر زمین تنگ ہو گئی تھی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ اس کے قہر سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر ان پر بھی رحمت کی (کہ ان کو توفیق دی تا کہ توبہ کریں) بے شک اللہ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔

ترکیب: ماکاد کا فاعل ضمیر شان والجملۃ بعدہ فی موضع نصب وَعَلَى الثَّلٰثَةِ معطوف ہے النبی پر ای تاب علی النبی وعلی الثلثۃ الذین الخ بما رحبت ای مع رحبھا من اللہ خبر ہے لا کی ملجاء اسم تھا الا الیہ استثناء ہے مثل لا الہ الا اللہ کے۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں جو مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت تھی اور یہ کہا تھا کہ نبی اور مسلمانوں کی یہ شان نہیں حالانکہ اس سے پہلے بہت لوگ اپنے اقارب مشرکین کے لئے جو مر گئے تھے استغفار کیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ جو استغفار کرتے تھے اس ممانعت سے پیشتر مر چکے تھے اور جو زندہ تھے ان کو اپنے فعل پر سخت ندامت اور خوف تھا کہ ہم گمراہ ہو گئے اس کے جواب میں تسلی کے لیے فرماتا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ الخ کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بغیر ان باتوں کے بیان کئے کہ جن سے ان کو بچنا چاہیے گمراہ کر دے یعنی چونکہ تم کو استغفار کی ممانعت بتائی نہیں گئی تھی اگر اس سے پہلے تم نے ان کے لئے استغفار کی تو اس سے تم گمراہ اور گنہگار نہیں ہوئے اور ممنوعات کا بیان کرنا اس کا کام ہے کیونکہ وہ ہر شے سے واقف ہے مگر اس کے بعد اہلِ اسلام کے دل میں یہ کھٹکا تھا کہ اللہ نے کفار عزیز و اقارب بلکہ جمیع کفار کی دوستی سے منع کر دیا اور سب سے لڑنے کا حکم دیا اور ہماری قدرت و طاقت معلوم ہے۔ پھر ان کی معاونت بغیر کیا ہوگا۔ اس کے دور کرنے کو فرماتا ہے اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہی مارتا زندہ کرتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق تم کو بس کرتا ہے اسی کی اعانت تمہیں کافی ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی مددگار نہیں۔ نہ ان کی تمہیں کچھ حاجت ہے اور نیز یہ جملہ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ اس کے ہر شے کے عالم ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو ایسا قادر ہے وہ عالم بھی ہے بغیر علم کے یہ قدرتِ کاملہ نہیں ہو سکتی اور نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سب ملک اسی کے ہیں جس سے چاہے لے کر کسی اور کو دے دے۔ چنانچہ اس نے صحابہ کو سلطنتیں دیں، مخالفوں کو زیر کر دیا۔

چونکہ مہاجرین وانصار نے اس جنگ میں نہایت شدت کی گرمی اور گرسنگی اٹھائی اور طرح طرح کی تکالیف پائی تھیں تو ایسی حالت میں انسان کا مقتضیٔ طبعی ہے کہ اس کے دل میں کچھ وسواسِ فاسدہ گذریں گو یا یہ کوئی گناہ نہیں مگر ایسے مقربین کے دل میں بیساختہ ایسے خیالات کا گزرنا بھی عالمِ محبت میں قابلِ گرفت ہے۔ جیسا کہ خود ہی ان خیالات کی طرف اشارہ کرتا ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ کہ قریب تھا کہ اس شدت کے وقت میں ایک فریق مومنین کا دل پھر جاوے۔ واپسی پر اور پیچھے رہ جانے کا قصد کریں اور نیز یوں بھی بشریت سے انسان کچھ کر گذرتا ہے لیکن ان کا یہ کام کہ انہوں نے ایسے تنگ اور شدت کے وقت رسول کا ساتھ نہ چھوڑا اور آسمانی لشکر سے تخلف نہ کیا۔ نہایت قابلِ قدر دانی اللہ کے نزدیک ہو اس کے انعام میں ان کے لئے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ الخ ارشاد ہوا کہ خدا نے ان کو خلعتِ معافی عطا فرمائی۔ چونکہ خدا کی معافی اور رحمت کا واسطہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اس لئے اس میں سب سے اول آپ کو بھی شریک کر لیا اور ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کے لفظ کو پھر تاکید کے لئے اعادہ فرمایا جس طرح خوشی میں بادشاہ اپنے نوکر وفادار سے کہتا ہے، ہم نے تم کو یہ چیز دی اچھا دی۔

اس جنگ میں تین شخص سچے مسلمان محض آرام طلبی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے تھے جن کی نسبت پہلے آیا تھا وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ۔ اب یہاں اس فیضِ رحمت کے طفیل میں ان پر بھی رحمت کرتا اور ان کی توبہ قبول فرماتا ہے فقال وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ۔

اب ہم ان تینوں صاحبوں کا قصہ صحیح بخاری سے بیان کرتے ہیں کہ جس سے ان پر زمین فراخ کا تنگ ہونا اور جان کا تنگ آجانا اور خدا کے سوا کوئی ٹھکانا نظر نہ آنا معلوم ہو جاوے۔ یہ تو آپ کو پیشتر ہی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تین صحابی کعب بن مالک شاعر۔ مرارۃ بن الربیع۔ ہلال بن امیہ انصاری تھے۔ بخاری کعب سے نقل کرتے ہیں کہ میں بجز موقع بدر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سے کبھی پیچھے نہیں رہا تھا اور میں لیلۃ العقبہ میں شریک تھا۔ اس سال میرے پاس دو سواریاں بھی تھیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں اور فراخ دست بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس غزوۂ تبوک کی تیاری کر دی اور لوگوں کو اعلان کر دیا مگر موسم وہ تھا کہ جس میں سایہ اور پھل اچھے معلوم ہوتے تھے۔ لوگ تیاری کرتے تھے۔ میں یہ کہتا تھا کہ کر لوں گا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اور سب لوگ چل دیئے مگر میں یہ خیال کرتا تھا کہ جانے دو دو روز بعد بھی جا کر ان

سے مل جاؤں گا۔ الغرض اسی شش و پنج میں رہ گیا۔ بعد آپ کے جبکہ میں مدینہ میں دیکھتا تھا کہ یا تو منافق نہیں گئے یا صاحبِ عذر تو میں اپنے دل میں نہایت غمگین ہوتا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تبوک میں پہنچ گئے وہاں آپ نے لوگوں کے روبرو مجھے یاد فرمایا تو بنی سلمہ میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! وہ اپنے عیش و آرام کی وجہ سے نہیں آیا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے برا کہا۔ وہ شخص نیک ہے۔ پس جب مجھ کو یہ خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ بہت ہی قریب آ گئے تب مجھ کو فکر ہوئی کہ کیا حیلہ کروں جس سے آنحضرت ﷺ کی ناراضگی دور ہو۔ سب سے مشورہ کرتا پھر آمگر دل میں قصد کیا کہ جھوٹ تو ہرگز نہ بولوں گا۔ پس جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور حسبِ عادت مسجد میں دو رکعت پڑھ کر صبح کو بیٹھے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ اسی (۸۰) کے قریب تھے' آئے اور عذر کرنے لگے۔ آپ ان کے ظاہر قول پر اعتبار کرتے جاتے اور ان سے بیعت لیتے جاتے اور ان کے لئے معافی مانگتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کرتے تھے۔ اس میں میں بھی آیا اور میں نے سلام کیا۔ آپ نے غضب آلود تبسم سے فرمایا کہ آئیے۔ میں آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا' پوچھا کہ تم کس لئے نہیں گئے تھے؟ میں نے کہا کہ سچ سے ہی نجات ہے۔ آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولنے کا۔ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ آپ نے فرمایا' چلو اٹھو تمہارے حق میں اب جو کچھ اللہ فیصلہ کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اور اسی طرح ان دونوں کے لیے ہوا۔ لوگوں کو ہم سے کلام سلام سے منع کر دیا۔ وہ دونوں تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے مگر میں نماز جماعت میں آ کر شریک ہوتا اور آپ کو سلام کرتا اور دیکھتا تھا کہ جواب میں آپ کے لب بھی ہلتے ہیں۔ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آنکھ چرا جاتے اور جب میری آنکھ پھرتی تو گوشۂ چشم سے مجھے دیکھتے۔ کوئی شخص ہم سے بات یا سلام نہ کرتا تھا۔ اسی عرصہ میں میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں گیا۔ اس سے بہت کچھ ترحم آمیز کلمات سے کلام کیا مگر اس نے جواب نہ دیا تب تو ہم پر باوجود فراخی کے زمین تنگ آ گئی۔ اس عرصہ میں پچاس راتیں گذر گئیں۔ پچاسویں رات کو صبح کو میں اپنے کوٹھے کی چھت پر تھا کہ کسی نے سلع پہاڑ سے پکار کر آواز دی کہ اے کعب! بشارت ہو اور اسی طرح ان کی طرف بھی لوگ دوڑتے ہوئے بشارت دینے آئے۔ میرے پاس بھی ایک سوار آیا اور جس کی میں نے آواز پہلے سنی تھی اس کو اپنے کپڑے اتار دیے۔ اس روز کی خوشی کا کچھ بیان نہیں۔ پھر میں مسجد میں گیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ بیٹھے تھے۔ وہ مجھے مبارکباد دینے لگے۔ آنحضرت ﷺ کو میں نے سلام کیا اور آپ کا خوشی میں چاند کی طرح منہ چمکتا تھا۔ فرمایا کہ آج تجھے ایسی خوشی کا مژدہ ہو کہ جب سے پیدا ہوا ہے کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنی توبہ میں اپنا تمام مال اللہ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ رکھ بھی لے۔ انتہی ملخصاً مع تقدیم و تاخیر مایناسب۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا

يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے ہو کر رہو۔ اہل مدینہ اور ان کے آس پاس کے بدؤوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے رہ جاویں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو اس کی جان سے عزیز سمجھیں۔ یہ اس لئے کہ ان[1] کے لئے ہر پیاس اور ہر تکلیف اور بھوک جو اللہ کی راہ میں ان کو پہنچی ہے اور جن مقامات پر ان کا پھرنا کفار کو ناگوار گذرتا ہے اور جو کچھ دشمنوں سے وہ چھین جھپٹ لیتے ہیں (ہر حال میں) ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ بھی وہ صرف کرتے ہیں تھوڑا یا بہت اور جو میدان وہ طے کرتے ہیں سب (کا اجر) ان کے نام لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے اور مسلمانوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوا کریں۔ یوں کیوں نہیں کیا کہ ان کی ہر جماعت میں سے کچھ کچھ نکلتے تاکہ دین میں سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتے شاید وہ بھی بچتے[2]۔

ترکیب: اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا اسم کان لاھل المدینۃ خبر ذلک مبتداء بِاَنَّهُمْ ظَمَاٌ فاعل لَا يُصِيْبُ وَلَا نَصَبٌ اس پر معطوف وَلَا يَطَئُوْنَ لا یصیبھم پر معطوف الا استثناء من کل واحدای کل منھا کتب لھم عمل صالح فلولا ھلا طائفۃ فاعل نفر۔

تفسیر: ان لوگوں کی توبہ قبول کر کے جو ان کو صدق یعنی سچائی کی وجہ سے نصیب ہوئی تھی آیندہ کے لئے اللہ سے ڈرنے اور صدق اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ صادقوں کے جو کچھ فضائل آئے ہیں بیان سے باہر ہیں۔ جب آدمی اپنے اللہ سے سچا رہتا ہے تو دین و دنیا کی برکات نصیب ہوتی ہیں۔ چونکہ صدق بھی نبوت کا ایک جزوِ اعظم ہے اس لئے صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد ہے۔ پھر اس کے بعد اور چونکہ صدق کا حاصل ہونا بغیر استقلال ان حوادثِ جانکاہ کے (کہ جو صادق اور کاذب کے لئے کسوٹی ہیں یعنی مرشدِ کامل سرورِ کائنات کا ہر امر میں ساتھ دینا) ممکن نہ تھا اس لئے اس کے بعد مدینہ کے آس پاس والوں اور خاص مدینہ والوں کو جو اس وقت میں وہی اس فیضِ تعلم اور صحبتِ ہادیِ برحق سے سرفراز تھے، یہ فرماتا ہے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الخ کہ مدینہ والوں اور اس کے آس پاس کے اعراب کو کسی واقعہ میں رسول سے پیچھے رہ جانا سزاوار نہیں اور نہ یہ بات کہ وہ اپنے نفس کو رسول کے نفس سے عزیز سمجھیں یعنی جس مشقت یا تکلیف کے کام کو رسول کرے وہ وہاں آپ آرام طلبی اختیار کر کے بیٹھ رہیں کس لئے کہ اس کام میں جو کوئی تکلیف ان کو پہنچے گی وہ ان کے لئے ثواب اور اجرِ آخرت کا باعث ہوگی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ الخ صحیح یہی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ فرماویں تو کسی کو جہاد سے باز رہنا درست نہیں اور بعد میں یہ بات حسبِ ضرورت ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الخ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

[1] یعنی پیچھے رہ جانا اس لئے نامناسب ہے کہ جہاد میں یہ کچھ فضائل ہیں کہ بھوک پیاس، سفر کی ماندگی اور دشمن پر فتح یابی ہر حال میں ان کے لئے اجر اور یہ کام نیک ہے سعادت کے دفتر میں لکھا جاتا ہے پھر ایسے کام سے تخلف نازیبا نہیں تو اور کیا ہے۔

[2] برے کاموں سے ۱۲ منہ

[3] یعنی اگر سب کے جانے کی مقابلہ کے لیے ضرورت ہو تو سب ورنہ بعض کا جانا کافی ہے۔

کہ جب غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں پر تشدد ہوا تو پھر سب جانے لگے جس میں آنحضرت ﷺ اکیلے رہ جاتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ دو فریق ہو کر ایک تو جہاد میں جایا کرے۔ ایک آنحضرت ﷺ کے پاس رہ کر مسائلِ دینیہ' وحی نازل شدہ سیکھا کرے۔ جب جہاد والے واپس آویں تو یہ لوگ ان کو جو کچھ سیکھا ہے بتا دیا کریں۔ یہ اس تقدیر پر کلام سابق کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس طرح جہاد اور ہجرت فرض ہوئی اسی طرح تفقہ یعنی دینی مسائل سیکھنے کا بھی اس آیت میں حکم ہوا اور اس کے لئے آنحضرت ﷺ کے عہد میں مدینہ آنا ہوتا تھا اور چونکہ سب لوگوں کا آنا موجب دشواری تھا اس لئے فرمایا کہ ایک گروہ جا کر سیکھ آئے اور ان کو آ کر سکھا دے۔ تب یہ کلام مستقل ہے۔ بقدرِ ضرورت سیکھنا فرضِ عین اور زیادہ فرضِ کفایہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کفار سے لڑو اور چاہیے کہ ان کو تم میں کرارا پن معلوم ہو اور معلوم رہے کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے ایک[1] دوسرے سے پوچھتا ہے کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا لیکن وہ جو ایمان لا چکے ہیں سو ان کا تو ایمان زیادہ کر دیا اور وہی خوش بھی ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں[2] مرض ہے تو ان کی خباثت پر اور خباثت بڑھا دی اور وہ مریں گے بھی تو کافر ہی ہو کر۔ کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہر

[1] یعنی منافق۔ ۱۲ منہ

[2] نفاق کا مرض۔ ۱۲ منہ

سال میں ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں۔ پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو تکتا ہے کہ کوئی ہمیں دیکھتا تو نہیں۔ پھر اٹھ کر چل دیتے ہیں (رسول کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے ان کے دلوں ہی کو پھیر دیا کس لئے کہ یہ نادان قوم ہے (لوگو!) بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسے رسول آ گئے کہ جس پر تمہاری تکلیف شاق گذرتی ہے جس کو تمہاری بھلائی کا ہوکا ہے۔ وہ مسلمانوں پر نہایت شفیق (اور) مہربان ہیں۔

پھر اگر اس پر ہی نہ مانیں تو کہہ دو کہ مجھ کو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

ترکیب: مِنَ الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ کا بیان غلظہ بکسر الغین وضمہا مفعول یجدوا فمنہم خبر من مبتداء جملہ جواب اذا ما ایمانا تمیز ہے زادت سے۔ ھل یراکم ای یقولون ھل یری من انفسکم۔ رسول کی صفت اول عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ صفت ثانی حریص علیکم صفت ثالث بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ صفت رابع۔

تفسیر: ان قوانین آسمانی کا ذکر فرما کر اور مسلمانوں کو آیندہ تخلف سے منع کر کے عام جہاد کا حکم دیتا ہے اور قریب والوں سے شروع کرتا ہے کہ پہلے پاس والوں سے پھر اوروں سے رفتہ رفتہ سب سے لڑو قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ اور چونکہ اس کام کے لیے سختی اور بہادری بھی شرط ہے۔ اس لئے فرماتا ہے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً کہ ذرا کرارا پن بھی دکھاؤ۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت ایسے تاریک زمانہ میں ہوئی تھی کہ روئے زمین پر کفر و بدکاری کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور صدہا بنی آدم کا مزاج فطرتی بگڑ گیا تھا۔ ان میں اصلاح کی قابلیت ہی نہ رہی تھی۔ ان کا وجود اس قابل تھا کہ نیست و نابود کر دیا جائے۔ وہ شجر پُر زہر کشت بنی آدم سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاوے اور ایسے زمانہ کے اگلے انبیاء عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام خبر دیتے چلے آئے تھے۔ اسی وجہ سے خدائی جہاد کا جھنڈا بلند کیا کہ حتی المقدور سمجھا جاوے اور جن میں مادۂ اصلاح نہ ہو ان سے دنیا کو صاف پاک کر دیا جاوے۔ اس کام کا لشکر آنحضرت ﷺ کی قوم قرار پائی اور جنگ و قتال میں کبھی شوکت و غنیمت کا بھی خیال ہوتا ہے جو منشاء الٰہی کے برخلاف ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور تقویٰ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جس میں ہر قسم کی منہیات سے بچنے کی طرف اشارہ ہے لیکن ان سب میں بڑھ کر نفاق ہے۔ خصوصاً لشکر میں شمار ہو کر اور اس دفتر میں نام لکھوا کر اس لئے واذا ما انزلت سے لے کر بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ تک نفاق اور منافقین کی مذمت اور ان کی بیہودہ حرکات کا ذکر فرمایا گیا کہ لوگوں کو متنبہ کر دیا اور نفاق کا منشاء یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو عادات خورد و نوش جملہ انسانی باتوں میں اپنے مانند دیکھ کر باوجود معجزات دیکھنے کے آپ کی نبوت اور وحی میں شک کرتے تھے جو محض حماقت تھی۔ جیسا کہ لَا يَفْقَهُوْنَ میں اشارہ ہے۔ اس لئے اس سورۃ کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ کے چند اوصاف حمیدہ ذکر فرمائے جن سے شک جاتا رہے: (۱) مِنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی تمہیں میں کا رسول تمہارے پاس بھیجا جس کے حالات صدق و امانت و عفاف و صیانت ابتداء کی عمر سے تمہیں معلوم ہیں۔ کوئی غیر نہیں کہ جس سے واقف نہ ہوں اور نیز یہ کہ تمہارے ملک تمہاری قوم کا شخص ہے جو تمہارے لئے فخر اور رحمت ہے۔ انفس نفیس سے بھی لیا ہے یعنی تم سب میں سے افضل و اشرف۔ (۲) عزیز علیہ ماعنتم کہ تمہارا دلی دردمند خیر خواہ (۳) حریص علیکم تمہاری بھلائی چاہنے کا نہایت خواہش مند کہ دنیا و آخرت کی خوبی تمہیں پہنچائے۔ (۴) بالمؤمنین رؤف رحیم کہ وہ مسلمانوں پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔ فان تولوا پس اگر اس پر بھی نہ مانیں تو کہہ دو کہ مجھے تمہاری کچھ پروا نہیں۔ حسبی اللہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پر میرا بھروسہ ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

❀❀❀

المنزل الثالث ۳ ورتنتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ ط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان‘ نہایت رحم کرنے والا ہے

یہ آیتیں ہیں پُر حکمت کتاب کی۔ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں سے ایک شخص کی طرف (یہ) وحی بھیجی کہ لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ اور ایمانداروں کو بشارت دو کہ ان کا پایہ ان کے رب کے نزدیک مضبوط ہے۔ کافر کہہ اٹھے یہ تو صریح جادوگر ہے۔ تمہارا رب تو اللہ ہے کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنایا پھر تخت پر بیٹھ کر انتظام کرنے لگا۔ کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب سو اسی کی عبادت کرو۔ کیا تم (پھر بھی) نہیں سمجھتے۔ اسی کے پاس تم سب کو پھر کر جانا ہے۔ اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی بارِ دیگر پیدا کرے گا تا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کو انصاف سے بدلہ دے اور جنہوں نے انکار کیا ہے ان کے لئے کھولتا پانی اور عذابِ الیم ہے۔ ان کے انکار کرنے کے بدلہ میں۔ وہی تو ہے کہ جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کر دیا اور اس کی منزلیں[1] مقرر کر دیں تا کہ تم کو برسوں کی گنتی اور حساب معلوم رہے۔ نہیں بنایا اللہ

---

[1] چاند کی منزلیں یہ ہیں کہ وہ نمودار ہونے کے بعد ہر روز تھوڑا تھوڑا چلتا آتا ہے یہاں تک تیس یا انتیس دن میں پھر وہی آ نمودار ہوتا ہے۔ اس بات کی ←

نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے وہ سمجھداروں کے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے۔ بے شک رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اس نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے (اس میں) البتہ پرہیز گاروں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب: لِلنَّاسِ کان سے متعلق اَنْ اَوْحَیْنَا اسم عَجَبًا خبر اَنْ اَنْذِرْ تفسیر ہے اَوْحَیْنَا کی وَعْدَ اللّٰہِ اور اسی طرح حقًا منصوب ہیں فعل محذوف کے مصدر ہو کر لآیات اسم اِنَّ فِی اخْتِلَافِ اللَّیْلِ خبر اور وَالنَّھَارِ اللیل پر معطوف وما الخ بھی یہ سب مجرور ہیں فی کے جو خبر میں شامل ہیں۔ الذین اسم ان اسم والذین ھم اس پر معطوف اولئک نبر دعواھم مبتدا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ خبر اِسْتِعْجَالَھُمْ منصوب ہے بنزع خافض ای کاستعجالھم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٢ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٣ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝١٤ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ

← اہل تقویم و اہل نجوم نے یہ تشریح بیان کی ہے کہ آسمان کے بارہ حصہ ہیں یعنی فرضی ٹکڑے جیسے خربزہ کی پھانکیں جن کو برج کہتے ہیں۔ اپنی ذاتی رفتار سے چاند ایک رات دن میں ایک برج کے نصف حصہ سے کم کو طے کرتا ہے۔ جس طرح کہ آفتاب اپنی رفتار سے برس بھر میں ان بارہ برجوں کو طے کرتا ہے۔ یہ مہینے بھر میں۔ اس سے موسم اور رات دن بدلتے ہیں جن سے دنیا بھر کے اسباب زندگی غلہ اور پھول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے شمسی اور قمری مہینوں کا حساب قائم ہوا ہے۔ حقانی

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

جولوگ کہ ہم سے ملنے کی[1] امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر ریجھ گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے، ان کے کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کو رہنمائی کرے گا (مقاماتِ سعادت کی طرف) ان کے نیچے جنات النعیم میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں ان کی گفتگو سبحانک اللھم[2] (یعنی اے خدا تیری ذات پاک ہے) اور ان کی باہمی دعائے خیر سلام علیکم ہوگی اور ان کی اخیر بات الحمد للہ رب العلمین ہوگی اور اگر اللہ بھی ویسی ہی سزا دینے میں جلدی کیا کرتا جیسا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کا وقت بھی پورا ہو چکا ہوتا (لیکن) ہم ان لوگوں کو کہ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتے ہیں اور جبکہ انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے ہم کو پکارتا ہے۔ پھر ہم اس کا دکھ اس سے دور کر دیتے ہیں تو ایسا ہو کر چلتا ہے کہ گویا اس نے (کبھی) ہم کو اس دکھ کے رفع کرنے کے لئے جو اس کو پہنچا تھا پکارا ہی نہ تھا۔ بیہودہ لوگوں کے کام ان کی (نگاہ میں) یوں آراستہ کئے گئے ہیں اور تم سے پہلے ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ وہ ظلم کرنے لگے تھے اور ان کے پاس ان کے رسول معجزے (بھی) لے کر آئے تھے اور وہ کیا ماننے والے تھے۔ ہم نافرمانوں کو یوں بدلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر جانشین کیا تا کہ ہم دیکھیں گے تم کیسے کام کرتے ہو؟ اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں یہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آیا اس کو بدل دے (سوائے رسول! آپ ان سے) کہہ دیجئے۔ میرا کیا مقدور کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ کہو اگر اللہ چاہتا تو میں اسے پڑھ کر نہ سناتا (اور) نہ اس کی تمہیں خبر کرتا کیونکہ میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاوے۔ بے شک نافرمانوں کو ہرگز فلاح نہ ہوگی۔

تفسیر: اس سورۃ میں چونکہ یونس علیہ السلام کا عبرت انگیز ایک نیا قصہ ہے اس لئے اسی نام سے یہ سورۃ صحابہ میں نامزد ہوگئی۔ یہاں تک وہ سورتیں تھیں جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں جن میں نکاح' طلاق' میراث' قصاص' جہاد و سیاست کے احکام اور حلال و حرام کا بیان تھا۔ اب یہاں سے وہ سورتیں شروع ہوتی ہیں جو ہجرت سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مکہ میں نازل ہوئیں جبکہ مکہ اور اس کے اطراف بلکہ بیشتر عرب بلکہ تمام دنیا پر گمراہی اور الحاد اور بدکاری اور بت پرستی اور اوہام باطلہ کے دریا موجزن تھے۔ خاص عرب میں چند گروہ تھے: (۱) وہ کہ جو سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود ہی کے قائل نہ تھے صرف دہر اور طبائع اجسام کو موجد و منفی خیال کرتے تھے۔ وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ نہ حشر و نشر نہ حساب کے قائل اور نہ سلسلۂ نبوت کے قائل تھے۔ (۲) خدا کے تو قائل تھے مگر حشر بالاجساد اور سلسلۂ نبوت کے منکر تھے۔ بتوں

۱؎ یعنی ان کو یقین نہیں کہ مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے۔ ۱۲منہ

۲؎ ہر قسم کی خوبیاں اللہ ہی کو سزاوار ہیں۔ جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

اور جنوں اور دیگر مخلوقات کی پرستش کو خدا کی رضامندی کا ذریعہ اور دنیاوی کامیابی کا وسیلہ جانتے تھے جیسا کہ ہنود کا قول ہے۔ مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّالِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی پھر ان چیزوں میں سے کسی کو اپنے زعم فاسد میں خدا کا بیٹا یا بیٹی' کسی کو غیب دان' کسی کو اس کے کارخانہ کا مدار المہام خیال کرتے تھے جس کے جواب میں اس سورہ میں اپنی نسبت یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کہنا پڑا۔ (۳) کچھ حکیمانہ خیالات کے لوگ بھی تھے کہ نبوت کے منکر تھے اور عقل کو حسن وقبح کے ادراک میں کافی جانتے تھے۔ الہام اور آسمانی کتابوں کے منکر تھے۔ خصوصاً آدمی کا رسول ہو کر آنا بھی تعجب انگیز امر تھا کہ انسان باہم مساوی ہیں۔ پھر ایک شخص کو خدا سے ایسا قرب حاصل ہونا ایک امر خلافِ عقل ہے۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کو امی اور فقیر خیال کر کے اور بھی تعجب کرتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ اور مجوس ان کے علاوہ تھے جو اطراف عرب عراق و یمن میں رہتے تھے اور اب بھی دنیا میں جس قدر گمراہ فریق ہیں وہ انہیں اقسام ثلاثہ کی کوئی نہ کوئی شاخ ہیں۔ خدا تعالیٰ اس سورہ میں ان تینوں فریق کا رد کرتا ہے اور ان کے اقوال و عقائد کا مفصلاً جواب دیتا ہے۔ فقال الر اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے اے فصحاءِ عرب تمہارے کلام مرکب ہوتے ہیں۔ پھر اگر اس میں کوئی بات انسان کی قوت سے بڑھ کر نہیں تو پھر تم بھی معمولی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم ہم ملک ہوا ایسا تم بھی کہہ لاؤ' لیکن نہیں کہہ سکتے کس لئے کہ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ کہ یہ آیات کتاب مبین کی آیات ہیں کہ جو انسان کی سعادت و شقاوت اور عالم آخرت کا حال اور حرام و حلال' نجاست و پاکیزگی کے احکام اور قتل و میراث اور جملہ معاشرت کے قوانین بیان کرتی ہے کہ جو خاص الہامِ الٰہی کا کام ہے۔ سب سے اول قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ثابت کرنا آیندہ مطالب کے لئے پر ضرور تھا۔ اس لئے سب سے اول اسی بات کو ثابت کیا۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت شروع کیا۔ فقال اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ کہ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف (یعنی محمد ﷺ کی طرف) وحی بھیجی اور وہ اس لئے کہ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ کہ لوگوں کو ان کے برے اعمال اور برے عقائد کے برے نتائج سے جو دنیا میں اور بیشتر مرنے کے بعد پیش آتے ہیں' ڈراوے اور ایمانداروں کو اس بات کا مژدہ سناوے کہ ان کے رب کے پاس ان کا راستی کا پایہ ہے وہ اس کے ہاں راستباز اور اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔ اس بات پر تعجب ہی نہیں کیا بلکہ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ کافر یہ بول اٹھے کہ یہ نبی تو کھلا کھلا جادوگر ہے۔ مسئلہ نبوت پر جو کچھ منکرین کا شبہ اور اعتراض تھا تو یہی تھا اور اس کے سوا ابطالِ نبوت پر اور کوئی دلیل بھی نہیں رکھتے اور جب اغراض و مقاصد نبوت پر غور کیا جاوے جیسا کہ آیت میں مذکور ہوا تو یہ شبہ خود بخود لچر اور پوچ ہو جاتا ہے کیونکہ خدا اپنی رحمت سے کیونکر بنی آدم کو وادیِ ضلالت میں ٹکراتے چھوڑ دیتا۔ یہاں تک قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت کر دیا۔ تیسرے فریق کا' اور جو ان کا ہم مشرب تھا ان کا بھی رد ہو چکا۔ نبوت ثابت ہو گئی تو منصبِ نبوت کے پیرایہ میں فریقِ اول کا رد کرتا ہے۔ فقال اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ تک کہ تمہارا رب تو وہ ہے کہ جس نے چھ روز کے عرصہ میں آسمانوں اور زمین کو بنایا اور تختِ حکومت پر بیٹھ کر ہر کام کی تدبیر و انتظام کرتا ہے یعنی یہ محسوسات از خود نہیں بن گئے ہیں۔ یہ حادث ہیں ان کے لئے محدث ضرور ہے اور محدث بھی علیم و حکیم جو ہر شے کا انتظام شائستہ کرتا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے اس میں فریقِ اول کا بکمال خوبی رد ہے اور نیز ان اوہام پرست قوموں کا بھی جو خدائی کارخانوں میں اس کی مخلوق کو ساجھی جان کر پوجتے' نذر و نیاز کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ سب چیزوں کو تو اللہ نے بنایا اور پھر وہی سب کچھ تدبیر و تصرف بھی جہان میں کرتا ہے۔ پھر اس کا کس بات میں شریک بن سکتا ہے۔ انہوں نے کہا پیدا کیا ہے وہ کیا تدبیر و تصرف جہان میں کرتے ہیں اس میں دوسرے فریق کا بھی رد ہے۔ جو مخلوق پرستی کرتا ہے یہاں تک تو مبدء کا ذکر تھا اب معاد کا ذکر کرتا ہے۔ فقال اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا۔ کہ تم سب کو اسی کے پاس پھر کر جانا ہے۔ جدھر سے وجود عطا ہوا تھا اسی کی طرف پھر کر جائے گا اور بڑی دلیل اس کی یہ ہے وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا کہ اللہ نے سچا وعدہ کر لیا ہے اور اللہ بھی وہ

کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے نبی بھیجا' قرآن اتارا۔ اس کے نزدیک اس کا ایفاء کیا بات ہے اور کیونکر جھوٹ ہو سکتا ہے اور اے بنی آدم! کچھ تمہارے ہی وجود کا اعادہ نہ ہوگا بلکہ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ اس نے مخلوق کو پیدا کیا یا کہو ہر وقت پیدا کرتا ہے کسی شے کا وجود ایسا نہیں کہ اس کو ایک آن بھی استقلال نصیب ہو بلکہ ہر لحظہ اسی کی طرف محتاج ہے۔ پھر جس نے یہ بساطِ مخلوق بچھایا ہے ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وہی بار دگر نیست کے بعد ہست کر دے گا۔ یہ اس لئے لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اول وجود کا رنگ وجودِ ثانی میں نمایاں ہو جاوے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایمانداروں کو نیک بدلہ انصاف سے دے اور منکروں کو عذابِ الیم ان کے کفر کا بدلہ ملے۔ یہاں حشر کا مسئلہ تھا اور اس کے منکرین کی پُر الفاظ میں تسکین کر دی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ مخلوق آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اس کے اندر اپنی قدرت و کمال کے دلائل اپنے حیرت انگیز تصرفات سے ثابت کرا کے امکانِ حشر اور اپنے وجود اور صفات کا ثبوت اور شرک کا رد کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً الخ کہ وہی تو ہے کہ جس نے آفتاب کو روشنی عطا کی ورنہ مادۂ اجسام تو ایک ہی ہے پھر یہ خصوصیت کہاں سے از خود آ گئی ہے اور چاند کو اس کی منازل پر روانہ کیا۔ اس میں اپنی قدرت بھی دکھا دی اور اس سے بندوں کا فائدہ بھی کر دیا کہ برسوں کا اندازہ اور ہر شے کی عمر کا حساب اس سے ہوتا ہے اور اسی طرح رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اس نے پیدا کیا ہے' اس میں خدا ترس کے لئے بہت نشانِ قدرت ہیں۔ آسمانوں کے اندر ہزاروں نیّرات اور بادل اور بجلی اور بارش اور ان میں جو جو قدرت کی رنگینیاں ہیں حیرت بخش ہیں مگر نہ سب کے لئے بلکہ پرہیزگاروں کے لئے کیونکہ جو لذائذ دنیا اور اس کے نشے میں مست ہو کر اندھے ہو گئے ہوں هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ وہ تو ہماری آیاتِ قدرت سے غافل ہیں۔ اب یہاں سے پھر عالم آخرت کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ فقال اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ کہ ان کا ٹھکانا آگ ہے نہ زبردستی سے بلکہ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ انہیں کی بری کرتوتوں سے اس کے مقابلہ میں نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ ان الذین آمنوا کہ جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہیں بیٹھ گئے بلکہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں۔ یَهْدِیْهِمْ ان کا رب ان کے ایمان کی برکت سے کیونکہ اصل وہی ہے ان کو ایسے باغوں کی طرف رہنمائی کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی نہریں ہیں اور وہ جنت میں خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کریں گے۔ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ الخ منکرین حشر جو دنیا کی نعماء میں مسرور تھے اس بیان پر یہ شبہ پیدا کیا کرتے تھے کہ اب کیوں خدا ہم کو ہمارے برے کاموں کی سزا نہیں دیتا۔ حشر پر کیوں موقوف کیا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ الخ کہ اگر خدا لوگوں کی برائی کی سزا ایسی جلد دیا کرے کہ جیسا وہ نیکی یعنی بھلائی کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکتا۔ ہم ایک وقت تک مہلت دیتے ہیں۔ پر وہ اس میں بھی اپنی سرکشی ہی میں اندھے بنے رہتے ہیں۔ توبہ وزاری نہیں کرتے۔ اب فرماتا ہے کہ دنیا میں بھی ہم برائی کے بدلہ میں مصیبت بھیج دیا کرتے ہیں مگر اس وقت تو انسان کھڑا اور پڑا ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اس سے وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ گویا ہم سے کوئی سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ بیہودہ لوگ اپنی ان باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی ان کی نظروں میں بیہودگی کو کھبا رکھا ہے۔ اس کے بعد پہلی امتوں کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ (۱) اول لوگوں کو بھی ہم نے کبھی دنیا میں ان کی بدکاری سے ہلاک کر دیا ہے۔ (۲) اور اول بھی رسول آئے تھے۔ ان سے بھی یہی معاملات پیش آئے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فقال وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الخ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے بعد ان کے جانشین برپا کئے تاکہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور کیا کرنے کے ذیل میں جو کچھ قریش مکہ محمد ﷺ کے ساتھ کرتے تھے' اس کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا الخ کہ جب ان کو ہماری آیاتِ روشن جن میں کچھ ابہام و اخفاء نہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان میں ان کی بت پرستی اور برے کاموں کی مذمت ہوتی ہے تو قرآن سے ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بدلہ اور لا یا اس کو بدل ڈال کہ اس میں یہ مذمت نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دو میں نہیں

بدل سکتا۔ میں تو حکم کا تابع ہوں جو مجھے ارشاد ہوتا ہے تم سے کہتا ہوں۔ اگر ذرا بھی بدلوں تو عذاب عظیم تیار ہے اور تم نے یہ کیوں خیال کرلیا کہ میں اپنی طرف سے تمہیں سناتا ہوں۔ میری تم میں ایک عمر گذر گئی ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں کیا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔ پس میں مامور من اللہ ہوں خدا پر کوئی بہتان باندھ کر نہیں لایا ہوں کیونکہ جو ایسا کرتا ہے وَاِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اور مجرموں کو کبھی فلاح نہیں۔ اگر تم دیکھو کہ مجھے فلاح اور فتح مبین ہے تو یقین کرلینا کہ من اللہ ہوں توریت سفر استثنیٰ کے ۱۸ باب میں ہے کہ ''جو کوئی نبی کوئی بات میرا نام لے کر اپنی طرف سے کہے گا وہ مارا جاوے گا''۔ اب نبی ﷺ کی روز افزوں کامیابی سے بڑھ کر اور کونسا صریح معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان ہوسکتا ہے۔ اٰمَنَّا بِهٖ۔ ان آیات میں سعادتِ ازلیہ سے محروم ہونے والوں کی چار صفتیں ذکر فرمائیں: (اول) لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا۔ ابن عباس و مقاتل و کلبی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ حشر سے نہیں ڈرتے۔ بعض کہتے ہیں الرجاء الطمع وھو محمول علی ظاہرہ لا وجہ لعدولہ کہ اس عالم فانی کے لذائذ حسیہ (حسیسہ) اکل و شرب، جماع وغیرہ میں یہاں تک مستغرق ہیں کہ اس خیال نے ہمارا شوق ان کے دل سے بھلا دیا۔ ایسوں کے خاسر ہونے میں کیا کلام ہے۔ بعد مرنے کے ان کی جدائی میں تڑپیں گے۔ دوم رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا صفت اول میں اس طرف اشارہ تھا کہ ان کے دل میں لذاتِ روحانیہ اور سعادتِ معارفِ ربانیہ کا شوق بھی نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لذائذِ جسمانیہ پر غش ہیں۔ اسی کو بس سمجھتے ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ دنیا ہر کار میں مقدم ہے۔ شب و روز اسی کے حاصل کرنے میں سرگرداں اور ہمہ وقت اسی پر شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ بڑے مستحکم مکان بنائے جاتے ہیں۔ سینکڑوں برسوں کے پٹے لکھوائے جاتے ہیں۔ ادھر چند روز کے بعد دم نکل گیا سب کچھ دھرا رہ گیا۔ سوم اطْمَاَنُّوْا بِهَا کہ اس پر اطمینان بھی ہے کہ جس طرح اہلِ سعادت کو ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہوتا ہے اسی طرح ان کو حیاتِ دنیا سے۔ چہارم وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کہ ان کو خدا کی آیاتِ قدرت اور آیاتِ کتاب سے محض غفلت ہے۔ محبتِ دنیا نے عالمِ آخرت کی جگہ ہی دل میں باقی نہیں رکھی۔ موت کا نام سن کر گھبراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ذکر فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ان چیزوں کی محبت بعد مفارقتِ بدن آتشِ جہنم بن کر جلائے گی۔ ان کے مقابلے میں اہلِ سعادت کے درجات ذکر کرتا ہے۔ فقال (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲) وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انسان کی دو قوت ہیں نظری اور عملی پہلی قوت کی تکمیل تو ایمان اور معارف سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے ہر قسم کا عمدہ کام کرنے سے سوان کی دونوں قوتیں کامل ہیں اور یہی سعادت کا پورا سامان ہے۔ ان مجمل لفظوں میں تمام حسنات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تعلیم کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ ان کے درجات ذکر فرماتا ہے: (۱) یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ کہ ان کے ایمان کی وجہ سے جو ایک نور اور چراغ ہدایت ہے اس عالم میں جنت کی طرف رہنمائی کرے گا اور نیز دنیا میں بھی ایمان ہر مراتبِ سعادت کی طرف ترقی کرنے کا محرک ہوتا ہے اور ذاتِ حق اور دیگر اسرارِ معرفت کی طرف بھی یہی انسان کو کھینچ کر لے جایا کرتا ہے۔ (۳) تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ کہ ناز و نعیم کے ایسے باغوں میں رہا کریں گے جہاں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کے معارف جاریہ اور اعمالِ صالحہ جن پر وہ اس عالم میں سوار ہیں وہاں انہارِ الطافِ رحمانی کی صورت میں ظہور کریں گے۔ یہاں تک جنت اور نعماءِ جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا اس کے بعد نعماءِ روحانیہ کا ذکر کرتا ہے (۳) دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ دعوٰی بمعنی دعاء (یقال دعا یدعو دعاءً و دعوی کما یقال شکی یشکو شکایۃ و شکوی) یعنی وہاں ان کی دعا ان الفاظ سے ہوگی۔ بعض کہتے ہیں دعا سے مراد عبادت ہے کہ وہاں بجز اس قول کہنے کے اور کوئی عبادت نہ ہوگی۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ دعوے سے مراد بات چیت، آپس میں پکارنا سو وہ اس قول سے ہوگی۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد طریقہ ہے کہ ان کا وہاں یہ طریقہ ہوگا۔ (۴) تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ کہ بوقتِ ملاقات آپس میں تحیہ بلفظِ سلام ہوگا (۵) اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ان تینوں جملوں کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے احتمالات بیان فرمائے ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اول بار جب جنت میں وعدۂ الٰہی کے موافق نعماء دیکھیں گے تو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے اور

جب ایک دوسرے سے ملے گا تو سلام اور جب کلام تمام کر چکیں گے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے اور اقویٰ یہ ہے کہ معارفِ الٰہی میں جب ترقی کریں گے تو سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ کہیں گے یعنی ملائکہ کی طرح اس کے انوار و تسبیح و تقدیس میں مستغرق رہیں گے اور جب باہمی اختلاط ہوگا تو ایک دوسرے کو سلامتی کے ساتھ خطاب کرے گا اور وہاں کی لذائذِ روحانیہ وجسمانیہ پر محظوظ ہو کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے یعنی شادی اور سرور میں ہوں گے۔ والعلم عنداللہ

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۲۰﴾ ع وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِي اٰيَاتِنَا ۚ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ[1] وَّجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّا أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ۖ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

---

[1] ریح عاصف ہے ذات عصف وقیل العصوف مختص بالریح فلا حاجۃ الی الفارق وقیل الریح قد یذکر ۱۲ ابو السعود۔ ومعنی العصف السرعۃ یقال ناقۃ عاصف کبیر ۱۲ منہ

اور وہ اللہ کے سوا اس چیز کو پوجتے ہیں کہ جو نہ ان کو ضرر ہی دے سکتی ہے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے نزدیک ہماری سفارش کرنے والے ہیں (سو کہہ دیجئے) کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتلاتے ہو کہ جس کو نہ وہ آسمانوں میں پاتا ہے نہ زمین[1] میں (ان سے کہہ دو کہ) وہ پاک اور بری ہیں ان کے شریک مقرر کرنے سے (اور شروع میں) لوگ ایک ہی گروہ کے تھے۔ پھر مختلف ہو گئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات[2] نہ ہو چکی ہوتی تو جس میں کہ وہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا اس میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور کہتے ہیں اس کے رب کی طرف سے کوئی بڑا معجزہ[3] کیوں نہ اترا تو کہہ دو کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے (لیکن) تم انتظار کرو تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں[4]۔ اور جب لوگوں کو مصیبت کے بعد جو ان پر پڑتی ہے ہم رحمت کا ذائقہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری آیتوں میں حیلہ سازی کرنے لگتے ہیں۔ اے نبی کہہ دو اللہ کا حیلہ تو بہت تیز ہے۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) تمہاری حیلہ گری لکھ رہے ہیں۔ وہی تو ہے جو تم کو جنگل اور دریا میں لئے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور موافق ہوا سے وہ کشتیاں ان کو لئے جا رہی ہیں اور یہ خوش ہیں کہ (دفعۃً) ان کشتیوں پر تند ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے ان پر پانی کی دھڑیں گرنے لگیں اور یقین ہو گیا کہ اب تو (برے) گھر گئے۔ جب تو خالص اللہ ہی کو مان کر اس کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دی تو ضرور ہم تیرا شکر کیا کریں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو زمین پر اترتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی تمہاری ہی جان کا وبال ہے۔ زندگی دنیا کے مزے ہیں لے لو پھر تو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے تب ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

ترکیب: مالا یضرھم مفعول ہے یعبدون کا من دون اللہ مفعول کی صفت سبحانہ منصوب ہے مصدر ہو کر فعل محذوف کا و اذا اذقنا شرط اذا مفاجاتیہ جواب اذا ھم فلما کا جواب۔

تفسیر: لا یفلح المجرمون کے بعد ان کے جرم صریح اور اعتقادِ قبیح کی تصریح فرماتا ہے کہ یعبدون الخ خدا کے سوا ایسی بے سود چیزوں کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ ان کو کچھ نفع دے سکتی ہیں عبادت کرنے سے نہ نقصان ترکِ عبادت سے اور اپنے زعمِ فاسد میں ان کا ان سے یہ نفع خیال کرنا بھی غلط ہی ہے لا شفاؤنا عند اللہ یہ ہماری خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں ہم ان موتوں یا اپنے بزرگوں سے مانگتے ہیں وہ اللہ سے سفارش کر کے ہمارے مطالب دلاتے ہیں کیونکہ اتنبئون اللہ الخ جب اللہ ہی کے علم میں ایسے سفارشیوں کا وجود نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں تو پھر تم کہاں سے خدا کے سفارشی بتلا رہے ہو۔ سبحانہ الخ یہ تمہارے سب خیالاتِ فاسدہ ہیں۔ اس قسم کے سفارشی اس کے کارخانۂ قدرت میں شریک ٹھہرتے ہیں۔ وہ شریکوں سے پاک اور بری ہیں۔ عرب کے مشرک (بلکہ ہند) وغیرہ بلاد کے اب تک کے مشرکین ایسی بدیہی البطلان باتوں پر الزام کھا کے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ دستور آج سے نہیں قدیم سے ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: ماکان الناس الخ کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کس لئے کہ ابتداءِ آفرینشِ آدم سے مدتِ دراز تک سب اپنی فطرت کے موافق ایک ہی امت یعنی موحد اور خدا پرست تھے۔ یہ تو بعد میں کجرووں نے فطرتِ الٰہی میں اختلاف کر کے بت پرستی اور گمراہی نکالی ہے جن کی تم مورتیں پوجتے ہو۔ انہیں کو دیکھو کہ وہ اکثر موحد اور خدا پرست تھے نہ وہ کسی کو پوجتے تھے نہ کسی قبر پر سجدہ کرتے تھے نہ ان کی نذر و نیاز کر کے منتیں مانگتے تھے۔ نوشتۂ ازلی یوں ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ عرب کے جاہلوں کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ دل میں قائل ہو کر آنحضرت ﷺ سے اپنی خواہش کے موافق معجزہ طلب کیا کرتے تھے۔ چونکہ ایسے عنادیوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کرنا قانونِ نبوت اور قاعدۂ قضاء و قدر کے خلاف

---

[1] یعنی اس کا کہیں بھی وجود نہیں فرضی بات ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی حق و باطل کی حقیقت کا انکشاف کلی قیامت ہی پر منحصر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں بھی کر دکھاتے۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام سے جب بوقتِ صلیب یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تو نہ دکھایا جیسا کہ انجیل متی کے ۲۸ باب میں ہے پھر پادری صاحب اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے معجزات کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[4] اخیر نتیجہ کا۔ ۱۲ منہ

ہے ان کے قول لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کے جواب میں اِنَّمَا الْغَيْبُ الخ فرمایا گیا کہ یہ اسی کے اختیار میں ہے جانے وہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات وہی جانتا ہے اور ممکن ہے کہ آیت سے مراد ان کی وہ ہلاکی اور کفار کی مغلوبی ہو کہ جس کا آنحضرت ﷺ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ سو وہ اس کا وقت پوچھتے ہوں گے جس پر یہ فرمایا گیا۔ اس لئے اس کے بعد ان سے دو واقعے ایسے بیان کئے جاتے ہیں کہ جن میں آیت اللہ آنکھوں سے دیکھ کر منحرف ہو جاتے ہیں۔ اول کی طرف اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ الخ میں اشارہ ہے۔ اَرْسَلْنَا سے مراد ملائکہ ہیں جو انسان کے نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔ دوم کی طرف هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ الخ میں دریائی سفر میں جب تم طوفان اور گرداب میں پھنستے ہو تو ہمیں کو خالص پکارتے ہو پھر منحرف ہو جاتے ہو یہ کیا کم نشانی ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

زندگی دنیا کی مثال تو بس پانی کی سی ہے کہ جس کو ہم نے آسمان سے برسایا جس سے زمین[1] کی وہ بوٹیاں اس سے مل کر نکلیں کہ جن کو آدمی اور چار پائے کھاتے ہیں۔

---

[1] یعنی پانی سے۔ پانی جب زمین میں پیوست ہوتا ہے تو اس امتزاج سے نباتات پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان و بہائم کھاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ زوج کے پانی کے اور زمین بمنزلہ رحم انثیٰ کے ہے۔ یہ اختلاط ان کے اختلاط کے مشابہ ہے نباتات کی روئیدگی انسانی تولد سے مشابہ ہے یا برعکس کہو کیونکہ مشابہت طرفین سے ہے اب جس طرح یہ نباتات لہلہاتی اور بہار پر آتی ہیں اسی طرح انسان بھی جوانی اور بالیدگی کے ایام میں لہلہاتا ہے۔ پر جس طرح اس چند روزہ بہار کے بعد اس روئیدگی پر فنا کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں کہ زرد پڑتی گئی آخر گر پڑی اور ہوا میں ذرہ ذرہ ہو کر اڑنے لگی اور پاؤں میں روندی گئی اور خاک سے نکلی تھی پھر خاک میں جا ملی۔ آثار پیری نمودار ہونے لگتے ہیں۔ آخر مر جاتا ہے اور خاک میں جا ملتا ہے۔ اس کی زندگی کے عیش اور اسباب کامرانی کا کہیں پتا بھی نہیں ملتا۔ پھر اس بے ثبات عمر پر یہ سرکشی یہ نافرمانی پھر جس طرح سال گذشتہ کی نباتات پھر سال آئندہ میں بارش ہوتے ہی زمین سے ←

یہاں تک کہ جب زمین اپنی تازگی پر آئی اور ہری بھری ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھ لیا کہ اب یہ ہمارے قابو میں آ گئی (کہ یکا یک) رات یا دن میں اس پر ہمارا حکم آ پہنچا۔ تو ہم نے اس کا ایسا ستھراؤ کر دیا کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا۔ ہم اس طرح سے کھول کھول کر سوچنے والوں کے لئے (اپنی قدرت کے) دلائل بیان کر رہے ہیں اور اللہ تم کو دارالسلام (جنت) کی طرف بلا رہا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ نیکوں کو نیک بدلہ ہے اور کچھ بڑھ کر بھی ہے اور نہ ان کے مونہوں پر سیاہی چڑھے گی اور نہ رسوائی۔ یہی ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور جنہوں نے کہ برائیاں کمائی ہیں ان کو ویسا ہی برائی کا بدلہ ملے گا اور ان پر رسوائی طاری ہوگی۔ اللہ سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک ٹکڑا اُڑھایا گیا ہے۔ یہی ہیں دوزخی جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ترکیب: کماء خبر مثل الحیوۃ بہ الباقیل للسبب ای اختلاط النبات بسبب اتصال الماء بہ وقیل المعنی خالطہ نبات الارض مما یا کل حال من النبات اتٰھا جواب اذا بِالْاَمْسِ یراد بہ الزمان الماضی مطلقا واذا ا ریدبہ الیوم الذی قبل یومک کان بغیر اللام والذین کسبوا مبتداء اس کی خبر یا مالھم یا کانما اولئک جزا سَیِّئَۃ جملہ معترضہ مبتداء بِمِثْلِھَا خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ یہ دنیا جس میں تم سرکشی کرتے ہو متاع ہے یعنی برتنے کی ایک بے حقیقت چیز ہے اب یہاں دنیا کی بے ثباتی بیان فرماتا ہے بارش کے پانی اور اس کی روئیدگی کے ساتھ تشبیہ دے کر کہ جس طرح بارش سے زمین پر گھاس اناج اگتا ہے اور اس کی سبزی دلکش ہوتی ہے جس کو دیکھ کر کھیتی والا خوش ہوتا ہے کہ اب ہم اس سے نفع حاصل کریں گے کہ یکا یک اس پر اولے پڑ جاویں یا کوئی اور مصیبت آ جاوے کہ کھیت صاف نظر آ ئے۔ اس وقت مالک کے دل میں کس قدر حسرت ہوتی ہے؟ اسی طرح انسان منی کے پانی سے عورت کے رحم میں پیدا ہوتا اور باہر آ کر جوانِ رعنا ہوتا ہے۔ دنیا کی چیزیں بڑی بڑی امیدوں پر سمیٹتا پھرتا ہے کہ یکا یک اجل کا پیغام آتا ہے۔ پھر دنیا سے ایسا ناپید ہوتا ہے کہ گویا یہاں کبھی آیا ہی نہ تھا۔ اس ہری گھاس کی طرح جس کی عمرِ طبعی چند ایام تھی۔ چند برسوں کے بعد روندن ہو جاتا ہے۔ کہیں ہڈی، کہیں سر کی کھوپڑی، کہیں ٹانگ، کہیں ہاتھ پڑا پھرتا ہے۔ پھر اس کی خاک ہو کر ذرہ اور غبار میں اڑتی پھرتی ہے۔ اس عالم میں اس کو ہزاروں حسرتیں اور اس کے سرنے پر اس کے بعد اعزہ کے دل میں داغ رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد عالم باقی کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ اللہ تم کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف بلا رہا ہے۔ وہ سلامتی کا گھر ہے نہ وہاں کوئی دکھ ہے نہ درد مگر یہ بے خبر جس طرح ماں کے پیٹ کو عمدہ جگہ سمجھ کر اس فضا میں آنے پر روتا تھا اسی طرح اس تنگ و تار دنیا سے عالم نور و سرور کی طرف جانے میں کوتاہی کر رہا ہے۔ پھر اس عالم کے لئے اس کشتِ دنیا میں عمدہ اور بڑے پھل بونے اور ان کے نتائج پیدا ہونے کا ذکر کرتا ہے کہ للذین نیکوں کو نیکی اور زیادہ یعنی دیدارِ الٰہی اور بروں کے لئے عذابِ دائمی اور روسیاہی ہے۔ ہائے غفلت! خدا تعالیٰ دارالسلام کی طرف بلا رہا ہے اور ہم دارالآلام میں پھنسے جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ

ع نکل پڑتی ہے اسی طرح قیامت کے روز ایک پانی برسے گا جو ماء الحیات کے نام سے موسوم ہوگا۔ اس سے تمام انسان نباتات کی طرح زمین سے یکبارگی نکل پڑیں گے اور وہ حیات حیاتِ ابدی ہوگی جہاں نیکی بدی کا ثمرہ ملے گا۔ انسان کی آسمانی بارش اور اس کی روئیدگی سے کیا ہی عمدہ مثال ہے۔ گویا اس کی ابتداء سے انتہاء تک کی حالت کا اسی کو مشاہدہ کرا دیا۔ ۱۲ منہ

ل المزایلۃ المفارقۃ والتزیل التباین ۱۲ منہ

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جس روز کہ ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر شرک کرنے والوں کو کہیں گے تم اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے یہیں ٹھہرے رہو۔ پھر ان میں ہم جدائی کر دیں گے اور ان کے معبود کہیں گے کہ تم تو ہماری بندگی نہیں کرتے تھے۔ پس (اب) ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی کی شہادت بس ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ وہاں ہر شخص جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا جانچ لے گا اور سب اللہ کی طرف جو ان کا مالکِ حقیقی ہے لوٹا کر لائے جائیں گے اور جو کچھ وہ منصوبے باندھتے تھے سب کھولے جائیں گے۔ پوچھئے وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی پہنچایا کرتا ہے وہ کون ہے کہ جس کے بس میں شنوائی اور بینائی ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو ہر کام کا انتظام کیا کرتا ہے۔ سو وہ عنقریب کہیں گے کہ اللہ۔ بس ان سے کہو کہ کیوں نہیں ڈرتے۔ پھر بھی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور ہے کیا؟ پس کدھر پھرے چلے جا رہے ہو آپ کے رب کا فرمان نافرمانوں پر یوں صادق ہو کر رہا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

ترکیب: عامل یوم اذکر محذوف مَکَانَکُمْ ظرف مبنی ہے لوقوعہ موقع الامرای الزموا وفیہ ضمیر فاعل وانتم توکید لہ والکاف والمیم فی موضع جر عند قوم وعند آخرین الکاف للخطاب لا موضع لھا کاف فی ایاکم وشُرَکَآؤُکُمْ عطف علی الفاعل فزیلنا عین الکلمۃ واو لانہ من زال یزول[۱] وقیل ہو من زلت الشیء ازیلہ فعینہ یاء۔

تفسیر: وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ یہ بیانِ سابقہ کا تتمہ ہے یعنی ان بت پرستوں کے ساتھ حشر کے روز یہ کیا جائے گا جو لوگ دنیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو پوجتے ہیں خواہ ملائکہ کو خواہ جنوں اور ارواحِ انبیاء و اولیاء اللہ کو خواہ عناصر اور کواکب کو خواہ ان کے نام کی مورتیں بنا کر یا یونہی ان کو پکارتے ہر کاروبار میں ان کو حاجت روا مشکل کشا جانتے ہیں۔ ان کی نذر بھینٹ کرتے ہیں جیسا کہ مکہ اور عرب کی قومیں کرتی تھیں۔ سو یہ چیزیں ان کے شرکاء یعنی فرضی معبود ہیں اور بڑا حیلہ ان کی پرستش کا یہ تھا کہ ان چیزوں کو اللہ کے پاس اپنا سفارشی خیال کرتے تھے۔ اب جو حشر کے دن ان سے اور ان سے معاملہ درپیش ہوگا حق سبحانہ اس کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم سب کو یعنی عابدین و معبودین کو جمع کر کے یہ کہیں گے کہ ٹھہرو پھر ان عابدین اور معبودین میں فرق کر دیں گے یعنی ان کو ان سے الگ کر دے گا تا کہ ان کو وہ گمانِ فاسد کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں غلط ثابت ہو جاوے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ وہ معبود خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اے مشرکین! تم ہماری ہرگز عبادت نہ کرتے تھے (بلکہ اپنے شیطانی خیالات و وسواسات کی) اور ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں۔ فرماتا ہے اس وقت ہر شخص کو حقیقتِ حال معلوم ہو جاوے گی۔ تبلو الابتلاء والاختبار قال تعالیٰ (وبلوناھم بالحسنات والسیئات) کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا یہاں کھرا کھوٹا پرکھا جاوے گا

[۱] یعنی توحید اور ایمان قبول نہ کرنے میں ان بدبختوں کے پاس کوئی حجت نہیں اب بھی وہ نہیں مانتے تو نصیبۂ ازلی کی مار ہے۔ ۱۲ منہ

اور جب یہ معلوم ہوگا کہ تو رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ الخ سب معبودوں کو چھوڑ اپنے حقیقی مولیٰ کی طرف پھیر کر لائے جائیں گے اور سب منصوبے بھول جائیں گے۔ قُلْ من یرزقکم حشر کا واقعہ جانگداز بیان فرما کر ان کے فسادِ مذہب پر دلائل قائم کرتا ہے۔ دلیل اول یہ چار باتیں کہ جو الوہیت کا خاصہ مختصہ اور عبودیت کے مقتضی ہیں کافر اور بت پرست بھی اللہ کے لئے مانتے تھے: (۱) آسمان و زمین سے روزی دینا' بارش کرنا' آفتاب و ماہتاب کی گرمی سردی موافق رکھنا' اولوں اور دیگر مصائب سے محفوظ رکھنا' زمین سے یہ کہ اس سے طرح طرح کی نباتات اگانا ان کا اچھا پھل پھول لانا۔ (۲) مَنْ یَّمْلِکُ الخ انسان کے حواسِ سمع و بصر پر قادر ہونا ان سے بندوں کو متمتع کرنا۔ (۳) وَمَنْ یُّخْرِجُ مردے سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس جیسا کہ درخت یا انسان کا تخم مردہ چیز ہوتی ہے اس سے سرسبز درخت یا چلتا پھرتا انسان پیدا کرنا پھر درخت میں سے وہ دانہ اور انسان سے وہی مردہ منی پیدا کر دینا یہ الٹ پلٹ اسی کا کام ہے یا کافر سے مومن' مومن سے کافر پیدا کرنا وغیرہ۔ (۴) مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ تمام نظامِ عالم کے کاروبار' تندرستی' بیماری' فقیری' امیری۔ پھر فرماتا ہے کہ ان سے پوچھو یہ کس کے بس میں ہیں۔ وہ جب کہیں کہ اسی کے تو کہو قابلِ پرستش تو یہ اللہ ہے نہ کہ جن کو تم پوجتے ہو ہدایت کے چھوڑنے کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا ہے؟ پھر فرماتا ہے کہ باوجود اس کے جو وہ باز نہیں آتے تو یہی بات ہے کہ ازلی نوشتہ کی مار ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى[1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

(اے رسول! ان سے) پوچھو تمہارے معبودوں میں سے بھی آیا کوئی ایسا ہے کہ جو اول بار پیدا کر کے پھر بارِ دیگر پیدا کرتا ہو۔ کہہ دیجئے اللہ ہی مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی ان کو لوٹائے گا پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو (پھر) پوچھو تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی رہنمائی کر سکے۔ کہہ دو اللہ ہی حق کی

[1] والافترا افتعال من فریت الادیم اذا قدرتہ للقطع ثم ستعمل فی الکذب کما استعمل قولہم اختلق فلان ھذا الحدیث فی الکذب ۔۱۲ منہ

رہنمائی کیا کرتا ہے بھلا جو حق کی رہنمائی کرتا ہے اس کا کہا ماننا چاہیے یا اس کا جو اور کی رہنمائی تو کیا آپ ہی رہنمائی کا محتاج ہو۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا کیسا انصاف کر رہے ہو اور ان میں سے اکثر تو خیالات ہی کے تابع ہیں حالانکہ خیال حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ بے شک خدا خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اور قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا از خود گھڑ لیا گیا ہو بلکہ اگلی (کتابوں) کی تصدیق اور تفصیل ہے اس میں کوئی شبہ نہیں (یہ) تمام جہان کے رب کی طرف سے ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو از خود بنا لیا ہے۔ کہو ایسی کوئی ایک سورۃ تم بھی تو بنا لاؤ اور جس کو چاہو خدا کے سوا (مدد کے لئے) بلا لو۔ اگر تم سچے ہو بلکہ جس کو تم سمجھ نہ سکے اسے جھٹلانے لگے اور ابھی تو ان کو اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا[۱] ان سے پہلوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا۔

ترکیب: من الخ مبتداء من شرکاء کم خبر جملہ استفہامیہ اَفَمَنۡ یَّهۡدِیۡۤ مبتداء احق خبر هذا القرآن اسم کان اَنۡ یُّفۡتَرٰی خبر افترا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ تفصیل مفعول لانزل محذوف کا۔

تفسیر: قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ یہ دوسری دلیل ابطال شرک پر ہے اس کی تشریح اور آیات میں ہے کہ وہ انسان کو نطفہ سے علقہ پھر مضغہ سے انسان کیونکر بناتا ہے اور آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو کس طرح سے بنایا اور پھر کیونکر دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس لئے یہاں اجمال اور استفہام پر اکتفا کیا گیا اور جو بات مخالف کے نزدیک ظاہر ہو اور اس میں غور کرنے سے یقین کر سکتا ہو تو فصحاء و بلغاء اس کو بطور استفہام کے ذکر کرتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ گو وہ اعادہ کے قائل نہ تھے اور حشر و نشر کے منکر مگر جبکہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا تو گویا اقرار کر لیا اس لئے اس کو بھی ان کے مسلمات میں سے قرار دے کر استفہام میں داخل کیا گیا اور اس کا لطف اہل مناظرہ ہی جانتے ہیں۔ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ الخ یہ تیسری دلیل ہے دوسری میں مخلوقات کے پیدا کرنے اور ان کے اعادہ سے استدلال تھا اس میں ان کی ہدایت سے استدلال ہے۔ اس میں مخلوق کے جسم سے استدلال تھا تو یہاں روح سے ہے کیونکہ بینائی شنوائی و دیگر حواس و ادراکات جو روح سے متعلق ہیں ہدایت میں کام آتے ہیں۔ ہدایت کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔ ہر شخص انسان سے لے کر چرند و پرند بلکہ نباتات تک اس سے فیضیاب ہے۔ دنیاوی امور اس کی معاش کی اصلاح مضرات کے دفع کرنے کی تدابیر وہی سجھاتا ہے۔ ہر نوع کو اس کے متعلق ہزار ہا علوم اس نے سکھائے ہیں حتیٰ کہ نہایت آبدار کپڑا سا مکڑی بنتی ہے، مکھیاں شہد نکالتی ہیں۔ انسان کیسی کلیں ایجاد کرتا اور کیا کیا بناتا ہے؟ اسی طرح امور آخرت اور خدا پرستی کی رہنمائی بھی اسی کا کام ہے۔ ہدایت عام ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ الخ ان مطالب عالیہ کے بعد پھر ان کے اس تعجب کو جو انہیں قرآن کی بابت تھا رفع کرتا ہے کہ قرآن کے یہ مطالب عالیہ خود اس کے برحق ہونے کی دلیل بین ہو جاویں اس بات کو ان چند دلائل سے ثابت کرتا ہے: (۱) تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ کہ محمد علیہ السلام مکہ میں پیدا ہوئے، وہیں جوان ہوئے، وہاں نہ کوئی اہل علم تھا نہ کوئی کتب خانہ، نہ آپ نے کسی سے کچھ پڑھا نہ اس کے لئے کہیں کا سفر کیا۔ باوجود اس کے ایسا قرآن ان سے ظاہر ہونا کہ جس میں خدا کی ذات و صفات و ملائکہ و دیگر اصول دینیہ و قصص انبیاء سابقین اس کثرت سے ہوں اور پھر بھی ان امور میں پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں سے مخالف نہ ہو بلکہ ان کا مصدق۔ یہ بات بغیر الہام ربانی و وحی الٰہی ممکن نہیں۔ (۲) تَفۡصِیۡلَ الۡكِتٰبِ کہ یہ قرآن کتاب فطری یا لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ بیشمار علوم الٰہیات و عملیات کا اس میں ٹھیک ٹھیک اور صحیح طور پر اور اسی کے مطابق ہونا اس کے من اللہ ہونے کی دلیل بین ہے۔ اسی لئے اس کی نسبت من رب العلمین کہنا بہت صحیح ہے۔ پھر فرماتا ہے اب بھی اس کو جھوٹا کہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم اس کی ایک سورۃ کے برابر تو بنا کر دکھا دو اور جس سے چاہو مدد بھی لے لو۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہوئی اس لئے اپنی نادانی سے جھٹلاتے ہیں

---

۱ یعنی قرآن مجید میں دو طرح سے اعجاز ہے۔ اول بلاغت و فصاحت سے سو اس پر بھی غور نہیں کیا کہ ہماری قدرت سے باہر ہے۔ دوم اس میں آنے والی باتیں مذکور ہیں۔ جیسا کہ مرنے کے بعد کا حال اور آنے والے مصائب یا فتوحات۔ سو ان کو بھی بے دھڑک جھٹلا دیا اور ہنوز ان کے پورا ہونے کا وقت بھی انہیں نہیں ملا کہ وقت پر پورا نہ ہونے سے تکذیب کا مضائقہ نہ ہوتا۔ ۱۲ منہ

اور قرآن کی خبریں پورا ہونے کا تو ابھی وقت بھی نہ آیا تھا۔ پہلے سے جھٹلا دیا۔ پھر جھٹلانے والوں کا انجام بھی بہت ہی برا ہوتا ہے۔

ع ۴ / ۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَـيْـــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَيَوْمَ يَحْشُرُھُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِيَ بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُھُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۴۹

اور کچھ تو ان میں سے اس کو مانتے ہیں اور کچھ ان میں سے اس کو نہیں مانتے اور آپ کا رب تو مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اگر آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دو میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں تم اس کے ذمہ دار نہیں اور نہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا میں ذمہ دار ہوں اور کچھ ان میں سے آپ کی طرف کان بھی لگایا کرتے ہیں۔ پھر کیا آپ بہروں کو بھی سنا سکتے ہیں اور گو وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ آپ کو تاکا کرتے ہیں۔ پھر کیا آپ ایسے اندھوں کو بھی راہ دکھا سکتے ہیں جو دیکھ ہی نہ سکتے ہوں۔ بے شک اللہ تو کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کر رہے ہیں اور جس روز کہ وہ ان کو (دوبارہ زندہ کر کے) جمع کرے گا تو گویا کہ (خیال کریں گے) کہ دنیا میں وہ کچھ بھی نہ رہے تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی جنہوں نے اللہ کے سامنے جانے کو جھٹلایا وہ تو خرابی میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پر آنے والے بھی نہ تھے اور اگر ہم آپ کو جس کا آپ اس میں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ کچھ دکھا بھی دیں (تو یہ بھی ہو سکتا) یا آپ کی عمر پوری کر دیں پھر آنا تو سب کو ہمارے پاس ہے۔ پھر جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر اللہ آپ گواہ ہے اور

ہر قوم کا ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کے پاس ان کا رسول[1] آئے گا تو ان کا انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر (کچھ بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا اور وہ پوچھتے ہیں کہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ سو) کہہ دو مجھے تو اپنے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں مگر جس قدر کہ خدا چاہتا ہے ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو پھر تو نہ ایک ساعت کی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

ترکیب: کان مخففۃ من المثقلۃ واسمہا محذوف ای کانہم لم یلبثوا خبر ساعۃ ظرف لہ من النھار صفۃ لساعۃ واما فیہ ادغام نون ان الشرطیۃ فی ما الزائدۃ وجواب الشرط محذوف قد اک۔

تفسیر: باوجود ایسے دلائلِ قاہرہ و براہینِ باہرہ کے ان کے منکرین میں سے کچھ تو دل میں ایمان لاتے ہیں اور کچھ نہیں۔ یہ حالت بھی ان کی اللہ سے مخفی نہیں کہ دل میں قائل مگر عناد یا کسی غرضِ دنیا سے اظہار نہیں کرتے۔ پھر جب عناد اور ضد کی یہ نوبت ہے تو اے نبی! ان سے کہہ دو اگر میں ناحق پر ہوں تو تمہیں میرے اعمال سے کیا، پھر کس لئے ایذا دیتے ہو یعنی جاہلوں سے اعراض کرنا چاہیے اور اس بات کا اے نبی! کچھ ملال نہ کیجئے گا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائے۔ کس لئے کہ وہ اس کے قابل ہی نہیں خدا نے ان کو حواسِ سلیمہ آنکھ کان دیے تھے مگر ضد اور شقاوتِ ازلی نے نکما کر دیا۔ ومنھم من یستمعون الخ کا یہی مطلب ہے خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ اب یہ اس دنیا کی راحت اور حشمت اور مال و اسباب پر نازاں ہو کر حق سے اندھے بہرے بنے ہیں مگر حشر کے روز یہ دنیا کا جینا وہاں کے ابدی عذاب کے مقابلہ میں ایک ساعت کے برابر معلوم ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ بات کچھ آپ ہی کی امت پر منحصر نہیں ہمیشہ یوں ہی ہوتا آیا ہے۔ رسولوں کی نافرمانی کرنے والے برباد ہوئے ہیں۔ اس پر کافر کہتے تھے کہ اچھا وہ وقت کب آئے گا۔ اب کے جواب میں کہا' کہہ دو کہ میرے اختیار میں نہیں جب اللہ چاہے گا آئے گا تقدیم و تاخیر اس میں کچھ نہ ہوگی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾

[1] آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم کا ایک رسول ہے۔ پھر جب قیامت میں رسول آئے گا۔ اس کے روبرو ان کا فیصلہ انصاف سے کیا جاوے گا اور ظلم نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

(سوائے پیغمبر! ان سے) کہہ دو دیکھو تو سہی اگر اس کا عذاب تم پر شبا شب یا دن میں آپڑے (تو کون روک سکتا ہے) تو گنہگار اس کے لئے کیا جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا جب آ ہی پڑے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے (کہا جاوے گا) کیا اب ایمان لاتے ہو اور تم تو اس کی جلدی کرتے تھے۔ پھر تو ظالموں کو یہی کہا جاوے گا کہ عذابِ دائمی کا مزہ چکھو۔ صرف تم کو اسی کی سزا دی جاتی ہے کہ جو تم کیا کرتے تھے اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا یہ وعدہ حق ہے۔ کہہ دیجئے مجھے اپنے رب کی قسم البتہ وہ برحق ہے اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور اگر ہر ایک شخص کے لئے کہ جس نے ظلم کیا ہے جتنا کچھ زمین پر ہے سب ہو تو وہ تاوان میں دے ڈالے گا (تاکہ عذاب سے بچے) اور جب عذاب دیکھیں گے تو دل میں بڑے نادم ہوں گے اور ان میں انصاف سے فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر کچھ (بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ سن رکھو اللہ کا وعدہ بے شک سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے بھی نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے پاس پھر کر جاؤ گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کے ہاں کی نصیحت اور دلی امراض کی شفا اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ کہہ دو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پس اسی پر خوش ہونا چاہیے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ دیکھو تو سہی اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے روزی اتاری ہے تم نے اس میں سے کچھ حرام بنا رکھے ہیں اور کچھ حلال کہہ دو کیا تم کو اللہ نے اجازت دی تھی یا یوں ہی اللہ پر بہتان باندھتے ہو اور جو اللہ پر بہتان لگاتے ہیں وہ قیامت کے دن کو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ بے شک اللہ تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔

ترکیب: مَاذَا امر ترکیبہ فی البقرۃ عند قولہ ماذا ینفقون وقیل مَاذَا اسم واحد مبتداء ویستجعل خبر وقد ضعف وفیہ مافیہ ہو مبتدا حق خبرہ والجملۃ منصوب بِيَسْتَنْبِئُوْنَكَ الاستنباء طلب کردن خبر۔

تفسیر: قل اریتم سے لے کر مُعْجِزِيْنَ تک یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ وقت اچانک آجاوے گا' پھر تم کیا کر سکو گے اس وقت کا ایمان لانا بھی فائدہ نہ دے گا۔ ولوان سے لے کر لَا يُظْلَمُوْنَ تک یہ ظاہر کرتا ہے کہ حشر کے دن تمہارا مال واسبابِ دنیاوی کچھ کام نہ آوے گا۔ تم یہ چاہو گے دنیا بھر کا مال لے کر ہم کو چھوڑ دے۔ الا ان سے لے کر تُرْجَعُوْنَ تک یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمہارے یہ مال واسباب بھی سب اسی کے دیے ہوئے ہیں جس پر تم نازاں ہو اور وہ قادرِ مطلق مارتا جلاتا ہے۔ اس کا وعدہ کسی مالی یا بدنی زور سے روکا نہیں جا سکتا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ سے يَجْمَعُوْنَ تک یہ مطلب کہ اے لوگو! تمہارے مال و دولت سے تو ہزار درجہ بہتر تمہارے پاس خدا کی ہدایت و رحمت اور دلوں کے امراض' شکوک وحبِ شہوات کی شفا ایمانداروں کے لئے رحمت و ہدایت آچکی یعنی قرآن جو سرورِ دائمی کا وسیلہ ہے تم کو اسے غنیمت جاننا چاہیے اور اس پر خوش ہونا چاہیے۔ مال فانی ہے۔ یہ باقی قُلْ اَرَءَيْتُمْ سے لے کر لَا يَشْكُرُوْنَ تک ان کی بدعقلی اور ناشکری پر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر تم نے بہت سی پاک چیزوں کو بتوں کے تقرب کے لئے حرام کر رکھا ہے۔ یہ خدا پر بہتان ہے اور بہتان باندھنے

والوں کو قیامت میں سزا ہے۔ جانے وہ اس کو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا اپنے بندوں پر فضل و کرم ہے جو ایسی کتاب نازل کرتا ہے جس میں شفاء ہے پھر بندے بڑے ناشکرے ہیں۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ
إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ
مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ
وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ
يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا
يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۖ هُوَ
الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
بِهٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

وقف لازم

ع ۱۲

اور آپ جس کسی حال میں ہوں اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سنا رہے ہوں اور (لوگو) تم کوئی سا کام بھی کر رہے ہو (ہر حال میں) جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں اور آپ کے رب پر ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی نہ زمین میں نہ آسمان میں اور ذرہ سے بھی کم چیز ہو یا زیادہ ہو سب کھلے[1] دفتر میں

[1] کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، وہ علم الٰہی کا دفتر ہے اور مبین یعنی واضح اور صاف کوئی ابہام نہیں ہوتا یعنی علم الٰہی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ بڑی سے ←

درج ہے۔ دیکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم کریں گے (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لئے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتیں نہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوا کریں کیونکہ عزت تو سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سنتا جانتا ہے۔ دیکھو آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کے (محکوم) ہیں اور وہ جو اللہ کے سوا اور معبودوں کو پوجتے ہیں محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور دیکھنے کے لئے دن بنا دیا البتہ اس قوم کے لئے جو سن سکتی ہے اس میں بڑی (بڑی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنالیا حالانکہ وہ پاک (اور) بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے (پھر بیٹے کی کیا ضرورت) تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں۔ کیا بے جانے بوجھے اللہ پر جھوٹ بولتے ہو (اے نبی!) کہہ دو ضرور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں فلاح کو نہیں پائیں گے۔ کچھ دنیا میں برکت لینا ہے پھر تو ان سب کو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے۔ پھر تو ہم ان کو ان کے کفر کی وجہ سے عذابِ شدید کے مزے چکھاویں گے۔

ترکیب: فی شان خبر کان وما تتلوا مانافیۃ منہ ای الشان اور اللہ من قرآن مفعول تتلوا۔ اذا ظرف لشھود من مثقال فی موضع رفع یعزب ای یغیب بضم الزاء وکسرھا ولَآ اَصْغَرَ وَلَآ اَکْبَرَ بفتح الراء فی موضع جر صفۃ لِذَرَّۃٍ او لمثقال ویقران بالرفع حملا علی موضع من مثقال شرکاء مفعول یدعون ومفعول یتبع محذوف دل علیہ ان یتبعون الخ ان العزۃ مستانف والوقف علی قولھم لازم اِنْ عِنْدَکُمْ ان معنی ما بھذا یتعلق بِسُلْطٰنٍ الذین مبتداء وخبرہ لایفلحون متاع خبر مبتداء محذوف۔

تفسیر: مخالفین کے اعتقاداتِ فاسدہ اور خیالاتِ کاسدہ کا براہینِ قاہرہ و دلائلِ باہرہ سے ابطال کر کے ایک ایسی بات فرماتا ہے کہ جس سے مطیع کو خوشی و سرور اور عاصی کو خوف پیدا ہو جاوے کہ ماتکون فی شان الی قولہ کتاب مبین کہ ہم کو تمہاری ہر ایک بات معلوم ہے اور موجودات میں سے کوئی چیز ہم سے مخفی نہیں۔ نیک کا بدلہ نیک اور بد کو سزا ضرور دیں گے (الشان الخطب والجمع الشیون تقول العرب ماشان فلان ای ماحالہ) ماتتلوا اور ماتکون میں آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب ہے اور ولا تعلمون میں عام امت کی طرف وما تتلوا منہ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں۔ اول شان کی طرف پھرائی جائے کیونکہ تلاوتِ قرآن حضرت ﷺ کی شان ہے۔ منجملہ اور شانوں یعنی حالات۔ دوم یہ کہ قرآن کی طرف راجع ہو یعنی قرآن میں سے جو یا جس قدر قرآن آپ پڑھتے ہیں کیونکہ قرآن کا اطلاق کل اور بعض پر ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ اللہ کی طرف رجوع ہو کہ اللہ کی طرف سے جو قرآن پڑھتے ہیں اِذْ تُفِیْضُوْنَ (الا فاضۃ الدخول فی العمل علی جہۃ الانصباب الیہ وھو الانبساط فی العمل یقال افاض القوم فی الحدیث اذا اندفعوا فیہ وقد افاضوا من عرفۃ اذا دفعوا منہ بکثرتھم فتفرقوا) ولا العروب اصل الغروب من العبد یعنی اس کے معنی دور اور غائب ہونے کے ہیں اور اسی لئے جس کے اہل و عیال بعید ہوتے ہیں اس کو باب میں عزب کہتے ہیں۔ کسائی نے یعزب کو بکسر الزاء باقی نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بعد اپنے مخلصین صادقین کا رتبہ بیان فرماتا ہے بقولہ الا ان اولیاء اللہ الخ علم الاشتقاق میں یہ بات مانی گئی ہے کہ ول ی کا مادہ قریب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ولی کی جمع اولیاء آتی ہے جس طرح نبی کے انبیاء لغوی معنی سے ولی قریب کو کہتے ہیں۔ آدمیوں میں بھی اہلِ قرابت کو ولی کہتے ہیں۔ بولتے ہیں یہ اس کا ولی ہے۔ ولی اللہ کا قریب لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی سے نہ رشتہ کی قرابت ہے نہ جسمانی کیونکہ وہ جسم بلکہ مکان سے بھی پاک ہے۔ پس اس کی قرابت جو ہے تو روحانی ہے جس کی تفسیر خود اس نے اپنے کلام پاک میں متعدد مقامات پر اور خاص اس جگہ آپ فرمادی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَانُوْا یَتَّقُوْنَ کہ جو ایمان اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہیں یعنی جن کی قوتِ نظریہ اور عملیہ مکمل ہیں اس لحاظ سے ہر مومن دیندار کو ولی اللہ کہا جا سکتا ہے اور کبھی اس پر ایک اور قید بڑھائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کی روح پر اس کے تقرب اور اس کے ذکر و فکر سے ایک نورانیتِ خاص ہوتی ہے پھر اس کے مراتب بیشمار ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل اور روح پر اس کی محبت کا استیلا ہو جاتا ہے تو اس کو محویت کا ایسا مرتبہ حاصل ہوتا ہے کہ جس میں فنا

← بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی اور نہ انسان کا کوئی حال اس سے مخفی ہے۔ ۱۲ منہ

فی اللہ اور بقاء باللہ ہو جاتا ہے مگر خواہ یہ کسی مرتبہ میں پہنچے اور کوئی حالت کشف وکرامت وظہور خرق عادات اس پر طاری ہو یہ بندگی کے حلقہ سے باہر نہیں ہوتا نہ تقویٰ کا لباس اس کے تن سے جدا ہوتا ہے پھر وہ جو آج کل بے نماز' شراب خوار' بھنگ نوش' ملحد منش صوفیاءِ کرام کے بہروپ میں دنیا کو ٹھگتے پھرتے اور خدائی اختیارات کے مدعی ہوتے ہیں۔ کہیں بیٹے بانٹتے پھرتے ہیں' کہیں جاہ واقبال عمر ودولت دیتے ہیں۔ کسی سے لیتے ہیں اور پھر سینکڑوں ڈھلمل یقین ان کے مرید ہو کر ان کی پرستش کرتے اور ہزاروں افسانے ان کے مشہور ومعروف کرتے ہیں محض ایک شیطانی دام ہے۔

کارِ شیطان میکند نامش ولی گر ولی انیست لعنت بر ولی

اولیاء اللہ کے لئے لاخوف علیھم ولاھم یحزنون فرماتا ہے کہ بعد مردن نہ ان کو کسی مصیبت آیندہ کا خوف ہوگا نہ کسی گذشتہ بات پر حزن (غم) ہوگا اور نیز استغراق اور قرب الٰہی کی وجہ سے ان کے دل ایسے ہو جاتے ہیں کہ جس میں خوف وحزن کے لئے جگہ ہی باقی نہیں رہتی۔ کیسی ہی مصائب پیش آئیں اور کتنی ہی سختیاں آ جائیں مگر وہ محوِ تماشاے جمالِ با کمال ہیں۔ اس لذت کے آگے وہ خبر بھی نہیں ہوتے۔ قرونِ ثلاثہ کے بعد حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہم اللہ وغیرہم بہت سے اس امت مرحومہ میں گذرے ہیں کہ جو انبیاءِ بنی اسرائیل کے خرقِ عادات وکرامات میں ہم پلہ تھے اور ہمیشہ کم زیادہ ایسے ہوتے رہیں گے۔ یہ بھی آنحضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فیض جاری ہے۔ منکر کی آنکھیں نہ ہوں تو کوئی کیا کرے اسی پر بس نہیں بلکہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اس میں چند اقوال ہیں: (۱) بُشریٰ سے مراد وہ جنت کی خوش خبری ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور انبیاء علیہم السلام کی معرفت دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے یبشرھم ربھم برحمۃ منہ و رضوان۔ (۲) یہ کہ موت کے وقت ان کو ایک خوشی اور فرحت حاصل ہوگی کہ آج قفسِ تاریک سے طائرِ روح باغ خلد میں جاتا ہے۔ آج محبوبِ حقیقی اپنے پاس بلاتا ہے قال تعالیٰ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ (۳) یہ کہ خلقِ خدا خصوصاً ایمانداروں کے دلوں میں ان کی محبت اور ذکرِ خیر اور عزت وعظمت پیدا کی جاتی ہے کیونکہ جو محبوبِ حقیقی کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی اسی محبوبیت کا اثر ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھئے کہ حضرت محبوب سبحانی وغیرہ اولیاء اللہ کی محبت وعظمت کیسی امت کے دل میں پھیلائی گئی ہے سینکڑوں اس حرص میں مر گئے ہوں گے مگر یہ مرتبہ بجز محبوبانِ خدا کسی کو نصیب ہوتا ہے! اس کے بعد وہ جو مخالفین اپنی شوکت وہیبت سے آنحضرت ﷺ کو دھمکاتے تھے اس کی نسبت فرماتا ہے وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ ان کی باتوں سے غم نہ کیجئے۔ کس لئے کہ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا کہ عزت وآبرو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے بڑے بڑے مشرکوں کو خاک میں ملایا ہے۔ پھر الا ان الخ سے اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے وہی رات دن کو گردش دے رہا ہے پھر اور کون ہے کہ جس کے اختیار میں عزت وذولت ہو اور اس کے ضمن میں یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم ہی آسمانوں اور زمین کی چیزوں کے مالک اور غنی یعنی بے پرواہیں کسی کے کسی بات میں محتاج نہیں اور خالقِ لیل ونہار بھی ہم ہی ہیں تو پھر جو تم اس کے سوا اور معبودوں کو پوجتے ہو۔ علاوہ بدعقل ہونے کے ذلیل بھی ہو جو مالک کو چھوڑ کر غلام کے آگے ہاتھ جوڑتے ہو اور ان معبودوں کو بجز غلام اور مخلوق اور بندہ ہونے کے اس کے ساتھ فرزندی یا برادری یا شرکت کی کوئی بھی نسبت نہیں۔ کس لئے کہ کم سے کم رات دن کا تمہارے فوائد کے لئے بنانا بھی کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ جو تم نے اپنے خیالِ فاسد سے بعض شخصوں کی نسبت تجویز کر رکھے ہیں جیسا کہ عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا۔ جب آسمان وزمین سب کچھ اس کے ہیں تو بیٹے کی ضرورت کیا ہے۔ اس اعتقاد پر کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔ محض قیاسی ڈھکوسلے ہیں اور ایسے مفتریوں کی سزا جہنم ہے۔ ان کو آخرت میں فلاح نہیں۔ اولیاء اللہ کے مراتب بیان کرنے کے بعد ہونے سے پاکی اور استغناء ظاہر کرنا یہ بات بتلاتا ہے کہ محبت

اور برگزیدگی سے بیٹا اور شریک نہیں ہو جایا کرتا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي[1]
وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِن
تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ
أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ
خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾
ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا
بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ
بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا
وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ
مُّبِينٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ
السَّاحِرُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ
لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا

---

[1] مقامی مکانی یعنی نفسہ اوقیامی ومکثی بین اظہرکم مدداطوالا اومقامی وتذکیری لانہم کانوا اذا وعظوا الجماعۃ قاموا علی ارجلہم لیکون مکانہم بینا وکلامہم مسموعا فاجمعوا امرکم وشرکاءکم من اجمع الامر اذا نواہ وعزم علیہ والواو بمعنی مع یعنی فاجمعوا امرکم شرکاءکم وقراء الحسن شرکاؤکم بالرفع عطفا علی الضمیر المتصل وقری فاجمعوا من الجمع وشرکاءکم نصبا للعطف علی المفعول۔ ما معنی الامرین قلت الامر الاول الوارد فی قولہ فاجمعوا امرکم بمعنی القصد الی ھلاکہ والامر الثانی فی قولہ لایکن امرکم غمۃ لہ معنیان الاول ان یراد مصاحبتم لہ وما کانوا فیہ معہ من الحال الشدیدۃ علیہم یعنی اھلکونی لئلا یکون عیشکم بسببی غصۃ وحالکم علیکم غمۃ ای غما والثانی ان یراد بہ مایراد بہ الامر الاول والغمۃ السترۃ یعنی لایکن قصدکم الی اہلاکی مستورا۔۱۲ من الکشاف ابو محمد عبدالحق۔

اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ

اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ

بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى

الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ

بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ

قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا

يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ

بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

الَّذِىْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ

عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ

لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ
فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ
فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِاٰيٰتِ اللهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْأَلِيمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيمَانُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۭ
لَمَّآ اٰمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى
حِينٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۭ أَفَأَنْتَ
تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا
بِإِذْنِ اللهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوا
مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾
فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوٓا
إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾

ع ۱۰

ان کونوح کا حال سناؤ جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا بھائیو! اگر تم پر میرا کھڑا[1] ہونا اور اللہ کی نشانیوں سے سمجھنا بھی شاق گذرتا ہے (تو لو) میں نے بھی اللہ ہی پر بھروسہ کرلیا ہے۔ پھر تم اور تمہارے معبود مل کر (میرے مارنے کا) پکا ارادہ کرلیں اور تمہارا وہ ارادہ تم میں سے کسی پر مخفی بھی نہ رہے۔ پھر مجھ سے جو کچھ کرنا ہے کرلو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ پھر اگر نہ مانا تو میں نے تم سے کچھ اجرت بھی نہیں مانگی ہے۔ میری اجرت تو اللہ ہی پر ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہو کر

[1] وعظ کرنے کے لئے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ میرا رہنا۔ ۱۲ منہ

رہوں۔ پھر اس کو جھٹلا دیا۔ پس ہم نے نوح کو اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان کو تو بچالیا اور ان کو جانشین بھی کیا اور ان سب کو کہ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا غرق کر دیا۔ پھر دیکھو جن کو ڈر سنایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔ پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے۔ پھر وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے لیکن جس کو وہ اول بار جھٹلا چکے تھے کاہے کو ماننے لگے تھے ہم اس طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ بھی ایک نافرمان قوم تھی پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آچکا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا جب تمہارے پاس حق بات آچکی تو اس کی نسبت کہتے ہو کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگروں کو کامیابی نہیں ہوا کرتی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ جس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس کو ہم سے برگشتہ کر دے اور ملک میں تمہیں دونوں[۱] کی سرداری ہو جاوے اور ہم تو تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر ایک دانا جادوگر کو لاؤ۔ پھر جب اس کے پاس جادوگر آئے تو ان سے موسیٰ نے کہا ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے اللہ ضرور اس کو ابھی بگاڑے دیتا ہے کیونکہ اللہ مفسدوں کے کام راست نہیں لاتا۔ اور اللہ اپنے حکم سے حق کو حق ہی کر کے رہے گا۔ مجرم پڑے برا مانا کریں پھر موسیٰ پر کوئی بھی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ (چونکہ) فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ ان کو تکلیف نہ دیں اور بے شک فرعون تو زمین پر بڑا سرکش اور حد سے گذرا ہوا تھا اور موسیٰ نے کہا' اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ بھی رکھو۔ اگر تم حکم بردار ہو۔ تب انہوں نے کہا ہم نے بھروسہ اللہ ہی پر کر لیا ہے۔ اے رب! ہم کو ظالم قوم کے ہاتھ میں نہ پھنسانا اور ہم کو اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو ہی مسجدیں قرار دے لو اور (وہیں) نماز پڑھا کرو اور ایمانداروں کو بشارت دو اور موسیٰ نے کہا اے رب تو نے تو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں کروفر اور بہت سے مال دے رکھے ہیں۔ اے رب! اس لئے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے روکیں۔ اے رب! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دلوں کو صدمہ کر دے سو وہ جب تک عذاب دردناک نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔ فرمایا اچھا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ سو سیدھے رہو اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو کہ نادان ہیں اور بنی اسرائیل کو ہم نے بحر قلزم سے پار اتارا اور فرعون اور اس کے لشکر نے عداوت اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا[۲] یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کو ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے یقین آگیا کہ بجز اس خدا کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں (فرشتہ نے کہا) اب یہ کہنے لگا اور اس سے پیشتر تو تو نافرمان اور مفسد تھا۔ پس آج کے دن تیری لاش کو باہر ڈالتے ہیں تاکہ وہ تیرے پیچھے والوں کے لئے نشانی رہے اور بہت سے آدمی تو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں اور ہم نے بنی اسرائیل کو عمدہ جگہ رہنے کو دی[۳] اور اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ پس بنی اسرائیل نے جان بوجھ کر (دین میں) اختلاف ڈالا۔ قیامت کے دن آپ کا رب جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ پھر اگر آپ کو اس چیز میں کہ جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے کچھ شک ہو تو ان

---

۱ یعنی تیری اور تیرے بھائی ہارون کی ۱۲ منہ

۲ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بڑی غور طلب بات یہ بتلائی جاتی ہے کہ دنیا میں قوائے بہیمیہ کے اثر سے خلاف فطرت اللہ افعال سرزد ہونے لگتے ہیں جو انجام کار انہیں کی بربادی اور عذاب اخروی کا باعث ہو جاتے ہیں اور اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے بھیجے گئے۔ انبیاء علیہم السلام کا وعظ و پند ہر چند نافع ہوا اور یہ ہونا بھی چاہیے تھا مگر جب تک افراد انسانیہ کو کوئی قوی محرک نہیں ابھارتا عموماً اثر نہیں ہوتا او دنیا میں حکومت و سلطنت بھی ایک بڑا قومی محرک اور انقلاب عظیم ہے پھر جب سلطنت ہی اس بدکاری کی مؤید ہو تو جب تک اس سے بڑا محرک نہ پیدا کیا جاوے اصلاح ممکن نہیں اور وہ سلطنت سے بھی زیادہ محرک نبوت بصورت خلافت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب نبوت و سلطنت کی جو جنگ ہوئی اور آخر کار نبوت غالب آئی اس کا ان آیات میں ذکر ہے اور آنحضرتؐ اور ان کے معاصروں کو سنایا جاتا ہے کہ اب بھی نبوت بصورت خلافت جلوہ گر ہوئی ہے اور یہ دوسری باری ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ ہے اس لئے کہ پہلے تو صرف فرعون اور عمالیق وغیرہ اقوام مخصوصہ سے ہی مقابلہ تھا اب تو تمام دنیا اور سرسبز سلطنتوں سے مقابلہ ہے جو کفر و بت پرستی اور بدکاری کی حامی ہیں۔ اس لئے اس شریعت میں مسلمانوں پر قیام خلافت کا انتظام جہاد و سرگرمی بھی فرض ہوئی جس کے بڑے بڑے درجات بیان فرمائے۔ ۱۲ منہ

۳ شام کے ملک میں یہ ان بنی اسرائیل کو جو حضرت موسیٰ کے بعد تھے۔ ۱۲ منہ

لوگوں سے پوچھ دیکھو کہ جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے تھے اس کے پاس ان کے رب کی طرف سے حق آ چکا۔ پس ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا کہ جنھوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں ورنہ آپ خسارہ میں پڑ جائے گا جن لوگوں پر کہ ان کے رب کی بات[1] پوری ہوگئی وہ تو ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس اس طرح کے معجزے بھی آجاویں جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ[2] لیں گے۔ پھر کوئی گاؤں بھی تو ایسا ہوتا کہ اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا مگر یونس کی قوم جبکہ ایمان لائی تو زندگی دنیا میں ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹالیا اور ایک مدت تک ہم نے رسایا بسایا اور اگر آپ کا رب چاہتا تو دنیا بھر کے سب لوگ ایمان ہی نہ لے آتے۔ پھر کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آویں اور کسی کے بھی بس میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آوے اور بے عقل لوگوں پر تو وہ خباثت ڈال دیا کرتا ہے (اے رسول!) کہہ دو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اور بے ایمان قوم کو معجزے اور ڈر سنانے والے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ پھر کیا وہ انہیں لوگوں کے دنوں کا سا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (اے نبی!) کہہ دو اچھا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کو بچالیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم پر ایمانداروں کا بچالینا بھی لازم ہوتا ہے۔

ترکیب: اذظرف والعامل فیہ بناء والجملة بدل من نباء نوح فعلی اللہ جواب۔ کان کبر فاجمعوا معطوف علیہ اتقولون اس کا مفعول سحر محذوف الکبر یا اسم تکون لکما خبرہ ما جئتم بہ السحر ما استفہامیہ مبتداء و جئتم خبر والسحر بدل منہ اور ما کو خبر یہ کہا جاوے تو یہ موصولہ جئتم صلہ یہ سب مبتداء السحر خبر جملہ محلا منصوب قال کا مفعول ہو کر ملائھم الضمیر عائد الی الذریة ولم یونث لان الذریة قوم فھو مذکر وقبل یرجع الی القوم ان یفتنھم بدل من فرعون تقدیرہ علی خوف من فتنة فرعون ان تبوآ تفسیر ہے اوحینا کی قبلة مفعول اجعلوا ای مصلی تصلو ن فیہ لتا منوا من الخوف وکان فرعون منعھم من الصلوٰۃ۔ (جلالین)

تفسیر: توحید و رسالت و معاد و نبوت کے مسائل کو دلائلِ شافیہ و حجِ کافیہ سے ثابت کر کے اور نیز مخالفین کے شکوک و شبہات کا عمدہ طور سے رد کر کے انبیاءِ سابقین کے حالات بیان کرنا شروع کرتا ہے۔ ان چند فوائد کے لئے: (۱) یہ کہ ایک قسم کے کلام سے مخاطب کے دل پر قدرے ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایک فن سے دوسرے فن کی طرف یا ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف انتقال ہوتا ہے تو رفعِ ملال ہوتا ہے اور قرآن مجید کی ہر جگہ یہ عادت ہے۔ (۲) یہ کہ آنحضرت علیہ السلام و صحابہ کرام کو ان واقعات کے سننے سے تسلی ہو کہ پہلے بھی منکرین اہلِ ایمان کے ساتھ ایسا کرتے آئے ہیں۔ کفار و اشرار کو عبرت ہو کہ پہلے بھی انبیاء کے مقابلہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ہم کو بھی ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ (۳) اس میں آنحضرت ﷺ کا اعجاز ظاہر کرنا مقصود ہے کہ باوجود نہ لکھے پڑھے ہونے کے ایسے شہر پر جہالت و بت پرستی کا رہنے والا انبیاءِ سابقین کے ایسے صحیح صحیح حالات مع نتائج بیان کرے جو اصل سے سرِ مو تفاوت نہ ہو پورا اعجاز ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ سے ابتداء کرتا ہے جو سب کے جدِ امجد اور آدمِ ثانی ہیں کہ ان کی قوم کی نافرمانی سے ان پر طوفان آیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ذکر کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے سامعین سے فرماتا ہے کہ ان باتوں میں شک ہو تو جو تم سے پہلے لوگ یہود و نصاریٰ کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ دیکھو۔ گو حضرت ﷺ کو اس میں کچھ بھی شک نہ تھا نہ صحابہ کو اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی اہلِ کتاب سے ان کی تصدیق[3] کے لئے سوال بھی نہیں کیا اور کیونکر کرتے حالانکہ آپ کی نسبت بعد کے

---

۱ نوشتۂ تقدیر کہ یہ جہنمی ہیں ۱۲ منہ

۲ یعنی ہر ایک قسم کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر عذاب الیم آ جاوے تب مجبوراً ایمان لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان کیا! اس وقت کسی قوم کے ایمان نے نفع نہیں دیا ہاں یونس کی قوم کے ایمان نے البتہ عذاب آنے کے بعد نفع دیا۔ ۱۲ منہ

۳ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کی پانچویں جلد صفحہ ۳۹ مطبوعہ استنبول میں فرماتے ہیں وقد تقرر ان مافی ایدیھم من التوراۃ والانجیل فالکل مصحف محرف الخ کہ اہلِ کتاب سے اگر حضرت کو پوچھنے کا حکم ہوتا تو اس سے بھی آپ کا شبہ اگر ہوتا رفع نہ ہوتا کیونکہ یہود پاس جو توراۃ و انجیل تھی تو محرف کتابیں تھیں ۱۲ منہ

جملہ میں فرمادیا فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لیکن جن لوگوں کو شک تھا جیسا کہ کفار قریش و دیگر عرب ان کے اطمینان کے لئے ارشاد ہوا۔ اس سے خاص آنحضرت ﷺ کا سوال کرنا یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ سے توریت وانا جیل موجودہ کی اصلیت ثابت کرنا جیسا کہ بعض پادریوں اور ان کے کاسہ لیسوں کے رسائل میں دیکھا جاتا ہے محض نافہمی اور سراسر جہالت ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ الخ سے لے کر اخیر تک ان واقعات کے نتائج بیان کرتا ہے کہ وہ لوگ یوں ہلاک ہوئے اور برباد ہوئے اور کفار یوں ایمان نہیں لاتے کہ ان پر نوشتۂ ازلی غالب آگیا ہے یعنی ان کی تقدیر میں گمراہی ہے۔ اس لئے ان قصص کو سن کر عبرت نہیں کرتے اور ایمان بھی لاتے ہیں تو عذاب کے وقت مگر اس وقت کا ایمان بجز قومِ یونس کے اور کسی کو فائدہ مند نہ ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ایمان لانا یا نہ لانا تقدیری بات ہے۔ آپ کی خواہش تو دنیا بھر کو ایماندار بنا دینے کی ہے مگر جن کی تقدیر میں ایمان نہیں وہ کیونکر ایمان لا سکتے ہیں۔ ان پر تقدیری خباثت پڑی ہوئی ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ آسمان اور زمین کے عجائبِ قدرت کو دیکھو اور غور کرو مگر نہیں کرتے ان کو خدا کے نذیر رسول اور حوادث دہر اور اس کی آیاتِ قدرت اور آیاتِ کتاب کچھ بھی مفید نہیں۔ اب ان اندھوں کو پہلی غارت شدہ قوموں کے عذاب ہی کا انتظار ہے اور ایسے وقت ہم رسول اور اس کے پیروؤں کو بچالیتے ہیں اور یہ بچالینا ہمارا کام ہے اور مشرکین ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی طرف بڑے عبرت آمیز الفاظ میں اشارہ کرتا ہے فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا الخ لولا کو بعض نے کلمہ نفی سمجھا ہے۔ امام واحد کا اسی طرف رجحان ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوئے فما کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس کہ ان گمراہ بستیوں میں سے کوئی بھی ایسی بستی نہیں ہوئی کہ جو ایمان لاتی اور ان کا ایمان نفع دیتا بجز قومِ یونس کے یہ استثنیٰ منقطع ہے۔ اول سے بعض علماء اس کو کلمہ تحریص و تخصیص کہتے ہیں بمعنی ہلا ان کے نزدیک یہ معنی ہوئے کہ کوئی ایسی بستی بھی ہوئی کہ جو ایمان لاتی اور اس کا ایمان نفع دیتا مگر قومِ یونس کہ وہ ایمان لائی۔ یونس بن متی علیہ السلام جس کو عبرانی محاورہ میں یونہ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو باسٹھ برس پیشتر ملکِ یہود میں خاندانِ اسرائیل سے نمودار ہوئے۔ یہ نبی تھے۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ تم ملکِ شام سے نینوہ میں جا کر لوگوں کو ہدایت کرو۔ بت پرستی اور قسم قسم کی بدکاری سے روکو اور نہ مانیں تو کہہ دو کہ چالیس روز کے بعد شہر پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ خدا رحیم ہے وہ اپنی اس قدر مخلوق کو کاہے کو ہلاک کرے گا ناخوش ہو کر نینوہ جانا پسند نہ کیا اور شہر یافہ میں آئے اور وہاں سے شہر ترسیس (یہ دونوں شہر ملک شام کے مغربی حصہ میں سمندر یعنی بحرِ روم کے کنارہ پر آباد ہیں اور نینوہ شام سے مشرق کی جانب موصل کے قریب دریائے[1] دجلہ کے کنارہ پر آباد تھا) کی طرف بھاگنا چاہا اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ سے اس طرف اشارہ ہے ایک جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر ایک سخت طوفان آیا گو جہاز کا بوجھ ہلکا کیا گیا مگر تب بھی وہی حالت رہی تب قرعہ ڈالا تا کہ معلوم ہو کہ کس کے سبب سے یہ آفت آئی ہے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا ان سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ کہا میں آقا سے بھاگا ہوا ہوں۔ آخر ان کو دریا میں ڈال دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہوا۔ ان کو ایک بڑی مچھلی نگل گئی جس کے پیٹ میں تین رات دن رہے۔ وہاں انہوں نے بڑے عجز و انکسار اور نہایت بیقراری کے ساتھ تہ در تہ اندھیریوں میں خدا تعالیٰ سے دعا کی فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ الخ مچھلی نے اللہ کے حکم سے ان کو خشکی پر اگل دیا (خدا نے وہاں پر ان کی غیبی سامان سے پرورش کی) جب تندرست ہو

---

[1] ایک بڑا وسیع شہر دریائے دجلہ کے شرقی کنارے پر آباد تھا۔ اس کی شہر پناہ تین روز کی مسافت تھی۔ شہر موصل اس کے ایک محلہ میں آباد ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قبر یہیں ہے۔ شہر بابل کا پہلا بادشاہ بلس ہے۔ اس کے بڑے بیٹے نےنس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار انہتر برس پیشتر ملک اسیریہ میں شہر نینوہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندانِ بابل کہ جن کا لقب نمرود ہے جیسا کہ شاہانِ مصر کا فرعون اس عہد میں ہندوستان تک حکمران تھا۔ یونس علیہ السلام کے عہد تک اسی خاندان کی سلطنت تھی بعد میں ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ آج کل بابل اور نینوہ کے خرابات منزلوں تک دکھائی دیتے ہیں۔

گئے تو پھر حکم ہوا کہ اٹھ نینوہ کو جا اور خدا کا حکم پہنچا۔ چنانچہ یہ اب نینوہ کی طرف گئے اور چالیس روز بعد عذاب الٰہی آنے کا وعدہ کیا۔ جب لوگوں کو آثار قہر الٰہی معلوم ہونے لگے تو بہت سے ایمان لائے اور بادشاہ فقیر تک سب کھانا پینا چھوڑ کر ٹاٹ پہن کر گناہوں سے تائب ہو کر دعا اور گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے جس کی برکت سے وہ عذاب ٹل گیا۔ اس کے بعد مدت تک وہ شہر رستا بستا رہا۔ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ مگر یونس علیہ السلام اس عذاب کے ٹل جانے سے نہایت ناخوش تھے کہ میری بات جھوٹی پڑ گئی اور خدا سے التجا کی کہ میں اسی لئے ترسیس کو بھاگا تھا کہ تو رحیم کریم غصہ کرنے میں دھیما ہے۔ اب مجھ کو موت دے۔ یونس علیہ السلام نے شہر کے باہر پورب کی طرف اپنے رہنے کے لئے چھپر بنا رکھا تھا تا کہ دیکھے شہر کا کیا حال ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہاں کدو کی بیل یا ارنڈی کا ایک درخت پیدا کیا تھا جس کے سایہ میں یہ آرام پاتے تھے۔ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ایک روز کیڑے نے اس کو ایسا کاٹا کہ وہ سوکھ گیا اور دھوپ کا یونس علیہ السلام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اس پر خدا نے کہا تو ایک اس درخت پر اتنا رنجیدہ ہے پھر مجھے کیا لازم تھا کہ نینوہ شہر پر کہ جہاں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ رہتے ہیں، شفقت نہ کروں۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ جب عذاب نہ آیا اور یونس علیہ السلام غصہ ہو کر بھاگے تب دریا میں مچھلی کے پیٹ میں جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ابن انباری کہتے ہیں وَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اے قبلا یعنی مساجد واطلق لفظ الواحدان والمراد الجمع خلاصہ یہ کہ بعض مفسرین بیوت یعنی مصر میں گھر بنانے اور قبلہ کرنے سے مراد نماز کی جگہ اپنے گھروں میں قائم کرنا لیتے ہیں کیونکہ فرعون کا خوف تھا اور بعض کہتے ہیں گھر بنانے کا حکم تھا۔ اول قوی ہے پر ان بیوت کے قبلہ بنانے سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہیں الاول المراد یجعل تلک البیوت قبلۃ ای متقابلۃ المقصود منہ حصول الجمعیۃ واعتضاد البعض بالبعض یعنی اپنے گھر قریب قریب آمنے سامنے بناؤ تا کہ ایک دوسرے سے قوت رہے۔ وقال آخرون المراد جعلوا دورکم قبلۃ اے صلوا فی بیوتکم (کبیر) اور بعض کہتے ہیں کہ مراد صرف گھروں میں نماز پڑھنا تھا کیونکہ نماز کی جگہ کو عرب میں قبلہ کہتے ہیں کہ اس کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے لیکن قرآن سے یہ کہیں نہیں نکلتا کہ ان کو اپنے اپنے گھر قبلہ یعنی بیت المقدس یا کعبہ کی طرف بنانے کا حکم ہوا تھا اور جو کسی نے کہا ہے تو یہ اس کا قول ہے۔ پس یہود و نصاریٰ کا اس امر میں قرآن کو خلاف گو کہنا محض تعصب ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

کہو لوگو اگر تم کو میرے دین میں شک ہے تو (سن لو کہ) اللہ کے سوا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں تو ان کے پوجنے کا نہیں بلکہ میں اللہ کو پوجوں گا کہ جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان والوں میں سے ہو کر رہوں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ یکطرفہ ہو کر دین کی طرف رخ کئے رہو اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز نہ پکارنا کہ جو نہ تجھے نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو بے شک ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور اگر اللہ آپ کو کوئی دکھ پہنچاوے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا بھی نہیں اور اگر آپ کے لئے بہتری چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔ اس کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ غفور رحیم ہے۔ کہو اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا۔ پھر جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے تو اپنے بھلے کو اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اپنی خرابی کو اور (کہو) میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اسی پر چلو اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

ترکیب: ان کنتم شرط فلا اعبد جواب۔ وان اقم معطوف ہے ان اکون پر مالا ینفعک لاتدع کا مفعول من دون اللہ حال یا صفت بخیر یرد کا مفعول ثانی۔

تفسیر: توحید اور مسائلِ معاد پر ہر قسم کے دلائل قائم کر کے اب خاتمۂ سورۃ میں حجت تمام کرتا ہے کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ الخ کہ اے نبی لوگوں سے کہہ دو اگر اب بھی تمہیں میرے دین میں شک باقی ہے تو اس کی طمع نہ رکھنا کہ میں تمہارے دین کو اختیار کر لوں گا بلکہ مجھے توحید پر مستقیم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر دین کے اصل الاصول اور اس کی پرستش کرنا خدا تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے ضمن میں بیان فرماتا ہے اور تبعاً ان کی بت پرستی پر بھی تعریض کرتا ہے کہ یہ چیزیں قابلِ پرستش نہیں ھو الغفور الرحیم تک صفتِ اول اَلَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ یہ اس لئے بیان کیا کہ موت سے زیادہ کوئی مسئلہ انسان کے نزدیک مسلم الثبوت نہیں جس میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں اور جو نہایت خوفناک چیز ہے جو دارِ آخرت کی کلید ہے وہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اور کسی کی پرستش بے فائدہ بات ہے۔ قطع نظر اس بات کے (کہ جب ہم تنہا بیٹھ کر آج سے سو برس تک کا زمانۂ گذشتہ خیال میں لاتے ہیں اور اس عہد کے نامور با کمال اہلِ مال با جمال لوگوں کے تذکرہ بھی دوسری آنکھ کے سامنے رکھ لیتے ہیں تو دل میں ایک دھواں سے اٹھتا ہے اور یہ عالم دریاءِ رواں کی موج سا معلوم ہوتا ہے کہ یارب اس عہد کے حسینوں اور شہ زوروں اور دولت مندوں، رئیسوں، امیروں، غریبوں میں سے آج ایک بھی باقی نہیں کہ جس سے اس عہد کا حال پوچھتے) ہر رات کو اس کا نمونہ دیکھتے ہیں۔ سناٹا ہوتا ہے۔ کہیں سے آواز بھی نہیں آتی۔ بازار اور شہر اجاڑ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے یتوفٰی مضارع کا صیغہ ذکر کیا۔ (۲) نفع و نقصان دینے والا بجز اس کے اور کوئی نہیں اس عالم میں پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ (۳) غفور ہے بندوں کے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے رحیم اپنی رحمت کا دسترخوانِ عام پھیلا رکھا ہے۔ اس کے بعد قل يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ میں اعلانِ عام کرتا ہے کہ حق آپ کا اب جو کوئی نہیں مانتا اپنا برا کرتا ہے اور جو مانتا ہے تو اپنا بھلا کرے گا۔ رسول کا کام خبر دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اس کے بعد صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے اور مددِ غیبی کا انتظار کرنے کا حکم دے کر سورۃ تمام کر دی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍۙ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۙ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ[1] صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۵﴾ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرۡشُهٗ عَلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّكُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَيَقُوۡلَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّيَـقُوۡلُنَّ مَا يَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمۡ لَيۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ ع

(الجزء الثانی عشر ۱۲)

یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیتیں حکیم دانا کی طرف سے مستحکم کردی گئیں۔ پھر مفصل بیان کی گئی ہیں (بایں مضمون) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور کہہ دو) میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ڈر سنانے والا اور خوشخبری پہنچانے والا ہوں اور یہ بھی (کہو) کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو تاکہ وہ ایک وقتِ مقررہ تک تم کو اچھی طرح سے رسائے بسائے اور جس نے بڑھ کر نیکی کی ہو اس کو بڑھ کر بدلہ دے اور اگر تم پھر نہ مانو تو مجھے تم پر بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہی کی طرف تم کو پھر کر جانا ہے اور وہی ہر بات پر قادر ہے (اے رسول!) دیکھو وہ مشرکین اپنے سینے دوہرے کر رہے ہیں تاکہ اس سے چھپے رہیں دیکھو جبکہ وہ کپڑے ڈھانکتے ہیں (اس وقت سے بھی) جو کچھ وہ چھپا کر اور ظاہر کر کے کرتے ہیں سب کو خدا جانتا ہے بے شک وہ دل کے بھیدوں سے خوب واقف ہے اور زمین پر کوئی بھی جانور چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کی روزی اللہ پر نہ ہو اور وہ ان کے رہنے اور (مرکز زمین میں) سونپے جانے کی جگہ بھی جانتا

---

[1] ثنیون اس کی ماضی ثنا۔ اس کے معنی پھیرنا یا موڑنا یا لپیٹنا یقال ثنیت الشیء اذ اعطفتہ وطویتہ منہ۔

ہے۔ ہر ایک چیز کتاب مبین میں ہے اور وہی تو ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا اور اس کا تخت پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزماوے کہ تم میں سے کس کے اچھے عمل ہیں اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بلاشک تم مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو منکرین یہ کہہ اٹھیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور اگر ایک وقتِ معین تک ہم ان سے عذاب کو روکے رکھیں گے تو کہنے لگیں کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے۔ دیکھو جس دن کہ وہ (عذاب) ان پر آوے گا تو ان سے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس کو وہ ٹھٹھوں میں اڑایا کرتے ہیں وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

ترکیب: الر اسم ہے اس سورہ کا مبتداء کتاب موصوف حکمت الخ صفت مجموعہ خبر یا مبتداء محذوف کی خبر یا بالعکس ان لا تعبدوا الخ مفعول لہ ہے فصلت کا اے فصلت لاجل ان لاتعبدوا وقیل ان مفسرۃ لان فی تفصیل الآیات معنی القول وان استغفروا اس پر معطوف الاحین کا عامل یعلم۔

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں اسی ہنگامہ میں نازل ہوئی ہے کہ جب جہالت اور بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ خدا پرستی کا نام لینے والے پر نہ صرف انگلیاں ہی اٹھتی تھیں بلکہ زہر آلود تیروں کا تودہ بنایا جاتا تھا۔ اس میں منجملہ حالات دیگر انبیاء کے حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ نہایت عبرت انگیز ہے جس لئے ان کے نام سے یہ سورۃ نامزد کی جاتی ہے اس میں ایک سو تیئس آیات ہیں۔ الرا میں بہت کچھ امور مخفیہ کی طرف اشارہ فرما کر کہ جن کو کماینبغی اس کا رسول کریم ہی سمجھتا تھا۔ سب سے اول قرآن مجید کی خوبی اور اس کا منجانب اللہ ہونا بیان فرماتا ہے بقولہ کتاب احکمت آیات الخ احکام مضبوطی اور خلل و فساد کا دفع کرنا یعنی یہ کتاب قرآن وہ ہے کہ جس کی آیات محکم ہیں جن میں عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم کو غور و فکر کرنے سے کوئی بھی خرابی اور نقص معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے اخبارِ ماضیہ سچے سچے واقعات عبرت خیز کا فوٹو ہیں، اس کے احکام تہذیبِ اخلاق سے لے کر سیاستِ ملک تک اور عالمِ آخرت میں سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنے کے طریقِ حکماء کا دستور العمل ہیں۔ اس پر عبارت کی صفائی تہذیب اور سچائی کا زیور علاوہ ہے۔ ایسی کتاب اگر آسمانی کتاب نہیں تو کیا پھر محض تاریخی کتابیں کہ جن میں مبالغہ آمیز الفاظ اور توہمات ہوں یا وہ کہ جن میں عناصر اور مخلوقات کی پرستش ہو، عالم آخرت اور انسان کی سعادت کا طریقہ ندارد ہو، وہ آسمانی کتابیں ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ثم فصلت یعنی حالتِ مجموعی کے لحاظ سے تو یہ محکم تھی ہی مگر حالتِ تفصیلی پر بھی غور کیا جاوے اور ہر ایک معاملہ کی آیات کو ان کے مطالب پر جدا گانہ لحاظ کیا جاوے تو بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ تفصیل (کہ دلائلِ توحید اپنے موقع پر احکام اور مواعظ اور قصص اپنی جگہ پر ترغیب و ترہیب دنیا کی بے ثباتی، عالمِ آخرت کی خوبی اپنے محل پر) مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ہے یعنی بشیر کا کام نہیں اسی حکیم و خبیر نے ان موتیوں کو اپنے اپنے موقع پر لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ پھر اس کی اجمالی اور تفصیلی دونوں حالت ایسی ہوں تو پھر اس میں شک کرنا آفتاب کا انکار کرنا ہے پھر ان لاتعبدوا سے لیکر وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تک ان چند باتوں کی تفصیل فرماتا ہے کہ جن پر دنیا و آخرت کی سعادت اور خلاف کرنے میں ہلاکت متصور ہے جن کے ظاہر کرنے کو دنیا میں انبیاء بھیجے جاتے ہیں جس لئے اول امر کے لحاظ سے وہ بشیر اور ہلاکت سے مطلع کرنے کے اعتبار سے نذیر کہلاتے ہیں۔ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ۔ (۱) لاتعبدو الخ کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہ وہ پہلا حکم ہے کہ جس کی عدول حکمی میں نہ صرف برِ عرب بلکہ اس عہد میں روئے زمین کے بنی آدم گرفتارِ ہلاکت تھے۔ یہ اس لئے کہ عبادت و پرستش کا استحقاق اس کے لئے ہے کہ جس نے پیدا کیا ہو اور وہ ہر ایک کے حال سے مطلع بھی ہو کہ جو اپنے مطیع و عابد کو بھلائی، سرکش کو برائی پہنچا سکے یعنی علم ہونا چاہیے۔ سوم حاجت روا۔ اور اقل مرتبہ رزاقِ مطلق تو ہو۔ سو یہ تینوں باتیں بجز اس کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں ان تینوں باتوں کو الا انهم الخ سے شروع کرے گا (۲) اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ اپنے گذشتہ گناہوں پر خدا سے معافی مانگو، استغفار کرو۔ اس میں ضمناً تمام بری باتوں کے ترک کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ (۳) ثم توبوا الیہ کہ اس کی طرف رجوع کرو یا توبہ کرو کیونکہ انسان جب گناہوں سے استغفار کرکے اور موحد بن کے پاک اور باطنی گندگیوں سے صاف ہو جاتا ہے تب اس کی بارگاہِ

اقدس کی طرف رجوع کرنے کے لائق ہوتا ہے اور اس کی بارگاہ میں جانا یا اس کی طرف رجوع کرنا بغیر اس کے آلات صوم وصلوٰۃ، خیرات و صدقات، صلۂ رحمی، علم، ذکر وفکر، دعاء ومناجات کے ممکن نہیں اس میں ضمناً اصول حسنات کو عمل میں لانے کی طرف اشارہ ہے جب اس کو یہ رتبہ حاصل ہوا تو وہ مستحق فضل وعنایت ہوا اور عنایت دو قسم پر ہے دنیا کی عافیت آخرت کی نجات وترقی درجات اس لئے اول کی طرف یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا میں اشارہ ہے اور دوسری کی طرف یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ میں اور نیز وہاں کے درجات کا باعتبار مراتب سعادت تفاوت بھی ظاہر فرماتا ہے۔ ہر چند دنیا کی فراغدستی اور خوشحالی ایمان وکفر پر موقوف نہیں بلکہ بعض اوقات امتحاناً ایمانداروں کے لئے ایسی مصیبت اور تنگی پیش آتی ہے کہ دنیا قید خانہ ہو جاتا ہے اور کفار کو عیش ونشاط بے حد دے کر بھر کر کشتی ڈبوئی جاتی ہے مگر خداوند کا وعدہ ہے کہ وہ ایمانداروں اور نیکوں کو عمومی حالت میں فراغ دستی، تندرستی غیر قوموں کے ہاتھ سے رستگاری دے گا اور دیا کرتا ہے جیسا کہ توریت کے بھی متعدد مقامات میں اس امر کی تصریح ہے۔ الی اجل یوں کہا کہ ہمیشگی تو اسی کے لئے ہے آخر دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ پھر ان تولوا سے قدیر تک خلاف کرنے میں قہر کا آنا دنیاوی سزا اور مرنے کے بعد خدا کی طرف جانا اخروی سزا اور نیز مسئلۂ حشر ثابت کرتا ہے وھو علی کل شیء قدیر اس کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ وہ کر سکتا ہے ہر بات پر قادر ہے کوئی اسباب ظاہر پر مغرور نہ ہووے۔ الا انھم اب یہاں سے ان تینوں اوصاف کی توضیح کرتا ہے اور سب سے پہلے وصفِ علم کو بیان فرماتا ہے جس کی نسبت مکہ کے کفار کو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یہ گمان تھا کہ وہ بوقتِ قضاء وحاجت اپنے اوپر کپڑا ڈال لینا خدا سے مخفی ہونا سمجھتے تھے یا دل میں برے ارادے رکھنے کو (یثنون صدورھم) اور کپڑے یا پردے میں گناہ کرنے کو خدا سے مخفی رہنا جانتے تھے کیونکہ وہ یعلم مایسرون الخ کہ اس کو ہر ایک چھپی اور کھلی بات معلوم ہے۔ اس میں انسان کے باطنی حالات پر سخت تنبیہ بھی ہے پھر اس کی دلیل ذکر کرتا ہے ومامن دابۃ الخ کہ دنیا پر کوئی ایسا جانور نہیں کہ جس کو وہ روزی نہ دیتا ہو اور یہ اسی کا کام ہے جو علم رکھتا ہوگا۔ اس میں وصفِ دوم رازقیت کا بھی ثبوت ہو گیا اس پر ترقی کرتا ہے کہ وہ ہر چیز کا مستقر یعنی ٹھہرنے کی جا، ماں کے پیٹ سے لے کر شب کے آرام گاہ تک اور اس کے منازلِ وجود تک اور مستودع یعنی اخیر سپرد کئے جانے کی جگہ قبر یا جہاں اس کی ہڈیاں پڑیں گی یا کہاں جاوے گا کیا انجام ہوگا یعنی از ابتدا تا انتہا سب جانتا ہے تیسرے وصف کو ھو الذی خلق السمٰوٰت الخ میں ثابت کرتا ہے اور اس کو ثبوتِ علم کے لئے دلیل بھی بنا سکتے ہیں (کان عرشہ الخ کی تفسیر سورہ بقرہ میں دیکھو) اس کے بعد عالمِ آخرت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر جو ان کا تعجب تھا اس کو ذکر فرماتا ہے کہ جس کو وہ سِحْرٌ مُّبِیْنٌ کہتے تھے اور عذابِ دنیاوی کی روک رکھنے پر جو وہ کہتے تھے کہ کیوں روک رکھا ہے اس سے ان کی نادانی اور بدبختی کا اظہار فرما کر کلام تمام کرتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۗ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۗ

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖؗ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا کر پھر اس سے چھین لیتے ہیں تو نا امید (اور) ناشکر ہو جاتا ہے اور اگر مصیبت پہنچنے کے بعد نعمتوں کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میری سختیاں جاتی ہیں کیونکہ وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کرتے رہے انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ پھر کیا آپ اس میں سے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے کچھ چھوڑ بیٹھیں گے اور کیا ان کے اس کہنے سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ آپ کا دل تنگ ہوگا۔ آپ تو محض خوف دلانے والے ہیں اور ہر بات کا ذمہ تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو از خود بنا لیا۔ کہہ دو تم ایسی دس سورتیں تو بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تمہارا کہا نہ کرسکیں تو جان لو کہ صرف اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر اب بھی تم حکم مانتے ہو (یا نہیں) جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہے تو ان کے اعمال (کا نتیجہ) ہم یہیں پورا کر دیتے ہیں اور ان کو کچھ بھی خسارہ نہیں دیا جاتا ہے۔ یہ وہی ہیں کہ جن کے لئے آخرت میں بجز آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ دنیا میں انہوں نے کیا تھا گیا گذرا ہوا اور جو کچھ کیا کرتے تھے وہ بھی برباد ہوا۔ آیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل (عقل) پر ہو اور (اس کے بعد) اس کے پاس خدا کی طرف کا شاہد (قرآن) بھی آ گیا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی شاہد ہو جو امام اور رحمت تھی کیا وہ منکر ہو سکتے ہیں؟ یہی لوگ اس پر ایمان بھی لاتے ہیں اور دوسرے فرقوں میں سے جو اس کا منکر ہوگا اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ سو آپ قرآن کی طرف سے شک میں نہ رہیں۔ بے شک یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: صدرك مرفوع ہے ضآئق کا فاعل ہو کر جو معتمد علیہ مبتداء ہے اور ممکن ہے کہ وہ مبتداء اور ضائق خبر مقدم ہو ان یقولوا ای مخافة ان یقولوا افمن کان موضع رفع میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور خبر محذوف ہے تقدیرہ افمن کان علی ھذہ الاشیاء کغیرہ۔

تفسیر: فرمایا تھا کہ منکروں سے جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے اس کفر کی سزا یعنی

عذاب کو جو ہم نے ابھی ان پر نہیں بھیجا ذکر کیا جاتا ہے تو کس دلیری اور استقلال سے کہتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں آتا؟ کس نے روک رکھا ہے؟
اب یہاں فرماتا ہے کہ ان کی یہ سب باتیں ہماری دنیاوی نعمت اور راحت کی وجہ سے ہیں اور ان پر کچھ موقوف نہیں بجز ایمانداروں اور نیکوں کے انسان کا عموماً یہ دستور ہے کہ ولئن اذقنا الخ جب ہم اس کو اپنی نعمت و راحت دے کر لیتے ہیں تو ناامید اور ناشکر ہو کر طرح طرح کی بیہودہ باتیں بکنے لگتے ہیں اور جو سختی کے بعد راحت دیتے ہیں تو اپنے پہلے دنوں کو بھول جاتے اور اس کے نشہ میں پھول جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میری سختی کا زمانہ گیا اب دوبارہ نہ آئے گا اور خوب اتراتے ہیں۔ چونکہ عالم حسی اور اسی کے لذائذ اور شہوات ہی پر یہ عیش ہے لذائذ روحانی اور عالم جاودانی سے غافل ہے یہیں کی کامیابی کو سعادتِ عظمیٰ سمجھ کر اس پر اتراتا اور عالم آخرت کی تکذیب کرتا اور منکر ہو کر خدا سے مقابلہ کا دعویٰ کرتا اور خم ٹھونک کر اس کے عذاب کا خواستگار رہتا ہے اور جو کہیں مصیبت آ گئی تو اس محرومی کو سخت محرومی اور عذاب اور نکالِ حقیقی جان کر ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے۔ الغرض ذرا سی نعمت (کیونکہ اذقنا یعنی چکھانا فرمایا ہے پیٹ بھر کر دینا تو عالم باقی میں ہوگا اگر یہاں ہوتا تو جانے حضرتِ انسان کیا کرتے) پر اتراتے اور باغی بن جاتے ہیں' شکر نہیں کرتے۔ رسولوں سے مقابلہ عذاب کی خواستگاری جتلاتے ہیں اور ذرا سی مصیبت میں صبر نہیں کرتے مگر جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں وہ نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں کیونکہ ان کو مقصود بالذات اس عالم فانی کے نعماء نہیں بلکہ وہ عالم سوان کو وہاں مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور چونکہ وہ اس نعمتِ دنیا کے نشہ میں بہت سی ایسی باتیں پیغمبر ﷺ کے مقابلہ میں کرتے تھے جن سے آنحضرت ﷺ کو رنج ہوتا تھا۔ کبھی یوم موعود کا وقت پوچھا کرتے تھے جیسا کہ گذرا اور کبھی آنحضرت ﷺ سے تمسخر اور عناد کی راہ سے یہ کہتے تھے ہم تجھے جب مانیں گے جب تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا کر دے گا یا تیرے ساتھ کوئی آسمان سے فرشتہ اگر تیرے برحق ہونے کی گواہی دے گا۔ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ اور جب تو ایسا نہ کر سکے تو ہمارے بتوں کی مذمت نہ کر۔ ان رنج آمیز باتوں سے بمقتضاءِ بشریت یہ خیال آتا ہوگا کہ ایسے بیہودوں کے سامنے توحید و تلقینِ آخرت کا بیان کرنا قرآن اور وحی پر قہقہہ اڑوانا ہے اس لئے آنحضرت کو تسلی دے کر ان کے فرضِ منصبی پر مستحکم کیا جاتا ہے بقولہ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ الخ کہ کیا آپ ان کی ان بیہودہ باتوں سے دل تنگ ہو کر بعض احکام (تحقیرِ بت وغیرہ) چھوڑ بیٹھیں گے؟ نہیں ایسا نہ کرو۔ آپ کا کام صرف اندیشہ ناک باتوں سے مطلع کر دینا ہے اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِيۡرٌ راہ ہدایت پر لانا اور حسبِ خواہش معجزات کا صادر کرنا وہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌؕ۔ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ چونکہ وہ قرآن مجید کے بھی منکر تھے اور اس کو منجانب اللہ بھی نہیں کہتے تھے ان کے جواب میں فرماتا ہے قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ الخ کہ ان سے کہہ دو اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو پھر محمد علیہ السلام میں تم سے زیادہ کون سے اسبابِ فصاحت و بلاغت جمع ہیں بلکہ وہ ان باتوں میں تم سے بدر جہا کم ہیں سو تم ایسی دس سورتیں تو بنا لاؤ اور خدا کے سوا جن معبودوں کو پوجتے ہو سب سے مدد بھی لے لو۔ پھر تم جب ایسا نہ کر سکو تو یقین کر لو کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ اللہ علام کا جس نے اس میں دنیا و آخرت کے علوم کا دریا بہا دیا ہے اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ اور اس سے یہ بھی جان لو کہ تمہارے معبود جو اس کام میں عاجز رہ گئے معبود نہیں بس عالم وجود میں صرف معبود تو ایک اللہ ہی ہے وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پھر اب بھی مانتے ہو یا کہ ضد میں پڑے رہو گے اس وقت کے کفار ایک یہ بھی حجت پیش کیا کرتے تھے کہ اتباعِ قرآن و اسلام کی کیا ضرورت ہے؟ مسافروں کو کھانا کھلانا' یتیم کی پرورش کرنا' بھوکوں کی خبر گیری کرنا' رستوں پر کنوئیں کھدوانا' سایہ دار درخت لگانا' بہت سے نیک کام ہم کرتے ہیں اور ان کا مقبول ہونا بھی ثابت ہے کہ ہم ایسے کاموں سے دنیا میں پھلتے پھولتے ہیں۔ اولاد و مال میں برکت امن و تندرستی نصیب ہوتی ہے سو یہی بات کافی ہے اس کا جواب دیتا ہے من کان یرید الحیوۃ الدنیا الخ کہ یہ لوگ عالمِ آخرت پر تو کچھ نظر رکھتے ہی نہیں ان کاموں سے ان کی غرض حیات الدنیا اور اس کی زینت کثرتِ اولاد و مال ہوتی ہے سو ان کا بدلہ پورا پورا ہم ان کو یہیں دے دیتے ہیں۔ اب رہا دارِ آخرت سو اس کے تو وہ منکر ہیں اور نیز وہاں کے لائق اعمال

د ایمان واخلاص ان کو نصیب نہیں کیونکہ ان چیزوں کے معلم الٰہی پیغمبر کا وہ اتباع نہیں کرتے صرف عقل بغیر مدد الہام کچھ کام نہیں کر سکتی سو اس لئے وہاں ان کے لئے آتش جہنم ہے اور یہ دنیا کا عمل جوریا اور غرض حصول دنیا پر مبنی تھا سب نکما ہو جاوے گا اس میں ریا کاروں کے لئے سخت چشم نمائی ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی ریا کاری کی نماز اور تلاوت قرآن، درس و تدریس علوم اسلامیہ، جہاد و صدقات کا باطل ہونا اور آخرت میں حرمانی و پریشانی اٹھانا بکثرت وارد ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا کامیاب ہونا دار آخرت میں بیان فرماتا ہے کہ جو اسلام کی سیدھی سڑک پر چلتے ہیں افمن کان علی بینۃ الخ ان آیات میں یہود کی طرف بھی خطاب ہے اور ان کو ان سلیم الطبع یہود سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے یا ان کا قلبی میلان تھا۔ مقابلہ اور موازنہ کی تقریر یہ ہے کہ بھلا وہ شخص کہ جن کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے یہ تین دلیلیں ہیں اور اسی سبب سے وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ان منکروں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اور قبائل یہود و نصاریٰ میں سے بے دلیل قرآن کا انکار کر کے جہنم میں گھر بناتے ہیں ہرگز برابر نہیں اور وہ تین دلیل یہ ہیں: (۱) علی بینۃ کہ خدائی دلیل پر قائم ہیں۔ وہ کیا ہے؟ نور فطرت دل کی آنکھ جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہے اور جب وہ قرآن اور اسلام کے اصول و فروع میں نظر کرتی ہے تو اس کو خلاف عقل نہیں پاتی۔ اس کی ذاتی صداقت و نورانی اصول پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ (۲) یتلوہ شاہد منہ خدا کا گواہ بھی ان کے روبرو شہادت دے رہا ہے وہ کون پیغمبر علیہ السلام جس کی صورت و سیرت اس کے شاہد ہونے پر آپ واضح دلیل ہے یا جبرئیل فرشتہ جس نے ظاہر ہو کر بارہا شہادت دی اور تصدیق کی ہے۔ (۳) وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى الخ اس سے پہلے کی موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جس کے اصول اور قرآن کے اصول میں سر مو بھی فرق نہیں اور اس میں بہت سی اس کے برحق ہونے کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ پھر ان تین دلائل کے بعد جو خواہ مخواہ راستباز کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہے ہوں اس کو نہ مانے یہ اس کی بدبختی ہے اور اس کا مقام جہنم ابدی کا مقتضی ہے۔ ان دلائل کے بعد آنحضرت ﷺ کو مخاطب بنا کر اور ہر ایک صاحب عقل سلیم سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے یعنی قرآن و اسلام سے شک میں نہ رہنا چاہیے۔ یہ آفتاب کی طرح روشن اور برحق ہے مگر اس پر بھی بدبخت ایمان نہیں لاتے۔ توریت کو امام یعنی پیشوا اور رحمت فرمایا سو کتاب الٰہی میں یہ دونوں وصف ظاہر ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے جواللہ پرجھوٹ باندھے۔ یہ لوگ اپنے رب کے روبروپیش کئے جاویں گے اورگواہ کہیں گے کہ یہی تو ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔دیکھوظالموں پراللہ کی لعنت ہے۔وہ جواللہ کے رستہ سے روکتے اوراس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اوروہی آخرت کے بھی منکر ہیں۔یہ لوگ زمین پر بھی ہمارے قابو سے باہر نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی حمایتی تھاان کودو چند عذاب دیا جائے گا وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔انہوں نے خود اپنے آپ کوخسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ جھوٹ باندھتے تھے وہ سب کھویا گیا (آخرت میں) بے شک یہی لوگ آخرت میں زیادہ زیاں کار ہیں۔وہ جوایمان لائے اورنیک کام کئے اوراپنے رب کے آگے عاجزی کرتے رہے وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔دونوں فریق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک اندھااور بہرہ ہو (کفار) اوردوسرادیکھنے والا اور سننے والا (مومن) کیادونوں کا حال برابر ہے۔پھرتم کیوں نہیں سمجھتے ؟

ترکیب: یُضٰعَفُ جملہ مستانفہ ہے ماکانوا میں تین وجہ ہیں اول یہ کہ نافیہ ہے والثانی مصدریہ۔وفیہ مافیہ والثالث بمعنی الذی لاجرم الخ اس میں دوقول ہیں۔اول یہ کہ لا کلام سابق کے رد کے لئے ای لیس الامر کمازعموا جرم فعل ضمیراس میں مضمراس کی فاعل وانھم الخ جملہ محل نصب میں دوم لا جرم بمعنی حق بمنزلہ ایک کلمہ کے انھم جملہ محل رفع میں فاعل ہوکر۔

تفسیر: کفارِ مکہ کی عادت تھی کہ وہ طرح طرح کے شبہات وارد کیا کرتے تھے۔کبھی نئے نئے معجزات طلب کیا کرتے، کبھی قرآن مجید کا انکارکرتے تھے۔کبھی اپنے پرانے ڈھکوسلوں کوخدا کی طرف منسوب کرتے تھے کہ ان بتوں کی پرستش کااسی نے ہم کوحکم دیا ہے۔اسی نے ان کواپنے کارخانۂ قضاء وقدر کا مختارِکل کیا ہے اسی کے حکم سے ہم بعض چیزوں کوحلال بعض کوحرام قرار دیتے ہیں۔چونکہ یہ سب باتیں بے بنیاد اورخدا تعالیٰ پرناحق کا بہتان تھااس لئے ان کے جواب میں فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے خداپرجھوٹ باندھا ہے پھر اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ الخ میں خدا تعالیٰ کی عدالت میں ان کا پیش کیا جانا اور گواہوں کاان کی تکذیب کرنا بیان فرماتا ہے (اشہاد جمع شاہد کہ صاحب واصحاب اورجمع شہید کشریف واشراف گواہوں سے مرادمجاہد کے نزدیک وہ ملائکہ ہیں جواعمال لکھتے تھے قتادہ اورمقاتل کے نزدیک عامۃ الناس مراد ہیں جیسا کہ کہتے ہیں یہ بات علی رؤس الاشہاد ہوئی اور مفسرین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام مراد ہیں) پھرجب عدالتِ آسمانی میں ان کا جھوٹ ثابت ہوجاوے گا تواعلان کردیا جاویگا کہ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ الخ جھوٹوں پرخدا کی لعنت ہو۔اس کے بعدان کے کچھ اوصاف وحالات بیان فرماتا ہے کہ اورلوگ بھی ان اوصاف سے دوررہیں (۱) یہ کہ وہ آپ تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کوبھی اللہ کے رستہ سے روکتے ہیں (۲) اس راہِ الٰہی میں شبہات پیدا کرکے کجی نکالنا چاہتے ہیں يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا جیسا کہ آج کل پادری نئے نئے رسالے اورکتابیں طبع کرتے ہیں کہ جن میں اسلام کی ہجواوراس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں پھرعورتوں کے ذریعہ سے زنانہ سکول قائم کرکے پردہ نشین عورتوں پربھی جال مارتے ہیں (۳) یہ کہ آخرت کے منکر ہیں (۴) اولئک الخ یہ لوگ اپنے اسباب ومال کے زور میں اوراپنی کامیابیوں کے نشہ میں آکر یہ نہ سمجھیں کہ خدا کے قبضۂ قدرت سے باہر ہوگئے۔اس نے عذاب بھیجنے میں جودیر کررکھی ہے کسی مصلحت اور

---

۱ الاخبات ھو الخشوع والخضوع وھو ماخوذ من الخبیث والارض الطمئنۃ فاذا یتعدی بالی فمعنا بالاطمینان اخبت الیہ ای اطمئن الیہ اذا یتعدی باللام فمعناہ الخشوع اخبت لہ ای خشع لہ ۱۲۔عبدالحق

اپنے حلم کی وجہ سے کر رکھی ہے (۵) خدا کے مقابلہ میں ان کا کوئی فرضی معبود جس کو وہ پوجتے ہیں اس کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ جب آپڑتی ہے تو کوئی دیوی دیوتا اس کا ہاتھ نہیں روکتا (۶) ان کو دو چند عذاب ہوگا گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا (۷) نہ حق سن سکتے تھے نہ دیکھ سکتے تھے یعنی ان کے تعصب نے ان کے سمع و بصر باطنی کو بیکار کر دیا لاکھ دلائل پیش کرو مگر پرانی لکیر کے فقیر ہیں بھلا کسی کی کب مانتے ہیں (۸) یہ لوگ زیاں کار ہیں۔ آخرت میں ان کے یہ فرضی ڈھکوسلے کھولے جائیں گے نہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت و تثلیث و کفار پر ایمان لانا نجات دے گا نہ گائے کی دم پکڑ کے (نرک) جہنم سے پار ہوں گے نہ اور کسی کی نذر و نیاز کام آئے گی۔ اس کے بعد اہل ایمان اور نیک لوگوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے پھر ان دونوں فریق یعنی اہل ایمان و کفار کا فرق ظاہر کرتا ہے کہ ایک فریق اندھا اور بہرہ۔ دوسرا دیکھنے اور سننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا کفار و مشرکین کا فریق اور دوسرا اہل ایمان اور نیکوں کا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ

شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ
لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ع
وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ
بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ۚۖ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ
فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ
عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا
نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ
قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ[1] اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ
الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ
اللّٰهِ مَجْرٖىهَا[2] وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ
كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ

(حاشیہ: بزیادہ حفص بفتح المیم والامالۃ ۱۲ منہ)

---

۱ یعنی ازل میں جس کی نسبت حکم ہو چکا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے گا اس کے سوا ایمانداروں اور اپنے خاندان کو بھی کشتی میں سوار کر لے۔ ۱۲ منہ

۲ بسم اللہ متعلق باء کبوا مجراھا ومرساھا بضم المیم من اجریت وارسیت اسازمان وھما منصوبان علی الظرف فیہ ای وقت اجرائہا وارسائہا وقری الاول بفتح المیم والثانی بضمہ اوقری بفتحہا وقری مجریہا ومرسیہا بلفظ اسم الفاعل مجروری المحل علی انہما وصفان للہ والرسو الثبات فی موج جمع موجۃ کالجبال صفۃ الموج شبہہا بالجبال فی تراکمہا وارتفاعہا ۱۲ منہ۔

الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ[1] مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ

الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ

فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ

اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ

اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ

وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ

اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

---

[1] ابلعی من البلع ہو الشرب وتغیر الماء ومنہ البالوعۃ وہی موضع یشرب ویحزبہ ومنہ بلع الطعام اذا ازدردہ اقلعی الاقلاع الامساک وقیل من القلع یعنی الجذب و غیض الماء ای نقص یقال غاض الماء وغضیۃ انا ۱۲ منہ اس آیت میں وقیل یا ارض ظالمین تک میں جو کچھ فصاحت و بلاغت کے اسرار ہیں اُن سے منکرین کے بھی ہوش جاتے رہے تھے لطف یہ کہ اس آیت کے ۱۹ کلمات اور ان میں ۲۱ اقسام بدیع موجود ہیں مناسبت' مطابقت' مجاز' استعارہ' اشارہ' تمثیل' ارداف' تعلیل' احتراس' صحۃ' التقسیم عند المتاخرین' ایضاح معاذ علی حسن حق ایجاز تسہیم تہذیب' حسن بیان' تمکین۔ تجنیس مقابلہ ذم وصف۔ اس کی شرح میں علماء نے بڑی بری نادر تصانیف کی ہیں علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی نے اپنی تفسیر میں اور سید محمد ابن اسماعیل ابن صلاح نے اپنے رسالہ نہر المورد فی تفسیر آیہ ہود میں بہت کچھ لکھا ہے اور بشرط فرصت اردو میں ہم بھی ایک جداگانہ کتاب لکھ کر دکھائیں گے۔ ۱۲ منہ

إِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ إِنِّيْٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ

وَاشْهَدُوْٓا أَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ

اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ إِنَّ

رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَأُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ

الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ أَلَآ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ

قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

ع ۵ ۵

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ (ان سے) کہیں میں تمہیں صاف (صاف) ڈرسنانے والا ہوں (اور یہ بھی) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہاری نسبت ایک دکھ دینے والے دن کے عذاب کا ڈر لگ رہا ہے تب اس کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے کہ ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم کو تو تمہارے پیرو وہی دکھائی دیتے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں سرسری نظر سے (پیرو ہوگئے ہیں) اور ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت بھی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک سند پر ہوں اور میرے پاس اس کے ہاں سے رحمت بھی آچکی ہو پھر وہ تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا میں زبردستی سے تمہارے گلے مڑھ دوں اور تم اس سے نفرت کرتے جاؤ اور اے قوم! اس پر میں تم سے کوئی مال بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور میں تو ایمان والوں کو دھتکارنے کا نہیں کیونکہ وہ اپنے رب سے ملنا چاہتے ہیں لیکن میں تم کو ایک جاہل قوم دیکھتا ہوں اور اے قوم! مجھے اللہ سے کون چھوڑا سکتا ہے جو میں انہیں دھتکار دوں پھر تم کیا نہیں سمجھتے اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کو کہ جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ ان کو بہتری نہ دے گا۔ اللہ ہی ان کے دل کی بات خوب جانتا ہے بے شک ایسا کروں تو میں بے انصاف ہوں۔ وہ بولے کہ اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا پس بہت کچھ جھگڑ چکا اب جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے تو اس کو لے آ۔ نوح نے کہا اس کو تو اگر چاہے گا اللہ ہی لائے گا اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور میری نصیحت تم کو (کچھ بھی) فائدہ نہ دے گی۔ گو میں کتنی ہی نصیحت کرنا چاہوں اگر خدا کو تمہارا گمراہ رکھنا ہی منظور ہے وہ تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم کو پھر جانا ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود بنالیا ہے تو کہہ دو اگر میں نے از خود بنالیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں اور نوح کی طرف (یہ) وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی ایمان نہ لائے گا مگر جسے لانا تھا لاچکا پھر تم ان کی باتوں پر جو وہ کررہے ہیں کچھ غم نہ کرو اور ہماری مدد اور وحی سے کشتی بناؤ اور ستمگاروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے اور نوحؑ تو کشتی بنارہے تھے اور جب ان کی قوم کے لوگ اس کے پاس سے ہوکر گذرتے تھے تو اس سے ہنسی کرتے تھے نوح کہتے تھے اگر تم ہم

سے ہنسی کرتے ہو تو اسی طرح ہم بھی تم سے ہنسی کریں گے۔ تم کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کرے گا اور کس پر عذابِ دائمی اترتا ہے۔

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ چکا اور تنور (غضبِ الٰہی) جوش میں آ گیا تو ہم نے کہہ دیا کہ اے نوح! اس کشتی میں ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ کے دو دو جوڑوں کو اور اپنے گھر والوں کو مگر ان کو کہ جن کی بابت ہمارا فیصلہ ہو چکا اور جو ایمان لایا سب کو سوار کر لو اور اس کے ساتھ ایمان تو بہت ہی کم لائے تھے اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے کیونکہ میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑ سی موجوں میں لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ کنارے پر تھا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو لے اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچاوے گا۔ نوح نے کہا آج تو اس کے حکم (عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں مگر اللہ ہی جس پر مہربانی کرے (تو بچے) اور ان کے درمیان موج آ حائل ہوئی سو وہ ڈوب کر رہ گیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی اتر گیا اور کام ہو چکا اور کشتی جودی پر جا لگی اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا اے رب! میرا بیٹا تو میرے کنبے میں سے تھا اور تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تو حاکموں کا حاکم ہے۔ خدا نے فرمایا اے نوح! وہ تمہارے کنبے میں سے نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے پھر تم جس چیز سے واقف ہی نہیں اس کی ہم سے درخواست نہ کرو میں تمہیں نصیحت کئے دیتا ہوں۔

نادانی نہ کیا کرو۔ نوح نے کہا اے رب! میں اس بات کے سوال کرنے سے کہ جس کا مجھے علم نہیں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر مہربانی نہ فرمائے گا تو میں خراب ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا اے نوح! ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمہارے ساتھ والوں پر رہیں گی کشتی سے اترو اور (بعد میں) ایسے گروہ بھی ہوں گے کہ جن کو ہم (دنیا میں) برومند کریں گے پھر (آخرت میں) ان کی بدکاری سے ان پر ہماری طرف کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ ہیں غیب کی خبریں کہ جن کو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تو آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ پس صبر کر کیونکہ انجام کار پرہیزگاروں کے لئے ہے اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا' اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض جھوٹی باتیں بنایا کرتے ہو۔ اے قوم! میں تم سے اس پر کچھ مزدوری بھی تو نہیں چاہتا۔ میری مزدوری تو اسی پر ہے کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر تم کیا نہیں سمجھتے اور اے قوم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت اور بھی بڑھاوے گا اور تم نافرمان ہو کر نہ پھر جاؤ۔ کہنے گے اے ہود! تو تو ہمارے پاس کوئی بھی معجزہ نہیں لایا اور ہم تو تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لاویں گے ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو ہمارے کسی دیوتا نے بری طرح سے جھپٹ لیا ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے کہ جنہیں تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں۔ سو تم سب مل کر میرے لئے داؤ کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی بھی زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بے شک میرا رب ہی سیدھے رستہ پر ہے۔ پھر اگر تم نے نہ مانا تو جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ تو تم کو پہنچا دیا اور تمہاری جگہ میرا رب اور قوم پیدا کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ البتہ میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور جبکہ ہمارا حکم پہنچا تو ہم نے ہود کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لے آئے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی اور یہ تھی قومِ عاد کہ جس نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تھی اور ہر ایک جبار سرکش کا حکم مانتے تھے اور اس دنیا میں بھی اپنے پیچھے لعنت چھوڑ گئے اور قیامت کے دن بھی (دیکھو) قوم عاد نے اپنے رب کا انکار کیا تھا دیکھو عاد جو ہود کی قوم تھی خدا کی رحمت سے دور کئے گئے۔

ترکیب: انی بالکسر علی تقدیر قال و بالفتح بانی ان لا تعبدوا بدل ہے کلام سابق انی الخ سے مانراك اگر رؤیۃ العین سے ہے تو اس کے بعد کا جملہ حال اور قد مقدر رانہ مفعول ثانی اراذل جمع ارذل اور یہ رذل کی جمع ہے۔ قیل ارذل واحدۃ و جمعہ اراذل بادی بمعنی ظاہر اگر دال کے بعد ہمزہ سے پڑھا جائے تو بدأ یبدأ اذا فعل الشیء اولا سے ہوگا ورنہ بدا یبدو سے جس کے معنی ظاہر کے ہیں۔ یہ منصوب ہے ظرف ہونے کی وجہ سے اور عامل اس کا اتبعک ہے۔ لن یؤتیھم الخ جملہ مقولہ ولا اقول کا تزدری دال بدل ہے ت سے اصلہ تزتری وھو تفعل من زریت ت دال سے بدل گئی لتجانس الزار فی الجہر اور ت چونکہ حروف مہموسہ میں سے ہے اس لئے ز کے ساتھ جمع نہ ہوئی۔

تفسیر: مضامین مذکورہ بالا کے بعد چند عبرتناک واقعات بیان فرماتا ہے جن میں سے اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی بدبخت قوم کا ہے کہ حضرت نے سینکڑوں برس وعظ و پند کیا۔ طرح طرح سے سمجھایا مگر ان کی بدبختی اور شامت کا ہے کو راہ راست پر آنے دیتی تھی۔ آخر

سب غرق ہوئے۔طوفان آیا اگر چہ یہ قصے آگے بھی کئی بار آ چکے ہیں خصوصاً سورۂ یونس میں بھی جو مکیہ ہے مگر لطف اور اعجاز یہ ہے کہ ایک ایک قصے کو کس کس رنگ سے پلٹ کر بیان کیا جاتا ہے جو اپنے موقع پر نیا قصہ معلوم ہوتا ہے اور ایک جداگانہ عبرت پیدا کرتا ہے توریت میں بھی یہ قصۂ طوفان نہایت وضاحت سے مذکور ہے مگر توریتِ موجودہ میں اور قرآن میں بجز دو تین باتوں کے کہ جن کو بیان کرتے ہیں اور کچھ اختلاف نہیں۔اب اس کا سبب غالباً وہی سبب ہے کہ توریتِ موجودہ میں بیشمار مواقع ہیں اس کے مصنف یا کاتبوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں یا بعد میں کچھ کمی زیادتی ہوگی جیسا کہ اس کا ثبوت ہم نے اپنی اس کتاب میں متعدد جگہ کیا ہے اور کتبِ مناظرہ اظہار الحق وغیرہ میں بڑی تشریح ہے۔ان اختلافی باتوں میں اہلِ کتاب قرآن پر غلطی کا الزام لگایا کرتے ہیں اور بعض برائے نام مسلمان جوان کے مرید اور توریتِ موجودہ کو اصلی توریت بنانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں کچھ دور از کار توجیہیں کر کے باہم توافق پیدا کرتے ہیں کہ اس سے یہ مراد اور اس سے یہ مراد۔اگر توافق اور تطابق کسی وجہ وجیہ کے ساتھ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔وہ باتیں یہ ہیں اول فار التنور تنور کا جوش مارنا اور موافق قولِ اکثر مفسرین تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا طوفان کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ توریت میں اس کا کہیں ذکر بھی نہیں۔اگر تنور سے روٹیاں پکانے کا تنور مراد ہے تو اس کا وہی جواب ہے جو گذرا اور اگر مفسرینِ اسلام میں سے دوسرے فریق کا قول مان لیا جاوے کہ جس کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ تنور سے مراد روٹیاں پکانے کا تنور نہیں بلکہ عرب روئے زمین کو تنور کہتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ زمین سے پانی پھوٹ نکلا جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے ففتحنا الخ

القول الثانی لیس المراد من التنور تنور الخبز وعلی ہذا التقدیر ففیہ اقوال (الاول) انہ انفجر الماء من وجہ الارض کما قال تعالٰی فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ والعرب تسمی وجہ الارض تنوراً تو کچھ بھی باہم مخالفت نہیں رہتی کیونکہ توریت سفر پیدائش کے ساتویں باب میں آسمان سے پانی برسنا اور زمین کے سوتوں میں سے نکلنا لکھا ہے۔ دوم و نادیٰ نوح ابنہ الخ کہ نوح نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کو کہا لیکن وہ سوار نہ ہوا اور غرق ہو گیا حالانکہ توریت کے سفر مذکور میں نوح کے تین بیٹے لکھے ہیں۔سام حام یافث اور تینوں کا کشتی میں سوار ہونا اور طوفان سے نجات پانا لکھا ہے اور نیز مفسرینِ اسلام اس بیٹے کا نام کنعان بتلاتے ہیں حالانکہ کنعان حام کا بیٹا نوح کا پوتا ہے جیسا کہ توریت میں تصریح ہے۔اس کا جواب بھی وہی ہے جو بیان ہوا کہ توریت میں غلطی ہے اور توریت کی غلط بیانی پر ہم اسی سفر اور اسی مقام سے چند نمونے پیش کرتے ہیں کہ جن میں اضطراب پایا جاتا ہے جن کی تفسیر میں علمائے اہلِ کتاب بھی بہت مضطرب ہیں: شاہدِ اول توریت سفر پیدائش ۷ باب ۱۷ درس میں اور چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی اور اس کی چند سطر بعد پھر یہ بھی ہے (۲۴) اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی۔اب دونوں میں ایک ضرور غلط ہے یا وہم مصنف ہے۔علاوہ اس کے اول بات کی تائید اسی کے گیارہویں درس سے ہوتی ہے اور نیز ۸ باب میں بھی ڈیڑھ سو دن کے بعد پانی کا کم ہونا لکھا ہے اور اس کے بعد کا بیان کہ چالیس دن کے بعد نوح نے کشتی کی کھڑکی کھول کر کوے کو اڑایا اور اس کے بعد کبوتری کو اڑایا اور وہ واپس آئے پھر سات روز بعد اڑایا تو درخت کے پتے منہ میں لائے (اور پتے منہ میں لانا پانی اترنے کی دلیل میں ہے) اس کی تغلیط کرتا ہے۔ شاہد دوم ۹ باب میں ہے کہ حام نے اپنے باپ نوح کو خیمہ میں بحالتِ مخموری عاد پر جو ہود کی قوم تھی برہنہ دیکھا جس پر سام اور یافث نے اس پر کپڑا ڈھانکا ۱۸ تا ۲۳ پھر درس ۲۴ میں ہے کہ جب نوحؑ اپنی مے کے نشے سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم کیا۔۲۵ تب وہ بولا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہو گیا۔۲۶ پھر بولا خداوند سام کا خدا مبارک اور کنعان اس کا غلام ہو گا۔۲۷ خدا یافث کو پھیلا دے اور وہ سام کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو۔اب غور کرنا چاہیے کہ اگر چھوٹے بیٹے سے مراد

جس نے برہنگی دیکھی حام ہے تو اس کے بیٹے کنعان غریب کی کیا خطا ہے جو اس پر لعنت کی گئی اور سام کو حام کا غلام بنایا گیا؟ اگر کہو نسل حام کے لئے بد دعا ہے تو پھر کیا حام کی نسل میں یہی تھا بلکہ کوش اور مصر اور فوط اس کے تین بھائی اور بھی تھے اور اگر چھوٹے بیٹے سے مراد کنعان ہے تو مدعا حاصل ہے۔اب رہا اس نافرمان کا غرق ہونا تو یہ قرین قیاس ہے اس اختلاف سے صرف یہ بات دکھائی منظور ہے کہ مصنف توریت نے ضرور یہاں کچھ خلط ملط کر دیا اور ممکن ہے کہ کنعان دو ہوں ایک حام کا بیٹا دوسرا نوح کا چھوٹا بیٹا جو طوفان میں غرق ہوا۔شاید اسی بات کو مؤرخ توریت نے خلط کر دیا۔ مخالفت سوم واستوت علی الجودی کہ نوح کی کشتی جودی پہاڑ آٹھہری حالانکہ توریت سفر پیدائش ۷ باب ۴ درس میں ہے اور ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو ارارات کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی۔اس کا جواب یہ ہے کہ مسٹر میتھر جو پادری ہیں اپنی اس کتاب لغات بائبل کے ۶۰۔۶۱ صفحہ میں جو اپنی بیوی کے نام سے تصنیف کی ہے یہ کہتے ہیں ارارات یہ سرزمین ملک آرمینہ کا ایک صوبہ ہے لیکن ملک کے کون سے پہاڑ پر نوح کی کشتی ٹکی معلوم نہیں ہے۔سکندر کے دنوں میں بروسس نے ٹھہرایا کہ جبال جودی جو کردستان کے پہاڑوں میں اور آرمینہ کے دکھن طرف ہے وہی پہاڑ ہے اور اس وقت لوگ سمجھتے تھے کہ کشتی کے ٹکڑے چوٹی پر اب تک موجود ہیں۔ایک خانقاہ بھی اس جگہ پر تعمیر ہوئی جو کشتی کی خانقاہ کے نام سے نامزد تھی۔یہ خانقاہ ۷۷۶ء میں بجلی سے نیست ہوئی لیکن اتر طرف ایک اور پہاڑ ہے جس کو اکثر عالم ٹھیک سمجھتے ہیں۔ولایتی اسے ارارات آرمینی میسیس ترک اگری داغ یا بھاری پہاڑ اور فارسی کوہ نوح انتہیٰ۔ولیم پنک اپنے جغرافیہ میں کہتا ہے کہ شہر ایروان جو کبھی آرمینہ کا پائے تخت تھا اور بالفعل اس کا قصبہ ہے اس کے پاس کوہ ارارات واقع ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔صاحب مراصد کہتے ہیں الجودی بیا مشددۃ جبل مطل علی جزیرۃ ابن عمر فی شرقی دجلۃ من اعمال الموصل استوت علیہ سفینۃ نوح لما نضب الماء۔ ان اقوال سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ کوہ ارارات اور کوہ جودی کا سلسلہ ملتا ہے۔پس توریت کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ملک ارارات آرمینہ کا ایک صوبہ ہے جس کے پہاڑوں کا سلسلہ جار جیہ یعنی کردستان کے پہاڑوں سے آملتا ہے اس کی انتہا اور اس کی ابتداء کا موقع جودی پہاڑ ہے۔اس خاص جگہ کا نام نہ لیا تو سعًا کوہ ارارات کہہ دیا۔قرآن نے اس کا ٹھیک موقع بتلا دیا پس جو صاحب ارارات کے ان پہاڑوں کو لحاظ کرتے ہیں جو جودی سے فاصلہ پر واقع ہیں وہ دونوں بیانوں میں تفاوت سمجھتے ہیں ورنہ دراصل تفاوت نہیں۔

فوائد (۱) طوفانِ نوح کی بابت دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف آرمینہ اور کردستان وغیرہ ان ملکوں میں آیا تھا کہ جہاں وہ بت پرست قومیں آباد تھیں جن کے لئے نوح بھیجے گئے تھے اور اس عہد میں زیادہ تر آبادیہی ملک تھے گویا ان پر طوفان آنا تمام جہان پر آنا ہے۔ اکثر علماءِ اہلِ اسلام واہلِ کتاب تمام دنیا پر طوفان آنے کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پھر دنیا میں صرف حضرت نوح علیہ السلام سے نسل جاری ہوئی جس کی بابت خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ پھر کبھی میں دنیا کو اس طرح ہلاک نہ کروں گا (پیدائش باب ۹ درس ۹) (۲) نوح کی کشتی کی بابت قرآن میں صرف اسی قدر ہے اِصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا جس کا یہ مطلب کہ نوح نے الہامِ الٰہی سے ایسی کشتی بنائی کہ جس میں اس کے تینوں بیٹے اور ان کی بیویاں اور اسی یا کم زیادہ ایماندار اور ہر جانور کا جوڑا نر و مادہ آسکتا تھا مگر توریت میں ہے کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی اور اس کے تین درجہ اور اس میں روشندان اور دروازے اور کھڑکیاں اور کوٹھڑیاں تھیں اور اندر باہر رال لگائی گئی تھی اس کو خشکی میں بنتے دیکھ کر کافر ہنستے تھے کہ نوح سچ مچ دیوانہ ہے جس پر انہوں نے فرمایا۔تھوڑی دیر کے بعد ہم تم پر اسی طرح ہنسیں گے۔طوفان کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آسمان سے بھی بیشمار مینہ برسا اور زمین سے بھی جا بجا چشموں کی طرح پانی پھوٹ کر ابلنے لگا۔بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ جو بلند سے بلند پہاڑ تھے ان پر بھی پندرہ ہاتھ پانی بڑھ گیا۔چالیس دن یا کم زیادہ مدت تک یہ

حال رہا کشتی پانیوں پر پہاڑ جیسی موجوں میں تیرتی پھرتی تھی۔ پھر خدا نے رحمت کی۔ آسمان کا پانی بند ہوا زمین کا زمین میں پیوست ہو گیا نوح کشتی سے اتر کر ملک آرمینہ میں ایک جگہ آ رہے جہاں ایک گاؤں ارگوری نام تھا جو ۱۸۴۰ء میں اس پہاڑ کی آتش فشانی سے غارت ہو گیا۔ پہلے زلزلہ آیا اور لال دھواں نکلا پھر میلوں تک بڑے بڑے پتھر پہاڑ سے جا کر گرتے تھے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ (وقف لازم)
غَيْرُهُۥ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ
ثُمَّ تُوبُوٓا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَٰصَٰلِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ ۖ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي
شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ
بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَءَاتَىٰنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُۥ ۖ
فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَٰقَوْمِ هَٰذِهِۦ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ ءَايَةً
فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِيٓ أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾
فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَٰثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَٰلِحًا وَالَّذِينَ ءَامَنُوا مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ
الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَٰرِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ
يَغْنَوْا فِيهَآ ۗ أَلَآ إِنَّ ثَمُودَا۟ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ (ع ۶)
جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ
بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَءَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُۥ قَآئِمَةٌ

فَضَحِكَتْ[1] فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا۔ پس اس سے (پہلے گناہوں کی) معافی مانگو پھر (آیندہ) اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب نزدیک ہے (وہ) قبول کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہمیں تجھ پر (بڑی) امید تھی کیا تم ہم کو ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اور جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے تو ہم بڑے شک میں ہیں۔ صالح نے کہا اے قوم! دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے کوئی کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس کی طرف سے میرے پاس رحمت (نبوت) بھی آچکی ہو پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو مجھے اس سے کون بچا سکتا ہے پھر تم مجھے نقصان کے سوا اور کیا دے سکو گے۔ اور اے قوم! تمہارے لئے یہ اللہ کی اونٹنی ایک نشانی ہے پس اس کو خدا کی زمین پر پڑی چرتی پھرنے دو اور اس کو برائی سے چھونا بھی نہیں ورنہ تم کو فوراً کوئی آفت آلے گی۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب صالح نے کہا (اچھا) تین روز تک اپنے گھروں میں اور مزے کر لو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں۔ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دی۔ بے شک آپ کا رب ہی قوی زبردست ہے اور ستمگاروں کو سخت آواز نے آلیا[2] پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ دیکھو قوم ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا تھا دیکھو پھٹکار ہے (قومِ) ثمود پر اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتہ ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ کہنے لگے سلام اس نے بھی کہا سلام پھر کچھ بھی دیر نہ لگی کہ ابراہیم ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے (مہمانوں کے کھانے کو) پھر جبکہ ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس تک نہیں پہنچتے۔ تو ان کو اجنبی سمجھے اور ان سے ڈرے۔ وہ بولے خوف نہ کرو ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بیوی کھڑی ہوئی تھی تب (خوشی آکر) ہنس پڑی پھر اس کو ہم نے اسحاق کی اور اس کے بعد یعقوب کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ وہ بولی اے کمبخت! کیا میں بڑھیا ہو کر جنوں گی اور یہ میرا خاوند بھی بڈھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ وہ بولے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے گھر والی تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں بے شک وہ ستائش کے قابل بڑا بزرگ ہے۔

تفسیر: (۳) اس کے بعد دوسرا واقعہ قومِ عاد اور ان کے پیغمبر ہود علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عرب کے جنوبی حصہ ملک یمن میں گذرا ہے۔ اس قوم کی ثروت اور اس پر بدکاری اور بت پرستی حد سے گذر گئی تھی۔ بھلا یہ معزز اور جنٹلمین جو دنیا کی وجاہت اور ثروت کے بندے تھے کوئی غریب بیچارے خداترس لوگ تھوڑے ہی تھے کہ جو حضرت ہود علیہ السلام کی نصیحت مانتے ان کی حقانی باتوں پر ٹھٹھا اڑانا شروع کر دیا کہ ایسے ملانے یوں ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ لو ان کے کہنے میں آویں تو دنیا چھوڑ بیٹھیں۔ دیوانہ ہے اس پر ہمارے معبودوں کی پھٹکار پڑ گئی ہے۔ آخر پھر قہر الٰہی جوش میں آیا۔ سب سامان دھرے رہے۔ وہ آندھی کا طوفان بھیجا کہ گھروں اور جنگلوں میں لاشیں ہی پڑی پائیں۔ صنعا یمن میں ایک مکان جس کا غُمدان نام تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک باقی تھا جس کی نسبت صاحبِ قاموس لکھتے ہیں کہ وہ ایک بلند قصر تھا جس کے سات درجے تھے ہر درجہ دوسرے درجہ سے چالیس گز مرتفع تھا۔ یہ قصر عجائبِ روزگار بھی اسی بدنصیب قوم کی یادگار تھی جس کو شعراءِ عرب اپنے اشعار میں ذکر کر کے زمانہ کی فسوں سازی یاد دلاتے آئے ہیں۔

[1] الضحک ہو السرور وانبساط الوجہ وھذا قول الجمہور وقیل ضحکت بمعنی حاضت العرب یقول اضحکت الارنب اذا حاضت وانکرہ اکثر اہل اللغۃ یعقوب بالنصب مفعول لبشرنا وقری بالجر ومنعہ الفراء وقری بالرفع علی الابتداوخبرہ الظرف الذی قبلہ اہل البیت نصبہ علی المدح اذ الاختصاص وفیہ دلیل علی ان ازواج الرجل من اہل بیتہ۔ ۱۲ منہ

[2] زلزلہ کی ہیبت ناک آواز تھی یا فرشتہ کی۔ ۱۲ منہ

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ
لُوطٍ ﴿۷۴﴾ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿۷۵﴾ يَٰإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ
هٰذَا ۚ إِنَّهُ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۷۶﴾
وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا
يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ
السَّيِّاٰتِ ۚ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ
مَا لَنَا فِي بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ
لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوا يٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ
رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوٓا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۙ مَّنْضُودٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ
وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۸۳﴾

النصف ع ۵

پھر جبکہ ابراہیم کے دل سے خوف دور ہوگیا اور ان کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری آچکی تو ہم سے قومِ لوط کے معاملہ میں جھگڑنے لگے۔ بے شک ابراہیم بڑے بردبار، نرم دل، خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (فرشتوں نے) کہا اے ابراہیم اس خیال کو چھوڑو کیونکہ آپ کے رب کا حکم آچکا اور ان پر تو عذاب آکر ہی رہے گا، ٹلنے والا نہیں اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط کے پاس پہنچے تو ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور (دل میں) کہنے لگے کہ یہ تو مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑ پڑی (اور گھر گھیر لیا) اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا اے قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں تمہارے لئے

ل سجیل قیل ہے کلمۃ معربہ من سنکیل بدلیلہ قولہ حجۃ من طین۔ حقانی۔ اس آیت میں اہل مکہ پر وعید ہے عن رسول اللہ ﷺ انہ سال جبرئیل فقال یعنی ظالمی امتک امن ظلم منہم الا ہو بعرض حجر بسقط علیہ من ساعۃ الی مسافہ کشاف۔

پاکیزہ ہیں (ان سے نکاح کرلو) سواللہ سے ڈرواور مجھ کو میرے مہمانوں میں رسوانہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں۔ وہ بولے تجھے معلوم ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ کام نہیں اور ہمارے ارادہ سے تم تو خوب واقف ہو، لوط نے کہا اے کاش! تمہارے مقابلہ کا مجھے زور ہوتا یا میں کسی زبردست آسرے کی پناہ جالیتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ تم تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ پس تم اپنے گھر کے لوگوں کو کچھ رات رہے لے نکلو اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی (وہ نہ چلے گی) اس پر بھی وہی بلا آنے والی ہے جو ان پر آوے گی ان کا وعدہ صبح ہے کیا صبح قریب نہیں پھر جبکہ ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے وہ بستیاں الٹ دیں اور ان پر پتھر برسائے جو کھنگر تہ بتہ تھے جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور یہ بستیاں ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں ہیں۔

تفسیر: تیسرا واقعہ قوم ثمود اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا یاد دلاتا ہے جو حادثہ قوم عاد کے بعد عرب کے شمالی حصہ میں گذرا ہے۔ اس کی تشریح بھی پہلے ہو چکی اس قوم کی یادگار بھی کچھ کچھ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھی جو ان کے حال زار پر آنسو بہاتی اور دیکھنے والوں کو اللہ کے غضب سے ڈراتی تھی۔ ولقد جاءت یہ چوتھا ہیبت ناک واقعہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں شامل کرکے بیان فرماتا ہے۔ اس کی بھی تشریح ہو چکی مگر ہم کسی قدر الفاظ آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کے باہر کھڑے تھے کہ کئی شخص مسافرانہ شکل میں نمودار ہوئے۔ حضرت کی عادت مہمان نوازی کی تھی گھر میں لائے، کھانے کو ایک بچھڑا تلا ہوا آگے لاکے رکھ دیا مگر وہ فرشتے تھے انہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ کہیں دشمن تو نہیں کیونکہ اس عہد میں جس کا کھانا پانی کھالیتے تھے اس کے ساتھ بدی نہیں کرتے تھے۔ آج کل کا سا دستور نہ تھا کہ ساری عمر ممنونِ احسان ہو کر بدی کرنا اور بھی ہنرمندی سمجھتے ہیں۔ اس سے سمجھ گئے کہ ان کا ارادہ کچھ بد ہے۔ فرشتے بھی سمجھ گئے کہ حضرت کو بمقتضائے بشریت خوف ہوا۔ پھر تو انہوں نے اصل ماجرا کھول دیا کہ حضرت ہم فرشتے ہیں۔ قوم لوط کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔ آپ کے دشمن، بدخواہ نہیں۔ حضرت کی بیوی بھی وہیں کھڑی تھیں۔ اپنی ہلاکی سے نجات پانے کی خبر سن کر خوشی میں آکر ہنس پڑیں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے۔ اس موقع پر فرشتوں نے وہ بات بھی ان سے کہہ دی کہ جس کی خوشخبری کے لیے ان کے پاس بھیجے گئے تھے یعنی فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی کہ تمہارے ہاں اسحاق نام بیٹا ہوگا پھر اس کا بیٹا یعقوب ہوگا۔ یہ بڑھیا ہو چکی تھیں تعجب کرنے لگیں کہ بھلا اس عمر میں اولاد ہوگی؟ فرشتوں نے کہا خدا قادر ہے کچھ تعجب نہ کرو۔ جب ابراہیم علیہ السلام کا خوف دور ہوا تو اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کی بابت فکر ہوئی۔ فرشتوں سے سفارش کرنی شروع کی۔ انہوں نے کہا لوط کو کچھ خوف نہیں مگر قوم کی ہلاکی ٹھہر چکی۔ آپ اس میں کچھ گفتگو نہ کریں۔ باقی صاف ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

فِيٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ
اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ
يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ
مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا
يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا
رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ
قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ[1] الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ
هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ[2] ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

ركوع ۸

۱۔ الورد بمعنی المدخل المورود والدخل فیہ الذی وردوہ واصل الورد الوارد الذی یرد الماء لدفع العطش ۔۱۲منہ

۲۔ الرفد العون والعطاء المرفود المعطی ۱۲منہ۔

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ[ل] ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ
اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ
يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ
فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ
رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ
مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ؏ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ
اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ
وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ل الحصید الخراب شبہ ما لقی من اثار القریٰ بالزرع القائم علی ساقۃ وشبہ المقطوع منہ بالحصید والحصاد قطع الزرع۔ ۱۲ منہ

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ع ۱۰

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور پیمانہ اور تول کم نہ کرو۔ میں تم کو آسودہ پاتا ہوں (کمی کرنے کی ضرورت نہیں) اور مجھے اس دن کے عذاب کا خوف ہے جو گھیر لے گا اور اے قوم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں سے خیانت نہ کیا کرو اور نہ زمین پر فساد مچاتے پھرا کرو۔ اللہ کا دیا جو باقی بچ رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو ایمان ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں، وہ بولے اے شعیب! کیا تیری نماز ہی تجھے حکم دیا کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں کہ جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے موافق معاملہ نہ کریں تو ہی تو ایک بردبار سدھرا ہوا ہے۔ اس نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک سیدھے طریق پر ہوں اور اس نے مجھے نیک روزی دی ہے (تو تمہارا کہا کیونکر مان لوں) میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے میں تم کو منع کروں پھر میں اس کے خلاف کروں میں تو جہاں تک چاہتا ہوں اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میرا توفیق دیا جانا تو اللہ ہی سے ہے کہ جس پر میں نے بھروسہ کرلیا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے قوم کہیں میری ضد سے ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جس سے وہی مصیبت نہ آپڑے جیسی کہ قومِ نوح اور قومِ ہود یا قومِ صالح پر پڑ گئی تھی اور لوط کی قوم (کے کھنڈر) بھی تم سے کچھ دور نہیں اور اللہ سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو البتہ میرا رب مہربان پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب! تیری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور تجھ

---

[1] فلولا فھلا اولو بقیۃ اولو فضل وخیر وسمی الفضل والجودہ بقیۃ لان الرجل یستبقی مما یخرجہ اجودہ وافضلہ فصار مثلا فی الجودۃ والفضل ومنہ قولھم فی الزوایا خبایا وفی الرجال بقایا من الکشاف ۱۲۔ ابو محمد

کوتو ہم اپنے لوگوں میں کمزور پاتے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر چکے ہوتے اور تو کچھ ہم پر غالب بھی نہیں۔ اس نے کہا اے قوم! کیا میرے کنبے کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے۔ اس کو تو تم نے پس پشت ڈال دیا بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) میرے رب کے قابو میں ہے اور اے قوم! اپنے گھر بیٹھے کام کئے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں اور جبکہ ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ستمگاروں کو کڑک[1] نے آ لیا پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے دیکھو پھٹکار ہے مدین پر جس طرح کہ قوم ثمود پر پھٹکار پڑی اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتیں اور سند واضح کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ سو وہ تو فرعون کے تابع ہو گئے اور فرعون کا حکم ٹھیک بھی نہ تھا وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا' پھر ان کو آگ میں لا ڈالے گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے کہ جس میں جا پڑیں گے اور اپنے پیچھے اس جہان میں بھی لعنت چھوڑ گئے اور قیامت کے دن کے لئے بھی اور برا ہی انعام ہے جو انہیں دیا جائے گا۔ یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جنہیں ہم آپ کو سنا رہے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو اب تک باقی ہیں اور کچھ اجڑی پڑی ہیں اور ہم نے تو ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں ہی نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ پھر ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے جبکہ آپ کے رب کا حکم آ پہنچا۔ اور ان معبودوں نے بجز ہلاکت کے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور آپ کے رب کی ایسی ہی گرفت ہوا کرتی ہے جبکہ وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اس کی گرفت سخت رنج دہندہ ہے البتہ اس بیان میں اس کے لئے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے بڑی نشانی ہے۔ یہ ایک ایسا دن ہوگا کہ جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ ایک دن ہوگا کہ جس میں سب حاضر کئے جاویں گے اور اس کو جو ہم نے ہٹا رکھا ہے تو ایک وقتِ معین تک جس دن وہ آ جائے گا تو کوئی شخص کسی سے اس کی اجازت بغیر کلام بھی نہ کر سکے گا۔ پھر کچھ ان میں سے بد بخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے پھر جو بد ہوں گے تو وہ آگ میں ہوں گے کہ جہاں ان کو چیخنا اور دھاڑنا ہوگا۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں گے (دوزخ میں رہیں گے) مگر جبکہ اللہ چاہے البتہ آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اور جو نیک ہیں سو وہ جنت میں ہمیشہ رہا کریں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر جب کہ آپ کا رب چاہے (یہ ہے) بے انتہا عنایت۔ پھر آپ ان چیزوں سے کہ جنہیں وہ پوجتے ہیں شک میں نہ رہنا (کسی کو بھی خدائی میں) یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر اسی طرح سے کہ جس طرح سے اس سے پہلے ان کے باپ دادا پوجتے تھے اور ہم ان کو عذاب کا پورا (پورا) حصہ دے کر رہیں گے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی تھی پھر تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی (یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا) تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ بھی اس سے (قرآن کی طرف سے) ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو خبطی کر رکھا ہے۔ اور بے شک ہر ایک کو آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اس کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ پھر جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ بھی اور وہ جو آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع ہوئے ہیں اس پر قائم رہیں اور حد سے نہ بڑھیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کو وہ دیکھ رہا ہے اور مسلمانو! ستمگاروں کی طرف التفات بھی نہ کرنا ورنہ تم کو بھی آگ چھو جائے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا نہ پھر تمہاری مدد کی جائے گی اور اے نبی! دن کے اول سرے اور آخر سرے میں اور کسی قدر رات گئے نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لئے نصیحت ہے اور صبر کرتے رہو کیونکہ اللہ نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ پھر تم سے پہلے قرنوں[2] میں سے کچھ ایسے عمدہ لوگ بھی تو ہوئے تھے کہ جو زمین پر فساد کرنے سے منع کرتے مگر کچھ تھوڑے لوگ کہ جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا ایسے ہی تھے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ تو انہیں لذتوں کے پیچھے پڑے رہ گئے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ تھے ہی بدکردار اور آپ کا رب ایسا بھی نہیں کہ ناحق بستیوں کو ہلاک کر ڈالے حالانکہ وہاں کے لوگ نیک ہوں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب نے رحم کیا اور ان کو اسی لئے پیدا بھی کیا ہے اور آپ کے رب کا یہ فرمودہ پورا ہو کر رہے گا کہ میں جن اور آدمیوں دونوں سے جہنم بھر دوں گا اور (اے نبی!) ہم رسولوں کے حالات آپ سے اس لئے بیان کرتے رہتے ہیں کہ ان سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ضمن میں آپ کے پاس حق بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت اور یادگار بھی آئے گی اور بے ایمانوں سے کہہ دو کہ اپنی جگہ پر تم عمل کئے جاؤ ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور منتظر رہو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بات اللہ ہی

---

[1] زلزلہ کی آواز تھی بعض کہتے ہیں فرشتہ کی چیخ تھی جس سے کلیجے پھٹ کے دفعتہً مر گئے۔ ۱۲ منہ

[2] قرن زمانہ یعنی پہلی امتوں میں سے اچھے لوگ کم اٹھے اور پہلی امتوں میں سے وہی امتیں مراد ہیں جو ہلاک ہوئیں۔ ۱۲ منہ

جانتا ہے اور سب کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس اسی کی عبادت کرو اس پر توکل کرتے رہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے آپ کا رب بے خبر نہیں ہے۔

تفسیر: اس کے بعد پانچواں واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے جو اہلِ مدین کی طرف رسول بنا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کی عادت بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ کم تولنا' خیانت' دغابازی کرنے کی بھی تھی جس کو وہ اپنے مال میں تصرف جائز سمجھ کر طعن کی راہ سے کہتے تھے کہ ایک آپ ہی تو بڑے اچھے شخص ہیں اور ان کی نماز پر طعن کر کے کہتے تھے کہ کیا آپ کی نماز ہم کو بت پرستی سے منع کرتی ہے؟ باقی قصہ صاف ہے۔ یہ مدین وہی جگہ ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگ کر آئے تھے اور یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں کہ جن کی ایک صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ یہیں آپ برسوں تک بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وطن جاتے ہوئے یہیں کوہ حوریب کے قریب ایک درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی اور نبوت ملی تھی۔ اس کے بعد چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان فرما کر سورۃ کو چند باتوں پر تمام فرماتا ہے۔

اول وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ سے لے کر لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ تک انبیاءِ سابقین کے قصہ بیان فرما کر ان کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ ان بت پرستوں پر جو یہ بلا نازل ہوئی اور ان کی بستیاں غارت کر دی گئیں۔ یہ کچھ انہیں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آیندہ جو ایسا کرے گا دنیا میں بھی ویسی سزا پاوے گا (اس میں عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کے لئے نشانی اور عبرت ہے) اور پھر قیامت کا عذاب بھی ہے۔ پھر قیامت کی تین صفات ذکر فرماتا ہے۔ اول یہ کہ اس دن سب اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ دوم يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں سب حاضر ہوں گے دیگر مفسرین کہتے ہیں یہ معنی کہ ملائکہ اور انبیاء و صلحاء گواہی دیں گے۔ سوم مَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ کہ وہ ایک وقت معین تک ہٹائی گئی ہے کیونکہ دنیا کی فنا کا ایک زمانہ معین ہے آنے والی چیز گو کتنی ہی دور ہو مگر قریب ہے۔

دوم يَوْمَ يَاْتِ سے لے کر عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ تک اس دن میں سعیدوں اور شقیوں کا جو حال ہوگا اس کو بیان فرماتا ہے مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اور اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے بعض علماءِ اسلام نے یہ بات سمجھی ہے کہ کفار ایک مدت تک سزا پا کر جہنم سے نکالے جائیں گے کیونکہ جرم متناہی کی سزا غیر متناہی انصاف سے بعید ہے مگر جمہور ہمیشگی کے قائل ہیں اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہاں کے آسمان و زمین بھی ہمیشہ رہیں گے اور مشیت اس کی نہ ہوگی کہ خلاصی پاویں گے گو مشیت کا اختیار ہے اور خالدین اور ابدا الفاظ بھی قرآن میں آچکے ہیں۔ جرم کفر متناہی نہیں اس سے بڑھ کر اور کیا جرم متناہی ہے اور نیز غیر متناہی عمر بھی پاتا تو کفر نہ چھوڑتا۔

سوم فلا تک سے لے کر غَيْرَ مَنْقُوْصٍ تک انبیاء اور ان کی اقوام کے قصص اور آخرت میں سعداء و الشقیاء کے درجات بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو ان کی قوم کا حال بتلاتا ہے کہ ان جاہلوں کے انکار سے کچھ دل میں شک نہ لاویں (خطاب آنحضرت ﷺ سے ہے اور مراد اور لوگ ہیں) یہ جہاں اپنے باپ دادا کی تقلید سے بت پرستی کرتے ہیں کوئی عقل و فہم سے یہ بات نہیں ہے، تک اصل میں تکن تھا کثرت استعمال سے فصحائے عرب نون کو حذف کر دیتے ہیں وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ کے یہ معنی کہ ان کی بت پرستی اور بدکاری پر فراغ دستی دیکھ کر تعجب نہ کرو۔ دنیا میں جو کچھ ان کے حصہ میں لکھ دیا وہ پورا ملنا ہے یا یہ معنی کہ آخرت میں اپنے عذاب کا پورا حصہ پاویں گے۔

چہارم وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ سے لے کر اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تک کفارِ عرب کا جس طرح انکار توحید پر اصرار بیان فرمایا تھا اسی طرح انکارِ نبوت آنحضرت ﷺ پر اصرار کا ذکر کرتا ہے کہ یہ نئی بات نہیں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کیونکہ عرصہ ہوا ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی سو اس کو کب سب نے تسلیم کر لیا تھا بلکہ اس میں اختلاف ہوا کہ بنی اسرائیل نے مانا دیگر اقوام نے انکار کیا اس میں یہ بھی رمز ہے کہ خود بنی اسرائیل کا اس کی تعمیل اور عدم تعمیلِ حکم میں اور نیز خود نفسِ توریت میں بھی اختلاف ہو کر بیشمار فرقے پیدا ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر ہمارے ہاں سے یہ بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی کہ ہم قیامت میں ان کا فیصلہ چکا دیں گے تو ابھی ہم فیصلہ کر دیتے اور یہ

بھی ہوسکتا ہے کہ اگر آخرت میں عذاب دینا اور دنیا میں بسانا نوشتۂ ازلی نہ ٹھہر گیا ہوتا تو منکروں کا فیصلہ کر دیتے۔

پنجم۔ پہلی امتوں اور ان کے اختلاف کا ذکر فرما کر فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ سے ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ تک آنحضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو اوّلاً دین پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتا ہے۔ یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس میں عقائد سے لے کر اعمال' معاملات وعبادات مکارمِ اخلاق تک سب آ گئے۔ (۲) وَلَا تَطْغَوْا یعنی اس راہِ راست سے انحراف نہ کرنا۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں یہ معنی کہ اللہ کے لئے فروتنی اور تواضع اختیار کرو کسی سے تکبر نہ کرو اس میں یہ بھی مراد ہے کہ قرآن اور اسلام کی حدودِ مقررہ سے تجاوز نہ کرو۔ (۳) ولا تر کنوا (الرکون ہوالسکون الی الشیء والمیل الیہ بالمحبۃ ونقیضہ النفور) یعنی بے دینوں ناانصافوں کی دنیا میں شان وشوکت دیکھ کر ان کی طرف دل مائل بھی نہ کرنا محققین کے نزدیک اس سے مراد ان کے ظلم اور مذہبیہ رسوم کو پسند کرنا اور ان میں شامل ہونا ہے نہ دنیاوی امور میں۔ (کبیر)

ششم۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ سے لے کر لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ تک آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو نماز کی تاکید فرماتا ہے جو واستقم کما امرت کا ایک فردِ کامل ہے۔ اس آیت میں نماز قائم کرنے کا تین وقتوں میں حکم دیتا ہے۔ اول ودوم طرفی النہار دن کے دونوں سروں پر یعنی شروع دن میں اور اخیر دن میں عرب کی رائے پر دن کا شروع صبح صادق سے لیا جاتا ہے اور دن ڈھلنے سے آخر دن شمار کرتے ہیں جس طرح ہماری زبان میں پچھلا پہر کہتے ہیں۔ پس اول دن میں نماز قائم کرنے سے مراد صبح کی نماز ہے اور آخر دن سے ظہر کی اور عصر کی۔ امام ابوحنیفہ ؒ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جاوے آفتاب نکلنے سے پیشتر اور اسی طرح عصر کی نماز اخیر دن میں یعنی جب سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دوچند ہو جاوے۔ امام فخر رازی ؒ اس مقام پر قولِ امام ابوحنیفہ ؒ کی اس آیت سے یوں تائید کرتے ہیں کہ اگرچہ طرفی النہار کے حقیقی معنی آنِ طلوعِ آفتاب وغروبِ آفتاب ہے وہ تو مراد ہے نہیں بلکہ مجازی معنی کہ طلوع وغروب سے ملا ہوا وقت پس ابوحنیفہ کے قول کے بموجب کہ تنویرِ صبح اور تاخیرِ عصر افضل ہے معنی مجازی معنی حقیقی سے اقرب ہیں اور جہاں تک مجاز حقیقت سے اقرب لیا جاوے بہتر ہوتا ہے (اذا عرفت ہذا کانت الآیۃ دلیلا علی قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ الخ) سوم زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ لیث کہتے ہیں زلفۃ رات کے پہلے حصہ کو کہتے ہیں جس کی جمع زلف ہے من ازلفہ اذا قربہ اور زلف کو بضم ز وسکونِ ل بھی پڑھا ہے۔ چونکہ زلف جمع ہے یعنی رات کے حصے تو بقاعدہ جمع اقل مرتبہ تین حصے لئے جاویں گے۔ پس اول حصہ میں جو غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے نمازِ مغرب اور دوسرے حصے سے جو شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے نمازِ عشاء مراد ہوگی اور تیسرے حصے میں جس کی انتہا صبح صادق تک ہے وتر مراد ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک وتر بھی واجب ہیں اس آیت سے ان کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے اور علماء صرف مغرب اور عشاء مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کہ یہ نماز جو بڑی نیکی ہے انسان کے گناہ دور کر دیتی ہے۔ بخاری نے ابن مسعود ؓ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر اپنے گناہ کا اظہار اور مغفرت کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ پر یہ آیت اقم الصلوٰۃ نازل ہوئی۔ اس شخص نے پوچھا کہ یا حضرت کیا یہ حکم خاص میرے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت میں جو کوئی اس پر عمل کرے سب کے لئے ہے۔ حسنات سے ابن عباس ؓ نے پنجگانہ نماز مراد لی ہے کہ اس سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں مجاہد کہتے ہیں حسنات سے مراد یہ کہنا ہے سبحان اللہ والحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

ہفتم۔ فَلَوْلَا كَانَ سے لے کر كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ تک امم ماضیہ کے قصے بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ ان کی اس تباہی کے دو سبب تھے (۱) یہ کہ ان میں ایسے لوگ نہ رہے تھے کہ جو ان کو ملک میں فساد کرنے سے منع کرتے اولو بقیۃ اے اولو فضل وخیر (وسمی الفضل

والجود بقیۃ) پھر فرمایا الا قلیلا یہ استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے لکن قلیلا ممن انجینا من القرون نہوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنہی یعنی تھوڑے ایسے بھی تھے جو فساد سے منع کرتے تھے (۲) واتبع الذین کہ ظالم اپنی جسمانی خواہشوں اور کروفرِ دنیاوی میں ہمہ تن غرق ہو گئے تھے۔

ہشتم۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ میں سورۃ کو نہایت مطالبِ عالیہ پر تمام کیا۔ اول' اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا اظہار کیا۔ للّٰہ غیب السموات والارض میں اس کے علم کا کہ کوئی چیز آسمان وزمین کی اس پر مخفی نہیں مطیع اور عاصی کو بھی جانتا ہے والیہ یرجع الامر کلہ میں قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے اور یہی دونوں ایسی صفت ہیں کہ جن سے عبادت کی جاتی ہے پھر جب یہ دونوں خاص اسی کا حصہ ہیں تو پھر اس کے سوا اور کسی کو نافع وضار سمجھنا عبث اور فضول بلکہ نامعقول ہے۔ یہ پہلا مرتبہ تصحیح عقائد کا تھا۔ دوم فاعبدہ کہ اس کی عبادت کیا کر۔ عبادت ایک وسیع المعنی لفظ ہے مال سے' جان سے' روح سے' اعضاء سے' یہ دوسرا مرتبہ تقویٰ وطہارت کا ہے (سوم) توکل علیہ کہ اس کے سوا ہر چیز سے انقطاع کر کے ہر کاروبار میں اسی کا بھروسہ رکھے۔ اسباب کو اسباب جانے مؤثرِ حقیقی اور مسبب الاسباب پر نظر رکھے۔ یہ تیسرا مرتبہ معرفت وحقیقت کا ہے پس جب انسان ان تینوں مراتب کو حاصل کر کے کامل بن گیا تو پھر ایک مجمل عبارت میں اس کے لئے دارِ آخرت میں لذائذِ روحانیہ ملنے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کہ وہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ضرور جزاء وسزا دے گا۔ سبحان اللہ مبادی اور اوساط اور مقاطع میں کس خوبی کو ملحوظ رکھا ہے کہ جس کے ادراک میں ہزاروں لطف آتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۞ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۖ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ ع ۱

یہ ہیں کھلی کتاب کی آیتیں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں تمہارے سمجھنے کے لیے نازل کیا۔ آپ کو اس قرآن کے ذریعہ جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے ہم سب

سے بہتر قصہ سناتے ہیں اور البتہ اس سے پہلے تو آپ کو خبر بھی نہ تھی۔ جبکہ یوسف نے اپنے باپ سے یہ کہا کہ ابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے (خواب میں) سجدہ کرتے دیکھا ہے اس نے کہا بیٹا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ وہ تیرے لیے کوئی نہ کوئی فریب بنادیں گے کس لیے کہ شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے اور اسی طرح سے (یعنی خواب کے موافق) خدا تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور خواب کی تعبیر دینی سکھا دے گا اور اپنی نعمتیں تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر پوری کر دے گا جس طرح کہ اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق پر پوری کر چکا ہے کیونکہ تیرا رب علیم[1] (اور) حکیم ہے۔

ترکیب: قرآ نا مصدر موضع مفعول میں۔ یہ حال ہے ضمیر انزلنا و مفعول سے عربیا اس کی صفت۔ احسن منصوب ہے مفعول نقص کا ہو کر بما مصدر یہ ہذا مفعول ہے اوحینا کا قرآن نعت ہے یا بیان ہے۔ وان کنت مخففہ ہے مثقلہ سے فیکید وا جواب نہی۔

تفسیر: مفسرین کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مکہ کے کفار سے یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ محمدؐ جو عاد و ثمود کے حالات بیان کرتا ہے سو یہ کچھ مشکل بات نہیں عرب کے مشہور واقعات میں سے ہیں ہاں اس سے یہ پوچھو کہ یعقوب کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسفؑ اور اُس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گزرا اور یوسف کیونکر مصر میں پہنچا؟ یہ باتیں بجز مورخینِ اہلِ کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکے کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں ہرگز نہ بتلا سکے گا۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے حضرت سے سوال کیا جس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس کو یہود نے سن کر دل میں اقرار کیا الہام کے قائل ہوئے مگر زبان سے کب اقرار کرتے تھے۔

الر سے لے کر لمن الغافلین تک بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے (۱) یہ یعنی سورۂ یوسفؑ کتاب مبین یعنی قرآن کی آیات ہیں یعنی منزل من اللہ ہیں قرآن کو مبین کہنا گویا یہ بات بتلانا ہے کہ زبان الہام ہے یہی غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے (۲) قرآن کو جواے اہل مکہ ہم نے عربی زبان میں صاف صاف طور پر نازل کیا تو تمہارے سمجھنے کے لیے اس کو ہلکی بات نہ سمجھنا چاہیے (۳) اس قرآن کے وحی کرنے میں اے محمدؐ تم پر اچھا قصہ وحی کرتے ہیں حالانکہ تم اس سے پہلے واقف بھی نہ تھے۔ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں بہت سی عبرتناک باتیں ہیں یعقوب کا مصیبت کے بعد راحت کا منہ دیکھنا۔ بھائیوں کے حسد کی وجہ سے یوسف کا محکوم ہونا عصمت عفت کی بدولت یوسف کو مرتبۂ صدیقیت حاصل ہونا اذ قال سے قصہ شروع کرتا ہے کہ یوسفؑ نے خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔ باپ سمجھ گئے کہ اس کو ایک روز یہ دن نصیب ہوگا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝٧ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۣ ۝٨ۚۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝١٠ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝١١ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ

[1] بہت کچھ جاننا ہر حکمت و تدبیر سے واقف ہے قابلِ نعمت کو اپنی مصلحت سے دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ
اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً
یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ
بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ یٰبُشْرٰى
هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ
دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾

الثلثة

ع ۲ ۱۲

البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے (قصے میں) سوال[۱] کرنے والوں کے لیے بہت کچھ نشانیاں ہیں جبکہ بھائیوں نے کہا کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم جماعۃ ہیں البتہ ہمارا باپ تو صریح خطا میں پڑا ہے۔ یوسف کو مار ڈالو یا کہیں پھینک آؤ تا کہ باپ کی توجہ اکیلے تمہی پر رہے اور اس کے بعد نیک قوم ہو جانا (یعنی توبہ کر لیں گے)۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر تم کو کرنا ہی ہے تو یوسف کو مارو تو نہیں (پر) اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ کوئی قافلہ اٹھا کر لے جاوے۔ (باپ سے جا کر) کہا کہ ابا جان آپ کس لیے یوسف پر ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دؤوہ کھائے کھیلے اور ہم اس کی نگہبانی کریں گے۔ اس نے کہا مجھے اس کے لے جانے سے غم ہوتا ہے اور ڈرتا ہوں کہ تمہاری غفلت میں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا باوجودیکہ ہم ایک جماعت ہوں اور اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم گئے گزرے ہوئے۔ پھر جبکہ اس کو لے گئے اور سب نے اتفاق کر لیا کہ اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو ضرور ان کو ایک روز اس (بدسلوکی) سے آگاہ کرے گا اور وہ بے خبر ہوں گے اور کچھ رات گئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑنے میں مصروف ہوئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تھے سو اس کو بھیڑیا (آ کر) کھا گیا اور آپ ہمارے کہنے کا کبھی یقین نہ کریں گے خواہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا نہیں بلکہ تم نے دل سے ایک بات بنائی ہے۔ پس (اب) صبر ہی اچھا ہے اور اللہ سے تمہاری باتوں پر مدد چاہتا ہوں۔ (اور کنویں کے پاس) قافلہ آیا انہوں نے اپنے سقے کو بھیجا تو اس نے ڈول ڈالا (یوسف کو دیکھ کر) کہا اے لو مژدہ ہو یہ تو ایک لڑکا (نکل آیا ہے) اور اس کو اپنے اسباب میں چھپا دیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے (بھائیوں کو خبر ہوئی) اور اس کو کم قیمت (یعنی) چند درہموں پر بے رغبتی سے بیچ ڈالا

---

[۱] یعنی جو حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے حالات سے سوال کرتے ہیں اس بیان میں ان کے لئے پوری نشانی نبوت حضرتؐ کے لئے ہے کس لئے کہ باوجود توریت پاس نہ ہونے اور نہ اس کے پڑھے لکھے ہونے کے اتنے بڑے قصے کو ان باریکیوں اور پہلوؤں کے ساتھ جو اس واقعہ کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس طرح سے بیان کر دینا کہ توریت کے سرِ مو بھی خلاف نہ ہوا البتہ ایک معجزہ ہے۔ ۱۲ منہ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ
اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ
الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ
مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ
بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ
وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ
دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ
اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾
وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ
قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ
اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ۣ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـــِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

اور اس مصر والے نے کہ جس نے یوسف کو (اہلِ قافلہ سے) خریدا تھا اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی عزت کرنا شاید کہ ہمارے کام آوے یا ہم اس کو بیٹا بنالیویں۔ اور ہم نے یوسف کو زمینِ مصر میں یوں جگہ دی اور تا کہ ہم اس کو خواب کی تعبیر سکھا دیں۔ اور اللہ اپنے کام پر قادر ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔ اور جبکہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکومت اور علم دیا۔ اور ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں اور جس عورت کے گھر میں یوسف تھا وہ اس کو رجھانے لگی اور دروازہ بند کر دیا اور کہنے لگی لو آؤ اس نے (یوسفؑ) کہا خدا کی پناہ [۲] وہ تو میرا آقا ہے کہ جس نے مجھے عزت سے رکھا ہے بے انصاف فلاح کو نہیں پہنچا کرتے۔ اور اس عورت نے تو اس پر ارادہ (بد)

---

[۱] تاویل الاحادیث کے معنی تعبیر خواب بھی ہے اور ہر بات کی اصل حقیقت بیان کرنا اور اس کی حکمت اور مصلحت اور اس کے ہر پہلو پر واقفیت حاصل کرنا بھی یعنی یوسف کو ہم نے اس تدبیر سے ملک مصر میں عزت و وقعت دی اور حکمت و علم بھی دیا جس میں تعبیر خواب بھی ہے۔

[۲] وہ یعنی تیرا شوہر۔ ۱۲ منہ

کرلیا تھا اور وہ بھی کر ہی چکا تھا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا (یوں ہوا) تا کہ ہم اس سے برائی اور فحش کو ٹال دیں۔ کیونکہ وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا (جب یوسف گھر جانے لگے) اور دونوں دروازہ تک دوڑتے گئے اور عورت نے پیچھے سے اس کا کرتا چیر ڈالا اور دروازے کے پاس دونوں نے اس کے خاوند کو جا پایا۔ عورت کہنے لگی (پیش بندی کے طور پر) جو تیرے گھر کے لوگوں سے برا ارادہ کرے اس کی تو بس یہی سزا ہو کہ قید ہو یا سخت مار ماری جاوے۔ یوسف نے کہا یہ خود تو مجھ پر ریجھ گئی تھی اور اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک دیکھنے والے نے یہ شہادت دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو وہ سچی اور یہ جھوٹا۔ اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا پھر جبکہ اس کا کرتا پیچھے سے چرا دیکھا تو (اس کے خاوند نے) کہا یہ تو (اے عورتو!) تمہارا مکر ہے بے شک تمہارا بڑا مکر ہوتا ہے یوسف اس سے درگزر کر و اور تو (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطاوار ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ
وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا
بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ
رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا[1]
مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا
تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ
فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا
الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ
اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا
تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا
طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ
رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ع ۴ / ۱۴

---

[1] لیکونا قریٔ بالتشدید والتخفیف اولی لان النون کتبت فی المصحف الفاعلی حکم الوقف وذلک لا یکون الا فی الخفیفۃ کشاف والحاصل الالف مبدل من النون الخفیفۃ ۔۱۲ منہ

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اور شہر میں عورتوں نے چرچا کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو چاہتی ہے۔ بے شک اس کی محبت میں فریفتہ ہوگئی ہے ہم تو اس کو صریح خرابی میں دیکھتے ہیں۔ پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے لیے ایک مجلس کی تیاری کی اور پھل تراشنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری[1] دے دی اور بولی یوسف ان کے سامنے نکل آ۔ پھر جبکہ انہوں نے اسے دیکھا اور حیرت میں رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں ماشاءاللہ یہ تو بشر نہیں۔ ہو نہ ہو یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ بولی یہی تو وہ ہے کہ جس کے امر میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بے شک میں نے اس سے دلی خواہش کی تھی پھر اس نے اپنے آپ کو روک لیا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید میں پڑے گا اور بے عزت ہو کر رہے گا۔ یوسف نے دعا کی یا رب! مجھے تو قید بہتر ہے اس کام سے کہ جس کی طرف وہ مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر کو نہ ٹالے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور نادان بن جاؤں گا اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی تب اس کا فریب اس سے دور کردیا کیونکہ وہی سنتا جانتا ہے پھر ان کو نشانیاں[2] دیکھنے کے بعد بھی اس کا ایک وقت تک قید کرنا بہتر معلوم ہوا اور اتفاقاً اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان اور بھی داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی رکھی ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں ہم کو اس کی تعبیر بتلاؤ کیونکہ ہم تجھے نیک[3] سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائے گا کہ اس کے آنے سے آگے میں تمہیں تعبیر دے دوں گا تعبیر دینا بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں کیونکہ میں نے اس قوم کا مذہب ترک کردیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم واسحٰق ویعقوب کے مذہب کا تابع ہو گیا ہمیں جائز نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں اللہ کے فضل سے ہے اور جو ہم پر اور لوگوں پر بھی ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے اے قیدیو! کیا چند متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ

[1] پھل تراش کر کھانے کو۔ ۱۲ منہ

[2] یوسف کی بزرگی اور پارسائی کے نشان اور وجوہ دیکھنے کے بعد لازم تھا کہ فوراً قید سے رہا کرتے مگر اپنی کسی مصلحت سے چند روز اور قید رکھنا مناسب جانا۔

[3] اصلی خواب میں جس کو رویاءِ صادقہ کہتے ہیں انسان کی روح کو عالم غیب کی چیزیں جو ہنوز عالم ظہور میں نہیں آئیں دکھائی دے جاتی ہیں لیکن قوت متوہمہ ان معانی مجردہ کو ان کے مناسب اشکال میں ڈھال کر دکھاتی ہے پھر اس کے حل کا نام تعبیر ہے۔ یہ کام اسی سے عمدہ بن سکتا ہے جس کو عالم قدس سے مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کے آثار چہرے پر بھی نمودار ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے نورانی چہرے سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ بھی انہیں مقدس لوگوں میں سے ہے اس لئے ان سے تعبیر پوچھی۔ ۱۲ منہ

الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا

فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ

الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ

رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ

الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ

خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا

تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ

إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ

فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ

الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ

رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ

حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ

أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ

ع ۵/۷ ۱۵

ع ۶/۸ ۱۶

بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ

لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ

الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

تم اس کے سوا کچھ نہیں پوجتے مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے مقرر کر لیے ہیں جن پر خدا نے کوئی بھی سند نازل نہیں کی ہے حکومت بجز خدا کے کسی کی نہیں جس نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر انسان جانتے نہیں (اس نصیحت کے بعد کہا) اے قید یو تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلائے گا اور لیکن دوسرا سو وہ سولی پر لٹکایا جائے گا پھر پرندے اس کے سر کو نوچیں گے جس بات کو پوچھتے ہو وہ تو فیصل ہو چکی۔ اور ان دونوں میں سے جس کو یوسف نے بچنے والا سمجھا تھا اس سے یہ کہہ دیا کہ تو اپنے آقا سے میرا بھی ذکر کر دینا پھر اس کو اپنے آقا کے پاس ذکر کرنے سے شیطان نے غافل کر دیا تب چند برس یوسف قید خانہ میں بند رہے اور بادشاہ نے کہا میں نے دیکھا (خواب میں) کہ سات موٹی گائے ہیں جن کو سات دبلی گائے کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشہ ہیں اور سات خشک اے دربار یو میرے خواب کی تعبیر دو۔ اگر تمہیں خواب کی تعبیر دینی آتی ہے انہوں نے کہا کہ ایک پریشان خواب ہے اور پریشان خوابوں کی تعبیر ہمیں نہیں آتی اور وہ شخص کہ جوان دونوں میں سے بچ گیا تھا اور جس کو عرصہ کے بعد یاد[1] آیا کہنے لگا اس کی تعبیر میں تمہیں بتاتا ہوں تم مجھ کو (قید خانہ تک) جانے دو وہاں جا کر یوسف سے کہا اے سچے یوسف اس کی تعبیر بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائے کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور سات خشک تاکہ میں لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں کہ انہیں معلوم ہو یوسف نے کہا کہ تم سات برس تک لگاتار کھیتی کرو گے پھر جو فصل کاٹو تو اس کو اس کے خوشوں میں لگا رہنے دو تا کہ وہ خراب نہ ہو مگر تھوڑا سا اور جس کو کھاؤ پھر اس کے بعد سات برس سخت آئیں گے کہ جو ذخیرہ ان کے لیے جمع کر رکھا تھا اس کو کھا جاویں گے مگر قدرے قلیل کہ جو احتیاط[2] سے رکھا ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ جس میں لوگوں کے لیے بارش ہوئی اور اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے اور تعبیر سننے کے بعد بادشاہ نے کہا اس کو (یوسف کو) میرے پاس لے آؤ پھر جب یوسف کے پاس ایلچی پہنچا تو کہا اپنے آقا کے پاس جا کر پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے[3] البتہ میرا رب ان کے مکر سے خوب واقف ہے بادشاہ نے پوچھا اس وقت تمہارا کیا حال تھا (یعنی) اصل کیا بات تھی جبکہ یوسف[4] کو پھسلایا تھا انہوں نے جواب دیا کہ حاشا للہ ہم کو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی عزیز کی بیوی نے کہا اب تو سچی بات ظاہر ہی ہو گئی بات یہ تھی کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا اور وہ سچا ہے۔ یوسفؑ نے کہا یہ اس لیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز کی غائبانہ خیانت نہیں کی تھی اور کہا اللہ دغا بازوں کے فریب کو سرسبز

---

۱ حضرت یوسف کا تعبیر دینا عرصہ کے بعد یاد آیا تب اس نے دربار سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دو کہ میں قید خانہ میں جا کر ایک قیدی سے تعبیر لوں۔۱۲ منہ

۲ یعنی وہ جو تخم ریزی کے لیے رکھ چھوڑو گے یا جو بڑی احتیاط سے جمع رکھا جاتا ہے۔۱۲ منہ

۳ آیا میں نے ان سے کوئی بدارادہ کیا تھا یا خود انہوں نے مجھ سے بدارادہ کیا تھا یوسف قید خانہ سے نکلنے سے پہلے اپنی براءت کرنا چاہتے تھے۔۱۲ منہ

۴ عورتوں کو بلا کر اصل مقدمہ کی تحقیق کرنی شروع کی۔ عورتوں نے یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دی۔۱۲ منہ

نہیں کیا کرتا اور میں کچھ اپنے نفس کی پاکی بھی بیان کرتا نہیں کیونکہ نفس تو برائیاں کھاتا ہی رہتا ہے ہاں مگر جس پر میرا رب ہی مہربانی کرے کیونکہ میرا رب غفور رحیم ہے اور بادشاہ (فرعون) نے کہا اس کو یوسف کو میرے پاس لے آؤ تا کہ اس کو خاص اپنے پاس رکھوں پھر جبکہ اس سے بات چیت کی اور قابلیت معلوم ہوئی تو حکم دیا کہ تو آج سے ہمارا معتبر داعتبار دار مصاحب ہے یوسف نے کہا کہ مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں خوب حفاظت کرنیوالا خبردار[1] بھی ہوں اور ہم نے اسی طرح سے یوسف کو زور آور کیا کہ جہاں چاہے وہاں رہے ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کیا کرتے اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کے لیے آخرت کا اجر اس سے بھی بہتر ہے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ

---

[1] حساب کتاب سے بھی واقف ہوں یا یہ کہ حفاظت کے طریقے خوب جانتا ہوں۔ ۱۲ منہ

عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ
لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ
اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ
ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ
مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا
بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا
كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ
مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ
بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ
كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ
اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾

ع ۱۱/۲ (margin)

اور (جبکہ کنعان میں بھی قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی (مصر میں) اس کے پاس گئے سو اس نے تو ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچانتے تھے اور جب ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے سوتیلے[1] بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آؤ' پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور بڑا مہمان نواز ہوں۔ پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے پیمانہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس آنا۔ وہ بولے ہم اس کے باپ سے اس کے لیے ڈھب لگاتے ہیں اور ہم یہ کر کے ہی رہیں گے اور یوسف نے اپنے ملازموں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی ان کے اسباب میں رکھ دو تا کہ وہ اپنے گھر جا کر اس کو دریافت کر لیں' شاید کہ وہ پھر بھی آئیں۔ پھر جبکہ وہ اپنے باپ کے پاس (کنعان میں) پہنچے تو کہنے لگے کہ ابا جان ہمارا پیمانہ[2] بند ہو گیا سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے کہ ہم پیمانہ لائیں اور ہم اس کے نگہبان بھی ہیں۔

---

۱ سوتیلے بھائی بنیامین جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے ۱۲ منہ

۲ یعنی غلہ جو پیمانہ سے دیا جاتا ہے ہندوستان میں غلہ تل کر دیا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں پیمانہ ہے۔ ۱۲ منہ

اس نے کہا (خوب) میں تمہارا اس پر ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی پر کر چکا ہوں اللہ ہی خوب حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے اور پھر جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنی جمع پونجی اس میں واپس دھری ہوئی پائی تو کہنے لگے کہ اباجان ہم کو کچھ نہیں چاہیے لو ہمارا روپیہ بھی ہمیں واپس دیا گیا اور ہم اپنے کنبہ کو پالیں گے (مصر سے غلہ لاکر) اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لیں گے یہ تو تھوڑا ہی سا پیمانہ تھا۔ اس نے کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ کا عہد نہ دو گے کہ ضرور ہم اس کو تمہارے ہی پاس لے آویں گے مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے۔ پھر جب انہوں نے اس کو قول و قرار دیا تو اس نے کہا ہماری باتوں کا اللہ شاہد ہے اور اس نے (چلتے وقت) کہا بیٹو! (مصر میں) ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ[1] دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ کی کوئی بات (بلا) دفع نہیں کر سکتا حکم تو اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جبکہ وہ (مصر میں) اسی طرح داخل ہوئے کہ جس طرح ان کے باپ نے حکم کیا تھا تو خدا کے مقابلہ میں یہ ان کے لیے کچھ بھی کام نہ آیا۔ وہ صرف یعقوب کے دل کا ایک ارمان تھا کہ جس کو اس نے پورا کیا اور وہ تو ہمارے سکھلانے سے علم والا تھا لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں اور جبکہ وہ یوسف کے پاس گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دے کر کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں پس جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں اس پر غم نہ کر۔ پھر جبکہ یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں کٹورا رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ او قافلہ والو! تم مقرر چور ہو وہ ان کی طرف پھر کر پوچھنے لگے کہ کیا گم ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہ کا کٹورا نہیں ملتا اور جو اس کو لا دے گا ایک اونٹ بھر کر غلہ پائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (یوسف کے بھائیوں نے کہا) بخدا تم جان چکے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں۔ اور نہ ہم کبھی کے چور ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پھر بھلا اگر تم جھوٹے نکلو تو چور کی کیا سزا؟ وہ بولے جس کی خورجی میں سے وہ نکل آئے تو اس کی سزا یہی ہے کہ وہی اس کے بدلہ میں لیا جائے، ہم بے انصافوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ پس اس کے بھائی کے اسباب سے پہلے ان کے اسباب دیکھنے شروع کئے پھر اس کے بھائی کے اسباب میں سے اس کو نکالا ہم نے یوسف کو ایسی تدبیر بتائی تھی (ورنہ) بادشاہ مصر کے قانون سے تو وہ اپنے بھائی کو ہرگز نہ لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے[2] ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں اور ہر ایک دانا سے بڑھ کر دوسرا دانا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ

[1] نظر بد کے لحاظ سے بھی ایک دروازہ سے داخل ہونے کو منع کیا کیونکہ سب خوبصورت تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کے سب کے مل کر جانے میں خواہ مخواہ ایک چرچا ہوگا اور جو کچھ یوسف علیہ السلام ان سے سلوک کریں گے اس میں غمازوں کو موقع ملے گا کیونکہ مصری لوگ پردیسیوں سے گونہ نفرت رکھتے اور ان کا سلطنت سے مستفید ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] تو اور کوئی سامان بنیامین کے روکنے کا کر دیتا ۱۲ منہ

الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٠
اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا
بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝٨١ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا
فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝٨٢ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ
لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝٨٣ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ
عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝٨٤ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ
حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝٨٥ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ
وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨٦

وہ بولے اگر اس نے چوری کی تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے پس یوسف نے اس بات کو دل میں مخفی رکھا اور ان سے ظاہر نہ کر کے کہا تم بڑے خانہ خراب ہو۔اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔بولے اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے پس آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں البتہ آپ کو ہم نیک دیکھتے ہیں۔اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم بجز اس کے کہ جس کے پاس ہم نے اپنا اسباب پایا کسی اور کو پکڑیں' جب تو ہم بڑے ظالم ہیں۔پھر جبکہ اس سے ناامید ہو گئے تو اس سے الگ ہو کر خفیہ مشورہ کرنے لگے۔ان میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم لے لی ہے اور پہلے بھی تم نے یوسف کے امر میں کچھ کمی نہیں کی ہے۔سو میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے گا یا اللہ میرے لیے کوئی حکم نہ دے اور وہ بہتر حکم دینے والا ہے۔تم اپنے باپ کے پاس جا کر کہو کہ اے باپ آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے تو وہی کہا جو ہمیں معلوم تھا اور ہم کو غیب کی خبر نہ تھی (کہ وہ چوری کرے گا) اور آپ اس گاؤں سے بھی پوچھ لیجیے کہ جہاں ہم تھے اور اس قافلہ کو بھی کہ جس میں ہم واپس آئے ہیں اور ہم بے شک سچے ہیں۔کہا (نہیں) بلکہ تم نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے۔سو صبر ہی بہتر ہے۔اللہ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لا دے کیونکہ وہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے یوسف! اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔پس وہ سخت غمگین ہو گیا۔بیٹوں نے کہا خدا کی قسم! تم تو سدا یوسف کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ نکمے ہو جاؤ یا ہلاک ہو جاؤ گے۔وہ کہنے لگے میں تو اپنی پریشانی اور غم کا گلہ اللہ ہی سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ
اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٧ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا
يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا

الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ
مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝۸۹ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ
قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ
كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝۹۱ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِيْنَ ۝۹۲ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ
وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۳ ع

(کہا) اے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ کی رحمت سے ناامید بجز کافر قوموں کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ پھر جبکہ یوسف کے بھائی اس کے پاس آئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی آ پڑی اور ہم کھوٹے دام لے کر آئے ہیں سو ہم کو پورا پیمانہ بھر دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے کیونکہ اللہ خیرات دینے والوں کو بدلہ دیا کرتا ہے۔ یوسف نے کہا تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا کیا تھا معلوم بھی ہے جواب انجان ہو رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو ہی یوسف ہے۔ کہا میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر بڑا کرم کیا البتہ جو ڈرتا ہے اور صبر کیا کرتا ہے تو اللہ بھی نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے بخدا بے شک اللہ نے تم کو ہم پر بزرگی دی اور مقرر ہم ہی خطاوار تھے۔ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تم کو معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحیم ہے۔ جاؤ میرا یہ کرتا میرے باپ کے منہ پر ڈال دو کہ وہ بینا ہو جائے اور میرے پاس اپنے سب کنبے کو لے آؤ۔

وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ
تُفَنِّدُوْنِ ۝۹۴ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝۹۵ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ
اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا
خٰطِـِٕيْنَ ۝۹۷ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۹۸ فَلَمَّا
دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝۹۹ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ

يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ
اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ
اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ
بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ
اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ
اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ع ۱۱ ۵

اور جبکہ قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا البتہ مجھ کو یوسف کی بو آ رہی ہے۔ اگر مجھے دیوانہ نہ بناؤ۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم اپنی کسی پرانی دھن میں مبتلا ہو۔ پھر جبکہ اس کے پاس خوشخبری دینے والے نے آ کر قمیص اس کے منہ پر ڈال دی تو بینا ہو گیا۔ کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ عرض کرنے لگے اے باپ! ہمارے گناہ معاف کرا دیجیے بے شک ہم ہی خطاوار تھے۔ کہا عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے معافی مانگوں گا۔ البتہ وہ غفور رحیم ہے۔ پھر جبکہ وہ یوسف کے پاس آئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا اے ابا جان! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر اور میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا اور اس نے مجھ پر بڑی عنایت کی جبکہ مجھ کو قید سے نکالا اور تم کو باہر سے لے آیا (اور مجھ سے ملایا) بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں رنجش پیدا کر دی تھی۔ بے شک میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے بڑی مہربانی فرماتا ہے کام بنا دیتا ہے کیونکہ بہتر جاننے والا حکیم ہے۔

یوسف نے دعا کی اے رب! تو نے مجھ کو حکومت میں بھی ایک حصہ عطا فرمایا اور خواب کی تعبیر دینے کا علم بھی سکھایا۔ (اے) آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے فرمانبرداری کی حالت میں موت دے اور نیکوں میں ملا دے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو (اے نبی!) آپ کی طرف ہم وحی کرتے ہیں اور آپ تو وہاں موجود نہ تھے جبکہ (یوسف کے بھائیوں نے) اپنا ارادہ مصمم کر لیا تھا (کہ ان کو کنویں میں ڈال دو) اور وہ تدبیریں کر رہے تھے ہر چند آپ کتنا ہی چاہیں (لیکن) اکثر لوگ ایمان لانے کے نہیں اور آپ اس پر ان سے کچھ مزدوری بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ تو صرف تمام عالم کے لیے نصیحت ہے اور آسمانوں اور زمین میں بہت سی ایسی نشانیاں ہیں جن کو[1] وہ مشاہدہ کر کے منہ پھیر لیتے ہیں (جن پر منہ موڑ کر چلتے ہیں) اور ان میں سے اکثر ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں کیا وہ اس سے نڈر ہو گئے کہ ان پر عذاب الٰہی آ کر چھا جائے یا یکا یک ان پر قیامت آ جاوے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ کہہ دو میرا اور میرے پیرووں کا بصیرت کے ساتھ راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور اللہ ان کے شرک ٹھہرانے سے پاک ہے اور میں تو شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى[2] وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے بستیوں کے رہنے والے آدمی ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ پھر وہ زمین پر پھر کر کیوں نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا اور وہ آخرت تو ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیز گاری کرتے رہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ (منکروں کو ہم نے) یہاں تک ڈھیل دی تھی کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور خیال کرنے لگے تھے کہ ان سے غلط وعدے کئے گئے (تب) فوراً ان پر ہماری مدد پہنچی پھر جس کو ہم نے چاہا بچا لیا اور ہمارے عذاب کو نافرمان قوم سے کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا البتہ ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے (قرآن) سمجھنے والوں کے لیے کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ وہ اپنے سے پہلی چیزوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان داروں کے لیے۔

ترکیب: قرآنا مصدر موضع مفعول میں یہ حال ہے ضمیر انزلنا مفعول سے عربیا اس کی صفت احسن منصوب ہے مفعول نقص کا ہو کر بما مصدر ھذا مفعول ہے اوحینا کا قرآن لغت ہے یا بیان ہے وان کنت مخففہ مثقلہ سے فیکیدوا جواب نہی۔

---

[1] یمرون علیہا کا ترجمہ لفظی ان پر سے گزرنا ہے مگر مراد مشاہدہ کرنا ہے یعنی ہمارے آسمان اور زمین میں بیشمار نشانِ قدرت ہیں جن کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے بلکہ منہ پھیر لیتے ہیں اور توجہ نہیں کرتے ۱۲ منہ

[2] یعنی اگلی کتابوں کی جو آسمانی ہیں اصولِ دین اور دیگر امور میں ان کی تصدیق کرتا ہے ۱۲ منہ

تفسیر : شانِ نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مکہ کے کفار سے یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) جو عاد و ثمود کے حالات بیان کرتا ہے سو یہ کچھ مشکل بات نہیں عرب کہ مشہور واقعات میں سے ہیں ہاں اس سے یہ پوچھو کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گزرا اور یوسف علیہ السلام کیونکر مصر میں پہنچا؟ یہ باتیں بجز مورخین اہل کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکے کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں ہرگز نہ بتلا سکے گا۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے حضرت ﷺ سے سوال کیا جس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس کو یہود نے سن کر دل میں اقرار کیا الہام کے قائل ہوئے مگر زبان سے کب اقرار کرتے تھے۔

الٓرٰ سے لے کر الْغٰفِلِین تک بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے: (۱) یہ یعنی سورہ یوسف کتٰب مبین یعنی قرآن کی آیات ہیں یعنی منزل من اللہ ہیں قرآن کو مبین کہنا گویا یہ بات بتاتا ہے کہ زبانِ الہام ہی یہی غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے (۲) قرآن کو اے اہل مکہ ہم نے عربی زبان میں صاف صاف طور پر نازل کیا تو تمہارے سمجھنے کے لیے اس کو ہلکی بات نہ سمجھنا چاہیے۔ (۳) اس قرآن کے وحی کرنے میں اے محمد (ﷺ) تم پر اچھا قصہ وحی کرتے ہیں حالانکہ تم اس سے پہلے واقف بھی نہ تھے۔ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں بہت سی عبرتناک باتیں ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کا مصیبت کے بعد راحت کا منہ دیکھنا' بھائیوں کے حسد کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کا محکوم ہونا' عصمت عفت کی بدولت یوسف علیہ السلام کو مرتبہ صدیقیت حاصل ہونا۔ اذ قال سے قصہ شروع کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔ باپ سمجھ گیا کہ اس کو ایک روز یہ دن نصیب ہوگا کہ اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ سجدہ[1] کریں گے۔ ستاروں سے بھائی اور چاند اور سورج سے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا یہ سمجھ کر بھائیوں کے آگے بیان کرنے سے منع کیا کہ سوتیلے بھائی ہیں حسد میں آ کر اس کے ساتھ کچھ بدی نہ کریں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے: واضح ہو کہ حاران سے کوچ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں آ رہے تھے ان کی بود و باش خیموں میں تھی حبرون کے پاس رہا کیے اسحاق علیہ السلام بھی یہیں رہے ان کے بیٹے عیص شعیر پہاڑ میں جا بسے اور یعقوب علیہ السلام اپنے باپ کی وصیت سے حاران کی طرف اپنے حقیقی ماموں نحور کے بیٹے لابن کے ہاں گئے ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی لیاہ جس کی آنکھیں چوندھی تھیں چھوٹی راحل یا راحیل جو بہت خوبصورت تھی یعقوب علیہ السلام اس پر عاشق ہوئے۔ سات برس لابن کی بکریاں اس لیے چراتے پھرے آخر نکاح ہوا تو صبح کو اپنے پاس لیاہ کو دیکھا ماموں سے شکایت کی اس نے ہفتہ بھر کے بعد راحیل سے بھی نکاح کر دیا لیاہ کے پیٹ سے روبن پھر سفون پھر لاوی پھر یہوداہ اور اشکار اور زبلون پیدا ہوئے اور لیاہ کے ساتھ جو جہیز میں زلفہ لونڈی دی گئی تھی اس سے جد اور آشر پیدا ہوئے اور راحیل سے یوسف علیہ السلام جو نہایت خوبصورت تھے پھر بنیامین کہ جن کو جن کر پھر راحیل نے انتقال کیا اور اس کے ساتھ جو بلہ لونڈی جہیز میں دی گئی تھی اس سے دان اور نفتالی پیدا ہوئے بیس برس کے بعد یعقوب علیہ السلام اپنی بیویوں اور لڑکوں کو اور گلہ کو لے کر اپنے وطن ملک کنعان میں آئے اور ایک گاؤں میں آ رہے جس کا نام سیلون تھا۔ جو نجبل اور نابلس کے درمیان تھا۔ نابلس جس کو پہلے سکم کہتے تھے بیت المقدس سے تیس میل اور سرنا سے سات میل ہے۔ اس کے قریب دو ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر وہ کنواں ہے جس میں بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو ڈالا تھا اور اسی کے قریب ایک احاطہ بنا ہوا ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ یعقوب علیہ السلام کے مزار مقدس ہیں یوسف علیہ السلام سترہ برس کی عمر میں تھے کہ بھائیوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چراتے تھے چونکہ راحیل متوفیہ کی یادگار تھے یعقوب علیہ السلام ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے جس پر بھائیوں کو رشک تھا۔ انہیں دنوں میں یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا باوجود منع کرنے کے بھائیوں سے کہہ دیا اور بھی ان کی آتشِ رشک میں تیل ڈال دیا۔ نابلس کی

---

[1] یا تو اس عہد میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیم درست تھا یا سجدہ کے معنی جھکنا اور تعظیم کرنا ہیں۔ ۱۲ منہ

وادی میں یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھیڑ بکریاں گائے بیل چرانے کے لیے گئے تھے وہاں جا کر قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر سب میں بڑے بھائی روبن نے منع کیا کہ خونریزی نہ کرو بلکہ اس کو کنویں میں ڈال دو جو بیابان میں ہے اس کی وہ بوقلموں قبا اتار لی جو باپ نے پہنائی تھی اور اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا کہ جس میں ایک بوند بھی پانی نہ تھا یہ کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ آتے دکھائی دیا جو جلعاد سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر جاتا تھا قافلہ نے آ کر ڈیرا کیا اور اسی کنویں پر پانی لینے کسی کو بھیجا یوسف علیہ السلام نے ڈول تھام لیا اس نے دیکھا تو ایک لڑکا معلوم ہوا۔ قافلہ میں خبر کی۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو نکالا اپنے اسباب میں چھپا لیا۔ روبن نے کنویں پر جا کر دیکھا تو یوسف علیہ السلام کو نہ پایا معلوم ہوا کہ اسماعیلی قافلے والوں نے نکال لیا۔ پھر یہوداہ کی صلاح سے سب نے متفق ہو کر یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ بیس روپیہ کو بیچ دیا اور اس کے قبا پر بکری کے بچے کا خون لگا کر یعقوب علیہ السلام کے پاس لے گئے کہ بھیڑیے[1] نے پھاڑ کھایا تب یعقوب علیہ السلام اس کے لیے رویا کیے اور کہا کہ میں اس کے غم میں روتا ہوا گور میں اتروں گا۔ قافلے والوں نے مصر میں جا کر نوطیفار یا نوتیمار کے ہاتھ فروخت کر دیا جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا سردار تھا جس کو عزیز کہتے تھے۔ عزیز نے یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر اور تمام کارخانوں کا مختار کر دیا اور اپنی بیوی کو اس کی عزت و توقیر کرنے کی تاکید کی۔ یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نو پیکر تھے عزیز کی بیوی (زلیخا) ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنے ساتھ ہم بستر ہونے کی خواستگار رہوئی۔ آخر جب یوسف علیہ السلام نہ مانے ایک روز تخلیہ پا کر یوسف علیہ السلام کا پیراہن پکڑ کر کہنے لگی کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگے پیچھے یہ بھی بھاگی اور باہر سے آتے ہوئے دونوں کو عزیز دروازہ پر مل گیا۔ زلیخا نے الٹا یوسف علیہ السلام پر دعویٰ کیا کہ مجھ سے برا ارادہ رکھتا تھا میں چلائی تو پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ نکلا یوسف علیہ السلام نے انکار کیا تب زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ سچا جب پیچھے سے پھٹا دیکھا تو عزیز سمجھ گیا کہ اسی کی چالاکی ہے مگر اس بات کا شہر کی عورتوں میں چرچا ہو گیا۔ زلیخا کو بھی خبر ملی اس نے دعوت کر کے ان عورتوں کو بلایا اور ترنج کاٹنے کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دی اور یوسف علیہ السلام کو بنا سنوار کر چھپا رکھا تھا اور کہا کہ میں اس کو بلاتی ہوں اس وقت تم کھانا شروع کرنا۔ جب یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے تو سب دیکھ کر حیرت میں آ گئیں اور بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ چھری سے کاٹ لیے (یعنی زخمی کر لیے)۔ تب زلیخا نے تعریضاً کہا کہ یہی تو وہ ہے کہ جس کی نسبت تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ تب زلیخا نے پھر کہا کہ اگر میرا کہنا نہ مانے گا تو یہ ذلیل ہوگا اور قید میں جائے گا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے قید بہتر ہے۔ باوجودیکہ یوسف علیہ السلام کی صداقت اور عصمت بہت نشانیوں سے دیکھ چکے تھے مگر دفع طعن کے لیے یوسف علیہ السلام کو ناحق قید خانہ بھیجا۔ اس کے ساتھ دو شخص اور بھی اتفاقاً قید خانہ میں بھیجے گئے ایک فرعون کا ساقی اور دوسرا نان پزوں کا داروغہ۔ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا یوسف علیہ السلام سے ساقی نے بیان کیا کہ میں نے ایک انگور کا درخت دیکھا اس کی تین شاخیں نکلیں اور اس کے پھل پھول آئے اور اس کے گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا میں نے اس میں انگوروں کو نچوڑا اور فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر تین ٹوکرے روٹیوں کے ہیں فرعون کے لیے اوپر کے ٹوکرے میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بیان کرنے سے پہلے ان کو دین حق کی تعلیم کی اور پیشتر بطور تمہید کے یہ فرمایا لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ الخ کہ خواب کی تعبیر پر کیا موقوف ہے اللہ نے مجھے اور بہت سی باتوں پر مطلع کیا ہے ادنیٰ مرتبہ یہ کہ جو تم کو قید میں کھانا ہر روز دیا جاتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کا حال تمہیں بیان کر دوں گا کہ وہ کس قسم کا اور کتنا ہوگا۔ (تاویل الشیء ما یرجع الیہ وھو الذی یؤل الیہ آخر ذلک الامر یعنی جس بات پر کوئی شے آخرالامر آ ٹھہرتی ہے اس کو تاویل کہتے ہیں اس میں خواب کی تعبیر بھی آ گئی) یا یوں کہو کہ یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ کھانا آنے سے پہلے میں تمہارے خواب کی تعبیر بیان کر چکا ہوں گا۔

---

[1] اس جنگل میں بھیڑیے بہت تھے۔ ۱۲ منہ

اس نصیحت کرنے میں دیر ہونے سے نہ گھبراؤ۔ پھر ذٰلِکَ مِمَّا عَلَّمَنِیْ سے لے کر لَا یَعْلَمُوْنَ تک اپنا خاندانی موحد ہونا اور بت پرستوں کے مذہب سے الگ ہونا اور خدائے واحد کا وحدہ لاشریک ہونا اور خدا پرستوں پر اس کے افضال وانعام کا صادر ہونا بیان فرما کر یا صاحبی السجن سے ان کے لیے تعبیر شروع کی کہ تین خوشوں سے مراد تین روز ہیں سو تین روز کے بعد تو فرعون کو شراب پلانے کے عہدہ پر مقرر ہوگا اور دوسرے سے کہا تین ٹوکروں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد تو سولی دیا جاوے گا پرندے تیرے سر کا بھیجا کھاویں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد فرعون نے جشنِ سالگرہ کیا اور ان دونوں کی روبکاری ہوئی۔ ساقی کو پھر اسی عہدہ پر مقرر کیا اور خانساماں کو اس کے جرم پر پھانسی دی گئی ساقی سے یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا تھا کہ فرعون سے میرا حال کہنا کہ ایک غریب پردیسی کہ جس کو بھائیوں نے غلام بنا کر بیچ دیا اور مصر میں تیرے عزیز کے ہاتھ آکر بکا عزیز کی جورو نے اس پر تہمت لگا کے قید میں ڈلوا رکھا ہے مگر ساقی جا کر ایسے مست ہوئے کہ کہنا ہی بھول گئے۔ پھر فرعون نے دوسرے سال کے آخر دنوں میں ایک خواب دیکھا کہ وہ لبِ دریا کھڑا ہے کہ دریا سے سات موٹی اور خوبصورت گائیں نکلیں اور نیستان میں چرنے لگیں اور کیا دیکھتا ہے کہ ان کے بعد اور سات گائے بدشکل اور دبلی دریا سے نکلیں اور گھاٹ پر آکر کھڑی ہوئیں اور ان موٹی اور خوبصورت گایوں کو کھا گئیں۔ تب فرعون جاگا اور پھر سو گیا دوبارہ پھر دیکھا کہ سبز اور اناج کی بھری ہوئی سات بالیں ایک ٹہنی میں ظاہر ہوئیں اور ان کے بعد سات بالیں پتلی اور خشک نکلیں اور ان بالوں کو کھائیں۔ صبح کو فرعون جاگا اور اس کا جی گھبرایا مصر کے تمام دانشمندوں کو بلایا کسی سے تعبیر[1] نہ دی گئی تب اس ساقی کو یاد آیا فرعون سے بیان کیا کہ جب میں اور خانساماں قید میں ڈالے گئے تھے وہاں ایک ہی رات ہم دونوں نے خواب[2] دیکھا تھا اور ایک عبری جوان بھی وہاں قید تھا اس نے ہمارے خوابوں کی تعبیر دی اور جیسی تعبیر دی تھی ویسا ہی ہوا۔ مجھے اپنے منصب پر قائم کیا اس کو پھانسی دی گئی۔ مجھے حکم ہو تو اس سے پوچھ کر آؤں۔ ساقی یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور فرعون کا خواب بیان کیا۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی کہ یہ ایک ہی خواب ہے خدا تعالیٰ نے اس کو دوبارہ یوں دکھایا کہ یہ بات ہونے والی ہے خدا کے ہاں سے مقرر ہو چکی وہ اچھی سات گائیں اور سات ہری بالیں سات سال ارزانی اور سستے سمے کے ہیں اور وہ سات دبلی اور بدشکل گائیں اور سات خشک بالیں قحط کے سال ہیں مصر میں سات برس تک نہایت ارزانی اور پیداواری ہوگی پھر اس کے بعد سات برس سخت قحط پڑے گا۔ فرعون کو چاہیے کہ ایک ہوشیار آدمی مصر کی زمین پر مختار مقرر کرے کہ وہ تحصیلدار مقرر کرے اور ارزانی کے سالوں میں ضروری خوراک چھوڑ کر ایک ذخیرہ جمع کریں فذروہ فی سنبلہ الا قلیلا مما تاکلون اور پھر قحط کے سالوں میں اس سب ذخیرہ کو کھا لیا جائے گا مگر قدرے قلیل جو احتیاط سے رکھا ہوگا بچ رہے گا۔ پھر اس کے بعد بارش ہوگی اور تاکستان سے لوگ شیرہ نچوڑیں گے (یہ جملہ خواب سے نہیں بلکہ الہام سے فرمایا ہوگا)۔ ساقی نے آکر فرعون سے بیان کیا اس نے سن کر بہت پسند کیا اور تمام ارکانِ دولت نے تحسین کی۔ فرعون مشتاقِ ملاقات ہوا چوبدارِ شاہی حضرت علیہ السلام کو لینے آئے آپ نے فرمایا پیشتر میرے اس جرم کی تحقیق کر لو کہ جس میں مجھ کو قید کیا گیا ہے ان عورتوں سے تحقیق فرما لیا جاوے کہ جن کے روبرو عزیز کی بیوی نے مجھے بلا لیا تھا اور ان کے ہاتھ چھری سے کٹ گئے تھے۔ فرعون نے ان سے دریافت کیا سب نے اور خود عزیز کی بیوی نے ان کی پاک دامنی کا اقرار کیا (وما ابرئ نفسی) الخ حضرت علیہ السلام نے کسرِ نفسی کے طور پر فرمایا کہ میں اس بات سے کچھ اپنا تفاخر نہیں چاہتا بندہ بشر ہے نفس ساتھ لگا ہوا ہے اللہ ہی جس کو چاہتا ہے اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

---

1. خدا تعالیٰ نے انسان کی روح یا نفسِ ناطقہ میں جو جوہر نورانی ہے یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ عالم بالا کی طرف صعود کر کے وہاں کے بعض واقعات پر مطلع ہو جاتا ہے لیکن قوتِ خیالیہ ان مطالب کو مخلوط کر دیتی ہے۔ تعبیر دینے والا اس خلط کو علیحدہ کر کے اصل مطلب بتلا دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

2. رؤیاء کو حدیث میں نبوت کا ایک جزء قرار دیا ہے اور قرآن اور برہان اس کے حق ہونے پر شاہدِ عدل ہے۔ ۱۲ منہ

جب آپ فرعون کے پاس گئے اور فرعون نے حسنِ صورت اور خداداد لیاقت باتوں سے دریافت کی تو شیفتہ ہو گیا اور کہا کہ خدا نے تجھ کو از بس بینائی دی ہے سو کوئی تجھ سا عاقل اور دانشور نہیں ہے۔ میں نے تجھ کو اپنی تمام رعیت پر اختیار دیا بجز تخت نشینی کے اور کوئی مرتبہ میں نے تجھ سے باقی نہیں رکھا اور اپنی انگشتری اس کے ہاتھ میں پہنا دی (اس وقت آپ کی عمر تیس برس کی تھی) حضرت علیہ السلام نے وہ کام جو محاصلِ ملک سے متعلق تھا اپنے لیے لے کر قحطِ آیندہ کا تعبیر کے موافق انتظام کیا اور مصر کی سرزمین پر حاکم اور متصرف ہو گئے یہ ان کی ایمانداری کا دنیاوی نتیجہ تھا اور اجرِ آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب قحط کے سال شروع ہوئے اور تمام ملکوں میں لوگ بھوکے مرنے لگے مصریوں نے فرعون سے کہا اس نے کہا یوسف علیہ السلام کے پاس جاؤ جو وہ کہے کرو یوسف علیہ السلام نے لوگوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا شروع کر دیا جب یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ مصر میں غلہ ہے تو بیٹوں سے کہا تم کیوں ایک دوسرے کا منہ تکتے ہو مصر سے غلہ خرید کر لاؤ کہ ہم کھا کر جئیں۔ یوسف علیہ السلام کے دس بھائی غلہ مول لینے مصر آئے پر یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو ان کے ساتھ نہ بھیجا کہ مبادا یہ تلف ہو جائے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اس کے آگے خم ہوئے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا پر اس نے اپنے آپ کو ناواقف بنایا اور پوچھا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ جاسوس معلوم ہوتے ہو اس ملک کی خراب حالت دریافت کرنے کے لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اے خداوند! تیرے غلام کنعان کے رہنے والے ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں بارہ تھے ایک وہیں ہے ایک کھو گیا۔ ہم دس غلہ مول لینے آئے ہیں۔ پھر یوسف علیہ السلام نے کہا تم اپنے میں سے ایک کو یہیں رہنے دو اور باقی غلہ لے کر جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لاؤ اگر سچے ہو ورنہ جاسوس ہو۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سچ ہے ہم اپنے بھائی کی بابت مجرم ہیں اس نے ہماری منت اور زاری کی ہم نے اس کی خستہ دلی دیکھی اور اس کی نہ سنی اس لیے یہ مصیبت ہم پر پڑی تب روبن نے کہا کہ کیا میں تمہیں نہ کہتا تھا کہ اس بچے پر ظلم نہ کرو مگر تم نے نہ سنی آج اس کے خون کی باز پرس تم سے ہوئی اور وہ یہ نہ جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام ان کی باتیں سمجھتا ہے کیونکہ ان کے درمیان ایک ترجمان تھا یہ باتیں سن کر یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور کنارے جا کر پھوٹ پھوٹ کر رویا اور پھر ان کے پاس آ کر باتیں کرنے لگا اور شمعون کو ان کے سامنے مقید کر لیا اور حکم دیا کہ ان کے بورے غلہ سے بھر دیں اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے میں رکھ کر پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیں۔ ان کے ساتھ بہت سا سلوک کر کے ان کو کنعان کی طرف روانہ کیا اور بنیامین کے لانے کی بہت تاکید و تہدید کی وہ جب کنعان میں آئے تو تمام ماجرا اپنے باپ سے بیان کیا۔ وہ سن کر مغموم ہوا۔ اس نے کہا میرا بیٹا تمہارے ساتھ نہ جائے گا اس کا بھائی مر گیا وہ اکیلا رہ گیا اگر اس پر کچھ رستہ میں آفت ہو تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو غم کے ساتھ گور میں اتارو گے۔ پھر جب وہ غلہ کھا چکے تو ان کے باپ نے کہا پھر جاؤ اور غلہ لاؤ یہوداہ نے کہا کہ اس مرد نے ہم سے بتاکید کہا ہے کہ اپنے بھائی کو ساتھ لانا ورنہ میرا منہ نہ دیکھنا اس کو ہمارے ساتھ کر دیں تاکہ ہم جائیں اور غلہ لائیں کہ ہم اور تو اناج کھا کر جئیں اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر تیرے پاس لا کر نہ بٹھاؤں تو اس کا گناہ مجھ پر ابد تک ہے۔ آخر یعقوب علیہ السلام نے قسم و اقرار دے کر بنیامین کو ساتھ کر دیا اور وہ نقدی جو واپس آئی بوروں میں سے واپس ملی تھی اس کو بھی لے جانے کا حکم دیا اور کچھ میوے اور روغن بلسان اور شہد اور گرم مصالح ہدیہ کے طور پر ساتھ کیا اور کہا مصر کے ایک دروازہ سے نہ گھسنا اس خیال سے کہ وہ خوبصورت تھے کہیں نظر نہ لگ جائے مگر ساتھ اس کے یہ بھی کہہ دیا کہ اللہ کی قضاء و قدر کو کوئی تدبیر ٹال بھی نہیں سکتی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس بات کو خدا فرماتا ہے کہ یہ صرف یعقوب علیہ السلام کے دل کی شفقتِ پدری کے طور سے ایک خواہش تھی ورنہ وہ خدا پر متوکل اور ذو علم تھا۔ پھر جب وہ مصر پہنچے اور متفرق دروازوں سے یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور جو ہدیہ لائے تھے پیش کیا اور تعظیم کے لیے جھکے اور جو قیمت بوروں میں دھری چلی گئی تھی وہ بھی پیش کی یوسف علیہ السلام نے خیر و عافیت پوچھی اور کہا کہ تمہارا باپ اچھی طرح ہے وہ بوڑھا کہ جس کا ذکر تم نے مجھ سے کیا تھا ابھی تک زندہ ہے؟ اور بنیامین کو دیکھ کر کہا کہ تمہارا چھوٹا بھائی یہی ہے۔ پھر کہا کہ اے میرے فرزند! خدا تجھ

پر مہربان ہے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا باپ کا حال سن کر بھائی کو دیکھ کر وطن یاد کر کے دل قابو میں نہ رہا وہاں سے اٹھ کر ایک خلوتخانہ میں جا کر بہت روئے اور پھر منہ دھو کر ان کے پاس آئے اور کھانا کھلایا اور بھائی کو اپنے پاس جگہ دی بنیامین کو جدا بٹھایا تھا وہاں اس کے دل پر جو کچھ بھائی کا خیال آ گیا یاد کر کے رونے لگا یوسف علیہ السلام نے گلے سے لپٹا لیا اور منہ سے برقع اٹھا دیا اور کہہ دیا کہ میں ہی یوسف ہوں پھر تو گلے لگ کر دونوں بھائی بڑی دیر تک روتے رہے اور بنیامین کو ساتھ رکھنے کی تدبیر کی کہ اپنا چاندی کا پیالہ اس کے بورے میں رکھوا دیا جب وہ سب غلہ لے کر روانہ ہو گئے تو پیچھے سے آدمی دوڑا آیا کہ تم ہمارا پیالہ چرا کے لے گئے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اسباب کی تلاشی ہوئی بڑے بھائی کے اسباب سے شروع ہو کر بنیامین کی نوبت آئی اس میں وہ پیالہ نکل آیا وہ اقرار کر چکے تھے کہ جس کے اسباب میں سے نکلے اس کی سزا میں اس کو غلام بنا لیا جائے۔ یہ مصر کا قانون تھا۔ چونکہ انہیں کی منظور کی ہوئی بات تھی اس لیے بنیامین کے رکھنے کی تدبیر خدا تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں القا کی اس میں عقلاً بھی کوئی قبح نہیں۔ یہوداہ چونکہ ضامنی دے کر بنیامین کو لائے تھے وہ اور ان کے ساتھ اور بھی یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ ہمارا بوڑھا باپ ہے وہ سن کر مر جائے گا اس کی جگہ ہم میں سے آپ ایک کو رکھ لیجیے اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے (یا تو یوں ہی حسد میں اتہام لگایا یا اس سے مراد وہ بات ہے کہ راحیل اپنے باپ کے بت چرا لائی تھی جو یوسف علیہ السلام کی معرفت منگائے ہوں گے کیونکہ لڑکے ایسی ایسی چیزیں اٹھا لیا کرتے ہیں یا اس قصہ کی طرف اشارہ ہو جو مشہور ہے کہ ان کی پھوپھی انہیں چاہتی تھی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا پٹکا جو تبرکاً چلا آتا تھا یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا تاکہ چوری کی علت میں ان کے دستور کے موافق انہیں کے پاس رہے) یوسف علیہ السلام نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا پھر باہم انہوں نے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے بڑے بھائی روبن نے کہا میں تو یہاں سے نہیں جا سکتا تم اپنے باپ سے جا کر یہ سب ماجرا بیان کر دو۔ بھائیوں نے آ کر سب حال بیان کیا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا یہ بھی تمہاری بنائی ہوئی کوئی بات ہے۔ پس بجز صبر کے اور کیا بن آتا ہے پھر ان سے الگ اپنے خیمہ میں بیٹھ کر زار زار رونے لگے کہ ہائے یوسف! تجھ کو کہاں ڈھونڈوں؟ اور غم کے مارے آنکھیں سفید ہو گئیں بینائی جاتی رہی مگر اس کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کو یوسفؑ کے خواب سے کہ اس کو بھائی اور ماں باپ ایک روز سجدہ کریں گے یا الہام سے یہ امید تھی کہ ایک روز اللہ مجھے ان سے ملائے گا۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اس امید پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ ناامیدی کافروں کی شان ہے پھر وہ مصر میں آئے اور آ کر یوسف علیہ السلام سے اپنے باپ کا سلام اور دردآمیز پیام (کہ میں بوڑھا ہوں میرا ایک بیٹا تو پہلے جا چکا ہے جس کے غم میں میری آنکھیں سفید ہو گئیں اس کے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر تسلی کر لیتا تھا اب اس کو آپ نے قید کر لیا مجھ پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیجیے ہم خاندانِ نبوت کے لوگ ہیں چوری بدکاری ہمارا پیشہ نہیں اور ہم پر مصیبت پڑی ہے) پہنچا کر نہایت عجز سے کہنے لگے کہ ہم مصیبت زدہ ہیں اور کھوٹے دام لے کر تیرے پاس آئے ہیں (کیونکہ کنعان کا سکہ مصر میں نہیں چلتا تھا) ہم کو غلہ عنایت کر اور صدقہ دے الخ یہ سنکر یوسف علیہ السلام کو ضبط نہ ہو سکا اور غیر لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر کے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تمہیں یاد ہے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ بھائیوں نے کہا کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ اس نے کہا ہاں تب تو ہر ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوب روئے پھر بھائیوں نے شرمندگی کے مارے سر نیچا کر لیا اور اپنی خطا کا اقرار کرنے لگے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو معاف کیا اور تسلی دی یہ خبر مصر میں اور فرعون کے پاس بھی پہنچی کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے ہیں فرعون نے کہا کہ اے یوسف اپنے گھرانے کو یہیں بلا لے میں ان کی عزت کروں گا۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو بڑے سامان کے ساتھ اپنا پیراہن دے کر روانہ کیا کہ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائے گا یا تو یہ ایک معجزہ تھا یا یہ کہو کہ آنکھیں بالکل نہیں گئی تھیں غم کے مارے ضعفِ بصر ہو گیا تھا جب پیراہن ڈالا تو یعقوب علیہ السلام کو خوشی

ہوئی اور ضعف دور ہو گیا' بینائی آ گئی جیسا کہ توانائی آ جاتی ہے اور یہ بھی کہا کہ اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ اور جب مصر سے یہ قافلہ چلا تو کئی منزل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو معلوم ہوئی یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے لوگوں سے کہا کہ آج تو مجھے یوسف کی بو آتی ہے۔ مگر تم مجھے دیوانہ کہو گے وہ کہنے لگے بخدا! ہنوز آپ اپنی اسی پرانی دھن اور بلائے محبت میں گرفتار ہیں ابھی یوسف علیہ السلام آپ کے دل سے نہیں بھولا پھر جب کنعان میں وہ بشیر یعنی خوشخبری لانے والا سب سے پہلے آ پہنچا (کہتے ہیں کہ ان کا بیٹا یہوداہ پیراہن لایا تھا کیونکہ خون آلودہ پیراہن بھی انہیں کو دے کر غم سنانے کے لیے یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا) اور اس نے آ کر پیراہن یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی خیر وعافیت اور یوسف علیہ السلام کا مصر میں جاہ وجلال بیان کیا (اس وقت یعقوب علیہ السلام پر شادیٔ مرگ کا حال ہوگا) اس کے ڈالتے ہی آنکھوں میں نور' دل میں سرور آ گیا اور اپنی اولاد سے کہا کہ کیوں میں نہیں کہتا تھا کہ اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مجھے اللہ کی طرف سے وہ بات معلوم ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔ تب بیٹے باپ کے قدموں پر گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہماری خطا اللہ سے معاف کرا دیجیے ہم خطاوار ہیں یعقوب علیہ السلام نے کہا معاف کراتا ہوں (شاید وقتِ سحر جو نہایت مقبول وقت ہوتا ہے اس وقت پر معافی واستغفار کو محول رکھا ہو یا دیر کرنے میں کچھ اور مصلحت ہو)۔

یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں پوتوں صلبی اولاد کے ستر شخص تھے بیٹوں کی بیویوں کے علاوہ یہ سب فرعون کی سواریوں پر سوار ہوئے جو اس نے مصر سے ان کے لینے کو بھیجی تھیں اور اپنا اسباب لاد کر منزل بمنزل مصر کو روانہ ہوئے اور جب قریب پہنچے تو یہوداہ کو پیشتر یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تب یوسف علیہ السلام اپنی سواری لے کر جشن تک استقبال کو نکلا اور پہنچ کر اس کے گلے سے لپٹا اور دیر تک رویا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا بس اب مجھے مرنا بہتر ہے میں نے زندگی میں تجھے پھر دیکھ لیا یوسف علیہ السلام نے اپنے محل میں لے جا کر انہیں بڑی عزت کے ساتھ اتارا اور اپنے تخت پر یعقوب علیہ السلام اور اپنی سوتیلی ماں کو بٹھایا اور پھر یوسف علیہ السلام کے آگے اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ سجدے میں گرے (یا اس وقت میں غیر اللہ کو سجدہ حرام نہ ہوگا یا سجدہ میں گرنے سے مراد تعظیماً جھکنا ہے) تب یوسف علیہ السلام نے کہا میرے اس خواب کی تعبیر یہی ہے جو میں نے دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے اور چاند سورج سجدہ کرتے ہیں اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اللہ کے انعام بیان کرنے شروع کیے جو اس پر ہوئے تھے قَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡ کہ اس نے مجھے قید سے نکال کر سرداری دی جَآءَ بِکُمۡ اور اس قحطِ شدید میں تمہارے خاندان کی پرورش کا سبب کر دیا جس لیے تم کو یہاں بلا لیا گیا کنعان میں جہاں حضرت اسرائیل علیہ السلام رہتے تھے کوئی شہر یا عمدہ قصبہ نہ تھا صحرا یا چھوٹے گاؤں میں خیمہ زن تھے اور بھیڑ بکریوں پر بسر اوقات کرتے تھے ان کی نسبت مصر جیسے شہر دار السلطنت میں آنا کہنا بجا تھا۔ اور انہیں احسانات کے ضمن میں بھائیوں کی بدسلوکی جو انجام کار مراتبِ عالیہ کا ذریعہ ہوئی کریمانہ پیرایہ میں بیان فرما کے مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ الخ پھر رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ الخ، یوسف علیہ السلام کی دعاوقتِ موت کو ذکر فرما کر خدا تعالیٰ قصہ کو نہایت لطف اور مقاصدِ تعلیم توحید پر تمام فرماتا ہے اس کے بیچ میں قحط کی باقی کیفیت اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا بیان جو اس محل پر مقصود بالذات نہ تھا چھوڑ دیا گیا کیونکہ یہ کام اہلِ تاریخ کا ہے اور قرآن میں جو کسی کا حال بیان ہوتا ہے تو محض عبرت ونصیحت کے لیے نہ مؤرخانہ طور پر تمام سرگزشت قحط کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ایک سال میں مصریوں نے مال واسباب یوسف علیہ السلام کے ہاتھ بیچ کر غلہ لیا پھر اگلے سال زمین اور جائیداد کی نوبت آئی پھر جان تک روٹیوں پر فروخت ہوئی فرعون کی غلامی اختیار کرنی پڑی حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرعون سے ملوایا بڑی عزت کے ساتھ اس نے ملاقات کی۔ حضرت علیہ السلام نے اس کو دعاءِ خیر دی پھر بنی اسرائیل کے لیے اطرافِ شہر میں ایک جداگانہ قطع عمدہ زمین کا عطا ہوا جس کو رعمسیس کہتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر میں تشریف لائے تو ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی ایک سو سینتالیس برس کی عمر میں بقول اہلِ کتاب مصر میں انتقال ہوا مگر مرنے سے پیشتر یوسف علیہ السلام کو بلا کر وصیت کی کہ مجھ کو مصر میں مت گاڑیو کیونکہ اپنے

باپ دادوں کے پاس سوؤں گا اور میرے باپ دادا کے گورستان میں مجھے گاڑنا۔ اور مرنے سے کچھ دیر پہلے اپنی اولاد کو بلا کر خدا پرستی اور ملتِ ابراہیمیہ پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کی اور ایک بیٹے کو اس کے موافق برکت دی۔ پھر بستر پر پاؤں کھینچ لیے اور جاں بحق ہو گئے اور اپنے لوگوں میں جا ملے۔ تب یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے منہ پر گر پڑے اور بہت روئے اور ان کو چوما اور مصری حکیموں کو بلوا کر ان پر خوشبو[1] ملوائی اور تمام اہلِ مصر نے اس پر سخت ماتم کیا پھر فرعون کے معزز اہلکار اور یوسف علیہ السلام اور ان کا خاندان ایک انبوہِ کثیر کنعان میں حضرت علیہ السلام کی نعش کو لایا اور ان کے قبرستان میں دفن کیا اور سات روز تک درد آلود نالے کر کے روتے رہے اور اس گنجِ گرانمایہ کو زمین میں مدفون کر کے حسرت کے ساتھ واپس گئے اس کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر ایک سو دس برس کی ہوئی اور اپنے بیٹوں افرائم اور منسّی کے بیٹے بھی دیکھ لیے تو بقول بعض اہلِ سیر ایک رات ایک خواب دیکھا کہ ایک نہایت پر فضاء جگہ ہے (عالمِ قدس) وہاں چند کرسیاں رکھی ہیں ایک پر ابراہیم علیہ السلام اور ایک پر اسحاق علیہ السلام اور ایک پر یعقوب علیہ السلام اور ایک پر راحیل حضرت یوسف ؑ کی والدہ ماجدہ تشریف رکھتی ہیں اور ایک کرسی خالی ہے گویا سب حضرت یوسف علیہ السلام کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور راحیل رو کر حضرت یوسف علیہ السلام سے لپٹ گئے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے فرزند اب کب تک اپنی راہ دکھائے گا آ تیرے ہم مشتاق بیٹھے ہیں۔ حضرت کی آنکھ کھلی تو روح پر عالمِ قدس میں اپنے بزرگوں سے ملنے کی ایک سخت بے قراری تھی جس طرح قفس میں مرغانِ چمن کی آواز سن کر طائر تڑپتا ہے اس طرح سے آپ تڑپنے لگے اور تمام دنیا کے لذائذِ فانیہ سے یک لخت دل سرد ہو گیا (اور اکثر باخدا لوگوں کو اخیر عمر میں دنیا سے نفرت اور عالمِ قدس کا شوق ہو جایا کرتا ہے) بیدار ہوتے ہی حضرت علیہ السلام نے یہ دعا کی اور خدا تعالیٰ سے اس کے احسانات ذکر کر کے مناجات شروع کی کہ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ اس میں تمام عالمِ حسی کے لذائذ کی طرف اشارہ ہے وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ اس میں تمام کمالاتِ روحانیہ کی طرف اشارہ ہے جو علم سے متعلق ہیں۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں اس کی عظمتِ قدرت اور عالمِ ملکوت و ناسوت کی وسعت کا ذکر ہے انت ولی فی الدنیا والآخرۃ اس کی عنایت اور رحمتِ خاصہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت کے ساتھ تھی (اور ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا ایک واسطہ خاص ہوتا ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یہ ان کی اصل مطلب کی دعا ہے کہ دنیا کی سرداری اور اس کی یہ طمطراق مجھے اس طریقِ انبیاء سے مانع نہ آوے اور میں اپنے بزرگوں میں جا ملوں۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ جاں بحق ہوئے۔ اور بھائیوں سے وصیت کی ایک بار پھر تم کو خدا ملکِ شام میں لے جائے گا تم میری نعش کو ساتھ لے جانا مصر میں حضرت کی وفات پر سخت ماتم ہوا ان کی نعش میں خوشبو بھر کے سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دفن کر دی پھر کئی سو برس کے بعد جب اور فرعون بادشاہ جبار ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے شام کو چلے تو ان کی ہڈیاں میں بھی ساتھ لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رستہ ہی میں فوت ہوئے بعد میں بنی اسرائیل نے ان کو کنعان میں مقام نابلس دفن کیا۔ زلیخا جو عزیز کی بیوی حضرت پر عاشق تھی پر اس کا باقی حصہ نہ قرآن نے بیان کیا نہ توریت موجودہ نے مگر اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اس سے شادی ہوئی اور دو بیٹے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ سے لے کر اخیر تک آنحضرت ﷺ کی تسلی اور کفار کے شبہات کا رد اور توحید اور نبوت کے دلائل بیان فرماتا ہے اور کفار کے نڈر ہونے پر تنبیہ فرماتا ہے اور بعد میں قرآن مجید کی وہ صفات بیان فرمائیں کہ جن سے اس کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۱) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ الیٰ یمکرون اس سے ثابت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ مکہ کے رہنے والے ہیں کہ جو اہلِ علم و کمال کا شہر نہ تھا' نہ وہاں کوئی تاریخ کی کتاب تھی' نہ آنحضرت ﷺ پڑھ لکھ سکتے تھے اور نہ خاص یوسف علیہ السلام اور ان کے

[1] حکماءِ مصر مردے کی لاش میں کوئی ایسی چیز خوشبودار بھرتے تھے کہ وہ لاش بگڑتی نہ تھی چنانچہ خلفاءِ اسلام کے عہد میں اس عہد کی لاشیں صندوقوں میں بند ان مشہور میناروں کے تہ خانوں سے برآمد ہوئی ہیں۔ ۱۲ منہ

بھائیوں کے واقعہ کے وقت موجود تھے پھر اس طرح سے بے کم و کاست یہ واقعہ بیان کرنا کہ جس کو یہود نے توریت کے سراسر موافق پایا اگر الہام نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے نوحیہ الیك اور من انبآءِ الغیب کہنا بہت صحیح ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۲) ماا کثر الناس سے لے کر وھم معرضون تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرتا ہے کہ گو آپ کتنی ہی خواہش کریں اور ان کے کہنے کے موافق معجزات بھی دکھا دیں لیکن وہ ایمان نہیں لانے کے۔ اور آپ پر اور قرآن پر اگر ایمان نہ لاویں تو کچھ تعجب نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی تو ایمان نہیں لاتے باوجود یکہ افلاک سے لے کر عناصر اور نباتات و جمادات وحیوانات تک میں بلکہ اپنے وجود میں رات دن سینکڑوں وہ نشانیاں دیکھتے ہیں کہ جو ہمارے وحدہ لاشریک ہونے پر زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ لاشریک لہ گوید

اور جو ایمان بھی اللہ پر لاتے ہیں تو اس کے ساتھ شرک کا اڑنگا بھی ساتھ ہی لگائے رکھتے ہیں مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُ ھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ مکہ کے بت پرست خدا تعالیٰ کے قائل تھے مگر اس کے ساتھ اپنے معبودوں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ فرشتوں اور جنوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حج کے ایام میں جو خاص اس کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ اور یادگاری پر کی جاتی ہے وہاں بھی تلبیہ میں یہ کہتے تھے لبیك لا شریك لك الاشریك ھو لك تملکه و ما یملك (رواہ مسلم) کہ تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔ اسی طرح عیسائی بھی اللہ کو ایک کہتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں مگر تین اقنوم اور نکالتے ہیں جن میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں اسی طرح ہنود اور دیگر اقوام باوجود یکہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں مگر دیوی دیوتے ہزاروں اس کے شریک بنا رکھے ہیں کہ جن کی مورتیں اب تک پوجی جاتی ہیں پھر ایسے جنم کے اندھوں سے کیا افسوس ہے کہ وہ آپ سے ایسے واقعات دیکھ کر خصوصاً معجزہ کے طور پر یہود کے کہنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا صحیح صحیح حال سن کر بھی قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ پس ان سے کہہ دو قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ کہ میرا تو یہی طریقہ ہے کہ بصیرت یعنی دلیل اور حجت کے ساتھ نہ صرف میں بلکہ میرے بعد اور روبرو میرے متبع لوگ بھی خاص اللہ کی طرف بلاتے ہیں وَسُبْحَانَ اللّٰہِ اور اللہ تمہارے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے وما انا من المشرکین اور میں ہرگز مشرک نہیں ہوں کہ کسی کو اس کا بیٹا یا اس کے گھر کا مختار کار بناؤں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور چاہا کیا یعنی قطع نظر معجزات و آیات کے میرے طریقۂ توحید کو دیکھو کہ اس میں کیا برائی ہے۔ جس لیے تم نہیں مانتے۔ (۳) مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ سے لے کر افلا تعقلون تک مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے بیجا شبہ کا جواب دیتا ہے عرب کے مشرکین یہ کہتے تھے کہ خیر اگر اللہ کو ہماری ہدایت مقصود ہے۔ اور اس کے نزدیک ہمارا یہ طریقہ ناپسند ہے تو وہ آسمان سے فرشتہ ہی کیوں نہیں بھیج دیتا کہ جن کے کہنے میں کسی کو بھی شبہ نہ رہے اس کا تحقیقی جواب بھی ایک موقع پر دیا ہے کہ اگر فرشتے آتے تو انسان ہی کی شکل میں ہو کر آتے پھر ان پر بھی وہی شبہ ہوتا جو بشر رسولوں پر ہوتا ہے۔ اور یہاں یہ جواب الزامی دیتا ہے کہ آخر تم ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو تو برگزیدہ اور خدا کا ہادی مانتے ہو پھر وہ کیا فرشتہ تھے؟ اور یہود و نصاریٰ اپنے واہی تباہی شبہات سے یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ خدا کا رسول نہیں ان کو جواب دیتا ہے آخر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے درمیانی سینکڑوں رسولوں کے تم بھی تو قائل ہو پھر ان میں وہ کیا بات تھی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پاتے؟ اگر کہو ان سے معجزات صادر ہوئے ہیں تو تم پہلے معجزہ کی کوئی حقیقت و ماہیت مقرر کر لو (یہی کہو گے کہ خلاف عادت کوئی بات مدعیٔ نبوت سے سرزد ہونے کو معجزہ کہتے ہیں) پھر دیکھو کہ وہ حضرت محمد ﷺ میں کس قدر ہیں؟ اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ ایسے کسی نبی سے معجزے صادر نہیں ہوئے اگر کہو کہ ان کی طرف وحی والہام ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ بھی اس میں سب سے بڑھ کر ہیں اگر کہو

طریقۂ تعلیم اور دین کی خوبی تو قرآن اور آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیم کا ان کی تعلیم و سیرت سے مقابلہ کرلو۔ الغرض وہ بھی بستیوں کے لوگ تھے کہ جن کی طرف خدا نے وحی کی تھی آنحضرت پر بھی ہوئی۔ اس آیت سے چند باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ انبیا علیہم السلام رجال یعنی مرد تھے عورتیں نہ تھیں۔ دوم یہ کہ کوئی بھی وحی اور الہام سے خالی نہ تھا نُوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض پر کتاب نہیں نازل ہوئی۔

(۴) اس پر منکروں کو تہدید افرماتا ہے کہ ذرا زمین پر پھر کر تو دیکھو کہ انبیاء کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ عاد و ثمود کی بستیاں اور قوم لوط کے دیہات اجڑے ہوئے پڑے ہیں کہاں ہے فرعون اور اس کا وہ شہر کہاں گئے اگلے جبار اور کدھر ہیں ان کے وہ زور شور؟ عبرت! عبرت!!! (۵) حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا الی قولہ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ میں یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ہم جلد باز نہیں ہم نے ان کو یوں ہی ہلاک اور برباد نہیں کر دیا ہے بلکہ جب رسول بالکل نا امید ہو گئے اور اپنی تکذیب کا ان کو یقین یا گمان غالب ہو گیا پھر تو ہماری مدد آ پہنچی اور پہنچنے پر پھر بھلا اس کو کون روک سکتا ہے؟ پھر جو ایماندار تھے وہی بچے ورنہ سب غارت ہوئے۔ کسی کو زلزلہ نے آلیا کسی کو آندھی کے سخت طوفان نے غارت کیا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا عاصم و حمزہ و کسائی نے کذبوا کو بالتخفیف و کسرہ ذال پڑھا ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ انبیاء نے حالتِ اضطرار میں بشریت سے یہ گمان کر لیا کہ ہم سے جو وعدے مدد آنے کے ہوئے تھے وہ غلط نکلے یا کذبوا کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے کہ لوگوں نے عذاب میں دیر ہونے سے یہ گمان کر لیا تھا کہ یہ وعدے غلط ہیں اور یہی احتمال قوی ہے کیونکہ انبیاء کی شان سے ایسا گمان کرنا بعید ہے اور باقی قرآء نے کذبوا تشدید سے پڑھا ہے کہ جس کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں کو گمان غالب ہو گیا کہ لوگوں نے ہماری تکذیب کر دی اور ہم جھٹلائے گئے تب عذاب آیا (۶) لَقَدْ کَانَ سے لے کر لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ تک ان چند باتوں پر سورۃ کو تمام کرتا ہے۔ (۷) فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں عقلمندوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ ابتداءِ سورۃ میں بھی فرمایا تھا لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ منجملہ عبرتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے یوسف علیہ السلام کو اس کی خوبیِ خداداد پر محسود بنا کر بھائیوں کے ہاتھ سے کنویں میں ڈلوایا بیع کروایا پھر اس کمال کی بدولت قید میں پہنچا پھر آخر عزیزِ مصر کر دیا وہی محمد ﷺ کو بھی قریش کی سخت قید و تکالیف سے جو صرف بجرمِ حق پرستی ہے نجات دے کر عزیزِ دارین کرے گا چنانچہ کیا۔ از انجملہ یہ کہ ہر ذی کمال اور صاحبِ صدق کو مخالفین کی ایذا پر صبر کرنا چاہیے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا آخر وہ یہ عزیز یہ ذلیل ہوئے۔ از انجملہ یہ کہ جس طرح یعقوب علیہ السلام کو برسوں رونے کے بعد یوسف علیہ السلام سے ملا دیا طالبِ صادق رہنا چاہیے خدا سے ملنا بھی یا اور مقاصد و احباب کا ملنا بھی دنیا یا دارِ آخرت میں اس کی رحمت سے ممکن ہے۔

(۸) یہ کہ قرآن جس میں قصۂ یوسف صداقت سے بیان ہوا جھوٹا بنایا ہوا نہیں بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی کہ جس کی دین میں ضرورت ہے تفصیل ہے خواہ بواسطہ حدیثِ پیغمبر علیہ السلام خواہ بواسطہ قیاسِ ائمۂ دین جو عبرت کی ایک فرد ہے اور ایمانداروں کے لیے ہدایت کا دستور العمل اور خدا کی رحمت ہے جس کی وجہ سے دارین کے مقاصد حاصل ہوں گے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

یہ ہیں کتاب کی آیتیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کے ہاں سے نازل ہوا اور برحق ہے لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے اللہ تو وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جن کو تم دیکھ رہے ہو پھر وہ تخت (حکومت) پر جا بیٹھا اور سورج اور چاند کو حکم پر چلایا جو ہر ایک اپنے وقتِ معین پر چل رہا ہے وہ ہر ایک بات کا انتظام کر رہا ہے (اور) کھول کھول کر نشانیاں بتاتا ہے کہ کہیں تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو اور اسی نے تو زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور زمین میں ہر ایک پھل دو قسم کا بنایا (کھٹا اور میٹھا اچھا اور برا) دن کو رات سے ڈھانک دیتا ہے البتہ اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور زمین میں (مختلف) قطعے ایک دُوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں اور کھجور ہیں جھنڈ مارے ہوئے اور بے جھنڈ مارے ہوئے کہ جن کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فضیلت دیتے ہیں۔ البتہ اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

ترکیب: تلك مبتدا اٰیٰتُ الکتٰبِ خبر اور ممکن ہے کہ الٓمّٓرٰ کی خبر ہو اور اٰیٰتُ بدل یا عطف بیان والذی الخ مبتدا الحق خبر اور ممکن ہے کہ والذی الکتاب کی صفت اور واؤ درمیان آیا اور الحق مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ بِغَیْرِ عَمَدٍ موضع نصب میں حال ہو کر ای خالیۃ عن عمد والعمد بالفتح جمع عماد اور عمود۔ تَرَوْنَهَا ضمیر اگر عمد کی طرف راجع ہے تو موضع جر میں ہے صفت عمد کی اور اگر السمٰوات کی طرف تو اس سے حال ہوگا جیسا کہ یدبر ضمیر سخر سے اور یفصل ضمیر یدبر سے حال ہے۔ قطع مبتدا فی الارض خبر یا قطع ظرف کا فاعل وزرع معطوف ہے قطع پر۔ صنوان جمع صنو جیسا کہ قنوان قنو کی جمع ہے ای النخلات یجمعھا اصل واحد وتتشعب فروعھا فی الاکل نفصل سے متعلق ہے۔

تفسیر: یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی اولاً المرا حروف مفردہ سے کسی امرِ خاص کی طرف اشارہ فرما کے تلک یعنی اس سورۂ رعد کی آیات کا کتابِ برحق یعنی قرآن مجید کی آیات ہونا بیان فرماتا ہے پھر قرآنِ مجید کا اللہ کی طرف سے منزل اور برحق ہونا بیان فرما کر منکروں پر تعریض کرتا ہے کہ بایں ہمہ اس کو اکثر نہیں مانتے۔

اس کے بعد اللہ کا وجود اور اس کا واحد لاشریک ہونا چند دلائل سے ثابت کرتا ہے چونکہ مشرکوں کے سامنے ثابت کرنا اہم کام اور ضروری مسئلہ تھا اللہ الذی سے لے کر توقنون تک آسمانوں کے بےستون قائم اور بلند ہونے سے استدلال کرتا ہے کہ باوجودیکہ اجسام کا بمقتضائے طبعی یکساں ہے پھر کس قادرِ مختار نے گول گنبد بنایا ہے جس میں ستونوں کی حاجت نہیں؟ اور پھر آفتاب و ماہتاب سے ان کو کس نے منور کیا اور کس نے ان کو ایک چال معین پر چلایا جس سے تمام دنیا کے کاروبار وابستہ ہیں۔ از خود یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اجسام سب برابر ہیں۔ اس پر غور کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم کو بھی حرکت کرتے کرتے ایک روز اس کے پاس پہنچنا ہے۔ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ پھر

هُوَالَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ سے لے کر اخیر تک زمین کی وسعت ہے (باوجود کروی ہونے کے) اوراس میں پہاڑ اور دریا پیدا کرنے سے اور ہر ایک پھل میں چھوٹے بڑے کھٹے میٹھے تفاوت سے اور یکے بعد دیگر رات دن کے آنے سے اور زمین میں مختلف ٹکڑوں کے ہونے سے کہ باوجودیکہ آس پاس ہیں مگر کسی میں کچھ پیدا ہوتا ہے کسی میں کچھ جو اس کے پاس والے میں نہیں ہوتا اور اس بات سے کہ زمین کی نباتات مختلف ہیں کہیں کھیتی کہیں کھجوریں وہ بھی کہیں صرف ایک گدی کا پیڑ کہیں پھیلا ہوا جھنڈ مارے اور اس بات سے کہ سب کو ایک پانی دیا جاتا ہے پھر پھل مختلف ہیں اپنے وجود اور قدرت کامل کا ثبوت کرتا ہے کہ یہ باتیں از خود نہیں۔ پھر صرف ایک ہم ہی ہیں جو پس پردہ یہ گلکاریاں کر رہے ہیں تمہارے فرضی معبودوں کا ان میں سے کونسا کام ہے؟ ان مختصر فقروں میں اس قدر دلائل بیان کرنا قرآن ہی کا اعجاز ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ[1] بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱

---

[1] سارب قال الکسائی سرب یسرب سربا و سروبا اذا ذہب ۱۲ منہ

اور اگر آپ کو ان کے انکار سے تعجب ہے تو ان کی یہ بات بھی عجب ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے کیا ہم نئے سرے سے زندہ ہوں گے؟ یہی تو ہیں کہ جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہیں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور بھلائی سے پہلے آپ سے برائی کی جلدی کر رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے بہت (سی عذاب کی) نظیریں ہو چکی ہیں اور بے شک آپ کا رب تو لوگوں کو ان کے گناہ پر بھی معاف کرنے والا ہے اور البتہ آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے اور کافر کہہ رہے ہیں کہ اس پر کوئی بڑی[1] نشانی اس کے رب کے ہاں سے کیوں نہ اتری۔ سو (اے محمد!) تم تو محض ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہبر ہوتا آیا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے اور جو کچھ پیٹ میں سکڑتا اور بڑھتا ہے اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازہ سے ہے۔ وہ چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا بزرگ بلند مرتبہ ہے (اس کے نزدیک) برابر ہے خواہ کوئی تم میں سے چپکے سے کہے خواہ پکار کر کہے اور خواہ کوئی رات میں مخفی ہو یا دن میں ظاہر ہو کر پھرے۔ بندہ کے آگے اور پیچھے (باری باری سے) پہرہ دار ہیں کہ جو اس کی بحکم خدا محافظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت آپ نہ بگاڑ لیں اور جب اللہ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو پھر اس کو کوئی روک بھی نہیں سکتا اور نہ کوئی ان کے لئے اس کے سوا مددگار ہو سکتا ہے۔

ترکیب: قولھم مبتداء عجب خبر جملہ جواب ان تعجب اذا کنا جملہ قولھم کا بیان ہے اذا کا۔ عامل نبعث محذوف ہے قبل الحسنة یَسْتَعْجِلُوْنَكَ سے متعلق ہے علی ظلمھم حال ہے الناس سے۔ اَلْمَثُلٰتُ جمع المثلة بوزن السمرة وھی العقوبة الفاضحة قال ابن الانباری المثلة ہے العقوبة التی تبقی فی المعاقب شیئا بتغییر بعض خلقه

تفسیر: جب دلائلِ قاہرہ و براہین باہرہ سے اپنی ذات اور صفاتِ کاملہ کا آسمانوں اور زمین اور ان کی سب چیزوں کے پیدا کرنے سے ثبوت فرما چکا تو اس کے بعد مسئلۂ معاد بھی ضروری الثبوت تھا کیونکہ جب انسان یہ اعتقاد کر لیتا ہے کہ مر کر پھر زندہ ہونا اور خدا کے روبرو حاضر ہو کر نیکی بدی کا بدلہ پانا ہے تو ہر قسم کی برائی اور بدکاری سے پرہیز کرتا ہے اور نیکی اختیار کرتا ہے اور جب یہ اعتقاد نہیں تو پھر اس کو نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں رہتی اور یہ بھی ایک بڑی ضرورت ہے جس کے لئے دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اپنے کمالِ قدرت ظاہر کر کے مسئلۂ معاد کو ثابت کرتا ہے۔ وان تعجب الخ کہ اے نبی! اگر آپ کو انکار سے تعجب ہے تو بجا ہے درحقیقت ان کا مر کر جینے سے انکار کرنا (خدا کی قدرتِ کاملہ کا معائنہ کر کے کہ اس نے جب آسمان و زمین پیدا کر دیے تو دوبارہ پیدا کرنا کیا چیز ہے) بڑے تعجب کی بات ہے۔ گویا اس مسئلہ کو دلائلِ معاد سے مبرہن کر دیا گیا۔ اب انکار باعثِ خرابیِ آخرت ہے۔ وہ کیا گلے میں طوق پہن کر جہنم میں ہمیشہ رہنا مشرکینِ مکہ کی دو عادت تھیں۔ اول جہاں آنحضرت ﷺ دنیاوی بربادی اور ہلاکت کا ڈر سناتے تو اس کے خواستگار ہوتے طعن کے طور سے کہتے کہ کب ہو گی اور اس کو لا۔ اس کی نسبت فرماتا ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ کہ وہ بدبخت برائی کے خواستگار ہیں۔ بھلائی سے پہلے چاہیے تھا کہ نبی کی اتباع کے خیر و برکاتِ دارین سے حصہ پاتے نہ کہ اپنے لئے خرابی مانگتے حالانکہ پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ وہ سن چکی ہیں وان ربك مگر ہم بڑے رحیم و کریم ہیں جلدی عذاب میں نہیں کرتے اور یوں عذاب بھی سخت دیتے ہیں۔ دوم معجزات پر معجزات دیکھتے جاتے اور مکرتے جاتے تھے اور دیگر معجزہ کے طالب ہوتے تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ الخ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ کہ آپ کا کام خبردار کر دینا ہے اور ہدایت کرنا ہادی کا کام ہے یعنی ہمارا یا یہ معنی کہ یہ ہدایت کرنا اور خبردار کرنا کوئی نئی بات نہیں جس پر بار بار معجزے طلب کرتے ہیں بلکہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا آیا ہے اور ان کے مناسب معجزات بھی دکھاتا آیا ہے سو تم کو فصاحت میں معجزہ دکھایا جو

---

[1] جس کے وہ طالب تھے ورنہ بہت سی نشانیاں اتری تھیں یا وہ نشانیاں ان کو نشانیاں ہی نہ معلوم ہوتی تھیں بات کو معمولی سمجھ کر ٹھٹھوں میں ٹال دیتے تھے۔ یہ پورا اندھا پن ہے جس کی طرف بہت جگہ قرآن میں اشارہ ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

تمہارے طبائع کے مناسب ہے (اور یہی معنی قوی ہیں) پھر پہلی بات کے جواب کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے صفات علم وقدرت کو بھی ظاہر کرتا ہے جو مسئلہ معاد کی معرفت اور خدا ترسی کے لئے موید ہیں۔ اللہ یعلم سے لے کر اخیر تک کہ اس کو ہر بات کا علم ہے بندہ کے آگے پیچھے اس کے ہاں کے پہریدار ہیں یعنی فرشتے جو اس کو بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح بس میں ہونے پر بھی ہم کسی قوم پر جب ہلاکت بھیجتے ہیں کہ جب وہ خود سامانِ ہلاکت پیدا کرتے ہیں گناہ اور بدکاری کر کے اور جب ہم عقوبت بھیجتے ہیں تو پھر اس کو کوئی کسی صورت سے ٹال نہیں سکتا اور نہ کوئی معتوب قوم کا حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ[۱] ﴿۱۲﴾ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ[۲] ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ

---

۱ الثقال جمع ثقیلہ والسحاب جمع سحابۃ وقیل جنس ۱۲ منہ قال الازہری المحال فعال من المحل بمعنی القوۃ والمیم اصلیۃ وقال ابن قتیبۃ اصلہ مفعل من الحول اذا الحیلۃ جعل المیم کمیم المکان واصلہ من الکون ومعناہ المکر والقوۃ والاخذ والحول والعداوۃ وذھب الی کل واحد ذاہب۔ ۱۲ منہ

۲ والآصال جمع اصیل وہو العیشۃ وہی ما بین العصر الی المغرب الاودیۃ جمع واد وھو کل منفرج بین جبلین ونحوھما یسیل الماء فیہ بکثرۃ واستعمل للماء الجاری فیہ الزبد ھو الابیض المرتفع المنتفخ علی وجہ السیل ویقال لہ الغثاء والرغوۃ والرابی المرتفع فوق الماء جفاء باطلا یقال جفا رن الریح السحاب ای فرقۃ ۱۲ منہ

فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾

وقف لازم وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہی تو ہے کہ جو تمہیں خوف امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا اور بھاری بھاری بادلوں کو اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے (پاکی بیان کرتے ہیں) اور بجلیاں بھیجتا ہے پھران کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور وہ تو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑا قوت والا ہے۔ اسی کو پکارنا بجا ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کی نہیں سنتے مگر جیسا کہ کوئی دور سے پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے کہ اس کے منہ میں آجاوے حالانکہ اس کے منہ تک نہیں پہنچتا اور کافروں کا پکارنا (محض) رائیگاں ہے اور چار ونا چار اللہ ہی کو آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سایہ بھی صبح وشام (سجدہ کرتے ہیں) پوچھو کون ہے آسمانوں اور زمین کا رب؟ کہو اللہ۔ پوچھو پھر کیا تم نے اللہ کے سوا ان چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے کہ جو خود اپنے لئے بھی نہ کچھ نفع کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان کی۔ کہو کیا اندھا اور بینا برابر ہیں؟ یا کہیں اندھیریاں اور روشنیاں برابر ہو سکتی ہیں؟ کیا جن کو انہوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے انہوں نے بھی کچھ اللہ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے کہ دو ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے جو یکتا اور زبردست ہے۔ قہار ہے۔ جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے اپنی (اپنی) مقدار سے نالے بہنے لگے پھر پانی کے ریلے نے پھولے (پھولے) جھاگ اٹھائے اور جس چیز کو کہ آگ میں زیور یا اور کسی اسباب بنانے کے لئے پگھلاتے ہیں اس پر بھی ویسا ہی جھاگ ہوتا ہے یوں بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کی مثال۔ پھر جو جھاگ ہے وہ تو یوں ہی جاتا رہتا ہے اور جو لوگوں کو فائدہ یعنی پانی سو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔ اللہ مثالیں یوں بیان کیا کرتا ہے۔

تفسیر: ان آیات میں اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرماتا ہے۔ اول برق یعنی بجلی کا چمکنا کہ جس سے مینہ کی امید اور جل جانے کا خوف ہوتا ہے۔ بادلوں میں پانی بھرا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایسی آگ اور یہ روشنی پیدا کرنا اسی کا کام ہے۔ دوم دہر میں پانی کے بھرے ہوئے بادلوں کا اٹھانا جو ہفتوں برستے ہیں حالانکہ پانی کا حیزِ طبعی پستی ہے۔ سوم رعد یعنی گرج اور کڑک بادل نرم اجسام ایسے نہیں کہ ان کے باہم گھسنے سے یہ ہیبت ناک آواز پیدا ہو مگر وہ پیدا کرتا ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رعد[1] فرشتہ ہے جو بجلی کے کوڑے سے بادلوں کو ہانکتا ہے اور کڑک اس کی آواز تسبیح ہے۔ یہ ممکن ہے۔ بعض اس کی یوں توجیہ کرتے ہیں کہ فرشتے سے مراد ان کے قواءِ محرکہ اور کڑک جو اپنی زبانِ حال سے تسبیح کر رہی ہے یعنی اس کی قدرت و یکتائی بیان کر رہی ہے۔ چہارم بجلی کا جہاں چاہنا گرا دینا جس مکان یا شخص یا پہاڑ کو چاہنا اس سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دینا یہ تمام اس کی جبروت وقدرت کے نشان ہیں۔ پھر اللہ کے معاملہ میں شبہ کرنا کیا حمق ہے۔ یہ دلائل بیان فرما کر تمام عالم کا قضاء وقدر کے آگے مسخر ہونا بیان کرتا ہے جس کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ کافر، مومن، حیوان، نباتات بے اختیار کسی فاعلِ مختار کے ہاتھ میں ہیں جوانی، بڑھاپا، تندرستی، مرض گھٹنا، بڑھنا مرضی کے موافق اور مخالف باتیں، ان کے سفر کی منزلیں ہیں کہ جن میں بے اختیار کھچے چلے آتے ہیں خواہ دل چاہے یا نہ چاہے اور صبح وشام جو ہر چیز کا سایہ زمین پر زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے آگے سجدہ کرتا ہے۔ ظاہری سجدہ بھی آیت میں مراد ہو سکتا ہے کہ ایماندار اور ملائکہ خوشی سے کرتے ہیں اور منکرین مصائب کے وقت گردن پکڑ کر جھکائے جاتے ہیں۔ من فی السموٰت سے ارواح اور نفوس کی طرف اشارہ ہے جو انوارِ ذات کی تجلی سے شوق میں آ کر اس کی طرف جھکتے ہیں اور ان کے ظلال سے اجسام

[1] جس طرح نفوسِ انسانیہ ہیں اسی طرح نفوسِ ملکی ونفوسِ اجرامِ علوی بھی خدا نے پیدا کر کے ان اجسام کے مدبر ومحرک بنائے ہیں۔ انہیں کو حکماء طبائعِ اجسام کہتے ہیں اور شرع میں یہ نفوس کبھی ملائکہ سے بھی تعبیر کئے جاتے ہیں۔ پس رعد کو فرشتہ کہنا اور بجلی کے کوڑے سے جو بوقت حرکت پیدا ہوتی ہے بادلوں کو ہانکنا فرمانا اعلیٰ درجہ کا فلسفہ ہے۔ ۱۲ منہ

مراد ہیں جو طبعاً آفتاب وجود کے طلوع وغروب کے وقت سجدہ کرتے ہیں یا اعیانِ ثابتہ یعنی گرچہ کف پانی پر بھی ہوتے ہیں اور جو آگ میں پگھلایا جاتا ہے اس پر بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔ اسی طرح گو باطل بظاہر حق سے مشابہ ہو مگر جس طرح جھاگ اڑ جاتے ہیں اور پانی رہ جاتا ہے اسی طرح حق باقی رہتا ہے ملمع کاری چندروز میں کھل جاتی ہے کیونکہ قرآن آسمان سے ابر رحمت کی طرح نازل ہوا اس سے بھی نالے بہے۔ بڑے بڑے عالم اٹھے حسب استعداد فیض پایا مگر یہ ابد تک زمین پر نفع دینے کے لیے رہے گا۔ یہ ایک تمثیل ہے حق و باطل کے لئے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۹ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝۲۱ۭ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۲ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰــتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴ۭ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝۲۵ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ۧ

جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا ان کے لئے بہتری ہے اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر ان کے لئے زمین بھر کی سب چیزیں بھی ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو جرمانہ میں دینا قبول کریں گے (قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے اور قبول نہ ہونا) اور انہیں کا برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور برا ٹھکانا ہے۔

پھر کیا وہ شخص جو کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو برحق جانتا ہے اس کے برابر ہے جو اندھا ہے؟ سمجھتے تو عقل والے ہی ہیں وہ جو اللہ[1] کے عہد کو پورا کرتے اور عہد کو نہیں توڑتے ہیں۔ وہ جو جوڑتے ہیں جس کا کہ اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے اور برے حساب سے خوف کرتے رہتے ہیں اور وہ کہ جنہوں نے اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کیا[2] اور نماز قائم کی اور جو کچھ ہمارے دیے ہوئے میں سے چھپے اور کھلے دیا اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرتے رہے انہیں کے لئے دارِ آخرت ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ کہ جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو نیکوکار ہیں اور ان کو ہر دروازہ سے آ کر فرشتے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے پھر کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے اور وہ جو مستحکم کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ اور تنگ کرتا ہے اور (کفار) دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ہے کیا مگر تھوڑا سا اسباب۔

تفسیر: ان آیات میں اس ابرِ رحمت (قرآن) کے اثر قبول کرنے اور نہ کرنے کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ الذین الخ کہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے بہتری ہے۔ پھر آگے حکم ماننے اور بہتری کی تشریح کرتا ہے اور جن شور بختوں نے اس پانی کو قبول نہیں کیا ان کا انجام جہنم اور برا ٹھکانا ہے اور ان کا وہاں یہ آرزو کرنا بیان کرتا ہے کہ اگر تمام دنیا بھر کی نعمتیں اور مال و حشمت ان کے پاس ہو اور اتنا ہی اور ہو تو سب کو دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہیں گے۔ آج یہاں اللہ کی راہ میں چار پیسے بھی صرف کرنا نہیں چاہتے جس مال پر مرتے ہیں وہ یوں بے قدر ہو گا کہ تاوان و جرمانہ میں نہ لیا جاوے گا۔ پھر ان دو فریق کی مثال بیان کرتا ہے کہ ایماندار آنکھوں والے ہیں اور کافر اندھے ہیں۔ پھر کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہے' نہیں ہرگز نہیں۔ پھر الذین الذین ذکر کر کے قرآن کے ماننے کی تشریح کرتا ہے یعنی جن میں یہ چند وصف ہیں وہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔ اول عہدِ الٰہی کا پورا کرنا' عہد میں تمام اعتقادی اور عملی باتیں مجملاً آ گئیں جن کی آگے شرح کرتا ہے۔ (۲) صلۂ رحمی کرنا' ماں' باپ' دوستوں' ہمسائیوں' فقیروں' یتیموں' بے کسوں کی خبر گیری کرنا' خدا سے ڈرنا۔ (۳) اللہ کے لئے صبر کرنا بری خواہشوں سے نفس کو روکنا۔ عبادت اور دنیا کے مکروہات اور مخالفوں کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔ (۴) نماز پڑھنا (۵) اللہ کی راہ میں دینا چھپے اور کھلے زکوٰۃ یا صدقہ یا ہدیہ (۶) برائی کے مقابلہ میں صبر سے بڑھ کر نیکی کرنا جو کوئی اپنے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے سے درگذر نہ کرنا اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے جو کوئی بدی سرزد ہو جاوے تو اس کے مکافات میں نیکی کرنا چاہیے۔ پھر اس حسنٰی کی شرح کرتا ہے اولئك لهم عقبى الدار دارِ آخرت کیا ہے جنت عدن کہ جس میں نہ صرف وہی رہیں گے بلکہ ان کے نیک اقارب بھی اور جنت کے ہر دروازہ سے آ کر ملائکہ ان کو سلام کریں گے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ کے عہد توڑنے والوں مفسدوں' قطع رحم کرنے والوں کی سزا برا گھر اور لعنت برسنا بیان فرما کر کافروں کے غرور کو توڑتا ہے جو اپنے مال و جاہ پر فخر کیا کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس دنیاءِ فانی پر عبث ریجھے ہوئے ہیں۔ کثرتِ مال مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ اللہ اپنی حکمت و مصلحت سے جس کو چاہتا ہے دنیا میں فراخدستی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے تنگدستی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ
مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم

[1] اللہ کا عہدِ روزِ ازل میں جو عبودیت کا ارواح نے کیا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] دنیاوی تکالیف پر اور عبادت کی تکالیف پر اور نفس کے روکنے میں۔ ۱۲ منہ

بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ

مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ

بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ

الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا

قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کے ہاں سے کیوں کوئی (بڑا) معجزہ نہ اترا۔ (سو) کہہ دو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنے تک پہنچنے کا رستہ دکھاتا ہے ان کو جو ایمان لائے اور ان کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے۔ سن رکھو دلوں کو چین تو اللہ ہی کی یاد سے ہوتا ہے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشخبری اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی ہم نے ایک ایسے گروہ میں بھیجا ہے کہ جن کے پہلے اور بھی امتیں گذری ہیں تاکہ جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے ان کو پڑھ کر سناؤ اور وہ تو رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں کہو میرا رب وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے توکل کر لیا اور اسی کی طرف جانا ہے اور اگر کوئی ایسا قرآن نازل ہوا ہوتا کہ جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا اس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی یا اس سے مردے بول اٹھتے (تو بھی نہ مانتے) بلکہ سب کام اللہ ہی کے بس میں ہیں پھر کیا ایمان والے اس بات سے ناامید ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب آدمیوں کو ہدایت کر دیتا اور کافروں پر تو ہمیشہ ان کی بداعمالی سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ بلا ان کے گھر کے دروازوں پر آ اترے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔

ترکیب: الذین اٰمنوا مبتداء طوبیٰ لھم جملہ خبر وحسن مآب جمہور کے نزدیک نون کا ضمہ مآب کی طرف اضافت ہے۔ معطوف ہے طوبیٰ پر وحسن بالفتح بھی پڑھا گیا ہے۔ طوبیٰ پر معطوف بنا کے اور اس کو جعل کا مفعول مان کر ولو ان کا جواب محذوف ما آمنوا ان لو یشاء اللہ مفعول لم یایئس بمعنی افلم یتبین لھدی الناس لو کا جواب تصیبھم کا فاعل قارعۃ والھیۃ تفزعھم او تحل کی ضمیر قارعۃ کی طرف پھرتی ہے وقیل للخطاب۔

تفسیر: اہلِ مکہ بار بار وہی شبہ کرتے تھے کہ کوئی معجزہ کیوں آنحضرت ﷺ ہمارے کہنے کے موافق ظاہر نہیں کرتے۔ وَيَقُوْلُوْنَ الخ اس کا جواب اگرچہ پہلے بھی دیا تھا مگر چونکہ انہوں نے پھر وہی سوال کیا تھا اس کا یہاں اور عمدہ اسلوب سے جواب دیا۔ اول یہ کہ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

---

[1] لم یایئس قال الکلبی الم یعلم ربہ قال السلف من الصحابہ والتابعین۔ ۱۲ منہ

مَنۡ یَّشَآءُ الخ ہدایت وگمراہی اس کی طرف سے ہے معجزہ دیکھنے سے کیا ازلی گمراہ ہدایت پر آجاتے ہیں بلکہ جو ازلی نیک ہیں مَنۡ اَنَابَ خدا کی طرف رجوع کرنے والے وہی ہدایت پاتے ہیں سو ان کو ظاہری معجزہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ ان کے لئے ایک باطنی معجزہ ہر وقت موجود ہے۔ وہ کیا کہ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سننے سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ گویا ان کے چشم باطن پیغمبر کے فرمودوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ کوئی کھٹکا اور خطرہ ان کے دل میں باقی نہیں رہتا اور یہ اس لئے کہ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ اللہ تعالیٰ ارواح صافیہ ونفوسِ طیبہ کا محبوبِ حقیقی ہے اور تمام منازل کا منتہی وہی ہے۔ اسی کی یاد سے روح کو قرار آتا ہے جس کی صحبت کا یہ اثر ہے پھر یہ کیا کم معجزہ ہے۔ اس کے بعد ان ہدایات یافتوں کا مرتبہ بیان فرماتا ہے کہ ان کے لئے خوشی ہے۔ بعض کہتے ہیں طوبیٰ[1] سے مراد وہ درخت ہے جو جنت میں ہے اور اچھا ٹھکانا ہے یعنی جنت۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کچھ دنیا میں نئے نبی نہیں آئے ہیں جو بات بات پر معجزات طلب ہوتے ہیں۔ پہلے انبیاء کیا ہر وقت منکروں کے کہنے سے معجزہ دکھایا کرتے تھے۔ یہ بھی کبھی ہو گیا ہو گیا ورنہ مقصودِ اصلی تو ان کو پیغامِ الٰہی پہنچا دینا ہے۔ لِتَتۡلُوَا عَلَیۡهِمۡ الخ جو وہ اس کی رحمت کا انکار کر رہے ہیں (مکہ کے مشرک لفظ رحمٰن سے بھی چونکتے تھے کہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے) حقیقت میں کسی شاہی معزز ایلچی سے بار بار ہر کہ ومہ کا سند طلب کرنا گویا ایک تمسخر کرنا ہے۔ اسی طرح سرِ دفتر انبیاء سے بار بار صداقت کے لیے معجزہ مانگنا حمق ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں تو ان سے اپنا اصلی منشا ظاہر کر دے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے جس پر میرا بھروسہ ہے اور جس کے پاس جانا ہے۔ سوم اگر ان کے کہنے سے قرآن میں یہ بھی اثر ہو کہ مکہ کے پہاڑ ٹل جاویں، زمین کشادہ[2] ہو جاوے زمین میں سے چشمہ بھی پھوٹ نکلیں، مردہ بھی زندہ ہو کر ان سے وہاں کا حال کہہ دیں (مکہ کے چند کافروں نے آنحضرت ﷺ سے یہ استدعا کی تھی) تو پھر کیا وہ مانیں گے؟ اس میں بھی صدہا وہم کریں گے۔ یہ سب باتیں ہم کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اطمینان دیتا ہے کہ کہیں تم دل میں ان باتوں کی آرزو نہ کرنا کیونکہ تم جانتے ہو اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ اس کے بعد کفارِ مکہ سے ان کی سرکشی کی سزا میں ان پر مصیبت نازل ہونے کا وعدہ کرتا ہے کہ ایک نہ ایک بلا ان پر پڑتی رہے گی یا ان کے دروازوں پر آ پڑے گی یعنی قریب الوقوع ہوگی وعدہ[3] الٰہی آنے تک یعنی فتح مکہ تک سو ایسا ہی ہوا۔

وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَمۡلَيۡتُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۥ
فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنۡ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ ۚ وَجَعَلُوۡا
لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلۡ سَمُّوۡهُمۡ ؕ اَمۡ تُنَبِّـئُوۡنَهٗ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ
بِظَاهِرٍ مِّنَ الۡقَوۡلِ ؕ بَلۡ زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مَكۡرُهُمۡ وَصُدُّوۡا عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ
وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمۡ عَذَابٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَلَعَذَابُ

[1] طوبیٰ مصدر من طلب کوشریٰ ومعناہ اصبت خیرا وطیبا محلہا النصب اوالرفع کقولک سلاما لک وسلام لک۔ ۱۲ منہ

[2] یا اس سے زمین کی مسافت قطع ہو جاتی ہے

[3] یا یہ معنی کہ فتح مکہ کے لئے آپ ان کے گھروں کے پاس آ ٹھہریں جیسا کہ فتح مکہ کے روز ٹھہرے تھے۔ ۱۲ منہ

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى
الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ
اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
حُكْمًا[1] عَرَبِیًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

ع ۱۱

اور البتہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی ہے۔ پھر ہم نے منکروں کو مہلت دی۔ پھر ان کو پکڑ لیا پھر دیکھو ہمارا کیسا عذاب تھا۔ پھر کیا وہ شخص جو ہر ایک کے سر[2] پر کھڑا ہے بدلہ دینے میں (بتوں کے برابر ہے) اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہو ان کے نام تو بتاؤ کیا اللہ کو وہ بات جتاتے ہو کہ جس کو وہ روئے زمین[3] پر بھی نہیں جانتا یا یوں ہی باتیں بناتے ہو (کچھ نہیں) بلکہ کافروں کے فریب ان کو بھلے معلوم کرائے گئے اور وہ رستہ سے روکے گئے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے پھر اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں۔ ان کو زندگی (دنیا) میں بھی عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس جنت کا حال کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یہ ہے کہ) اس کے نیچے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی جس کے میوے اور سائے ہمیشہ رہیں گے۔ یہ انجام ہے پرہیزگاروں کا اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جن کو کہ ہم نے کتاب دی ہے وہ تو جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں اور ان جماعتوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اس کی بعض بات نہیں مانتے کہو مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کیا کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف بازگشت ہے اور اس قرآن کو عربی میں حکم نامہ بنا کر اسی طرح نازل کیا ہے اور اگر آپ اپنے پاس علم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو اللہ کے مقابلہ میں نہ آپ کا کوئی حامی کھڑا ہوگا نہ بچانے والا۔

ترکیب: من موصولہ ہو قائم علی کل نفس صلہ اے قادر علی کل نفس و عالم بجمیع احوالہا من خیر و شر و مستعد لان یجازی کل نفس بما فعلت من خیر و شر (وھو اللہ) یہ سب مبتداء اور خبر محذوف کمن لیس بھذہ الصفۃ وھی الاصنام جس پر وجعلوا الخ جملہ دال ہے اور ممکن ہے کہ ایسی خبر محذوف مانی جاوے کہ جس پر جعلوا کا عطف درست ہو سکے ای لم یوحدوہ ولم یمجدوہ وجعلوا لہ شرکاء (کشاف) یہ جملہ استفہامیہ ہوگا انکار کے طور پر۔

تفسیر: یہ بھی پہلے جواب کا تتمہ ہے وہ جو آپ سے معجزات طلب کرتے ہیں طالب حق نہیں بلکہ محض تمسخر اور ہنسی کرتے ہیں۔ پھر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی امتوں کے لوگ تمسخر اور ہنسی کرتے آئے ہیں۔ چونکہ ہم رحیم کریم ہیں فوراً انتقام لینا ہماری عادت نہیں۔ ہم نے ان کو مہلت دی (الاملاء الامہال وان یترکوا مدۃ من الزمان) پھر وہ دیکھو کیسے برباد و ہلاک ہوئے کہ ان کے

[1] حکما عربیا حکمۃ مترجمۃ بلسان العرب انتصابہ علی الحال۔ ۱۲ کشاف

[2] یعنی اس کو ہر ایک کا حال معلوم ہے اور ہر فعل کی سزا دینے پر قادر ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی روئے زمین پر ان کا پتا بھی نہیں۔ ۱۲ منہ

مکانوں کے خرابات اب تک ناظرین کے آگے زبانِ حال سے حسرت وافسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ پھر اے محمد! آپ کے مخالفین اپنے دل میں کیا سمجھے ہوئے ہیں اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ اس کے بعد اپنا قادر وقہار ہونا ظاہر کر کے (تاکہ تمسخر سے باز آ دیں کیونکہ ایسے موقع پر چشم نمائی بے ادبوں کی پیٹھ پر کوڑا ہے) یہ فرماتا ہے کہ پھر ایسے کے ہوتے ہوئے تم اور لوگوں کو پوجتے' حاجت روا جانتے ہو۔ ہمارے سامنے وہ کون خدائی کا مستحق ہے ذرا اس کا نام تو بتلا دو یا یونہی واہی تباہی باتیں بناتے ہو باوجود اس کے کہ یہ خیال بدیہی البطلان ہے اور نبی ان کے حق میں کوئی خلاف عقل مضرت آمیز بات بھی نہیں کہتے۔ پھر بھی جو وہ نہیں مانتے الٹے بات بات پر معجزہ مانگتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ ان کی حرکات ناشائستہ اور خیالاتِ فاسدہ بسبب پشت در پشت چلے آنے کے اور اہل شہر اور برادری کو ان میں مبتلا دیکھنے کے دل میں کھب گئے ہیں۔ انہیں کو بہتر اور عمدہ جانتے ہیں۔ (حقیقت الامر یونہی ہے آج کل ہنود کی رسومِ قبیحہ اور دیگر اقوام کے افعالِ خلاف عقل اس کا نمونہ ہیں۔ اونے کوردہ کے لوگ اپنے دس بیس جھونپڑے والوں کی رسوم کو کیسا عمدہ سمجھتے تھے۔ اس کے ترک کو کیسا شاق جانتے ہیں۔ واہ نبی آخر الزمان! یہ آپ ہی کا معجزہ تھا کہ نہ صرف عرب بلکہ اور بہت سے ملکوں کے دلوں سے ان رسومِ قبیحہ کو کس کاروائی سے حک کیا ہے۔) اصل یہ ہے کہ یہ گمراہی ان کے نوشتۂ ازلی میں ہے، کوئی بجز خدا کے کیونکر دور کر سکے۔ اس کا نتیجہ دنیا کا وبال جیسا کہ اگلی امتوں پر آیا ہے۔ قحط' وبا' گرانی' خسف وقتل' غیروں کے ہاتھ میں اسیر ہونا وغیرہ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بڑھ کر ہے۔ برخلاف اس کے ایمان والوں کے لیے دارِ آخرت میں ابدی فرحت ہے۔ اہل کتاب یعنی اہلِ قرآن' قرآن کے نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور دیگر لوگ اپنی خلاف طبع باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ یہ بدبختی کی علامت ہے۔ وہ انکار کریں تو کیا کریں مگر اے نبی! تم ان سے کہہ دو کہ میں توحید پر ثابت ہوں اور قرآن جو تمام حکمتوں اور حکموں کا چشمہ ہے اس کی طرف سے عربی زبان میں اترا ہے اور نبی ﷺ کو مخاطب کر کے سنایا جاتا ہے کہ اس کی مخالفت پر قہرِ الٰہی ہے جس کی پناہ نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

ع ۶ ۱۲

اور آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں کہ جن کو ہم نے جورویں اور بچے بھی دے رکھے تھے اور کسی رسول کے بھی اختیار میں نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم بغیر کوئی معجزہ لاتا۔ ہر ایک وقت کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ (اس میں سے) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے اور خواہ ہم آپ کو کوئی وہ بات دکھادیں کہ جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا (اس سے پہلے) آپ کو وفات دیں بہر حال آپ پر تو (حکم کا) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ ہی حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور ان سے پہلے بھی مکر کر چکے ہیں پھر اللہ کو تو سب داؤ آتے ہیں جو کوئی کچھ کرتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور کافروں کو ابھی معلوم ہوئے جاتا ہے کہ دارِ آخرت کس کے لئے ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں۔ کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور نیز اس کی کہ جس کے پاس کتاب[1] کا علم ہے۔

ترکیب: اما نُرِیَنَّکَ کا جواب فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ والمعنی سواء اریناک ذلک اوتوفیناک قبل ظہورہ فالواجب علیک تبلیغ احکام اللہ وَ عَلَیْنَا حَسَابھم ننقصھا جملہ حال ہے ضمیر فاعل یا الارض سے۔ باللہ ب زائد اللہ فاعل کفی و من موصلہ عندہ علم الکتاب صلہ یہ معطوف ہے محلاً اللہ پر فاعل ہوگا کفی کا۔

تفسیر: عرب کے مشرک اور مکہ کے کافر آنحضرت ﷺ کی نبوت پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے۔ ازانجملہ ایک یہ تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں رسول بنا کر بھیجے اس کو دنیاوی باتوں سے پاک ہونا چاہیے فرشتوں کی مانند یہ کیسے نبی ہیں جن کے بیوی بچے ہیں کھاتے پیتے دنیا کے کاروبار خرید و فروخت بازار سے کرتے ہیں' پھر نہ ایک بیوی پر قناعت ہے بلکہ متعدد بیویاں رکھتے ہیں' عورتوں سے رغبت رکھتے ہیں (یا عیسائیوں سے انہوں نے یہ اعتراض سیکھا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مجرد رہنے سے ملنگ پنے کو عمدہ سمجھتے تھے یا آج کل کے پادریوں نے ان مشرکین سے اس کی تعلیم پائی ہے) اس کا جواب دیتا ہے ولقد ارسلنا الخ کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے رسول کیا بیوی بچہ عورتوں سے رغبت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دیکھتے چلے آؤ یہ بات لوازماتِ بشریت سے ہے کمالِ روحانی کو منافی نہیں۔ توکل اور فروتنی آدمی کو اسی سے آتی ہے ازانجملہ یہ کہ وقتاً فوقتاً آپ ہمارے کہنے سے معجزات دکھانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ الخ کہ یہ بات کسی رسول کے بھی اختیار میں نہ تھی بلکہ اللہ کے۔ ازانجملہ یہ کہ آپ جن بلاؤں کا مخالفت کی وجہ سے ہم سے وعدہ کرتے ہیں ان کو ابھی کیوں نہیں لاتے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے نیز اس میں یہود و نصاریٰ کے اس شبہ کا بھی جواب ہے کہ آپ نے توریت و انجیل کے احکام اور نیز اپنی شریعت کے احکام میں نسخ جائز رکھا۔ یہ خدائی بات نہیں پھر اس جواب کی تصریح کرتا ہے کہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ الخ کہ اللہ موافقِ مصلحتِ عباد ایک حکم دیتا ہے پھر جب وہ مصلحت نہیں رہتی اس کو محو کر دیتا ہے۔ یعنی دور کر دیتا ہے اس کے پاس ام الکتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ کہ جس میں بہت کچھ ہی منجملہ اس کے اس حکم کا ایک وقت تک قائم رہ کر اٹھ جانا بھی ہے بعض علماء فرماتے ہیں اس میں ہر شے کے مٹانے اور باقی رکھنے کا اشارہ ہے۔ عمر' رزق' سعادت' شقاوت یعنی مثلاً پہلے ایک کی دس برس کی عمر تھی پھر بیس کی کر دی اس کو قضاء و قدرِ معلق کہتے ہیں اگرچہ جف القلم فرمادیا کہ جو ہونا ہے لکھا گیا مگر اس میں یہ محو و اثبات بھی تو لکھا گیا ہے قضاءِ مبرم نہیں ٹلتی۔ بعض اس محو و اثبات سے دنیا کا مٹانا' آخرت کا ثابت کرنا وغیرہ مراد لیتے ہیں آپ کو تسلی دیتا ہے کہ خواہ ہم معجزہ دکھائیں بلا ان پر لائیں یا تیرے بعد میں یہ بات پیش آوے تجھے تو صرف خبر دینے کو بھیجا ہے اور ہمارے وعدہ کے آثار ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں کہ ہم زمین سے کفر اور اس کا غلبہ و شوکت اٹھاتے چلے جاتے ہیں زمین کو کناروں سے ہٹانے سے یہی مراد ہے مکہ کی اطراف سے فتحِ اسلام شروع ہونے لگی تھی آخر دنیا بھر میں پھیل گئی اللہ کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

---

[1] اپنی رسالت کے ثبوت میں دو باتیں پیش کیں اول اللہ کی شہادت معجزات دوم من عندہ الخ من کو عام بالفتح پڑھتے ہیں جس کے معنی وہ لوگ کہ جن کے پاس کتاب کا علم ہے یعنی اب تک کتب سابقہ میں آنحضرت کی خبر ہے اور ممکن ہے کہ الکتاب سے قرآن مراد ہو اور بعض نے مِن پڑھا ہے یعنی اللہ کے ہاں سے کتاب کا علم ہے سو کتاب الٰہی کا مجھ پر نازل ہونا کیا کم شہادت ہے۔ ۱۲ منہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ③ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

(یہ) ایک کتاب ہے کہ جس کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لا دیں اس خدائے زبردست' ستودہ صفات کے رستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کافروں پر افسوس کہ ان کو سخت عذاب ہونا ہے۔ان پر جو دنیا کی زندگی کو آخرت سے اچھا سمجھ رہے ہیں اور اللہ کے رستہ سے روکتے اور اس میں رخنہ ڈالتے ہیں وہی بڑی دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو ان کی قوم کی زبان میں بولنے والا (بھیجا) تاکہ ان کو وہ بآسانی بتا سکے پھر (بھی) خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔اور وہ زبردست' (حکمت) والا ہے۔

ترکیب: کتاب موصوف انزلناہ الخ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف ھذا یا الرا کی باذن ربھم موضع نصب میں ہے ای ماذونا لھم الی صراط بدل ہے الی النور سے باعادۃ حرف الجر اللہ مجرور ہے الحمید سے بدل ہو کر

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔اس کے اخیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مناجات کا بھی اس خوبی کے ساتھ ذکر ہے کہ جس سے قدیم زمانہ کے خدا پرست لوگوں کا اپنے رب کے ساتھ عجز و نیاز اور سچا توکل ان لوگوں کے دلوں پر کہ جن پر بت پرستی یا الحاد کا دھبہ نہیں لگا' عجب اثر پیدا کرتا ہے۔اس لئے اس سورۃ کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

اس سورۃ میں بھی بیشتر اصولِ مذہب کا ثبوت ہے ایک نئے ڈھنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے زمانہ میں دنیا بھر میں کوئی بھی فرقہ خدا پرست نہ تھا۔اہلِ کتاب میں سے یہود کی ابتری تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے ان کو بھی نہ مانا بلکہ آمادۂ فساد و جنگ و جدال ہو گئے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اور بھی بگڑ گئے تھے۔رہے عیسائی سو تین سو برس کے بعد تو ان کے مذہب میں یہاں تک تثلیث اور الوہیتِ مسیح اور صلیب پرستی نے رواج پایا تھا کہ بت پرست قومیں بھی ان سے پیچھے رہ گئی تھیں، عرب اور روم اور ہند و ایران و چین کی بت پرستی اور آتش و عناصر پرستی کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا تمام عالم تاریکی کفر و الحاد و بت پرستی میں چھپا ہوا تھا ایسے زمانہ میں اللہ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہوا کہ اس نے مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک آفتابِ ہدایت جلوہ گر

ل اس سے یہ سمجھنا کہ حضرت خاص عرب کے لیے نبی تھے محض غلط فہمی ہے کس لیے کہ قوم رسول وہ ہیں جو آپ کے ہم نسب اور ہم وطن ہیں اور امت یا قوم بمعنی عام سب لوگ ہیں سو قوم کی زبان میں کتاب اور رسول کا بھیجنا ان کی رعایتِ خاص کے لیے رسالتِ عامہ کو مانع نہیں۔۱۲ منہ

کیا تا کہ لوگوں کو ان اندھیریوں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے وہ روشنی کیا ہے اللہ عزیز حمید کا سیدھا رستہ کون عزیز وحمید؟ وہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا اور جس کی ان پر بادشاہی ہے۔ اب اس آفتابِ جہانتاب کے طلوع ہونے پر بھی جو تاریکی میں رہنا پسند کرتے ہیں تو دراصل یہ ان کی تقدیر کی بدبختی ہے یعنی عذابِ شدید اور یہ بات ان کو اس وجہ سے ہے کہ وہ شہوات ولذاتِ دنیائے دنی پر غش ہیں اس نادان بچہ کی طرح سے (جو ماں کے پیٹ ہی کو ایک عالم پر فضا اور وہاں کے خونِ حیض کو عمدہ غذا سمجھتا ہے) اس عالم کی زندگی کو زندگی اور یہیں کے مال وکامرانی کو عیشِ جاودانی سمجھتے ہیں اس لئے اس عالمِ نورانی کے رستہ سے باز رہتے ہیں اور اپنے رسوم و عادات سے باہر ہونا برا سمجھتے ہیں بلکہ یہ ظلمت پسند اس آفتاب ہدایت کو شکوک وشبہات کے گردوغبار سے چھپانا چاہتے ہیں یعنی دینِ حق میں کجی نکال کر لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں پھر ایسے لوگوں کے نہایت درنہایت گمراہ اور بدبخت ہونے میں کیا کلام ہے۔ پھر نہ صرف یہی احسان کیا کہ کتاب اور رسول ان کے پاس بھیجا بلکہ رسول کو ان کا ہمزبان کیا اگر کتاب اور رسول کی اور زبان ہوتی تو عرب کو دقت ہوتی جو اور تمام دنیا کے ہادی بنائے گئے ہیں الٹے اس نعمت کو مکہ کے کافر بے قدر جان کر قرآن کی قدر ومنزلت نہ کرتے پھر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اس بات کی مصلحت وحکمت وہی جانتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۞ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۞ع وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۞ وَقَالَ مُوْسٰۤی اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۞ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ۬ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۞ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ

مع عند المتقدمین

مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ

مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ

هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ ع

ع ۱۴

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیاں دے کر اس لئے بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اور ان کو اللہ کے دنوں (یعنی واقعات ہائلہ) سے سمجھائے۔ بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور (اے نبی!) جبکہ اسی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کا وہ احسان یاد کرو جو تم پر ہوا جبکہ اس نے تم کو فرعون کے ہاتھ سے بچایا جو تم کو بری طرح سے دکھ دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے رب نے یہ سنا دیا تھا کہ اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے اور موسیٰ نے کہہ دیا تھا کہ تم اور جس قدر لوگ زمین پر ہیں سب کے سب اللہ کی ناشکری کرو گے (تو اس کو کچھ بھی پروا نہیں) کیونکہ اللہ بے پروا' قابلِ ستائش ہے۔ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور وہ جو ان کے بعد ہوئے کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے پھر انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ کر کہہ دیا کہ جو کچھ تمہاری معرفت بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم کو تو اس میں بڑا شک پڑا ہوا ہے۔ ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم کو اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کرے اور (تاکہ) تم کو ایک وقتِ مقرر تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا تم بھی تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں سے باز رکھو کہ جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے سو ہمارے پاس کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔ ان کے رسولوں نے کہا ضرور ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی تو ہیں لیکن اپنے بندوں میں سے اللہ جس پر چاہتا ہے (نبوۃ دے کر) کرم کرتا ہے اور ہماری کیا مجال کہ جو ہم خدا کی اجازت بغیر تم کو کوئی معجزہ لا دکھاویں۔ اور ایمان والوں کا اللہ ہی پر توکل ہونا چاہیے اور ہم کس لئے اللہ پر توکل نہ کریں حالانکہ وہ ہم کو ہمارے رستے بتا چکا ہے اور البتہ ہم تو تمہاری ایذاؤں پر جو تم نے دی ہیں صبر ہی کریں گے اور اللہ ہی پر متوکلوں کو توکل کرنا چاہیے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر نور میں لانا بطور نظیر کے بیان فرماتا ہے کہ محمد علیہ السلام کا یہ کام کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے اس میں ضمناً یہود و نصاریٰ کے دلوں پر بھی ایک چٹکی سی لی گئی ہے کہ یہ نبی وہی نبی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے۔ پھر آگے موسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل فرماتا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو سنایا اس کے بعد اور مشہور انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے معاملات بیان فرماتا ہے الم یاتکم الخ سے قوم نوح اور عاد و ثمود تین مشہور قوموں کے واقعات بیان فرما کر کہتا ہے۔ **والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ** کہ ان کے بعد اور بہت سے رسول گزرے ہیں کہ جن کو اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ قرآن اور کتب سابقہ میں صرف چند رسولوں کے حالات ہیں پھر جو ان رسولوں اور ان کی قوم میں باہم معاملہ ہوا ہے اس کا ذکر کرتا ہے کہ لوگوں نے رسولوں کے معجزات دیکھ کر بھی تکذیب کر دی **ردوا ایدیھم** ان کے مونہوں پر رکھ دیے یا خود غصہ کے مارے اپنے ہاتھ چبانے لگے دوم یہ کہ معنی مجازی مراد ہوں کہ کچھ

جواب تو معقول نہ دے سکے محض انکار کرنے پر آمادہ ہو گئے یہ محاورۂ عرب ہے۔ پھر باقی گفتگو نقل کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں پھر آملو پھر ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد تم کو زمین پر بسا دیں گے۔ یہ وعدہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے میرے عذاب سے خوف کھایا اور پیغمبروں نے فیصلہ چاہا اور ہر ایک جبار سرکش غارت ہوا اور اس کے آگے جہنم ہے اور (جہاں اس کو) پیپ کا پانی پلایا جائے گا جس کو گھونٹ گھونٹ کر پئے گا اور اس کو گلے سے نہ اتار سکے گا اور ہر جگہ سے اس کو موت آتی نہ ہوگی (موت کے اسباب موجود ہوں گے) حالانکہ وہ مرے گا بھی نہیں اس کے آگے اور سخت (سخت) عذاب ہوں گے ان کی مثل کہ جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال گویا راکھ ہیں کہ جس کو آندھی کے دن ہوا اڑا کر لے گئی ہو جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا تھا اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہ رہا ہو۔ یہ ہے پرلے درجہ کی ناکامی۔

ترکیب: لَنُخْرِجَنَّكُمْ اور لَتَعُوْدُنَّ مفعول ہیں قال کے اور لَنُهْلِكَنَّ اور لَنُسْكِنَنَّ یہ اوحیٰ کے مفعول ہیں یتجرعہ ماء کی صفت یا ضمیر یسقی سے حال مثل الذین مبتدا کرماد خبر ہے معناً۔

تفسیر: منجملہ کفار کی اور باتوں کے ایک یہ تھی کہ انہوں نے انجام کار انبیاء علیہم السلام سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یا تو تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ (اگرچہ ابتداء ہی سے انبیاء علیہم السلام ان کے مذہب میں نہ تھے مگر پھر آ جانا جو کہا تو اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نے انہیں کے شہروں اور انہیں کے قبیلوں میں نشوونما پایا تھا ابتدا میں کفار سے مخالفت بھی ظاہر نہ کی تھی اس سے وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو اپنے مذہب میں جانتے تھے اس لئے پھر مذہب میں آنے کو کہا) ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ یہ بڑے بول وہ اپنی حکومت و شوکت کے گھمنڈ پر بولتے تھے مگر اللہ کے آگے کسی کا زور کیا چل سکتا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے ایلچیوں کی جو کوئی بے حرمتی کرتا ہے اپنے کئے کو پاتا ہے چہ جائیکہ اللہ کے

ل العصف شدۃ الریح وصف بہ زمانہا مبالغۃ کیوم حار و یوم بارد وخلاصۃ المثل ھو ان الکفر کالریح العاصفۃ واعمالھم کالرماد فکما ان للریح العاصف لاتبقی الرماد فکذا الاکفر لایبقی الاعمال ۔۱۲

پیغامبروں کی بے حرمتی کرے اور اپنے ملک سے نکال دینے کی دھمکی دے۔ اس لئے فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ نبیوں کو وحی ہوئی کہ خود انہیں کو ہم ہلاک کر دیں گے اور جس ملک اور زمین سے تمہیں نکالنے کو کہتے ہیں وہ آخر کار تمہیں کو دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار دنیا میں ہلاک ہوئے اور آخرت میں عذابِ شدید میں گرفتار ہوئے کہ جہاں لہو اور پیپ پئیں گے اور گلے سے نہ اتار سکیں گے اور ہر طرف سے سامانِ موت نظر آئیں گے مگر مرنے نہ پائیں گے۔

اور اس پر اور بڑھ کر عذاب ان کو یہ ہوگا کہ جن اعمال کو وہ دنیا میں اپنے لئے (تعلیم انبیاء کے برخلاف) آخرت میں فائدہ مند سمجھ کر کرتے تھے۔ اس میں مشقت اٹھاتے تھے وہاں ان کا کچھ بھی اثر نہ پاویں گے جیسا کہ سخت آندھی کے دن ہوا راکھ کو اڑا لے جاتی ہے اسی طرح وہ اڑ جاویں گے، نہ وہاں بتوں کی پرستش اور گنگا کا اشنان اور گئو دان کام آئے گا جس کے بھروسہ پر وہ سرگ کے مستحق بنے بیٹھے تھے نہ وہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کام آئے گی، نہ تثلیث والوہیت مسیح کا اعتقاد فائدہ دے گا نہ حوض میں غوطہ لگانا عشاءِ ربانی کھانا نفع دے گا۔ مال، زن و فرزند کو جو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا انہیں بھی شریکِ غم نہ پاوے گا سوا اس کمائی کے برباد ہو جانے پر سخت حسرت کرے گا پچھتائے گا بلکہ الٹے یہ اعمال گلے کا ہار ہو جاویں گے ہمہ وقت اس آتشِ حسرت میں جلیں اور ہاتھ ملیں گے ہائے!

فرماتا ہے جس کو پرلے درجہ کی گمراہی اور بھول کہتے ہیں یہ ہے نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون پورا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾ؑ وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾ وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا۔ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جاوے اور نئی خلقت لے آئے (تو کر سکتا ہے) اور یہ اللہ پر

کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) اللہ کے روبرو سب نکل کھڑے ہوں گے تب ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پھر (آج) کیا تم خدا کا عذاب ہم سے کچھ بھی دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو خلاصی کی راہ بتاتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے۔ خواہ چیخیں چلائیں' خواہ صبر کریں ہمارے لئے یکساں ہیں ہم کو عذاب سے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ اور جبکہ فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا[1] کہ اللہ نے تو تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پھر میں نے وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میرا اس کے سوا اور کچھ بھی زور نہ تھا کہ تم کو بلایا پھر تم نے میرا کہنا مان لیا۔ پھر مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے ہی آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔ میں تو مانتا نہیں[2] کہ تم مجھے پہلے اس کا شریک بنایا کرتے تھے۔ بے شک ظالموں کے لئے عذاب الیم ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کئے جاویں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ ان کے باہم دعاءِ خیر سلام ہوگی۔

ترکیب: اِنَّ اللّٰہَ جملہ قائم مقام دونوں مفعولوں کے اَلَمْ تَرَ سے۔ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ موضع نصب میں ہے حال ہو کر کیونکہ اصل میں شیء کی صفت ہے تقدیرہ من شیء من عذاب اللہ من زائدۃ ای شیئا کائنا من عذاب اللہ الا ان استثناء منقطع ہے لان دعانہ لم یکن سلطانا ای حجۃ مصرخی جمہور بفتح الیاء پڑھتے ہیں اور یہ جمع مصرخ کی اول ی جمع کا دوم ی متکلم میں ادغام ہو گیا وادخل برزوا پر معطوف۔

تفسیر: کفار کے غرور آمیز کلمات کے جواب میں پہلے تو خود ان کا برباد ہونا اور جہنم میں جانا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ان کے گروہ کا ان کی زمین اور ملک پر قابض اور متصرف ہونا بیان فرمایا تھا۔ اب ان مخالفین کے دل پر اس بات کو دلیل سے قائم کرتا ہے الم تر کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو کس انتظام اور خوبیِ تمام کے ساتھ پیدا کر دیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ روئے زمین سے تم کو مٹا کر اور نئی قوم کو تمہاری جگہ دنیا پر بسائے۔ کہاں گیا فرعون اور کہاں ہیں ساسانی اور کس جگہ ہیں کیانی اور روم کے قیاصرہ' کہاں چھپ گئے۔ یونان کی اولوالعزم قومیں کہاں جا سوئیں' ہندوستان کے قدیم راجے کہاں گئے پھر مسلمانوں میں خلجی اور تغلق اور لودھی کہاں چلے گئے تیموریوں کا اوج موج کہاں گیا۔ رہے نام اللہ کا! انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اپنی جاہ وحشم پر غرور کرنا فضول ہے اس کے بعد روزِ قیامت کا واقعہ جانگداز ذکر کرتا ہے تاکہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو چھوڑ کر شیطانی راہ پر چلنے کا مزہ معلوم ہو و برزوا الخ کہ قیامت کے دن سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس مصیبت میں دنیا کے غریب لوگ اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے وہاں فرمانبردار تھے آج تم ہمارے کچھ کام آسکتے ہو' عذاب دفع کر سکتے ہو۔ وہ کورا جواب دیں گے پھر فیصلہ کے بعد جہنم میں جب شیطان اور اس کے پیرو ڈال دیے جاویں گے تو شیطان کہے گا کہ میرا وعدہ تم سے غلط تھا مگر اللہ کا سچا وعدہ تھا اب تم مجھے کچھ ملامت نہ کرو۔ کچھ میں نے تم پر زبردستی تو نہیں کی تھی بلکہ تمہارے دل میں وسوسہ ڈال دیا تھا جس پر تم جم گئے۔ اپنے ہی آپ کو ملامت کرو خدا کا کہنا چھوڑ کر میرا کیوں مانا تم تو مجھے خدا کا شریک بتاتے تھے۔ میں نے تو پہلے ہی سے اس کا انکار کر دیا ہے۔ یا یہ کہ تمہارے شریک بنانے سے پیشتر میں کافر ہو چکا تھا۔ جس طرح میں از خود گرفتار ہوا اسی طرح تم بھی ہوئے اس کے بعد ایمانداروں' نیکی کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور باہم رنج وکسر نہ ہوگا بلکہ بوقتِ ملاقات ایک دوسرے کو سلام کہے گا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً[3] كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ

[1] جب لوگ شیطان کو گمراہ کریں گے تو ان کے جواب میں وہ یہ کہے گا کہ میں نے کسی پر زبردستی تو کی نہ تھی صرف اپنی طرف بلایا کرتا تھا تم نے میرا کہنا مان لیا اور تم جو خدا کے ساتھ مجھے شریک کرتے تھے میرے کرشموں کو مانتے تھے تخیلات باطلہ پر چلتے تھے میں اس کا سرے سے منکر ہوں۔ ۱۲ منہ

[2] کہاں ہیں وہ لوگ جو وجود شیطان کا انکار کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] سچی بات وہ ہے کلمۂ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ۱۲

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ پاک کی ایسی مثال بیان کی ہے کہ گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ جس کی جڑ مستحکم اور اس کی شاخ آسمان میں ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ سمجھیں (سوچیں) اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے کہ جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جاوے۔ اس کا کچھ بھی جماؤ نہ ہو۔ اللہ ایمانداروں کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں بھی سچی[۲] بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ترکیب: کلمة موصوف طيبة صفت بدل ہے مثلاً سے اور کشجرة الخ کلمة کی لغت اور بعض نے کلمة کو مرفوع پڑھا ہے کہ کشجرة کو خبر مانا ہے تو تؤتی لغت ہے فی الحیوٰۃ الدنیا متعلق ہے یثبت سے اور ممکن ہے کہ کشجرة خبر ہو مبتدا محذوف کی ای ہے اور پھر طيبة اور اصلها و توتی یہ سب شجرہ کی لغت ہوں اور جملہ بدل ہو مثلاً سے

تفسیر: اشقیاء اور سعداء کا حال بیان فرما کر ان کے حال کی زیادہ تشریح کرنے کو ایک مثال بیان فرماتا ہے اور وہ یہ ہے کلمة طيبة کشجرة طيبة شجرہ طیبہ یعنی پاک یا اچھے اور عمدہ پیڑ کے چار وصف بیان فرما کر کلمہ طیبہ کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اول صفت طية ہونا یعنی اچھا ہونا خواہ باعتبار شکل وصورت کے ہو خواہ باعتبار اس کے پھل پھولوں کی عمدگی کے ہو کہ خوشبودار اور شیریں اور لذیذ ہوں خواہ باعتبار اس کے منافع کے ہو۔ دوم اصلها ثابت کہ وہ اس خوبی کے ساتھ ایسا نہیں کہ یونہی ہوا یا اور کسی تھوڑے سے صدمہ سے اکھڑ جاوے تا کہ رنج کا باعث ہو بلکہ اس کی جڑ قائم اور مستحکم ہو جو زوال پذیر نہیں۔ سوم فَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ کہ اس کی شاخیں مرتفع اور بلند ہوں جس سے پیڑ کی مضبوطی اور جڑ کا قیام اور اس کے پھلوں کا قاذورات اور زمین کے عفونات سے پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چہارم اس کے پھل ہمیشہ آتے ہیں اور ہر وقت موجود رہتے ہیں اور درختوں کی طرح نہیں۔ اب اس درخت مرغوب الطبع کے ساتھ کلمہ طیبہ کو تشبیہ دیتا ہے خواہ ایسا درخت دنیا میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو خواہ اس کو کھجور کے درخت سے تعبیر کرو یا انگور سے یا کسی اور سے کلمہ طیبہ کیا ہے جس میں یہ چار وصف پائے جاتے ہیں وہ بقول اکثر مفسرین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے سو یہ کلمہ طیبہ ہے اس کی عمدگی یہ ہے کہ انسان کے دل میں اس سے معرفتِ الٰہی کا ایک عمدہ پیڑ لگتا ہے کہ جس کی خوبی دنیا کی تمام خوبیوں سے بڑھ کر ہے کس لئے کہ لذت ادراک ملائم کا نام ہے جماع اکل وشرب میں حواس مدرک اور دنیا کی تاریک چیزیں مدرک اس پر یہ لذت۔ پھر جہاں روح مدرک اور حق سبحانہ مدرک ہو تو پھر اس لذت کے کیا کہنے ہیں؟ اس کے علاوہ لذائذِ دنیا تکلیف پر مبنی ہیں بھوک نہ ہو تو کھانے میں مزہ نہ آوے پیاس نہ لگے تو سرد پانی سے حظ نہ پاوے۔

[۱] ومعنی اجتثت استوصلیت ۱۲ کشاف اجتثات بر کندن۔ ۱۲ منہ

[۲] خلاصہ یہ کہ ایمان اور خداپرستی جس کی کنجی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے وہ ایسے درخت کی مانند ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور بلند درخت ہے اور جس کے نیک پھل ہر وقت دنیا و آخرت میں ملتے رہتے ہیں اور کلمہ خبیثہ یعنی کفر و بداعتقادی و بدکاری کا قولاً و فعلاً عمل میں لانا ایسے کمزور پیڑ سے مشابہ ہے کہ جس کی کچھ بھی اصل نہیں۔ ۱۲ منہ

برخلاف روحانی لذات کے اور نیز جسمانی لذتیں ایک ساعت کے بعد جاتی رہتی ہیں۔ برخلاف روحانی لذت کے دوسری صفت بھی اس میں موجود ہے کیونکہ اس شجر کی جڑیں نفسِ قدسیہ میں گڑی ہوئی ہیں اور نفس جوہرِ مجرد ہے فساد سے پاک ہے تغیر وفنا سے بری ہے اور نیز اس کی جڑوں میں حق نور النور اور مبدءِ ظہور کی تجلیات کا پانی دیا جاتا ہے۔ تیسری صفت بھی اس میں عمدہ طرح سے پائی جاتی ہے اس شجرۂ معرفت کی دوشاخیں ہیں ایک ہواءِ الٰہی میں اور دوسری ہواءِ عالم جسمانی میں اٹھی ہوئی ہے نوعِ اول کے بہت سے اقسام ہیں مگر انکا عطر دو بات میں (اول التعظیم لامر اللہ) اس میں یہ چیزیں ہیں خدا تعالیٰ کی معرفت کے دلائل میں تامل کرنا جو عالمِ اجسام اور عالمِ افلاک اور عالمِ سفلی میں موجود ہیں اور اسی کے شوق اور محبت میں رہنا' اسی کو یاد کرنا' اسی پر اعتماد کلی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ دوسری شاخ کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (والشفقۃ علی خلق اللہ) سے تعبیر کیا ہے اس میں مخلوق پر رحم کرنا' انتقام سے درگزر کرنا' برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرنا بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ تیسری صفت اس کا مرتفع ہونا سو وہ بھی ظاہر ہے چوتھی صفت ہر وقت پھل لانا سو یہ بھی اس شجرہ میں ظاہر ہے جس کے دل میں یہ شجرہ ہو گا وہ اس سے ہر وقت منتفع رہے گا اچھے نتائج دیکھے گا اور اس میں الہاماتِ نفسانیہ اور ملکاتِ روحانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو وقتاً فوقتاً روح پر پیدا ہوتے ہیں پھر اس کو نیک کاموں پر برانگیختہ کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں کفر کو شجرۂ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کلمۂ خبیثہ کفر اور اس کی نافرمانی کرنا ہے۔ اس کے بعد کلمہ طیبہ کی مضبوطی بیان فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر دنیا و دین میں ایمانداروں کو ثابت قدم رکھے گا دنیا کا ثبات تو ظاہر ہے آخرت کی اول منزل قبر ہے وہاں بھی اس پر یہ ثابت رہے گا منکر نکیر کو جواب شافی دے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ ایمانداروں کو ثابت رکھنا گمراہوں کو گمراہی میں ٹکرانا اس قادرِ مطلق کا خود اختیاری فعل ہے جس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ‌ۚ يَصۡلَوۡنَهَا‌ ؕ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ۝۳۰ قُلْ لِّعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ‌ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡفُلۡكَ لِتَجۡرِىَ فِى الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ‌ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الۡاَنۡهٰرَ‌ ۝۳۲ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَيۡنِ‌ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ ۝۳۳ وَاٰتٰٮكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ‌ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا‌ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ

ل داب عادت یقال باب فی السیر واہم علیہ فہو دائب۔ دائبان روز و شب ۱۲ منہ

كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلہ میں ناشکری کی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر[1] میں لے اترے جہنم میں کہ جس میں وہ پڑیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے اور لوگوں نے اللہ کے رستے سے بہکانے کے لئے شریک بنا رکھے۔ کہو مزے منا یا کرو پھر تو تمہیں جہنم ہی میں جانا ہے (اے نبی!) میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے دیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس دن نہ خرید فروخت ہوگی نہ دوستی (کہ نیک عمل خریدے جاویں یا کوئی رعایت کرے)۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتی تمہارے بس میں کی تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلے اور نہریں تمہارے قابو میں کیں اور تمہارے فائدے کے لئے سورج اور چاند کو محکوم کر دیا جو (اپنی چال پر) ہمیشہ چلتے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو محکوم کیا اور تم نے جو کچھ مانگا اس میں سے تمہیں دیا اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ البتہ آدمی تو بڑا ہی ظالم ناشکر ہے اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ اے رب اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ کر دے اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے بچائیو۔ اے رب ان بتوں ہی نے تو بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر ڈالا۔ پھر جو میری پیروی کرے سو وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے سو تو غفور رحیم ہے۔ اے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایسی وادی (جنگل) میں بسائی ہے کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے معزز گھر کے پاس نماز قائم کرنے کے لئے۔ اے رب! پھر کچھ لوگوں کے دل تو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو میووں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کیا کریں اے رب! تو جانتا ہے جو کچھ ہم مخفی رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر تو کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین کی نہ آسمان کی۔ اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عنایت کئے۔ بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ اے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ اے رب اور دعا کو قبول کر لے۔ اے رب مجھے اور میرے ماں باپ اور ایمانداروں کو بخش دیجیو حساب قائم ہونے کے دن۔

---

[1] تباہی کا گھر جہنم جیسا کہ آگے خود بیان فرماتا ہے۔ ۱۲

ترکیب: کفروا مفعول ثانی بدل کا جھنم بدل ہے دار البوار سے۔ یُقیموا و یُنفقوا امر کے صیغے بحذف لام ای لیقیموا ولینفقوا کیونکہ قل اس پر دال ہے سرًا و علانیۃً مصدر ہیں موقع حال میں دائبین حال الشمس و القمر سے کل مضاف ما موصولہ مضاف الیہ جملہ مفعول انکم من بقول اخفش زائد ہے۔ ھذا موصوف البلد صفت یا ھذا اسم اشارہ البلد مشار الیہ یہ سب مفعول اول اجعل کا اٰمِنًا اس کا مفعول ثانی۔ ان نعبد ای عن نعبد من عصانی شرط فانك جواب والعائد محذوف ای لہ من ذریتی میں من زائدہ بواد موصوف عند بیتك صفت یا بدل علی الکبر حال ہے ی وھب لی سے۔

تفسیر: یہاں کلمہ خبیثہ کے پھل بیان فرماتا ہے الم تر سے لے کر الی النّار تک کہ اللہ نے تو ان کو طرح طرح کی نعمتیں دی تھیں۔ انہوں نے بجائے شکرگزاری کے کفر کیا یعنی ناقدری کی اور آپ تو ڈوبے ہی تھے اپنی قوم کو بھی گمراہ کر کے جہنم میں لے گئے۔ اس میں مکہ کے کفار سرداروں کی طرف اشارہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ناشکری ہے کہ منعم حقیقی کے ساتھ اور لوگوں کو شریک سمجھ لیا اور ان کو اس کی خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ پھر ان کے لئے یہیں چند روز عیش و آرام کرنے کی مہلت ہے ورنہ پھر تو جہنم ہی ٹھکانا ہے۔ ایمانداروں کو ان کے برخلاف شکرگزاری کی تعلیم کرتا ہے۔ قُلْ لِّعِبَادِیَ سے وَلَا خِلٰلٌ تک اور وہ شکرگزاری کیا ہے؟ نماز پڑھا کریں جس میں ہاتھ پاؤں سے زبان سے دل سے اس کی تعظیم و ستائش ہے اور ہمارے دیے میں سے دیا کریں فقیر کو مسکین کو اپنے کو بیگانے کو ظاہر کر کے چھپا کے اور اس میں دیر نہ کریں۔ یہی دارِ عمل ہے جو کرنا ہے کرلیں ورنہ پھر ایک دن آنے والا ہے کہ جس میں نہ اعمالِ صالحہ خریدے جاویں گے نہ کوئی دوستی محبت میں نیک عمل نفع دے گا۔ پھر ان ناشکروں کو بتلاتا ہے کہ اللہ الذی الخ اللہ منعمِ حقیقی تو وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے یہ کام کئے ہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو تمہارے فائدے کے لئے بنایا۔ (۲) بادلوں سے مینہ برسایا (۳) پھر اس پانی سے زمین میں سے تمہارے لئے طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں۔ (۴) پانی پر سفر کرنے کے لئے تمہیں کشتی بنانا سکھایا (اسی طرح ریل آگبوٹ دخانی کلیں ہزاروں باتیں بندوں کو سکھائیں کہ جن سے آرام پاتے ہیں) (۵) نہروں کو تمہارے بس میں کر دیا جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو اور پانی سے طرح طرح کے کام لیتے ہو پن چکی اور کیا کیا (۶) چاند اور سورج کو تمہارے لئے ایک خاص چال سے چلایا اگر اس میں خلاف ہو تو انتظامِ عالم بگڑ جاوے (۷) رات دن کو تمہارے لئے مسخر کیا اپنے وقت پر رات دن آتے ہیں جس سے دنیا کے تمام کاروبار ٹھیک ٹھیک ہوتے ہیں (۸) ان پر کیا حصر ہے تم نے جو کچھ مانگا اس میں سے کچھ نہ کچھ تمہیں دیا۔ آنکھ ناک بے قیمت اعضاء بے مانگے دیے اور پھر ہر موقع پر ہر اڑی میں تمہاری مدد اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ لاکھوں نعمتیں ہیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔ پھر بتلاؤ جن کو تم نے اس کا شریک بنایا ہے ان میں سے کون سی چیز انہوں نے پیدا کی ہے پھر جو تم اللہ کے ساتھ ان کو ملاتے ہو یا اللہ کے منکر ہو بڑے ظالم اور بڑے ناشکر ہو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام شکرگزار بندے کا ذکر کرتا ہے اور ان کی وہ دعائیں بھی کہ جن سے نیاز کی بو آتی ہے تاکہ مکہ اور اس کے اطراف کے ناشکر کفار کو جو ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ معلوم ہو کہ تم انہیں کی دعا کی برکت سے مکہ میں امن سے بیٹھے ہوئے ہو۔ یہاں کوئی مار دھاڑ نہیں کرتا۔ انہی کی دعا سے اس خشک ملک میں میوے اور تازہ ترکاریاں کھاتے ہو انہی کی برکت سے دنیا بھر کے لوگ تمہاری طرف آتے ہیں پھر تم کیسی نااہل اولاد ہو جو اس کی ناشکری اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کر رہے ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ کر چلے اور دل میں مفارقتِ اولاد کا رنج تھا اس وقت خانۂ کعبہ کے سامنے آپ نے اللہ سے یہ دعا کی (۱) اس مکہ کے جنگل کو امن کا شہر کر دے (چنانچہ کر دیا جاہلیت کے ایام میں بھی وہاں کوئی کسی کو ایذا نہ دیتا تھا اس میں مشرکینِ مکہ پر تعریض ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں اس شہر میں تکلیف دیتے ہو)۔ (۲) مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا حضرت کو الہاماً معلوم ہوا ہوگا کہ ایسے معابد میں انجامِ کار ملت

متغیر ہوتے ہوتے بت پرستی بھی ہونے لگے گی سو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی سعادت مند اولاد کو اس سے بچایا۔ رہے قریش مشرک سو وہ بقول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ گویا حضرت کی نسل سے منقطع ہیں جیسا کہ نوح کے بیٹے کو لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ کہا گیا اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے (۳) میں نے جو اپنی اولاد اس جنگل میں کہ جہاں کھیتی نہیں ہوتی کعبہ کی خدمت اور نماز پڑھنے کے لئے آباد کی ہے (نہ کہ بت پرستی کے لئے) پس تو اپنے بندوں کے دل ان کی طرف جھکا دے اور ان کو اس جنگل میں میوے دے۔ چنانچہ حج فرض ہوا' خلقِ خدا آنے لگی اور مکہ کے قریب طائف کے ٹکڑے میں یہ تاثیر عطا کی جہاں ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والے گویا شام کے میوے کھاتے ہیں۔ پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دردِ دل اور نیازِ باطن کی طرف ان لفظوں میں اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ اشارہ کر کے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے اور شکر بجا لاتے ہیں کہ آپ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا کی اولاد بھی کیسی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام۔ اول الذکر عرب بالخصوص قریش کے جدِ امجد اور دوسرے تمام انبیاءِ بنی اسرائیل کے۔ اولاد اور بھی تھی مگر لائقِ ذکر یہی دونوں سعادت مند فرزند تھے پھر دعا کرتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّ سَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

اور (اے نبی!) اللہ کو ان کاموں سے کہ جن کو ظالم کر رہے ہیں بے خبر نہ سمجھنا (فوراً عذاب اس لئے نہیں آتا) کہ ان کو محض اس دن کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ جس دن آنکھیں پھٹی رہ جاویں گی وہ (حساب کے لئے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے سر اٹھائے ہوئے (ٹکٹکی باندھے ہوئے۔) کہ ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں پھرتی ہوگی اور ان کے دل ہوں گے کہ دھک دھک کر رہے ہوں گے اور لوگوں کو اس دن سے خبردار کرو کہ جب ان پر عذاب آوے پھر تو ظالم کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم کو تھوڑی دیر کے لئے مہلت دیجئے کہ تیرا بلانا قبول کریں اور پیغمبروں کے کہنے پر چلیں۔ (جواب دیا جائے گا) کیا تم وہی نہیں تھے جو پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم کو کچھ بھی زوال نہیں۔ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں بھی رہ چکے ہو کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ستم ڈھایا تھا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے

---

[۱] مسرعین الی الداعی وقیل الامطاع ان تقبل یصرک علی المرای تدیم النظر الیہ لاتطرف کشاف اقناع الراس رفعہ وقیل نکسہ۔ ۱۲ منہ

ساتھ کیا کیا تھا اور تمہارے سمجھانے کو ہم نے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں اور انہوں نے بھی اپنے داؤ گھات کئے تھے اور ان کے داؤ اللہ کے سامنے ہیں اور اگرچہ ان کے داؤ تو ایسے تھے کہ جن سے پہاڑ ٹل جاتے۔ پس (اے نبی!) کبھی خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ نے جو وعدہ اپنے رسولوں سے کیا ہے اس کے خلاف کرے گا بے شک اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: غافلًا تَحْسَبَنَّ کا مفعول ثانی تَشْخَصُ جملہ یوم کی صفت مُهْطِعِيْنَ حال ہے اَبْصَارُ سے لان المراد صاحب الابصار۔ مُقْنِعِيْ بھی حال ہے ن کو اضافت سے ساقط کر دیا لَا يَرْتَدُّ حال ہے ضمیر مُقْنِعِيْنَ سے وَاَفْئِدَتُهُمْ جملہ حال ہے يَوْمَ مفعول ثانی ہے اَنْذِرِ کا۔ ای انذرهم عذاب یوم الخ تبین کا فاعل حالھم محذوف کیف موضع نصب میں ہے فعلنا کی وجہ سے۔

تفسیر: مکہ کے کفار کو جو وہ دعاءِ ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے امن میں رہ کر مغرور تھے یہ سناتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے ان کو سزا نہ دے گا سزا تو ابھی دیتا مگر اپنی مصلحت سے اس دن کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ جس میں قبروں سے نکل کر موقف کی طرف دوڑے چلے آرہے ہوں گے اور ہیبت کے مارے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی سر آسمان کی طرف ہوں گے نہایت بدحواس ہوں گے یعنی قیامت کے دن اور تمہاری یہ سب تدبیریں ہم سے مخفی نہیں۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وانذر الناس لوگوں کو ڈراؤ عام ہے کہ اہل مکہ ہوں یا اور ہوں یہود و مجوس و نصاریٰ۔ کس لئے کہ آپ تمام بنی آدم کے لئے رسول ہو کر آئے ہیں اور کس چیز سے ڈراؤ؟ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ اس دن سے کہ ان پر عذاب الٰہی آوے۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ موت کا عذاب مراد ہے جس سے کوئی بغیر ایمان و عمل صالح بچ ہی نہیں سکتا۔ بعض کہتے ہیں دنیاوی مصائب مراد ہیں جو کفر و بدکاری پر آتے ہیں پھر اس دن جو ستمگار کہیں گے اس کا ذکر کرتا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ذرا مہلت دیجئے کہ تیرے رسولوں کا کہا مان لیں یعنی ایمان لا دیں اور توبہ کریں مگر بجائے مہلت کے یہ جواب ملے گا اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ کہ کیا تم نے قسمیں کھا کھا کر یعنی وثوق سے متکبرانہ یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کو تو کبھی زوال ہی نہیں۔ نہ ہماری سلطنت اور دولت جانے والی ہے نہ حیات نہ یہ عیش و نشاط ہم نے ان کے قیام و دوام کی تدابیر کر لی ہیں بعض تو صاف صاف زبان سے یہ کہتے ہیں اور بعض کا حال یہ کہہ رہا ہے اور اس کہنے کے سوا کیا تم ان لوگوں کے ملک اور شہر اور مکانوں میں نہیں بسے کہ جو تم سے پہلے تھے اور ان کی تدابیر جو دراصل مکر میں بڑی قوی تھیں جن سے پہاڑ ٹل جائیں پھر جب ان پر ہلاکت آئی اور وہ نہ رہے تو تم نے کیوں نہ سمجھا کہ ہم بھی نہ رہیں گے اس کے سوا تمہیں طرح طرح کی نظائر سے سمجھایا۔ اس کے بعد رسول کو اطمینان دلاتا ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی معرفت جو وعدے کر چکے ہیں کبھی ان کا خلاف کرنے والے نہیں اور ہم زبردست ہیں انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

اصفاد جمع صفد بفتحتین یقال صفدۃ وقیدتہ والمراد بہا الاغلال وا رو السلاسل ۔ ۱۲ منہ

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ع ۱۱ ۱۹

(یہ سب اس دن ہوگا کہ) جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جاوے گی اور آسمان بھی (اور آسمان سے بدل دیا جاوے گا) اور لوگ (قبروں سے) نکل کر اللہ واحد قہار کے سامنے آویں گے اور (اے مخاطب!) تو اس دن تو گنہگاروں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا۔ ان کے کرتے رال کے ہوں گے اور آگ ان کے مونہوں کو ڈھانکے لیتی ہوگی (یہ اس لئے) کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے اعلان (الٰہی) ہے اور تا کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو (قہرِ الٰہی سے) ڈرایا جاوے تا کہ لوگ معلوم کرلیں کہ وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور تا کہ دانشمند سمجھیں۔

ترکیب: یوم انتقام کا ظرف ہے یا اذکر محذوف کا مفعول۔ والسمٰوٰت تقدیرہ غیر السمٰوٰت۔ سرابیلھم جملہ حال ہے المجرمین سے و تغشی بھی حال ہے لیجزی ای فعلنا ذلک للجزاء اور ممکن ہے کہ یہ برزوا سے متعلق ہو۔ ولینذروا بہ ای ھذا القرآن بلاغ وانذر للناس لام بلاغ سے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ انزل محذوف سے ولیذکر معطوف ہے ولینذروا پر۔

تفسیر: یہ اس انتقام کے دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے یوم تبدل الارض الخ کہ اس دن یہ زمین و آسمان بدل جاویں گے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ قیامت کو ایک سفید ستھری زمین پر لوگ جمع کئے جاویں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آسمانوں و زمین کی صفات میں تغیر و تبدل ہوگا۔ یہ زمین زیادہ وسیع کردی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں ذات میں تغیر و تبدل ہوگا یعنی اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا اور یہی قوی ہے کیونکہ وہ عالم اس عالم کے غیر ہے جیسا کہ اس کی تشریح سورۃ بقر کی تفسیر میں ہم کر چکے ہیں۔ مکاشفات یوحنا حواری سے بھی کہ جس کو عیسائی الہامی سمجھتے ہیں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے پھر اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب قبروں سے نکل کر خدائے قہار کے سامنے آجاویں گے اور گناہگار زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آویں گے۔ انسان کے ملکاتِ رذیلہ اور بری خصلتیں اس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں بن جائیں گی اور ان کے سرابیل (جمع سربال قمیص یعنی کرتا) کرتے قطران (وھو شیء یتحلب من شجر یسمی الابہل فیطبخ، ویطلی بہ الابل الجرب یتسارع فیہ اشتعال النار وھو اسود اللون منتن الریح) یعنی رال کے ہوں گے جن میں جلدی آگ بھڑک اٹھے گی اور آگ کا شعلہ ان کے مونہوں کو ڈھانک لے گا یہ بھی انسان کے اعمالِ بد ہوں گے جو لباس کی طرح دنیا میں اس کو ڈھانکے رہتے ہیں جن میں آتشی شعلہ قبول کرنے کی زیادہ قابلیت ہے اور یہ آسمان و زمین کا تبدل اور عدالتِ الٰہی کا قائم ہونا اس لئے ہوگا کہ لیجزی اللہ کل نفس ما کسبت ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے۔ یہ وجودِ قیامت پر ایک برہانِ قاطع ہے کس لئے کہ اس کی عدالت کا مقتضی یہی ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیوے اور دارِ دنیا اس امر کے لئے کافی نہیں۔ اول تو یہ دارِ عمل ہے نہ کہ دارِ جزاء۔ دوم نہ یہاں سزا کامل ہے نہ جزاء کامل ہے کس لئے کہ کون سے نعماءِ دنیا ہیں جن میں کچھ نہ کچھ تلخی نہ ملی ہو اور کون سے شدائد ہیں کہ جہاں ذرا ظہورِ راحت نہ ہو اس لئے کوئی اور مقام اس فیصلہ کے لئے مقرر ہونا چاہیے وہ روزِ قیامت ہے اور کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اس روز بے شمار مخلوق ہوگی ان کے حساب کے لئے غیر متناہی زمانہ چاہیے پھر اس عرصہ میں بہت سے جزاء و سزا سے بچ جاویں گے کیونکہ ان اللہ سریع الحساب وہ طرفۃ العین میں بلکہ ایک وقت میں سب سے جلد حساب لے گا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اہلِ دنیا اپنے ناز و نعم میں مست ہو کر اس پیش آنے والے دن کو دور نہ سمجھیں اس کی عمر کا انجن ہر ذرہ منازل طے کرتا ہوا جا رہا ہے جلد وہ مقام آنے والا ہے چونکہ عالمِ آخرت کے یہ اسرار ایسے نہیں کہ ان کو کوئی بغیر مددِ الہام عقل سے دریافت کر سکے اس لئے فرمادیا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ کہ قرآن لوگوں کو ان کے نیک و بد کی خبر دینے والا اور دارِ آخرت کی خرابیوں سے خوف دلانے والا ہے اور نیز انسان کی سعادت کا رہبرِ کامل ہے اور نیز اتمامِ حجت ہے اس پر بھی جو کوئی نہ مانے تو اپنا سر کھائے۔ انسان کی دو قوت ہیں ایک نظریہ جس سے علم و ادراک صحیح صحیح حاصل کرسکتا ہے منجملہ اس کے خدا کی ذات و صفات پر ایمان ہے اور نیز

فرشتوں، رسولوں اور ان کی فرمودہ پر۔ دوسری قوت عملیہ ہے کہ جس سے نیک کام کر سکتا ہے ان دونوں قوتوں کی اصلاح سعادت ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ پس اول کی طرف جو اصل الاصول ہے بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ میں اشارہ ہے کس لئے کہ ایمان اور علم ہی عمل کی بنیاد ہے اور دوسرے کی طرف وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ میں کس لئے کہ یہ سمجھنے سے مراد توبہ کرنا' نیک کاموں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اللھم وفقنا للحسنات۔ ۔ اواخر ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں بوقت صبح بمقام دہلی یہ حصہ تمام ہوا۔

❀❀❀❀❀